

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْعِلْمُ نَارٌ وَالْجَاهِلُ كَالْمُتَمَرِّ عَلَى النَّارِ»

جلالہ

سوانح حیات مقدّسہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین رسول اکرم محمد بن عبد اللہ  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۱۵۶)

آغا حالات ولادت با سعادت آنحضرت تا واقعات پنجم سال ہجرت

مؤلفہ  
خان بہادر سید اولاد حسین

بگرامی

مؤلف سوانح حضرات چار دہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین،

شَمْسِ پُر پُر اِکْ دُعا مِلنِ اَللّٰہِ نَجَاتِ اِہْمِ چھٹی

اللہ اکبر

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اُتَمِّدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ  
خدا سے سبحانہ تعالیٰ کی مہربانی اور ملک و قوم کی قدر دانی کے شکریوں کے ساتھ ہم اسوۃ الرسول کی

جلد دوم۔ بالغ نظریں قوم و ملت کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ توقع قبول رُزیش باد

جلد اول میں قبل از اسلام عرب کے تاریخی، جغرافی، سیاسی، تمدنی، قومی، اور مذہبی حالات و واقعات  
مفصل اور مسلسل طور پر بیان ہو چکے ہیں۔ اور انہیں کے ساتھ ساتھ انبیاء سے سابقین سلام اللہ علیہم و آلہم و علیہم  
جمعین کی شریعتیں، طبقات اہم سابقہ میں اہل حضرات کی تعلیم، ادب کی تبلیغی خدمتیں قوم و قبائل کو خدا پرستی اور نیک  
سرشتی کی ہدایتیں جو اصلاً شریعت اسلامیہ کا مقدمہ تھیں۔ تاریخ و سیرت کے خالص اصول پر سلسلہ دار پوری  
تفصیل سے قلمبند کر دی گئیں ہیں سابق انبیاء سے عرب کے ذکر حالات میں خاص طور پر سلسلہ مقدسہ ابراہیمی  
اور خانوادہ مطہرہ اسمعیلی کے حالات و واقعات زیادہ تفصیل و تشریح سے بیان کئے گئے ہیں اسلئے کہ یہی حضرات معدن  
انوار ختم النبیین و مخزن آثار و اسرار سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ الطاہرین تھے۔

اس سچے کا طبیعت میں قید اہل بن اسمعیل سے لے کر حضرت عبد المطلب تک جتنے قابل ذکر بزرگوار گزرے ہیں  
اون کے حالات و واقعات تحقیق کر کے تفصیل سے لکھ دیے گئے ہیں۔ اس لئے کہ کلیات اولین کے انہیں مقدمہ  
خاتم الرسالت کا آغاز ہوتا ہے یا یوں بجا جاوے کہ اسی مبتدا سے منجر صادق علیہ السلام کی تمام خبروں کے سلسلہ  
واقعات مسلسل ہوتے ہیں۔

خسوس ہے کہ قدیم ماخذوں کے طریقہ تالیف کے خلاف۔ جدید تاریخ نویسوں اور سیرت نگاروں نے ان بزرگوں  
کے حالات کو واقعات قبل اسلام سمجھ کر یا سیرت النبوی کے موضوع خاص سے زاید جان کر قلم انداز کر دیا ہے لیکن ہم نے انکی  
نقل و اندراج کو اس لئے ضروری اور مفید سمجھا ہے کہ انکے ذکر و بیان سے خاندان رسالت اور دودمان نبوت کی قدسیت  
وقار و جلال و اقتدار اور ملک و قوم پر انکا اعتبار و اختیار ثابت ہوتا ہے۔ اور انہیں امور کے ساتھ انکی سلامت روی  
نیک نفسی، خوش اخلاقی اور قوم و وطن کے ساتھ ہمدردی کے پورے ثبوت ملتے ہیں۔

**جلد دوم میں**۔ جناب ختمی مرتبت علیہ السلام کی ولادت سے لے کر ہجرت کے پانچ سال تک کے تمام حالات و واقعات کامل تشریح و تفصیل سے قلمبند ہیں۔ آغاز رسالت سے پہلے نزول رسالت کے اسباب اور خاص کر جزیرہ نمائے عرب میں حضرت ختم المرسلین کی بعثت اور آخر رسالت کے قیام بعثت کی مخصوص توہمات تاریخی ثبوت کے ساتھ مندرج کی گئی ہیں۔ اسی ضمن میں عرب کے تمام اہامی اور غیر اہامی مذہب و عقاید اور دستور و مراسم بھی بیان کئے گئے ہیں۔ خاص کر عرب کے دیڑھے مذہب، یہود و عیسائی شریعتوں کے زبردستی پوری کیفیت بھی لکھی گئی ہے۔ اس لئے کہ اسلام کو ہر مقام پر ان سے مقابلہ کا متواتر اتفاق ہوا ہے۔

یہود سے زیادہ عیسائیوں کی شریعت، ان کے اعتقادات، اعتقادات میں خود غرضانہ اختراعات، آپس میں فرقہ بندیاں، ان تمام فرقوں کے جدا جدا حالات بقید سلسلہ وار درج کئے گئے ہیں اس لئے کہ ابتدائے اسلام میں انکی مخالفت اتنی ضرر رساں ثابت نہیں ہوئی ہے جتنی موجودہ وقت و زمانہ میں۔ عرب کی تاریخ اور اسلام کا کارنامہ یہودیت و عیسائیت کے بڑے بڑے پیرنگ۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دکھلاتا ہے یہود تو اسلام کے ساتھ خوب جی بھر کر لڑے مارا اور مرے۔ لیکن ان کے برعکس عیسائیوں کے ابتدائی ہی سے اسلام کے مقابل قطعی خموشی اور سکوت اختیار کیا کبھی کبھی انکی ہر سکوت تو بھی تو اسلام کے متعلق ان کے موندہ سے الفاظ تائیدی اور تصدیقی ہی نکلے دلا خطہ ہو۔ واجب پھر ان کی اوں تصدیق رسالت آنحضرت م۔ نجاشی کی تائید و تصدیق اسلام واقعہ ہجرت اُدلی۔ حداس کا اقرار رسالت یسوع مسیح قبل ہجرت م اوس زمانہ میں عیسائیوں کی یہ خموشی اوں کی حیلہ الوقتی اور حکمت عملی پرستی کی جائے یا اوں کی کئی اعداد اور قلت افراد کی وجہ سے قرار دی جائے۔ لیکن یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ بمقابلہ یہود۔ ابتدائے اسلام کو عیسائیوں سے اتنا ضرر نہیں پہنچا۔ جتنا یہودیوں سے۔

یہود اسلام کے مٹانے کی کوششوں کے ساتھ عرب سے آپ ہی مٹ گئے۔ اور اپنی بد اخلاقیوں کی وجہ سے آج تک نہ پھر قومی اعتبار ہی حاصل کر سکے اور نہ دینی اقتدار۔ ان کے برعکس عیسائیوں نے حفاظت و حمایت اسلام کے سایہ میں آکر مغربی و شمالی عرب میں اتنی قوت و عظمت حاصل کر لی۔ کہ وہیں سے بلا دیورپ اور تمام اقطار عالم میں پھیل گئے۔ لیکن قوت و عظمت پا جانے کے زمانہ سے لے کر آج تک اوسی اسلام کو۔ جو ہر زمانہ میں انکا محسن اور معاون ثابت ہو چکا تھا عیسائیوں نے ہر ملامت بنا رکھا ہے۔

کس نیا مومن علم تیرا من کہ مرا عاقبت نشان نگو

**قیام مکہ کی سیر**۔ سالہ مدت میں مخفی طور پر تبلیغ رسالت اور دعوت اسلام کے تمام واقعات و حالات مفصل طور پر لکھے گئے ہیں اور اوں سعادت مندان روزگار کے تفصیلی حالات قلمبند کئے گئے ہیں جنہوں نے اپنی تحقیق و تلاش خاص سے اسلام کی تصدیق کی اور مشرف بایمان ہو کر سبقت اسلام کا ثمر حاصل کیا۔ اسلامی سیرت نگار ان واقعات کو

زیر ہر کچھ تفصیل سے نہیں لکھتے۔ لیکن ہم نے ان کے واقعات کو اسلام کے مدد حانی مآثر کا معیار صداقت قرار دے کر پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ اور حتی الامکان ان تمام بزرگواروں کے قبول اسلام اور حصول ایمان کے مفصل حالات درج کئے ہیں۔  
 انھوں نے اپنی تحقیق و تلاش۔ غور و خوض اور ذاتی مشاہدہ و تجربہ سے اسلام کی صداقت کے اعتراف کا اظہار اور اس کی متابعت کا اقرار کیا ہے۔

قیام مکہ کے زمانہ میں داعی اسلام علیہ وآلہ السلام پر ظالمین تشریش اور مشرکین مکہ کی طرف سے جو مظالم اور تشدد کئے گئے اور دعوت اسلام کی ممانعت میں جو انواع و اقسام کی تدبیریں عمل میں لائی گئیں اور ہر دنی اقوام و قبائل سے سازشیں کی گئیں۔ وہ موجودہ تمام اسلامی سیرت کی کتابوں سے زیادہ مفصل طور پر لکھی گئیں ہیں۔  
 عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانی۔ دونوں بیعتوں کے احوال کو پوری تشریح و توضیح سے لکھ کر اسلام کی مخفی دعوت کی حقیقت اور اس کے فوائد و ضرورت کو پورے طور سے ثابت کر دیا ہے اور بتلادیا ہے کہ اکثر خوش اعتقاد ان اسلام کی مبادرت و استعجال نے ابتدا میں اعلان اسلام پر اسرار قبیل از وقت کر کے فائدے کی جگہ نقصان اٹھایا ہے۔  
 یہ وہ حقیقت ہے جس کو علی اکثر سیرت نگاروں نے نظر انداز کر دیا ہے۔

تیسرے چوبیس سال نبوت سے ہجرت کے پہلے سال کی ابتدا ہوتی ہے اور پھر اسلام علیہ السلام مکہ منظر سے مدینہ منورہ میں تشریف لے جاتے ہیں واقعات ہجرت میں تقلید اسلاف اور تاکید و تائید عقاید کے زیر اثر ہو کر جیسی اور جتنی نقاب فگنی کی گئی ہے اس کا پورا انکشاف کر دیا گیا ہے اور ان تمام خارجی اور بیرونی گرد و غبار سے حقیقت و اصلیت کا جمال آئینہ نما صاف کر دیا گیا ہے۔

قیام مدینہ کے وقت سے پانچ برس تک کے مفصل اور مسلسل واقعات ہماری موجودہ جلد دوم کے مخصوص جزئیات میں۔ بیعت عقبہ اور تعین نقبائے دوازده گانہ کے بعد مبلغین اسلامی کی خدمات ہجرت صحابہ ہما جزین معقیدین انصار کے بے نظیر اکرام و ایثار۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ورود۔ قبا اور مدینہ میں آپ کا خیر مقدم۔ عقیدہ تہجد و ان کا پر جوش استقبال۔ حضرت ابوباب انصاری کا شرف میزبانی۔ تعمیر مسجد نبوی وغیرہ وغیرہ۔ بظاہر تو وہی حالات ہیں جو نہایت کتب تاریخ و سیرت میں عموماً مندرج ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر واقعات میں ان تمام جزئیات کی بھی تفصیل کر دی گئی ہے جو عموماً سیرت نویسوں کے قلم سے چھوٹ گئے ہیں۔

نادانفکار آن حقیقت۔ اسباب ظاہر پر نظر رکھ کر اکثر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ میں بھجوتے ہی اسلام اور باقی اسلام علیہ السلام کو ہر امر میں آسانی و فراغت آرام اور اطمینان مل گیا۔ ایسا سمجھنا حقیقت سے ناواقفیت اور قیست سے بے خبری ہے۔ ایسا نہیں۔ مکہ کی فحش اور مخفی تبلیغ سے علانیت اور علی روس الاشہاد و ہدایت و ارشاد و زیادہ پر خطر تھے۔ اس میں شک نہیں کہ مستعد باعوان و انصار کی وجہ سے دعوت اسلام کو اب اخفا کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی تو کیا



اس تنہا ضرورت کے رفع ہو جانے سے اعلان اسلام کی تمام دشواریاں بھی چلی گئی تھیں یعنی تبلیغ میں تو دشمنوں کے مظالم اور ایذا رسانی کے کم اندیشے تھے۔ اس لئے کہ ان کو غریبی نہوتی تھی۔ ظاہری اور علی الاعلان دعوت ایمان کے وقت تو گویا اون کے مظالم کے لئے کوئی جواب ہی نہیں تھا۔ اس لئے حقیقت شناس حضرات جب ان دونوں مختلف مقامی حالات پر موازنہ کی نظر ڈالتے ہیں تو انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ مکہ سے زاید مدینہ میں ایک ایک قدم اسلام کی تعلیم و تبلیغ کی تمام راہیں۔ انواع و اقسام کی دشواریوں سے بھری پڑی تھیں۔

انہیں دشواریوں کو ابتداً آپس نظر رکھ کر پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اتحاد عام اور مساوات بین القوامی کی تعلیم سے دعوت اسلام کا آغاز و افتتاح فرمایا۔ اس لئے کہ مکہ کی طرح مدینہ ایک ہی قوم و مذہب کے لوگوں کا مرکز نہیں تھا۔ بلکہ خاص مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں مختلف مذاہب عقاید اور قبائل کے لوگ آباد تھے اس بنا پر یہ نہ ممکن تھا کہ تنظیم اتحاد و یکجہتی کے بغیر اسلام کے انتظام افراد اس کے مجوزہ عنوان امن عام وہاں قائم ہو سکیں۔ مدینہ کے قدیم باشندے یہود و انصار تھے۔ یہود تو یہود۔ انصار جو اسلام کے خاص الخاص منبر بان تھے اور عین و مددگار اوش و خراج کے دو مخالف فرقوں میں منقسم تھے۔ یہ تعلیم اسلام ہی کے فیوض تھے جنہوں نے ان کی قدیم مخالفت کو باہمی موافقت تبدیل کر کے دو فرقوں کو ایک رشتہ اتحاد میں وابستہ کر دیا۔ انصار کے بعد یہود سے بھی شرائط صلح و امن عام پر اقرار و تقبی کر کر انصار و یہود گویا دو قوموں کو ایک کر دیا جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا۔

مدینہ منورہ کی اندرونی تنظیم اتحاد و کو درست کر کے پیغمبر اسلام علیہ السلام نے گرد و پیش کی غیر مسلم قوم قبائل کو بھی اسلام کے ساتھ شرائط امن عام میں شریک کر لیا۔ صلح و آشتی کے اس پیام عام اور اتحاد و یکجہتی کی اس دعوت خاص میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس انہماک خاص سے کام لیا کہ مدینہ میں تشریف آوری کے زمانہ سے لے کر زاید ایک سال تک کی مدت اسی انتظام میں تمام ہو گئی۔ ہیر دنی قوم و قبائل کے پاس کبھی چھوٹی چھوٹی صحابہ کی وفین بننا بنا کر اس پیام صلح کے ساتھ بھیجی جاتی تھیں اور علی الاکثر۔ دور و دراز مقاموں میں مہاجرین و انصار کی جماعت کو ساتھ خود تشریف لیجا کر غیر مسلم قوموں کو اسلام کے اس معاہدہ امن و امن عام میں شریک فرمایا جاتا تھا۔

اسلامی تاریخ و سیرت کے مطالعہ کرنے والوں پر ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امن عام کے موجودہ انتظام کی کوششوں میں اکثر مدینہ سے نکل کر مکہ کی نصف راہ تک چلے جاتے تھے۔ پورا ان دور و دراز مقامات میں مہینوں اور کئی ہفتوں تک ٹہر جاتے تھے۔ اور جب تک کہ معاملات یکسو نہ ہو لیتے تھے۔ مدینہ میں واپس نہ آتے تھے۔ وہ وقت اور اس کی ضرورتیں صاف صاف بتلا ہی ہیں کہ اسلام اور تمام اقوام کے امن عام کے لئے یہ انتظام کیسے ضروری اور مفید تھے۔ اکثر سیرت نگاروں نے ان معاہدین الاقوامی کے حالات و واقعات کو طوالت کے خیال سے مفصل نہیں لکھا ہے۔ اور ان کے نقل و استنباط میں اختصار اختیار کیا ہے لیکن ہم نے ان حالات کو اسی تفصیل سے قلمبند کیا ہے جس تفصیل و

تشریح سے یہ اہل مآخذوں میں منسوج کئے گئے ہیں اسلئے کہ نئے نئے نسل و اندراج سے مخالفین اسلام کے اور اعتراضات کی کالی تردید ہو جاتی ہے جو عالم فیزیکی کی غرض خاص سے اسلام کے آغاز اشاعت کو تیغ زنی اور عام خوریزی کا دریابہ قرار دیتے ہیں۔

عیسائی مقررین اگر کچھ بھی دیکھنا دیکھتے ہیں تو اسلام کے ان معاہدین الاقوام کو پھینچتے ہیں۔ اوس کے شرائط کو ملاحظہ فرمائیں کہ امن و امان اور آرام و الطہنان قائم رکھنے کے فوائد و منافع مسلم قوم و قبائل تک محدود نہیں رکھے گئے تھے بلکہ یہ تمام شرائط اپنے تمام منافع و فوائد کے ساتھ ان قوم و قبائل کے ساتھ بھی اپنی عملی صورتوں میں دیے ہی تھے جو اس وقت تک اسلام سے بالکل علیحدہ اور بیگانہ تھے۔ مگر اس وقت امن عام کے اصول پر فرماندہ ہو کر اسلام کے ساتھ اس معاہدہ میں شریک ہو گئے تھے۔

اس معاہدہ کی قبولیت و منظورسی میں قبول اسلام کی شرط ضروری نہیں تھی۔ مدعا صرف امن پسندی اور صلح نہی ہو سکتا تھا۔ ہر قوم و قبیلہ اسی لئے عام اس سے کہ اسلام لایا ہو یا نہ لایا ہو۔ اگر وہ امن عام قائم رکھنے پر راضی ہو گیا ہو تو وہ بلا عذر اسلام کے معاہدہ کا حلیف و شریک بنالیا گیا ہے۔ وہ اپنے تمام مذہبی اور قومی فرائض و مراسم کی اداکاریوں میں بلا امتیاز مسلم قوموں کی طرح آزاد اور خود مختار ہے۔ اور اپنے حقوق و مطالبات میں مسلم قوموں کے ساتھ برابر اور مساوی ہے۔ غزوہ و دان۔ بواط۔ ذوالعشر۔ وغیرہ وغیرہ میں رحمت سفر سی نظر رحمت سے خاص طور پر اختیار فرمائی گئی تھی۔ عیسائی مقررین پیغمبر اسلام علیہ وآلہ وسلم کے اس عملی انتظام اور جناب عیسیٰ مریم علیہ السلام کے اس احکام کو کہ مت بھوکو من زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں آیا۔ بلکہ طوارطو لانے آیا ہوں۔ انجیل متی۔ باب ۱۰۔ آیت ۴۔ میں پڑھ کر خود تصدیق کر لیں کہ ان دو نو بزرگواروں میں صلح کرانے کے پیام کون دیتا ہے اور طوارطو لانے کے احکام کون؟

اس کے متعلق یہ بتلادینا نہایت ضروری ہے کہ غزوہ کے نام سے عام طور پر عیسائیوں کو و مشقت اور اودن کے دیکھا دیکھی ہمارے شمس السلام مولوی شبلی صاحب کو اودن سے زیادہ دہشت ہوتی ہے۔ چونکہ تمام عربی تاریخ و حدیث کی کتابوں میں اصطلاح خاص کے مطابق۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر خاص کو غزوہ کے لفظ خاص سے موصوف کیا گیا ہے اور محاورہ عام میں غزوہ۔ جنگ کے معنوں میں لیا گیا ہے اسلئے کہ اصلاً غزنی سے مشتق ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام غزوات رسول عموماً جنگی معرکے سمجھے گئے ہیں۔ یورپین مقررین نے اس محاورہ کی غلطی سے خاص فائدہ اٹھالیا ہے اور غزوات کی کثیر التعدادی سے اشاعت اسلام کو عام طور پر سیف مانی اور خونخواری کا نتیجہ بتلایا ہے حالانکہ یہ منور یا نہ غلط فہمی ہے اور خود غرضانہ عالم فیزیکی۔

شبلی صاحب کو مقررین کی اسی اشارت نے گمراہ کیا اور آپ نے بھی تاریخ نگاران و سیرت نویس

اسلامی پر تعدد و غزوات کا الزام لگا ہی دیا۔ حالانکہ معترضین اگر حقیقت شناس نہیں تھے تو آپؐ اس اصطلاح خاص کا علم کامل حاصل تھا۔ آپؐ تو جانتے تھے کہ اتنے کثیر التعداد و غزوات میں سوائے چند کے اور سب میں اسلام نے صرف تفریق کا یہ حال حاصل کی ہے۔ نہ شمشیر سے لیکن چونکہ ان تمام موقعوں پر پیغمبر اسلام علیہ السلام بالذات بنفس بنفس شریک تھے اسلئے اصطلاح خاص کے موافق اسلامی مورخین و اہل سیرت ان مقامات کے تمام حالات کو بھی غزوہ کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ حالانکہ اس تعبیر سے ادنیٰ بکا اصل مدعا سفر رسولؐ تھا جب حقیقت حال شبلی صاحب پرڈن ہو چکی تھی جیسا کہ سیرۃ النبیؐ میں مذکور غزوہ حمرا لاسد لکھ کر بتلا بھی دیا گیا ہے تو پھر سلسلہ غزوات کی تہذیب میں ایسی مضطربانہ تحریکیوں کا بلند فرمانی گئی ہے جس سے سیرت و تاریخ کے اندراج کی بنا پر آپؐ کا تعدد و کثرت غزوات کے متعلق نوے تسلیم و ایجاب ثابت ہوئے۔ چنانچہ اس بحث کے خاص مقام پر آپؐ کے اضطراب کا کامل اطمینان کر دیا ہے۔

معاهد صلح عام کے شرائط کچھ عرب کی نیت پرست قوم ہی کے ساتھ محدود و مخصوص نہیں تھا بلکہ مدینہ کے خاص یہود اور ان کے تمام قریب کے قبائل و عشائر نے نہایت مسرت اور رضاعت و رغبت سے اسلام کے ان مجوزہ اور پیش کردہ شرائط صلح کو قبول کیا اور اپنی ہموطن اور ہمسایہ مسلم قوموں کے ساتھ قوم متحدہ کے اصول پر ہمیشہ کاربند اور عمل پر ایستہ کے لئے اتراری دستخط کر دئے لیکن سال ہی بھر کے بعد پھر کفار قریش کی سکارانہ سازشوں نے یہودیوں کو دام فریب میں لاکر اسلام کی تنظیم اتحاد کے شیرازہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور قوم یہود کی فطرتی غداری اور خلقی پیمان شکنی کی بد اخلاقیوں نے اسلام کی صلح عام کے موجودہ انتظام کو درہم دبرہم کر دیا۔

یہیں تک بس کر دیتے تو اتنی تکلیف دہ وہ ثابت نہ ہوتے۔ یہود اپنی ہمسایاں شکنی اور خلاف عہدی کے ساتھ ظالمین قریش اور مشرکین مکہ سے ملکر اسلام کے استیصال اور بیخ کنی پر تیار ہو گئے اور پھر اس شدت و عصبیت کے ساتھ کہ اسلام کو ان پہلو کے دشمنوں سے جان بچانا دشوار ہو گیا جیسا کہ ان کے حالات سے مختلف مقامات کتاب میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔

کفار قریش تو ابتدا ہی سے استیصال اسلام پر تلے ہوئے تھے۔ موجودہ تنظیم اتحاد کو مختلف اقوام و قبائل میں اسلام کے خاص اہتمام سے قائم ہو رہی تھی۔ دیکھ کر اور بھی جل اٹھے۔ اور اپنی قدیم مکارانہ اور دغا بازانہ تدبیروں سے اسلام کے درپے آزار ہوئے۔ ایک بار دس مبلغین اور دس سرباز چالیس مبلغین اسلام کو تعلیم دین کے میلے سے خدمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے کر ہمراہ لے گئے اور گھرا کر خونخواروں نے بے گناہ مہمانوں کو قتل کر ڈالا جعیب بن عدی اور زید بن ابی الدثنہ بھی ان میں شہداء میں داخل تھے۔ جن کی مصیبت ناک سرگذشت پر عرب کی تاریخیں آج تک خون رو رہی ہیں۔

کفار قریش کی مدینہ پر تو تار تاخت و تاراجی کو سلسلہ جنابی اور شرائط معاہدہ سے اشرار یہود کی مدد گردانی۔ گویا

اسلامی غزوات کا دیباچہ قرار پاتی ہے۔ اور آغاز معرکہ بدر میں منقسم حقیقی کی بارگاہ سے۔ اسلام کو ایک ہزار فوج مخالف کے مقابل میں کل تین سو تیرہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ مدافعت کا حکم جہاد دواتی ہے۔ انھیں ناگزیر ضرورتوں کے وقت جب کفار مشرکین کی تلواریں بے تصور مسلمانوں کے گلوں سے آگلیں تو مسلمانوں کو اپنی جان و مال و آبرو کی حفاظت میں دشمنوں سے مدافعتاً مقابلہ کرنا پڑا یہی واقعات غزوات اسلامی کے اصلی وجوہات قائم ہوئے۔

اس جلد میں غزوات بدر، احد، بدر خندق، کل تین غزوات کے حالات قلمبند ہیں اور جنہیں کے ان حالات واقعات کے تمام جزئیات معتبر ماخذوں کی اسناد سے مفصل اور مسلسل طریقہ سے قلم بند کئے گئے ہیں۔ ان معرکہ ہائے جنگ میں کفار قریش کے ظالمانہ اور جارحانہ حملات کے موقعوں پر اسلام نے جس صبر و تحمل اور ضبط و استقلال سے محض مدافعتاً طریقہ مقابلہ اختیار کیا ہے وہ اُمم سابقہ کے تذکروں اور دنیا کے کارناموں میں۔ قروت اخلاق۔ کرم و اشتقاق۔ دشمنوں سے رعایت و مہربانی اور عام ہمدردی انسانی کے بے نظیر مشاہدات ثابت ہوتے ہیں۔

اسلام کے موجودہ پنج سال حالات۔ میں یہودیوں سے کسی مقابلہ و مقاتلہ کی نوبت نہیں آئی۔ اگرچہ اس عہد شکن قوم کی غدار یوں اور کافر کرداریوں نے اسلام کے استیصال و بیخ کنی کی کوئی اسکا فی تدبیر اٹھانہ رکھی یہاں تک کہ ایک بار نہیں کسی بار بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خفیہ طور پر جان لینے کی مکارانہ سازشیں بھی عمل میں لائے۔ لیکن اس خلق مجسم اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ان ناقابل عفو جرائم سے ہر بار چشم پوشی اختیار فرمائی۔

ہاں جب یہودیوں کی خفیہ سازشیں کفار قریش کی تلواروں کے ساتھ کھل پڑیں۔ اور یہود قریش کے ہمدردی شکن زور و زور اسلام کے مقابلہ پر نکل پڑے اور کفار قریش کی طرح اسلام کے ہاتھوں سے شکست کامل اٹھایا چکے تو پیغمبر اسلام علیہ التعلیٰ السلام نے ان کی تبیہ و تادیب کی طرف توجہ فرمائی اور ان کے غیر متحمل اور ناقابل معافی قصوروں کے مقابلہ میں بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودیوں کو شرائط معاہدہ سے خلافت و زری کے مجرم میں۔ صرف جلا وطنی کی سزا دی اور بنی قریظہ کو جنگ خندق میں خلافت معاہدہ شرک ہونے کے قصور میں۔ انھیں کے مقرر کردہ حکم دس عبد بن معاذ انصاری کے تجویز کردہ فیصلہ کے مطابق قتل و اسیر کر دیا اور ان مجرمین میں بھی تمام عورتیں اور لڑکے قتل سے بخلاف حکم قریت کتاب الاعداد باب ۳۱ درس ۶-۲۵ سستی اُچھڑے گئے۔ اور چند یہودی مع بال بچوں کے غایت رحمت سے خاص طور پر چھوڑ دئے گئے۔

یہودی فطرتاً منہ کے کڑے تھے۔ دل کے بورے۔ اہل مکہ و مدینہ تھے نہ صاحب تدبیر تھے نہ مرد شیر قریش سے مل جل کر جنگ خندق میں مسلمانوں سے مقابلہ بھی ہوئے تو شکست اٹھائی۔ اور قبل اس کے کہ ان کا شہ یک لشکر قریش میدان سے واپس ہوئے یہ اپنے ڈیرے ڈنڈے اٹھا کر اپنے قلعہ میں چلے گئے اور کیوار بند کر کے



چھپ رہے۔ سوائے جنگ خیبر کے یہ کبھی تنہا ہو کر میدان میں مسلمانوں سے نہ لڑے اور عمر کی شکست کے بعد ان کے وصلے ہمیشہ کے لئے ایسے ٹوٹ گئے کہ پھر یہ لوگ مخالفت اسلام کا نام بھی مونہ پر نہ لے سکے اور علاقہ حجاز سے دیا شام و مغرب کی طرف چلے گئے۔

جنگ خندق اور غزوہ بنی قریظہ کو نام کر کے جو شہہ بھری کے واقعات میں۔ انہیں کے سلسلہ میں بیانہ قرظیہ کے علاوہ واقعہ کی حقیقت اور حضرت زینب سے نکاح کرنے کی اصلیت اور ضرورت پوری تفصیل و توضیح سے ظہر بند کی گئی ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں واقعات اور ان کے متعلق چند غیر متعید اور خلاف واقع مرفیات۔ عیسائی مفسرین کی سرایت ہیں جن کی کامل تردید و تنقید معبر و لائل دستند مشاہد سے کر دی گئی ہے۔ انہیں دو اعتراضوں کے جوابوں تک منحصر نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ مخالفین اسلام کے ادوں تمام اعتراضات کے مدلل اور مفصل جوابات اپنے اپنے مقام پر دیئے گئے ہیں۔ جو ہلام کہ پیغمبر اسلام علیہ وآلہ والسلام پر وارد کئے جاتے ہیں۔

حضرت ختمی مرتبت علیہ التسلیم و التیمم کی حیات مقدس کے مبارک حالات میں روایات سے لے کر نیم سال ہجرت تک بہت سے ایسے واقعات تھے جو محض اتفاقیہ طور پر اسلامی تاریخ و سیرت نگاروں کی نگاہوں سے چھوٹ گئے تھے۔ اور ادوں کے ذکور بیاں ہی آنحضرت صلعم کے مکالم اخلاق اور محاسن عادات کے اظہار ہوتے تھے۔ متعبر ماخذوں سے مستنبط کر کے نقل کر دیئے گئے ہیں۔

بہت سے ایسے واقعات کی حقیقت کا بھی کامل انکشاف کر دیا گیا ہے جو سن عقیدت کے اصول کے موافق تھے مگر شان رسالت کے بالکل مخالف۔

بہت سے ایسے واقعات و حالات کی بھی نہایت تحقیق سے کامل تنقید و تردید کر دی گئی ہے جن کی حقیقت اور اصلیت پر خواہ مخواہ۔ تابعد عقاید۔ تقلید اسلاف اور روایات و قیاس کے بھگانگ طریقوں سے نقاب نگینی کی گئی ہے۔ اس طریقہ خاص کا شمس العلما مولوی شبلی صاحب ثمانی نے مجلدات سیرۃ النبی میں ایک خاص عنوان اختیار فرمایا ہے۔ جس کی تمہید و سباجہ کتاب ہی سے شروع کی گئی ہے۔ اور پھر اصل کتاب میں ادوں خاص مقامات و واقعات پر چھوٹا چکر۔ جو مفید مطلب حالات تھے ادوں میں اتنے اضافات و توسیعات سے کام لیا گیا ہے۔ جو کسی قدیم و جدید تاریخ و سیرت میں مندرج نہیں اور خلاف مطلب واقعات و حالات میں نظر استحقاق و احداث اس قدر کوتاہی اور مختصر قبی اختیار فرمائی گئی ہے کہ حقیقت حال اور اصلیت واقعہ معلوم ہرگز نہ ہوتا ہے۔

اس شان خاص کے بیان کا جو شان دیباچہ کتاب میں لکھا گیا ہے اس کی کامل تنقید و سباجہ تصدیق کر دی گئی ہے۔ جو جلد اول کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ جس میں کہیں کہیں بعض حالات و واقعات کے متعلق تھے اختلاف و استخفاف و استہسان و غلط فہمی کے کئی کئی نمونے دیئے گئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ہی



میں کر دیا گیا ہے۔ اس سے زائد موجودہ جلد دوم میں ان اضافات و حذفیات واقعات کی حقیقت کا اپنی اپنی مقامات خاص پر انکشاف کر دیا گیا ہے۔

تفصیل و قیامات و حالات میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک طرز عمل سے حق پسندی، عام دردمندی، رعایت و مروت اور اخلاق و اشفاق کی بے نظیر مثالیں دکھلائی گئیں ہیں جو مسلمانوں کی ہدایت داریں کے لئے کافی ہیں اور اسی رعایت مخصوص اور قیامات کا کہ **فَیْمَا اَسُوۡاْ حَسَنَةً** کی اشارت مخصوص پر اس کتاب کا نام **اَسُوۡةُ الرَّسُوْلِ** تجویز کیا گیا ہے۔

**رَبَّنَا نَقْلُ مِثَالِ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ** توفیق قبول رزقیش باد۔  
 نایف کتاب اور تحریر واقعات میں مفصلہ ذیل ترتیب و احتیاط برابر قایم رکھی گئی ہے  
 (۱) واقعات کے سلسلہ بیان میں قیامات و شہین کا خاص الزام رکھا گیا ہے اور بلا لحاظ ذکر قوم و قبائل خاص جو واقعہ جس سال کا پایا گیا ہے اسی سال کے ذکر میں قلم بند کر دیا گیا ہے بخلاف ترتیب سیرۃ النبی کے جس میں نجیال ذکر خاص قوم یہود و مسیحہ ہجری کے تمام واقعات بیان کرنے کے بعد ضرورتاً پھر سلسلہ سلسلہ ہجری کے حالات نقل کئے گئے ہیں۔

(۲) نقل اسناد میں زیادہ تر اونھیں کتابوں کے حوالے مندرج کئے گئے ہیں جو میری نگاہ سے گزر چکی ہیں۔  
 (۳) بعض مقامات میں علماء و محققین کی نایفات کے حوالے بھی نقل کر دئے گئے ہیں جن کے لائق اعتبار اور قابل الاسناد ہونے پر انکا اتفاق ہو چکا ہے

(۴) ہر ماخذ اصلی کا حوالہ عبارت ماخذ کے خانہ ہی پر لکھ دیا گیا ہے۔ اور ناظرین کتاب کو حاشیہ زیر میں نمبر و تلاش کرنے کی زحمت نہیں دی گئی ہے۔

(۵) اصل ماخذ کی عبارت پہلے پھر اس کے مقابل اس کا ترجمہ درج کر دیا گیا ہے۔  
 ۶ ہر واقعہ کو تاریخ و سیرت کے معیار مقررہ کے موافق لکھا گیا ہے۔ ان اون واقعات کی تفصیل و تشریح میں مرویات تفاسیر و احادیث کی نقل و استنباط سے بھی مدد لی گئی ہے۔ جو سیرت و تاریخ کے موضوع خاص سے علحدہ ہونے کے باعث تاریخ و سیرت کی کتابوں میں نہیں پائی گئیں۔

(۷) واقعات سیرت و تاریخ کے ذکر و بیان کو قیاسی دلائل اور خارجی مباحث کی آمیزش سے حتی الامکان پاک و صاف رکھا گیا ہے۔

۸ مطبوعہ حوالوں کے مطبع اور مقام کا نام بتلا دیا گیا ہے اور قلمی حوالوں کے آگے قلمی لکھ دیا گیا ہے۔  
 (۹) جن کتابوں سے نقل و استنباط کیا گیا ہے ان کے نام۔ ان کے مصنفین کی تصدیق و توثیق بھی ایک جدول

میں عیار و مرتب کر کے منسک کر دی گئی ہے۔  
 بِسْمِ آتِكَ مَا عَلِمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ  
 وَأَخِيرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ  
 وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى نَبِيِّنَا وَآلِهِ  
 الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ  
 آمِينَ  
 تمت بالخیر

المؤلف احقر  
 سید اولاد حیدر بکرامی

کو اتمہ ضلع آرہ  
 شریف العمارۃ  
 ۶ شوال ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۹ اپریل ۲۰۱۲ء

اون کتابوں اور ان کے مصنفوں کی توثیق جن کی اسناد سے اُسوۃ الرسول جلد دوم لکھی گئی ہے

| بیچ | نام کتاب                       | نام مصنف                    | توثیق   |
|-----|--------------------------------|-----------------------------|---|
| ۱   | تاریخ الرسول فی الملوک طبری    | کتاب تاریخ<br>ابن جریر طبری | تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں ہے<br>محمد بن جریر اکامام الحفاظ ابو جعفر الطبری احد الاعلام<br>یہ کتاب لکبیر المشہور فی تاریخ الامم۔<br>شمس العلماء شبلی صاحب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں<br>تاریخ سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر<br>طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال نہ شقہ اور<br>وسعت علم کے مقرر ہیں۔ ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔<br>محدث ابن خزمیہ کا قول ہے کہ دنیا میں کسی کو اس سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا<br>سلسلہ میں وفات پائی۔ بعض محدثین دسیلمانی نے ان کی نسبت لکھا ہے<br>کہ یہ شہوں کے لئے حدیثیں رفع کیا کرتے تھے۔ لیکن علامہ ذہبی نے یزید بن<br>الامتدال میں لکھا ہے عند ارجعوا بظن الکاذب بل ابن جریر<br>من کبار ائمة الاسلام المعتمدین۔ |
| ۲   | تاریخ الکامل<br>ابن اثیر       | ابن الاثیر جزیری            | وفیات الاعیان میں ہے<br>عن الدین ابوالحسن علی بن محمد بن اثیر الجزیری صاحب تاریخ<br>المسمی بالکامل کان اماماً فی حفظ الحدیث ومعرفۃ و<br>حافظاً للتواریخ المتقلدۃ والمتاخرۃ وصنف فی التاریخ کتاباً<br>باسمہ الکامل وهو من خیار التاریخ۔  |
| ۳   | کتاب المختصر فی اخبار<br>البشر | ابوالفداء                   | تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں مرقوم ہے۔<br>کتاب المختصر فی اخبار البشر للہک الموبد اسمعیل ابوالفداء التونی<br>مستخرج<br>حج الکرامۃ مولوی صدیق حسن خان میں ہے<br>تاریخ۔ ملک الموبد ابوالفداء اسمعیل در مختصرات فن حیلہ نجدہ و معتبر است  |

|   |               |                      |  |
|---|---------------|----------------------|--|
| ۴ | تاریخ انجیس   | قاضی حسین دیار بکری  | کشف الظنون میں ہے  |
|   |               |                      | خمیس فی السیر للقاضی حسین بن محمد دیار بکری المالکی ازبیل<br>المکة المکرمۃ المتوفی فی حدود سنۃ ۸۵۰ ہجری وهو<br>کتاب مشہور۔   |
| ۵ | روضۃ المناظر  | ابن شحنة الجلی       | تعلیقات السنیہ مولوی عبدالحی لکھنوی میں ہے۔<br>ہو محب الدین ابو الولید محمد بن محمد الشہید بن شحنة الجلی<br>انجفی کان محبا للسنۃ واماہامات شمس ہجری ولہ تصنیف<br>فی سیرۃ النبویۃ و تاریخ الطیف۔<br>حدائق انجفیہ میں ہے   |
|   |               |                      | محمد بن محمد شحنة محب الدین سکنہ میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث کے بڑے محب تھے<br>امام بہام نے آپ سے پڑھا ہے کتاب روضۃ المناظر تصنیف کی۔  |
| ۶ | وفیات الاعیان | ابن خلکان            | حسن المحاضرۃ فی اخبار المصر القاہرہ سیوطی میں ہے<br>ابن خلکان۔ قاضی القضاۃ شمس لدین ابوالعباس احمد<br>بر محمد بن ابراہیم بن ابی بکر الشافعی صاحب وفیات<br>الاعیان۔ کان ذکراً عادفاً بابا مراً الناس مات رجب سنۃ ۸۵۰  |
| ۷ | روضۃ الاحباب  | حافظ جمال الدین محمد | کشف الظنون میں ہے<br>روضۃ الاحباب فی سیرۃ النبی و لال و الاحباب قادی<br>بحال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ المتوفی سنۃ ۸۵۰ ہجری۔<br>حدائق انجفیہ مولوی فقیر علی لاہوری میں ہے<br>جمال الدین عطاء اللہ صاحب روضۃ الاحباب آپ اعظم اولاد الحبہ<br>خیر الانام تھے جس جملہ انعام علوم دینیہ اور اصناف فنون یقینیہ خصوصاً علم<br>حدیث و سیر میں بے عدیل اور عظیم تمثیل تھے کثرت اسرار تنزیل اور<br>حلال مفصلات موافق تاویل تھے۔ آپ کی تصنیفات سے روضۃ الاحباب<br>فی سیرۃ النبی و لال و الاحباب ایسی عمدہ اور معجزہ اور مشہور آفاق ہے کہ اپنا<br>نما فی نہیں رکھتی۔ |

|    |               |                          |  |
|----|---------------|--------------------------|--|
| ۹  | روضۃ الصفا    | محمد بن خاوند شاہ        | کشف الطنون میں ہے<br>روضۃ الصفا فی سیرۃ الانبیاء والملوک والمخلقا۔<br>للمؤرخ محمد بن خاوند شاہ المتوفی سنہ ۹۳۰ ہجری۔   |
| ۱۰ | حبیب السیر    | غیاث الدین ہری           | کشف الطنون میں ہے<br>حبیب السیر فی سیرۃ غیاث الدین مروی بن مہام الدین<br>وہر فی محللات کبار من کتب المتنبعة، المتنبعة۔   |
| ۱۱ | سیرۃ ابنی     | شمس العلماء شبلی نعمانی  | مما لبس سیرۃ الفائق۔ سیرۃ المأمون۔ سیرۃ النعمان وغیرہ سابق<br>بروئیس علی گڑھ قلعہ۔ سیرۃ المأمون۔ سیرۃ النعمان وغیرہ سابق<br>معاشر المتوفی ۱۲۰۰ ہجری۔   |
| ۱۲ | تاریخ احمدی   | نواب محمد حسین خان بہادر | مما لبس تصنیف کثیرہ مثل: سیرۃ الاسلام، علم الکتاب، معرفۃ الأعمال،<br>رفع الحجب عن اسامی الکتاب، تصحیح الاعلاط، معانی، وشرع مفاتیح عجمۃ، مناقب<br>الوارث، المطالب، آیات مینات، فضل اسبغ، بلالہ، البین، ورض الزیاحین۔<br>نجم الزاہر، صبح تہارق، تحفہ، اعظم، الرضا، جوہر النقی، زواہر النقی،<br>جوہر مقرر، کاتب النعمۃ، اثبات الوصایا، کمال الدار، وفاق المذہب<br>یدقیضا، مناظر الخلاف، کتاب المصالح والموافقة، گلستان مذاق وغیرہ<br>فاضل معاصر، القائم۔              |
| ۱۳ | سیرت ابن ہشام | عبد الملک ابن ہشام       | کتاب سیرت<br>شمس العلماء مولوی شبلی سیرۃ ابنی لکھتے ہیں<br>ابن ہشام کا نام عبد الملک ہے۔ وہ نہایت ثقہ اور نامور محدث و مؤرخ تھے<br>میرے قبل سے تھے۔ اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حیرک تاریخ لکھی جو آج بھی<br>موجود ہے انہوں نے سیرۃ میں ہزارہا کہ سیرت میں جو شکل الفاظ لکھے ہیں۔<br>اونکی تفسیر بھی کئی جگہ میں دی گئی ہے۔<br>کشف الطنون میں ہے<br>اول من صنف فی السیرۃ الامام المعروف یہ محمد بن اسحاق<br>دعس اهل المغازی المتوفی سنہ ۱۵۰ ہجری ودفنہا ابو محمد |



|  |                                  |                           |
|--|----------------------------------|---------------------------|
| عبد الملك بن هشام التوفی سائلمہجری فاحسن فاجاد   |                                  |                           |
| <p>وفیات الاعیان میں ہے</p> <p>ابو عبد اللہ محمد بن سعد کا تب الواقدی احد الفضلاء النبلاء الاحلاء وصنف کتابا کبیرا فی طبقات الصحابة وکان کثیر العلم والزوايات</p> <p>مولوی شبلی صاحب نعمانی الفاروق میں لکھتے ہیں</p> <p>محمد بن سعد کا تب الواقدی نہایت ثقہ اور عمدہ مورخ ہے اس نے ایک کتاب تصنیف فرمائی اور صحابہ تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو مختار طور پر لکھا ہے</p> | <p>محمد بن سعد کا تب الواقدی</p> | <p>۱۴ طبقات ابن سعد</p>   |
| <p>کشف الطنون میں ہے</p> <p>المواہب لدنیہ فی السیرۃ للشیخ الامام شہاب الدین احمد القسطلانی و هو کتاب جلیل القدر و ثمر للنافع</p>   | <p>شہاب الدین احمد قسطلانی</p>   | <p>۱۵ مواہب لدنیہ</p>     |
| <p>شبلی صاحب دیباچہ سیرۃ ابنی میں لکھتے ہیں</p> <p>یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی۔ اٹھ ضخیم جلدوں میں ہے بحر میں مچھل گئی ہے</p>   | <p>علامہ عبد الباقی الزرقانی</p> | <p>۱۶ شرح مواہب لدنیہ</p> |
| <p>کشف الطنون میں ہے</p> <p>ریاض النظرۃ فی نقائل العشرۃ لمحبا لدین طبری الثانی</p>   | <p>محب الدین طبری</p>            | <p>۱۷ ریاض النظرۃ</p>     |
| <p>سیرۃ ابنی میں شبلی صاحب لکھتے ہیں</p> <p>سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے مصنف کا نام عبد الرحمن سیلی ہے۔ جنہوں نے سلسلہ میں وفات پائی۔ یہ اکابر محدثین میں سے ہیں اور تمام مصنفین مابعد سیرۃ ہندی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق ان کے خوشہ چین ہیں مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب ایک سو بیس کتابوں کی مدد سے لکھی ہے۔</p>  | <p>علامہ عبد الرحمن سیلی</p>     | <p>۱۸ روض الالف</p>       |

|    |               |                            |  |
|----|---------------|----------------------------|--|
| ۱۹ | حیوۃ النحوان  | محمد بن عیسیٰ بیری         | کشف الظنون میں ہے<br>حیوۃ النحوان د میری للشیخ کمال الدین محمد عیسیٰ الدیمی<br>اشافی المتوفی سنہ ۷۵۱ھ و هو کتاب مشہور<br>تعلیقات السننیہ میں تحریر ہے<br>مجموع لطیف و جامع شریف فیہ نوائل مستعدہ و لطائف<br>السنن بہ مولفہ کمال الدین محمد بن عیسیٰ الدیمی   |
| ۲۰ | سیرۃ الحلیمیہ | علی بن ابراہیم حلبی        | خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر سلامۃ<br>مجہدی میں ہے<br>علی بن ابراہیم الملقب نول الدین بن برہان الدین الحلبی<br>اشافی الامام الکبیر اجل اعلام المشائخ و علامۃ الزمان<br>الف المولفۃ البدیعة منها السیرۃ النبویہ الی سماہا انساب<br>العبید فی سیرۃ الامین المامون   |
| ۲۱ | اشفی المطالب  | شمس الدین حرزی             | بستان المحدثین میں شاہ عبد الغزیز صاحب لکھتے ہیں<br>صاحب حسن الخصال قاضی القضاۃ ابو النجیر شمس الدین محمد مشہور ابن حرزی<br>است از حافظ ابن کثیر فقہ و حدیث امروخت و از اعز الدین بن جاعقہ و محمد<br>بن اسماعیل تجاری نیز اجازت دارد و در ملک روم اورا امام اعظم لقب دادہ بودند<br>مولفات او بہ نافع و مفید اقتادہ النشر فی القرات العشر خلیہ شہرت دارد<br>واسنی المطالب و الجوامع العلویہ و دیگر تصانیف نیز دارد۔ |
| ۲۲ | مدارج النبوة  | شاہ عبد الحق محدث<br>دہلوی | عجالت نافعہ شاہ عبد الغزیز صاحب دہلوی میں ہے<br>مدارج النبوة شیخ عبد الحق محدث ریسرۃ شامیہ مواہب لدنیۃ مبسوط ترین سیرتنامہ اند<br>اتحاد النبلا مولوی صدیق حسن خاں میں ہے<br>ابوالمجد شیع عبد الحق بن سبغ الدین بن سعد اللہ ترک دہلوی مصنفات<br>ایشان لمعات شرح مشکوات در عربی و اشقہ المعات در فارسی و شرح<br>سفر السعادت و اخبار الاخیار و مدارج النبوة مائیت با سئنتہ وغیرہ<br>مشہور است                         |

|    |                                   |   |   |
|----|-----------------------------------|---|---|
| ۳۳ | شواہد النبوة                      | ملا عبد الرحمن جامی   | کشف الظنون میں ہے<br>شواہد النبوة فارسی مولانا نور الدین عبد الرحمن بن<br>احمد الجامی۔ اولہ الحمد لله الذی ارسل رسلاً مبشرين<br>ومنذرين۔ الخ<br>تاریخ انجیس دیار بکری کے ویساچہ میں ہے<br>انتخبها من الكتب المعتبرة وهي تفسير الكبير والكشاف<br>دالی ان قال، والشواهد النبوة ومواهب لدنیہ   |
| ۳۴ | خطبات احمدیہ                      | ڈاکٹر سید محمد خان  | بانی مدرستہ العلوم علی گڑھ۔ صاحب صنادید۔ و تہذیب الاخلاق وغیرہ۔<br>گزشتہ صدی کے مشہور و معروف محقق جنکی معرفت و توثیق محتاج بیان<br>نہیں۔ المتوفی ۱۳۱۵ھ ہجری۔   |
| ۳۵ | رحمت العالین                      | قاضی سید محمد سلیمان<br>سلمان منصور پوری<br>سیرۃ صحابہ کرام | اسپیشل مجسٹریٹ۔ ریاست پٹیالہ۔ صاحب سیرۃ النبیؐ۔ مکتول۔ متوسط۔<br>اور مختصر۔ فاضل معاصر حق قائم۔   |
| ۳۶ | استغیاب فی<br>معرفة الاصحاب       | امام عبد البر   | تذکرۃ الحفاظ (دوبہی) میں ہے<br>ابن عبد البر الامام شیع الاسلام حافظ المغرب ابو عمر<br>یوسف بن عبد البر لہ توالیف لا مثل لہا فی جمیع معنیہا<br>منہا الکافی عشر مجلد او منہا کتاب الاستغیاب لیس لاحد<br>مثله<br>مولوی شبلی صاحب سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں<br>قاضی ابن عبد البر بڑے محدث و امام ہیں۔ اوکی کتاب الاستغیاب صحابہ<br>کے حالات میں ایک مشہور و مستند کتاب ہے۔ |
| ۳۷ | اسد الغابہ<br>فی<br>معرفة الصحابة | ابن اثیر جزیری  | کشف الظنون میں ہے<br>اسد الغابہ فی معرفة الصحابة للشیخ عز الدین علی بن محمد<br>بن اثیر الجزیری المتوفی سنہ ۶۰۰ھ ذی القعدة فی بغداد اسماؤ<br>الصحابة کتاب ابن اثیر نفیس مستقصی الاسماؤ الصحابة   |

|    |  |                         |   |
|----|--|-------------------------|---|
| ۲۸ | اصباہ<br>فی<br>معرفة الصحابة             | ابن حجر عسقلانی         | کشف الطنون میں ہے   |
|    |  |                         | اصباہ فی تمییز القیامہ للمحافظ شہاب الدین احمد بن حجر<br>العسقلانی المتوفی ۷۵۲ھ ہجری وهو فی مجلدات کبار جمع<br>فیہ ما فی الاستیعاب وذیلہ  |
| ۲۹ | اخبار الخلفاء                            | علی ابن الغبلاوی        | کشف الطنون میں ہے   |
|    |  |                         | اخبار الخلفاء للشیخ تاج الدین علی ابن الغبلاوی المتوفی ۶۴۲ھ   |
| ۳۰ | تذکرہ خواص لامہ                          | علامہ سبط ابن جوزی      | تاریخ ابن وردی میں ہے   |
|    |  |                         | وفی ۷۵۲ھ ہجری توفی الشیخ شمس الدین یوسف سبط ابن<br>جوزی واعطا فاضل له مرآة الزمان تاریخ جامع وله تذکرہ<br>خواص لامہ فی مناقب الائمة   |
| ۳۱ | خلاصۃ الوفا وعلامۃ<br>سہودی              | سید نور الدین سہودی     | جذب القلوب محدث دہلوی میں ہے  |
|    |  |                         | اوحد العلماء والاعلام عالم مدینہ غیر الانام نوالہ بن علی السہودی المدنی دالی<br>ان قال: ان کتاب وفاء الوفاء در ۷۵۲ھ ہجری مختصرہ دیگر انتخاب کردہ<br>وآثر خلاصۃ الوفا نام کردہ در غایت تنقیح و نہایت تنذیب و ابن خلاصہ<br>دریں ایام میں الزام مشہور و متداول است |
| ۳۲ | ترجمہ اسنی المطالب<br>فی<br>نجات ابیطالب | امام المحررین<br>برزنجی | ترجمہ نفی مکہ معظمہ امام مدینہ مفتی احمد بن دحلان ریخی المتوفی<br>فی ۷۵۱ھ ہجری۔   |
| ۳۳ | صواعق محرقہ                              | ابن حجر مکی             | تعلیقات السنیہ میں ہے   |
|    |  |                         | هو احمد بن محمد بن علی بن حجر کان بصری الفقه اماماً<br>اقتدی به الائمة مصنفاته فی العصر عجیز علی الاتیان<br>بمتلها المعاصرون ومن مولفاته شرح منہاج النودی<br>دالی ان قال: الصواعق محرقہ   |
| ۳۴ | ذخائر العقبی                             | طبری الشافعی            | کشف الطنون میں ہے   |
|    |  |                         | ذخائر العقبی لمحمد بن طبری المتوفی ۷۵۲ھ ہجری  |

|    |                                |  |
|----|--------------------------------|--|
| ۳۵ | مطالب السؤل                    | علامہ کمال الدین<br>محمد بن طلحہ الشافعی   |
| ۳۶ | فصول المهمہ فی<br>معرفة الأئمة | علامہ بن صباغ مالکی  |
| ۳۷ | کفاية الطالب                   | علامہ محمد بن یوسف الجعفی<br>الشافعی   |
| ۳۸ | مودة المسترین                  | سید علی ہمدانی   |
|    |                                | نفحات الانس جامی میں ہے<br>امیر سید علی ہمدانی ابن شہاب الدین بن محمد ہمدانی قدس سرہ جامع ہودہ مست<br>سیان علوم ظاہری و باطنی۔   |
| ۳۹ | فتوح البلدان                   | علامہ بلاذری   |
|    |                                | احمد بن یحییٰ البلاذری التتوی مشہور ابن سعد کا شاگرد اور متوکل عباسی کا درباری تھا<br>اسکی دست نظر اور محنت روایت محدثین کے گردہ میں بھی مسلم ہے۔ تاریخ و رجال<br>میں اسکی دو کتابیں مشہور ہیں فتوح البلدان اور انساب الاشراف۔ |
| ۴۰ | ارجح المطالب                   | خواجہ علیہ السلام ترمذی  |
|    |                                | سابق ناظر کتب خانہ سرکار رام پور جی قائم   |
|    |                                | کتب تفاسیر   |
| ۴۱ | جامع البیان                    | ابن جریر طبری  |
|    |                                | تفسیر ابن جریر طبری  |
|    |                                | تذکرۃ الحفاظ میں ہے<br>محمد بن جریر الطبری احد الاعلام له کتاب التفسیر الذی<br>لم یضیف مثله  |
| ۴۲ | غرائب القرآن                   | نظام نیشاپوری  |
|    |                                | تفسیر نیشاپوری   |
|    |                                | کشف الظنون میں ہے<br>غرائب القرآن و غرائب الفرقان فی تفسیر للعلامہ نظام الدین<br>حسن بن محمد الشافعی النیشاپوری۔   |
| ۴۳ | تفسیر کبیر                     | امام فخر الدین رازی  |
|    |                                | کشف الظنون میں ہے<br>مفاتیح الغیب و هو المعروف بالتفسیر الکبیر للامام<br>فخر الدین محمد بن عمر الرازی للتتوی سنہ ۷۸۲ ہجری  |



|    |                    |                                 |  |
|----|--------------------|---------------------------------|--|
| ۳۱ | تفسیر در مشور سوطی | جلال الدین سوطی                 | کشف الظنون میں ہے<br>الدائر المشور فی التفسیر المأثور للشیخ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی سن۹۱۱ھ<br>عجالتہ نافعہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں<br>تفسیر ابن مردودہ و تفسیر زبیدی و تفسیر ابن جریر وغیرہ از مشاہیر تفاسیر حدیث اند و کتاب در مشور شیخ جلال الدین سوطی جامع ہے۔ |
| ۳۲ | معالم التنزیل      | امام بغوی                       | وفیات الاعیان میں ہے<br>ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد المعروف بالقراء البغوی الفقیہ الشافعی المحدث المفسر کان بحرًا فی العلوم صنف کتاباً کثیرة منها کتاب التہذیب و شرح السنۃ و معالم التنزیل فی تفسیر قرآن الکریم۔  |
| ۳۳ | تفسیر کشاف         | علامہ محمود بن عسمر<br>الزمخشری | جامع الاصول میں ہے<br>ابو القاسم محمد بن عمر الزمخشری الخوازمی صاحب التصانیف العجیبہ و التألیفات الغربیۃ مثل الفائق فی غریب الحدیث و کشاف فی تفسیر القرآن  |
| ۳۴ | تفسیر ثعلبی        | محمد بن ابراہیم الثعلبی         | وفیات الاعیان میں ہے<br>ابو اسحق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المفسر المشہور کان احدث زمانہ فی علم التفسیر   |
|    | کتب احادیث         |                                 |  |
| ۳۵ | صحیح البخاری       | محمد بن اسماعیل بخاری           | کشف الظنون میں ہے<br>جامع الصحیح المشہور بصحیح البخاری الامام الحافظ ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی سن۲۵۵ھ<br>وہو اول الكتب الستۃ فی الحدیث و افضلها علی مذهب المختار۔   |

|    |                 |                         |   |
|----|-----------------|-------------------------|---|
| ۴۹ | صحیح مسلم       | مسلم بن الحجاج نیشاپوری | کشف الظنون میں ہے<br>قال الامام النودی فی شرح صحیح مسلم اتفاق العلماء ان<br>اصح الكتب بعد القرآن الكريم الصحیحان صحیح البخاری و مسلم  |
| ۵۰ | صحیح ترمذی      | محمد بن عیسیٰ ترمذی     | کشف الظنون میں ہے<br>جامع الصحیح للامام الحافظ محمد بن عیسیٰ بن سورة<br>الترمذی المتوفی سنة ۲۵۵ هجری  |
| ۵۱ | صحیح نسائی      |                         | کشف الظنون میں ہے<br>جامع الصحیح للامام الحافظ ابی عبد الرحمن بن شعبہ للنسائی   |
| ۵۲ | خصائص نسائی     |                         | ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں<br>واو عجب من جمع مناقبه (ای مناقب علی) من الاحادیث<br>الحجباء النساء فی الخصائص   |
| ۵۳ | مشکوٰۃ المصابیح | خطیب تبریزی             | مرقات شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری میں ہے<br>کتاب مشکوٰۃ المصابیح الادی الفہ مولانا لیل العلامۃ والبی<br>منظر الحقائق وموضع الدقائق الشیخ النقی ولی الدین<br>محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی۔   |
| ۵۴ | دلائل البتوۃ    | علامہ بیہقی             | کشف الظنون میں ہے<br>دلائل البتوۃ لابی بکرا احمد بن الحسین الامام الحافظ اعلیٰ<br>البیہقی المتوفی سنة ۵۵۵ هجری۔   |
| ۵۵ | کنز العمال      | شیخ علی متقی            | اخبار الانبیاء شاہ عبد الحق دہلوی میں ہے<br>شیخ علی بن حسام الدین بن عبد الملک بن قاضی خان المتقی القادری الشاذلی<br>المیدنی المہمبشتی رحمۃ اللہ علیہ درمکہ منظر رخت اقامت نہادہ عالم را با نور طاعت<br>ومہمبات ویاثار افادت علوم دینی و افاضت معارف دینی مستفید ساخت<br>فکر جمیع و تصانیف کتب در سائل در علم حدیث و تصورات اشتغال فرمودہ بعد از<br>مشاہدہ آثار غیر ایشان از تواضع و غیران عقل جبران می شود و بجزم حکم میکند کہ<br>ابن ہاکم توفیق کامل و برکت شامل کناشی از کمال۔ مرتبہ استقامت |

|    |                  |                            |   |
|----|------------------|----------------------------|---|
|    |                  |                            | <p>در نسخ درجہ ولایت باشند و جو دیگر جامع منبر و جامع الجوامع شیخ جلال الدین سیوطی را کہ احادیث تبریب حروف معنی جمع کردہ و ادعائے اعجاز جمع احادیث نبوی از اقوال و افعال کردن تزیین فرمودہ شیخ ابوالحسن بکری فی فرمودند -</p> <p>للسیوطی منۃ للعالمین وللتقی منۃ علیہ (احسان سیوطی بر ہمہ عالم است و احسان تقی بر سیوطی است)</p>  |
| ۵۶ | مسند امام حنبل   | امام المحدثین<br>احمد حنبل | <p>کشف الظنون میں ہے</p> <p>مسند الامام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ جو کتاب جلیل و ان احمد بن حنبل شرافتہ ان لا یخرج الا حدیثاً صحیحاً عنده۔</p> <p>بستان المحدثین شاہ عبدالغفری صاحب دہلوی میں ہے</p> <p>امام احمد چوں از ستودہ این مسند فارغ شد ہمہ اولاد خود را جمع کردہ پرايشان خواند و گفت این کتابست کہ من آنرا جمع کردام و حمیدہ ام ابیہمت تک و پنجاہ ہزار حدیث معنی طرق پس اگر مسلمانان را اختلافی شود در حدیثی از احادیث حضرت پیغمبر علیہ السلام باز کہ باہم کتاب رجوع کند</p> |
| ۵۷ | مستدرک           | امام حاکم نیشاپوری         | <p>وفیات الاعیان میں ہے</p> <p>ابو عبد اللہ محمد المعروف بالحاکم النیشاپوری الحافظ الامام اہل الحدیث فی عصرہ والمولف فیہ الکتاب القی لم یسبق الی مثلہ کان عالماً عارفاً واسع العلم المتوفی سنہ ۴۰۱ھ</p>   |
| ۵۸ | موطار امام مالک  | امام المحدثین مالک         | <p>کشف الظنون میں ہے</p> <p>موطائی المحدث للامام مالک ابن انس بن مالک الاصطبحی المدنی امام مدینہ المجرۃ المتوفی سنہ ۲۶۱ھ</p>  |
| ۵۹ | معجم کبیر طبرانی | امام طبرانی                | <p>کشف الظنون میں ہے</p> <p>معجم الکبیر فی الحدیث لا ما کم الی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الحافظ المتوفی سنہ ۳۲۰ھ</p>   |

|    |                                |                       |  |
|----|--------------------------------|-----------------------|--|
| ۶۰ | معارف ابن قتیبہ                | ابن قتیبہ دینوری      | کشف الظنون میں ہے<br>معارف فی التاریخ لابن قتیبہ ابی محمد عبد اللہ بن مسلم<br>الدینوری المتوفی سنۃ ۳۸۰ھ  |
|    |                                |                       | الفاروق شبلی لغمانی میں مرقوم ہے<br>عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ یمنی نامور اور مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی اسکے اعتبار<br>اور اعتماد کے قابل ہیں۔ تاریخ میں اس کی مشہور کتاب معارف ہے جو مصر<br>وغیرہ میں محبوب گئی ہے۔  |
| ۶۱ | کتاب الامت والسیاست            | ابن قتیبہ کاتب دینوری | مقدمہ الامامت والسیاست محمود رافعی مطبوعہ<br>مصر میں مرقوم ہے<br>کتاب الامامة والسياسة لابن قتيبة الدينوري وجدته<br>توفيداني بابه - حسنا في أسلوبه لم يكن في موضوعه مثله<br>فقد جمع فيه مولفه رحمة الله من طرائف الاخبار واولاد<br>التاريخ فيما يتعلق بمسائل الامامة وما وقع ايام صحابه<br>رضوان الله عليهم۔ |
| ۶۲ | ریاض مستطابہ                   | علامہ یحییٰ عامری     | کشف الظنون میں ہے<br>الرياض المستطابه في جملة من روى في الصحيحين<br>على الصحابة للامام عماد الدين يحيى ابن ابى بكر العامري<br>اليماني المتوفى سنۃ ۳۸۰ھ   |
| ۶۳ | فتح الباری شرح صحیح<br>بخاری   | علامہ ابن حجر         | موصوف کے اوصاف اور مرقوم ہو چکے  |
| ۶۴ | ارشاد الساری<br>شرح صحیح بخاری | قسطلانی               | بستان السعدین شاہ عبدالغفر دہلوی میں ہے<br>ارشاد الساری مشہور قسطلانی شرح صحیح بخاری است تصنیف شاہ ابوالحسن<br>بن ابوبکر قسطلانی۔ و تصانیف کے ازادیا و کارنامہ از اجل انہا میں شرح است۔  |
| ۶۵ | عمدة القاری                    | علامہ محمود عینی      | نواید البہیہ فی تراجم الخفیہ مولوی عبدالحی لکھنوی میں ہے<br>قاضی القضاة بدر الدین عینی ولد بمصر سنۃ ۸۵۰ھ لکھنوی  |

|    |                              |   |
|----|------------------------------|---|
|    |                              | صحیح البخاری شرح ومعانی الآثار وشرح المہدایۃ وغیرہ<br>ذالوکان اماماعلمالاعلامۃ وقد طاعت حمدۃ القاری<br>والنباتۃ شرح المہدایۃ ویکلہا مفیدۃ   |
| ۶۶ | ینابیع المودۃ                | امام قندوری<br>ارجح الطالب میں ہے<br>للآمام سلیمان البلیخی القندوری۔  |
| ۶۷ | شفائی تعریف حقوق<br>المصطفیٰ | قاضی عیاض<br>شفائی تعریف حقوق المصطفیٰ للآمام الحافظ ابی الفضل<br>عیاض القاضی المتوفی ۵۴۳ھ ہجری (الی ان قال،<br>وهو کتاب عظیم النفع کثیر الفوائد لم یولف مثله فی الاسلام)                               |
| ۶۸ | عقد القرید                   | ابن عبد ربہ<br>وفیات الاعیان ابن خلکان میں ہے<br>ابن عمر حاتم بن محمد بن عبد ربہ کان من العلماء الکثرین<br>من المحفوظات والاطلاع علی اخبار الناس وصنف<br>کتابہ العقد وهو من الکتاب المتعده حوی من کل شی |
| ۶۹ | تذکرۃ الحفاظ                 | کتب رجال<br>ذہبی<br>بستان المحدثین شاد عبد العزیز دہلوی میں ہے<br>ذہبی از مشاہیر مشائخ حدیث است وغیرہ بزرگ است  |
| ۷۰ | تدریب الراوی                 | سیوطی<br>تدریب الراوی شرح تقریب النودی (قال فی ذکر تقریب<br>النوی، لہ شرح منہ الشرح الشیخ جلال الدین السیوطی<br>وسماہ تدریب الراوی فی شرح تقریب النودی۔   |
| ۷۱ | تہذیب الکمال                 | مزنی<br>تہذیب الکمال فی اسماء الرجال للحافظ جمال الدین یوسف<br>الزری المتوفی ۸۲۲ھ وهو کتاب کبیر لم یولف مثله  |
| ۷۲ | خلاصۃ تہذیب تہذیب<br>الکمال  | صفی الدین خرمزجی<br>سیرۃ النعمان مولوی شبلی صاحب لغمانی میں ہے<br>رجال و تاریخ کی مستند کتابیں ہیں، امام ابو ضیفہ کا ذکر ہے اکثر میری نظر سے گذرین  |



جہین تاریخ صفی بخاری۔ معارف بن قتیبة مختصر تاریخ خلیف بغدادی انساب سمعانی  
تہذیب الاسماء والصفات نودی تذکرۃ المحفاظ ذہبی دول الاسلام ذہبی۔ غفرانی  
تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی غلامہ تہذیب التہذیب الکمال للعلامہ صفی الدین  
خرزجی خامشہ قابل ذکر ہیں کیونکہ یہ دو کتابیں ہیں جن پر آج فہم رجال کا دار و مدار ہے

کشف الظنون میں ہے  
انساب السمعی الامام ابن سعید عبدالکریم سمعانی  
الشامی المتوفی ۶۲۰ھ و هو کتاب عظیم فی هذا الفن

سمعانی

کتاب الانساب

حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر و القاهرہ و سیوطی میں ہے

ابن خلکان قاضی القضاۃ شمس الدین ابوالعباس احمد بن  
ابراہیم بن ابی بکر الشافعی صاحب وفيات اعیان کان  
ذکیرا عادفا بایام الناس مات رجب سنۃ ۵۰۰ ہجری

ابن خلکان

وفیات الاعیان

## تَمَّتْ بِالْخَيْرِ وَالْعَافِيَةِ

۵ ارشوال چار شنبہ سنۃ ۱۳۲۴ ہجری

مطابق

۲۸ اپریل سنۃ ۱۹۲۶ عیسوی

سید اولاد حیدر رضی عنہ

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### فہرست مضامین اُسوۃ الرسول جلد دوم

| صفحہ | ایام رضاعت                                     | وفات حضرت عبداللہ علیہ السلام                        |
|------|--|--|
| ۳۱   | قدیم میں تعلیم سے ہٹنا۔ دعا استسقا             | حضرت عبداللہ کی وفات                                 |
| ۳۲   | میں شرکت۔ کفالت عبد المطلب پر                  | وفات حضرت عبداللہ پر حضرت آمنہ کا مرقعہ              |
| ۳۳   | مارگٹوس کا اعتراض اور سکا جواب                 | حضرت عبداللہ کا ترکہ                                 |
| ۳۴   | کفالت ابیطالب                                  | سوال و استفسار کے حضرت عبداللہ سے                    |
| ۳۵   | وفات حضرت عبد المطلب                           | کی اولاد نہیں تھی                                    |
| ۳۶   | وفات عبد المطلب پر آنحضرت کا ملام              | ایام گل میں ظہور کرامات                              |
| ۳۷   | حضرت ابی طالب کی کفالت                         | ظہور کرامات سے سر ولیم پر لاکھار                     |
| ۳۸   | کفالت زبیر کے غلط افسانہ کی تنقید              | ادسکا جواب   |
| ۳۹   | ابی طالب کے دل میں رسول کی محبت                | نزول رحمت۔ ولادت شہنشاہ رسالت                        |
| ۴۰   | ابی طالب اور رسول اللہ کی حقیقت                | ولادت باسعادت  |
| ۴۱   | اشعار ابی طالب کی مقبولیت                      | تاریخ۔ روز اور سن ولادت کی تحقیق                     |
| ۴۲   | گھر کی دہیوں کی گدہ بانی                       | حضرت عبد المطلب اور مرثیہ ولادت                      |
| ۴۳   | موضوعیت اشعار ابیطالب کی تنقید                 | تقریبات میں حضرت عبد المطلب کے اشعار                 |
| ۴۴   | ذہبیان چرانے کی نسبت عیسائیوں کا               | ان اشعار دعائیہ پر سر ولیم پر لاکھار                 |
| ۴۵   | اعتراض   | اور جواب   |
| ۴۶   | اعتراضات کی حقیقت کا انکشاف                    | روز اور وقت ولادت کی تحقیق                           |
| ۴۷   | ابطالب کے ساتھ آنحضرت کا سفر                   | مقام ولادت   |
| ۴۸   | شام اور امہد مجمرہ کا مشہور رقصہ               | رسم تسبیہ و تہلیل حقیقت کی بنا پر آنحضرت علیہ السلام |
| ۴۹   | شبلی صاحب کی تنقید قصداً                       |  |
| ۵۰   | شبلی صاحب کی تنقید کی تنقید                    |  |
| ۵۱   | آنحضرت صلوات اللہ علیہ کے محاسن اطوار قبل بلوغ |  |
| ۵۲   |  |  |
| ۵۳   |  |  |
| ۵۴   |  |  |
| ۵۵   |  |  |
| ۵۶   |  |  |
| ۵۷   |  |  |
| ۵۸   |  |  |
| ۵۹   |  |  |
| ۶۰   |  |  |
| ۶۱   |  |  |
| ۶۲   |  |  |
| ۶۳   |  |  |
| ۶۴   |  |  |
| ۶۵   |  |  |
| ۶۶   |  |  |
| ۶۷   |  |  |
| ۶۸   |  |  |
| ۶۹   |  |  |
| ۷۰   |  |  |
| ۷۱   |  |  |
| ۷۲   |  |  |
| ۷۳   |  |  |
| ۷۴   |  |  |
| ۷۵   |  |  |
| ۷۶   |  |  |
| ۷۷   |  |  |
| ۷۸   |  |  |
| ۷۹   |  |  |
| ۸۰   |  |  |
| ۸۱   |  |  |
| ۸۲   |  |  |
| ۸۳   |  |  |
| ۸۴   |  |  |
| ۸۵   |  |  |
| ۸۶   |  |  |
| ۸۷   |  |  |
| ۸۸   |  |  |
| ۸۹   |  |  |
| ۹۰   |  |  |
| ۹۱   |  |  |
| ۹۲   |  |  |
| ۹۳   |  |  |
| ۹۴   |  |  |
| ۹۵   |  |  |
| ۹۶   |  |  |
| ۹۷   |  |  |
| ۹۸   |  |  |
| ۹۹   |  |  |
| ۱۰۰  |  |  |

|    |  |     |  |     |  |
|----|--|-----|--|-----|--|
| ۶۹ | آنحضرت صلعم اور حزب انجاریں شرکت         | ۱۰۷ | موجودہ عربوں سے ملاقات                 | ۱۰۷ | پانچویں صدی میں عیسائیت کی خرابیاں     |
| ۷۱ | آنحضرت صلعم اور ملت الفضول کے            | ۱۰۸ | احباب خاص                              | ۱۰۸ | مختلف مذاہب کی کتابیں                  |
| ۷۲ | سعادے میں شرکت                           | ۱۱۱ | شبلی صاحب کے دونوں مذکورہ بالا         | ۱۱۱ | پچھٹی صدی میں عیسائیت کی خراب حالت     |
|    | سن بلوغ                                  | ۷۳  | عنوان کی تنقید                         | ۷۳  | فرقہ بنو قیسائیت                       |
| ۷۴ | ترکیج با حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا      |     | اسباب رسالت                            | ۱۱۲ | فرقہ بنو قیسائیت کی ابتدا              |
| ۷۵ | مشغلہ تجارت                              | ۷۵  | اسباب رسالت                            | ۱۱۴ | قتل ہستیہ                              |
| ۷۶ | حضرت خدیجہ کی وسیع اور فروغ یافتہ        | ۷۶  | مذہب یہود کی زوال پذیر حالت            | ۱۱۹ | شاہ مارقیوس کا خون ناحق                |
| ۷۷ | تجارت                                    | ۷۷  | عیسائیت کی خراب حالت                   | ۱۲۲ | مختلف طوعات عالم میں عیسائیوں کے مظالم |
| ۷۸ | آنحضرت صلعم اور حضرت خدیجہ کی تجارت      | ۷۸  | پلوس نے خاص عیسائیت کو خارجی عقاید     | ۱۲۳ | ملک اسپین میں حکومت عیسائی             |
| ۷۹ | کا انتظام                                | ۷۹  | سے آلودہ کر دیا                        | ۱۲۴ | یورپ میں عیسائیت کی دینی اور دنیوی     |
| ۸۰ | حضرت خدیجہ کا پیام نکاح اور آنحضرت کا    |     | عیسائیت کی خرابیوں کی تفصیل            |     | بد نظمی                                |
| ۸۱ | ایجاب                                    |     | کیفیت                                  |     | قبل بعثت - ملک عرب کے خاص حالات        |
| ۸۲ | مجلس نکاح حضرت ابیطالب کا خطبہ           | ۸۲  | وجود عیسائی کے متعلق عیسائیوں کے مختلف | ۱۲۵ | عرب میں بت پرستی کیسے آئی              |
| ۸۳ | حضرت خدیجہ کی طرف سے وردہ کا خطبہ        | ۸۳  | عقائد اور ان کے مختلف فرقے             | ۱۲۶ | عرب کے بتوں کے نام اور مقام            |
| ۸۴ | حضرت خدیجہ کی طرف سے ولیمہ نکاح          | ۸۴  | پہلی صدی عیسوی میں عیسائیت کی خراب     | ۱۲۷ | عرب کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں      |
| ۸۵ | تفسیر خانہ کعبہ                          | ۸۵  | حالت                                   | ۱۲۸ | عرب کے الہامی مذاہب                    |
| ۸۶ | موجودہ تیسویں اضافات                     | ۸۶  | دوسری صدی میں خرابیات فرقہ مارکونٹ     | ۱۲۹ | مذہب مسیحی                             |
| ۸۷ | محمد لایم (صلعم)                         | ۸۷  | فرقہ دانشین - فرقہ افانائٹس (افعیون)   | ۱۳۰ | مذہب ابراہیمی                          |
| ۸۸ | تربیت حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام        | ۸۸  | فرقہ پیراکوس                           | ۱۳۱ | مذہب یہود                              |
| ۸۹ | نجات کی ضرورت سے پرو نجات میں سفر        | ۸۹  | فرقہ مانیتھیس - فرقہ مانوتیہ           | ۱۳۲ | مذہب عیسائی                            |
| ۹۰ | مراجم بشرک سے ہمیشہ اجتناب               | ۹۰  | تیسری صدی میں عیسائیت کی خراب حالت     | ۱۳۳ | عرب میں ظہور اسلام                     |
| ۹۱ | ایک صاحبزادے کے عبدالغفری نامہ دیکھنے کا | ۹۱  | فرقہ سیپیلین کا آغاز                   | ۱۳۴ | خاص عرب میں آنحضرت صلعم کے بیٹوں       |
| ۹۲ | فطرت انسانہ                              | ۹۲  | چوتھی صدی میں عیسائیت کی خراب حالت     | ۱۳۵ | ہونے کی ضرورت                          |
| ۹۳ | اس افسانہ کے متعلق شبلی صاحب کا حضرت     | ۹۳  | فرقہ ایرین کا ظہور                     | ۱۳۶ | شبلی صاحب کا خاندان رسالت پر غلط       |
| ۹۴ | خدیجہ کی نسبت علماء قیامی اور اسکے تنقید | ۹۴  | کونسل نیس اور عقائد کی تدوین           | ۱۳۷ | الزام                                  |

|     |                                      |     |  |
|-----|--------------------------------------|-----|--|
| ۱۵۸ | نبوت کا پچھٹا سال                    | ۱۵۸ | نبوت کا ساتواں سال                       |
| ۱۵۹ | دعوت قریش                            | ۱۵۹ | ہجرت حبشہ                                |
| ۱۶۰ | حدیث اخی و عینی و خلیفہ              | ۱۶۰ | نخاشی کے دربار میں سفرائے قریش کی        |
| ۱۶۱ | عبارت حاشیہ متعلقہ حدیث مذکورہ از    | ۱۶۱ | ایلی۔ ادنی تو دید میں حضرت جعفر کی تعمیر |
| ۱۶۲ | صفحہ ۱۹۴ تا صفحہ ۲۰۵                 | ۱۶۲ | حضرت عمر کا اسلام لانا                   |
| ۱۶۳ | دعوت قریش اور یسائی مومنین کی تصدیق  | ۱۶۳ | حضرت عمر کے اسلام لانے کی دوسری نعت      |
| ۱۶۴ | نبوت کا پانچواں سال                  | ۱۶۴ | قریش اور آنحضرتؐ سے ہاشم و کنعان         |
| ۱۶۵ | کفار کے اسباب مخالفت                 | ۱۶۵ | قریش اور بنی ہاشم سے ترک موالات          |
| ۱۶۶ | موت تک کفار کی خاموشی کے اسباب       | ۱۶۶ | بنی ہاشم سے ترک موالات کا عہد نامہ       |
| ۱۶۷ | ظالمین قریش اور مظلومین اسلام        | ۱۶۷ | بنی ہاشم اور اہل بیت کی حمایت            |
| ۱۶۸ | خباہ بن المارث                       | ۱۶۸ | شعب اہل بیت کی سہ سالہ قید سخت           |
| ۱۶۹ | حضرت بلال اور صہیب رضی               | ۱۶۹ | نبوت کا دسواں سال                        |
| ۱۷۰ | ابو لکبہ حضرت عثمان غنی بن العوام    | ۱۷۰ | (عام الحزن)                              |
| ۱۷۱ | سعد بن زید مصعب بن عمیر اور سعد قاص  | ۱۷۱ | سہ سالہ قید سے منسلکی                    |
| ۱۷۲ | مسلمان عورتوں پر طہالم               | ۱۷۲ | معراج۔ وجوب نماز                         |
| ۱۷۳ | لبیعہ۔ زبیر۔ نعدیہ اور ام حبسہ       | ۱۷۳ | وفات اہل بیت و خدیجہ۔ ایمان بطلاب        |
| ۱۷۴ | حضرت عمر کے مظالم                    | ۱۷۴ | مصائب رسول                               |
| ۱۷۵ | قریش اور آنحضرتؐ کی مخالفت پر مشور   | ۱۷۵ | نبوت کا گیارہواں سال                     |
| ۱۷۶ | قریش کی پہلی دفعہ آنحضرتؐ کی شکایت   | ۱۷۶ | سفوط لکھ اور رسول اللہ کے مصائب          |
| ۱۷۷ | ابی طالب کی خدمت میں                 | ۱۷۷ | قیام طائف                                |
| ۱۷۸ | نبوت کا چھٹا سال                     | ۱۷۸ | قدس نامی عیسائی کی تصدیق رسالت           |
| ۱۷۹ | حضرت حمزہ کا اسلام لانا              | ۱۷۹ | اوسکا اسلام اور بغیر انجام               |
| ۱۸۰ | کفایت قریش اور آنحضرتؐ صلعم کو تبلیغ | ۱۸۰ | قبائل عرب میں اسلام کی تبلیغ             |
| ۱۸۱ | اسلام سے باز رکھنے کی کوششیں         | ۱۸۱ | طائف سے مکہ میں واپس آنے کی دشواریاں     |
| ۱۸۲ |                                      | ۱۸۲ | قبائل عرب میں مختلف مراتب پر تبلیغ اسلام |

|     |                                       |     |  |     |                                |
|-----|---------------------------------------|-----|--|-----|--------------------------------|
| ۲۷۵ | قبیلہ بنو حنیفہ                       | ۲۷۵ | نجدی کی مزیات ہجرت کی حقیقت کا             | ۲۷۵ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۷۶ | قبیلہ بنو ذیل بن شیبان                | ۲۷۶ | انکشافات                                   | ۲۷۶ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۷۷ | قبیلہ بنو عامر                        | ۲۷۷ | فرش رسول اللہ پر علی مرتضیٰ کا بے نظیر ۳۱  | ۲۷۷ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۷۸ | قبیلہ بنو کسندہ                       | ۲۷۸ | استقلال                                    | ۲۷۸ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۷۹ | قبیلہ بنو حنیفہ                       | ۲۷۹ | حضرت ابوبکر اور رسول اللہ کی خدمت ۳۱       | ۲۷۹ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۸۰ | طائف سے واپسی کے بعد آنحضرت           | ۲۸۰ | واقعہ خیمہ ام مہاجرہ                       | ۲۸۰ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۸۱ | مسلم پر مصائب کا فتح الباب            | ۲۸۱ | مراد بن خثعم کا واقعہ                      | ۲۸۱ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۸۲ | ان غیر متقل مصائب پر آنحضرت مسلم کا   | ۲۸۲ | عامر بن نفیرہ کی حقیقت                     | ۲۸۲ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۸۳ | بے نظیر صبر و استقلال                 | ۲۸۳ | سفر مدینہ کی منزلیں                        | ۲۸۳ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۸۴ | حضرت موسیٰ کے صبر علی مصائب           | ۲۸۴ | مدینہ میں نزول رسول مسلم                   | ۲۸۴ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۸۵ | سے سوار                               | ۲۸۵ | قیامیں نزول رسالت                          | ۲۸۵ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۸۶ | حضرت عیسیٰ کے صبر علی مصائب سے        | ۲۸۶ | قیامیں حضرت علی کا درود                    | ۲۸۶ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۸۷ | موازنہ                                | ۲۸۷ | قیامیں رسول اللہ کا پہلا خطبہ              | ۲۸۷ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۸۸ | نبوت کا بارہ حواں سال                 | ۲۸۸ | خاص مدینہ منورہ میں داخلہ                  | ۲۸۸ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۸۹ | مدینہ منورہ اور قبائل انصار           | ۲۸۹ | حضرت ابویوب انصاری کے گھر میں              | ۲۸۹ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۹۰ | حقیرہ اولیٰ میں انصار کی بیعت         | ۲۹۰ | مسجد نبوی کی تعمیر                         | ۲۹۰ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۹۱ | حقیرہ ثانیٰ میں انصار کی بیعت         | ۲۹۱ | حضرت عمار بن یاسر کے محاسن خدمات           | ۲۹۱ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۹۲ | مصلح بن عبید اللہ کی تبلیغی خدمات     | ۲۹۲ | ازواج مطہرات کے لئے مکانات                 | ۲۹۲ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۹۳ | انصار اور رسول اللہ کو ہجرت مدینہ کی  | ۲۹۳ | ابتداء کے اذان                             | ۲۹۳ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۹۴ | سید بن جابر انصاری اور قریش کا نظام   | ۲۹۴ | ہاجرہ انصار کے فیما بین اخوت               | ۲۹۴ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۹۵ | صحابہ کو ہجرت مدینہ کا حکم            | ۲۹۵ | ہاجرین کے ساتھ انصار کے محاسن              | ۲۹۵ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۹۶ | حضرت ام سلمہ پر ہجرت مدینہ کیلئے نظام | ۲۹۶ | سلوک                                       | ۲۹۶ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۹۷ | نبوت کا تیر حواں اور ہجرت             | ۲۹۷ | صحابہ صفہ                                  | ۲۹۷ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۹۸ | پہلا سال                              | ۲۹۸ | یہودان مدینہ                               | ۲۹۸ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۲۹۹ | ہجرت رسول اللہ مسلم                   | ۲۹۹ | مسلمانان اور یہودان مدینہ میں باہمی معاملہ | ۲۹۹ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۳۰۰ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                 | ۳۰۰ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                      | ۳۰۰ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۳۰۱ | نزل حکم جہاد اور نوسکی ناگزیر ضرورت   | ۳۰۱ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                      | ۳۰۱ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۳۰۲ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                 | ۳۰۲ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                      | ۳۰۲ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۳۰۳ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                 | ۳۰۳ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                      | ۳۰۳ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۳۰۴ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                 | ۳۰۴ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                      | ۳۰۴ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۳۰۵ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                 | ۳۰۵ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                      | ۳۰۵ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۳۰۶ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                 | ۳۰۶ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                      | ۳۰۶ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۳۰۷ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                 | ۳۰۷ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                      | ۳۰۷ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۳۰۸ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                 | ۳۰۸ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                      | ۳۰۸ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۳۰۹ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                 | ۳۰۹ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                      | ۳۰۹ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |
| ۳۱۰ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                 | ۳۱۰ | جنگ بدر کے اصلی اسباب                      | ۳۱۰ | مسلمانوں سے حبشیوں کی نفرت ... |



|     |   |     |   |     |   |
|-----|---|-----|---|-----|---|
| ۳۷۸ | جنگ بدر کا اعلان اور پہلے دن کا حکم     | ۳۷۸ | شبلی صاحب کی سرخ چشم پوشی               | ۳۷۸ | لیل التعداد و سلاو کی فتح کامل کے اسباب   |
| ۳۷۹ | کی عہدیت                                | ۳۷۹ | ابو ذریفہ کی عقیدہ مند غلط فہمی اور سپر | ۳۷۹ | فتح بدر کے خوشگوار نتائج                  |
| ۳۸۰ | سیدین عبا وہ رئیس خراج کی تقریر         | ۳۸۰ | نجات و شرمندگی                          | ۳۸۰ | فتح بدر کے ناگوار نتائج                   |
| ۳۸۱ | میدان بدر کی طرف روانگی                 | ۳۸۱ | ابو العزری کی جاہلانہ حمیت              | ۳۸۱ | مکہ میں مقتولین بدر کا گھر گھر ماتم       |
| ۳۸۲ | شبلی صاحب کی غلط فہمی کی تنقید          | ۳۸۲ | ابو جہل کا قتل                          | ۳۸۲ | بدر کے خاتمہ کے ساتھ ابولہب کا خاتمہ      |
| ۳۸۳ | موقع بدر                                | ۳۸۳ | فوج کفار کی اہتر حالت اور حضرت علی کی   | ۳۸۳ | عمر بن وہب اور رسول کی قتل کا قصہ         |
| ۳۸۴ | شکر اسلام میں سامان جنگ                 | ۳۸۴ | شجاعت و دلیری                           | ۳۸۴ | غزوہ بدر و زکریا و زوی قعدہ               |
| ۳۸۵ | غیاث بن منذر کی مفید مشورت              | ۳۸۵ | شہیدان بدر کی جان تاریاں                | ۳۸۵ | ترویج جناب فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا   |
| ۳۸۶ | حقایان قریش کی گرفتاری                  | ۳۸۶ | مذبح سہید اول ہیں                       | ۳۸۶ | واقعات متفرقہ سہ ہجری                     |
| ۳۸۷ | کفار قریش کی بدعتی کا نتیجہ             | ۳۸۷ | حارث بن سراقہ کی شہادت                  | ۳۸۷ | شبلی صاحب کی سلسلہ بیان میں بدر           |
| ۳۸۸ | شکر اسلام میں صفت بندہ                  | ۳۸۸ | عمر بن الحماہ کی شہادت                  | ۳۸۸ | ترقی اور سبب رتبہ                         |
| ۳۸۹ | حکیم بن خرام اور مصالحت کی تدبیر        | ۳۸۹ | عوف بن مالک کی شہادت                    | ۳۸۹ | غزوہ بنی قنیقاع                           |
| ۳۹۰ | میدان جنگ میں عریضہ رسول کی تیاری       | ۳۹۰ | سعد بن خنیسہ اور مبشر بن منذر کی شہادت  | ۳۹۰ | یہودیوں کے مجرب اخلاف اور غلامانہ         |
| ۳۹۱ | مقابلہ کے متعلق آنحضرت کے سرعام حکم     | ۳۹۱ | بزرگ بدر کے اصلی یہ حضرت علی ہیں        | ۳۹۱ | عادات و اطوار                             |
| ۳۹۲ | جنگ میں قریش کی سبقت عامر کی            | ۳۹۲ | مقتولین بدر کی تدفین                    | ۳۹۲ | یہود اور مخالفت اسلام                     |
| ۳۹۳ | مبارزہ طلبی                             | ۳۹۳ | ابو ذریفہ بن عتبہ کی قوت اسلام          | ۳۹۳ | بنی قنیقاع کی خصوصیتیں                    |
| ۳۹۴ | مجمع اور عامر کے مقابلہ کی نسبت شبلی    | ۳۹۴ | اسیران بدر کے ساتھ سرعام سلوک           | ۳۹۴ | بنی قنیقاع کے خاص حالات                   |
| ۳۹۵ | صاحب کی غلط فہمی مع حاشیہ               | ۳۹۵ | زرنگاہ سے مراجعت منزل ردنا میں          | ۳۹۵ | سہ ہجری                                   |
| ۳۹۶ | عتبہ شیبہ اور ولید کی مبارزہ طلبی انصار | ۳۹۶ | عبیدہ کی شہادت - مدینہ منورہ میں داخلہ  | ۳۹۶ | قتل کعب بن اشرف یہودی                     |
| ۳۹۷ | کے مقابل سے انکار - حمزہ عبیدہ اور علی  | ۳۹۷ | تائید نبی کے چشم دید واقعات             | ۳۹۷ | شبلی صاحب کا خالقانہ اختصار               |
| ۳۹۸ | سے مقابلہ                               | ۳۹۸ | حضرت عباس کا اسلام لانا                 | ۳۹۸ | قتل البورانہ - سلام بن ابی الحقیق         |
| ۳۹۹ | عتبہ شیبہ اور ولید کا قتل - عبیدہ کا    | ۳۹۹ | اداسے فدیہ کا ایک درد آئینہ واقعہ       | ۳۹۹ | جنگ احد سہ ہجری                           |
| ۴۰۰ | مجرع ہونا - انکا شوق شہادت              | ۴۰۰ | ابوالعاص کا اسلام لانا                  | ۴۰۰ | ابوسفیان کا سرمایہ جنگ                    |
| ۴۰۱ | نزول آیت بانی خیمائین الخ               | ۴۰۱ | جواز فدیہ کی معرکہ الآرا بحث            | ۴۰۱ | کافرو عورتوں کا مینہ                      |
| ۴۰۲ | حکم قتل سے بنی ہاشم کا استثناء          | ۴۰۲ | بدر میں کثیر التعداد کفار کی شکست       | ۴۰۲ | مدینہ میں آمد قریش کی خبر مقابلہ کی تجویز |

|         |   |     |                                       |     |   |
|---------|---|-----|---------------------------------------|-----|---|
| ۵۱۲     | غزوہ بنی نضیرؓ ہجری                                   | ۴۹۹ | نضیر بن الحارث انصاری کی جاں نشاری    | ۴۹۹ | شکر اسلام کا جائزہ                      |
| ۵۱۳     | غزوہ بنی نضیر   | ۴۹۹ | پانچ انصاریوں کی ایک بار جاں نمایاں   | ۴۹۹ | ترتیب شکر اور حفاظت فوج                 |
| ۵۱۴     | یہودی بنی نضیر اور قتل رسولؐ کی حکایت                 | ۴۹۹ | ابو طلحہ انصاری کی رفاقت              | ۴۹۹ | بنی سلول اور شکر اسلام سے علیحدگی       |
| ۵۱۵     | بنی نضیر کا محاصرہ                                    | ۴۹۹ | خوہن اسلام کی مردانہ ہمت و رفاقت      | ۴۹۹ | ترتیب شکر اسلامی                        |
| ۵۱۶     | بنی نضیر اور بنی نضیر کا ارادہ                        | ۴۹۹ | ایک خاتون انصاریہ کی رفاقت            | ۴۹۹ | آغاز اور سبقت جنگ - ابو عامر کا مقابلہ  |
| ۵۱۷     | مدینہ سے بنی نضیر کی شاندار جہاد طنی                  | ۴۹۹ | سعد بن معاذ کی ماں کی عقیدت           | ۴۹۹ | سباہ زمان اسلام کی شجاعت                |
| ۵۱۸     | انصار کا ماجرین کے ساتھ ہشالی شہ                      | ۴۹۹ | جرات رسولؐ سے لیکر خاتمہ جنگ          | ۴۹۹ | حضرت علیؓ اور عمارؓ کی قربانی کا قتل    |
| ۵۱۹     | تقسیم اموال بنی نضیر                                  | ۴۹۹ | تک کے حالات                           | ۴۹۹ | تیر اندازان اسلام کی لاعلاج غلطی        |
| ۵۲۰     | واقعات متفرقہ سکہ ہجری                                | ۴۹۹ | میدان جنگ سے قریش کی داپسی            | ۴۹۹ | حضرت حمزہؓ کی شہادت                     |
| ۵۲۱     | حضرت فاطمہؓ بنت اسدؓ اور حضرت علیؓ کی دعا             | ۴۹۹ | شہداء اُحد کی تدفین                   | ۴۹۹ | فوج اسلام کی گریز آنحضرتؐ کا مجروح ہونا |
| شہ ہجری |   | ۴۹۹ | حضرت حمزہؓ کی لاش                     | ۴۹۹ | مفردین اُحد                             |
| ۵۲۲     | ذات الرقاع  | ۴۹۹ | مدینہ میں داخلہ - شہداء کا ماتم - جنگ | ۴۹۹ | مفردین اُحد کی بازگشت                   |
| ۵۲۳     | غزوہ دومتہ الجندل                                     | ۴۹۹ | اُحد پر اسے                           | ۴۹۹ | سباہ زین اسلام - قاضین فی الجہاد کی     |
| ۵۲۴     | غزوہ بنی المصطلق                                      | ۴۹۹ | غزوہ حمراء الاسد                      | ۴۹۹ | دیرانہ خدمات                            |
| ۵۲۵     | شبلی صاحب سے خاص گزارش                                | ۴۹۹ | ابو عرہ اور معویہ بن مغیرہ کا قتل     | ۴۹۹ | حضرت ابو دجانہ انصاری کے محاسن          |
| ۵۲۶     | عبداللہ بن ابی سلول کی فتنہ انگیزی                    | ۴۹۹ | واقعات متفرقہ سکہ ہجری                | ۴۹۹ | خدمات                                   |
| ۵۲۷     | حضرت عمرؓ کے مشورے پر عبداللہ بن ابی کے بیٹے کی اراضی | ۴۹۹ | شہ ہجری                               |     | مصعب بن عمیرؓ باطنی کے محاسن خدمات      |
| ۵۲۸     | حضرت عبیدہؓ کا قصہ                                    | ۴۹۹ | سرتہ ابوسل                            | ۴۹۹ | خطبہ بن ابی عامر کے محاسن خدمات         |
| ۵۲۹     | قصہ اُفک - حضرت عائشہؓ پر غلط الزام                   | ۴۹۹ | سرتہ ابن انیس                         | ۴۹۹ | سعد بن الربیع انصاری کے محاسن           |
| ۵۳۰     | غزوہ خندق یا جنگ احزاب                                | ۴۹۹ | واقعات ذات الرجیع                     | ۴۹۹ | خدمات                                   |
| ۵۳۱     | (شہ ہجری)   | ۴۹۹ | جنیب بن عدی کی مصیبت ناک              | ۴۹۹ | عمارہ ابن زیدؓ انصاری کی جاں نشاری      |
| ۵۳۲     | قریش کی طیاری   | ۴۹۹ | سرگزشت                                | ۴۹۹ | سہل ابن حنیث انصاری کے محاسن            |
| ۵۳۳     | بنی قریظہ سے سازش                                     | ۴۹۹ | زید بن الدثنہ کا عبرت ناک قتل         | ۴۹۹ | خدمات                                   |
| ۵۳۴     | خندق کھودنے کی تجویز اور حضرت سلمانؓ کے خدمات         | ۴۹۹ | واقعہ ہبیر معونہ                      | ۴۹۹ | حضرت علیؓ مرفعی کے محاسن خدمات          |
| ۵۳۵     | کے خدمات  | ۴۹۹ |                                       | ۴۹۹ | حضرت علیؓ اور ذکوان کی حمایت            |

|     |  |     |  |                                   |
|-----|--|-----|--|-----------------------------------|
| ۵۳۲ | سنا قین کی عیہدگی                            | ۵۳۰ | عمر بن عبدود کا قتل                                  | غزوہ بنی قریظہ (سشہ ہجری)         |
| ۵۳۳ | بھوک کی شدت اور رسول کا تحمل                 | ۵۳۱ | ذوالقرنین حضرت علی کا لقب ہوا                        | غزوہ بنی قریظہ                    |
| ۵۳۴ | جناب فاطمہ الزہراء اور رسول کی محبت          | ۵۳۲ | حضرت عمر اور بھائی سے مقابلہ                         | حضرت علیؑ اور یہود کی سخت کلاں    |
| ۵۳۵ | مقابلہ قریش کا انتظام                        | ۵۳۳ | نوفل کا قتل  | سعد بن معاذ کی تحکیم              |
| ۵۳۶ | ایام محاصرہ میں رسول اللہ کی ذاتی تکلیفیں    | ۵۳۴ | نوفل کی لاش کی قیچی سے آنحضرت کا ٹکڑا                | یہود کی ایک دلیہ عورت             |
| ۵۳۷ | عباد بن بشر انصاری کی خدمات                  | ۵۳۵ | بہن نے بھائی کی لاش کو محفوظ رکھ کر قاتل کی تعریف کی | قریظہ کے معاملہ میں اسلام نے حضرت |
| ۵۳۸ | انصار کا کمال استقلال                        | ۵۳۶ | زبان رسولؐ کی مبارزت علیؑ کی اہمیت                   | موسیٰ سے زیادہ رعایت کی           |
| ۵۳۹ | حضرت صفیہؓ کی مردانہ وار دلیری               | ۵۳۷ | زبان خدا سے مبارزت علیؑ کی اہمیت                     | ریحانہ کا غلط واقعہ               |
| ۵۴۰ | باہمی مقابلہ عمر بن عبدود کی شاندار آمد      | ۵۳۸ | میدان جنگ سے قریش کا فرار                            | حضرت زینب سے نکاح                 |
| ۵۴۱ | فوج اسلامی پر اسکا رعب                       | ۵۳۹ | سعد بن معاذ کا زخمی ہونا                             | واقعات متفرقہ سشہ ہجری            |
| ۵۴۲ | حضرت علیؑ کی تبلیغ شجاعت عمر عبدود کی مبارزت | ۵۴۰ | قریش کے آٹھ جلد فرار کرنے کے سباب                    |                                   |
| ۵۴۳ | خدمت رسولؐ سے علیؑ کی رخصت                   | ۵۴۱ | بنی قریظہ کی قریش کا ساتھ چھوڑ دیا                   |                                   |
| ۵۴۴ | حضرت علیؑ اور عمر بن عبدود سے مکالمہ         | ۵۴۲ | فرار کفار کی دوسری وجہ                               |                                   |
| ۵۴۵ | اور مقابلہ                                   | ۵۴۳ | خدیجہ بن یمان کے محاسن خدمات                         |                                   |

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ  
وَالْعَافِيَهُ

المؤلف الاحقر  
شیخ اولا و لا وحید عرفی عنہ



# اسوۃ الرسول جلد دوم

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَحْمَدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتِمِ النَّبِیِّیْنَ وَ  
اِلٰهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ  
شادی و غم توام

۵ ابن ماتم سخت است کہ گوئید جوان مرد

حضرت عبداللہ علیہ السلام شادی و غم توام ہوتے ہیں اور حکم تقدیر محکم۔ افسوس ہے کہ اس اتحاد و ازواج کا زمانہ  
کی وفات کچھ بھی دیر با نہ رہا۔ اور کل آٹھ ہجری میں عن کی مختصر اور شماری مدت تمام ہو کر یہ

اتحاد و اتصال الوداع و الفراق سے مبدل ہو گیا۔ اگرچہ اس اتنے ہی قلیل عرصہ میں مدبر قدرت نے اپنی ودیعت و  
امانت کے استبداد و استعمار کے تمام انتظام تیار و مرتب کر لیے تھے۔ مگر ساتھ ہی اس کے مشیت کو یہ ودیعت و  
قدرت میں دریتیم بنا کر رکھنا تھا۔ اس لئے جناب آمنہ کو آٹھ مہینے کی مدت حمل تمام ہونے پائی تھی کہ  
حضرت عبداللہ نے انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

تاریخوں میں جب زمانہ وفات کی تلاش کی جاتی ہے تو صحیح قرآن یہ بتلاتے ہیں کہ واقعہ فیل کے تھوڑے  
ہی دنوں کے بعد اپنے رحلت فرمائی۔ مقام وفات مدینہ ہے۔ شام سے قافلہ تجارت کے ساتھ واپس  
ہوئے تو مدینہ میں پہنچ کر علییل ہو گئے۔ اس لئے وہیں ٹہر گئے۔ اور قافلہ مکہ چلا آیا۔ ایک مہینہ کی علالت  
کے بعد داعی اجل کو لبیک کہی اور وہیں انتقال فرمایا۔ اسکی تفصیل ابن سعد کی مفصلہ ذیل عبارت میں  
ملاحظہ ہو۔

تبع عبد اللہ بن عبد المطلب لی شام الی الغزاة فی عین  
بیرات قریش یحملون تجارت فصرغوا من تجارتهم ثم  
نصر فوافقوا بالمدینة وعبد اللہ بن عبد المطلب  
بمذنب مریض فقال انا اتخلف عند خوالہ بنی عدی  
فی التجار فاقام عندہم مریضا شہرا ومضی صحابہ  
قد موامکہ فسالہم عبد المطلب بن عبد اللہ فقالوا  
خلفناہ عند اخوالہ بنی عدی بن النجار وھو  
رضی فبعث الیہ عبد المطلب اکبر ولد الحارث  
وجدة قد توفی ودفن فی دار النایعة وھو  
جل من عدی بن بنی النجار فی دار النایة اذا  
دخلھا قال ذریۃ عن یسارک واخبرہ اخوالہ  
موضہ وبقیامہ علیہ وما وٹوا من امرہ و  
ثم قبروہ فرجع الی ابیہ فاخبر فوجد علیہ  
سید المطلب واخوتہ واخوانہ وجدا شديدا و  
یسول اللہ صلوا علیہ وسلم ولعبد اللہ یوم توفی خمس  
مشر و نطبقات ص ۱۱

حضرت عبداللہ بن عبد المطلب قریش کے قانون میں ایک قافلہ قریش کے  
ساتھ بغرض تجارت شام کے مشہور شہر غزوہ میں گئے تھے اہل قافلہ  
تجارتی مال کو پیچھ کر کے فراغت کر کے تودمان واپس ہو اور مدینہ  
قریب پہنچے تو اس درمیان میں حضرت عبداللہ بن عبد المطلب علین ہو گئے  
آپ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ میں تو اپنی مومن زادہ بایوں کے  
ساتھ قبیلہ عدی بن النجار میں ٹہراؤں گا چنانچہ مدینہ پہنچ کر آپ وہیں  
ٹہر گئے اور ایک مہینہ تک مریض رہے آپ کو فقا کہ چلے آؤ اور  
جناب عبد المطلب ان لوگوں سے حضرت عبداللہ کا حال دریافت کیا تو  
انہوں نے کہا کہ وہ تو علین ہو کر مدینہ میں اپنی مومن زادہ بایوں کے ساتھ  
ٹہر گئے ہیں سیکر حضرت عبد المطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو حضرت  
عبداللہ کی خبر لانے کیلئے بھیجا یہ وہاں پہنچے تو حضرت عبداللہ انتقال  
فرما چکے تھے اور دار النایعہ میں مدفون ہو چکے تھے نابذ بنی نجار میں  
ایک شخص کا نام تھا اور یہ اسی کا مکان تھا اور یہ مکان وہی تھا جہاں  
دروازہ بائیں جانب تھا۔ پھر ان سے (حارث سے) انکی عزیز واقارب نے  
انکی حالت مرض اور کو قیام کرنے وصیت فرمائی اور پھر رحلت کر گئے  
اور مدفون ہوئے انکی تمام و کمال کیفیت بیان کر دی۔ حارث یہ خبر سنا کر

کے پاس پہلے آئے۔ اس حادثہ کی خبر سنا کر جناب عبد المطلب اور انکی تمام بھائی بھینیں۔ بیٹے بیٹیاں بڑی شدت سے روئیں مٹیں  
بول اس وقت تک حل میں تھے حضرت عبداللہ کا سن وفات کو وقت پچیس برس کا تھا طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۱ مطبوعہ  
بنی ہاشم کے تمام گھروں میں کرام مچ گیا۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک حل میں تھے حضرت عبد المطلب  
و پندرہ سال میں ابن ابی نجران سال نو نہال کا ایسا شیرید داغ ملا جس نے آپ کی آنکھیں نہیں تمام دنیا کو تاریک کر دیا۔ پیری کا ضعف  
در اضمحلال کیا تھا اس پر اس غیر متوقع اور غیر متحمل صدمہ و طال نے آپ کو بالکل منہمک اور ضعیف کر دیا۔ مگر بدبران مشیت  
کو اپنی ولایت کی حفاظت و نگہبانی اور اس خاتم رسالت کی پرورش و نگہبانی اسی بزرگ خاندان سے پوری کرانی تھی اور  
بس شرف مخصوصہ کو لئے وہ جریدہ صالحین میں پہلے ہی سے منتخب ہو چکے تھے اس کی تعمیل و تکمیل کا زمانہ بالکل قریب رہا  
تھا حضرت عبد المطلب نے بالآخر اس واقعہ جانگزا اور علوۃ روح فرسا کو محض بارادہ تقدیر اور امر ناگزیر سمجھ کر خود بھی صبر کر لیا اور  
مام عزیز واقارب کو بھی صبر و سکون کی تعلیم و ہدایت فرمائی۔



حضرت عبداللہؑ کی وفات اور آپ کے بن شریف کے متعلق اور اقوال بھی آئے ہیں۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے بھی جمع کر دیا ہے۔ مگر آخرین اپنا یہ فتح تحقیق قایم کیا ہے والاؤل اثنتانہ قونی ورسول اللہ صلعم حمل پہلی روایت ثابت ہے کہ حضرت عبداللہؑ کے انتقال فرمانیکے وقت رسول اللہ صلعم حمل میں تھے پھر روایت متذکرہ بالا کی نسبت آخرین یون لکھتے ہیں کہ ہواثبت الاقوال والنوایۃ فی وفاة عبد اللہ بن عبد المطلب وسنة عندنا حضرت عبداللہؑ کی وفات اور عمر کے متعلق ہمارے نزدیک تمام اقوال و روایات سے مذکورہ بالا روایات زیادہ تر صحیح ثابت ہوتی ہیں ص ۶۱

اسی طرح وقت وفات حضرت عبداللہؑ شہام کھنڈی حضرت صلعم کا سن اٹھارہ مہینوں کا بتلایا ہے اور ایک قول کے مطابق سات مہینوں کا۔ اسکی نسبت ابن سعد لکھتے ہیں والاؤل اثنتانہ قونی ورسول اللہ صلعم حمل قول اول زیادہ ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہؑ کی وفات کے وقت آنحضرت صلعم حمل میں تھے۔ ابن سعد ص ۶۲

وفات عبداللہؑ کی وفات حضرت عبداللہؑ کے متعلق جناب آمنہؓ کا مرثیہ عربی کی تمام تاریخوں میں قلمبند ہے۔ ہم بھی اوسکے دو تین حضرت آمنہؓ کا مرثیہ اشعار طبقات سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

|  |   |
|--|---|
| عفا جانب لبطحاء من بنی ہاشم<br>وجاور لحد اخا رجا فی الغما غم<br>دعتہ المنا یا دعوة فاجالہا<br>وما ترکت فی الناس مثل ابن ہاشم<br>عشیہ را حوا یحملون سریرہ ثم<br>تعاونوا اصحابہ فی التزلزل | فرزند ہاشم کی خبر مرگ ذات بطحا میں لیجاؤ<br>اور بیرون شہر رخصت غم (مہینہ) میں اوسکی زیارت کرو<br>اجل مقدر نے اوسکو بلایا اور اوسنے قبول کر دیا<br>اور حقیقت انبیاء انسان میں ابن ہاشم کا مثل نہیں ہے<br>اوس کے اصحاب کمال اندوہ و ملال کے ساتھ<br>اوس کو سریرہ (تابوت) پر اٹھا کر ہاتھ ہاتھ (مقبورہ) تک لے گئے۔ |
|--|---|

حضرت عبداللہؑ کا جناب عبداللہؑ کی عمر ہی کیا ہوئی اور آپ کو ورستی معاشرت کا دنیا میں وقت ہی کتنا ملا کہ آپ کے کسی سربراہ یا یارِ ادا کی تفصیل کی جائے آپ نے اپنے بعد جو کچھ ترکہ چھوڑا وہ ابن سعد کی تحقیق میں یہ تھا۔

|  |   |
|--|---|
| ام ایمن وخمسۃ اجمال وقطع غنم فوث ذاک<br>رسول اللہ صلعم وکانت ام ایمن تحضنہ واسما<br>برکۃ | ایک ام ایمن (خادمہ) پانچ اونٹ اور چنہ دہن بیان اور سہی قلیل<br>اشیاء معیشت رسول اللہ صلعم کو وراثت میں ملین انھیں ام ایمن<br>نے آپ کو بچپن میں بھلایا تھا ان کا نام برکت تھا۔ |
|--|---|

سوائے آنحضرتؐ کے تمام موزین و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یتیم عبداللہؑ (روحی خداداد) ہر طریقہ اور ہر قرینہ سوا ایسا یتیم تھا کہ نہ اسکا کوئی شریک تھا نہ سپہنہ اس کا کوئی عینی بھائی تھا اور نہ حقیقی بہن۔ چل تو حید کا یہ معلوم رہا بی بالکل تنہا تھا اور لاشانی تمام محققین نے اس متعلق

جوانیا مختار قایم کیا ہے اوس کو ابن سعد نے ذیل کی عبارت میں لکھا ہے۔

وهذا مما لا يعرف عندنا ولا عند أهل العلم ولا عندنا  
بنت وهب ولا عبد الله بن عبد المطلب غير رسول الله  
جناب رسالت آب صلعم کے نہیں تھی۔

ایا حمل میں کرامات کی صدور عقل و نقل کے مشاہدات ہی عقل سلیم کے نزدیک یہ امر ثابت ہو چکا ہو کہ گروہ انبیاء

کی خلقت مقدرہ اور فطرت منظرہ میں قدرت الہیہ نے ترکیب انسانی کے ساتھ تنویر روحانی بھی ودیعت فرمائی تھی اور اس شرف خاص کے باعث سے اون کی ذات باریکات کو قاعدہ تعمیر سے مستثنیٰ فرما کر تخصیص کے خاص مراتب پر پہنچایا تھا اسی اصول تخصیص کی بنا پر نبیاء علیہم السلام کے اکثر اوصاف معمول کے خلاف اور عام فطرت انسانی سے مرتجع اور مرتفع سمجھے جاتے ہیں اور چونکہ قدرت کو بھی ان آثار مخصوصہ کے اظہار میں ایک خاص اہتمام منظور ہوتا ہے اس لئے ان کے آثار مخصوصہ کا ہر طور و صدور عام طور سے ظاہر ہونے کا ہونے میں تعجب انگیز اور حیرت خیز معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت کے دیکھنے والے اسے قدرت کی جلوہ نمائی تسلیم کرتے ہیں۔ جب رسالت آب صلعم کے نبی کیا ختم الانبیاء ہونیکے ہمارے پاس بیشمار ثبوت موجود ہیں تو آپ کے متعلق کسی زمانہ یا کسی وقت میں ہم قدرت کی ان جلوہ آرائیوں کو کیسے استبعاد اور بے بنیاد کہہ سکتے ہیں اس کو ہر تمام قدیم مؤرخین و محدثین نے آپ کی ولادت باسعادت اور نیراوس کے قبل کے ادن تمام واقعات کو جن سے ظہور کرامت کے ثبوت عینی ملے ہیں کچھ اصول اختلاف کی بنیاد ہی پر نہیں بلکہ واقعات و مشاہدات کے طریقہ اعتبار سے اپنی تصنیفات و تالیفات میں قلمبند فرمایا ہے۔ ابن سعد طبقات میں ان آثار قدرت کے متعلق لکھتے ہیں۔

ان رسول الله صلعم لما حملته امة بنت وهب كانت  
تقول ما شمت انا حملت به ولا وجدت له ثقلا كما  
تجد النساء اتاني ات وانا بين النائم واليقظان فقال  
هل شعرت انك حملت فكاني اقول ما ادرى فقال انك  
قد حملت بسيد هذه الالة ونبئها وذلك يوم الاثنين  
قالت فكان ذلك مما يقن عندى الحمل شعرا مهنى حتى اذا  
دنا ولاوتى اتاني ذلك الاتى فقال قولى اعيدى بالوا  
الصد من شر كل حاسد قلت فكنت اقول ذلك فذكر  
ذلك للنساء فقلن لى تعلقى حديد انى عضد يك و  
مخفق قالت ففعلت فلم يكن قولك على الاياما قد قطع

جناب منہ بنت وهب ناقل ہیں کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ حمل میں ایک عرصہ تک مجھ کو اپنی حاملہ ہونیکا یقین نہیں ہوا۔ کیونکہ مجھ کو اپنے جسم میں کوئی گراںباری ایسی جیسی عام عورتوں کو ایام حمل میں محسوس ہوتی ہو وہ بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک بار نیم خوابی کے عالم میں میں نے ایک آنیوالے کو اپنے پاس آتے ہوئے اور یہ کہنے ہوئے دیکھا کہ کیا تجھ کو اپنے حاملہ ہونیکا اتنا یقین نہیں ہے جتنے اس پر بخیر و امان سے جواب میں کہا کہ میں تو حمل کی کوئی علامت اپنے میں نہیں دیکھتی اوس نے کہا کہ تجھ کو اس امت کے سرور اور نبی مختار کا حمل ہی جناب آمنہ فرمائی میں کہ مجھ کو خیال ہو کہ وہ دشمنہ کا دن تھا پس اس شخص کے کہنے کے وقت ہی مجھ کو اپنی حاملہ ہونیکا پورا یقین ہو گیا یہاں تک کہ اسی

فکنت لا العلقہ طبقات ۳۳ عرصہ ہو گیا اور جب ولادت کے دن قریب آئے تو پھر وہی نبی والا شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ یہ کلمات منہ سے کہو عید کا یا لواحدہ العمل من کل عام میں خدا سے بزرگ سے تمام حاسدوں کے مفسدوں کے لئے پناہ مانگتی ہوں (یعنی اسکی ہدایت کے مطابق ان کلمات کا اس واقعہ کو پھر میں نے اپنی مجلسیں جمع کروں سکھاتاؤں سب سے کہا کہ لوہے کی کوئی چیز اپنے بازو پر باندھ لو اور گلے میں لٹکا لو جناب آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے ان عورتوں کے کہنے کے مطابق کیا پھر میں اوسکو وقت ولادت تک اپنے رہی جب ولادت ہو گئی تو اتار دیا اور کچھ بھی نہ پہنا۔ اسی سلسلہ بیان میں ابن سعد نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے۔

اموت آمنہ وحی حامل برسول اللہ صلعم ان قسمیہ احمد اس روایہ میں آمنہ کو حکم دیا گیا تھا کہ اس مولود کا نام محمد رکھنا ظہور کرامات کی مذکورہ بالا واقعات سے سر ولیم میور صاحب کا انکار پایا ہو اور اسلام کی مخالفت کا خاص طبر اٹھایا ہو۔ اسلام کی تفسیر حدیث اور تاریخ کے بیانات سے لیکر مشاہدات و بدیہات تک سے انکار فرماتے ہیں اور تائید عیسائیت کے اس غلط طریقہ کو وہ اپنی مجاہدانہ شہنشاہی یقین کرتے ہیں حالانکہ ان کے یہاں کہ میری تبرکات بہت لیکن حقیقت میں اور انصاف پسند حضرات انکی مساعیہ اہیہ کو ایک عجیبانہ حرکات سے زیادہ قبیح نہیں سمجھتے۔ وہ محض معمولی سے معمولی اسلامی اخبار و آثار کی تنقید و تردید کر کے اپنی دانست میں دین اسلام کی نفی ثابت کرتے ہیں۔ ان ہذا صلاۃ بعیدہ۔ حالانکہ انھیں معلوم نہیں کہ کوئی مذہب ہوا کسی اصل اور کسی بنا حقیقت کے کفن اخبار اور میاں پر قائم ہوتی ہے۔

اپنی نفسانیت اور تعصب کے اسی سلسلہ بیان میں سر ولیم میور صاحب نے ظہور کرامات کے ان واقعات پر بھی جنکو ہم اوپر لکھا ہے میں تنقیدی نظر ڈالی ہو اور انکو سر سے بے اصل اور راویوں کے محض مخترعات بتلایا ہو۔ انکے علاوہ ان مشاہدات کو بھی۔ جنکو روایات ہونے کے علاوہ تاریخی واقعات ہونے کی بھی پوری حیثیت حاصل ہو اور وہ دوران حمل اور وقت ولادت متعدد اور متواتر طریقوں سے تمام حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں قابل مضحکہ خیز یا ہے اور خوب مقدمہ لگایا۔ زمین شکستہ ضحک۔

جان تک میور صاحب کے ان تنقیدی مضامین پر غور کیا جاتا ہو معلوم ہوتا ہو کہ حسد و نفسانیت کی عصبیت نے میور صاحب کو حقیقت شناسی اور انصاف پسندی کے راستہ سے بہت دور کھینک دیا ہے۔ انھوں نے ان مرویات اسلام کی نفی ثابت کرنے کا خیال خام پیدا کیا ہے اگر وہ کسی مذہب کی اصلیت اور حقیقی معرفت واقف ہوتے۔ اور ان اصول ضروریہ کو جتنے معتد جن پر مذہب کی بنیاد ہوتی ہو ان روایات کی تنقید و تردید سے تکذیب اسلام ثابت کرنے کی جرات نہ کرتے اگر بے فرض محال یہ مرویات اسلامی معیار تحقیق و تصدیق کے مطابق بھی نہ آتیں تو ان سے حقیقت اسلام میں کیا نقصان آتا ہو سر ولیم میور ان مرویات کے ایسے توریت و انجیل کو ان متعدد اور متواتر واقعات مندرجہ بالا کی نسبت کیا رائے قائم کر سکتے

جو محالات کے بھی درجہ سے گزر محلات کے حدود تک پہنچے ہوئے پائے جاتے ہیں اور جو عموماً حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے تذکرون میں اس وقت سے لیکر اس وقت تک انکی مذہبی کتابوں میں بڑے اہتمام اور نگینوں سے لکھے جاتے ہیں جنکو ان فرائض مقدسہ اور نفوس مطہرہ کے متعلق ذکر کرنا کیسا انکی طرف صرف منسوب کرنا بھی اہل اسلام غلامانہ ادب و احترام سمجھتے ہیں۔ مثلاً جناب مریم علیہا السلام پر نزول بوح القدس اور تفرار کل سبج علیہا السلام کی ترکیبات یا ولادت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد یوسف بخار کے گھر جا کر جناب عیسیٰ کے دیگر علانی بھائیوں کی ولادت جنکو سبھی اصطلاحات میں دی برادر (The brothers) کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ ایسے نئیویات ہیں کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں اور سننے والوں کے کان جلے جاتے ہیں۔

مگر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کوئی فیلسوفی (Philosopher) کوئی سائنسٹ (Scientist) ان واقعات کو غلط ٹھہراتا ہو اور نہ محالات و ناممکنات بتلاتا ہو۔ افسوس ہو کہ ان اعتراضات سے پہلے سرولیم میور نے لوقا کی انجیل کھول کر حضرت عیسیٰ کی زبانی ان احکام ربانی کو نہ پڑھ لیا۔ تو اس ذرے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہر دیکھتا ہو اور اپنی آنکھ میں جو تیرے اسکو نہیں دیکھتا۔ امریکا پہلے تو اپنی آنکھ سے شہتیر نکال لے تب بچھو اپنے بھائی کی آنکھ کا ذرہ نکالنے کیلئے صاف نظر آنے لگے گا۔ لوقا باب ۶۔ آیت ۴۱ و ۴۲۔ مطبوعہ لاہور۔

میور صاحب کی طرح ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے بھی حضرت آمنہ کافرشتوں کو دیکھ کر ڈر جانے اور عرب دستور کے مطابق لوہے کے نوید کو گلے میں لٹکانے اور بازوؤں پر باندھ لینے سے معنی لگائے ہیں کہ حضرت آمنہ کو دماغی ضعف کی شکایت تھی اور صرع کا جرح تھا۔ ہم اس نا انصاف یورپین محقق سے پوچھتے ہیں کہ حضرت آمنہ کو تو واقعات کے بیان کے لیے تو ضعف دماغ اور صرع کی بیماریوں میں مبتلا ہونا تجویز ہوتا ہے۔ مگر حضرت سارہ اور حضرت مریم نے جو فرشتوں کو دیکھ کر حجاب و استعجاب کی صورت میں خوف کھایا تھا اسکے لیے ڈاکٹر صاحب کوئی بیماری اور کوئی شخصیت فرما دیں گے۔

بہر حال اگر سرولیم میور اور انکے تخیل خصاصان نبیاء کے قائل نہیں ہیں اور ان خاصان خدا کو عوام کا لالچام کے برابر جانتے ہیں تو وہ اپنے اس غلط استدلال کو اہل اسلام کے مقابلہ میں جو ابتداء اسلام سے لیکر اس وقت تک شخصیت و فیصل انبیاء کے برابر مقصد و مؤید ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ ابد الابد تک قائل رہیں گے۔ اس وقت تک پیش کرنا حق نہیں رکھ سکے جتنا کہ وہ ان اقسام کی روایات کو اپنی تمام مذہبی کتابوں سے قلم زد نہیں کر لینگے یا کم سے کم انہیں محالات و ناممکنات ہونیکا پورا یقین نہ کر لینگے۔ ہم نے انکے جملہ اعتراضات کی تردید میں اس کلیتہ کو لکھ دیا اس سے زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مگر چونکہ سرولیم میور نے فرشتہ کے ذریعہ سے حضرت آمنہ کو اس مولود کا احمد نام رکھے جانے کی ہدایت کرنے پر بڑی حیرت و استعجاب کا اظہار فرمایا ہے۔ اس لیے ہم مختصراً انکے استعجاب کا ذیل میں جواب عرض کیے دیتے ہیں۔

سرولیم میور کو اس حصہ روایت کی تردید کی ضرورت جس بنا پر واقع ہوئی ہو اسکو ہم خوب جانتے ہیں۔ محمد صلی اللہ



علیہ وآلہ وسلم کے نام و لقب سے اُنکے بدن پر روزہ چڑھ جاتا ہے کیونکہ اس لیے کہ یہ وہی مقدس اور مبارک نام ہے جس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صعودِ آسمان کے وقت حضرت خاتم الانبیاء علیہ آک التہیۃ والثناء کے ظہور اور رسالت کی نوید و بشارت اس عبارت کے ساتھ تمام سچی امت کو پہنچانی تھی کہ ”سچ تو یہ ہے کہ میرا چلا جانا تمہارے لیے ضروری ہے کیونکہ اگر میں جاؤں تو فارقلیط (احمد مصطفیٰ) تمہارے پاس نہیں آوے گا اور اگر میں چلا جاؤں گا تو اُسکو تمہارے پاس بھیج دے گا۔“

انجیل یوحنا باب ۱۶ - آیت ۷ و باب ۱۴ - آیت ۲۵ و ۲۶ -

فارقلیط کا اصل ترجمہ ۲ احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی تصدیق و توثیق قرآن مجید کے الفاظ بشارت ”وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا“ سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ ہم فارقلیط اور احمد کے متحد المعنی اور صحیح ترجمہ ہونے کی بحث کو دوران تمام شکلات کو جو عیسائیوں نے اس لفظ کے ترجمہ معانی میں پیدا کر دی ہیں اپنی کتاب کے باب بشارت میں کتب قدیمہ کی اصلی عبارت کیسا کھدھ بابت تفصیل بیان کر چکے ہیں بہر حال آدم پر سر مطلب۔ سر لیم میو صاحب کے بنائے ہوئے کے پاس فرشتہ کا آنا اور اُس بچہ کا نام جو اس وقت تک حمل میں تھا احمد رکھے جانے کی تاکید کرنا جس پر حیرت و حجاب گنیز بھی معلوم ہوا ہے محال بھی ناممکن وقوع والا مثال بھی۔ اچھا توڑی دیر نیکی یونہی ہی۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ افسوس سر لیم میو صاحب بدقسمتی سے ان واقعات و مشاہدات کی ان متعدد اور متواتر مثالوں کو کیا کرینگے جو کتبہ و لفظہ انکی آسمانی کتابوں میں بھی اس وقت سے لیکر اس وقت تک مرقوم و مسطور چلی آتی ہیں اور محفوظ و مذکور۔ توریت مقدس کے باب پیدائش میں لکھا ہے۔

”ہاجرہ سے اللہ تعالیٰ کے ایک فرشتہ نے آکر کہا کہ دیکھ تو حمل سے ہر اور تیرے ایک لڑکے کا پیدا ہوگا اسکا نام اسمعیل رکھنا۔“

دکتاب پیدائش باب ۱۶ - آیت ۱۱ اور پھر اسی کتاب میں ہے کہ :-

”وَاللّٰهُ تَعَالٰی نے ابراہیم سے کہا کہ تیری بی بی سارہ کے بیشک ایک لڑکے کا ہوگا تو اسکا نام اسحق رکھنا۔“ باب ۱۵ - آیت ۱۹

توریت کی عبارت ہو چکی۔ اب انجیل کی بشارت ملاحظہ ہو۔ انجیل متی باب ۱ - آیت ۲۳ میں ہے۔

”اُسکے (مریم) ایک بیٹا پیدا ہوگا اور تجھ کو (یوسف کو) اچا پیے کہ اسکا عیسیٰ نام رکھ کیونکہ وہ اپنی امت کو گناہوں سے نجات دے گا۔“ ان اعتراضات کے جواب میں عیسائیوں سے غموگدا اور میو صاحب نے خصوصاً التماس ہے کہ ان متعدد اور متواتر مثالوں کی موجودگی میں جنکے صحیح اور فی الواقع ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا وہ کس نہاد اور کس بان سے مسلمانوں کی ان مرویات پر محالات اور ناممکنات کا حکم لگائیں گے۔ اس لیے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں تا وقتیکہ وہ اپنی کتب مقدسہ سے ان واقعات کو دیکھ لینگے اُنکو جناب آمنہ سلام اللہ علیہا پر نزول فرشتہ اور ہدایت تسمیہ کے متعلق تعریض و تنقید کا کوئی حق حاصل نہوگا۔

نزول رحمت ظہور رسالت

ولادت باسعادت جناب آمنہ کے یام حمل تمام ہوئے یا یون کہیے کہ امین الہی کی امانت کی مدت ختم ہوئی اور وہ دن آگیا کہ ولایت الہی کا وہ نایاب گوہر قدرت لا تعناہی کا لاجواب جوہر علم و ایقان کا مخزن۔ عرفان و تقان کا معدن



بشارت موسیٰ کا مدعا۔ نوید عیسیٰ کا مقتضا۔ اصل وحدت کا معلم۔ امر رسالت کا متمم۔

|   |   |
|---|---|
| خاتم النبیین<br>جو ہر آئینہ حسن و جمال<br>خمسہ ارکان عقول بشر<br>سجدہ گہ عاشق روحانیت<br>اول بہر خلقت ختم الرسل<br>ہشت بہشت از قدش لوبار<br>مقتدر و معتمد و معتبر | آئینہ معرفت کبریا<br>گوہر گنجینہ علم و کمال<br>شمسہ ایوان قضا و قدر<br>جلوہ دہ شاہد وحدانیت<br>علت غائیہ ہر جزو و کل<br>ہفت فلک از گردش استوار<br>منظم منظم قضا و قدر |
|---|---|

نام ویش اول انجمن شدہ

احمد و محمود و محمد شدہ (موت معنی عنہ)

فضل المرسلین خاتم النبیین شہنشاہ کونین رسول النقیس فخر ہائمی قصبی امیر عبداللہ ناز پرور آئمہ اول خمسہ آل عبا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجت الہیہ اور برکت قدسیہ کا اسوۂ حسنہ بنکر رولتی افروز گلستان عالم ہونے تاریخ روز اور تفسیر حدیث اور تاریخ کے محققین اہل سنت والجماعت کے اقوال و مختار سے تاریخ ولادت سن ولادت بارہویں ربیع الاول روز دوشنبہ سنہ عام الفیل مطابق ۲۹ اگست سنہ ثابت ہوتی ہے علماء اہلبیت کے اتفاق و ارشاد سے سترہویں ربیع الاول روز دوشنبہ پائی جاتی ہے۔

حاشیہ زیر صفحہ۔ تاریخ وصال ولادت کے متعلق ہم نے فریقین کے علیحدہ علیحدہ مختار متفقہ لکھ دیے ہیں یہود و عظماء ہست کی حدیث و تاریخ کی تمام کتابوں میں اقوال مختلفہ پر کمال احتیاط نظر کرنے اور انکو باہم مقابلہ کر لینے کے بعد جو مختار متفقہ قدیم پایا گیا ہے وہ یہ ہے۔

|   |   |
|---|---|
| وقیل لہ لاشی عشر من ربیع الاول وعلیہ عمل<br>اہل مکہ وحدیثانی زیادتھم موضع مولدہ فی<br>ہذ الوقت ای ثانی عشر ربیع الاول زرغانی<br>دن یعنی بارہویں ربیع الاول کو کیا کرتے ہیں۔ | بارہویں ربیع الاول ہی آپ کی تاریخ ولادت بتلائی گئی ہے<br>اور اسی پر اہل مکہ کا اتفاق ہے اور آج تک اسی عمل ہی<br>اور وہ لوگ آپ کے مقام ولادت کی زیارت وہاں اسی |
|---|---|

پھر ان تمام اقوال مختلفہ کے تصفیہ میں تحریر ہے۔

|  |   |
|--|---|
| فتحصل فی تعیین الیوم سبعة اقوال المشہور انہ صلی<br>اللہ علیہ وآلہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع<br>الاول وهو قول الثالث فی کلام المصنف وهو قول محمد | تاریخ ولادت کے تعیین میں سات قول آئے ہیں مگر ان سب میں مشہور<br>یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہویں ربیع الاول دوشنبہ<br>کے دن پیدا ہوئے اور مصنف (قسطانی صاحب کتاب ماہب النبیہ) |
|--|---|

احوال ولادت کے متعلق حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی زبانی جبکی تصدیق آگے چکر خود قول رسول صلعم سے جو جاتی ہر کتاب میں  
میں یہ حالات و واقعات درج ہیں۔ ہم ابن سعد کی طبقات سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ابن ابی شیبہ بدت وحسب فقلت لقد خلقت بلاء یعنی رسول  
صلعم و جدت له مشقة حتى و معہ فاعلمنا فصل حتى  
خرج معہ فورا اضاع له بن المشرق الى المدینہ ثم وقع  
الى الارض معتمدا علی یدیه فواخذ قضیۃ من ثياب  
فقبضہا و رفعہا مساری الى السماء و عمرہ عبد اللہ ابن  
ابن ابی شیبہ

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ  
المغازی و قد یروی قال ابن کثیر و هو المشہور عند  
ریالغز ابن الجوزی و ابن الجزار نقل فیہ الا جماع ہذا لکثر  
المسل من رد قانی ص ۵۱ ج ۱۔

مؤید بالعبادت سے دوارد ہم۔ بیع الاول پر اتفاق اجازت۔ رعل اسنت میں۔ سب کچھ بتا کر لیکن شبلی صاحب کی حاشیہ  
الذیل کے اصول پر اپنی حدت طبع کا نمونہ و کہا کہ اگر تفسیر میں حدتیں اور مؤرخین کی اجماعی تحقیق کو غلط سمجھنے میں اور ایک ہی تاریخ  
قطعی طور پر ولادت بتلاتے ہیں جسکو اس وقت سے لیکر اس وقت تک کسی مؤرخ اور مؤرخ نے ضعیف سے ضعیف نہ کیا  
ہی نہیں لکھا ہو۔ حالانکہ وہ سات اقوال مختلفہ جنکا حوالہ زرقانی نے دیا ہے وہ سرسری ٹھٹھیں و سوئیں باتیں ہیں سرچرین  
انھیں بیع الاول ہی مندرجہ بالا تاریخوں میں شبلی صاحب کی نوین تاریخ کو کسی نے ہی نہیں لکھا ہے آپ کے قطعی لکھنے  
کو کسی تاویل کی بھی گنجائش نہیں جوڑی کیونکہ اگر آٹھویں تاریخ کو ایسی ہیج تان کر کسی طرح نوین تاریخ قرار دی بھی جاوے جو وقت  
ولادت بالاتفاق صبح کے وقت طلوع آفتاب کے بعد قرار پایا ہو کسی طرح نوین کے انعقاد کو صحیح ہونے نہیں دیتا ہاں اگر آٹھویں کا  
دن تمام ہو کر رات کا وقت ولادت کہیں لکھا ہوتا تو آپ کے قول کی قدر تاویل ممکن تھی۔

شبلی صاحب کے اس قول مختار اور اس فصیح و اسنوار کی یہ کیفیت ہو چھپیش گئی جس سے ان کی ذرا دہ تاریخ کے  
قطعی اور واقعی ہونے کا کہنا شک ثبوت ملے گا اس کے کم سو کم مشہور محفل ہو سیکا بھی کوئی عنوان کسی کتب تاریخ و حدیث  
سے تسلیم نہیں ہوتا۔ مولوی شبلی نے اس وقت اپنے دن تمام قواعد و ضوابط اور حدود و قیاسات دست بردار ہو کر  
جکو وہ سیرۃ النبی کے دیباچہ میں قائم کر چکے ہیں اور یہ اپنے اس قول موضوع سے کہ کوئی تاریخ ہی واقعہ و قیقہ حدیث کی کتابوں سے  
منہج تک لیا جاوے اندراج کے قابل نہیں مہیت و نجوم کے مویہ ہو گئے ہیں اور محمود پاشا فلکی کے مقلد۔ چونکہ انھوں نے قاعدہ نجوم  
سے یہ ثابت کیا ہو کہ تاریخ ولادت ۹ ربیع الاولیٰ سنہ عام الفیل مطابق ۱۲ اپریل ۶۰۰ء ہے اس کو آپ نے بھی بلا توجہ و تامل اس کی  
بالکل صحیح اور صریح تاریخ و مادہ ولادت قرار دیدیا اور اپنے حسیوں اپنی اس تحقیق و تلاش کے بالکل جدید انداز تصور فرمایا



غلاماً فتر ذلك عبد المطلب وقام هو ومن كان معه  
فدخل عليها فاجتره بكل ما رأت وما قيل لها وامرت  
به قال فاخذته عبد المطلب فدخله الكعب وقام  
عند هادى هو الله وليشكر ما اعطاه

اوس آدمی نے حاضر ہو کر بشارت دی کہ آمنہ کے ماں لڑکا پیدا ہوا۔  
یہ سنا آپ سرور پر نے اور آپ کے بھائی آپ کے تمام بھائی بھی کھڑے ہو گئے۔  
اور جب گرمین آمنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے وہ تمام حالات بتوائے  
دیکھتے تھے یا جو کچھ (منجانب خاں) آپ سے کہا گیا تھا یا جس کے نبی آپ کو  
حکم دیا گیا تھا حضرت عبد المطلب سے بیان کر دیا۔ حضرت عبد المطلب نے اس مولود مسعود کو گو دین دیا اور خانہ کعبہ کے اندر لے کر رکھ دیے ہو گئے۔  
اس مولود مسعود کی سلامتی کی دعا مانگی اور اس نعمت کے عطا فرمائے جانے کا شکریہ ادا کیا۔

تقریب ولادت کی کاروبار میں  
حضرت عبد المطلب کے اشعار  
اور کرتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب اس واقعہ مسرت افزا کی یادگار میں ذیل کے اشعار  
منتسوم فرمائے جن سے آپ کے قلبی جذبات کا پورا پورا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

الحمد لله الذي اعطاني  
هذا الغلام الطيب الاسمان

میں خدا کی تعریف کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے ایسا  
فرزند عطا فرمایا جو اپنی قوم میں پاک و پاکیزہ ہے

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ  
معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کی تاریخیں ۱۲ بیع الاول ستانی ہیں اور آپ درگتہ میں تواتر تفسیر اختلاف سے  
مہینہ رسال میں انما برا عظیم خدات ہے کہ اپریل سے اگست اور شہرہ سے شہرہ ہو گیا۔ کیسی صحیح ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن نہیں ہو سکتا  
بین غلطی اس واقعہ کے متعلق اتنے زمانہ سے چلی آتی ہو اور ادیب علمائے مستشرقین کی آج تک نظر نہ پڑی ہو اور اگر نظر پڑی بھی ہو تو وہ اسکو صحیح نہ کہے ہوں  
اور آج تک براہیوسی غلطی کو نقل کرتے چلے آئے ہوں۔

ڈاکٹر سید احمد خان نے تعلیمات احمدیہ میں ۱۳۵۷ء میں آپ کی ولادت واقع ہوئی کی تحقیق لاد کی تصدیق و توثیق پوری تفصیل کیا تھا ان کا بیان  
بہرہ مورخین کی۔ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم بارہویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے سال یعنی آج سے ۶۱۰ء کی  
سے چھپن روز بعد پیدا ہوئے۔ اگر اس امر میں کہ عام الفیل سنہ عیسوی کے کون سے سال میں واقع ہوا تھا مورخوں کی ایسے  
میں اختلاف ہے۔ نسخہ امر جو قرار پایا ہے وہ یہ ہے کہ عام الفیل سنہ ۶۱۰ء کے مطابق تھا کیونکہ سب مورخین اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت  
سلم نے ۶۱۰ء میں مکہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی۔ یعنی ترویل وحی سے تیرہویں برس اور وحی جالیس برس کی عمر میں  
نازل ہوئی تھی۔ ان برسوں کو اگر جمع کیا جاوے تو تیرہویں قمری سال ہوتے ہیں اور جب ان میں سے ایک برس قمری سنہ ۶۱۰ء  
سے مطابقت کر نیکی لئے منہا کر لیا جاوے تو باقی برس باقی رہتے ہیں اور جب باقی وہ چھ سو بائیس ۶۱۵ء نکال دیا جائے تو باقی سنہ  
باقی رہتے ہیں اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت سنہ ۶۱۰ء میں واقع ہوئی مطبوعہ لاہور ص ۱۶۔

یہ قرآن و مشاہد بتلا ہے بین کہ نہ فلان نامب کا محض قابل اعتبار ہے نہ قبلی صاحب کی تائید لائق شمار پر اتفاق میں اختلاف پیدا کرنا  
کیا معنی۔ نتیجہ ہر دو قیاسی اور مدعا شناسی کا المؤلف



قد ساد فی المہد علی العلمان  
اعینہ باللہ الذی ذی ارکان  
حتی ارأہ بالغ السنیان  
اعینہ من شئ ذی شئ  
من حاسد مضطرب للغان

وہ اپنے گوارہ میں غلاموں کی حفاظت میں آگرم کرنا  
خدا تعالیٰ جو کہ ہر مقام کا مالک ہو سکواپنی پناہ میں  
یہاں تک کہ میں اپنی آنکھوں سے جو ان دیکھا ہوں  
اور خدا اسے اوسکو بڑا چاہنے والے حادثہ میں محفوظ کرے  
اور انکی شرکاء بھی جو اسکا اچھا نہیں چاہتے ہیں ہلا

روز اور وقت ولادت سال و ماہ ولادت کی تفصیل و تحقیق اور پر لکھ چکی گئی۔ رات انریل مٹرسید امیر علی بالقابہ  
پر آف اسلام منے کے زیر حاشیہ لکھتے ہیں کہ جس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے وہ کسے نوشیروان کا چالیسواں سال  
جلس تھا اور سن سلاقی (یونانی) کا ششہ سال تھا۔

بالتفاق فریقین ثابت ہے کہ ولادت باسعادت دن کے وقت بعد طلوع آفتاب دوشنبہ کے روز واقع ہوئی مسلم  
فتاویٰ النصارى جو ایک طولانی حدیث اس کے متعلق موجود ہے جسکی سند پر امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ نے قطعی فیہ کیا ہے  
هذا الحدیث يدل انہ صلی اللہ علیہ وسلم ولد فی هذا یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ آپ کی ولادت دن کے وقت واقع ہوئی۔ اسی حدیث میں  
دوشنبہ کے دن بھی قید مندرج ہے۔ ملاحظہ ہو زرقانی ص ۱۶۱

۱۵۔ اس سے کہ سر ولیم میور صاحب تعصب اور فسادیت کی پریشانیوں میں پڑ کر جذبات اور تعلقات قلبی کو جو محسوسات بدیہی اور فوری رد  
ضرورت قدرت کی طرف سے ودیعت کئے گئے ہیں بھی قطعی فراموش کر گئے۔ اور حضرت عبدالمطلب کی مندرجہ بالا دعا کو بھی جو اپنے  
اس دیرتیم کے حق میں خدا سے مانگی تھی ٹھٹھے دل سے نہ دیکھ سکے اور اسکی نسبت جب اعتراض کا موقع نہ ملا تو خود فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب کی  
دعا کا جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ صریح اسلامی طریق کا ہے اور اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ عبدالمطلب کا دعا مانگنا صرف مسلمانوں کی بنی ہوئی  
ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد کے خدپرست ہونے کی بخت تو عنقریب اپنی مقام پر لکھینگے۔ مگر بیان سر ولیم میور کو صرف اتنا بتا  
دیوین کہ اس مقدس خانوادے کی خدپرستی پر اسلام کے کل فرقوں کا قریب اتفاق ہے اور اس کا سبب بڑا روشن اور قوی ثبوت یہ ہے کہ حضرت  
عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد بزرگوار کا نام عبد اللہ رکھا۔ جو خاص خدپرستوں کے طریقہ کا نام ہے۔ پس خدایر  
نے اپنی دعائیں خدپرستوں کے الفاظ و مصطلحات استعمال فرمائے تو کون سا تعجب ہے۔

ولیم میور صاحب کے اعتراضات کرامات ولادت کے جوابات اگرچہ ہم نے ولادت کے متعلق صرف انھیں  
واقعات کو لکھا ہے جو یاری مشاہدہ کا وہ جو رکھتے ہیں اور محالات وغیرہ کے شبہات و احتمالات بالکل مبراہین مگر سر ولیم میور صاحب اپنی دہش کے  
کچے ہیں کہ ان محالات کو بھی جرت خیز اور تعجب انگیز کہتے جاتے ہیں۔ اس متعصب صیانی مہوف کی اصل غرض تو یہ ہے کہ ان سے ضرورت مباحث  
کو پیش کر کے دین اسلام کی لغویت ثابت کریں اس لئے آدمی سے کوئی پوچھے کہ کسی پیغمبر کے حالات ولادت کا علم اس سے کہ وہ صحیح ہوں  
یا غیر صحیح اسکے اصول مذہب و تعلیم دین پر کیا اثر پڑتا ہے۔ چونکہ میور صاحب کا مدعا اسلام پر پردہ شرمناک حملہ واسطے اسکی حقیقت کا انکشاف



**مقام ولادت** فریقین کے متفقہ مختار سے شعب بنی ہاشم (جو بعد میں شعب اہلبیت کے نام سے مشہور ہوا) مقام ولادت ثابت ہوتا ہے۔ زرقانی میں مقام ولادت کی تفصیل اور تخصیص کے متعلق یہ لکھا ہے کہ شعب بنی ہاشم میں وہ مکان اصلی مقام ولادت تھا۔ جسکو زقاق مدگت کہتے تھے۔ اور وہی مکان تھا جو بقول مورخ ابن اثیر آنحضرت صلعم نے عقیل بن طالب کو مہر فرمایا تھا اور بعد مورا یا مادی کی اولاد نے محمد بن یوسف ثقفی برادر حجاج ابن یوسف ثقفی کے ہاتھ بیع کر دیا اور اس کے بعد جب ہارون الرشید حج کرنے آیا تو اس نے محمد بن یوسف کے ورثہ سے خرید کر بیان مسجد نبوادی جو آج تک مولد البتہی صلعم کے نام سے زیارت گاہ عالم ہے۔ زرقانی ص ۱۶۵

**رسم تسمیہ ولیمہ عقیقہ** رسم تسمیہ اور ولیمہ عقیقہ کی نسبت زرقانی نے تاریخ خمس کے اسناد سے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔

وفی الخمیس رومی اللہ لما ولد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
امی عبد المطلب بخبر وفی فخرت و دعا جلا عن فہریش  
فحضروا طعموا و فی بعض الکتاب کان ذلک یوم سابعہ  
فلما فرغوا من الاکل قالوا ما تسمیہ فقال سیمتہ محمد

تاریخ خمس میں ہے کہ جب جناب سالما بن ابی عبد اللہ سلم پیدا ہوئے تو حضرت عبد المطلب نے انہوں کی قربانی کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشد فرمایا کہ گوشت کے ٹکڑے کو گوشت کے ٹکڑے کے ساتھ رکھو اور کھانے کے بعد کھائے۔ بعض کتابوں میں یہ دعوت ولادت ساتویں دن بیان کی گئی ہے جب کہ انیسے فراغت ہو چکی تو گوشت حضرت عبد المطلب نے چھڑا دیا۔

**حاشیہ صفحہ دیگر** مذکور ہے میور صاحب وہ روایات حسین حضرت آئمہ سے نور کا ظاہر ہونا منقول ہے اور جو بیہقی کی کتاب شرح سلسلہ میں بیان کی گئی ہے اس طرح پر نہیں ہے جس طرح کہ میور صاحب بیان کی ہے اس لئے ہم اس روایت کو تلفظ نقل کرتے ہیں عن العبد عن ابن ساریہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال.... ساخیر کبریا و اول امری نادعوتہ ابراہیم و بشادۃ عیسی و دریاہی التي رات حین وضعنی و قد خرج لہا نوراً اضاء لہا قصو بالشام عیاض ابن ساریہ منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا میں تم کو اپنے ابتدائی احوال سے مطلع کروں میں دُعا ہوں ابراہیم کی اور بشارت ہوں عیسیٰ کی اور خواب ہوں اپنی ماں کا۔ جسے اس نے میرے پیدا ہونے کے وقت دیکھا تھا کلاس سے ایک نور پیدا ہوا ہے جسے شام کے محل روشن ہو گئے۔ ان روایتوں میں نور کا پیدا ہونا منقول ہے اور اگر ہم صحیح تسلیم بھی کر لیں تو ان سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جناب آئمہ نے ان امور کو خواب میں مشاہدہ فرمایا ہے جیسا کہ ہم نے اس کے حوالہ سے اوپر لکھا ہے۔ ان تو اس قسم کے خواب کیسے نہ حیرت انگیز ہو سکتے ہیں تعجب خیر نہ خلاف قیاس ہے۔ نہ محال عادت ہو سکتا ہے اس واسطے اعتراض پائنا تعجب نہیں ہوتا جتنا ان کی قابلیت جامعیت اور یکطرفہ فیصلہ کرنے پر افسوس آتا ہے۔ انھوں نے اہل اسلام ان روایات پر محالات و ناممکنات غرض دنیا بھر کی دشواریاں جمع کر دیں اور ان کو ناممکنات و محالات بتلادیا۔ مگر اپنی کتابوں کی کوئی خبر نہ لی جن میں ایسے ایسے محالات۔ لغویات اور محالات کے خزانے بھرے پڑے ہیں کہ نادان سے نادان اور بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی

ان کی صحت کا قائل نہیں ہو سکتا دیکھو کتاب تورات حضرت یعقوب کا خدا کے ساتھ کشتی کرنا۔ اور حضرت اسحاق کا شیر ہی لگا کر آسمان پر چڑھنا اور اس ترکیب مصنوعی سے رتبہ معراج پانا (تکوین ۲۲-۲۹) اسی طرح حضرت موسیٰ کے معجزات عصا کا سانپ ہو جانا۔ ید بیضا کا نمودار ہونا۔ اب دریا کا خون ہو جانا۔ میند کون کی و باکا آنا۔ اور دیگر خلاف عقل و عادت معجزات جو (نوروز باللہ) اس پیغمبر برحق کی دعا سے ملک مصر پر

فَقَالُوا ارْغَبْتَ عَنْ إِلَهِكَ يَا بَدِيعُ الْوَدَدِ أَنْ يَكُونَ مُحَمَّدًا  
فِي السَّمَاءِ اللَّهُ وَفِي الْأَرْضِ الْخَلْقُ وَقَبْلَ ذَلِكَ سَمِيتُهُ بِذَلِكَ  
أَمَّهُ لَمَّا رَأَتْهُ وَقَبْلَ لَهَا فِي شَانِهِ وَيَكُنُ الْجَمْعُ بِأَنَّ أُمَّهُ  
لَمَّا خَلَقَتْ مَارَاتُهُ نَحْدَهُ سَمَاءَهُ فَوَقَعَتِ التَّسْمِيَةُ مِنْهُ  
إِذَا كَانَ لِسَبَبِهَا الْقَوْلُ بِأَنَّهَا سَمَتْهُ بِأَنَّ رَفَاقِي ۱۵۴

سولہ کا لفظ رکھتا ہے عبد المطلب نے کہا محمد صلعم، لوگوں نے پوچھا آپ کو اپنی بزرگوں کے  
نام سے رغبت نہیں ہے عبد المطلب نے فرمایا میں نے اسے اسکا نام محمد رکھا ہے کہ خط  
کے نزدیک آسان ہے یہی محمد اور اسکی خلقت کیلئے زمین پر بھی محمود ہو  
اور یہ قول بھی آیا ہے کہ آپ کا یہ نام آپ کی مان نے رکھا تھا جیسا کہ آسمان  
کو خواب میں (اس بچے کے) اسکے نام اور اکرام شان کے متعلق بتلایا گیا تھا  
اور انہوں نے مختلف اقوال میں اجماع ممکن ہے اس طرح کہ آپ کی مادر گرامی قدر نے جو کچھ خواب میں مشاہدہ فرمایا ہو وہ آپ کی جدِ ماجد  
میرزا یا ہواور کہ یا ہو کہ بچہ کا یہی نام رکھا جائے اور اسی کے مطابق تسمیہ واقع ہوا ہو۔ لیکن صحیح ترین یہی ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ  
نے آپ کا نام رکھا تھا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ وسلم۔

**کنیت** اتفاق فریقین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ثابت ہے۔

**القاب** اسلامی کتب تفاسیر احادیث اور تاریخ میں آپ کے کثیر التعداد القاب مرقوم ہیں۔ اخبار الوفا میں امام سمحوی نے  
ننانوے القاب مع توضیحات کے پوری تفصیل کے ساتھ قلمبند فرمائے ہیں۔ ان سب میں مشہور ترین القاب۔ خاتم النبیین  
اور نبی الرحمة ہیں۔ جو انصوص قرآنی سے منصوص و مخصوص ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

**مصنوعات آنحضرت صلعم** ان کو کسی نے اصولاً امر صناعات میں شامل نہیں کیا ہے۔ مجازاً کا شمار نہیں۔ اس بنا پر حضرت  
فرعون میں ظاہر ہوئے مثلاً بنی اسرائیل کے لئے نیل کے بہتے پانی میں راستہ کا کھل جانا میں دسلوئی کا اوتارنا۔ پتھر کی نقوش

لوہوں کا نازل ہونا جن پر خدا نے (نمود بائس) اپنی انگشت مبارک سے احکام توریت لکھے تھے۔ خدا کا بنی اسرائیل کو تمام دنیا کی قوموں پر ترجیح  
دنیا اور تمام دنیا کی برکتیں انکو عطا فرمانا اسرائیل کو اپنا پھلوٹا دینا (نمود بائس) کیا ان سب باتوں کو دل لگی کے بغیر اس طرز  
استدلال سے نہیں کہہ سکتے۔ یہ حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کے متبعین و متعقدین کا واسوقت کیا حال ہوگا جب ہر شخص انکی مروتات  
کو محض بناوٹ اور ایجاد سمجھ کر مضمحلہ میں ڈال دیا۔ مثلاً حضرت عیسیٰ کی کراماتی پیدائش۔ انکا مصلوب ہونیکے بعد از سر زنده ہونا قبر سے نکل کر  
آسمان پر چلا جانا۔ اپنا مجروح ہاتھ اپنے حواریوں کو دکھانا۔ آسمانی سلطنت میں ہو چکر خدا کے دست راست کی طرف بیٹھنا۔ ان امور  
کو کیوں محالات نہ کہا جاوے گا۔ سر ولیم میور کی ذہانت کی کما تنگ وادوی جہاد کہ وہ اتنی محالات کو اپنی کتابوں میں شب در شب دیکھتے ہیں۔  
اور بلا عذر و تامل تسلیم کر لیتے ہیں اور جیسا کہ یہی یا انکی خفیف امور کو مسلمانوں کی کتابوں میں پاتے ہیں تو غلط ٹھہراتے ہیں انہیں  
آتے ہیں اور جھوٹا مانتے ہیں۔ لیکن انھیں کے اس رویہ اور طریقہ سے ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ وہ کما تنگ تعصب۔ نفسانیت اور خود  
سے پاک و صاف ہیں۔

بہر حال۔ اس بحث کے خاتمہ پر ہم رائٹ آئریبل مسٹر سید امیر علی بالفاہ کی وہاں سے جو انہوں نے واقعات پیدائش اور ظہور کرامات کے  
متعلق۔ اسپرٹ آف اسلام میں لکھی ہے۔ ترجمہ کر کے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

کے بعد سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابو لہب کی آزاد کردہ جارتہ - ثویبہ نے دودھ پلایا۔ اس سعادت کی تقدیم کا شرف اس نوٹری کی خوش قسمتی کا حصہ تھا۔ واللہ یومئذ من کشاء ابن سعد لکھتے ہیں

سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثویبہ نے اپنی بیٹی مسروح کا دودھ پلایا۔  
 سیدہ ہرقت تک نہیں آئی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ثویبہ نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو دودھ پلایا تھا اور پھر ان کے بعد ابو سلمہ بن عبدالمطلب کو دودھ پلایا تھا۔  
 اول ام المومنین حضرت ام سلمہ (دودھ پلایا۔ ثویبہ کو ابو لہب آزاد کر دیا تھا۔

اول من ارضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یومئذ بلین ابنہا مسروح  
 یوما قبل ان تقدم حلیمة وکانت قد ارضعت قبلہ حمزہ بن عبدالمطلب ارضعت بعدہ اباسلمہ بن عبدالمطلب المذنب  
 فان ثویبہ کان ابو لہب اعتقہا۔

زر کافی حالات رضاعت کو زیادہ وضاحت سے ویل کی عبارت میں لکھتے ہیں۔

جناب آمنہؓ آپ کی مان نے آپ کو کل نو دن دودھ پلایا۔ اس روایت کو صاحب دُرر وغر وغیرہ نے لکھا ہے بعض کہتے ہیں کل تین دن دودھ پلایا اور بعض سات دن بتلاتے ہیں۔ ان اقوال کو حبان

لغہ ارضعہ تسعة ايام (صاحب الدرر والغریب)  
 وغیرہما وقیل ثلاثة ايام وقیل سبعة ايام (حکا ہما الخمیس عن اهل التبیخ ندراج) اس  
 غیر صاحب تاریخ خمیس نے لکھا ہے۔ خوش قسمت ثویبہ کے حالات کی قدر و ضاحت کی ساتھ ابن سعد کی طبقات اس طرح ظاہر ہے

عبارت حاشیہ صحت گذشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت جیسا کہ اسلامی مورخین کا مختار ہے بہت سی

آیات و علامات کی منظر و منظر تھی جن سے یہ مقصود ہو کہ تمام اقوام زمانہ سمجھ جائیں کہ زمانہ کا نجات دہندہ آگیا اور اس کا ظہور ہو گیا۔ ان اقوال پر فلسفی مورخین تبسم پر لب کرتے ہیں۔ اور مخالف مذاہب کے معترضین جو بلا تکلف و تامل متعلقات جو ہم تک کے اندامی اور قیاسی مسائل کو تسلیم کر لیتے ہیں مگر ان عجائبات پر منہ بنا لیتے ہیں لیکن ایک تحقیق کے طالب کے نزدیک جس کا قلب قدیم زمانہ کو جذبات اور طرز خیالات کی ہڈی کی خالی نہیں ہے اور جو بلا تحقیق حقیقت ضرر قیاسات و ظنیات پر اعتبار کر لینے کیلئے آمادہ نہیں ہو سکتا۔ وہ ان بیکیات و علامات کو جو اسلامی انبیاء پر واقع ہوئے دعویٰ کرتے ہیں۔ ایسے انتہات ثابت ہوتے ہیں جو البتہ مشاہد تاریخی سے مقابلہ و موازنہ کیے جائیے قابل ہیں ہلوگ

موجودہ زمانہ کے اشخاص بھی مختلف اقوام اور خاص اشخاص کے معمولی اور روزمرہ کے حالات و واقعات میں ایک غیر مغلوب

قدرت کے تقاضا و اجرا کو تسلیم کر لیتے ہیں تو پھر تیرہ سو برس قبل جیسا کہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ ایک قوم خاص کے

زوال و دوبارہ کی بین حالتوں میں اس انگشت قدرت کے اشارے سے۔ اس قوم کو اس کے لاعلاج معاملات و مقدرات

کو بدلا دینا جو ان کی شرارت و مفسدے کی جزا و سزا پیش میں آیا ہوا ہے کیونکہ تعجب خیز اور حیرت انگیز کما جائیگا۔ اس پر اس کا سلام

مختون پیدا ہونے پر اعتراض۔ سرو ولیم مور نے اپنے سلسلہ اقراض میں جہاں ان واقعات کرامات کو محالات متبلا باحوالہ

نقص کی پرچہ شیون میں ممکن سے ممکن واقعات کو بھی جو اس وقت سے لیکر اس وقت روزانہ مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں خلاف عقل

شیرا ہے۔ سر سید نے انکی نسبت جو اپنی معقول رائے قائم کی ہے اور جن الفاظ میں سرو ولیم کی تردید کی ہے وہ یہ ہیں۔

”ہم کو کس قدر تعجب آتا ہے کہ سرو ولیم مور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختون پیدا ہونے کو بھی محض روایات میں شمار کیا ہے

وكان رسول الله صلعم بصلها وهو بركة وكان  
خذ يجه تكتها وهي يومئذ مملوكة وطلبت الى  
ابي لهب ان يتباعها فابي ابي لهب فلما هاجر  
رسول الله صلى الله عليه واله وسلم الى المدينة  
اعتقها الى لهب وكان رسول الله صلعم مع  
اليها بصلة وكسوة حتى جاءه خيرا فقامات قد  
توفيت سنة سبع مائة من خيرة فقال فاعل  
ابنهما سروح ففعل مات قبلها ولم يبق من  
قرايتها احد طبقات جرمن - ص ۱۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توبہ کو بار بار صلہ جات فرمایا کرتے  
اور خباب غریب بھی اسکی بہت تکریم فرمایا کرتی تھیں۔ توبہ اور سوقت تک  
حالت ملکیت میں تھی۔ خباب غریب نے ابولہب سے کہا بھیا کہ توبہ کو ہمارے  
ہاتھ بیچ لو مگر ابولہب نے انکار کر دیا۔ مگر جب خباب رسالت اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو ابولہب نے توبہ کو آزاد کر دیا۔ قیام  
مدینہ کے زمانہ میں بھی آپ وہیں سے روپے پیسے اور کپڑے وغیرہ توبہ  
کی امداد فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہجرت کے ساتویں سال حبشہ  
خبر سے آپ مدینہ میں لوٹے تو سنا کہ توبہ مر گئی۔ آپ نے پوچھا کہ اس کے  
بچے سروح کا کیا حال ہوا۔ کہا گیا کہ وہ تو اس قبل مر چکا تھا اور اب توبہ  
کے زمانہ سے کوئی باقی نہیں رہا۔

**عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ** | اور عجیب و غریب بعید از قیاس اور خلاف قانون فطرت قرار دیا ہے مگر یہ بات تجزیہ سے علاقہ رکھتی ہوئی

مجاہدات سے بلکہ محض تلونات فطرت سے متعلق ہے۔ ایسے تلونات فطرت کی بہت سی نظیریں بتائی جاسکتی ہیں مثلاً ایسے  
اشخاص کا پیدا ہونا جن میں علامات تذکیر و تانیث دونوں موجود ہوں ایسی اقسام اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ قوانین فطرت  
سطاتی قدرت کا اتفاقیہ انحراف کوئی عجیب بات نہیں اس زمانہ میں بھی بعض اوقات مختون لڑکے پیدا ہوتے ہیں جن سے بلاشبہ  
سجود یا عجائبات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی مختون پیدا ہونا یقیناً قرین قیاس ثابت ہوتا ہے اور اس امر کا ثبوت اس  
امر سے بھی ہوتا ہے کہ بادیو دیکھ حضرت ابراہیم کی اولاد میں ختنہ کی رسم نہایت استحکم سے قرار پاگئی تھی اور عرب جاہلیت میں بھی  
اسکا ترک کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے مگر آنحضرت صلعم کے ختنہ کی رسم کا ہونا کسی ضعیف و ضعیف روایت میں بھی بیان نہیں  
کیا گیا۔ - طبقات احمدیہ مطبوعہ لاہور ص ۷۲۹

**تسمیہ احمد پر اعتراض** | سر ولیم دیر صاحب کو اسلام کی طر سے کچھ ایسی غلطی ہے کہ باقی اسلام علیہ السلام کے نام کو بھی نہیں چاہتے  
اور رسم تسمیہ کو بھی بلا تعریف و ترویض ظالی نہیں چھوڑتے چنانچہ اسکے متعلق جب تعریف کا کوئی اور پہلو نہیں ملا تو لکھتے ہیں کہ اس مصنف کو  
نے بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ نے عبد المطلب فرشتہ غیب کا یہ حکم بیان کیا کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا تو محمد کے دادے سے جو نام مشتق ہوتے  
ہیں عرب میں مروج تھے مگر احمد عرب میں بہت کم نام ہوتا تھا۔ آنحضرت صلعم کے سوا پانچ مختلف اشخاص عرب میں اور بھی گذرے ہیں جنکا  
نام محمد تھا۔ سر سید مرتضیٰ نے جو اسکی مقتدانہ تحقیق فرمائی ہے وہ انکشاف حقیقت کے لئے کافی ہی ذیل میں بلفظ نقل کی جاتی ہے۔  
سر ولیم سے جو یہ بیان کیا ہے کہ عرب میں محمد نام کے اور لوگ بھی گذرے ہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ علماء  
اسلام نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آنحضرت صلعم سے پہلے عرب میں اس نام کا کوئی اور نہیں ہوا بلکہ بخلاف اسکے اس قسم کی



**توبہ کے ایام رضاعت** توبہ کے ایام رضاعت بہت قلیل تھے جبکہ مدت خاص کسی تاریخ دسیرین میں مانی جاتی تھی۔ ان قلت کا ذکر سب کرتے ہیں۔ زرقانی بھی اتنا ہی لکھتے ہیں رضاعت توبہ ایسا ماقلا مل قبل قدم علیہ توبہ نے علیہ کے آنے سے قبل تھوڑے دنوں آپ کو دودھ پلایا تھا۔

**علیہ سیدہ کے خدمات رضاعت** ایک دن۔ دو دن۔ ایک ہفتہ تیرا دو ہفتہ توبہ کو دودھ پلاتے ہوئے تھے کہ علیہ سیدہ مکہ معظمہ میں آئیں۔ اور آنحضرت صلعم کی خدمات رضاعت اس عالی نسبت سے مشغول ہوئیں۔

تاریخ میل اور حدیث کی تمام کتابوں میں اسکی تفصیل دیں پائی جاتی ہے کہ قدیم الایام سے عرب کے تمام شرق اور طبقہ علماء پرورش اطفال کا یہ دستور قائم تھا کہ وہ اپنے بچوں کو خاص کر پرورش پانے کیلئے ان اعواب صحرائی کی عورتوں کے حوالہ کر دیتے تھے جو ہر سال شہر مکہ میں اسی لئے آیا کرتی تھیں۔ بس سے اول درنا بچوں کا کھلے اور صاف ستھری ہوا میں رکھ کر پرورش پانا اور صحیح و تندرست رہنا ہوتا تھا کیونکہ شہرین کثرت آبادی سے اکثر وبائی امراض بھوٹ پڑتے ہیں اور دوسرے اس سوزبان کی دوسری اور فصاحت و بلاغت کی خاص تعلیم بھی مقصد ہوتی تھی۔ کیونکہ عرب بیت اسوقت زبانذاتی کا علم اسکی مشق کمال درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ اور ہر انسان میں ہر شخص کی نگاہ پہلے اسی جوہر کی متلاشی رہتی تھی۔ اور خاص زبان کی نسبت گویا یہانی بات تھی کہ عرب صحرائی کی زبان اہل شہر اور قصباتی باشندگان ملکی کی زبانوں سے زیادہ شیریں اور شستہ ہوتی تھی کیونکہ بیرونی الفاظ خارجی محاورات اور اصطلاحات کو اختلاط سے بالکل پاک و صاف رہتی تھی اس بنا پر شرق اور روستائی مکہ میں بچوں کی ابتدائی پرورش کا یہ طریقہ اور تعلیم زبان کا یہ دستور قدیم سے جاری تھا۔

**حاشیہ صفحہ گذشتہ** تمام روایتوں کو رد کر دیا ہے اور نہایت تین اور ایمانداری سے اس امر کے دریافت کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں کہ

اس نام کے عرب میں اور لوگ بھی گذرے ہیں اور واقعی کو بھی ہم انھیں لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔ مگر یہ بات کہ ان ناموں کے اور لوگ بھی حضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے درحقیقت گذرے تھے یا یہ کہ اس نام کا مادہ حمل ہے اور حمل کے اہل عرب ناموں کو مشق کیا کرتے تھے۔ یا یہ کہ یہ

نام اکثر الدین اپنے ركون کا اس قوی امید پر رکھ کر تھے شاید ہمارے ہی ركون کی قسمت میں نبی موعود ہونا ہو۔ کسی طرح عمدتین اور عمد

حمید کی بشارتوں پر یونہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کسی لڑکے کے والدین نے اس کے حق میں کچھ بھی متناہی نہ

کی ہو اور نبی موعود کا نام اس لڑکے کے نبی ہونے کی متناہی کیوں نہ رکھا ہو۔ مگر نبی وہی ہوا جسکو درحقیقت خدا تعالیٰ کو

نبی آخر الزمان کرنا منظور تھا۔ ہماری اس راہی کی تائید اسوقت اور بھی ہو جاتی ہے جبکہ ہم بڑے بڑے کاموں پر غور

کرتے ہیں جو آنحضرت صلعم سے ظہور میں آئے تھے اور وہ ایسے کام ہیں جو تمام جہان کی تاریخ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے

اور جب کہ ہم اس روحانی سرور کو دیکھتے ہیں جو دین حق کا عقیل ہے جبکہ آپ نے اپنی حیات میں شایع کیا تھا اور نیک

لسلوں کے لئے بطور روشہ چھوڑ گئے۔ اور جبکہ ہم اس صدق و پاکبازی کی ترویج پر نظر ڈالتے ہیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے شایع کیا اور ان کی گونگون کے بعد بھی غیر مبدل اور بے نقص رہی ہیں اور ابلا باؤنگا ایسے ہی رہیں گے



مگر میرے نزدیک جناب رسالت اب علی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش میں حفظ صحت کی ضرورت کو تعلیم زبان کی ضرورت سے زیادہ یقین کرنا چاہئے۔ کیونکہ اُمّی و گویا بزرگ زبان فصیح و اذائف آدم و تسیم مسیح کے اعلیٰ مضمون و علوم کو حقیقت کی نگاہوں سے دیکھنے والے اس طریقہ کی تعلیم کو افسح العرب و العجم مسلم کے لئے حسب معمول ضروری نہیں سمجھتے۔ ہاں ظاہری اور ظاہری طور کے مشتاق اسکو ضروری قرار دیں گے۔ آنحضرت مسلم کے اقوال و ارشاد سے اس کا ثبوت دیتے ہیں لیکن انکو سمجھ لینا چاہیے کہ زبان رسالت نے اپنی ارشاد میں بنو سہ کی فصاحت و بلاغت کے اقرار و اعتراف سے انا اعلم انما من قریش ابن تمیم لکون سب سے زیادہ فصیح ہوں اس لئے کہ میں قریش ہوں پہلے لکھ قریش و ہاشم کی زبان دانی اور اعلیٰ درجہ کی فصیح و بلیغ ہونے کی خاندانی غنیمت و محنت کو اپنے ارشاد میں مقدم رکھا ہے۔ لَمَّا لَا نَخْبِيْ عَلَى النَّاسِ طَرَفًا۔

توبہ کے دوران رضاعت میں عرب کے دستور قدیم کے مطابق عورتوں کی مختلف جماعتیں مکہ میں خدمت رضاعت تلاش کرتی ہوئی آئیں۔ اس قافلہ میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ ابن کے شوہر کا نام حارث ابن عبداللہ بن زبیر تھا اور عورت کے مشہور قبیلہ ہوازن کی قریبی شاخ بنو سعد سے تھے جو عرب میں اپنی فصاحت و بلاغت کیلئے خاص طور پر مشہور تھا اتفاق سے حلیمہ کی تمام ہمارے عورتوں کو شرفاء و رؤساء مکہ کے شیرخوار بچہ رضاعت کے لئے لے گئے۔ مگر حلیمہ غریب کی رضاعت کا کہیں بند نہیں ہوا۔ یہ اسی فکر و تلاش میں حضرت عبدالطلب کی دولت میں آئیں۔ جناب آمنہ نے اپنے یتیم بچہ کی رضاعت کیلئے انہیں مقرب کرنا چاہا۔ مگر پہلے انہوں نے یہ معلوم کر کے کہ یہ بچہ یتیم ہے کچھ پس پیش سا کیا۔ لیکن پھر اپنے مطلق معطل و بھائی کا خیال کر کے اس ویت الہی کی خدمت رضاعت کو قبول کر لیا۔ اور اس ویر یتیم کو گلے کا نوبذ بنا کر مکہ سے اپنے مقام و مسکن پر پہلی آئیں۔

جناب رسالت اب علی اللہ علیہ وآلہ وسلم چہر برس تک حلیمہ سعدیہ کے پاس ان کے قبیلہ میں پرورش پاتے رہے حلیمہ سعدیہ نے اس شش سالہ رضاعت کی مدت میں یہ دستور قائم رکھا تھا کہ ہر چھ مہینہ کے بعد آپ کو ہمراہ لیکر مکہ میں آتی تھیں اور اسطرح دو چار روز یا ہفتہ عشرہ۔ ہاں۔ داوا۔ چچا اور تمام گھر والے اپنے اس گھر یتیم۔ مرحوم عبداللہ کی نشانی سے اپنے دیدہ و دل کو لولائی کر لیتے تھے پھر حلیمہ آپ کو اپنے گھر لجاتی تھیں۔

اس طریق سے رضاعت کے دو برس بخیر و خوبی تمام ہوئے تو حلیمہ سعدیہ حسب دستور آپ کو جناب آمنہ کے مستقل حاشیہ صفحہ دیگر تو ہکو کا بل یقین ہو جاتا ہے کہ جس محمد اور احمد کی بشارت عبد متیق اور محمد بنید میں دیکھی ہے وہ وہی تھے

جو عبد اللہ کے بیٹے اور آمنہ کے بیٹے سے پیدا ہوئے تھے۔ خطبات مطبوعہ لاہور  
عیسائیوں کو یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے نام کا نسبت بھی یہی حال پایا جاتا ہے ابن حصار (MARRUEVA) کی لائف آف گراف صفحہ ۱۵۱  
LIFE OF CHRIST میں لکھ کر کہ عیسیٰ جو نام لکھا گیا لفظ یوحنا کا تبدیل کیا ہوا ہے۔ یہ نہایت مروج نام تھا لیکن بعد اس نام میں آمر اور نجات دہندہ کے لفظ کی رائی طرف سے لگا دیے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عیسیٰ کے معنی جو آج تمام دنیا کو بتلائے جاتے ہیں وہ حقیقتاً آپ کے نام رکھنے والوں کو بھی آپ کے نام رکھنے کے وقت معلوم نہیں تھے۔ المؤلف





اور نہ میرے باپ اور چچا کی نسل سے ہے

والیس من نسل ابی وعتی

زر قانی ۱۷۶ جلد اول

ظاہر طور پر اس شعر کے مفہوم سے نفی اخوت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ نفی وانکار عین اثبات و اقرار ہے اگر غور کی نظر سے دیکھا جاوے تو اس مبروی لڑکی کا یہ شعر بطور خاص ایک پر لطف تمنا ثابت ہوتا ہے وہ اس طرح کہ اس نے بظاہر ان سب ذریعوں سے انکار کر دیا ہے جن سے انسان کسی کا بھائی ہوتا ہے لیکن تاہم ہذا اخ لی لکھا اسکے بھائی ہونیکا دعویٰ بھی کرتی ہے۔ توجیب مان۔ باپ اور چچا کے ذریعہ اسکے بھائی ہونے کی رشتہ بالکل منقطع ہو گئے تو اب اسکی صحت دعویٰ کے لئے سوائے رشتہ رضاعت کے اور کون ذریعہ اس کے بھائی ہونیکا باقی رہا اور یہ کیا ہی قوی ذریعہ اور صحیح دعویٰ اس کے بھائی ہونیکا ہے جو منجانب اللہ شیماکو اسوقت سے لیکر قیامت تک حاصل ہے۔ یہی حقیقت حال ہے اور صورت واقعہ اس وہین لڑکی کے شعر سے ایک امر خاص کی نفی بھی ظاہر ہوتی ہے اور اثبات بھی مگر نفی بالکل ظاہر ہے اور اثبات بڑی خوبی سے محقق۔

جناب رسالتا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھلاتے وقت شیماکا ایک اور گیت زر قانی نے لکھا ہے وہ یہ ہے۔

ہمارے پروردگار۔ ہمارے بھائی محمد کو تو سلامت رکھ

یا ربنا اتق اخي محمدا

یہاں تک کہ ہم اسکو جوان اور بالغ دیکھ لیں

حتى اراء بالغاً وامرءاً

اور پھر اسکو سیہ و سردار قوم پائیں

ثم اراء سيداً ومسوداً

اس کے ساتھ دشمنی و حسد کھنی والوں کو ذلیل کر

والمبيت اعاديه معاد الحسد

اور اسکو ایسی عزت دی جو ابداً باوٹک قائم رہے

واعطه عزاً يديم ابداً

امام ازہدی۔ شیماکر ان دعائیہ اشعار کی نسبت لکھتے ہیں کہ ما احسن ما اجاب اللہ دعاہا بجمیع ما طلبت

دکس خوبی سے خداوند عالم نے شیماکے تمام دعاؤں کو جو اس نے طلب کی تھیں مستجاب فرمایا،

ان واقعات سے محقق ہوتا ہے کہ تمام بھائی بہنوں میں شیماکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک

خاص محبت تھی شیماکے ساتھ زمانہ نبوت میں جو خاص لطافت و احسانات فرمائے گئے اسکو ہم تاریخ بطبری کی عبارت ذیل سے

نقل کرتے ہیں

قبیلہ بنی سعد بن بکر پر چڑھائی والے دن جناب رسالتا صلی اللہ

ان رسول اللہ صلی اللہ

شیماکے ساتھ خاص

علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو حکم عام دیا کہ جب تم قبیلہ بنی سعد بن

علیہ وآلہ وسلم قال فجلیہ

الطاف

پر غالب آؤ تو اوپر لکھا نہ جاؤ۔ اگرچہ انکے احداث (زیادتیاں) تم کو

التي ثبت ان قدراً علی مجاد رجل من بنی سعد بن بکر

خلا یفلتکم وکان مجاد قدراً حدیث حدیثاً فاما طفیہ

کیسے پہنچ جائیں گے ہوں جب مسلمانوں کو اوپر فتح ہوئی تو مسلمانوں



المسلمون ساقوہ واهله وساقوا اختہ الشیماء بنت الحارث  
بن عبد اللہ بن عبد العزیٰ اخت رسول اللہ صلعم  
الرضاعۃ فنعقوا علیہا فی السیاق معہم فقالت المسلمین  
واللہ انی لاخت صاحبکم من الرضاعۃ فلم یصدقوا  
حتی اصابہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما  
انکح بالشیماء والی رسول اللہ صلعم قالت یا رسول اللہ  
ان اقلک قال وما علامۃ ذلک قالت عضۃ عضفتہا  
فی ظہری وانا متورکک قال فعمد رسول اللہ صلعم  
السلامۃ فلبس لہا رداءہا ثم قال ہنہا فاجلسہا  
علیہ وخیرھا وقال فی احبت فعدی محبۃ مکرمہ  
وان احببت امنعک وترجی الی قومک قالت بل  
تمنعتنی وترجینی الی قومی ومنعہا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وردھا الی قومہا  
فوعدت بنو سعد بن بکر کاذبہ الحطاھا غلاما یقال لہ  
مکحول وجاریہ فزوجا احدهما الاخر فلم یزل فیہم  
من نسلہما بقیۃ طبری جلد ۳ ص ۲۶۹ مطبوعہ جرمن

تمام اہل قبائل کو گواہ کیا۔ ان میں شیماء بنت حارث بن عبد اللہ بن العزیٰ  
بھی تھیں جو رسول اللہ صلعم کی رضاعی بہن ہوتی تھیں وہ بھی گرفتار  
ہوئیں انکے ساتھ کچھ لوگ سختی سے پیش آئے تو شیماء نے جلا کر کھا کہ  
مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے میں تو تمہاری رسول صلعم کی رضاعی بہن  
ہوں مگر مسلمانوں نے انکے کہنے پر اعتبار نہ کیا اور انکو نصیحت کیلئے  
رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لائے۔ زید بن عبد السعدی کا بیان ہے  
کہ جب شیماء آپ کے پاس لائی گئیں تو انہوں نے آپ کے مونہ پر کھایا  
رسول اللہ صلعم میں آپ کی بہن ہوں آپ نے ارشاد فرمایا اس قرابت  
کی عداوت کیا ہے شیماء نے جواب دیا کہ ایام طفولیت میں میں انکیا  
آپ کو گود میں لئے کھلا رہی تھی آپ نے میرے پشت میں کاٹ کھایا تھا  
اسکا نشان ایک موجود ہے یہ شکر آپکو صورت واقف یاد آگئی اور آپ  
فرمائیں بچان لیا پھر صدی سے اپنی روئے مبارک انکے گود میں  
پہنچا دی اور انکو قریب بلا کر ارشاد فرمایا کہ اس پر ٹھیکہ جاؤ تو کو بہت  
کچھ دیا اور ارشاد فرمایا کہ تم کو تمہاری محبت و تکریم دل سے منظور ہے  
اگر تمہاری طبیعت چاہے تو میری مائتہ رہو اور اگر تمہارا دل نہ چاہتا

تو میں تم کو تمہارے قوم و قبیلہ کے پاس واپس کر دوں شیماء نے انکی جگہ میرے قبیلہ میں بھیج دیا جاوے۔ آنحضرت صلعم نے انکو بالکام  
و احترام انکے قبیلے کی طرف بھیج دیا یہی سنت نبوی بکرمین معصون کا یہ بیان ہے کہ آپ نے شیماء کو ایک غلام اور ایک لونڈی بھی دی تھی غلام کا نام مکحول  
انہیں سے ایک کا بیاہ بھی آخر وقت میں ہو گیا تھا۔ مگر ان کی نسل میں سے کوئی باقی نہیں بچا۔

یہ تھے اس رحمت عالم کے اشفاق رفیع اولاد اس لطف مجسم کے اخلاق وسیع جس نے اپنی ایک رضاعی بہن کے ساتھ لطف و  
ایشارے کے دو رعایات وہ اس سلوک قائم کئے جس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ رضاعی ماں کے ساتھ جس تعظیم و تکریم سے بچپن سے  
اور جب قدر رعایت و عنایت سے مسلوک ہوئے سو وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ رضاعی بہن کے ساتھ جو رفیق و مدار اور اشفاق و اخلاق برتے  
گئے وہ بھی ابھی ابھی معلوم ہو چکے۔ اب ہم اپنے اس بیان میں اخلاق نبویہ اور اشفاق مصطفویہ کی اوس وسعت و کثرت کو بیان  
میں قلمبند کرتے ہیں جو صرف حقوق رضاعت کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام قبیلہ ہوازن کے ساتھ قائم فرما  
تھے۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

تمام قبیلہ ہوازن کے قدام وفد ہوازن علی رسول اللہ  
مقام جنہوں میں اموال غنیمت کی تقسیم کے بعد قوم ہوازن کی ایک وفد رسول اللہ



ساتھ صلے عام صلعم بالجفرانہ بعد ما قسم

الخاتم وفي الوفد عمر النبي صلعم من التوبة امة ابو ثور  
وفي رواية الثاني قال والمتكلم ابو صرد زهير ابن مرد  
فقال يا رسول الله صلعم انا اصل وعشيرته وفد صابنا  
من الميلاء ما لا يخفى عليك يا رسول الله انما في هذه

الخطا اثم عاتيك وخالتك وخا ضيك اللاني هن يكفنه  
ولانا ملنا للحادث ابن ابي شمر النعمان ابن المنذر  
ن انا يمثل الذي نزلت به رجونا عطفها و عا دها  
وامت خير المكفولين ويقال انه قال يومئذ صرنا انا

في هذه الخطا اثم اخوانك وعاتك وخالتك وبنات عمك  
وبنات خلتك وابعدهن قريب منك يا امي امت وامی  
اتهن حضنك في حجرهن وارضعنك بشدهن و  
قربكنك على اوراقهن وانت خير المكفولين فقال

رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان احسن الحديث  
اصدقه وعندی من ترون من المسالین اوابناءکم  
ونساءکم احبا لیکم ام اموالکم فقال يا رسول الله صلعم

خيرتنا بين احساننا و اموالنا وما كنا لنعذر بالاحسان  
شيئا فرد علينا ابناؤنا ونساءنا فقال النبي صلى الله  
عليه وآله وسلم اما مالي ولبنی عبد المطلب فهو لکم

واسأل لکم الناس فاذا اصلیت بالناس ظهروا  
افستشعروا رسول الله الى المسلمين والمسلمين الى رسول  
الله فان ساقول لکم مالي ولبنی عبد المطلب فهو لکم  
وسا طلب لکم الى الناس فلما حمله رسول الله عليه  
والسليم الطهر قاموا فكلوا بالذي قال لهم رسول

صلعم فرد عليهم رسول الله صلعم ما كان له ولبنی عبد

کی خدمت میں حاضر ہوئی جس میں ابو ثور ان خطاب رسول خدا کے مضامین پر  
تھے طبقات کی دوسری روایت میں ابن سعد لکھتے ہیں کہ اس مقدمہ میں ابو  
زہریہ صرد نامی ایک شخص نے وفد کی طرف سے تقریر کی اور خدمت رسول میں  
کہا کہ ہم آپ کے عزیز و غریب ہیں اور جس بلا و مصیبت میں گرفتار ہیں وہ آپ کے  
ان ہیں جس کے جھڑپوں میں آپ کی قیامیں اور غلامین ہیں اور آپ کی دایاں

ہیں اور کھانا پانی یہ بھی بیان میں ہے کہ آپ کو پالا گیا اور پرورش کیا گیا  
اگر کوئی کوئی حادثہ ابن ابی شمر النعمان ابن منذر سے دو شہرہ روزنامی میں  
نور و دود پلایا ہوتا اور ان کے زمانہ میں یہ بلا و مصیبت پہنچا کر ہوئی جو

آج کا پیشانی ہے تو ہم کو ان سے اکرام و الطاف کی توقع اور امید ہوئی  
اور ان تو آپ بھی بہتر ترین کفالت کرنے والے ہیں اور بعض روایتوں میں  
یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابو ثور نے اپنی اسی سلسلہ تقریر میں یہ بھی کہا کہ انہیں

جھڑپوں میں آپ کی رضاعی بہنیں ہیں۔ عمامین میں غلامین ہیں بیوی بیوا  
بھتیجیں اور خاندان بھتیجین میں اور ان کے تمام قریب و ر کی رشتہ الیہ ان  
میں میری ماں باپ آپ پر پیدا ہوں یہ وہی مصیبت کی ماں باں جن میں

آپ کو اپنی بیویوں میں کھایا پیا اور اپنی چھاتیوں سے دودھ پلایا پیا پلو میں ہیں  
سلا ہے اور طرح سے آپ ان کے لئے بہترین کفالت کرنے والے  
ہیں۔ یہ سکر رسول صلعم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے جو کچھ بیان کیا وہ بالکل

صحیح اور فی الواقع ہے لیکن تمہارے معاملہ میں مجھے عام مسلمانوں سے  
مشورت کی ضرورت ہے۔ چھابہ تو بتاؤ کہ تمہیں اپنی اولاد وغیرہ کیا  
عزیز ہیں یا اموال و جائیداد حاضرین و غائبہ جو ابد یا کہ جب ہو کر اور دعا

اور اسباب و اموال کے درمیان تمہیں تفریق کا اختیار دیا جاتا ہے تم میں  
سے اموال و جائیداد یا کسی شے کے مقابلہ میں اپنی نسوا و اولاد کو ترجیح  
دینے سے باز نہیں رہ سکتے تو اس بار پر ہمارے لئے کہے ہیں انہیں جائیں

یہ سکر و بی متاثر ہو کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تمہاری اموال میں ہمارا اور  
بنی عبد المطلب اس وقت تک از روئی تقسیم حصہ قائم ہو چکا ہے وہ تمہارا  
ہو و میں تمہاری نسبت نماز کو وقت تمام مسلمانوں سے زیادہ کرنا اور

المطلب ورتہ المهاجرین وردا لانصار وصال یھو قائل  
العرب فاتفقوا علی قول واحد بتسليم یھو وضاھو  
ودفعہ ما کان فی اید یھو من السببی الا قوما تمسکوا  
بھا بسما فی اید یھو فاعطاھوا بلا عوضا ذلک ج اقل

کہ یہ لوگ اپنے معاملہ میں مسلمانوں کے پاس رسول اللہ کی سفارش لائے  
اور مسلمانوں کی سفارش رسول اللہ کے پاس میں آج ہو کہ وہاں کہ تمہارے  
اموال غنیمت میں جو کچھ میرا اور جمیع بنی عبدالمطلب کا حصہ قائم ہو چکا ہو  
وہ سب تمہارا ہو چکا۔ اور میں اس طرح تمام مسلمانوں سے تمہارے لئے درخواست

کر رہا ہوں کہ جس جناب رسالت میں تمہارا ہونا چاہئے اور اقراب کے تو بنی ہوازن و بنو سعد کی وفد لے کھڑے ہو گئے۔ اور انھوں نے جس طرح سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
ہدایت فرمادی تھی تمام مسلمانوں کے پاس اپنی درخواست پیش کی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت تمام اہل اسلام کے سامنے  
اپنا اور تمام بنی عبدالمطلب کا حصہ ان لوگوں کو واپس دیے دیا اور اسی طرح تمام مہاجرین و انصار نے بھی اپنے اپنے حصے اور ان لوگوں کو پھیر دیے  
اہل عرب کے دوسرے قبائل سے بھی وہ ایسی ہی خواستگار ہوئے۔ ان مسلمانوں نے بھی اتفاق کئے اور اپنے حصہ الین دے دیے باقی رہے ایسے لوگ  
جو اس وقت تک نفقات کو صرف کر چکے تھے اور ان لوگوں کی قیمت لگا کر معاوضہ میں آتے اور نٹے دیدیے۔

یہ تھے اُس قیاض۔ سیر حشیم عمیرم الاشفاق اور عظیم الاخلاق پیغمبر برحق کے لطف و ایثار اور رعایات و مرعات کہ  
رضاعت کے معمولی تعلقات اور نسبت کی بنا پر قوم کی قوم قبیلہ کے قبیلہ کے تمام خطا و مفیدے ایسے معاف کر دیے گئے  
جیسے انہوں نے کچھ کیا ہی نہ تھا۔ نہ لڑنے آئے تھے اور نہ دشمنوں کا ساتھ دیا تھا۔ سیرت کے واقعات پکار رہے  
ہیں کہ وہ تمام قوم مہازن کی جمعیت بنی نضیر و کئی ہزار دن سے زیادہ تھی۔ رسول سے لڑنے آئی تھی اور مسلمانوں کا خون  
کرنے کیا شہداء۔ ابو ترعان اور ابو صرد اور تمامی قبیلہ بنو سعد کے دونوں میں مقابلہ و مقابلہ کے قصد سے نکلنے کے وقت یہ  
خیال دل میں نہیں آیا تھا کہ ہم کس بزرگ سے لڑنے جاتے ہیں۔ یہ تو وہی ہے جسکو ہم رضاعتی چچا ہوتے ہیں اور  
بھائی۔ اور بھاری عورتیں اور سکی رضاعتی بہنیں بچھوپیان اور خالائیں۔ اور پھر وہیں ان کے بیانات اور ان کے اعترافات کو صاف  
صاف بتا رہے ہیں کہ وہ ان تعلقات کو اسی وقت سے جانتے تھے۔ اور ان حقوق فیما بین سے بھی کما حقہ واقف تھے  
لیکن بنی شامت اور بڑے عیالوں سے انہوں نے ہمسایہ قوم مشرکین کا ساتھ دیا اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کا کوئی  
لحاظ نہ کیا یہاں تک طرف تھا۔ جناب رسالت مآب ان امور کو جانتے تھے مگر تاہم حشیم پوشی فرمائی گئی۔ یہ رحمۃ للعالمین کی شان تھی

۵ ولیم میور صاحب اپنی جلی عادت اور فطرتی نفسانیت سے مجبور ہو کر ایام رضاعت اور طفولیت کی معمولی واقعات پر بھی معترض  
ہوئیے۔ انہیں آئے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طفولیت کے متعلق جو واقعات ادنیٰ نظر سے گزرے بلا امتیاز اسکے کدہ باغ و دیگر  
معیار پر پل اترتے ہوئے ہیں انکی فہرست تعریض پر چڑھ گئے لیکن انفسوس ایں عیالی عالم و محقق کو اعتراض کرنے سے پہلے نہ سوچا کہ جس منبر کی  
اہانت اور حقارت کی غرض سے اس کے بچپن کے افعال پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ آخر عبد اللہ کا بیٹا ہی نہ اللہ کا۔ وہ باوجود منصب علی  
نبوت کے حدود بشریت کے اندر ہے۔ نہ نفوذ باطن۔ وجود الوہیت میں داخل ہے۔ نہ مشترک۔ وہ اپنی فطرت انسانی کی نسبت  
جدا جدا کرتا ہے انا بشر مثلكم و حیاتی من تو بالکل تمہارے ہی ایک ایسا انسان ہوں فرق اتنا ہے کہ مجبور ہی بھی گئی تو اب اس

**حلیمہ کے انعام خدا** رضاعت کی چار سالہ مدت رضاعت تمام ہو گئی اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غلیا مکرہ جناب آمنہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں پہنچی گئیں حضرت آمنہ اپنے نونال کو تندرست اور خوشحال پا کر حلیمہ سعیدہ رضی اللہ عنہا کی خدمات سے عیبی کچھ خوش ہوئی ہو گئی اوس کا اندازہ اس وقت بھی اس زمانہ کے والدین بآسانی کر سکتے ہیں۔ بنی ہاشم کا قبیلہ ہمیشہ سے فیا علی تھا۔ انکا ایشا زہرت کے انتظار پر موقوف نہیں تھا۔ پہلے سے گھر میں حلیمہ کی خدمت رضاعت کتنی وقعت اور عزت دیکھی گئی ہوگی تاریخ النہیس میں دیکھئے حلیمہ خیر البحرہ رضی اللہ عنہا کا رخصتانہ انعام سب کے رخصتانہ انعام سے بڑا ہوا تھا۔

**حلیمہ رضی اللہ عنہا کا اسلام** ابن کثیر شامی لکھتے ہیں کہ حلیمہ قبل اعلان نبوت رحلت کر گئیں۔ مگر جمہور مؤرخین نے اُن کی اختلاف کیا ہے۔ ابن ابی خثیمہ نے اپنی تاریخ میں ابن جوزی نے جہاد میں حنبلہ نے مختصر سنن ابی داؤد میں اور ابن حجر نے اصحابہ بالاتفاق تصریح کی ہے کہ ابن کثیر کی تحقیق صحیح نہیں، مغلطائی ہے جو عوب کا قدیم مورخ ہے حلیمہ سعیدہ کے اسلام لانے کے متعلق ایک خاص رسالہ لکھا ہے جس کا نام التحفۃ الحمیمہ فی اسلام الحلیمہ ہے۔

ابن حجر عساکر بن معرفۃ الصحابہ میں حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شہر ابو ذؤیب حارث ابن عبد العزی کا اسلام لانا بھی ثابت کرتے ہیں اور انکے ایمان لانے کے متعلق یہ واقعہ قلمبند فرماتے ہیں کہ اعلان نبوت کے زمانے میں حارث ابن عبد العزی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کی اس دعوت کی نسبت عرب کے تمام اقوام و قبائل میں کیا مشہور ہے۔ آپ نے اُن سے مدعا لے رسالت بیان کر کے ارشاد فرمایا کہ ایک دن آپ دیکھ لینگے کہ میں جو کہہ رہا تھا وہ بالکل سچ نکلا۔ آپ کے انداز استقامت اور طرز متانت نے حارث کے دل پر حقیقت اسلام کا ایسا گہرا اثر کیا کہ وہ اپنی دلیمن کہنے لگے کہ میں اوس دن کا انتظار ہی کیوں کروں سچ نبی سدن کا آواز کروں۔ یہ کلمہ اوس وقت مسلمان ہو گئے۔

**حقوقیت میں ضبط اوقات** بدتر قدرت نے فطرت صالحہ کے اعلیٰ جوہروں سے پیکر رسالت کو مرتب کیا تھا۔

**اور پاک عادات** زمانہ رضاعت اور دوران طفولیت سے پاکیزگی طہارت۔ احتیاط ضبط اوقات

تمذیب اور حیا و عفت کے اعلیٰ اور لاجواب محاسن آپ کے عادات و طرز عمل سے پیدا ہو رہے ہوتے تھے۔ جو عموماً

بچوں کے طبایع اور عادات اور روزمرہ کے مشاہدات سے بالکل مخالف تھے یہ خصوصیات تھیں آپ کی عادات ہی سے

**حاشیہ صفحہ دیگر** ہے اور برحق رسول کے ایسے صاف اور پاک اعزازات کی موجودگی میں ایام طفولیت کے واقعات پر شک کرنے کے چھوٹے

چھوٹے لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف رہنا مکان کی چھت سے پرندوں کو اور ادینا۔ رضاعتی بہن کی پیٹھ میں کاٹ کر مارنا۔ سر و لیم کے اعتراض

کیسے صحیح اور قابل انتفاع سمجھ جاسکتے ہیں جب یہ تمام ہرکات و سکناات فطرت انسانی کے اصول اور بشریت کے معنوں کے مطابق ہائے جائز ہیں

جن کا مشاہدہ روزمرہ کی نبوت بھی موجود ہو اور فاعل کا اعتراف بھی۔ ان واقعات سے یہ معجزات کے معنی لئے جاسکتے ہیں یہ خرق عادات کی تیرہم

بے حقیقتاً ایسے لغو اور محل اعتراض پیش کر کے اسلام اور انسانی اسلام کی توہین توہین اپنی قابلیت اور جامعیت کی اہم ہدائی درود انی کروادی ہوئی

عقوبت

متعلق نہیں تھے بلکہ ضروریات روزمرہ میں بھی آپ کی احتیاط پابندی اوقات اور التزام پورے طور سے ظاہر ہوتا تھا۔ اسی وقت سے صبر سکون۔ تحمل۔ استغناء اور قناعت طبع ہمایون کے خاص جوہر معلوم ہوتے ہیں۔

حدث شیرازی حلیمہ سعدیہ کی زبانی لکھتے ہیں۔

حلیمہ گوید کہ ہرگز دے درجامہ خود بول و بلا درجامہ خود نکرنا ہنچانکہ عادت دیگر اطفال بود۔ روزمرہ۔ دستے معین داشت کہ دران وقت بول و غلط کردی و تار و دیگر تاہا وقت بران احتیاج نہ داشتے و آیتے از حلیمہ است کہ گفت ہرگاہ خواستی کہ وہاں مبارک ویرا از شیر پاک کنم یا شست و شود و ہم ضرورت نمیدیدم و اگر عورت دے ظاہر شدے۔ بغضب فتوہ فرما و کرد نا چارمی پوشیدمی۔ ورو آیتے آنست از حلیمہ کہ گفت چون آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بر قنار آمد و دکان یا مسدود کہ بازی میکردند۔ انا ایشان دوری می جست و ایشان را از بازی کردن منع می کرد و میگفت مارا برے بازی کردن نیا فریدہ اند۔ حلیمہ گوید کہ گریہ بدخونی و بدخلقی نہ داشت و بدست چپ ہیچ چیز را فرنگرفتی۔ بدست راست بستہ تھی۔ حلیمہ گوید کہ روزے از روز ہا باسن یا آٹاہ چون است کہ بلوران مارا بر فرجی ہمیں گفتم جانمن فلاے تو باد ایشان میروند کہ گوسفندان مرا چرانند۔ باد او می روند و شبانگاہ بازی آیند گفت مرا این جاتنہا می گذار و بالیشان مرا میفرستی۔ کہ من نیز باید کہ کارے بکنم۔

روضۃ الاحباب جلد اول ص ۹۰

حلیمہ کہتی ہیں کہ اسی وقت سے کہ آپ کی پاکیزگی طبع کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپ نے روزمرہ کے کپڑوں میں عام بچوں کی طرح رفع حاجت نفرمائی۔ وقت کی پابندی اور احتیاط کا اسی زیادہ یہ حال تھا کہ رفع حوائج ضروریہ کیلئے وقت خاص مقرر تھا اسی وقت رفع حاجت فرمائی جاتی تھی اور پھر روزانہ کو وقت مقرر تک اسکی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ جھکو رفتہ رفتہ روز کی مشابہت سے اسکا پورا علم و تجربہ ہو گیا اور میں روزمرہ وقت مقرر پر آپ کی ان ضروریات کو انجام دے دیا کرتی تھی۔ حیا و عفت کا بچپن ہی سے یہ عالم تھا کہ اگر میری غلطی اور غفلت سے اگر کسی وقت آپ کا کشف سر ہو گیا تو اوجھلے مجھ پر اور یا موسیٰ کسی کے خاص محرم پر غیظ و غضب کا ایک خاص عالم طاری ہو جاتا تھا اور شرم و حیا کے دھڑ سے آپ فوراً روٹنے لگتے تھے۔ میں روزانہ دو ڈھرتی تھی اور کپڑا الٹی تھی یا اوڑھا دیتی تھی۔ عام بچوں کی طرح رہتا۔ دودھ کیلئے چھلٹا میں نے رضاعت کے دو سالہ ایام میں کبھی نہ دیکھا۔ کبھی آپ نے کوئی چیز بائیں ہاتھ سے نہیں اٹھائی ہمیشہ سیدھے ہاتھ سے کام لیا۔ رشد و تہذیب کا یہ عالم تھا کہ جھکو ہمیشہ ارمان رہا کہ دودھ پلانے کے بعد عام بچوں کی طرح آپ کے وہاں مبارک کو بھی رومال سے پاک کر دیا کروں۔ کبھی اسکی ٹھو

ضرورت ہی نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ اس انداز و احتیاط سے دودھ پیا جاتا تھا کہ زیادتی مقدار کا کوئی اثر لب و لہجہ پر ظاہر نہیں ہونے پاتا تھا۔ حلیمہ کا یہ بھی بیان ہے کہ جب آپ کو طاقت رفتار آگئی تو آپ نے جب کبھی لڑکوں کو باہر کھیلتے ہوئے دیکھ پایا۔ انے خلاف فطرت کنارے ہو گئے اور انکو ہمیشہ کھیلنے کو روکنے سے منع فرماتے تھے اور ارشاد کرتے تھے کہ ہلو گون کو کھیلنے کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے حلیمہ یہ بھی کہتی ہیں کہ آپ نے ایک دن مجھے استفسار فرمایا کہ ہمارے بھائیوں کو آپ کیان دیکھیں یا کرتی ہیں



کیونکہ میں اونکو دن بھر گرمین نہیں دیکھتا ہوں میں نے جواب دیا کہ میری جان آپ پر خدا ہودہ گمر کی بھیڑیں جنگل میں چرلے جا یا کرتے ہیں۔ ہر روز سویرے صبح کو گھر سے بھیڑیں لیکر نکل جاتے ہیں دن بھر جنگل میں بھیڑیں چرتے ہیں اور شام کے وقت ہر روز گھر چلے آتے ہیں۔ یہ سنکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی اویھیں کے ساتھ آپ کیون نہیں سجد یا کرتین مجھے کچھ کام کرنا چاہیے۔

اتم امین آپ کی مرضہ (دودھ پلائی) تو مٹی نہیں لیکن محنت (کھلائی) ضرور تھیں بیان کرتی ہیں۔  
 ام امین گوید کہ ہرگز ندیدم کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از گرسنگی و تشنگی شکایت کر دے۔ چون باداوشد یک شربت آب زمزم بخوردی و ناشب هیچ نطلبیدے و بسیار بود کہ طعم چاشت بر او عرض می کردم و او می گفت مرا رغبت بطعام نیست۔ روضۃ الاحباب ص ۹۵

یہ صبر۔ استغنا قناعت اور زہد و توکل کا دیکھا چھ مشق و ریاضت تھا۔  
 نبوت کی قوت ارتقا و نمو جو ہر قویہ نے آپ کی قوت نامیہ میں اس قدر ارتقا پیدا کر دیا تھا جو نبوت کی خصوصیت کو علم فطرت انسانی کی عمومیت سے بالکل علیحدہ ثابت کرتا ہے۔ زرقانی اپنی شرح میں اسکی مفصلہ ذیل کیفیت و حقیقت بیان کرتے ہیں۔

جناب رسالت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو مہینے کے چھوٹے بچوں کے پیچھے ہر طرف گھٹینوں چلنے لگے۔ جب تین مہینوں کے ہو تو دو دو پاؤں سے زمین پر کڑے ہونے لگے۔ چار مہینوں کے ہوئے تو دو پاؤں پر کھڑے ہونے لگے۔ پانچویں مہینہ آپ کو رفتار کی طاقت آگئی چھٹے مہینہ رفتار میں سرعت کی قوت پیدا ہوگئی۔ ساتویں مہینہ آپ چھٹی ہر طرف اپنے پاؤں سے چلنے پھرنے لگے اور جب کامل آٹھ مہینے ہو گئے تو آپ صفائی سے بولنے لگے اور دسویں مہینے میں آپ بچوں کے ساتھ تیر اندازی کرنے لگے۔ زرقانی ج ۱ ص ۱۰۹

انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما صار ابن شھریں کان میتر خلف الصبیان الی کل جانب وفی ثلاثہ اشھور کان یقوم علی قدمیہ وفی اربعۃ کان یسک الجدار و فی خمسۃ حصل لہ القدرة علی المشی ولما تملأ ستۃ اشھور کان یسرع فی المشی وفی سبعة اشھور کان یسعی ویعدو الی کل جانب ولما مضی لہ ثمانیۃ اشھور شریع یتکلم بکلام الفصیح وفی عشرۃ اشھور السہام مع الصبیان زرقانی ج ۱ ص ۱۰۹

اقامت نبی محمد کے زمانہ کا یہ واقعہ طبقات ابن سعد میں مرقوم ہے۔

اندہ کان بجز ہر ہو و اخوہ فی لعب مع الغلمان فیمنہم علیہ السلام و یاخذ بید اخیه ویقول انا لم یخلق لہذا جب آپ کے رضاعی بھائی آپکو ہمراہ لیکر لڑکوں کیساتھ کھیلنے کیلئے لے جاتے تھے تو اکیلے لگتے تھے تو آپ نے رضاعی بھائی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے اور ارشاد



فرماتے تھے کہ ہم اسکے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں۔

ابھی سے اپنے دیر و بیچہ کی ضرورت کی اتنی کامل معرفت تھی۔ ایسا ہی حلیمہ سعدیہ سے یہ فرمانا کہ میں بھی بھائیوں کیساتھ بھیجا کیجئے۔ کیونکہ بھوکو بھی کچھ کم کرنا چاہئے۔ بیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ آپ کی سعی و ریاضت کا مقدمہ تھا حسدنت جعفر **خِصَالَهُ ۞ صَلَّوْا عَلَیْهِ وَآلِہٖ ۞**

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ بنی سعد کے تباہیہ میں آپ کے چار سالہ ایام طفولیت تمام ہو گئے گویا پانچویں برس کے آغاز سے اپنے خاص بیت الشرف کی طرف مساودت فرمائی۔ اور پھر چھ برس کے سن تک اپنی والدہ گرامی قہد کے دامن عاطفت میں پرورش پاتے رہے مگر مصاحبت انردی نے اس زمانہ پرورش کو زیادہ دیر پانہ رکھا۔ کل دو ہی برس کے بعد اسکی مدت تمام ہوئی علیا مکرہ جناب آمنہ سلام اللہ علیہا نے مدینہ منورہ سے مساودت فرماتے ہوئے مقام ابواہن انتقال فرمایا۔ ابن ہشام اور ابن سعد نے اسکی تفصیل مفصلہ ذرا عبارت میں لکھی ہے۔

جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مادر گرامی شان حضرت آمنہ بنت وہب نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سن کل چھ برس کا تھا آپ ابواہلست فرمائی۔ یہ مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے جناب آمنہ سلام اللہ علیہا اپنے نانہالی عزیزوں سے ملنے کیلئے مدینہ تشریف لے گئیں تھیں۔ وہاں سے رخصت ہو کر مراجعت فرماتے وقت انتقال فرما گئیں۔

اِنَّ اَرسولَ اللہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمنۃ بنت وہب توفیت فرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابن بنت سنین بلا ابواہلست مکۃ والمدینۃ رکانت فدفدت بہ علی احوالہ من عدی نبی لثجا بنزیرۃ ایاہم فیما ت وہی راجعۃ بہ الی مکۃ فرماتے وقت انتقال فرما گئیں۔

ابن سعد نے ابن ہشام سے زیادہ تفصیل سے آپ کے واقعہ وفات کو لکھا ہے۔ انکی اصلی عبارت یہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مادر گرامی کے ساتھ مکہ لوٹے جب مقام ابواہلست پہنچے تو آپ کے والدہ ماجدہ جناب آمنہ بنت وہب نے انتقال کیا اور بن مدفون کو دیگئیں۔ ام امین آپ کو لیکر اونہیں دونوں اونٹوں پر مکہ واپس آئیں جن پر سوار ہو کر مکہ سے مدینہ گئی تھیں۔ ام امین حیات

فخر رجعت بہ آمنۃ الی مکۃ فلما کانت ابلا جوا توفیت آمنۃ بنت وہب فقبرھا حسنات فرجعت بہ آرا یمن علی البعیر بن المذین فدفدوا علیہا الی مکۃ کانت تحضنہ مع امہ ثہ عبدان انت۔ طبقاً اور بعد وفات حضرت آمنہ کے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھلائی رہیں۔

ان دونوں عربی مورخین نے حضرت آمنہ کے مدینہ جانے کی وجہ نانہالی اقربا سے ملاقات بتلائی ہے۔ مگر ہمارے ہندوستانی مشہلی صاحب نے حضرت عبداللہ کی قبر مطہ کی زیارت اور اس سفر کا خاص مدعا بتلایا ہے۔ امین کوئی کلام نہیں کہ دونوں تو ہمیں قلبی تعلقات کا پورا پورا پتہ دیتی ہیں۔ مگر ہمارے مشہلی صاحب کی توجہ تعلق کی مخصوص اہمیت رکھتی ہے۔ اسکی ضرورت ترجیح کو قابل ہے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانہ نبوت میں اس سفر کا خود ذکر فرمایا ہے ابن سعد آپ ارشاد کو مفصلہ ذیل عبارت

عبارت میں لکھتے ہیں۔

فكان رسول الله صلعم يذكر امور اكانت في  
مقامه ذلك لما نظر الى الطعموني عدي بن جابر  
عرفه وقال كنت الاعب انيسه جلديه من  
الانصاف على هذا الطعمون كنت مع عثمان من  
اخوالى تطير طائر كان يقع عليه ونظر الى ذلك  
فقال ههنا نزلت لي امي وفي هذه الدار  
قبر ابى عبد الله بن عبد المطلب واحسنه  
العموم في بئر بني عدي بن النجار۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذن تمام باتوں کا جوں تمام  
پیش آئین ذکر فرماتے تھے مدنیہ تشریف آوری کے وقت آپ نے  
عدي بن النجار کی عمالات کو دیکھ کر فوراً پہچان لیا اور ارشاد فرمایا  
کہ یہ وہی مقام ہے جہاں انیسہ نامی انصاری کی ایک لڑکی کو سنا  
کسیلا کرتا تھا اور یہی وہ مقام ہے جہاں میں اپنے نانا کی قربت  
والے رکھو مگر ساتھ مقیم تھا اور اذن کے متعلق جب آپ نے ارشاد  
کیا تھا ویسا ہی ہوا۔ اور پھر اس مکان کی طرف ارشاد فرمایا کہ یہی وہ  
گھر ہے جہاں میں اپنے ماں کیساتھ ٹھہرا تھا اور اسی گھر میں میرے

والد بزرگوار حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی قبر ہے اور میں نے یہیں نبی عدي بن النجار کے ایک مشہور طالب میں تیرا سیکھا تھا۔  
تایمیں سے مستفاد ہوتا ہے کہ جناب رسالت اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مادر گرامی قدر کے ساتھ مدینہ میں کئی ایک  
مہینہ قیام فرما رہے تھے۔

ماں کی قبر کی زیارت

واقعات مندرجہ بالا کے ساتھ مشاہدات تایمیں یہ بھی بتلاتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے نورانی دل میں  
اپنی والدہ گرامی شان کی ہمیشہ یاوزنہ تھی۔ اور ان کی مفارقت کے بعد اشفاق مادی کے آثار ویسی ہی تازہ تھے۔ ابن سعد  
طبقات میں لکھتے ہیں۔

فلما أمر رسول الله صلعم في عمرة الحديبية بالاجابة  
قال ان الله قد اذن لمحمد في زيارة قبر امه فانها  
رسول الله صلعم فاصلى وبكى عنده وبكى  
المسلمون لبكاء رسول الله صلعم فقبل له فقال  
ادركتني رحمتها فمكبت من

عمرہ حدیبیہ کے بعد جب جناب رسالت اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
مقام ابوابہ پہنچے تو اپنے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی والدہ گرامی مقدس کی  
قبر کی زیارت کیلئے خدا کی طرف سے مجاز و ماذون کیا گیا ہوں یہ  
فرما کر آپ ان کی قبر پر چڑھ گئے۔ لیکن اور انکو نیکوئیں کے ساتھ یاد  
کیا۔ اور اشکبار ہوئے آپ کو روتا دیکھ کر تمام اہل اسلام بھی  
رونے لگے۔ آپ سے سبب گریہ دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا کہ

مجھے اشفاق و ملامت یاد آگئے اور میں بے اختیار ہو کر رو پڑا۔

حضرت عبد المطلب کی

کفالت

اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ اتنے صغیر سنی کے زمانہ میں ماں سے  
مفارقت آنحضرت صلعم کیلئے سخت ترین مصیبت ثابت ہوئی ہوگی لیکن حضرت عبد المطلب کی

شفقت و دردمندی نے اس ودیعت و خداوندی کو فوراً اپنے کنارہ عاطفت میں گم ٹھالیا۔ اور کیونکر نہ اٹھاتے جناب عبد المطلب  
اپنی جوانمرگ صاحبزادے عبد اللہ کے بعد اس یتیم کو اذکار نعم البدل جانتے تھے اور جناب آمنہ کی حیات تک آپ کی پرورش و آرام

رسائی کی طرف سے آپ کو ایک گونہ اطمینان حاصل تھا۔ ہاں۔ انکے انتقال کے بعد باوجود اس کے کہ آپ کی عمر سی پڑ  
کی ہو چکی تھی اعضا و جوارح جواب دیکھتے متعہ و جوان بیٹے اور انکے جوآن بال بچے بھی موجود تھے۔ تمام گھر بہر حال چلتا  
نکلن تھا کہ پرزہ سالی کے عذر معقول کے باعث سے حضرت عبدالمطلب یتیم عبداللہ روحی فداہ کی پرورش و پرداخت انکو  
کسی وجہ سے متعلق کر دیتے اور آپ آرام کرتے۔ مگر یقیناً۔ اس ضعف و نقابست کے عالم میں بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام  
عبادت اپنے ذمہ لی گئیں۔ جناب عبدالمطلب کو انکی پرورش و پرداخت میں ٹبری آسانی اور سہولیت اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی  
جوہر خاص سے حاصل ہوئی جو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی اپنی حجاز زاد بہن تھیں۔ اور ان دونوں خواتین باتیکن کی بیک وقت شادی ہوئی  
یعنی بیسائہ اویر بیان ہو چکا ہے۔

ان تمام قوانین و ذرائع پر غور کرنے کے بعد یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ پرورش و حفاظت جان رسول کی ایسی منظم باعشان خدمت ان تعلقات ظاہری سے زیادہ مشیت کے نظام حقیقی سے متعلق تھی۔

یہ مسلم ہے کہ حضرت عیالہ طلب کو حضرت عبد اللہ سے مقابلہ اور فرزندوں کے مفروضہ درجہ کی محبت تھی کیونکہ ان کا دیکھتے اور عظمت انسان کے اعتبار سے باپ کے سب سے زیادہ محبوب پھر ایسے محبوب ترین فرزند کا چشمہ چراغ۔ ایسے زیادہ بگڑ کا نام و نشان کہ یہ ناکر تمام تر سے زیادہ عزیز نہیں ہو سکتا ہے۔ اور پھر وہ بھی بذاتہ ایسا کہ اس کا دوسرا نعم البدل ممکن نہیں۔ باپ ولادت سے پہلے اونٹ چکا۔ مان بچکی ہوتی۔ وہ کل چہ برس کا چھوڑ کر گزر گئی حقیقتاً یہ مصائب ایسے تھے جو بھروسہ اور غیر سرور کا رسی اشخاص کو بھی ایسے یتیم۔ بے مان باپ کے بچہ کے ساتھ ولسوزی اور بہرہ روی کی توجہ دلاتے ہیں۔ نہ یہ کہ صرف اوس نبرہ گوار کو جو اپنی جان اور اپنے تمام تھاندان سے اس کو زیادہ عزیز رکھتا ہو۔ ابن سعد نے اپنے ایک جملہ میں ان تمام مدعا کو تمام کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ جناب آمنہ نے وفات پائی۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی

فلما أتت قبضته اليه جده عبد المطلب وثمه ورق عليه رقة لم يرق عليها على ولده وكان يقين مند ويد ينده ويد خن عليه إذا خلا وإذا نام

میں اس وقت قریب ترین، عزیز ترین یہی تھے فلوت و جلوت میں آپ کو برابر ساتھ رکھا کرتے تھے اور آپ کے ساتھ سو یا کرتے تھے طبقات میں ۵۰  
عرب کی یہ قدیم تہذیب تھی کہ وہ کسی بزرگ خاندان کے بزرگ عزیز کسی عام یا خاص مجلس میں نہیں بیٹھتے تھے اس قدیم  
آداب معاشرت کے خلاف ورزی کے اظہار پر اس کے عامل کہ عام اس سے کہ وہ کسی، یا یہ یا پایہ کا یوں نہ نہایت حقارت  
و نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اس قومی دستوراً آداب کے وہ اس قدر پابند تھے کہ غیر ممیز اطفال تک کو بھی ان  
استقام کی حرات کرتے ہوئے دیکھ کر چشم پوشی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس کو آداب مجلس اور طریقہ نشست و برخاست  
بتلا دینے کی ضرورت سے فوراً متنبہ اور آگاہ کر دیتے تھے۔ ان کا یہ قدیم دستور اذکار قومی آداب افطاع عالم میں کم و بیش

تمام قوموں کی تہذیب و معاشرت میں آج تک داخل ہے۔

قدیم آئین تقییم سے  
رسول خدا کا اسکتنا  
جناب عبدالمطلب نے اپنے جگر گوشہ یتیم عبداللہ کو اس قیود سے بالکل مستثنیٰ فرما دیا۔  
ذیل کا واقعہ اس کا شاہد ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے۔

كان رسول الله صلعم مع جدّه عبد مطلب ابن  
هاشم وكان يوضع لعبد المطلب فراش في ظل الكعبة  
فكان بنوه يجلسون حول فراشه فذلك حتى يخرج اليه  
لا يجلس عليه احد من بنيه اجمالا لانه قال فكان  
رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ياتي وهو غلام  
حقير حتى يجلس عليه فيأخذ اعمامه ليؤخروه عنه  
فيقول عبد المطلب اذا راني ذلك منهم ردوا ابني ف  
الله ازلنا ثم يجلسه معه عليه ويسمونه بغير  
وليتة ما يراهم يصنع ابن هشام مطبوعه مصر ص ۵۴

جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب بزرگوار حضرت عبدالمطلب کی  
کفالت میں تھے۔ ایک بار ایک عمومی مجلس کی ترتیب دیکھیں تھی اور بزرگوار پر شرف  
عبدالمطلب کیلئے جو اس زمانہ میں ایک اور مرتبہ فائدہ کعبہ تھے ایک فرش خاص  
گیا تھا اور آپ کی تمام اولاد و فرزندان اپنے اعزاز و مراتب و مناصب کے لحاظ  
اس فرش کے دو درمیں چاروں طرف بیٹھے تھے اور صدر میں حضرت عبدالمطلب  
نے لئے خاص جگہ چھوٹی تھی۔ اور ان کی ذاتی عظمت کو اعتبار سے آپ کے  
خاص فرزندوں میں بھی کوئی صاحب اس مقام خاص پر بیٹھنے کی مجاز نہیں  
تھی۔ لیکن اتفاق سے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے  
اس وقت تک کہ شیخ تھو تشریف لاتے ہی سیدہ اپنے جگر گوشہ کے مقلم پر

جا بیٹھے۔ آپ کے چچاؤں نے اٹھ کر آپ کو تمام لیا اور بائیں میں اپنے پاس بٹھا لیا تاہم اس زمانہ میں حضرت عبدالمطلبؑ کے ایک کیفیت دیکھ کر بزرگوار نے  
کہنے لگے کہ میرے فرزند کو کیوں روکتے ہو۔ چچوڑ دو۔ خدا کی قسم اسکے لئے ایک شان خاص ہے۔ یہ لکھا ہے کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر  
اپنی مقام پر بیٹھ گئے اور ان کی پشت مبارک پر پناہ ست شہادت پھیر لے گئے اور جوں جوں آپ کی ہمتی ابھی نسبت تشفی و دلجوئی فرمائی۔

ظاہر میں تو اس واقعہ سے حضرت عبدالمطلب کے انتہائی اشتقاق ظاہر ہوتے ہیں۔ جو موجودہ سلسلہ بیان کا اصلی  
ہے مگر حقیقت میں یہ واقعہ نظام قدرت کی طرف سے مراتب رسالت کی معرفت کا مقدمہ ہے۔

دعای استسقا میں  
رسول کی شرکت

ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بالترتیب  
و تفصیل وہ تمام واقعات لکھیں گے جو حضرت عبدالمطلب کے زمانہ حیات میں واقع ہوئے

اسی سلسلہ میں دعائے استسقا کا بھی ایک واقعہ ہے جس میں جناب رسول خدا صلعم کی شرکت معلوم ہوتی ہے۔  
ہم اس کو ابن سعد کی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

عن رقیۃ بنت ابی صیفی بن ہاشم بن عبد مناف  
قالت متابع علی قریش سنون ذہبن بلا موال و شفین  
علی النفس قالت فسمعت قائلاً یقول فی المنام معش  
قریش ان هذا النبی المبعوث منکرو هذا ایاں خروجه

رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم بن عبد مناف کا بیان ہے کہ ایک بار مکہ میں متواتر  
بیرون تک قحط پڑتا۔ ہا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگوں کے مال و اسباب تلف ہو گئے  
اور بالآخر جانوں کے جانیکی نوبت آئی۔ انھیں امام میں سے ایک شخص کو  
خواب میں کھڑا کیا کہ اسے قوم قریش نبی زمانہ تو پیدا ہو چکا اور اس کے ظہور کا وقت  
بھی قریب ہو چکا تھا جسکی برکت سے تمہیں فراغت و خوشحالی نصیب ہوگی۔



وبہ یا تیکر الحیا والنصب فانظروا رجلاً من اوسطکم  
نسباً طوالاً عظماً ابیض مقرون الحاجین اهدیلاً  
شفار حجاب سہل الخدین رقیق الغرین فلیخرج ہو  
جسبع ولده ولیخرج منکم من کل بطن رجل فتطهروا  
وتطیبوا ثم استلموا الرکن ثم اساقوا راساً لی قبیش ثم  
یتقدم هذا الرجل فیستقی و قومون فانکم ستسقون  
فاصحت فقصت روایا علیہم فنظروا فوجدوا  
هذه الصفة صفة عبد المطلب واجتمعوا علیہ  
وخرج من کل بطن منهم رجل ففعلوا ما امرتہم بہ  
ثم علوا علی ابوقبیس ومعہم النبی صلعم وهو غلام  
فتقدم عبد المطلب وقال لا ہم ہو لاء عبدک  
اماءک وبنات اماتک وقد نزل بناماتی وناجعت  
علینا هذه السنون فذهبت بالنطف والحف و  
اشقت علی لانیس فاذهب عنا الحدب وانلتنا  
بالحیاء والنصب فما یس حواجتہ سالت الاولاد یہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فسقوا ص ۵۲

تو لوگ ایسا آدمی کو تلاش کرو جو تم میں شریف النسل ہو اسکے  
بدن کی ہڈیاں لمبی ہوں جسکی جلد بدن پر دھا جی چشم کے پاس حکم دار  
ہو جسکے آگے سر کے بال کم ہو گئے ہوں دونوں رخسار ہموار ہوں بھون  
قریباً جتنی ہوں اور دونوں ابرو تک ناک با یک ہو ایسا آدمی ہے  
کہو کہ اپنی تمام اولاد و احفاد کو ساتھ لیکر یا ہر نکلے اور تم میں سے بھی ہر  
اور ہر شیرہ کا ایک ایک آدمی اسکے ساتھ ہو پہلے تم لوگ غسل کرو  
پاک و پاکیزہ ہو خوشبو لگاؤ اور رکن کعبہ کا استیلام بجا لاؤ اسکے بعد  
کہو ابوقبیس کی چوٹی پر چڑھ جاؤ اور اس شخص کو اپنا پیشوا بناؤ اور اس  
سے کہو کہ بانی برسوی کی دعا کرے یقین رکھو کہ اسی تدبیر سے تم لوگ غز  
سیر ہو گے۔ رقیقہ کا بیان کہ صبح کو اوٹھ کر میں اپنا خواب بیان کیا جسے  
ملکہ پر غور کیا اور پھر تلاش و فکر کے بعد حضرت عبدالمطلب کو ان عنقا  
موصوف پایا۔ تمام قبائل و عشائر کے لوگ آپ کے پاس جمع ہو موت  
حال عرض کی۔ یہ فوراً مستعد ہو گئے۔ پھر تمام لوگوں نے ملکر مرام و  
لازم نکوہ انجام دیے اور حضرت عبدالمطلب کو انکی تمام اولاد و احفاد  
کے ساتھ لیکر کوہ ابوقبیس کی سب سے اونچی چوٹی پر چڑھ گئے۔ اور انھیں غز  
کے ساتھ جناب سالتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تھے اور آپ سوقت

کرسچن جماعت موجودہ کی اقتدا حضرت عبدالمطلب کی اور دعا استسقا ان الفاظ میں ادا فرمائی اے اے جماعت کی جماعت پیر بند  
ہیں اور تیرے بندوں کی عیال تیری کنیزیں ہیں اور تیری کنیزوں کی اولاد جو مصیبت ہلوگوں پر پڑی وہ تجھ پر ظاہر ہلوگوں پر گذشتہ  
کئی برسوں آفت پڑفت ہو اور تیرا ہی ویرانی اور اب تو انکی جانوں پر اپنی ہی الہی اباں مصیبت کو ہم پر سے اٹھالے اور ہم کو خوشحالی اور  
وسعت رزق عطا فرما۔ رقیقہ کا بیان ہے کہ قوم قریش کو کچھ نہیں بھیب ہوا تھا وقتیکہ اس تدبیر سے جماعت کی جماعت نے درگاہ رب العزت میں دعا  
نہیں کی اور جناب سالتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے سب کے سب یراب ہو گئے طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۵۲ مطبوعہ جرمن لے

اس واقعہ سے جہاں جناب سالتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مسیت لزوم کی برکت و سعادت ثابت ہوتی ہے

**حاشیہ ۱۵** حضرت عبدالمطلب کی کفالت پر عباسیوں کا اعتراض مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۶ میں لکھتے ہیں  
عبدالمطلب کا آنحضرت صلعم کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہے لیکن ناگوں جسکا کو داد کا چوتے پر جہراں ہونا بھی گوارا نہیں فرماتے ہیں "نیم  
ٹرکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی اور آنحضرت کی مین انکے چچا حمزہ نے نشہ کی حالت میں محمد کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہا تھا مارگوں لائف آفا



وہاں حضرت عبدالطلب کی ذاتی وجاہت و عظمت کا بھی اظہار کامل ہوتا ہے۔ آپ کی اس وجاہت و اقتدار کا یہ مرتبہ فقر اس لیے تھا کہ آپ مکہ کے رئیس تھے اور قریش کے سردار بلکہ اس شہرت فائز اور اعتبار و اختیار کے باعث آپ کے خاص اخلاقی اثر و آثار تھے جو آپ کی ذات ستودہ صفات کو ممدوح روزگار بنائے تھے۔

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

**حاشیہ صفحہ دیگر** آٹھم ص ۴۵-۴۹ حضرت حمزہؓ کے جس قول سے استدلال کیا جاتا ہے مارگو لوس خود تسلیم کرتے ہیں نہ کہ حالت تھی۔ اس کی تفصیل یہ کہ بخاری میں ہے یہ ہوا ایک دفعہ حضرت علیؓ نے بار برداری کے لئے اونٹ خریدے اور سوت تک شراب حرام نہیں ہوتی تھی۔ حضرت حمزہؓ شراب بن محمد اور سرف سگدر سے اور اونٹ کا پیٹ بھاڑ کر دل و جگر کا کباب بنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیمڑہنی تو آپ حضرت حمزہؓ کے پاس آئے اور اونکو ملامت کی حضرت حمزہؓ سخت محمور تھے اس حالت میں وہ الفاظ انکی زبان سے نکلے تھے۔ کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت میں پیش کیا جاسکتا ہے؟ سیرۃ النبی ص ۱۳۷

مارگو لوس کا یا غرض امیاطالب کی کفالت و زیادہ سے متعلق رکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے اس لیے عبدالطلب کے زمانہ میں یہاں تک اسکو مندرج فرمانا اور اس پر تنقید لکھنا قبل از وقت ہے اور ایک ہی موقع تقدیم۔

مولوی شبلی صاحب کا اکثر مقامات پر یہ لکھنا کہ ابھی تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی یہ بتاتا ہے کہ (نوذ بائد) اسلام پر شراب کسی وقت حلال بھی تھی۔ اگر تنزیل حرمت کے اعتبار پر یہ قیاس فرمایا جاتا ہے۔ تو اور بھی تعجب انگیز ہے کیونکہ قبل حرمت دہائی تمام آیات قرآنی اسکی ذمہ و قیام کو بتلا رہی ہیں۔ یہ امت اسلام کی بد اخلاقیان ہیں اور شامت عاملان کہ خدا کے بار بار بتلائی بھی وہ اُسے بُرا نہیں جانتے اور پی جاتی ہے۔ اخلاق الہی نے توڑے دلون تک اسکے نیک و بد کی تمیز امت کے فہم پر چھوڑ دی لیکن امت کے اخلاق و مہمہ اونکے خلوص ایمانی اور اعضائے روحانی پر ایسے غالب آگئے تھے کہ وہ اسکو ترک نہ کر سکی تو بالآخر تعذیب الہی کی تہدید کے ذریعے سے یہ ناہنجار عادت چھڑوانی لگی۔ اگر امت رسول کو اتباع کا دعویٰ تھا یا سیرت رسول کی پیروی وہ اپنے دینی اور دنیاوی مقاصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتی تھی تو اسکو اپنا رسول برحق کی عادت پر نظر ڈالنی تھی اور یہی اس ناہنجار عادت کے ترک کیلئے کافی تھی لیکن اسکی توفیق ہی نہیں ہوئی۔ اور تعذیب الہی کی آسان سے تہدید و تاکید بلوائی لگی۔ اس بنا پر ناخیر تنزیل کو کسی مدت تک جواز یا حلت خمر کا باعث سمجھنا سخت غلطی ہے خمر زمانہ چوری۔ و غیرہ وغیرہ ہمیشہ سے اخلاقی اور روحانی جرم قرار دے گئے ہیں اور تمام شہدائے سابقہ میں یہ افعال و مہمہ کبار معاصی بتلائے گئے ہیں۔ شراب و خمریت اسلام میں از اول تا آخر وقت ویسی ہی حرام مطلق تھی جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علی نبینا و آلہ علیہم السلام کی سابق شریعتوں میں۔ فافہم نہ ہے ہم اس ناہنجار عادت کی حضرت حمزہؓ سے نسبت بھی اعتبار کے قابل نہیں سمجھتے۔ کیونکہ حضرت عبدالطلب کے متعلق تمام حدیثوں کی کتابوں میں بالاتفاق لکھا ہے کہ حضرت حمزہؓ نے اپنی عمر بھر شراب کو حرام کر لیا تھا تو ہم شکل و اسوانکے صاحبزادے حضرت حمزہؓ کو بخلاف سیرت پدری اسکا یقین کو کہتے ہیں خصوصاً ایسی حالت میں جب یہ واقعہ ان کے اسلام لانے کے

ن عبدالمطلب حسن قریش و جماعہ امتدہ جساماً و  
لوالجودہ کفا و ابعلا الناس من کل موبقہ نقذالرجال ذل  
ہ ملک قطلالاکرامہ و شفیعہ و کان سید قریش حتی ہلک  
تاہ نفر من خزاعۃ فقالوا نحن قوم متجاوزین فی الدار اہل  
لنحایفک فاجابہم الی ذالک و اقبل عبدالمطلب سبعة  
فہ من بنی عبدالمطلب و الاقرع بن نضله بن ہاشم  
النضاک و عمر بن صیفی بن ہاشم و لم یحضر من بنی  
سید شمس ولا نوفل قد خلوا دار الندوة و تھا الفوا  
بہا علی التناصر و المواساة و کتبوا بینہم کتابا و علقوا  
فی الکعبہ صراہ

حضرت عبدالطلب باعتبار ذاتی و جاہت کو تمام قریش میں جہیز  
بزرگ تھے اور جسامت کے لحاظ سے بہت زیادہ سیم او طویل جسم و تحمل میں  
بڑے کریم۔ جو وسخاوت میں سب سے زیادہ سخی و کریم۔ فتنہ و فساد کو موقع پر  
سب سے دور رہنے والے۔ جو دیکھتا تھا وہ آپ کی تعظیم و تکریم کرتا تھا اور آپ کی  
ہدایتوں کو بجا لاتا تھا اور سلاطین معاصرین میں قبیلہ قریش کی امامت  
ما دام الحیات آپ سے متعلق رہی۔ ایک بار بنی خزاعہ کے لوگ آپ کی خدمت میں آکر  
کہنے لگے کہ ہلوگ آپ کے ہمسا میں اسوقت اس ت عا کی ساتھ حاضر  
ہوئے ہیں کہ آپ ہلوگوں کو اپنا حلیف بنا کر اپنی پناہ میں لے لیں  
خوڑا اون لوگوں کی استدعا کو قبول کر لیا اور بنی عبدالمطلب میں سے  
سات آدمیوں کو لیکر اور ارقم بن نضله بن ہاشم اور ضحاک و عمر سپران بنی

بنی ہاشم کو بھی ان میں شامل کر کے دارالندوہ میں تشریف لائے اس معاہدہ میں بنی عبدالمطلب (امیہ) اور بنی نوفل میں کوئی فرد  
شریک نہ ہوا۔ دارالندوہ میں جانہیں سے مواسات و حمایت کی باہمی معاہدے کیے گئے اور دستور قدیم کے مطابق کبیرہ یزیدین کے گھر  
بنی ہاشم کے یہ حقیقی معارف ہیں جو قدیم سے انکے اخلاقی اغراض اختیار کو خصوصیات میں داخل ہیں اور یہ وہی منفاخر  
ہیں اور اصلی منفاخر مشاہرت جو تمام قریش کیا تمام قبائل عرب پر اکی تفضیل و ترجیح کے سچے معیار ثابت ہوتے ہیں اور یہ تمام صفات  
و محاسن جس طرح قصی کو اپنے وقت میں ہاشم کو اپنا زمانہ میں حاصل تھے اور سطح عبدالمطلب کو اپنے عہد میں قدرت کی طرف سے  
بدرجہ اولی حاصل تھے۔ بدرجہ اولی اسلئے کہ ان تمام محاسن و صفات سے آراستہ و پرستہ ہر گوارا کے متعلق شہنشاہ رسالت  
کی کفالت و متمنوبت کی حفاظت بھی سپرد ہونیوالی تھی۔

حاشیہ صفحہ دیگر | قبل کا بھی نہیں بتلایا جاتا۔ بلکہ مشرف باسلام ہو جائیو بعد کا اور سپران الفاظ اضافی کے ساتھ کہ رسول اللہ صلی  
اس واقعہ کی خبر پر کیا الفضل بنفسی و کی تادیب کیلئے تشریف لجاتے ہیں اور انکی دونوں آنکھوں کے سامنے کھڑے ہو کر انکو ملامت کرتے ہیں  
مگر حمزہ و یزید و ابیہ و نہین ہوتا وہ کچھ نہیں سنتے۔ اول قول کہتے چلے جاتے ہیں۔ مخالفین اسلام تعجب سے کہیں گے کہ یہ وہی رسول  
جسکی ایک نگاہ سرسری نے ذرا اس قوت کے بعد ہی حضرت عمر کے غیر غل غصہ کو ایسا ٹھنڈا کر دیا کہ اون سے فوراً قدم رسالت پر سر جھکا دیا اور  
اسلام لے آنے کے سوا اور کچھ بن نہ آیا۔ لیکن حمزہ ص کے مقابلہ میں رسول کی روحانی آثار کا رگر ہو کر ذاتی اور صفاتی اقتدار کا عکس دیا اور الہی

ہم ان تمام اقسام کے انسانوں کو خاندان رسالت کو عادات و معاشرت کے قطعی خلاف سمجھتے ہیں خصوصاً حضرت حمزہ و غیر ہم محدوین  
بنی ہاشم کے متعلق ان لغویات کو تو قطعی ممنوع و موضوع یقین کر رہیں یہ بخاری صاحب کی برکات طیبی ہی جو ان لغویات کو مندرج کر کے مستثنیٰ  
کی تو ایک طرف بنیاد قائم کرتے ہیں اور دوسری طرف مخالفین اسلام کو امامت اسلام اور تجارت حضرت خیر الانام علیہ السلام پر ادا وہ اور تیار رہنے میں ہوجاتی

## وفات حضرت عبدالمطلبؑ

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اس کفالت و حفاظت کا زمانہ کل چار ہی برسوں میں تمام ہو گیا۔ حضرت عبدالمطلب بوڑھے تو ہو ہی چکے تھے۔ شیوخیت سے گزر کر کمسنولیت کا وقت آ ہی گیا تھا۔ بیاسی برس کی عمر ہو چکی تھی۔ بیمار پڑے۔ ضعیف تو تھے ہی۔ صنف اور علالت دونوں مگر مرض الموت بن گئے۔ وفات کا وقت قریب ہوا تو باوجودیکہ تمام عرب میں کثیر الاولاد و مشہور تھے ابن سعد لکھتے ہیں فلم یکن فی العرب بنو ابی مثل عبدالمطلب۔ عرب میں عبدالمطلب کی ایسے کسی باپ کی اولاد میں نہیں تھیں۔ اس لئے محض تعلقات قلبی کی بنا پر ایسے بڑے خاندان کے بزرگ کی آنکھوں کے سامنے اس کے بستر مرگ پر پڑی اولاد و احفاد میں سے ایک ایک کی صورت موجود رہنی چاہئے۔ لیکن اس فطرتی جذبات کے برخلاف دو بزرگ خاندان اپنی اپنی کثیر اولاد میں سے نہ کسی فرد کو بلاتا ہے۔ نہ یاد کرتا ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی وصیت فرماتا ہے۔ ہاں ایک بہشت سالم بچہ کی یاد و تعلقات اوستو ایسا بچہ نہیں اور مضطرب الحال کئے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتا ہے یا وصیت کرتا ہے وہ صرف اسی کے لئے اور کسی کے لئے بھی نہیں۔ اس طرح کہ اپنے قائم مقام اور اپنے وارث و وصی کو اپنے پاس بگاتا ہے اور اپنے شرعی وصیت کے الفاظ میں اس بچے کی کفالت۔ حفاظت۔ حمایت اور اعانت کے لئے اپنے بعد اس کو ذمہ دار بناتا ہے۔

طبری۔ ابن سعد اور ابن ہشام کے متفقہ نفاذ سے ذیل میں مندرجہ بالا معنایں کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔  
 فتوفی عبدالمطلب بعد الفیل بثمانی سنین وکان عبدالمطلب یوصی برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 عمہ ابیوان ابی طالب و عبد اللہ ابی اسول اللہ صلعم کان فکان ابی طالب هو الذی یلی امر رسول اللہ بعد جلدہ وکان یكون معہ۔  
 طبری جلد اول ص ۱۱۲۳ حرمین

واقعہ قبل سے آٹھ برس بعد حضرت عبدالمطلب انتقال فرما گئے۔ اور جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق حضرت ابی طالب کو وصیت فرما گئے کیونکہ حضرت ابی طالب اور حضرت عبداللہ باجی بھائی تھے اس خصوصیت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت کا منصب حضرت ابی طالب کو تفویض ہوا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ابی طالب کے ہمراہ رہے۔ طبری جلد اول ص ۱۱۲۳ حرمین۔  
 ان مشاہد تاریخی سے حضرت عبدالمطلب کے اُن ولی جذبات اور قلبی تعلقات کے تمام حالات کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے اور اسی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب ولایت و حفاظت کی مخصوص اہمیت بھی ظاہر ہوتی ہے اس عہدہ جلیل اور منصب عظیم کیلئے حضرت ابی طالب کی تخصیص کی ظاہری توجہ یہ تو مذکورہ بالا تاریخی اسناد سے معلوم ہو چکی۔ مگر غور و تلاش کے بعد یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اس ودیعت الہی کی ولایت کی تجویز تفویض میں صرف ابی طالب اور عبداللہ کی صلبی اور بطنی یکجہتی جو نے پر اعتبار نہیں کیا ہے بلکہ حکم الہی کا انتظار اور استشارہ فرمایا۔ چنانچہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں۔

اقرع ابی طالب بینہما فخر جت القرعة لابی طالب۔ عبدالمطلب نے دونوں کے درمیان قرعہ ڈالا۔ تو قرعہ ابی طالب ہی کے نام نکلا۔ زرقانی ص ۲۲۸ لے زیر کی تجویز ولایت اور تمکین کا خود غرضانہ اضافہ ہے جو مراتب ابی طالب کے استحقاق کا

نہرت عبدالمطلب کے انتقال پر

حضرت کا حزن و ملال

حضرت عبدالمطلب نے جیسا بیان چکا ہے۔ کہ میں وفات پائی اور مقام

تجوں میں مدفون ہوئے۔ سن وفات شہ عام الفیل مطابق ۵۲ھ ہے

اب سالت اب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی جد بزرگوار کی مفاہقت کا بعد ملال ہوا۔ ام ایمن کی مسناد سے ابن سعد لکھتا ہے

مہول اللہ صلعم یومئذ یبکی خلف سریر عبدالمطلب - میں نے دیکھا ہوں صلعم اور مدینہ المطلب کے جنازہ کے پیچھے پیچھے جاتے ہوئے

حضرت ابيطالب اور رسول اللہ

کی کفالت شروع ہوتا ہے۔ ایمن کو کلام ہو سکتا ہے کہ حضرت ابيطالب اپنی جد بزرگوار

نہرت عبدالمطلب کے وصی تھے۔ جانشین تھے اور قائم مقام۔ اس لئے عام خاندانی اور قومی اعزاز و امتیاز جو عبدالمطلب

حاصل تھے وہ ورثہ آؤنگو تقویض ہوئے اور انھیں ظاہری مشارف و معارف کے ساتھ کفالت و حفاظت رسول صلعم

لے روحانی مفاخر بھی انھیں کی مساوت اور خوش نصیبی کا حصہ ٹھہرے۔ حالانکہ حارث سے لیکر عباس و حمزہ تک حضرت

عبدالمطلب کے متعدد بیٹے تھے۔ جن میں اکثر ان سے سن میں بڑے تھے۔ اور گھر میں موجود تھے مگر عبدالمطلب کو

دلت کی طرف سے انھیں کے انتخاب کا اشارہ ہوا۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے کہ یہ انتخاب ایسا لا جواب ہوا

تمام قریش کیا تمام عرب میں اسکی مثال مشکل سے ملتی ہے۔

جناب ابی طالب کی کفالت کا زمانہ آپ کے استقلال۔ پاداری۔ بہت۔ صبر اور استقامت کی آماجگاہ تھا۔

مانہ کی نامساعدت۔ قوم کی مخالفت و دشمنوں کی یورش۔ اپنی کثیر العیالی اور تنگ حالی بہرہ وقت دانستگیر رہتی تھی مگر ان

تمام تعلقات و ترددات سے قطع نظر کر کے جگر گوشہ عبدالمطلب۔ یتیم عبد اللہ کی حفاظت و حمایت کے خیال ہر وقت

اں سے لگے تھے اور کہہ کر نہ لگے رہتے مگر بہرین خلگی و ودیعت تھا تو یہی تھا۔ باپ کی وصیت تھا تو یہی تھا اور اپنی بچی کو

بھائی کی نشانی اور مٹی ہوئی صورت تھا تو یہی تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر

اور نہ کسی عسری سیرت میں زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ قسطلانی میں صرف اس قیاس کی بنا پر بعض تاریخین میں

زیور کو بھی عبد اللہ ابيطالب کا مانجا یا لکھا ہے۔ کفالت و ولایت کو بھی ضم کر دیا ہے۔ حالانکہ جس خلاف قیاس اور مخالف واقع دعویٰ کا

دکر کیا ہے اسکی اس کتاب میں بھر تردید و تکذیب کر دی ہے اور کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایسے قیاسی اور محض بے بنیاد دعویٰ کے افکار

کی ضرورت کیا تھی۔ یہ زرقانی کی محض نادانی ہے۔ چنانچہ ہم اسکی نسبت خود انھیں کی تحریر ذیل میں کہتے ہیں۔

فلا یزدان التبریر شقیقہ ایضا وقد قبل مشارکہ فی کفالتہ و حق ابيطالب بلکہ لا امتداد حیاتیہ

فان التبریر لویذک الاسلام و قبل اقرب عبدالمطلب بینہما فخرت القرع لابی طالب و فاسد القابہ

للحافظ عزالدین ابن الاثیر کتباہی طالب لکنا شقیق ابیہ و کذا لک التبریر لکن فی خطابی طالب لکنا



اتنی خیر صیات کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی تمام اولاد پر کیونکر ترجیح نہ دیتے۔ انہیں روحانی تعلقات اور قلبی جذبات نے ان کے دل پر سوائے شہید عبد اللہ کے اپنی کسی صلیبی اولاد کی محبت والفت کے نقش نہ چھنے دئے اور حقیقت میں ایسی بہت واستقلال واستحکام خلوص اور محبت پر جو بزرگوارہ نامز ہو گا وہی ودیعت الہی کی حفاظت و حمایت کا خاص محافظ اور تنہا ذمہ دار بن سکتا ہے۔ اور یہی صفات کمالیہ حضرت ابیطالب کی ذات میں مخصوص طور پر ثابت ہوتے ہیں جو مدبرین قدرت کی بارگاہ میں ان کے منتخب کیے جانیکے باعث ہوئے جناب رسالت کے اقدس علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کفالت کا ایک ایک واقعہ حضرت ابیطالب کے عظیم المثال اور بینظیر محبت واستقامت کا کامل و قریب ہے جو دیر ہزار برس کی مدت مدید کے بعد بھی آج تک عرب کے کارناموں میں ویسے ہی زندہ اور محفوظ ہے۔ ابدال آباد تک قائم رہیگا۔ ذیل کے تاریخی مشاہدات جنکو ہم نے زمانہ وقوع کی ترتیب سے اپنے سلسلہ بیان میں لکھا ان واقعات کا پورا انکشاف کرتے ہیں۔ ابن سعد طبقات میں رقمطراز ہیں۔

ابطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسی شدید محبت تھی۔ کہ ویسی اپنے کسی خاص بیٹے سے بھی نہیں تھی راؤن کو ہمیشہ اپنے ہلو میں لیکر سلا کرتے تھے۔ اور جہان کیں باہر جاتے آپ کو اپنی ہمارہ لے جاتے۔ اور جس چیز سے آپ کو رنج ہوتا۔ اس سے ابیطالب کو بھی ضرور رنج پہنچ کر رہتا تھا۔

کان ابیطالب  
یحبہ شدیداً  
لا یحبہ والد وکان

محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
ابی طالب کے دل میں

لانیام لا الی جنبہ وینحرج فیہیچ معہ وبصیہ  
ابی طالب صباہ بصت بہا بشی قطع احسن

حقیقتاً ابیطالب کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا تعلق اور عشق تھا کہ ویسا دنیا میں کسی کے ساتھ نہیں تھا۔ اس ودیعت الہی کے ساتھ غایت درجہ کی محبت والفت کے شامل خلوص و عقیدت کا اقرار و اظہار بھی کیا جاتا تھا۔ ابن سعد لکھتے ہیں۔

ابطالب اور رسول کی عقیدت

بالطعام وکان اذا اکل عیال ابی طالب جمیعاً

اوفرادی لم یشتبعوا واذا اکل معہم رسول اللہ صلوات

شیعوا فکان اذا اراد ان یعد لہم قال کما انتم حتی

یحضر ابنتی فیا فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم فیا کل معہم فکانوا یفضلون من طعامہم

فان لم یکن معہم لم یشتبعوا فیقول ابی طالب

اور یہ تجربہ بتا پایا جاتا تھا کہ ابیطالب کے بچے۔ عام اس سے کو جمع

ہو کر یا منفرد ہو کر کھائیں۔ اسودہ نہیں ہوتے تھے۔ اور جب آنحضرت

کے ساتھ کھاتے تھے تو سیر ہو جاتے تھے۔ اسلئے جناب ابیطالب

یہ نظام فرمایا تھا کہ جب بچے کھانا کھانے کیلئے بیٹھتے تو آپ ادن سے

فرماتے کہ نادقتیکہ میا فرزند (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ لے۔ کوئی کھانا کھائے

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آلیتے تھے تو بچے ہلکے سا

کھانا کھا کر لے تھے۔ اور ابیطالب اپنے بچوں کو لے کر لے کر لے کر

بقیہ صفحہ دیگر وصیۃ عبد المطلب واما لان الزبیر کفله حتی مات ثم کفله ابی طالب وهذا غلط لان الزبیر شہد حلف الفضل وللمصطفیٰ ثیف وعشرون سنہ واجمع العلماء علی انہ شخص مع ابی طالب ان الشام بعد موت عبد المطلب



انك مبارك وكان الصبيان يصيحون ومصاشغار  
ويصيح رسول الله ذهابنا الخيلا ۷۶

اگر کسی دن اتفاقاً آنحضرت صلعم ساتھ نہ ہوتے تھے تو حقیقتاً بچے آسودہ نہیں ہوتے تھے۔ عام طور سے صبح کو بچے سو کر اٹھتے تو پریشان دل اور کچھ ہنسنے لگتے لیکن غلات انکے آنحضرت صلعم صاف ستموے اور سرد و الحال اٹھا کرتے تھے۔

اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابي طالب کے دل میں اپنے فرزند عزیز کی طرف صرف محبت و مہربانہ ہی نہیں تھی بلکہ عقیدت و مخلصانہ بھی تھی اور غفلت و غفیلہ عقیدہ مند نہ بھی اور یہ انکی معرفت رسالت کا بنی ثبوت ہے۔

عظمت رسول اللہ صلعم ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابي طالب اپنے والد بزرگوار حضرت عبدالمطلب کو دیکھتے اور قایم مقام۔ اسی خصوصیت کی بنا پر آنحضرت صلعم کی کفالت و حفاظت میں انکے بھی وہی طرز عمل ثابت ہوتے ہیں جو

حضرت عبدالمطلب کے متعلق پائے جاتے ہیں طبقات ابن سعد کے مفصلہ ذیل واقعات ہمارے بیان کی شاہدین

كان ابو طالب تلقى له وسادة يقعد عليها فجاء النبي  
صلى الله عليه وآله وسلم وهو غلام فعقد عليها  
فقال ابي طالب والله ربيعه ان ابن اخي لم يحسن  
بنعيمه ۷۷

جناب ابي طالب کے بیٹے کے لیے ایک بار (دارالندوہ میں) فرش بچھا یا گیا تھا اس اثنا میں جناب رسالت صلعم جو اوس وقت تک کمرے میں تشریف لائے۔ اور اپنے چچا کے مقام پر بیٹھ گئے اتنے میں ابي طالب گئے اور آنحضرت صلعم کو اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا دیکھ کر

کہنے لگے کہ ربیعہ کے خدا کی قسم میرے بھتیجے کے لیے ایک نعمت خاص کی نسبت ہے۔

یہ واقعہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ہم حضرت عبدالمطلب کے احوال میں لکھ آئے ہیں۔ اور اس سے یہ امر کتنا حق ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت عبدالمطلب نے آنحضرت صلعم کی اس شان عمل کو آپ کی علم و تربیت کا مقدمہ سمجھا اور اوس کا اعلان و اعتراف فرمایا تھا اوسی طرح حضرت ابي طالب نے آپ کی روحانی عظمت و جلالت کی تصدیق و توثیق فرمائی اوس کی ایسا یہ واقعہ ہے۔ زرقانی۔ شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں۔

باقی من خمس سنين فهدا ايدل على ان ابي طالب هو الذي كفل له زرقانی ص ۲۲۸-۱۔ زبیر کا شفیق عبد اللہ مونا خلافت میں ہو

اور یہ بھی کمال ہے کہ زبیر کفالت ہوئی میں ابي طالب کے شریک تھے مگر اس کیلئے حضرت ابي طالب خصوصیت کے ساتھ ذکر کر کے گئے ہیں اور یہ کہ حضرت ابي طالب زیادہ دنوں تک زندہ رہے اور زبیر قبل اسلام زندہ رہے اور یہ بھی ایک قول ہے کہ عبدالمطلب نے اس امر میں قرعہ کی مگر قرعہ ابي طالب ہی کے نام اور اسد الغابہ میں حافظ اعز الدین ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ ابي طالب نے آنحضرت صلعم کی پرورش کی کیونکہ وہ نہایت بڑے بچے اور ایسے ہی زبیر بھی مگر کفالت ابي طالب ہی نے کی اسکی وجہ عبدالمطلب کی خاص وصیت تھی اب ہا یہ

قول کہ زبیر اپنی حیات تک نہیں رہے جب وہ مرے تو ابي طالب نے کفالت کی بالکل غلط ہے کیونکہ زبیر خلف الفضول تک زندہ تھے اور آنحضرت صلعم اس وقت سادہ میں برکت کے ہو چکے تھے اور تمام علماء کا اہل ایمان ہو چکا تھا کہ عبدالمطلب نے تقریباً پانچ برس بعد ابي طالب نے آنحضرت کو لیکر شام کا سفر کیا تھا اور یہ امر ہی قوی دلیل ہے کہ آنحضرت صلعم کی کفالت پیش ابي طالب ہی کے ساتھ مخصوص تھا اور لف عنہ

عن حماد بن عوفطة قال قدمت مكة وهي في قحط  
فقلت قرأش بعد ان تشاوروا فلفظ الحديث عندنا  
عسالة قدمت مكة وقرأش في قحط فقال منهم يقول  
احمد وللات والعزى وقال منهم اخذ وامانة الثالثة الا  
فقال شفو وسير حسن الوجه جبالواي اني وقفون فمكر  
باقية ابراهيم وسلالة اسمعيل قالوا كانت عيت ابا طالب  
قال ايها فتا صوا اجمعهم فقلت قد قضا عليه اننا  
فخرج الينا فتادوا اليه يا ابا طالب قحط الوادي واجد  
العيال فلهو فاستق فخرج ابا طالب ومعه غلاموه  
النبي صلى الله عليه وآله وسلم كانه شمس دجن  
وحوله اغيمله فاخذاه فاصق ظهوه بالكعبة ولاذ  
الغلام باصبعة وما في السماء قرعه فاقبل السحاب  
من ههنا وههنا واغداق واخلاق وانفجر له الوادي  
واخضب الناري والبادي من ۲۲۹

ابن عساکر اپنی تاریخ میں جملہ ابن عرفطہ کا یہ شاہد بیان کرتے ہیں  
کہ جملہ کا بیان ہو کہ میں ایک بار عین قحط کے موسم میں - میں مکہ میں گیا  
ابن عساکر کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ ابن عرفطہ کا بیان ہو کہ قریش سخت  
مصیبت قحط سے پریشان تھے - اون میں سے ایک نے صلاح  
دی کہ لات وغری سے استغاثہ و فریاد کی جاوے دوسرے نے کہا کہ مساکین  
سے جو مالہ آخری یہ چارہ جوئی کیجائی - ان میں سے ایک معزز  
دی و جاہت اور صاحب الزانی بزرگ بول اٹھا کہ مجھے اس امر کا  
یقین ہے کہ ابھی تو لوگوں میں ایک ایسا بزرگ قوم موجود ہے جو سلسلہ  
ابراہیم کا بقیہ اور نسل اسماعیلی ماندا ہے اور اس کی طرف کیوں نہ رجوع عباد  
سب نے کیا تھا اشارہ ابيطالب کی طرف ہے ہاں نے جواب دیا  
ہاں - اونہیں کی طرف ہے - جملہ کا بیان ہے کہ یہ شکر کے سبب ہی  
ہو گئے - اور میں بھی ان کے ساتھ ہوا - ہم سب ملکر ابيطالب کے گھر  
آئے - اور دروازہ کھٹکھٹایا حضرت ابيطالب کل آئے لوگوں  
نے عرض کی - اے ابيطالب - ہر طرف سے قحط شیعہ آگیا اور اہل و

عیال کی بربادی کا وقت پہنچ گیا - سب کو سیراب کیجئے یہ سنتے ہی ابيطالب باہر نکل آئے - آپ کے ساتھ ایک کس بچہ تھا اور وہ  
جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے - اونکا روئے منور آفتاب تابان کی طرح روشن تھا - ابيطالب اوس صاحبزادے کو انگی  
پکڑ آئے اونکے اور لڑکے اوس بچہ کو گھیرے ہوئے - خانہ کعبہ میں آئے اور رکن کعبہ سے پیو لگا کر پیو گئے - اور اوس بچہ کی انشت شہادا  
کو آسمان کی طرف بلند کر دیا اور طلب باران کی دعا کی - پارہ ہائے ابرسط آسمانی پر نمایاں ہوئے - اور تیزی و کیر بعد پانی برسا اور پھر تو ایسا  
برسا کہ تمام بانی نہ نکلا اور تمام صحرا و بیابان سبز و شاداب ہو گئے -

جناب ابيطالب نے صرف اعلان شان نبوت کی ضرورت سے - نہ اپنے اظہار مفاخر و معارف کی غرض سے اس  
واقعہ کی یادگار میں ایک طویل قصیدہ نظم فرمایا ہے - جو بالنامہ سیرۃ ابن ہشام وغیرہم تمام عربی تاریخ داوب کی کتابوں میں مذکور ہے  
جس شعر خاص میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حصول باران کا اشارہ فرمایا گیا ہے - وہ یہ ہے -

وابيض يستسقى الغمام لوجهه له محمد صاخر اذ خوش جمال شمس ہیں جن کی برکت سے ابر بانی برساتا ہے

اس قصیدہ اور خصوصاً اس شعر کی قبولیت ایسی کامل اور پراثر تھی کہ قلب رسالت میں اس کی یاد ہمیشہ نئی رہی - زرقانی بھی فرماتا ہے  
سے کہتے ہیں جاء اعرابی الى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال يا رسول الله اقلناك وما لنا صبي نعط ولا

ثم قال المتأمل عصمة آل البيت  
 یسعون کے لئے بنائے پناہ میں اور بیویوں کے پروردگار  
 بعبر ربط وانشد ابیہما فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یحییٰ ہما آئہ حتیٰ صعد الی المنبر فقام علیہ الی السماء ودعا فارتد  
 یدیدہ حتیٰ التقت السماء بابوابہا وجاوا یفجرون الخرق فضحک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتیٰ یدن نواجذ  
 ثم قال اللہ در ابی طالب لو کان حیالہم عتبت علیہ من یبشدرنا قوله فقال علی یا رسول اللہ کانتک ترد قولہ  
 سے وابيض لیستہ۔ وفکر ابیہما فقال صلعم ارجل زرقانی ص ۲۳۱۔ یعنی ایک اعرابی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ  
 وسلم کچھ مدت میں حاضر ہوا کہ بنی جابر نے حاضر ہو کر عرض کرتا ہوں کہ قحط زدگی کے باعث سے میرے بال بچے زمین پر پڑ رہے ہوئے ہیں  
 میرے ادب سے بھوک سے چلا رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی آنحضرت صلعم اڑھ کھڑے ہوئے۔ روائے مبارک کے گوشے زمین پر سر ہوتے  
 جاتے تھے۔ آپ اسی حالت میں منبر پر تشریف لے گئے اور دہائی مبارک آسمان کی طرف بلند فرمائے۔ اور درگاہ رب العزت میں  
 نزول باران رحمت کی دعا مانگی۔ دستہای مظهر بارگاہ قدرت کے سامنے سے زمین پہنچے تھے کہ صدور رحمت کے آثار پھیل رہے تھے  
 اور بکثرت منہ پر سا کیا۔ یہ مشاہدہ فرما کر آپ اس قدر شادان و فرحان ہوئے کہ دنیا ان مبارک خندیدگی کے باعث نمایاں ہو گئے  
 اور ارشاد فرماتے تھے کہ کیا خوب ابی طالب نے کہا ہے۔ اگر وہ اس وقت زندہ ہوتے تو ایشیہ سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتے اور پت  
 ہی خوش ہوتے حضرت علی رضی نے عرض کی کہ اس ارشاد سے آپ کا اون کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے۔ پھر شعر نکھڑ پڑا۔ جو  
 اوپر لکھا گیا ہے، آنحضرت صلعم نے فرمایا ہاں یہی۔ اس عبارت نے حضرت ابی طالب کے اس شعر کی اعلیٰ قبولیت کے ساتھ۔ بہت بڑا  
 ضروری امر بھی ثابت کر دیا کہ ملک و قوم کی ایسی ناگزیر پالتوں کے وقت خاندان بنی ہاشم ہی مرجع خلافت قرار دیا جاتا تھا۔ اور جب  
 اس کا فی قوتین بیکار ہو جاتی تھیں تو سلسلہ ابراہیمی اور خاندانہ اسماعیلی کے انھیں باقیات الصالحات اور چیدیہ و برگزیدہ حضرات سر جو  
 حاجات کی جاتی تھی اور یہ ذوات عالیہ بھی ایسے موقعوں پر اونکی کشودکاری اور مطلب برآری کو اپنے ذوق منصبی یقین فرما کر اونکی  
 حمایت و اعانت پر فوراً آمادہ اور مستعد ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ ہم حضرت عبدالملک کے زمانہ سے لیکر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک مسلسل  
 لکھ کر دکھلائے آئے ہیں۔ حالات و واقعات کو استدیاب کی نگاہوں سے دیکھنے والے حضرات ان واقعات کو تسلسل اور تواتر  
 کے معیار تحقیق پر کامل پائین گئے۔ یہ وہی اوصاف مخصوصہ ہیں جو بارگاہ احدیت سے ان حضرات کیلئے مخصوص و  
 محفوظ فرما دیے گئے ہیں۔ یہ سلسلہ مرتبہ عظمت خاندان ہاشم اور دوام رسالت کے ساتھ بطور خصوصیت اتنا  
 مستقل اور مستمر رہا کہ ان حضرات سے استراعی امارت و حکومت کے بعد بھی ملک و قوم کو جب کبھی ان مصائب سے سامنا  
 ہو جاتا تھا اور انکے دفاع کیلئے کوئی تدبیر عملی کارگر نہیں ہوتی تھی۔ تو بالآخر فرمانروایان ملک کے یہ اقتدار اور سرداران قومی کے  
 پنجہ اختیار انھیں وادیرسان ملک اور فریادیرسان قوم کے دامنگیر حمایت و اعانت ہوتی تھے۔ اپنے اس بیان کے ثبوت میں  
 ہم ذیل کا واقعہ صواعق محرقہ کی اہلی عبارت سے نقل کرتے ہیں وفی مایمخوذ مشق الناس کثر ولا مستقواء عام الزواجا  
 سنة تسعم عشرة فی الهجرة فلم یبقوا فقال عمر بن الخطاب لا یستقیان عدا بن یسقی اللہ بہ فلما اصبح

## گھر کی دنیویوں کی گلہ بانی

حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ برس کے ہو چکے تھے نفس قدسیہ کے روحانی اثر سے آپ کے تمام قواسم مدد کہ آٹھ برس والے عام بچوں سے بدرجہ اولیٰ قوی تر اور کامل تر تھے۔ دو برس آنحضرت ابطالب کی کفالت و حفاظت میں رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل دس برس کے ہو گئے۔ اور اب وہ وقت آیا کہ اس جہان بان عالم و عالمیان کو فضا سے قدرت کی اسباب سامان مشاہدہ کرے جائیں۔ جن سے وہ صانع قدرت کے عجائب و غرائب کی حقیقت کا کامل ادراک کر سکے اور انکی انتہائی عظمت کو سمجھے اور حقیقی اصلیت کو معلوم کرے۔ معرفت الہی کی ابتدائی تکمیل میں غرض و غور کی قوت و ریاضت شروع کی جائے۔ اور ان ریاضتوں کی تیاریوں کے لئے خلوت۔ عورت۔ تنہائی اور ترک علاقہ کے سامان فراہم اور مرتب کر دیے جائیں۔ سیرت انبیاء علیہم السلام کے یہ کونے والے رذائل جانتے ہیں کہ سبق آموزان معرفت اور بتدیان حقیقت کی تعلیم کے لئے۔ ہر زمانہ اور ہر مقام میں قدرت کو یہی انتظام کرنے ہوتے ہیں آپ کی عادت اور مشہور الہی کے مطابق نہتم قدرت نے متورسات کی تعلیم ہی کے لئے وہی قدیم انتظام جاری فرمائے اور دس برس کے سن میں آپ نے اپنے گھر کی دنیویوں کی گلہ بانی آغاز کی۔ ظاہر میں تو یہ تھوڑی گلہ بانی تھی مگر حقیقت میں یہ کافۃ الناس کی باسبابی کا وسیع تھا۔ اور انکی حفاظت و نگہبانی کا مقدمہ۔ تبلیغ رسالت کی سلسلہ دنیا تھی اور تقدیم سیاست کی حکمرانی۔ قدرت ہی اس نفس قدسیہ کی صانع تھی اور قدرت ہی اس انتظام کی ناظم۔ اس لئے تعلیم الہی کے یہ تمام ابواب و اسباب طبع رسالت کے مطابق اور ترے اور چونکہ روافد معرفت اور غواض حقیقت کے باعث انکشاف پہلے ہی ثابت ہوتے ہیں اس لئے یہ سادہ و پاک و صاف اور محض آزاد حصہ عمر اور اس کے مشاغل کی یاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب نوزانی میں ہمیشہ زندہ اور قائم رہی۔ اور زمان رسالت میں بھی عند التذکرہ اسکا اکثر ذکر فرمایا جاتا تھا۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

قال رسول الله صلعم ما بعث الله نبيا الا راعى الغنى قال له اصحابه وانت يا رسول الله قال انا راعيتها اهل مكة بالقراريط۔

جناب رسالت مصلیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے غنیوں کو سفقہ کی گلہ بانی کی ہیں اصحاب مانع بن نہ پوچھا۔ اور آپ نے یا رسول اللہ ارشاد فرمایا۔ ہاں میں نے بھی اہل مکہ کی دنیویوں پر قراریط پہنائی ہیں۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ غلہ ذہب عند العباس و قال له اخرج نبياً حتى فسق الله بك قال العباس يا عمر اعد في بلني فلاسل الى بني هاشم ان تطهروا وتلبسوا من صالح ثيابهم فاوه فخرج طيباً تطيبهم فخرج العباس وعلی امامہ والحسن عن يميناهما والحسين عن يساره وبنوها شمر خلف ظهره وقال يا عمر لا تخطبنا غيرنا اثرا المصلحة فوقنا قال العباس حمد الله واشنى عليه فقال اللهم انك خلقتنا وعلمتنا ونحن عاملون به قبل ان تخلقنا فلو ينعمك عليك بحالنا عن رزقنا اللهم كما تفضلت علينا في اولم



اصحاب کا یہ متعجبانہ استفسار شان رسالت کی موجودہ جلالت و اقتدار کے باعث تھا۔ اس کے بعد ابن سعد ایک دوسرا قول ذیل کی عبارت میں لکھتے ہیں :-

مرؤا بنی سلمہ بن لاداء فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم عليكم بالسوء منه قال كنت اجتنبه اذا نازعني الغنم قالوا يا رسول الله وعلينا قال نعم وما من بنو الا قد رعها

ایک دفعہ آپ اصحاب کے ساتھ جنگ یتیمہ بن لیث کے ساتھ ہوئے تو توڑ کر کھانے لگے آپ نے فرمایا جو سیاہ ہیں وہ زیادہ خوش ذائقہ ہیں میں اس کو اس وقت سے جانتا ہوں جب میں بچپن میں دنیا میں چرایا کرتا تھا صحابہ نے عرض کی آپ نے بھی دنیا میں چرائی ہے فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں ہے۔ جسے دنیا میں چرائی ہو۔

صحابہ کا یہ استعجاب بھی اسی بنا پر مبنی ہے جو یوسفی صاحب سیرۃ النبی میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ فرانس کے ایک مورخ نے لکھا ہے کہ ابوطالب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذلیل رکھتے تھے۔ اس لیے اون سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب میں بکریاں چرانا معیوب کام نہ تھا۔ بڑے بڑے شرفاؤں اور امرا کے بچے بکریاں چرایا کرتے تھے۔ خود قرآن مجید میں ہے وَلَكُمْ فِيهَا حِمْلُ حِينَ تَرْتَهُنَّ وَحِينَ تَسْرَحْنَ۔

یوسفی صاحب کا یہ جواب الفاظ قرآنی سے مستنبط ایک فرانسیسی عیانی کے لئے کیسے قابل تسلیم ہو سکتا ہے اس کو آپ کی خوش فہمی کے سوا اور کیا کہا جاوے اس کے ساکت کر نیچے لئے آپ کا اتنا ہی لکھ دینا کافی تھا کہ اگر یہاں دنیا چرانے پر اعتراض کیا جاتا ہے تو اپنے ہاں گدھے چرانے کے لئے کیا کہا جاوے گا۔

حقیقت میں دنیا چرانا عیب ہے اور نہ گدھے چرانا یا پانسانیری بات ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم اپنے زمانہ میں ملک اور اپنے ادب معاشرت کے مطابق چار ہزار اور دو ہزار برس کے گزشتہ تمدن و معاشرت کا مقابلہ اور موازنہ کر بیٹھے ہیں اس مدت میں انقلاب زمانہ اور اختلاف حیالات و مذاق کے مطابق بہت سی ایسی باتیں ہیں جو اس وقت حاشیہ صفحہ دیگر فیفضل علینا فی اخرہ قال جابر فہما تتردعا لہ یستجب علینا صحاب فما وصلنا الی المنار اولا یلنا من الطرف قال العباس انا المستقی ابن المستقی خمس مرات اشار الی ان اباه عبد المطلب المستقی خمس مرقۃ فاستقی اللہ الناس صواعق محرقہ بحوالہ تباہج المودۃ امام قزوینی مطبوعہ بمبئی ص ۲۵۶ دو برس متواتر سے بینہ کے نام ہوگئے ۱۹ عربی میں جو عام الرماۃ کے نام سے تمام تاریخوں میں مشہور ہے دو بار مطلب باران کے لئے نماز استسقاء پڑھنے کے لئے دعا میں مانگ چکے تھے لیکن نہ پانی برسا اور نہ وہ سیراب ہوئے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ کل خداوند عالم تم سب کو سیراب فرما لگا۔ غرض کہ صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ ہلوگوں کے ساتھ چلئے کہ خداوند عالم آپ کی وجہ سے ہم لوگوں کو سیراب فرمائے۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ اے عمرؓ میرے گھر پر توقف کرو اور بنو ہاشم سے اکھلا بھیجو کہ وہ غسل و طہارت کر کے لباس فاخرہ سوار آتے ہوں۔ چنانچہ وہ تمام حضرات یہ پیغام سکر حضرت عمرؓ کے پاس آئے



ابھی تین بڑی قرار پائی ہیں۔ اسوجہ سے موجودہ زمانہ میں طبقہ اعلیٰ کی نسبت ادن باتون کا اگر ذرا سا بھی تمسک یاد کر کیا جاتا ہے تو عموماً معمول سپند طبیعتیں اعتراض پر فوراً تیار ہو جاتی ہیں۔ لیکن تاہم ان میں جو باطل اعتدال میں اور واقف حال۔ وہ اسکی حقیقت کو سمجھ کر خاموش رہ جاتی ہیں مگر عیسائیوں کے تعصب سے نہ ہو کہ اعتدال ہی کی اُمید ہے نہ تلاش حقیقت اور تفحص احوال کی توقع۔ پھر ان کے اعتراض کو انکے تعصب و نفسانیت کا خاص الخصاص نتیجہ سمجھنا مولوی شبلی صاحب نے طبقات ابن سعد کے حوالہ سے اندرون مذکورہ بالا واقعات کو تحریر فرمایا ہے۔ اور بکریان چرائے کے مضمون پر نمبر کا نشان لگا کر سیرۃ النبی کے زیر حاشیہ صفحہ ۱۲۹ میں یہ عبارت لکھی ہے۔

بخاری نے کتاب الاجارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نقل کیا ہے کہ میں قرار پڑا کہ والون کی بکریان چرایا کرتا تھا، قرار پڑا کہ معنی میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ یعنی سوید بن عبید کی رائے ہے کہ قرار پڑا قیراط کی جمع ہے۔ اور قیراط ویرم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔ اسی بنا پر ان کے نزدیک حدیث کی یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجرت پر کہہ والون کی بکریان چراتے تھے اور اسی بنا پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارہ میں نقل کیا ہے لیکن ابیہم حربی کا قول ہے کہ قرار پڑا ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے ابن جوزی اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ علامہ معینی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث اور زیادہ تفصیل سنائی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے (یعنی جلد ۱ ص ۶۳) اور البیہقاس میں یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہے اور اسی رائے کو ترجیح دی ہے ملاحظہ ہو سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۲۹ حاشیہ

حاشیہ صفحہ دیگر اور حضرت عمرؓ نے عطر لگا کر ان کے لباس کو معطر فرمایا۔ پھر حضرت عباسؓ نکلے۔ اور ان کے آگے آگے جناب علیؓ رفتی تھے واسنے جناب حضرت حسنؓ مجتبیٰ تھے۔ اور بائیں طرف حضرت حسینؓ شہید کربلا۔ انکے پیچھے تمام نبوہاشم تھے حضرت عباسؓ ان کے ساتھ عمرہ لوگوں کے ساتھ کسی غیر کو نہ ملنے دو یہ مکروہ تمام حضرات مقام نماز پر تشریف لائے حضرت عباسؓ ٹھہر گئے۔ نماز پڑھی اور خدا کی حمد و ثناء کی اور دعا کی اسے پروردگار تو نے ہلوگوں کو پیدا کیا اور تجھ کو ہمارے افعال و اعمال کا ہماری حفاظت سے پہلے علم ہو کوئی شے تیرے لئے مانع نہیں ہو سکتی۔ اسے پروردگار جس طرح تو نے ہلوگوں کو پس قبل القتل و عنایت فرمائی ہے ویسے ہی اس خزانہ نبی لطف و کرم فرما۔ جائز کہتے ہیں کہ یہ دعا ابھی تمام نہیں ہوئی تھی کہ بارود نظر سے ابرگرا یا اور اس طرح موسلون دھار پانی برسا کہ گہر تک آتے آتے ہلوگوں کے تمام کپڑے خراب ہو گئے۔ یہ حال مشاہدہ فرما کر حضرت عباسؓ فرماتے لگے کہ میں سستی پانی پانیوالا کا بیٹا ہوں اور ایسے سستی کا بیٹا ہوں کہ جبکہ جو سو یا پچھرتہ پانی برسا ہو اور حضرت عباسؓ کا یہ قول اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ حضرت عبدالطلب نے اپنے زمانہ حیات میں دعائے استغاثہ کے ذریعہ سے پانچ مرتبہ پانی برسا یا ہے۔

اس واقعہ نے ہمارے مذکورہ بالا بیان کی پوری تفسیق کر دی اور بتلادیا کہ بنی ہاشم ضعیف اور تنگی کی حالتوں میں بھی اپنی روحانی عظمت و اقتدار پر قائم تھے بلا و مصیبت کے ان مالائے نخل عقدون کی نشو و نما کی تھی ملک و قوم کے وہ طبقات رعایا کی

اس سے قبل کی عبارت میں شبلی صاحب کا یہاں تک لکھنا بالکل صحیح اور پر واقع ہے کہ عرب میں بکریان حرباً معیوب کام نہیں تھا۔ بڑے بڑے امر اور شرفا کے ترکے بکریان چراتے تھے۔ مگر اب اونکی اس مابعد کی عبارت سے حقیقت حال کا پورا انکشاف ہو گیا اور مخالفین کے اس تعریف اور طعن و تشنیع کا اصلی باعث معلوم ہو گیا کہ حقیقت میں عبید بن جریح فراسیدی کے اس اعتراض کی باعث شیخین بخاری اور ابن ماجہ کی غلطی ہے۔ جسکی تصدیق واقراً و خیلاً شبلی صاحب کو بھی کرنا ہوا اور لکھنا ہوا حقیقت میں ان دونوں محدثین نے قراریط کے غلط معنی لگائے۔ اصل میں قراریط کو ایک مقام خاص کا نام تو نہ سمجھے بلکہ قیاد کی جمع سمجھئے۔ جسکے معنی درہم و دینار کے لئے۔ اور یہی غلط فہمی ان تمام مسودات کا باعث ہوئی۔ یہ کچھ ایسی مشکل آپڑی کہ آخر شبلی صاحب کو شیخین بخاری و ابن ماجہ کے ایسے مستند ترین محدثین کی تنقید ترقی فرمائی ہوئی۔ اور اپنے اون تمام اصول تالیفی کو جو اپنے مقدمہ کتاب کے طومار میں مورخین پر محدثین کو ترجیح دئے جانیکے متعلق لکھے ہیں۔ چھوڑنا پڑا اور بخاری صاحب کے ایسے استاد فن کی تکذیب کرنی ہوئی۔ جنکی کتاب کو اصل الکتب بعد الکتب باری تعین کرنا آپ کا ایمان ہے اور ایسے سراپا اعتماد و استاد و نقاد و حدیث کے قول کی تردید ابن حربی اور علامہ عینی کے ایسے نو آموزان فن کی تحقیقات سے کرنی ہوئی تو گو یا مقدمہ کتاب میں نقد روایت اور تحقیق واقعات کے متعلق جن اصول کی پابندی کا دعویٰ کیا گیا تھا اور ان اصول کی ترتیب و تدوین کی تفصیل میں تاریخون کو مندرجہ جات حاشیہ صفحہ دیگر زیار و نامک۔ انھیں حضرات سے اُمید لگاتے تھے۔ اور انھیں کے توسل سے اپنی کامیابی کی یقین کرتے تھے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تمام لوگوں سے حتماً کہہ دیا تھا کہ کل تم ضرور سرب لئے جاؤ گے۔ اسکا یہ قول ثابت کر رہا ہے کہ ان حضرات کی ذریعہ اونکو اپنی عملی تابیرین کامیابی کا پورا یقین ہوتا۔

اس خاندان جلیل الشان کے او بزرگو ارزن کے بھی ایسے حالات اسی سلسلہ میں قلمبند کرتے مگر ضرورت سے تراید اور طوالت کا باعث سمجھ کر قلم انداز کرتے ہیں اس واقعہ نے یہ بھی بتلادیا کہ ایسی ناگزیر ضرورتوں کیوقت یہ حضرات بلا غدر و کلام رفاہ و فلاح عام کے کاموں کیلئے آمادہ اور مستعد ہو جاتے تھے کیونکہ وہ عامۃ الناس اور کافۃ الخلائق کے انجاء مطالب کو اپنا فرض منصبی خیال فرماتے تھے۔ حضرت عباس کی اس تحقیقی تاکید سے کہ ہمارے ساتھ کوئی غیرہ شامل کیا جاوے صاف صاف ثابت ہو کہ یہ منصب اور عہدہ اسی خانوادہ کیلئے مخصوص و محدود ہے۔ درین بزم رہ نیست بریگانہ را۔ اور اس تخصیص میں حضرت عباس نے اپنے باپ عبدالمطلب اور اپنی بھائی ابطال کی پوری تائیدی فرمائی ہے جس طرح عبدالمطلب اور ابطال نے اپنے اپنے زبان میں خاص آداب و ترکیب دعائی استغفار و توفائی تمسک بالکل اسی طرح عباس نے بھی تمسک کی۔ رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم کی زبانی جو واقعہ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ کا اور بیان ہو چکا ہے اگر اوسے اس واقعہ کا مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ہو جائیگا کہ جس احتیاط و آداب سے عبدالمطلب نے یہ معیت تمام بنی ہاشم دعائے استغفار و توفائی اسی طرح حضرت ابطال نے اپنی وقت میں خاص جناب رسولیٰ اصلم نے اپنے عہد معدلت ممدین اور پھر حضرت عباس نے اپنے زمانہ میں اہل افرائی اور یہ وہ مخصوص طریقے اور محفوظ آداب میں خیر سوا ہے ان حضرات کے دوسروں کو کم علم و اطلاع ہوتی ہے اسواقہ

پر پہلے صحاح کی مرویات اور پھر صحاح میں سب پہلے انھیں بخاری صاحب کی مرویات کو مرتب کیا گیا تھا۔ آپ کے موجودہ استدلال کے وقت وہ سب پاؤں ہوا ہو گئی گو یا وہ قرار دادہ اصول نہ قابلِ توجہ تھے نہ لایع اعتناء۔ اور نہ ان کے متعلق آپ کی پابندی اور مطابقت کے وعدے لائقِ ایفاء۔ اب بھی شبہی صاحب کو اپنے مقدمہ کتاب کے طمطراق اور طوطا اور اس کے لیے بیکار خامشہ سائی کا اب بھی اعتبار ہو ایسا نہیں۔

اب سنئے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ قرارِ ایک جنگل یا غیر آباد قطعہ زمین کا خاص نام ہے جو حوائے مکہ میں مقامِ حجابِ قریب ہے۔ آپ کے شیخین ابن ماجہ و بخاری صاحبان سے حقیقت میں بڑی غلطی ہو گئی کہ انھوں نے درہم و دینار کے معنی لگا کر اس سے اجرت کے مطلب نکالے۔ اب آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ اس عیسائی فرانسیسی موزیج کا کیا قصور یہ اوس کا اپنا قول ہے اور نہ اوس کا اپنا مختار بلکہ یہ تو آپ ہی کا اقرار ہے۔ جبکہ وہ آپ کے ایسے مستند و معتبر ماخذوں سے مستنبط کرتا ہے جو صدائے حق میں آپ کے نزدیک قرآن کے بعد ہے۔ تو اوس کا اعتراض بے دلیل کیسے کہا جاسکتا ہے۔ آپ اوسکی تردید میں جو دلیل پیش کرتے ہیں وہ حقیقت میں اوسکی تردید نہیں۔ بلکہ آپ ہی کے مستند و مستند محدثین کی تکذیب ہے جس کے لیے وہ فرانسیسی موزیج نے جو ابدہ ہے نہ ذمہ دار۔ اس مخالفتِ اسلام کی تعریض کی ساری ذمہ داریاں ابن ماجہ اور بخاری کے سر جاتی ہیں جو قرارِ ایک کے ایسے معمولی لفظ کے اصلی معنی نہ سمجھ سکے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ شانِ رسالت کی اصل حقیقت کو کب سمجھ ہو گئے۔

### حاشیہ تحقیق دیگر

بخاری صاحب نے بھی باب المناقب عباس میں لکھا ہے لیکن اپنی کوتاہی کے خاص انداز سے صورت واقعہ کو ایسا بدلا کہ پڑھنے والے کو اصل واقعہ کی کوئی تفصیل معلوم نہیں ہو سکتی یہ عبارت یہ ہے ان عمل ابن الخطاب کان اخا قحطوا استسقى بالعبا رضی اللہ عنہما فقال اللہم انا کنا توصل الیک نبینا صلے اللہ علیہ والہ وسلم اذا قحطنا فسقینا وانا توصل الیک بعم نبینا فامسقنا فیسقون جب لوگوں میں قحط پڑا تو حضرت عمر بن الخطابؓ نے ہمراہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ و عا استسقا فرمائی اور یوں دعا کی کہ پروردگار جب قحط پڑا تو ہم رسولِ صلعم کو وسیلہ اختیار کرتے تھے اور وہ ہم کو سیراب فرماتے تھے اب ہم اس وقت تیرے ہی صلعم کے چچا کے توسل سے تیری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں تو ہم کو سیراب فرما۔ پس ہم سب سیراب ہو گئے۔

اس حدیث کے بیان کی نکلن اختصار اور عنوان حقیقت پر یہ نگاہ کی جاتی ہے اور اسکی عبارت مذکورہ بالا عبارت تاریخ و شوق سہلانی جاتی ہے تو اصل واقعہ صورت ہی تبدیل معلوم ہوتی ہے۔ اور ایسی کہ اول تاخر نسبت نمیداد۔ کا صاف صاف معنوں میں جھکتا ہے۔ ہم کو بخاری صاحب کی اس غریب حدیث کی نسبت نہ تنقید منظور ہے اور نہ تردید ہم کو تو آپ کی حقیقت نگاری اور واقعہ نویسی کی صرف شان و کملانی ہے۔ یہ تو ہم کیا ساری دیتا جانتی ہے کہ نبی ہاشم اور خصوصاً نبی خاتمہ کے اختیار و آثار کو کسی قسم کے ذکر و اذکار آپ کی طبع نازک پر زخم لگوا کر دیتے ہیں۔ اسلئے اس واقعہ کی اصل حقیقت لکھ کر دنیا کو بتا دینے کی آپ جرات نہ کر سکے لیکن اصل حقیقت وہی تھی جو تاریخ و شوق کی تفصیلی عبارت سے اوپر لکھی گئی۔ مگر چونکہ اوسکے الفاظ میں جناب علی مرتضیٰ اور حسین علیہم السلام کی روحانی عظمت اقتدار کا اظہار واقعہ ہو جاتا تھا

ابن ماجہ نے تو صرف ایک غلطی کی کہ اپنے شیخ کے قول کے مطابق سقراریط کے معنی درہم و دینار کیلئے بخاری صاحب نے تو وہ غلطیاں کیں۔ پہلے تو سقراریط کے معنی درہم و دینار کے لئے۔ دوسری قیامت یہ کہ اس حدیث کے لئے اپنی کتاب میں ایک خاص باب باندھا اور اسکو باب لا جارۃ کے خاص نام سے موسوم کیا نتیجہ یہ ہوا کہ نام و خاص آپ کے باب لا جارۃ کا عنوان دیکھ کر رسول عربی کی ابتدائی شان و شوکت، شخصیت و حیثیت اور عظمت و شہرت کو کہہ کے معمر بنی مزدہر ہی کو نیوالے چھو کر دن میں شمار کرنے لگے (غزوہ باندہ من ذالک)

پھر حضرت امیڈالاب کی ناتوختی اور ناقدری کی بجا شکایت پر اس صیانی مصنف سے بچ و دلال پیدا کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جیسیم اسلامی زمین معتبرین کے خاص قلم زبان سے۔ ذات اعلیٰ رسالت اور پیکرہ نامی نبوت کی یہ توہین و حقارت تیار اور مرتب دیکھتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اسلامی محدثین۔ ترویج احادیث کے غیر متحمل شوق و شغف کے ساتھ ساتھ مرویات میں۔ واقعات اور حشویات کی مہل مقاصد اور زوائد کی بھی تفریق و تمیز کرتے جاتے تو پھر ان کے مرویات پر کسی اسلامی محقق کو تحقیق و تنقید کی ضرورت ہوتی اور نہ کسی غیر اسلامی معترض کو تعریف و ترویج کی جرات۔

حاشیہ معنی دیگر اس بنا پر مہل حقیقت کا انکشاف یہ مفید اور بیکار سمجھ کر صورت واقعہ ہی تبدیل کر دی گئی۔ تینا اور تبرک حضرت عباس کی پرکاش کا خیال بھی کیا گیا اور عظمت بھی قائم رکھی گئی تو وہ بھی ایسی کہ نہ تخریر کے ایک طفیلی کی شان سے آگے نہ بڑھ سکی۔

**موضوعیت اشعار ابی طالب** مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النبی کے حاشیہ پائین صفحہ ۴۳۲ میں لکھا ہے ابو طالب کے نام سے جو قصیدہ لایمہ ابن ہشام وغیرہ نقل کیا ہے ابن ہشام از صفحہ ۹۴-۹۵ (۹۴) سزا پا موضوع ہو یا اسکے خاتمہ کے اشعار ہیں۔ فیما احمدی اردوہ دیکھئے عند صوت المتکلم فائدہ ذیل لبادینصر واظہر مناحتہ غیر باطل

بکہ حضرت امیڈالاب ہی کی کلام قدیم ہونے کی نسبت ضعیف ہو چکی تھی تعریف میں فرمائی گئی ہے۔ بلکہ حضرت خدیجہ۔ حضرت ابوبکرؓ اور امیہ بن الصلت کی اشعار وغیرہ بھی ایسے ہی موضوع قرار دیے گئے ہیں۔ اسکے موضوع ہونے کی ثبوت میں شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مطبوعہ مصر ص ۹۶ میں خطیب اوسمی سے روایت کی ہے کہ محمد بن اسحاق شحرور وقت کو غنائی کے واقعات دیدار کرتے تھے کہ انکے بارے میں اشعار کہے۔ ان اشعار کو وہ اپنی کتاب میں شامل کر دیتے تھے۔ سیرۃ البیاضین حاشیہ ص ۴۳۲ اس تعریف و تخریب کی جو وجہ اور مجبوری شبلی صاحب کو لاحق ہوئی ہے وہ انکی خاص عبارت سے ذیل میں لکھی جاتی ہے: اکثر لک یہ کرتے تھے کہ قرآن مجید میں توحید و معاد کی جو باتیں ہیں انکے مطابق اشعار تصنیف کیا کرتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ اسے اسلام کی تائید ہوگی۔ امیہ ابن الصلت کے نام سے جو اشعار مشہور ہیں انکو دیکھ کر صاف یقین ہو جاتا ہے کہ کسی نے قرآن کو بیکار یہ اشعار کہے ہیں مثلاً فقلت له یھرون فادعوا الی الفرعون الذی کان طاغیا وقولا له انت رفعت ہذہ بلاعد ارفع اذاک ہانیا۔ وقولا له انت ستر وسطھا۔ منیرا اذا ما جنہ اللیل ہساتیا۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ مٹراگوٹس نے بھی ایک موقع پر اسکی تصدیق کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کے اسلوب پر موزون کیا گیا ہے (از صفحہ ۲۷ تا صفحہ ۶۳) ان لوگوں نے اپنی دانست میں اسلام کی تخریب



اس بحث کے ضمن میں ہر گز شبلی صاحب کے وہ اصول تحقیق و تنقید روایات یا دلائل ہیں۔ جو وہ اپنے مقدمہ کتاب میں نہایت شرف سے قلمبند فرما چکی ہیں۔ اذنی طولانی عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلین موجود ہوتی ہیں وہ فن حدیث کے اصلی بلند معیار تک نہیں پہنچتیں اس لئے ارباب سیرت کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے۔ اس بنا پر سیرت و تاریخ و مغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا جس طرح امام بخاری اور مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے اس طرح سیرت کی تصانیف میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا۔ آج تیسوں کتابیں قدس سے لیکر متاخرین تک کی موجود ہیں مثلاً سیرت ابن اسحق سیرت ابن ہشام۔ سیرۃ ابن سیار الناس۔ سیرۃ و میاطی۔ حلبی۔ سیرۃ ابن ہشام۔ قسطلانی۔ یمن تو یہ التزام نہیں۔ سیرۃ النبی حاشیہ زیر صفحہ ۷

پھر اس سے قبل صفحہ ۵ میں رقمطراز ہیں۔

حدیث میں متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں۔ مثلاً بخاری اور مسلم کی صحیح

حاشیہ صفحہ دیگر کی غرض سے یہ کام کیا تھا۔ آج یورپ والے اس سے یہ کام لیتے ہیں کہ انحضرت علیہم السلام پر تھے۔ بلکہ جاہلیت خطبات اور شعرا۔ معتقدات اور خیالات بلکہ طرز و آداب اخذ کرتے تھے۔ لیکن ادب کا نکتہ شناس یا فن روایت کا ماہر بے تکلف سمجھ سکتا ہے کہ تمام خطبات و اشعار منسوعی ہیں۔ سیرۃ النبی حصہ اول حاشیہ زیر صفحہ ۱۳۲۔ ہم کو اور لوگوں کے اشعار کی تخریب سے کوئی بحث نہیں ہوگی صرف ابطال کے اوں اشعار کی توثیق منظور ہے۔ جس کی اصلیت پر ثبات ہو چکی ہے۔ اور اسی بنا پر ہم اس کو اپنے سلسلہ بیان میں اوپر لکھ چکے ہیں۔ الغرض۔ مندرجہ بالا شعر حضرت ابی طالب کے اور قصیدہ لامیہ میں داخل جسکی موضوعیت شبلی صاحب کی عبارت سے معلوم ہو چکی ہے مولوی شبلی صاحب کو اسکی تکذیب کی جو ضرورت لاحق ہوئی وہ بھی انھیں کی عبارت سے ظاہر ہو چکی خلاصہ یہ کہ عیسائی متعصبین کے اغراض علی المضامین القرآن کے خوف سے جیسا کہ شبلی صاحب کی توجہ یہ عبارت سے ثابت ہوتا ہے اسکی اصلیت سے انکار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ مولوی صاحب نے اذنی تعریف کا خود ہی معقول جواب دیا ہے۔ اور شعرائے قدیم کے انداز کلام و قرآن مجید کی زبان اور طرز بیان کا مقابلہ کر کے عیسائیوں کے اس فضیل بنا معقول۔ بے اہل وہم و خیال کی کامل تردید کر دی اور وہی کافی ہے۔ اور یہ تو شبلی صاحب ان اشعار کی موضوعیت ثابت کرنے کے بغیر بھی کر سکتے تھے لیکن جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ مولوی صاحب کو عیسائیوں کے اس لکھنے نے لکھنا دینے والا خوف دلا رکھا تھا کہ قرآن مجید کا طرز بیان۔ معتقدات اور اکثر خیالات عام شعرائے عرب کے خیالات سے ملنے جلتے ہیں۔ جسکی وجہ انھیں بالذکر اسکی کلام آئی ہو نیکی حقیقت میں احتمال ہے۔ اول تو یہ امر ایک بار نہیں سوچا۔ تجربات اور مشاہدات سے تمام مخالفین اسلام پر بخوبی ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کی زبان نہ کسی طرح و عنیان سے زبان بشری ہو اور نہ اس کا طرز بیان۔ بیان انسانی ہے۔ جسکا وہ اعتراف خود لیس کلام البش کہ مکمل اپنی زبانوں سے آپ کر چکے ہیں۔ تو ایسی صورت میں ایسے بوسیدہ اور پائمال اغراض سے شبلی صاحب کیلئے اغراض ہی بہتر تھا۔ اب رہا کہ قرآن مجید میں غلام



شبلی صاحب کی یہ عبارت۔ اور صحت بخاری کی نسبت اونکا یہ دعویٰ۔ اور پھر اذکار الیہ اصول کہ حدیث کے مقابلہ میں سیرت کی کتابیں مستند نہیں۔ غرض کہ اونکا یہ خیالی التزام اور قیاسی طومار۔ اونکی خاص تر دید و تنقید بخاری کی مرقوم بالا عبارت سے القیاد ہو گیا اور بالکل ہیکار۔ اور بالآخر اذکار الیہ خاص اعتراف سے ثابت ہو گیا کہ جس کتاب کی نسبت آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ اوس میں کوئی ضعیف روایت بھی نہیں۔ اوس کی ایک ایسی غلط حدیث میں ایسا غلط بیان نکل آیا جسکی نسبت تنہا آپ کو اعتراف ہی کرنا نہیں ہوا بلکہ اوسکی تنقید بھی اور رد بھی۔ اب آپ کے اس مختار کا اعتبار کیا جاوے۔

حاشیہ صغیر دیگر مستندات و خیالات ہائے جاتے ہیں۔ تو اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ قرآن پر کیا منحصر ہے تورات اور انجیل بھی خیالات و معتقدات انسانی کا مجموعہ ہو اور اندونون کتب آسمانی میں بھی اوسوقت کے قومی اور ملکی خیالات و معتقدات کی تفصیل موجود ہے اور کیونکر نہ ہو آخر یہ کتب مقدمہ اسی غرض و مقصد سے تو نازل ہی فرمائی گئیں تھیں کہ انسان کے دینی۔ اخلاقی۔ ملکی اور قومی تہذیب و تمدن میں عام طور سے رفاہ و اصلاح ہو۔ تو پھر ان کتب آسمانی کو خیالات و معتقدات انسانی سے خالی سمجھنا محض نادانی ہو یا تنگ لوہم نے خاص عیسائیوں کی اوس تعریف کا جواب دیا ہے جس نے شبلی صاحب کو ڈاکر اور خوف دلا کر قدیم شعراے اسلام کے اشعار پر اذکار موضوعیت کا قلم بھرا دیا ہے شعراے عرب کے کلام قدیم پر موضوعیت کا التزام یا اون کے بعد مورخین و محققین عرب پر دصافی کا اتمام شبلی صاحب کے صنف استدلال کی قوی دلیل ہے۔ یہ آپ کی کمزوری ہے جس نے مخالفت کے جواب میں آپ کو آسانی اور سہولیت کی غرض سے اصلیت، کلام کے انکار کی ترکیب بتلائی اور آپ نے یہی آسان اور سہل تہذیب اختیار فرمائی۔ حالانکہ ان میں سے اکثر اشعار عموماً اوپر پیش کردہ اسکے ایسے ابطال کے اکثر اشعار خصوصاً۔ روایت و روایت دونوں طریقوں سے ثابت ہو چکے ہیں اور اصل واقعہ کے زیادہ آج تک مفسرین۔ محدثین مورخین اور محققین اسلامی کی تصنیفات و تالیفات میں نقل ہوتے آئے ہیں پھر آج ان پر موضوعیت کا التزام لگنا اور مخالفت اسلام کے ساتھ اپنے محققین اسلامی کو دصافی و کذاب ٹھہرانا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ اون زبان و لہجہ سے اسلامی اخبار و آثار کا مضمون اٹھوانا ہے۔ دیکھئے شبلی صاحب نے خطیب بغدادی کے قول منفرد پر اعتبار کر کے امام سبکی قطبی شعرائے عسقلانی۔ بیہقی۔ احمد بن الحسن البوصلی المعروف بہ ابن وحشی۔ علامہ ابن سلامہ القضاہی۔ علامہ علی الاچجوری۔ امام تلمسانی علی ابوطاہر۔ علامہ بزرگنجی۔ اور امام الحرمین اسفرائینی وغیرہ مثلاً۔ اسٹنمینی و ناقدین حدیث اور اسطرح۔ ابن ہشام۔ طبری۔ ابن اثیر۔ علامہ حسین۔ یار بکر۔ صاحب تاریخ الخمیس اور ابوالفدا وغیرہم کے ایسے توفیقین معتبرین کو جھوٹا بتلایا۔

اگر ان بزرگوں کی تصنیفیں تحریر کتاب کے وقت۔ آپ کے پاس موجود نہ تھیں تو صرف شرح زرقاتی میں۔ اس شعر اور اس کے تحت اور چند اشعار کی خاص تصنیف ابطال ہو نیکی تحقیقی اور تفصیلی بحث ملاحظہ فرمائی ہوتی تو حقیقت کا انکشاف ہو گیا ہوتا۔ دیکھئے علامہ دیمیری نے حضرت عبدالمطلب کی طرف اس شعر کی نسبت کی تھی۔ آپ کی طرح نہ اسکی بے اصلیت نقل کی تھی اور نہ موضوعیت کی نظر رکھا ہے دیمیری کی اس غلط فہمی کی جن لغتوں میں کی ہو وہ یہ ہیں۔ وھذا البیت من ابیات فی قصیدۃ لابی طالب۔ و علی الصبر و قول الدمیری و تبعہ جماعة انه بعد المطلب غلط یہ قول کہ شاعر ابطال کی تصدیق کا ہی صحیح ہے اور علامہ دیمیری اور

آیا اس دعویٰ کا کہ بخاری میں ایک ضعیف روایت بھی نہیں۔ یا اس معترفانہ تنقید و تردید کا جو پر بھی ابھی لکھی گئی۔ آپ کے وہ اصول کہ حدیث کے مقابلہ میں سیرت کے واقعات قابل اعتماد نہیں۔ ایسی حالت میں مانے جائیں گے یا اس واقعہ میں آپ کی رفز وہ اور اقرار کردہ صورت حال پر اعتبار کیا جاوے گا۔

صوت حال تو یہ بتلاتی ہے کہ تصحیح بخاری اور ابن ماجہ نے اپنی غلط فہمی سے۔ یا عربی کی عدم لغت دانہ سے یا یونان کیسے کہ محض ناوانی سے اس حدیث کو ایک غلط صورت میں دکھایا مگر انھیں یا معتد علیہ سیرت نگاروں نے تو قرابطہ کے بالکل صحیح معنوں میں اسی طرح سمجھا ہے جس طرح شبلی صاحب خود بھی سمجھے ہیں اور دنیا کو سمجھا رہے ہیں طبقات ابن عساکر۔ حدیث کی کتاب نہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ من حیث التاریخ۔ ایک سیرۃ یا تذکرہ کی کتاب بھی جاتی ہے اور نہایت معتبر اور اپنے استاد و اقدمی کی کتاب سے بھی معتبر ترین۔ ہم اپنے مرقومہ بالا سلسلہ بیان میں اوسکی اہل عبارت سے لکھ چکے ہیں اور پھر اس واقعہ کی نسبت اوسکے لفظ لکھے دیتے ہیں انا رعیتہا لاهل الملکۃ بالقرابطہ میں تزاربطہا لہم کی و بنیان جاتا تھا۔ اس سیرت نگار نے بالکل اپنے سید سے سادے اور معمولی اصول کے

**حاشیہ صفحہ دیگر** اور ان کے گروہ تعین کا یہ قول کہ یہ عبد المطلب کا شعر ہے بالکل غلط ہے شرح زرقانی جلد اول ص ۲۳۱

اس کے بعد زرقانی۔ اس کے ثبوت میں۔ امام بیہقی کے اسناد سے وہ واقعہ لکھتے ہیں جس میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابطالب کے اس شعر کی خبر و تصدیق فرمائی ہے اور اوسکا خاص نصیبت کردہ بتلایا ہے جس کو ہم پوری تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہیں پھر جب اس شعر اور اسکے اکثر اشعار کی اصلیت نقادان فن کی تنقید و تحقیق کا مل سے شبلی صاحب صاحبہا بریں قبل ثابت ہو چکی ہو تو پھر اسکی موضوعیت پر بحث کرنا ایک فضول کوشش ہے۔ اب شخص ہذا تکلف عینی صاحب کی تہنارائے کوزرقانی کے تفصیلی استدلال سے مقابلہ کر کے شبلی صاحب کی غلط فہمی کو خود سمجھ لیکر خصوصاً بیہقی کے اسناد سے تو اسکی روایت و رایت کے پایہ امتیاز تک پہنچی ہوئی ثابت ہوتی ہے۔ ہم نہیں کہ مخبر صادق علیہ السلام کی تصدیق کے بعد پھر کس مسلمان کو اسکی تکذیب ہو موضوعیت کا گمان ہو سکتا ہے۔

اب اس امر کے متعلق ایک امر کی تحقیق اور باقی ہو اور وہ یہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب شعرا سے قدیم کے ان اشعار کی موضوعیت کی نسبت لکھتے ہیں: "لطیف تر بات یہ ہے کہ ابن ہشام ان اشعار کو نقل کر کے اکثر موقوفوں پر لکھ دیتے ہیں کہ فن شعر کے ماہرین ان اشعار کی نسبت انکار کرتے ہیں مثلاً سیرۃ ابو عبیدہ بن الجراح میں ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۱۷۷ مصر حضرت ابوبکر کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے اکثر اهل العلم والشعر منکر هذه القصيدة لابی بکر الاشترال علم وشرا من اس بات کے منکر ہیں کہ قصیدہ حضرت ابوبکر کا ہے۔ ہکو نہ حضرت ابوبکر کے قصیدہ کے تحقیق سے واسطہ ہے اور نہ اُمیہ بن ابی سلمیٰ خطبہ اور اشعار کی تفتیش سے سروکار اور نہ اس سے غرض ہے کہ ابن اسحاق نے حضرت ابوبکر کے قصیدہ کی موضوعیت کا کہن تک خود اقرار کیا ہے۔ ہکو تو جو کچھ تحقیق کرنا ہی یا لکھنا ہے صوت حضرت ابطالب کے اس قصیدہ اسکے اشعار اور غماص کو تذکرہ بالا شعر کی نسبت جو ہماری موجودہ بحث کا اصلی موضوع ہے۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے اور دکھانا ہے کہ اسکے متعلق محمد بن اسحاق نے نقل کرنے کے بعد اپنا کیا فتاویٰ قائم کیا ہے جس اتفاق سے ابن ہشام کی خبر

مطابق اس واقعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دس بیس کی عمر کی حالات میں اسی طرح مندرج کیا ہے جس طرح شبلی صاحب نے اپنی سیرت میں۔ نیز بخاری صاحب کی طرح اس واقعہ کے لئے کوئی عنوان قائم کیا ہے اور کوئی خاص باب باندھا ہے نہ کہ رسول کی ابتلائی معیشت کے اسباب و ذرائع ثمریہ ہیں۔ نہ اسکو فردوسی اور جاراہ بتلایا ہے جو لکھا ہے وہ اتنا ضرور ذکر علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی مگر میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بیان چرانا۔

ایک لطیف بات تو یہ ہے کہ اسوقت قراریط کے متعلق جو صحیحین بخاری اور ابن ماجہ سے شبلی صاحب اختلاف؟ اجتساب اختیار فرماتے ہیں اور مجبور ہو کر انھیں غیر مستند نامعتمد اور غیر مفید سیرت نگاروں پر اعتبار کرتے ہیں جب ایک محقق کے آگے آپ کے یہ اصول و ضوابط اور اہل صحاح کی نا انصافانہ جہن داری اور اہل سیرت کی بے اعتباری پیش کیجاو گی۔ جو آپ مقدمہ کتاب میں لکھ چکے ہیں تو وہ آپ کی جامعیت و صلاحیت پر حسرت و افسوس کر کے اتنا ضرور کہہ گئے سحرین عقل و دانش بیاید گریست۔

**اصل واقعہ کی حقیقت** | اس بحث کے متعلق تمام مرقومہ بالا جزوی اور کلی ضروریات کو لکھ کر تمام اصل واقعہ کی کائنات نشان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ عرب کی قدیم دستور کے مطابق جیسا کہ شبلی صاحب لکھتے ہیں اور عرب کی تمام قدیم سیرت۔ تاریخ اور اشعار سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ ایام طہو

میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی وہ بیان چرائی ہیں۔ اور اسوقت کے ملکی اور قومی تمدن و ثقافت اور سیرت کے اعتبار سے آپ کا یہ ابتلائی مشغلہ معیوب نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے۔ اس کی وجہ سے نہ آپ کے خاندانی اغراض و اقتدار میں کوئی کمی آسکتی ہے اور نہ آپ کی روحانی عظمت پر اور نشان رسالت پر کوئی حرج آسکتا ہے۔ خاندانی اعزاز کیلئے

**حاشیہ صفحہ دیگر** اور مبلغ کا شبلی صاحب حوالہ دیتے ہیں وہی میرے پاس بھی موجود ہے میں اس میں جب اس قصیدہ کو تلاش کرتا ہوں تو صفحہ ۹۱ سے لیکر صفحہ ۹۴ تک کے تین نثر صفحوں تک اس تمام قصیدے کو لکھا ہوا پاتا ہوں اس میں کل ۹۴ شعر ہیں جن میں ۳۰ شعر ریخت ۳۰ نمبر کا شعر ہے۔ پورے قصیدے کے خاتمہ پر یہ لکھتی ہے قال ابن ہشام هذا ما صنع لي من عذلة القصيدة وبعض اهل العلم بالشعر نكروا كثرتها۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس قصیدے کے اتنے شعر جو لکھے گئے ہیں میرے نزدیک صحیح ہیں لیکن بعض علماے شعر ان میں سے اکثر اشعار کا انکار کرتے ہیں۔ ابن ہشام مولف سیرۃ کی تحقیق سے تو اس قصیدہ کے تحت شعرا و نمون لکھے ہیں وہ سب کے سب اور نزدیک صحیح ہیں۔ مگر بعض علما شعر ان میں سے اکثر اشعار کا انکار کرتے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب کا ابن اسحاق یا ابن ہشام کے اس انکار سے جو انہوں نے حضرت ابوبکر کے قصیدے کی نسبت تحریر کیا ہے۔ ابیطالب کے قصیدے کی موضوعیت کیسے ثابت ہوتی ہے نتیجہ تو آپ کے مدعا کے خلاف ہو رہا ہے کہ میں میرے نزدیک تو یہ تمام ۹۴ شعر صحیح ہیں یعنی ابیطالب کے خاص طبع زاد ہیں لیکن بعض شعرا ان میں سے اکثر اشعار کو ابیطالب کی تصنیف نہیں سمجھتے، انہیں سمجھیں۔ اتنے شعر نہیں سہی بقول خزینہ دو صد شعریوں میں رفت رفت۔ ابن ہشام کی اس تحریر سے آپ کے اس دعویٰ کی کہ ابیطالب کا یہ قصیدہ لامیہ سرترا پا موضوع ہے کیسے ثابت ہوا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ چند شعرا ان

اسوجہ سے میسر ہو سکتا کہ عرب کے تمام امرا۔ رؤسا اور شرفاء کے عام طبقات میں جاری تھا۔ مرتبہ رسالت اور نبی  
روحانیت کے لحاظ سے بھی اسلئے قابل الزام نہیں کہ تمام کتب انبیاء سے حضرات انبیاء و مرسلین کا ونبیان چرانا ثابت ہو  
ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کی جلد اول میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام و حالات واقعات میں بالتفصیل لکھا جا چکا ہے  
اصلیت اور حقیقت یہ ہے کہ ونبیوں کی یہ گلہ بانی بھی حقیقتاً تخصیصی تھی جیسی نہیں تھی۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم صرف اپنے گھر کی ونبیوں کی گلہ بانی اور نگرانی فرماتے تھے۔ عام طور سے اہل مکہ کی نہیں۔ محدثین نے غلط سمجھا  
ہے اور اس غلط فہمی کے باعث آئنا فساد و بے پایا ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں لہٰذا اہل مکہ کا لفظ سیرت کی کتابوں میں بھی ویسی ہی ہے  
جیسے حدیثوں کی کتابوں میں حقیقت تو یہ ہے کہ اہل مکہ سے اپنا گھراؤ اور اپنا قبیلہ مراد ہے کیونکہ بنی عبدالمطلب یا بنی ہاشم  
مشرقی بھی تھے اور مکی بھی۔ حدیث کی کتاب میں اس تخصیص کو کہیں ظاہر نہیں کرتے۔ سیرت نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیال  
ارشاد سے اس تخصیص کا اظہار ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی طبقات ابن سعد میں یہ واقعہ درج ہے جس سے حقیقت حال کا  
پورا انکشاف ہو جاتا ہے عبارت یہ ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر کہ حضرت موسیٰ  
غنم وبعث حارود وهوراعی غنم وبعث وانا  
ادعی غنم اہلی باجیاد۔

طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۸۰ ہرمن

پر چرائی ہیں۔ طبقات ج ۱ ص ۸۰

جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر کہ حضرت موسیٰ  
مبعوث ہوئے وہ بھی ونبیوں کے چرواہے تھے اسکے بعد حضرت داؤد و عیسیٰ  
ہوئے وہ بھی ونبیوں کے چرواہے تھے۔ ان کے بعد میں مبعوث کیا گیا میں  
نے بھی اپنے گھر کی ونبیان اجیاد و پیار کا نام ہی جو قرابطہ کے پاس

شبلی صاحب نے اس مسئلہ میں تنقید و تردید سب کچھ تو تمام کر دیا۔ مگر اسکی تخصیص کطرف ذرا توجہ فرمائی۔ گویا آپ کی  
تحقیق میں پیغمبر عرب کا اجرت و معاوضہ پر تمام اقوام مکہ کی ونبیان چرانا ثابت ہے۔ اور یہ امر آپ کے نزدیک نہ بنی ہاشم  
کی عظمت و اقتدار کا معنی ہے اور نہ نشان رسالت کا منہ قصص حالانکہ اصول تعلیم ہی اسی وقت کی قدیم معاشرت۔ تہذیب  
و تمدن کے سراسر خلاف ہے۔ اور اسوقت بھی کوئی شخص نہیں مان سکتا کہ شرفا۔ رؤسا اور امراے مکہ کے بچے اپنے سے کم و  
قبائل اور ازراہ قوم کی ونبیان چرانا گوارا کرتے ہوں گے۔ بخلاف اسکے ہر شخص بلا تکلف مان لیا کہ اسوقت کے شرفا۔  
رؤسا اور امراے مکہ کے بچے اپنے گھر یا اپنے قبیلے کی ونبیان شہر کے بیرونی مقامات میں چرایا کرتے تھے جیسا کہ خود آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی ابن سعد کی عبارت سے ثابت ہے۔ افسوس ہے کہ شبلی صاحب کی محققانہ نگاہ طبقات ابن سعد کے اس  
آخر واقعہ میں رجحان پر نہ پہنچ سکی۔ اگرچہ پوچھ کی ہوتی۔ تو ہجو جیسا یقین ہے وہ تخصیص کے مسئلہ کو بھی صاف فرماتے۔ یہ تو  
مؤلف کی کوتاہی ہے یا قصیر النظری۔

حاشیہ صفحہ دیگر۔ ابیطالب کی تصنیف نمون۔ اسکو ہم بھی مانتے ہیں اور ہمارے متدین اسلامی مورخ نے بھی لکھ دیا ہے جیسی صاف ہے کہ  
یہ تحقیق اصلیت و حقیقت واقعات کیا بتلائی گی۔ اور تاہم کی اور عدم واقعت میں اور لہذا دیکھی المولف محقق



## سفر شام نور راہب بحیر کا مشہور واقعہ

بارہ برس کے سن میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عم حمزہ حضرت  
ابیطالب کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا۔ ابن سعد طبقات میں اس سفر کی کیفیت

یوں لکھتے ہیں۔

ثم بلغ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اثني عشر سنة خرج به ابي طالب الى الشام في العير التي خرج فيها للتجارة ونزلوا بالراهب بحيرا فقال لابي طالب بنى النبي صلى الله عليه وآله له وللمواقاة امره ان يحفظ به فودعه ابي طالب معه الى مكة وشب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم مع ابي طالب

جب جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ برس کی عمر کے ہوئے تو جناب  
ابیطالب انکو ہمراہ لیکر قریش کے قافلہ تجارت کو ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے  
اور بحیرہ نامی راہب عیسائی کے مسکن پرنزل گزین ہوئے۔ راہب نے اپنے  
حضرت ابی طالب کے خواب سونگھ کر صلعم کی نسبت وہ سب باتیں کہیں  
جو اوس کو آپ سے کہنی تھیں اور آپ کی حفاظت  
و نگرانی کے متعلق تاکید کر دی۔ چنانچہ حضرت ابطالب  
آپ کو وہیں سے اپنے ہمراہ مکہ واپس لائے

داستان س ۷۶

اس عربی کی مستند ترین سیرت میں تو یہ واقعہ اتنا ہی ہے جو لکھا گیا۔ سیرۃ النبی میں شبلی صاحب نے حق ناقد اسکو  
ایک حرکت الاہام سے تائید کی ہے۔ اور حدیث و سیرت کی تحقیق و تنقید کے باہمانہ امتزاج سے وہ غلط بحث تیار کیا  
ہے کہ صاف طبمان زمانہ کی عام بد فہمی اور ناگوار سی کا باعث ہوتا ہے۔ شبلی صاحب کی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو۔  
ابیطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا۔ سال میں ایک مرتبہ تجارت کی غرض سے  
شام کو جایا کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہو گئی کہ ابطالب نے سفر شام کا ارادہ کیا۔ سفر  
کی تکلیف یا کسی اور خیال سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لیجانا نہیں چاہتے تھے لیکن آنحضرت  
صلعم کو ابطالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابطالب چلنے لگے تو آپ اوس سے پٹ گئے۔ ابطالب نے اب  
انکی دشمنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ عام مورخین کے بیان کے موافق بحیر کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا  
اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے۔ کہ جب ابطالب بھرے میں ہوئے تو ایک عیسائی راہب  
کی خانقاہ میں اترے جس کا نام حجیت تھا۔ اوس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ خیر المرین  
میں۔ لوگوں نے پوچھا تم نے کیسے جانا تو اوس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے نیچے اترے تو جس قدر درخت اور  
پتھر تھے سب سجدے کے لئے جھک گئے۔ طبری نے مختلف طریقوں سے اس واقعہ کو لکھا ہے۔

طبری کے مختلف طریقوں میں سے صرف ایک طریقہ کا خلاصہ اور حاصل شبلی صاحب نے لیا ہے اور اوپر ذیل کی تنقید  
کہی ہے۔ یہ روایت مختلف طریقوں میں بیان کی گئی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اس روایت سے جس قدر تمام مسلمانوں



کوشش ہوا اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے۔ سر ولیم موریس اور ہارگریو لوس وغیرہ سب اسے عیسائیت کی فتح  
عظیم خیال کرتے ہیں اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذہب کے حقائق اور  
اسی راہب سے سکھے۔ اور جو نکتے اس نے بتلا دیے تھے انہیں پراختضرت صلعم نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی  
اسلام کے تمام عمدہ اصول انہیں نکٹوں کے شرح اور حواشی میں عیسائی کی مدد نہیں کر اس روایت کو صحیح  
مانتے ہیں تو اسی طرح ماننا چاہیے جس طرح روایت میں مذکور ہے۔ اس میں بخیر کی تسلیم کا کہیں ذکر نہیں قیاس  
میں بھی نہیں آسکتا کہ وہ اس کے بچے کو مذہب کے تمام حقائق سکھائے جاویں۔ اگر یہ کوئی خرق عادات تھا تو  
راہب بخیر کو تکلیف کرنیکی کیا ضرورت تھی۔

مولوی شبلی اپنی یہی عادت سے مجبور ہیں۔ آپ ایک حد تک معقول اور کافی جواب دے چکے اب اس سے زیادہ انکشاف تو  
بھروسہ پہنچا رہی پروافاش کرنا ہے۔ اب ان الفاظ میں اس روایت کی تنقید کیا تکذیب فرمائی جاتی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ بد روایت ناقابل اعتبار ہے۔ اس روایت کے جتنے طریقے ہیں سب مرسل ہیں یعنی  
راوی اول واقعہ کے وقت موجود تھا۔ اور اس راوی کا نام بھی نہیں بیان کرنا۔ جو شرک واقعہ تھا اس کا  
سب سے زیادہ مستند طریقہ یہ ہے جو ترمذی میں مذکور ہے۔ اس کے متعلق تین باتیں قابل لحاظ ہیں (۱) ترمذی نے  
اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ حسن اور غریب ہے۔ اور ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ سے  
نہیں جانتے ہیں (۲) حسن کا مرتبہ حدیث صحیح سے کم ہوتا ہے اور غریب غریب ہو تو اس کا رتبہ اور بھی گھٹ جاتا ہے  
(۳) اس حدیث کا ایک راوی عبد الرحمن ابن غزو ان ہے۔ اس کا سب سے لوگوں نے اگرچہ ثقہ بھی کہا ہے لیکن اکثر  
اہل فن نے اس کی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کہ عبد الرحمن  
منکر حدیثیں بیان کرتا ہے جن میں سے منکر وہ حدیث ہے جس میں راہب بخیر کا واقعہ مذکور ہے (۴) حاکم نے  
مسندک میں اس روایت کی نسبت لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے علامہ سیوطی  
تقیص المستدرک میں حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ میں اس حدیث کے بعض مقامات کو موضوع چھوڑا اور بنایا  
ہوا خیال کرتا ہوں (۵) اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت بلال ابو بکر بھی اس سفر میں شریک تھے۔ حالانکہ بلال کا  
اس وقت تک وجود بھی نہیں تھا اور حضرت ابو بکر بچے تھے (۶) حدیث کے آخر راوی ابو موسیٰ اشعری ہیں  
جو خود شریک واقعہ نہیں تھے۔ اور اوپر کے راوی کا نام بھی نہیں بتا سکتے (۷) ترمذی کے علاوہ طبقات  
ابن سعد و مستدرک وغیرہ میں جو سلسلہ سند مذکور ہے۔ سب مرسل ہیں۔ یعنی بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے  
(۸) حافظ ابن حجر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں لیکن چونکہ حضرت ابو بکر اور بلال کی شکایت یا بے غلط ہے  
اسلئے مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ اس قدر حد غلطی سے روایت بن شامل ہو گیا ہے لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادعا بھی

صحیح نہیں کہ اس روایت کے تمام رواۃ قابل سند ہیں عبدالرحمن ابن ابی نعلی نسبت خود انھیں حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ خطا کرتا تھا۔ اہل اہل اسوہ سے شبہ پیدا ہوتا ہو کہ اس نے مالیہ کی روایت نقل کی ہے۔ مالیہ کی ایک روایت ہے جسکو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہیں سیرۃ النبیؐ میں

جو کہ شبہی صاحب نے اپنی تفسیر ہی عبارت پانچ صفحہ نہیں لکھی ہے بلکہ اس کی کتب کی عبارت میں داخل کر دی ہے اسلئے اس کی نسبت جسکو جو کچھ عرض کرنا ہے وہ میں بھی حاشیہ زیرین کی عبارت میں نہیں لکھا اپنے اصلی سلسلہ بیان میں منضم کرتا ہوں۔ شبہی صاحب کے اپنے محقق زمانہ کی مرقومہ بالا تنقید جو نہ اسکو عیسائیوں کے اعتراض کی تردید میں لکھی گئی ہے صوفت حقیقت کی نظر سے دیکھی جاوے گی تو جیسا ہم اوپر بیان کرتے ہیں اس وقت بھی پھر وہی عرض کریں گے کہ آپ کے اس ناگوار اور غیر متوار طریقہ تنقید و استدلال سے نہ معتبر نہیں کی تردید ممکن ہو سکتی ہے اور نہ تسکین بلکہ آپ کی موجودہ تنقید تو آپ کے محدثین و محققین کی کوتاہی کو تفری اور کوتاہ عقلی کی حقیقت غافلین و معتبر نہیں اسلام پر واضح اور روشن کرتی ہے اور آپ کی جدت پسندی کو یہ طریقہ جو معتبر نہیں کہ ارادہ تعریف اور حوصلہ تکذیب کو اور وسیع کر دیتا ہے ہر شخص اپنے مرقومہ بالا تنقید کو پھر بلا تکلف سمجھ لے گا کہ اسلامی مؤلفین اور مصنفین میں محدثین سے لیکر مورخین تک سب کے سب غلط تھے اور کہ راز نقل کرنے کے عادی۔ بد قسمتی سے اس سلسلہ میں مورخین کا کیا ذکر۔ محبتیں صحاح امام بخاری امام مسلم امام ترمذی۔ امام مالک وغیرہ سب ہی داخل ہیں۔

آپ کی تنقید کی صورت حال کا ایک نسخہ قریب قائم ہوتا ہے۔ اسکا دوسرا نسخہ یونانیان ہوتا ہے کہ ترمذی صاحب اپنی صحیح میں اس واقعہ کو لکھتے بھی ہیں اور پھر اسکی صداقت میں عیب بھی لگاتے ہیں۔ پھر صحیح میں ایسے مشکوک یا ساقط از اعتبار روایات کے اندراج کی ضرورت ہی کیا تھی۔ حاکم صاحب بڑے شدید و بدست بخاری صاحب اور مسلم صاحب کے شروط پر اسکی صداقت و صحت کا چیلنج دیتے ہیں۔ لیکن وہی صاحب۔ حاکم صاحب کی انتہا پسندی کو اعتدال کے درجہ تک گھٹا لاتے ہیں اور چونکہ امامین بخاری و مسلم کی شرط صحت لگی ہے اس بنا پر اسکو بالتمام غلط ٹھہرانے کی تو جرات کرتے نہیں فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کے بعض روایات کو موضوع۔ جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں۔ اگر غور سے موجودہ صورت حال پر نظر ڈالی جائے تو شبہی صاحب کی اس تنقید میں مرقومہ بالا دونوں خنوں کے علاوہ ایک تیسرا پہلو بھی نظر آتا ہے وہ حافظ ابن حجر۔ شایع صحیح بخاری کا خاص طرز بیان ہے۔ ان بزرگ پر آخر شبہی صاحب کو غصہ آبی گیا اور ان پر رواۃ پرستی کا الزام لگا ہی دیا گیا آپ نے نزدیک ابن حجر نے نہایت نازیبا اور بد نما پہلو بدلا ہے۔ اور وہ ہے کہ اس روایت کی صحت کو بھی تسلیم کیا ہی لیکن چونکہ حضرت ابو بکر اور بلال کی شرکت بدائتہ غلط ہے۔ اسلئے مجبوراً اقرار بھی کر لیا ہے کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے۔ یہاں تو ابن حجر نے اس کی صحت کی تصدیق کی وہاں کتاب تہذیب التہذیب میں عبدالرحمن ابن عروان کو حدیث میں خطا کرنے والا بھی لکھ دیا ہے ابن حجر کی اسی دورخی راے پر بن

صاحب کو طیش آگیا۔

حجرت

مگر ہم شبلی صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ آپ کا یہ عتاب بیجا ہے اور طیش برکار جب آپ صاف صاف ان کے قول خود لکھ رہے ہیں کہ روایت میں اس حصہ واقعہ کے داخل ہو چکے ہیں جو یہ بھی غلط ہے۔ اور ان کو اس کے صحیح ہونے میں کلام ہے تو وہ پکا آپ کو یہ خبر دے رہا ہے کہ یہ امر کہ ابن حجر بھی۔ آپ اور آپ کے چند ہم خیال مؤلفین ہونے میں کی طرح اس روایت کے سر پر ہاتھ نہیں لگاتے اور بالکل غلط ہو چکے ہیں کیونکہ قائل نہ ہوئے، تو آپ کا شک آپ کے حسن و تعقل کا پتا اور نیاز بجا کا پورا فرق دیتا ہے اسکی وجہ بالکل صاف ہے اور روشن۔ ابن حجر معمولی پایہ کی شخص نہیں تھے۔ صحیح بخاری کے شارح شروع بخاری میں انکی شرح کا سبب پتا ہے۔ وہ اپنے اصول و مختار فقرہ کو بڑی بات تھے۔ وہ جانتے تھے کہ صحیحین کے شروط کے مطابق جن میں قبول آپ کے ایک ضعیف سے ضعیف روایت بھی نہیں درج کی گئی ہو، انکی روایت کو سر پر غلط اور موضوع بتا دیتے اور ایسی ہی تہذیب مستند صاحب الکتاب کی غلطی گھٹاتی ہے۔ انکی شرح آپ کی سیرۃ النبیؐ کا مقدمہ تو قبیح ہی نہیں جس میں ابتدا کو سب صحیح کو غلو کرنا اور صحیح بخاری و مسلم کو نقصان دینا صدقہ نہیں کہ یہ قرآن مجید کا وارث بتلایا جاتا ہے۔ مگر بالآخر تمام سلسلہ بیان اور عبارت تالیفی میں ذلک مؤلفیات کا انہار اور تراویح کی دفتر ٹیڑھا جاتا ہے۔ اب فرمایا جادو سے کہ آپ کا یہ طریق موجودہ صورت حال میں آپ کے لئے کون سی تیار کر چکا۔ اور آپ اپنی ایسی روش انحراف کے مقابلہ میں۔ ابن حجر کے اختلاف کیلئے اور یہ واقعہ برسی کہ کسے ازاد ہو سکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بخاری جو مسلم ہون یا ترمذی، مالک ہون یا ابن حجر ہون یا مولوی شمس الدین سب بتا دیتے ہیں۔ سب علیحدہ سے چون ندید نہ حقیقت روایات نہ زندہ۔ یہ واقعہ روایت اور راہ و دونوں طریقوں سے صحیح ہے حضرت ابو بکر اور حضرت بلال کی شرکت کے غلط اضافے نے یہ سارے مفہم پیدا کر دے جو حقیقتاً ایسا سفید جھوٹ ہے جو کسی طرح نہیں چھپ سکتا۔ ایسی کوری بیوقوفی ہے جسکی تاویل ممکن نہیں ہے کیا۔ بنے بات جہاں بات بنا کے نہ بنے حقیقت ابن حجر سے کوئی بات نہیں بن سکتی تھی۔ انہوں نے صرف اس حصہ حدیث کے غلطی سے اصل حدیث میں غلط ہو جانا اعتراض کر دیا تو کیا بڑا کید یہ تو اسکا ضعف تمدن نہیں کہا جاسکتا بلکہ اسکا عین ثناء اور اپنے اصول کی کمال پابندی قرار دیا جائیگی شبلی صاحب اپنے مولفانہ تلون پر ذرا بھی غماز نہیں فرماتے۔ میری دانست میں ابن حجر نے ذہنی زیادہ قسور میں کیا ہے۔ آپ خود تلخیص مسندک سے وہی کا یہ قول اور نقل فرا چکے ہیں کہ میں اس حدیث کو موضوع جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں۔ اب اس بیان کو ابن حجر کے کلام سے ملایا جادو سے تو مدعا دونوں کا ایک ہی پایا جائیگا۔ فرق یہ ہے کہ ذہنی نے بڑے حزم و احتیاط اس غلط حصہ روایت یا واقعہ کا نام نہیں بتلایا اور ابن حجر نے اپنے کمال تدبیر سے اس غلط حصہ روایت یا اضافہ حدیث کو بتلایا لیکن شکل تو یہی ہے کہ اب آپ کو یہ کون بتلانے کہ کن دیگوں نے کس غرض و غایت سے یہ جوڑ جوڑ لگا یا سن انکوں کو ادماغ کہ پر سرد رہا عنان۔ مہ بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد و

صحیح کتب استخفاط مراتب کا یہ مستحسن طریقہ تھا کہ یہ مجتہدین تک رہنے دیجاتی۔ اہلس اصناف کی وجہ اور اضافہ کرنا اسے کی تلاش نکجاتی۔ ہمو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ یہ حدیث جو صحاح کے معتبر کتابوں میں سے لیکر حدیث کی تمام چھوٹی بڑی کتابوں میں اس وقت سے لیکر اس وقت تک نقل ہوتی چلی آئی ہے۔ صرف اپنے ایک حصہ کی غلطی کی وجہ سے بالکل غلط ہو جائے گی یہ اصول آئین تنقید کے مطابق ثابت ہوتا ہے اور نہ قواعد کلام کے موافق۔ عبدالرحمن ابن عروان کی جرح و قدح بھی اصولاً ایسی مستحکم اور ناقابل التنازل نہیں معلوم ہوتی۔ اسی روایت کی نسبت آپ خود اعترافاً تحریر فرماتے ہیں کہ اسکو بہت سے لوگوں نے ثقہ ہی لکھا ہے۔ اور بعض نے منکر بھی۔ اس بنا پر اسکے قطعی کاذب اور وضع ہونے کی بھی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ صرف وہی نے اسکو منکر لکھا ہے اور اسکے مرویات سے حصہ قضا واقعہ راہب بجز اگر موضوع بتلایا ہے۔ تو گویا اس کی تنقید میں وہ متفرد ہیں۔ اب انکی منفرد رائے کو کثیر التعداد محدثین کے مختار سے مقابلہ فرمائیں۔ جو اسکی توثیق و صحت کے قائل ہیں۔ تو ذہبی کے مختار منفردہ کا کیا وزن رہ جاتا ہے۔ اس لئے شبلی صاحب کی یہ تمام کدو کاوش بیگناہ اور غیر مفید کوشش ہے۔

اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ عبدالرحمن نے حضرت ابو بکر وغیرہ کی شرکت کے قبل تک اس واقعہ کو پوری اصلیت کے ساتھ بیان کیا۔ اور بقیہ حصہ کو اس موضوعیت کیساتھ بیان کیا جیسا کہ اس نے غیروں سے غلط سنا تھا۔ اب رہا یہ امر کہ اس روایت کے تمام طریقہ مرسل ہیں۔ تو اولاً اصول نقد حدیث کے مطابق مراسیل صحابہ قطعاً درست ہیں۔ اعراض یہاں سے نہایت ایں کیلئے صاحبان شیخین جوابدہ ہیں۔ جنہوں نے نقل و نقد حدیث کے اصول اقسام اور ابواب بھی قائم کئے اور اپنی اپنی تالیفات کو ان اصول موضوعہ کا بظاہر سخت پابند بھی بتلایا۔ پھر ان موضوعات اور لغویات کی بہرتی بھی انہیں کتابوں میں بھردی۔ اس کا جواب شیخین صحیحین دیکھتے ہیں یا خود شبلی صاحب جو اپنے نقد کتاب میں اسنے طلاق سے ان بزرگوں کی مدح سر لائی کر چکے ہیں۔

حققت میں شبلی صاحب کی یہ تنقید عیسائیوں کی فتح عظیم کی تردید تو کیا کرے گی تاہم البتہ کرتی ہے کیونکہ یہ خانہ جنگی باہمانہ مکذیب و تردید۔ تعلیظ۔ بعد تصحیح۔ جو اسلامی دائرہ میں۔ اکابرین صحاح سے لیکر عام محدثین و شارحین تک میں پھیلی ہوئی دکھلائی گئی ہے۔ جسوقت غی الغین کی نگاہ سے گزرے گی انکی تعریف و تردید کے حوصلوں کو اور بھی کشادہ کر دیگی اور وہ سمجھ لیں گے کہ بس یہ حضرات ایسے تھے اور اتنے۔ اپنے خیال میں شبلی صاحب نے عیسائیوں کو اس تنقید سے اپنی صفات دکھلائی ہے۔ مگر اس سے بھی انکی قیاسی فتح عظیم کی بیخ کنی نہیں ہوئی اور اسکے وفیہ کا کوئی پہلو بھی اس تحریر میں نہیں نکلا جاتا تو یہ ہے کہ شبلی صاحب کو وہ پہلو معلوم ہی نہیں اور اسکی وجہ یہی ہے کہ عیسائیوں کی ذرا سی تعریف پر آپس قدر مضطرب الحواس ہو جاتے ہیں کہ حقیقی واقعات کو چھوڑ کر زواید اور دوراز قیاس و رایع سے جواب دینا چاہتے ہیں اور اپنی علم کی تعلیظ کے ثبوت دیکر انکی تردید پیش کرتے ہیں جو گویا جواب تسلیمی ہو جاتا ہے۔ دیکھئے شبلی صاحب اس روایت کو



عیسائیت کی فتح عظیم سمجھے ہیں وہ یقیناً انکی شکست فاش ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ عیسایہ آپ کو خوف ہے عیسائی اس روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راہب بخیر اسے رموز نبوت اور اصول شریعت کی تعلیم حاصل کرنا ظاہر کرتے ہیں لیکن انکا یہ دعویٰ محض افتراء و قطعی بے دلیل ہے۔ یہ مسلم ہے کہ یہی دلیل انکا اصلی ہاخذ ہے۔ مگر اسکی بالتمام عبارت سے انکو دعویٰ کا ایک حرف بھی ثابت نہیں ہوتا۔ روایت موجود ہے عبارت حاضر ہے الفاظ پیش نگاہ ہیں۔ کوئی عیسائی بتلا کہ اسنے کس کس حرف کو کس لفظ کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ راہب بخیر نے محمد کو نبوت کے رموز اور شریعت کے اصول بتلائے۔ جب ایسے معنی نہیں نکلتے تو وہ ضرور جھوٹے ہیں اور انکا دعویٰ سراسر جھوٹا ہی اور انکی فتح عظیم خالی ہو امین قلعد بدی ہے۔

یہ تو سرسری طور پر ان کی موہوم فتح عظیم کی حقیقت بیان کی گئی جو شبلی صاحب کو اتنا مخوف اور مضطرب بنائے ہوئے تھی۔ ہم نے اسکو انکی شکست فاش قرار دیا ہے ہم اب اسکو ثابت کرتے ہیں۔ دیکھئے تاریخ طبری کے الفاظ روایت یہ ہیں۔

ان ابطال خرج في ركب من قریش الى الشام تاجرا و  
تحميا الرحيل واجتمع السيرة به رسول الله صلى الله عليه  
واله وسلم فيما يزعمون فوق لله ابطال فقال والله لا خي  
به معي ولا يفارقني ولا افارقه ابدا وكما قال فخرج به  
معه فلما نزل الركب بعري من ارض الشام وبه  
اليه بصير علمهم عن كتاب بما يزعمون يتوارثونه كالتراحم  
كابر فلما نزلوا ذلك العام سمعوا لصنع لهم طعاما كثيرا وذلك  
انه راسه رسول الله صلعم وهو في صومعته عليه علامة  
تقلبه من بين القوم ثوابتوا حتى نزلوا في ظل الشجرة و  
سده فنظر الى الغمامة حين اظلت الشجرة وهضمت الغمامة  
الشجرة على رسول الله صلعم حتى استظل تحتها فلما  
ارى ذلك بغير انزل صومعته ثوابتوا رسول الله صلعم فغدا  
جميعا فلما راي بغير رسول الله صلعم بالخطا  
شديدا وبنظر الى اشياء من جسده قد كان يجدها  
عند من صفته فلما فرغ القوم من الطعام ونظر

جناب ابی طالب قریش کے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کے قصد سے  
جانے لگے جب اسباب سفر اور سواری کا سامان درست ہو گیا تو جناب  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولد ہوئے اسوجہ کہ مشہور تھا کہ ایک عمر  
آپ اپنے ہمراہ اس سفر میں نہیں لیا ہیں گئے حضرت ابی طالب نے  
آپ کو ملوں دیکھ کر اور مال کا باعث اس غلط خبر کو پا کر فرمایا کہ میں اپنی جگہ گوش  
کو لے کر بغیر کہیں جا نہیں سکتا اور نہ کسی حالت میں کسی وقت  
اپنی جگہ بارہ کو جہاں کر سکتا ہوں۔ چنانچہ ابی طالب نے آنحضرت صلعم کو  
اپنی ہمراہ لیا۔ جب قافلہ شہر بصری میں جو علاقہ شام کے قوافل سے  
ہی ہو چکا تو وہاں ایک راہب نصرانی رہا کرتا تھا جس کا نام بخیر تھا  
اور وہاں خاص صنوعہ تھا (خانقاہ) اور وہ اس زمانے کو تمام  
نصرانیوں میں باعتبار علم کتب سماویہ علم الناس تھا اور یہ کمالات علی  
اسکو در افتادہ کے سلسلہ میں ایک بزرگ کے بعد دو ستر بزرگ  
لے تھے۔ ابی باریہ قافلہ تجارت قریش وہاں منزل گزین ہو تو بخیر نے  
انکی ضیافت کیلئے با فراط کھانا تیار کیا اور یہ اس باعث سے تھا کہ  
اس نے جناب رسول خدا کو اس حالت میں دیکھ لیا اور پہچان لیا تھا کہ بخیر اور



سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أشياء في حاله في يقظته  
وفي نومه فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يخبره فيجدها بجيرا  
موافقه لما عنده من صفته ثم نظر إلى ظهره حتى  
النبوة بين كفيه قال بخير الله أبا طالب ما هذا الغلام  
منك قال ابني فقال له بجيرا ما هو ابنك لهذا  
الغلام ان يكون ابوه حيا قال انه ابن اخي قال فما  
فعل بابوه قال مات وامه حبلى به قال صدقت  
ارجع به بلدك واحذر عليه يهود فوالله لئن رآه  
وعرفوا منه ما عرفت ليبغته شرا فانه كان شان  
عظيم فاسرع به إلى بلده فخرج به معه سريرا  
حتى أقامه مكة

طبری در ۱۲۵ مطبوعه حیرت

انسان قافلہ کے آپ کے فرق مبارک پر ایک پارہ ابرسا یہ فگن تھا  
 اس شائین قافلہ کے لوگ آئے اور اس کے صومہ کے پاس ایک خست  
 کے سایہ میں فروکش ہوئے۔ راسب بھیرا اوس ابرسا یہ فگن کو برا بھلا  
 رہا تھا کہ اوس درخت کی ڈالیاں بھی رسول اللہ صلیم کی طرف تار  
 کر دینے کی غرض سے جھکنے لگیں۔ تاما ایتکہ اونھوں نے آپ کے  
 فرق مبارک پر پورا سایہ کر لیا یہ دیکھ کر راسب بھیرا اپنے صومہ میں سر ادا  
 اور تمام مجمع قریش کو اپنے پاس بلا یا جب بھیرا کی نظر آپ کے روی  
 متور کی طرف پڑی تو ڈہری دیر تک آپ کے جلال مبارک کی ندرت کرتا رہا  
 اور آپ کے حسن مظهر میں اون اشیا رکا مشاہدہ کرتا رہا جو آپ کی  
 صفات کے متعلق اس کی کتابوں میں لکھے تھے اور اس نے اپنے  
 تھے۔ تمام لوگوں نے جب کمانے سے فراغت کی تو بھیرا نے جناب

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے خواب و بیداری کے حالات

استفسار کئے۔ آپ نے اُسے بتلائے تو اوس نے آپ کے جوابات کو بھی اُون صفات مخصوصہ کے مطابق پایا۔ جو اُو کی کتابوں میں لکھی تھیں اوس کے بعد اوس نے آپ کی لپٹ مبارک پر غور کیا۔ تو مہرِ نبوت کو دوشِ مُطر کے مابین پایا۔ پھر آپ کے عمِ محترم ابیطالب کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا یہ کاتھار کون ہے حضرت ابیطالب نے کہا سیرا بیٹا ہے راہب بھرانے کہا کہ یہ بیٹا آپ کا ہو نہیں سکتا اس لئے کہ میرے علم میں اس کے باپ کا زندہ رہنا ممکن نہیں ہے حضرت ابیطالب نے جواب دیا کہ میرا بھتیجا ہے بھرانے کہا کہ اس کا باپ کیا ہوا ابیطالب نے کہا کہ وہ مر گیا اور اسکی ماں بھی گزر گئی بھرانے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ اچھا تو آپ سکو اپنے ہمراہ اپنے شہرِ کُثر یہاں سے واپس لے جائیں اور اس کے متعلق یہودیوں سے ہمیشہ خائف رہا کریں قسمِ خدا کی اگر وہ آپ دیکھ پائیں گے۔ اور اسی معرفت کے ساتھ ہمیں کہیں نے اسکو بھیجا ہے وہ بھی پہچان لیں گے۔ تو پھر اسکے ساتھ شہرِ فساد برپا کرینگے۔ کیونکہ اسکے لئے ایک شانِ عظیم و دِیعت ہوئی ہے۔ یہ سُکر آپ کے عمِ محترم آپ کو اپنے ہمراہ لیکر وہاں سے واپس ہونے اور داخلِ مکہ ہو گئے۔

دوسری روایت جبری کی یہ ہے۔

دوسری روایت طبری کی یہ ہے۔  
 خرج ابو طالب الى الشام وخرج منه رسول الله صلى  
 عليه وآله وسلم في امشياخ من قریش فلما اشرفوا على  
 البر لعب مصبطوا فخلوا اسحاظهم فخرج اليهم الراهب  
 كانوا قبل ذلك يميرون فلا يخرج اليهم ولا يلتفت

حضرت ابو یوسفؒ نے شام کا سفر کیا۔ جناب سالتاب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اور تمام اکابرین قریش بھی خاندانِ نبویؐ میں شامل تھے۔ جب یوگ دیر رہا تب آپؐ پاس پہنچے تو دو ترہڑے اور اپنی سامان بھی قیام کرنے کو قسم کھاتے

قال فمہم یحیون روحا لہم فجل بجل ہر حتمے جاء فاخذ بید  
رسول اللہ صلعم فقال ہذا رسول رب العالمین ہذا مبش  
اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین فقال لہ اشیاخ قریش ما علیک قال  
انکم حین اشرقت من العقبة لربیع شجرة ولا حجر الاخر  
ساجدا ولا یسجدون الا النبی والی اعرفہ بناتہ الذنہ  
اسفل من غصروف کتفہ مثل النفاحة فخرج فصنع لہم  
طعاما فلما اناہم بہ کان فی رعیۃ ابل قالوا اهلوا علیہ فاقبل  
وسلہ غمامۃ فقال انظروا الیہ علیہ غمامۃ تطلہ فلما  
دنی من القوم وجدہم قد سبقوہ فیہا انی غی فلما  
جلس مال الشجرة علیہ فقل الطرہ الی فی الشجرة مال  
علیہ مال فلینا ہوا فاشکر علیہم وھو یبشہم لایین ہوا  
بہ الی الروم فان الروم دان دافہ عرفوہ بالصفۃ فقتلوہ  
فانتت فاذا ھو لسیعة نفر قد قبلوا من الروم فاکملوا  
فقال ما جاء بکرم قالوا جئنا ان ہذا النبی خارج فی ہذا  
الشہر فلم یبق طریق الا بعت الیہا ناس وانا اخترا خیرۃ  
بعثنا الی طریقک ہذا اقال لہم هل خلفکم خلفک احد  
ھو خیر منکم قال لا انہا اخترا خیرۃ لطریقک ہذا  
قال افرأیتما امرا اذا دانا اللہ ان یقضیہ هل یستطیع  
احد من الناس ردہ قالوا لا فتابعوہ واقاموا معہ  
قال فلما ھم فقال انشدکم اللہ ایکم ولیہ قالوا لا بل  
فلو مینا شدہ حتی رتہ وبعث معہ ابوبکر بنوہ وبلالا  
وزرودوہ الراھب من الکعک والزیت۔

طبری ص ۱۱۲۶ ج ۱

وہ راہب اپنے صومرو سے باہر نکلا۔ حالانکہ اس سے قبل قریش کا قافلہ  
تجارتی چند بار آچکا تھا اور وہیں قیام کر چکا تھا مگر وہ راہب کسی نہ  
پاس آیا تھا اور نہ ان لوگوں سے ملتفت ہوا تھا۔ راہب کی اس صورت  
حال اور طرز سلوک سے سامان اوتار نیوالوں کو ایک حیرت انگیز فکر  
دامگیر ہوئی یہاں تک کہ اس راہب نے آتے ہی آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک تھام لیا اور کہا کہ یہ سید العالمین اور  
نبی العالمین ہیں اور یہ وہی ہیں جنکو خداے سبحانہ تعالیٰ نے دونوں  
جہان کی رحمت بنا کر مبعوث فرمایا یہ سن کر اکابر قریش نے پوچھا کہ یہ  
تم نے کیسے جانا راہب نے جواب دیا کہ حیوت تم لوگ بیان آئے اور اپنا دار  
اور سامان سفر وغیرہ اوتارنے لگے تو میں نے دیکھا کہ کوئی شجرہ رکھوئی  
حجر ایسا باقی نہیں رہا جو انکے سجدہ تعلیمی کے لئے نہ جبک گیا ہو اور  
سوائے نبی کے اور کسی کے لئے سجدہ تعلیمی نہیں کیا جاتا اور میں نے کو  
معزیت سے بھی پہچان لیا جو انکے دوش مبارک کے حصہ زیریں کی طرف  
نمایاں ہے۔ یہ مکر وہ چلا گیا۔ اور ان لوگوں کی دعوت کیلئے کہانہ بولا کہ  
اپنی ہمدرد لایا۔ تو آنحضرت صلعم انہوں کو چارہ سے تھے۔ راہب نے کہا کہ  
انکو بلا بھیجو۔ جب آپ آئے۔ تو فرق مبارک پر پارہ ابرسایہ گستر تھا پھر  
قریش سے خطاب کر کے کہا کہ اس پارہ ابر کو دیکھتے جاؤ جو انکے سر پر  
سایہ کی ہوئے ہی پھر جب آپ قوم سے قریب آگئے تو اس شجر سے بھی  
کیفیت ظاہر ہوئی جو پہلی روایت میں بیان ہو چکی ہے پھر جب آنحضرت  
صلعم علیہ وآلہ وسلم درخت کے نیچے بیٹھ گئے تو وہ درخت آپ کے پاس  
جبک گیا پھر جمع قریش سے کہا کہ اس درخت کی جھکے کو دیکھو  
یہ وہ راہب جمع قریش میں کڑے ہو کر مناشدہ کے طریقہ میں کہن لگا کہ  
میں تم پر تاکید کرتا ہوں کہ تم انکو (آنحضرت صلعم کو) روم میں (علاتہ شام

اُس وقت روم کا ماتحت تھا) نہ لے جاؤ کیونکہ اہل روم اگر ان کو ان صفات کے ساتھ پہچان لیں گے تو قتل کر ڈالیں گے۔ چنانچہ وہ سات ہومی جو روم  
سے ہوئے تھے پھر پہلے انھیں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ کہو ان مشاہدات کا تم پر کیا انکشاف ہوا۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے

یقین کر لیا ہے کہ یہ خدا کے فرستادہ نبی ہیں اور کوئی طریقہ مذہب ایسا نہیں ہے جس میں ایک نبی نہ مبعوث کیا گیا ہو اور پہلو کی اس طریق کو بہتر سمجھتے ہیں اور جو اس طریق میں نبی مبعوث ہوا ہے اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ تجھ کو لے کر کیا تم ایسے شخص کو چھوڑ دو گے جس کو تم اپنے اخلاف میں سب سے بہتر سمجھتے ہو۔ سب سے کمزور نہیں کیونکہ ہم اس کو اس کے طریق میں نیکو کار سمجھ کر اختیار کر چکے ہیں۔ تجھ کو لے کر کیا تم ان اقرار و اعتراف کے بعد خدا سے سب سے زیادہ تعالیٰ کو جھٹلا سکتے ہو۔ کیا کوئی تم میں سے اس کی مشیت کو روک سکتا ہے سب سے کمزور نہیں۔ ہم سب اس کی بیعت کر چکے اور اس کے ساتھ رہیں گے۔ جسے راہوں کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں تم کو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ تم میں سے اس شخص کا ولی کون ہے۔ سب نے کہا ابیطالب اس کے ولی ہیں۔ پھر پھر ابیطالب کے ساتھ اپنے مناشدہ کو تمام کیا۔ جب تک کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہاں سے لیکر واپس ہوئے اور ابو بکرؓ اور بلالؓ بھی آپ کے ہمراہ واپس آئے اور پھر لے کر مکہ و بیتہ کے تحائف آپ کے ہمراہ کر دیے۔

تاریخ طبری میں انھیں دونوں مرقومہ بالا طریقوں سے یہ روایت مندرج ہے۔ جبکی اصل عبارت نقل کر دی گئیں۔ آخر روایت کے کچھ حصہ کا غیر مسلسل طور پر مولوی شبلی صاحب نے بھی سیرۃ النبیؐ میں ترجمہ فرمایا ہے۔ اس لئے یقین ہے کہ شبلی صاحب نے تالیف کتاب کے وقت طبری کی دونوں روایتیں اور ان کی عبارتیں ایک بار نہیں کئی بار ملاحظہ فرمائی ہوں گی۔ شبلی صاحب عیسائیوں کے متعصب اور متوہانہ دعویٰ کی بہت اور اصلیت کو خود بخود تحقیق فرما کر عربی مآخذوں کو سیرۃ النبیؐ میں نقل فرما دیتے اور معترضین کو دکھلا دیتے کہ تم جن عربی مآخذوں پر صرف اتنا لگا کر اپنی فتح عظیم کے ہوائی قلعہ باندھ رہے ہو۔ وہ تو ان اصلی مآخذوں کے ایک لفظ سے کیا ایک حرف سے بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ بس میں سے عیسائیوں کے غلط اتہام و الزام کی حقیقت کھل جاتی اور آپ کی خاطر مبارک سے بھی عیسائیوں کے اس اعتراض کا خوف و اندیشہ کھل جاتا۔ جسکی وجہ سے سخت اضطراب کیا تھا اس قدر خامہ فرسائی کی بیکار رحمت اوٹھائی گئی۔ میں نے اس واقعہ کو حدیث و تاریخ کے معتبر مآخذوں میں دیکھا ہے سب سے زیادہ مفصل اور مسلسل طور پر ابن ہشام نے اس واقعہ کی پوری کیفیت قلمبند کی ہے۔ ہم ان کی اصل عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ان اباطالب خرج فی ركب تاجرا الى الشام فلما تهبوا للرجيل واجمع المسير صلب به رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فمما يزعمون فوق له وقال والله لا اخرج منه معي ولا يفارقني ولا افارقه ابدا او كما قال فخرج به معه فلما نزل الركب البصري من ارض الشام وبها راهب يقال له بجيرا في صومعة له وكان اليه علم اهل نصرانية ولم يزل في تلك الصومعة منذ قطرا اليه بصيرا عنهم عن كتاب فيها يزعمون بتوارثونه كابرا

حضرت ابی طالب نے بغرض تجارت سفر شام کا قصد کیا اور سامان سفر وغیرہ جمع ہو گیا جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طول خاطر ہوئے جیسا کہ مشہور تھا کہ ابی طالب اس سفر میں آپ کو ہمراہ نہ لیا جن کے یہ معلوم کر کے حضرت ابیطالب نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے بیکرین یا بکرین چلے اور میں کہیں تم کو اپنے ساتھ سے جدا نہیں کر سکتا یہ فرما کر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لیکر سہرا ہی قافلہ تجارت قریش روانہ ہوئے قافلہ شام بصری میں جو متعلقات شام سے پہنچا تو وہاں ایک راہب رہتا تھا۔ جب کوئی خبر آئے کہ تم لوہاؤں کا ایک صومعہ خاص رہنے کیلئے تھا اور وہ نصرانیت کا عالم

عن كابرنا فلما نزلوا ذلك العالم بجبرلوكا فوا كثيرا ما يروون  
به قبل ذلك فلا يكلمهم ولا يعرض لهم حتى كان ذلك  
العالم فلما نزلوا به قريما من صومعة صنع لهم طعما  
كثيرا وذلك فيما ترعون عن شيء رآه وهو في صومعة  
ويترعون انه رعى رسول الله صلعم وهو في صومعة  
في الوكب حين قبلوا وغامة نظله من بين القوم  
قال فما قبلوا فترى في ظل شجرة قريما سده فظروا  
الغاممة ظن اطلت الشجرة وتمصرت اعضاء  
الشجرة على رسول الله صلعم حتى استظل تحتها فلما  
رعى ذلك بجبرلوكا نزل صومعة وقد امر بذلك الطعام  
فصنع ثور اسل اليهم فقال اني اصنعت لكم طعاما يا  
معشر قريش فانا احب ان تغتروا كلهم صغيركم وكبيركم  
وعبدكم وحرركم قال له رجل منهم والله بالجبرلوكا  
نشان اليوم ما كنت قصص هذا بنا وقد كنتم بئس كثيرا  
فما شانك اليوم قال له بجبرلوكا صدقت قد كان ما  
تقول ولكنكم صنيف وقد احببت ان اكرمكم واحضركم  
طعاما فاكلون منه كلكم فاجتمعوا اليه وتخلف عليه  
رسول الله صلعم من بين القوم ليجلثة سنتي رجال القوم  
تحت الشجرة فلما نظر بجبرلوكا في القوم ولم ير صنف  
التي يعرفون ويخبر عنه فقال يا معشر  
قريش لا يتخلفن احدكم عن طعامي قالوا له يا بجبرلوكا  
ما تخلف عنك احد فيبغى له ان ياتيك الاغلافا وهو  
احد القوم منا فتخلف في رحالهم فقال لا تفعلوا  
انحوا فلما حضر الطعام منكم قال فقال رجل من قريش  
وللات والعزى ان كان اللوم لنا ان يتخلف ابن عبد  
بن عبد المطلب عن طعام من بيننا ثم قام اليه فاجتضه  
واجلسه مع القوم فقال رآه بجبرلوكا جعل لمطه لخطا

بجبرلوكا اور اس صومعہ میں اس سے بڑھ کر کوئی عالم ترین مہیب نہیں لگا  
تھا اور لو کی نسبت یہ مشہور تھا کہ اس کا علم و کمال و دانش ایک بزرگ  
کے بعد و بزرگ سے سینہ بسینہ پہنچا تھا۔ ابی باریہ قریشیوں کا بجا  
قافہ۔ بخلاف اس کے کہ قبل میں وہیں اکثر بار و تریجا تھا مگر نہ اس  
راہے ان لوگوں سے گفتگو کی تھی اور نہ ان کسی قسم کا تعرض کیا تھا ابی  
باریب یہ لوگ اس کے صومعہ کے قریب اور تریجو بکرانے ان لوگوں کی ضیافت  
کیلئے اذیت سے کہنے لگے اس کی نسبت ان لوگوں نے خیال کیا کہ آنحضرت  
صلعم کو دیکھنا ایسی یہ نوعیت کی ہو کہ نہ جب یہ لوگ اترتے تھے تو چاہتے  
صومعہ سے دیکھ رہا تھا کہ اہل قافہ کے درمیان آپ کے سر مبارک پر  
ایک پارہ ابر سیاہ فلن ہے پتا نہ کہ اسی حالت سے قافہ کے بزرگ  
ایک درخت کے نیچے جو وہاں سے بالکل قریب تھا فروکش ہوئے  
تو پھر اہل قافہ نے اس پارہ ابر کی طرٹ نظر کی تو اس کو اس درخت پر  
سیاہ گسترہ لکھا۔ اور درخت کی شاخوں کو بھی جناب سوئی اسلام پر سیاہی لگنی  
کی غرض سے سرنگوں پایا۔ جب بجبرلوکا نے یہ مشاہد کیا تو وہ اپنے صومعہ  
نیچے اترے۔ تب ان لوگوں کے دعوت کا انتظام کیا اور جب کہانے پائے  
تو ان لوگوں کے پاس گھلا بھیجا کہ حضرت قریش میں نہ آپ کی ممانی کیلئے  
کھانے بکوانے ہیں اور میری استدعا ہے کہ آپ سب لوگ چہ بزرگ و چہ  
چہ غلام چہ آزاد تشریف لاکر حاضر تیار فرمایا۔ قریشیوں کے ایک صاحب  
کہنے لگے کہ اے بجبرلوکا آج کے دن کیلئے کوئی مخصوص شان ہے۔  
کیونکہ تم نے ہمارے ساتھ اس قبل کہی یہ محاسن سلوک ظاہر  
نہیں کئے تھے آج کی کیا شان ہے؟ بجبرلوکا نے جواب دیا آپ لوگ  
فرمانے میں ایک بات یہ ہو کہ آپ لوگ مہمان ہیں۔ آج میری یہ خواہش  
ہوئی کہ میں آپ حضرات کا اکرام و تواضع کروں اور آپ کیلئے کھانے تیار  
کراؤں کہ آپ سب لوگ ملکر کھائیں۔ چنانچہ سب لوگ خوان دعوت پر جمع  
ہوئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صغیر سی اور نیز سامان کی



شدید اور بنظر الی اشياء من حیدہ وقد کان یجدھا عندہ من صنتہ حتی اذا فرغ القوم من طعامہم و تصرفوا قام الیہ بحیرا فقال یا غلام اسئلك بحی اللہ والعزى الاما اخبرتني عما اسئلك عنه وانما قال له بحیرا ذلك لانه مع قومه یخلفون بما فزعوا ان رسول الله صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال لا تسألني باللات والعزى شیئا فوالله ما انصت شیئا قط بغضہما فقال له بحیرا فوالله الاما اخبرتني عما اسئلك عنه فقال له سئلتی عما یبذلک فجعل لیساء له عن اشياء من حاله من قومه و هیئتہ وامورہ فجعل رسول الله صلعم بخبره فیوافق ذلك ما عند بحیرا من صفتہ ثم نظر الی ظہرہ فوئے خاتم النبوة بین کتفیه علی موضعه من صفتہ بنی عندہ (قال ابن ہشام وکان مثل اثر المحی) قال ابن اسمعی قلیما فرغ اقبل علی عمہ الی طائ فقال له ما هذا العلام منک قال ابی قال له بحیرا ما هو بابتک وما ینبغی لہذا للعلام ان یكون ابوہ حیاً قال فانہ ابن اخی قال فما فعل ابوہ قال مات واما حمی بہ قال صدقت فاجعربا بن اخیک الی بلدہ واحذر علیہ یهود فوالله لئن راوہ وعرفوا منہ ما عرفت لہ لینیئہ شرافانہ کائن لابن اخیک هذا شأن عظیم فاسرع بہ الی بلاد فہرج بہ عمہ ابیطالب سبعا حتی اقدمہ مکہ حین فرغ من تجارۃ بالشام فعملو فیما روی الناس ان ذرہیل واما ودریسا وھم نفر من اهل الکتاب قد کانوا ارضا من رسول الله صلعم وھو بحیرا فی ذلک السفر الذی کان فیہ مع عمہ ابیطالب فارادہم

نگرائی کی وجہ سے اسی وقت کے نیچے چھوڑ دیا۔ جب بحیرا نے تمام لوگوں کی مجمع پر نظر کی اور کسی کو بھی اون میں سے اس صفت کا نہیں دیکھا۔ حکم وہ پہچان چکا تھا تو کہنے لگا کہ حضرات قریش! کیا آپ کسی آدمی کو سچے چھوڑ دیا ہو اور اسکو دعوت بن شریک نہیں کیا ہو لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اون تمام لوگوں میں جس کو تم نے دیکھا ہے کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔ مگر ان ایک لڑکے کو البتہ اپنے سامان کی نگرانی کیلئے چھوڑ آئے ہیں۔ بحیرا نے کہا: نہیں ایسا نہ کہیے! اونکو بھی بلا لیجئے اور دعوت بن شریک کر لیجئے۔ اسی اثنا میں مجمع میں سے ایک صاحب اسٹے کہ لات وغری کی قسم یہ ہماری شہسہم الطیبی ہے کہ اگر اس دعوت میں حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے یتیم فرزند کو چھوڑ دین اور اسکو کھانے میں اپنا شریک نہ کریں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھٹھے اور آنحضرت صلعم کو لا کر تمام قوم کے ساتھ خوان دعوت پر بٹھلا دیا۔ جب بحیرا نے آپ کو دیکھا تو لحاظ خاص سے دیر تک خوب غور کرتا رہا اور ہر آپ کے جسم مبارک پر کچھ اشیا کو دیکھتا اور تلاش کرتا رہتا تاکہ ان کے تمام اشیا کو پا گیا۔ جب کہ وہ آپ کی صفات خاص کے متعلق خاص طور پر جانتا تھا جب تمام لوگ کھانے سے فراغت پا چکے اور وہ ہر ہر منتشر ہو گئے تو بحیرا نے آپ کا کہہ کر اسے نہ جان۔ تجھ کو لات وغری کی قسم میں دیتا ہوں کہ میں تم سے اس وقت جو پوچھتا ہوں تم اسکا پورا جواب دو۔ بحیرا نے اسوجہ سے آپ کو لات وغری کی قسمی تھی کیونکہ وہ آپ کے اہل قافلہ کو انکی قسم کھاتے ہوئے سُن چکا تھا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحیرا کا یہ سوال سکر ارشاد کیا کہ مجھے لات وغری کی قسم دیکر کوئی شے نہ پوچھو۔ مجھے کسی شے سے اتنی نفرت اور اتنا بغض نہیں ہے جتنا اٹھوں سے یہ سنگ پھرانے کا کہ اچھا تو آپ کو اب خدا کی قسم دے کہ پوچھتا کہ جو کچھ آپ نے پوچھا ہے میں آپ کو پورا جواب دینا پڑے گا یا نہیں اب جو

فردھو عنہ بحیرا و ذکرھو اللہ و ما یجدون فی الکتاب  
من ذکرہ و صفیہ و انھم ان اجمعوا لما اراد ربہ لئلا  
یخلصوا الیہ و لہم نزلھو حتی عرفوا ما قال لھم و صدقہ  
بما قال فترکوا و انصرفوا عنہ ابن ہشام عبد اللہ بن  
مطبوعہ مصر

پوچھنا ہو وہ پوچھو یہ نکر بحیرا نے آپ سے آپ کی خواب میلادی اور دیگر  
حالات وغیرہ کے متعلق سوال کئے۔ اور آپ نے اس کے مستفسر  
کے جواب اس کی معلومات کے مطابق دیے تھے جو اس کو آپ کی صفات  
مخصوصہ کی نسبت پہلے سے حاصل تھے۔ اس کے بعد اس نے آپ کے  
دوش مبارک کے درمیان مہر نمونہ کشاہ کیا اور یہ بھی ان علامات

میں داخل تھی۔ جو اس کو آپ کی صفات کے متعلق پہلے سے معلوم تھی۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ مہر نمونہ نشان حجامت یعنی کھینچنے  
کے ایسے نشان تھے۔ جب بحیرا آپ کی تلاش عادات اور مشاہدہ صفات وغیرہ سے فراغت کر چکا تو خطاب ابی طالب سے مخاطب ہوا اور  
پوچھنے لگا کہ یہ یو جوان آپ کا کون ہوتا ہے۔ ابطالاب نے کہا میرا بیٹا ہے۔ بحیرا نے کہا یا آپ کا بیٹا تو ہون نہیں سکتا کیونکہ مجھے جمال  
اس کے متعلق علم و اطلاع ہے۔ اس کا باپ زندہ نہ ہوگا۔ ابطالاب نے کہا میری بیٹی ہے۔ بحیرا نے کہا اس کے باپ لیا ہوئے۔ ابطالاب  
بوسے اونھون نے قضا کی اور ان کی ماں بھی گند گئیں۔ بحیرا نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ آپ اپنے بھتیجے کو اپنے ہمراہ لیکر اپنی  
شہر کی طرف جلد واپس جائیے اور ان کی نسبت یہودیوں سے ہمیشہ خائف رہا کیجئے۔ کیونکہ وہ لوگ اگر انھیں دیکھ پائیں گے اور یہی  
معرفت سے جس معرفت سے بن نے انھیں پہچان لیا ہے پہچان لینگے تو ان کے لئے سبت سے مفاسد پیدا کرینگے۔ کیونکہ آپ کے  
اس بھتیجے کیلئے مرتبہ عظیم حاصل ہونے والا ہے اس لئے آپ جلد انھیں لیکر بیان چلے جائیں بحیرا کے یہ کلام سن کر حضرت  
ابطالاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر سبعت تمام دہان سے روانہ ہو گئے۔ اور داخل مکہ ہو گئے جب اس  
قافلہ تجار کو شام میں تجارت سے فراغت ہوئی۔ جیسا بقول مشہور۔ اہالیان قافایہ سے۔ ندیرہ تمامہ اور دین نامی یہودیوں نے  
آنحضرت صلعم کو ہمراہی ابطالاب اس سفر میں دیکھ لیا تھا اور انھیں صفات مخصوصہ سے پہچان لیا تھا تو آنحضرت صلعم کی نسبت  
اوس وقت سے ارادہ بد کر لیا تھا۔ لیکن بحیرا نے اوپر سخت اعتراض کیا اور کہا خدا کی قسم کیا تم نے اپنی کتاب میں اس کی یہ صفات اور  
حالات نہیں پائے ہیں اور اس خیال سے کہ وہ بد بخت آپ کے ساتھ ارادہ بد کر چکے ہیں اس لئے بحیرا نے لوگوں کو اس وقت تک  
نہ چھوڑا جب تک کہ ان لوگوں نے بحیرا کے قول معرفت آنحضرت صلعم کی صداقت نہ کر لی۔ اس کے بعد وہ لوگ اپنی مفسد  
کی نیت سے باز آئے اور وہاں سے چلے گئے۔

ہم نے مضمون زیر بحث کے متعلق عربی ماخذوں کی متعدد عبارتیں نقل کر دیں صرف اس لئے کہ دنیا دیکھ کر  
اور پھر ہر تبارادے کہ ان طویل اور پر تفصیل عبارتوں کے کس مجملہ اور کس فقرے سے عیسائی مؤلفین آنحضرت صلعم کی راہ  
بحیرا سے تعلیم پانچے معنی لیتے ہیں اور اس بنا پر شبلی صاحب کو عیسائیت کی فتح عظیم کا ثبوت دلاتے ہیں۔ واقعات تو صاف  
بتلائے ہیں کہ بحیرا نے عادات انبیاء اور سیرت مرسلین کے مطابق آپ سے آپ کے ذاتی حالات و صفات کے متعلق چند مستفسر  
پیش کئے اور آپ نے اس کے تمام سوالوں کے کافی جواب دئے جنکو نکر بحیرا نے آپ کو موصوف بصفات چند انبیاء ہونا

بطور کامل یقین کر لیا اور پس۔

اتنی قلیل مکالمات اور مخاطبت سے کون بے عقل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تعلیم و تلقین یا تدریس پانے کے معنی لگا  
ہاں اگر اس قلیل مکالمات کے علاوہ بحیرہ کے ساتھ آپ کی صحبت، خلوت اور مشورت کسی کتاب میں منقول ہوتی تو عیسائیوں  
کی ان بدگمانیوں کے لئے کس قدر گنجائش ہو سکتی تھی۔ مگر بیان تو سرے سے اس خیال کا وجود ہی نہیں۔ پھر ایسے بیوقوف  
اور لاعلم خیال کی فکر کیسی اور خوف ہی کیا۔ یہ سب تو بہت متعصبانہ ہیں جو مختلف قسم کے مہیب صورتوں میں پیدا  
ہو کر قلع و قمع عالم میں عالم فریبی کے خاص عالم دکھا رہے ہیں حقیقت شناس تو اس فتح عظیم کے وسوسے کے پاس بھی  
نہیں جاتا۔ بلکہ حقیقت کی نگاہوں سے جیسا کہ ہم اوپر لکھا آئے ہیں انکی اس قیاسی فتح عظیم کو شکست کا مل بتلاتا ہے کیونکہ  
صورت واقعہ ثابت کر رہی ہے کہ عیسائیت کے اتنے بڑے عالم متبخر نے جو علم و کمال کے اعتبار سے اس زمانہ کی عیسائی  
دنیا میں اپنی مثال اور اپنا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کامل طور پر تصدیق کر لی۔ پھر تصدیق بھی کیے عیسائی  
اور کورانہ نہیں بلکہ عقائد اور عقائد کا علاوہ برہن۔ یہ تصدیق اور یہ توثیق ہی کیسے کی اور کیونکر کی۔ اس طرح کہ کتب سماویہ کے صفات و صفات  
سے مطابق کرنے کے بعد اپنی تصدیق و تحقیق معرفت کا اظہار و اقرار کیا۔ اس تحقیق و تصدیق پر بھی اکتفا نہیں کیے بلکہ مشاہدہ  
بعد تجربہ بھی کر لیا گیا۔ صبر و تحمل ابھی ابھی ابن ہشام کی عبارت سے ثابت ہوا کہ اول راہب کے ان صفات کو آپ میں مشاہدہ  
کر کے تمام قریش کی دعوت کا سامان کیا۔ لیکن ممان جب کمانے کو بیٹھے تو بحیرہ کی واقفکار اور مجاہد انکھوں نے اس  
کا تمام مجمع میں کسی ایک کو بھی نہ پایا جس کے خیر مقدم میں اس ضیافت کا خاص اہتمام کیا گیا تھا اور حقیقت حال یہ تھی کہ  
ان صفات سے موصوف اور ان خصوصیات سے مخصوص جو ذات مقدس تھی وہ اس مجمع میں کسی سیرا کے پیش نظر نہیں  
تا انیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر بلوائے گئے جب تشریف لائے تو بحیرہ کو پہرہ تمام اوصاف و خصائص نظر آئے گئے  
اسکے بعد طبری کے الفاظ میں راہب بحیرہ کا کناہنذ اسید المرسلین بعثہ رحمۃ اللعالمین انکی تصدیق رسالت اور اقرار  
نبوت کا کامل ثبوت ہے۔

بحیرہ کی یہ تصدیق نبوت الہی کامل اور جامع تھی جسکی توثیق و تطبیق قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے تو گویا راہب سیرا کی  
معرفت تمام کتب سماویہ کے مطابق تھی پھر اسکے کمال میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر اکثر علمائے اسلام نے  
اس کے سابق الایمان ہونے کی تصدیق فرمائی ہے۔ دیکھو زرقانی جلد اول تذکرہ راہب بحیرہ۔ علاوہ برہن امام المسکین فخر الدین  
رازی کی معرفت نبوت کے قرار دادہ اصول کے مطابق اگرچہ ایسے شخص نے اقرار شہادتیں بھی نہ کیا ہو۔ تاہم ایسے شخص کا  
ایمان بھی خالص ثابت ہوتا ہے اور اسلام بھی کامل (دیکھو الکلام شمس العلماء مولوی شعبلی مطبوعہ حیدر آباد)  
بحیرہ کے اقرار نبوت کے بعد اسکا اعلان بھی مرقومہ بالا مشاہدہ تاریخی سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت مطالب

آنحضرت کی شان عظیم سے آگاہ کرنا۔ اور صبر سے فوراً ہی مکہ واپس لیجانے کی تاکید شدید کرنا۔ ان شرابیوں کا جو طابہرین حجاز  
یہود کھلاتے تھے مگر حقیقت میں خونخوار تھے اور سفاک۔ آنحضرت صلعم کے متعلق ارادہ بد کرنا۔ بکیر کا آنکے مفسدوں پر انکو ہرگز  
کرنا اور انھیں کی کتابوں سے اونکو محفل کرنا۔ یہ سب کباتھا۔ نبوت کی سچی پہچان تھی اور رسالت کا نمایان اعلان موجود  
صورت حال کو دیکھ کر اور پڑھ کر ہر شخص بتا سکتا سمجھ لے گا کہ اس عالم نصرانی کے موجودہ طرز عمل نے نصرانیت کی حقانیت پر  
محمویت کا قلم پھیر دیا اور عیسائیت کو شکست کا مل پہنچا کر صداقت اسلام کی فتح عظیم کا اعلان عام کر دیا ہے۔  
مسیحی مصنفین کی خاص عادت ہے اور عیسائی متہذبن کا قدیم طرز تحریر کہ وہ اسلام کی نقل واقعات میں طرح طرح کی  
قلم کاریوں سے کام لیتے ہیں اور اپنے غویانہ غرض و مقاصد سے آنکے غلط معانی لگاتے اور خلاف مطلب بتلانے میں ذرا  
بھی شرم نہیں کرتے۔ جیسا کہ راہب بکر کی حقیقت حال سے منکشف ہوا۔

اس بحث طولانی کے خاتمہ میں ہم کو اتنا اور تبادلا دینا ضروری ہے کہ شبلی صاحب ہوں۔ یا سر سید احمد خان۔ ان حضرات  
کا اس واقعہ کے وجود ہی سے انکار کرنا ایک بیکار کوشش ہے۔ کیونکہ ایسے صریح انکار سے مؤرخین اور محدثین اسلام پر کیا منحصر  
موضوعیت اور کذب افتراء کا التزام سمجھیں تکسا پہنچ جاتا ہوا و تعرضین کی نگاہوں میں اسلام کے ایسے مستند اور متبحر علماء و محدثین  
کی بے اعتباری اور غلط نگاری ثابت کرتا ہر جنکی تابغات اور تصنیفات کے اعتبار پر اصول اسلام کے ذکر کی تیز زہندی  
منحصر ہے۔ ایسی حالت میں یہ تر وید نگاری تمام کتب حدیث و صحاح کی کساد بازی کر دیگی۔ حالانکہ انکی خطا ذرا بھی ثابت نہیں واقعہ  
صحیح ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں مگر خوش قسمتی سے عقیدت مندوں نے جو جوڑ لگا یا ہے۔ وہ ایسا بے موقع اور بے تکا ہے  
کہ اصل و پیوند کا فرق صاف نظر آتا ہے۔ یہ اہل صحاح کی سادہ لوحی ہے یا اپنے اصول اور طریقہ کی پابندی کہ اس عیب کا  
آج تک نکال نہ سکے۔

اب رہا یہ امر کہ اس واقعہ کے سر پر موضوع ہونیکے متعلق شبلی صاحب نے صحیح ترمذی کا قول بتا کر بخ طبری کے رواۃ کی  
جرح و قبح تفسیل و تحلیل قائم کی ہے۔ وہ سب دو راز کا راور بیکار کا طومار ہے۔ خود شبلی صاحب نے سیرۃ النبی کے جلد اول و جلد  
دوم بہت سی ایسی حدیثیں مندرج کی ہیں جو مراسل کیا غریب۔ احاد و ضوفا میں داخل ہیں۔ اور ان کتابوں سے براہ جوالے  
دیے ہیں جو تمام اقسام کی حدیثوں پر حاوی ہیں۔ ہم تو شبلی صاحب کے اس محققانہ اور معتد انہ احتیاط کے اسوقت قائل ہوتے  
جب ہم دیکھتے کہ آپ نے ایسی کتابوں کو اپنا ماخذ نہ بنایا ہو شبلی صاحب کو سمجھنا چاہیے کہ ان کتابوں پر منحصر ہیں۔ ایک مذہبی کیا  
تمام کتب صحاح احادیث مراسل سے پر ہیں شبلی صاحب اگر صحاح میں صرف صدوق و مرقوق کی تنہا شرط قائم کر دیں گے تو  
اس معیار پر نہ بخاری بخاری ہیگی اور نہ مسلم مسلم۔ چونکہ ہم اس بحث کو کسی قدر اوپر لکھ آئے ہیں اسلئے ہمیں زیادہ طوالت بیکار ہے۔  
باقی رہا شبلی صاحب کا یہ کہنا کہ ابو موسیٰ الاشعری طبری کے ایک سطر لفظ کا آخر راوی ابو موسیٰ الاشعری چونکہ شریک واقعہ  
میں تھا اسلئے اسکا قول قابل قبول نہیں یہ آپ کا وہم ہے جو سر سید کی طویل حسن خدمت کا غرض ہوا ہے۔ انکو بھی خطبات کا کثر



مقامات میں ایسے ہی تو بہت پیش آچکے ہیں۔ اختراض پہلے دونوں حضرات کو اپنی تعریض کی حقیقت اور مطابقت قائم کر لینی تھی اور وہ کسی طرح قائم نہیں ہو سکتی۔ ظہور رسالت کے واقعات جو صحابہ کی زبانی مرقوم ہیں۔ انہیں آپ حضرت انکی ذاتی شرکت کی تلاش کیونکر کر سکتے ہیں اور انکی شرکت کو کیسے پاسکتے ہیں حضرت ابو بکر کے لیے قدیم صحابہ کی شرکت کو ابھی ابھی آپ نو موضوع و مجہول ثابت کر چکے ہیں اور حقیقتاً ہے بھی ایسا ہی۔ تو بھرا ابو موسیٰ الاشعری اور دیگر متاخرین صحابہ کی شرکت کی تلاش تو ایک کھوئی ہوئی عقل والے کا کام ہوگا حضرت ابو بکر مذکورہ بالا واقعہ میں اگر شرکت نہیں تھے تو پھر تو ضرور ہو چکے تھے اس لیے انکا اس واقعہ کا ذکر کرنا اگر یہ عقلاً مستبعد ہوگا مگر محال و ناممکن نہیں ہو سکتا۔ لیکن انکے ذکر شرکت پر ایسا شدید انکار کیا گیا تو پھر اس واقعہ میں ابو موسیٰ الاشعری کے ایسے متاخرین صحابہ کی تلاش شرکت تو اپنے معیار سے خود انکار کرنا ہوا۔ اس لیے شرکت واقعہ کی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ ہاں آپ کو اس کے پوچھنے کا حق ضرور حاصل ہے کہ ابو موسیٰ نے کس سے سنا، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عالمان احادیث اور امان مرویات نے قول صحابہ کو اتنی اہمیت اور عظمت دیکر نقد احادیث کے اصول میں صاف لکھ دیا ہے کہ مرسل صحابہ صحیح ہیں اور معتبر تو ایسی حالت میں اس مستفسرہ کا حق بھی آپ کو مشکل سے حاصل ہو سکتا ہے افسوس ہے کہ ہم اس بحث کو اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتے اور اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔

راہب بھارت کا واقعہ اسلام کی صداقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا معیار عظیم ہر حمتہ الامین کی صفات قدسیہ اور سید المرسلین کے کمالات نبویہ کے متعلق اس عالم انصرانی کا اقرار۔ اعتراف اسکی تصدیق و توثیق حقیقت میں اصل اسلام کی بنیاد کو ایسی مستحکم اور سنوار کرتی ہے جو نصرانیت اور یہودیت کے بڑے بڑے زور آزمایہ پھلوانوں کے ہلانے نہ ہو سکتی ہے نہ گرائے کر سکتی ہے۔ عیسائیوں کی دراصل یہ کمزوری ہے اور ان کے اصول کا حقیقی ضعف جو اسلام کی ایسی عظیم شان فتح کو صرف عالم فریبی کی غرض سے عیسائیت کی کامیابی بتلاتے ہیں۔ یہ ان کا ایسا غلط دعوے ہے جو عقل سے ثابت ہو سکتا ہے نہ نقل سے۔

ہم کو آخر میں یہ بھی بتلانا ضروری ہے کہ مؤلفین اسلامی سے اس واقعہ کی نقل و اندراج میں غلطی بھی واقع ہوئی ہو اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ محدثین سے زیادہ مؤرخین کا طبقہ اس کے لیے زیادہ جواب دہ ہو۔ وہ غلطی یہ ہے کہ بھارت کے واقعہ کو تمام مؤرخین اسلامی نے عموماً واقعات تاریخی کے سلسلہ میں بیان کیا ہے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ انکے نزدیک یہ واقعہ اہل بیت میں پیش آیا جب سن مبارک بارہ تیرہ برس کا ہو چکا تھا۔ اس بنا پر تمام تاریخوں نے ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہویں سال کے تفصیلی حالات میں اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے۔ مؤرخین کو اس کے نقل سے پہلے اسکی اصلیت اور مناسبت پر لحاظ کرنا چاہی تھا۔ ہر کو اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ واقعہ آپ کی عمر کے بارہویں سال میں واقع ہوا لیکن سوائے اس تعلق اور مناسبت کے اس واقعہ کو آپ کے ذاتی حالات سے جو سیرت کا نہ اصل موضوع ہے اور نہ مقصود۔ کوئی علاقہ اور وسطہ نہیں۔ اس واقعہ میں جس قدر حالات ہیں وہ آپ کے صفات و علامات نبوت وغیرہ کا انکشاف کرتے ہیں۔ اسکی کیا باطل

صحیح ہے کہ اس واقعہ کے نقل و ذکر کا یہ مقام نہیں تھا۔ بلکہ اسکو اعلان نبوت اور اظہار رسالت کے قریب جگہ دینی چاہی تھی اور نبوت کی پیشینگوئیوں اور سلسلہ بشارت میں انکو قلمبند کرنا بہتر تھا۔ لیکن بائیمہ یہ مقامی نامناسبیت اس واقعہ کی موضوعیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ مورخین نے چونکہ عام طور سے اپنی بشارت کو وقوعات قبل از ولادت سمجھ کر اپنی اپنی تالیفات میں بہت کم بیان کیا ہے اور اپنی موضوع تالیفی سے زیادہ گھبراہٹ اور ایک حد تک صحیح سمجھا ہے۔ اسلیے ہوا تو آپ کی صغیر ہی کے حالات میں نقل کر دیا ہے۔ مگر وہ نقل بھی اسی حد تک جس حد تک اسکی صلیت ہے اور وہ اتنی ہی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات میں بحیرہ کی نبوت و رسالت کے وہ تمام صفات علامات جو اپنی کتب صحائف میں اسنے پڑھے تھے تمام و کمال مشاہدہ کیے۔ خود انکی تصدیق کی اور دوسروں سے کرائی۔ مورخین اسلام کا اس واقعہ کے نقل و ذکر سے صرف اسی قدر مدد تھا۔ اور اسکی حقیقت اور صلیت بھی اتنی ہی تھی عیسائی منصفین کی دیانتداری اور حقیقت نگاری کا مقتضایہ یہی تھا کہ اس واقعہ کو وہیں تک محدود رکھتے جہاں تک انھوں نے اصل ماخذوں میں پایا تھا جیسا کہ مولیٰ شبلی صاحب بتلا آئے ہیں۔ اور منشاء دیانت و عدالت یہی تھا کہ اسکے مقاصد و مطالب میں مغویانہ قلم کاریوں سے کام نہ لیتے۔ تو اہل اسلام کو انکے ان تحریفانہ طرز عمل کی تنقید و تردید کی بھی ضرورت نہوتی لیکن مقتضائے طبیعتش نہایت کہ مطابق انکے متعصبانہ نفسانیت کے اس موقع کو اپنی عالمگیر قلم کاریوں کے لیے غنیمت سمجھا اور اس سے وہ لافنی اور اھل معنی و مطالب کا لے جنگوہ حقیقت سے دھڑلہ ہر اور نہ اصلیت سے سروکار۔

مرقومہ بالا واقعات سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابی طالب حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر اس مقام سے واپس چلے آئے اور اپنے جاگروٹہ کی حفاظت جان کے مقابلہ میں مال تجارت کے نقصان یا اصل سرمایہ کے نادان کا کوئی خیال اور کوئی پروہ نہیں کی قریش کا یہ سالانہ تجارتی قافلہ تھا اور ہمیں ان کے قدیم دستور کے مطابق تمام قبل ہشار کے اکابر و عمائد میں شامل تھے۔ یہاں تک کہ ابیطالب کے سوا عبدالمطلب کے اور صاحبزادے بھی شامل تھے۔ ہجرانے جناب سالک صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و نگرانی کے متعلق جو کچھ کہا تھا اور تائید کی تھی وہ ان سب کے سامنے کی تھی۔ اور نیز آپ کی ذات میں نبوت و رسالت کے جو صفات و علامات پائے تھے انکا اعلان کیا تھا۔ وہ سب مقابلہ میں کیا تھا۔ لیکن ہجرت کی اس صلاح و تاکید کا جو کچھ فرمایا وہ صرف حضرت ابیطالب کے قلوب پر اور کسی نہیں۔ یہاں تک کہ عبدالمطلب کے اور بیٹوں سے کوئی صاحب اتنا بھی مؤثر نہوئے کہ تجارت کے کاروبار میں چند دنوں بھائی بھتیجے کو بصرے سے مکہ تک پہنچا دین بیطالب اسکی صلیت کو خوب سمجھتے تھے۔ اسلیے اسکی نسبت نہ بھائیوں سے اصرار کیا اور نہ التماس کس لیے، اسلیے کہ وہ اپنے موجودہ منصب کی ذمہ داریوں سے خوب واقف تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ حضرت عبدالمطلب نے اس منصب کی تفویض میں تمہیں اختیار کی اور اس ودیعت الہی کی حفاظت و نگرانی کے لیے تخصیص جاری فرمائی جو حقیقتاً نظام مشیت کا اصلی منشاء

و مدعا تھا۔ تو پھر اسمین دوسروں کی امداد و امانت کا خواستگار ہونا نظام قدرت میں خلل ڈالتا ہر حضرت ابی طالب کی یہ جہتنامہ استقلال اور یہ پاداری اُنکے ذاتی خصوصیات و صفات کا پورا ثبوت دیتی ہے جن کی بنا پر حفاظت رسول صلعم کے منصب اعلیٰ کے لیے مدبرین قدرت نے انکا انتخاب فرمایا تھا۔ اور اُن کے موجودہ اور تیرا آیندہ طرز عمل اور حسن خدمات نے اسکے لیے اسکو پورا و موزون اور مناسب ثابت کر دیا۔

### محاسن الطوار قبل از بلوغ

اور بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن مبارک اسوقت بارہ برس کا ہو چکا تھا وہ زمانہ تھا کہ طفولیت تمام ہو رہی تھی اور شباب آغاز ہو رہا تھا۔ اس سفر کے بعد مکمل جوان ہو نیلے زمانہ تک آپ کا سفر کرنا صحیح طور پر ثابت نہیں بعض حدیثوں کی کتابوں سے بہرہی حضرت ابی طالب کا پکا شکم حیران و بارہ جانا معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ مرویات اصلاً و نقلاً وہی ہیں جو حضرت ابو بکر کی شرکت کی معتقدانہ تاویلات ہیں۔ ساور صحت سے بالکل خالی۔ بعض مورخین نے محدثین کے زیر اثر اسکو جایز نقل بھی کر دیا ہے مگر وہ اعتبار کے قابل نہیں ہیں حقیقت یہی ہے کہ اس سفر کے بعد پھر آپ نے کامل جوان ہونیکے زمانہ تک کسین کا سفر نہیں کیا اور نہ ابی طالب آپکو کبھی سفر میں اپنے ہمراہ لگئے۔ اسوقت سے لیکر جوان ہونے کے زمانہ تک آپ کی ذات بابرکات اُن محاسن صفات سے تمام علی اور رکت جو بظاہر و آشکار ہونے لگے جو عام فطرت انسانی میں نہایت کم بلکہ نہیں پائے جاتے تھے آپ کے تمام قویٰ مدرکہ سیوقست فضل و کمال کے اُس حدود انتہائی تک پہنچے ہوئے تھے جن تک انسان کا دسترس و شوار تھا۔ قولے علی۔ نظری۔ اوحسی کے کمالات سے آپکے تمام محاسن اعمال اور مکارم اخلاق واضح اور لائح تھے۔ نیک نفسی سلامت روی۔ پاکیزہ طبیعت بھر نمل سے پیدا تھے۔ شرم و حیا۔ کرم و عطا۔ نہد و اتقا۔ صبر و تحمل اور عدل و انصاف آپ کے خاص شعار و صلاہ رحم۔ ادا سے حقوق جار اور اعانت مظلوم آپ کے صفات ذاتی کے پہلی معیار تھے۔ حلم و وقار۔ تواضع۔ راست گوئی اور امانتداری آپکی فطرت صاکنہ کے حقیقی جوہر۔ غور و فکر۔ ترک علان اور استحقاق فی الحقائق۔ ترکیب طبع قدسیہ کے اصلی عنصر تھے مقدس طبیعت اچھی باتوں میں جس طرح ہمیشہ راغب و راہل رہا کرتی تھی۔ اسبطح بری باتوں سے کارہ اور فریضی تھی۔ سادگانہ و دیا نندار۔ اور صداقت شعار لوگوں سے ملنے جلنے کیلئے جتنا میلان طبیعت تھا اتنا ہی مغرور و ظالم۔ درشت خو۔ کینہ پرور۔ کج خلق اور خود غرض لوگوں کی صحبت سے احتراز و استحقاظ اختیار کیا جاتا تھا۔ ان محاسن صفات کا اسوقت سے مکہ کے تمام مقابل و اقوام پراتنا اثر تھا کہ ہر فرد بشر آپ کو ایک بڑی عظمت کی نظر سے دیکھتا تھا خلوت و جلوت کی صحبتوں میں آپ کا سکوت کم سخن اور اکثر خاموشی۔ حاضرین کے قلوب پر خاص اثر کرتی تھی۔ مجمع میں کلم کے وقت لفظ لفظ سے صحت و صداقت فصاحت و بلاغت کی اس کثرت سے گہر زری ہوتی تھی کہ کسی کو مجال سخن نہیں ہوتی تھی۔ ابن سعد نے طبقات میں ان تمام صفات کو ذیل کی عبارت میں نقل کیا ہے۔ طبری اور ابن ہشام میں بھی قریب قریب یہی عبارت درج ہے۔

و شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع ابی طالب جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عم محمد بن عبدالمطلب کی طبیعت

بِحْكَمِ اللَّهِ وَيَحْفَظُهُ وَيَحْطِطُهُ مِنْ أُمُورِ الْجَاهِلِيَّةِ  
وَمُعَابِينِهَا لِيَرِيدَ مِنْ كَرَامَةِ وَهُوَ عَلَى دِينِ قَوْمِهِ حَتَّى  
يَبْلُغَ أَنْ كَانَ رَجُلًا أَفْضَلَ قَوْمِهِ مَوْدَّةً وَاحْسَنَهُمْ خُلَفَا  
وَأَكْرَمَهُمْ مَخَالَطَةً وَاحْسَنَهُمْ جَوَارًا وَأَعْظَمَهُمْ حِلْمًا وَ  
أَمَانَةً وَاصْدَقَهُمْ حَدِيثًا وَابْعَدَهُمْ مِنَ الْفَحْشَى وَالْكَادِي  
وَمَارَى مَلَا حَيَاوًا مَسَاوِيًا أَحَدًا حَتَّى سَاهَ قَوْمَهُ  
**الْأَمِين** لِنَا جَمَعَ اللَّهُ مِنَ الْأُمُورِ الصَّالِحَةِ فِيهِ  
فَلَقَدْ كَانَ الْغَالِبَ عَلَيْهِ بِمَكَّةَ الْأَمِينُ وَكَانَ ابْنُ طَالِبٍ  
يَحْفَظُهُ وَيَعِضُدُهُ وَيُنْصِرُهُ إِلَى أَنْ مَاتَ صِرَ

و نگارنی بین جوان ہو گئے۔ پروردگار عالم نے ہر طریقہ سے آپ کی  
تائید کی۔ اور تمام جہالت تمام معائب و مناقصہ سے محفوظ و مصون  
رکھا کیونکہ ان کرامتوں سے ارادہ مشیت میں آپ کی قوم کو بنداری  
کے طریقہ پر لاتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ ان تمام محاسن صفات ارادت  
ہو کر سن بلوغ تک پہنچے تو تمام قبائل و اقوام میں باعتبار اعلیٰ مرتبہ  
کے افضل ترین۔ حسن اخلاق میں نیکو ترین۔ باہمانہ و مہربان  
اکرم ترین۔ حرم و امانت میں اعظم ترین اور تقریر و بیان میں صادق ترین  
تھے۔ ایذا رسانی۔ فحش زبانی اور دیگر افعال ذمہ دہر کہنے والے لوگوں سے  
زیادہ علحدہ رہنے والے اور ہمیشہ پرہیز و احتیاط اختیار کرتے ہوئے تھے

کسی شخص نے آپ کو تند مزاج اور تلخ کلام نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ تمام قوم قریش اور باشندگان مکہ نے اس وقت سے آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کو الامین کا خطاب دیا اور حضرت ابیطالب برابر آپ کی حفاظت و نگہبانی۔ اعانت اور نصرت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ انتقال  
**حرب الفجار من شرک** جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بیس برس کی ہوئی تو عرب کی یہ مشہور و معروف لڑائی ہوئی  
ہوئی۔ جو ایام جہالت کا آخر معرکہ تھا یہ جنگ بھی اہل عرب کے نامی و سلسلہ جنگ کی ایک لڑائی تھی  
اور ایام جہالت میں مردم آزمائی اور خونخواری کی ایک زندہ مثال۔ یہ لڑائی قبیلہ قریش اور قبیلہ قیس کے فیما بین ہوئی تھی۔ سبب جنگ  
ابن سعد ان القاطین تبتلے ہیں۔

كَانَ سَبَبُ حَرْبِ الْفَجَارِ أَنَّ النَّمَانَ بْنَ مَنْذَرٍ بَعَثَ إِلَى  
لَهُ إِلَى سَوَاقِ عَكَظٍ إِلَى التِّجَارَةِ وَاجَادَهُ هَالَهُ الرِّجَالُ  
عُرْوَةَ بْنَ عَيْنِيٍّ بَنَ جَابِرِ بْنِ كَلَابٍ فَزَلَّ عَلَى الْمَاءِ  
يَقَالُ لَهُ أَوَادَةُ فَوُثِبَ الْبَرَاضُ بْنُ قَيْسٍ حَدِيقِي بَكْرٍ عَيْنٍ  
مَنَاةَ بْنِ كَنَانَةَ وَكَانَ خَلِيعًا صَالِي عُرْوَةَ فَقَتَلَهُ وَهَمَّ  
إِلَى خَيْبَرَ فَاسْحَفَى بِهَا صِرَ  
اور بھاگ کر خیسبر میں جا چھپا۔

حرب الفجار کا سبب یہ تھا کہ نعمان ابن منذر اپنے جانوران باربرائی  
پر سامان تجارت لیکر عکاظ کے میلہ میں تجارت کی غرض سے آیا تھا ان  
جانوران باربرائی کو عروہ ابن عینیہ نامی شخص نے جو بنی کلاب کے  
قبیلہ سے تھا لاپہ لیا اور ان کو لیکر ایک پانی کے چشمہ پر جو اوداع  
نام سے مشہور تھا۔ اوتار۔ براض ابن قیس نے جو قبیلہ بنی بکر کا ایک  
آدمی تھا اور قوم و قبیلہ سے نکالا ہوا تھا عروہ کو غافل پا کر اڑا لیا

جنگ کا سبب تو یہ تھا۔ اثر یہ ہوا کہ قریب قریب تمام قبائل و عشائر جہالت کے قدیم دستور کے مطابق آپس میں گتہ گتہ  
قتل و قصاص کا معاملہ تھا اس لئے طرفین سے تحمل و سکوت اور واگداشت قطعی ناممکن تھی۔ عروہ کے قتل کی خبر جب عکاظ کے  
میلہ میں پہنچی جو اس وقت تمام قبائل و عشائر کا مرکز تھا۔ تو اس خبر کے سنتے ہی قریش اور ان کے حلیف اور طرفدار قبائل نے بنی کنانہ



کا ساتھ دیا اور بنی قیس سے عودہ کا قصاص طلب کیا۔ قریش نے بنی قیس پر صرف یہی الزام نہیں لگایا تھا بلکہ ایام حرم میں خونریزی کرنے سے انکو قومی مجرم بھی قرار دیا تھا۔ قریش بنی کنانہ اور انکے معاون قبائل عودہ کے خون ناحق سے استفادہ متاثر ہوئے کہ وہ سب کے سب عکاظ کے میلہ سے اپنا اپنا مال تجارت واپس لیکر مکہ چلے آئے اور بنی قیس سے مقابلہ و مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ بنی قیس بھی عرب تھے۔ وہ کیون و بنے لگے بالآخر جانہیں سے مقابلہ ہو ہی گیا۔ اور سخت محروک پڑا اور بڑی خونریزی ہوئی چونکہ امین تمام قریش کے قبائل داخل تھے۔ اس لئے بنی ہاشم بھی شریک تھے۔ اور اپنے اعمام کے ساتھ جہانگیر اللہ بھی علیہ وآلہ السلام۔ میدان کارزار میں بنی قیس کو قریشیوں پر دوہرے غلبہ حاصل رہا۔ مگر دوپہر کے بعد قریش نے بنی قیس کو زیر کر لیا۔ اور آخر کار لڑائی جانہیں سے صلح پر تمام کر دی گئی۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معرکہ میں اپنی شرکت کا خود ذکر فرمایا ہے قال رسول اللہ صلعم و ذکر الفجار فقال قد حضرتہ مع عمو متی۔ میں اس معرکہ میں اپنے اعمام کے ساتھ شریک تھا۔ اس معرکہ میں آپ کی شرکت کا سبب اول تو یہ تھا کہ قریش حق پر تھے اور ایک خون ناحق کے طالب قصاص۔ اس سبب اذکار یہ طرز عمل ہر نصف فراج اور عدالت شخص کے نزدیک پسندیدہ تھا اور مناسب دویم یہ کہ اپنے قبیلہ کی عظمت و اقتدار اور امر حق میں اپنے بزرگوں کی حمایت و نصرت بھی ضروری تھی۔ وقت اور موقع کی ان ناگزیر ضرورتوں نے آپ کو اس معرکہ میں شریک ہونیکے لئے تیار کر دیا تھا۔ اور آپ کی شرکت اپنی اعمام کی حمایت و نصرت تک محدود تھی جیسا کہ ابن ہشام قول رسول م سے صاف طور سے ان الفاظ کی تصریح کر دی ہے۔ کنت اقبل علی اعمامی ای ما رد عنہم بل عدوہم اذا ہوا ہمد بھا میں اپنے اعمام کی طرف سے میرا چلانا تھا۔ یعنی اوتروں کو رد کرتا تھا جو میرے اعمام پر انکے دشمن چلاتے تھے۔ اس قول مبارک کی بنا پر اس جنگ میں آنحضرت صلعم کا طرز عمل بالکل مدافعت نہایت ہوتا ہے نہ مخاصماتہ۔ اور حقیقت میں جس طرح جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض اپنے اعمام کی نصرت و حمایت کی ضرورت سے اس لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔ اوسم طرح بنی ہاشم بھی قریش کی قرابت اور باخود ہا کے مراسم کے لحاظ سے شریک جنگ ہوئے تھے۔ ورنہ اصل محاصمت بنی کنانہ اور بنی قیس کی تھی۔

امام سہیلی نے ابن ہشام سے زیادہ تفصیل کے ساتھ تصریح کر دی ہے۔

|   |  |
|---|--|
| <p>وَأَمَّا الْقِتَالُ فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ<br/>أَعَامَهُمْ فِي الْفَجَارِ وَقَدْ بَلَغَ مِنَ الْقِتَالِ لَا تَهْكَاهُ كَانَتْ<br/>حَرْبُ فَجَارٍ وَكَانُوا أَيْضًا كُلُّهُمْ كَفَّارًا وَلَمْ يُؤَدِّ<br/>اللَّهُ لِمَنْ أَنْ يَقَاتِلَ إِلَّا يَكُونُ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعَلِيَا<br/>إِيمَانُ كَلِمَةِ اللَّهِ هِيَ الْعَلِيَا</p> | <p>جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اعمام کا ساتھ دیکر<br/>اس جنگ میں شرکت نہیں کی۔ باوجودیکہ آپ مقابلہ اور مقاتلہ کے<br/>میں تک پہنچ چکے تھے۔ اس کا باعث یہ تھا کہ یہ جنگ ایام حرم<br/>میں واقع ہوئی۔ جو سبب یہ تھا کہ جانہیں کفار تھے۔ اور اہل<br/>ایمان کے لئے تو صرف اعلائے کلمۃ اللہ کی تنہا غرض سے دہشت بقبضہ ہونیکا حکم ہے۔</p> |
|---|--|

حرب الفجار کی وجہ یہ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ جنگ ایام حرام میں واقع ہوئی۔ اور یہ وہ ایام مخصوصہ

تھے جن میں جمالت اور اسلام دونوں زبانوں میں عام طور سے جدال و قتال فوج کشی اور خونریزی وغیرہ قلعی ممنوع تھی ایسی بنا پر اس جنگ کا نام حرب الفجار رکھا گیا۔

**حلف الفضل کے معاہدے میں شرکت** حرب الفجار کا فیصلہ طرفین کی مصالحت سے ہو گیا۔ مگر کوئی زمانہ ہو نیک و بد بیدار ہو رہا وہ طبیعت والوں سے خالی نہیں رہتا۔ اس لئے حرب الفجار سے اہل مکہ کی درد مند اور انصاف پسند طبیعت والے بے حد متاثر ہوئے اور ان میں سب سے زیادہ اثر لینے والے بنی ہاشم تھے۔ ابن سعد نے انکی تفصیل کی کامل تصریح کر دی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں لا نعلموا احد امسبق منی ہاشم هذا الحلف میری تحقیق میں بنی ہاشم پر کسی فرد واحد کی سبقت اس معاہدے میں ثابت نہیں ہوتی کفالت ج ۱ ص ۸۲۔

اس معاہدے کا خیال بنی ہاشم میں سب سے پہلے زبیر بن عبد المطلب پیدا کیا۔ اور اسکی وجہ یہ ہوئی کہ حرب الفجار میں بنی قریش بنی کنانہ کے قتل و خونریزی کو دیکھ کر ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم سے کم مکہ سے ایسے مرکزی مقام کو تو عرب کی سفاک اور بیدار گروہ کے حملات سے محفوظ رکھنا ضرور ہے۔ لیکن یہ استحفاظ باہمانہ اتحاد کے معاہدے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا۔ اس غرض سے زبیر بن عبد المطلب نے دیگر اکابر و عمائد قریش کو اس تجویز میں اپنا ہتھیال مار کر کلام بنایا طبقات میں انکی تجویز و تدبیر کی عملی صورت ان الفاظ کیا تو مکمل کی کہ کان حوب الفجار فی شوال وهذا الحلف فی ذی القعدة | جنگ فجار شوال میں واقع ہوئی اور حلف الفضل ذی قعدہ میں وکان اشرف حلف کان قط اول من دعا الیہ الزبیر | یہ معاہدہ تمام سابق معاہدوں سے اشرف و افضل تھا سب سے پہلے اس

۱۔ شبلی صاحب نے بڑی خصوصیت کیا ہے کہ حرب الفجار میں زبیر بن عبد المطلب نے قریش کا پس اور سپہ سالار اعظم حرب ابن امیہ جو ابوسفیان کا باپ اور امیر معاویہ کا دادا تھا سپہ سالار اعظم کے خطابانی الفاظ موٹے قلم سے لکھے گئے ہیں زبیر بن عبد المطلب کی کوئی معرفت نہیں کرائی گئی ہے اور حقیقتاً کوئی ضرورت بھی نہیں تھی لیکن قریش کے سپہ سالار اعظم حرب ابن امیہ کی کامل تفصیل و تفصیل سے معرفت کرائی گئی کہ آپ ابوسفیان کے والد ماجد اور امیر معاویہ صاحب کے جد امجد۔ اس مخصوص تفصیل سے جو آپ کی غرض تھی وہ ہم سمجھ گئے آپ کی اتنی خامہ فرسائی وہی بنی امیہ کی خیر خواہی ہے۔ اور وہ اس غرض سے ہے کہ آپ سیوخت کو بنی ہاشم پر بنی امیہ کی ایک گونہ حکومت و امارت قائم کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ کے اس مصنوعی اقتدار کی حقیقت کا انکشاف تو عنقریب ہم اپنے مقام پر کرینگے لیکن بیان اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ آپ کے مدوح ذمی اقتدار حرب الفجار کے سپہ سالار تھے۔ انکی ذمی اقتداری کی شان تو یہیں سے ثابت ہوتی ہے۔ اب رہی بنی ہاشم کی امارت وہ شرکت رسول صلعم کو جب سے نعوذ باللہ جس طرح ذات سرور کائنات پر لازم آتی ہے ویسے ہی سائر بنی ہاشم اور جمیع قریش پر اگر اس توضیح سے آپ کا یہی مقصد ہے تو خدا آپ کو مبارک کرے ہم نہیں سمجھتے کہ اس تصریح و توضیح سے بانی معرفت سے بنی امیہ کی کون سی غلط ثابت ہوئی۔ جب خود شبلی صاحب امام سہیلی کی اس عبارت سے کانت حرب فجار وکانوا ایضا کفار کفاراً یہ حرب فجار تھی کیونکہ جانیہیں سے کفار تھے۔ اسکی حقیقت کو دیکھا چکی ہیں اور خدا کفر و جاہلیت بتا چکے ہیں شبلی صاحب کے یہ حلف مگر کسی کفار کے سپہ سالار اعظم بننے یا کسی کافر سلطنت اور مشترک حکومت شہر یا علم ہو تو اس سوال اسلام یا ارباب بیان کسی مرد عورت یا عین کے مولف سے یاد اور حیدر بنی

عبد المطلب فاجتمعوا بنوا هاشم وزهرة وثيم وزهراء  
عبد الله بن جدعان فصنع لهم طعماً ما فاعادوا  
تعاهدوا بالله العاقل فتكون مع المظلوم حتى يرد  
اليه حقه طبقات ص ۸۲

معاہدے کی زیر بن علی المطلب نے ابتدا کی اور لوگوں کو اس کی دعوت کی بنی بنی  
زہرہ اور تھیم اس معاہدے کی فرض عبد اللہ بن جدعان کے مکان میں جمع  
ہوئے پہلے حاضرین کی ضیافت کی گئی پھر بنی مہاجرین مجوزہ کا انتقال کیا  
اور خدا کو درمیان دیکر فیما بین معاہدہ کیا کہ وہ لوگ مظلومین کی طرف سے ظالمین

کے ساتھ اس وقت تک متعلقہ رہیں گے جب تک کہ ظالم اپنے مظلوم کی دیت و معاوضہ مظلوم کو نہ دیرے۔

اس معاہدے میں بنی ہاشم کے فرد واحد۔ بلکہ ان سب کے مایہ افتخار بنو نیک حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی  
شریک تھے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

ما احب ان لی بحلف حضرتہ فی دار عبد اللہ بن جدعان  
حمر النعروانی اعلیٰ منہ ہاشم وزہرہ وثیم وتخلفوا  
ان یكونوا مع المظلوم ولو وجعت به لاجبت وهو  
حلف الفضول طبقات ص ۸۲

اوس معاہدے کے عرصہ میں جو دار عبد اللہ بن جدعان میں منعقد ہوا تھا اور  
بنو ہاشم۔ بنو زہرہ اور بنو تھیم نے اس امر پر قسم کھائی تھی حلف ادا کیا تھا  
کہ وہ مظلومین کی اعانت و حمایت کیا کریں گے مجھے سزا دینا ہے اور ان بھی  
دینے جائیں تو میں نہ لون اور آج بھی اگر ایسے معاہدے کیلئے مجھے کوئی

بلا کے تو میں حاضر ہوں وہ معاہدہ حلف الفضول تھا۔

یہ امر بھی ضرور بتلا دینے کے قابل ہے کہ حمایت مظلوم کے اس معاہدے میں صرف بنو ہاشم بنو زہرہ اور بنو تھیم ہی شامل  
بنو امیہ کا نام کسی تاریخ سیرت حدیث کی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ اس سے ہر شخص بلا تامل سمجھ لے گا کہ شبلی صاحب کا ابھی بھی تلبایا  
ہوا اثنا بڑا ذی اثر اور مقتدر قبیلہ اخلاق میں کتنا کمزور اور مظلوم کا کیسا خوگر تھا جو باوجود اس کے کہ اوس معرکہ میں فرج قریش کا سپہ سالار  
اعظم تھا لیکن اس سے نہ کچھ متاثر ہوا اور نہ بعد اس کے قوم کے اس معاہدے میں شریک ہوا بلکہ اپنی جمالت پسند فطرت اور جفا  
طبیعت کے یہ اثر ہو کر استیصال مظلوم اور قتال ظلمہ وقت کے جو انتظام عدالت پسندان و ور و مندان قوم نے تجویز کیے تھے اس  
اغراض و روگردانی کر گیا۔ اور شریک نہوا۔ ان میں شبلی صاحب جس قبیلہ کی قدامت اور عظمت ثابت کرنے کی بنیاد قائم کرنا  
چاہی ہے وہ آغاز ہی سے شقاوت شعار اور مظلومین کو چوڑ کر ظالمین کا مددگار ثابت ہوتا ہے۔

جہاں تک تحقیق کیا گیا ہو اس معاہدے میں سوائے مرقومہ بالاتین قبائل قریش کے کوئی دوسرا قبیلہ داخل نہیں تھا۔  
بلکہ قبائل دیگر ساکنان مکہ کی جگہ بیرونی قرب جو ان کے اکثر نفوس شامل تھے۔ یہ کس لئے تھا؟ اس کے کماں معاہدے میں نہ شریک  
ہوئیوں نے قبائل اپنی جنگجو طبیعت سے مجبور تھے۔ اور جہالت کے اثر سے سفاکی اور خونریزی اور ہر قسم کے مظلوم کو ہمیشہ کا پیشہ  
اور اپنی معیشت کا مستقل ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس سبب خاص سے وہ اس معاہدہ میں شریک ہونے پر راضی نہ ہوئے جو لوگوں کے  
اکتاب معیشت کے طریقوں میں سد باب ہوتا تھا۔

شبلی صاحب کی اس تحریر سے جو انہوں نے اس حلف الفضول کی وجہ تسمیہ میں قلمبند فرمائی ہے۔ ہمارے مندرجہ بالا

بیان کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔ ”اس معاہدہ کو حلف الفضول اس لئے کہتے ہیں کہ اول اول اس معاہدہ کا خیال جن لوگوں کو ہوا ان کے نام میں فضیلت کا مادہ داخل ہے یعنی فضل بن حرث، فضیل بن دواعہ اور مفضل۔ یہ لوگ بنی جرہم اور قطورہ کے قبیلہ کے لوگ تھے۔“ یہ تحریر تیار ہی ہے کہ دیگر قبائل کے لوگ تو اس معاہدے میں شریک ہوئے لیکن قریش میں سوائے تین قبائل کے اور کسی کو ہمیں شرکت کی توقع نہ ہوئی۔ جبکی وجہ صرف وہی ہو سکتی ہے جو اوپر لکھی گئی۔

لیکن شبلی صاحب نے اپنی اس تحریر میں اپنے سابق مختار سے انحراف فرمایا ہے۔ آپ کے سموذ ہول کا یہ طبر لفظ آپ کی تالیفات میں اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے۔ اس واقعہ کی ابتداء میں تحریر فرمایا گیا ہے ”جنگ فجار سے لوگ واپس پہرے تو بصر بن عبدالمطلب نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے یہ تجویز پیش کی، غرض کہ بنی ہاشم کے ساتھ اس خیال کی اولیت کا خود اعتراف فرمایا گیا ہے اور اپنا یہ اقرار و اعتراف بھی طبقات ابن سعد کے حوالے پر محمول کیا کہ جبکی اصل عبارت ہم نو نقل کرتے ہیں۔ اور جس میں آل ہاشم کا اس خیال و تجویز میں سب سے پہلے سبقت کرنا بالتصريح منبج ہے۔ پہرہ وجود اس اقرار و اعتراف کے مندرجہ بالا عبارت میں کوئی اور کس بنا پر لکھا جاتا ہے کہ اول اول اس معاہدہ کا خیال جن لوگوں کو آیا ان کے نام میں لفظ فضیلت کا مادہ داخل تھا۔ یعنی فضل بن حرث، فضیل بن دواعہ اور مفضل۔ یہ لوگ جرہم اور قطورہ کے قبیلہ سے تھے۔“ مگر ہوا کہ اسکی اولیت بنی ہاشم سے صحیح نہیں ہے بلکہ بنی جرہم اور بنی قطورہ اس کے موجد اور بنی شبلی صاحب کے ان اعتراف و اختلاف کو غور سے دیکھ کر اہل منیث آپ کی تلون مزاجی اور تعمیر طبعی کا خود اندازہ کر لینگے۔ وجہ تسمیہ جو ماوراء فضل کی رعایت سے بتلائی گئی ہے اور اسکی اصلی ماضی کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔ اور عبارت زیریں حاشیہ میں امام سیلی کے استاد جو وجہ تسمیہ بتلائی گئی ہے وہ امام سیلی کی خاص رائے ہے۔ اس بنا پر آپ کی دوسری توجیہ سے پہلی توجیہ زیادہ قریب الغم ہے۔ یہی کہ طبقات وغیرہ میں اسکی وجہ تسمیہ خاص طور پر نہیں لکھی گئی۔ متاخرین نے اپنی جہت طبعی سے قیاسی توجیہ میں قائم کی ہیں ممکن ہے کہ انہیں سے کوئی صحیح ہو لیکن ان قطعاً اعتبار دشوار ہے۔

## نزوح باحضرت خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

شبلی صاحب نے سیرۃ النبیؐ میں واقعہ نزوح کو بنائے کعبہ کے واقعہ کے بعد لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۳۷۔ آپ کی یہ کرب آپ کی ذاتی تجدید ہے۔ اور ابن ہشام، طبری اور ابن سعد وغیرہم۔ قدیم عربی مآخذوں کی ترتیب سے بالکل خلاف ہے۔ سیرۃ نزدیک ڈیڑھ ہزار برس بعد والے مؤلف کو ان امور میں مجدد بننے کے شوق سے مقلد رہنا ہی بہتر ہے۔ اس لئے ہم سیرۃ النبیؐ کی ترتیب کے خلاف اسوۃ الرسولؐ میں نزوح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ کو تعمیر کعبہ کے واقعہ سے پہلے بیان کرتے ہیں۔

حلف الفضول کے معاہدے کے وقت آپ کا بن سب سے بڑا ثامت ہو چکا ہے۔ اور آپ کی نزوح کو تمام مورخین و محدثین آپ کی پچیس برس کی عمر میں بتلاتے ہیں۔ اس مختار متفقہ کے روز سے واقعہ نزوح معاہدہ حلف الفضول کے پانچ برس



واقع ہوا۔ اور بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابی طالب کی ہمراہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے قافلہ تجارتی کو ساتھ  
مفر کیا تھا اسوقت سن مبارک بارہ یا تیرہ برس سے زائد کا نہیں تھا۔ اس بنا پر ثابت ہے کہ آپ نے بارہ برس کی عمر ہی سے مشغلہ  
تجارت کی طرف اپنی مقدس طبیعت کا میلان ظاہر فرمایا تھا۔ طبیعت ہمایونی کی یہ قدرتی اور موروثی موزونیت تھی قدرت کا نشانہ  
بالکل کھلا ہوا ہے۔ وہ یوں کہ اتنی کمسنی میں اس مشغلہ کاروبار کی طرف طبع مقدسہ کا میلان اور رجحان نمایاں ہونے لگا۔ جس  
زمانہ میں عام فطرت والے بچے سوائے کھیلنے کوونے کے ترتیب معاشرت اور تحصیل معیشت کی کسی فکر و تلاش کی طرف مائل  
نہیں ہوتے۔ موروثی یون کہ ولادت باسعادت سے ہزار ہا سال پیشتر سے آپ کا خاندان اعلیٰ اور دودمان والا۔ جو اولاً  
بنو اسماعیل اور آخر قریش کے مخصوص نام و لقب سے تمام اقطاع عالم میں مشہور و معروف تھا ہمیشہ اور ہر تجارت پیشہ ریا  
اس مشہور عالم سلسلہ میں قطعی کے وقت سے کاروبار تجارت کے فروغ یابی کی عملی تدبیریں جاری کی گئیں اور یہی باوجود  
آپ کے ہند بزرگوار ہاشم ابن عبد مناف کے زمانہ میں وہ تدبیریں کامیابی کے نقطہ کمال تک پہنچیں۔ یہاں تک کہ سلاطین غیر ممالک  
اور اقوام غیر نے بھی تجارت قریش کے راہاری اور آسانی کاروبار کے لئے معاہدے کیے اور پروانہ راہاری دیے اور اپنے قلمرو میں  
اطلاع عام کی ضرورت سے اسکے اعلان جاری کئے۔ جیسا کہ ہاشم ابن عبد المطلب کے حالات میں تفصیل سے لکھا گیا ہے اسی طرح  
مسلسل طور پر ہاشم کے بعد مطلب کے بعد عبد المطلب اور عبد المطلب کے بعد ابی طالب۔ اس سلسلہ کے تمام بزرگوار کاروبار  
تجارت فرماتے رہے اور معیشت کا وہ طریقہ اور عام ذریعہ جو ہمارے دراز سے اس سلسلہ میں چلا آتا تھا وہی اسوقت تک قائم اور متقل  
رہا۔ اس بنا پر مولوی شبلی صاحب کا یہ لکنا بالکل صحیح اور فی الواقع ہر کہ سن رشد کو پہنچنے کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ  
آلہ وسلم کو حیب فکر معاش ہوئی تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہیں آیا۔

آپ نے اپنے اس موروثی مشغلہ کی ابتدا اپنے خاص اور تنہا سرمایہ سے نہیں کی۔ بلکہ مشترکہ سرمایہ سے۔ اسکی خاصیت  
خاص سرمایہ کی کمی تھی اور یہ بالکل ظاہر تھی اسلئے کہ نہ حضرت عبداللہ کوئی ایسا سرمایہ چھوڑ گئے تھے اور نہ حضرت ابی طالب  
اپنی کثیر العیالی اور خرچ عیال داری کی مجبوریوں سے کسی علیحدہ اور کافی رقم کا ادھر اضافہ کر سکتے تھے۔ ان دونوں کی وجہ  
سے مشترکہ سرمایہ سے آغاز تجارت کا طریقہ اختیار فرمایا گیا اور یہ نہایت آسانی سے قائم ہو گیا۔ اس لئے کہ اسوقت یہ دستور جاری  
تھا کہ سہولیت کی غرض سے اکثر لوگ اپنا سرمایہ کسی امانتدار اور ہوشیار شخص کو تجویز کر کے سپرد کر دیتے تھے۔ منافع میں اسکو  
اپنا سہم بنالیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارت کے مشغلہ کو اسی طریقہ سے شروع کیا اور لوگوں نے بھی  
آپ کے ساتھ معاملت کو بے غلیظ طریقہ قبول کر لیا۔ کیونکہ ہر شخص آپ کی دیانت امانت اور صداقت کا تجربہ کر چکا تھا۔  
شبلی صاحب نے آنحضرت صلعم کے حسن معاملت کی چند مثالیں سیرۃ النبی میں نقل کی ہیں۔ ہم بھی ان کو  
اپنے بیان کی تصدیق کے لئے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔  
عبداللہ بن ابی الجہل ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ نبی نے آنحضرت صلعم سے خرید و فروخت کا معا

کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا کچھ باقی تھا۔ میں نے کہا پھر آؤں گا۔ اتفاق سے مجھ کو تین دن تک اپنا وعدہ یاد نہ آیا تیسرا دن جب وعدہ یاد ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ منتظر پایا۔ لیکن اس خلافت و عدلیگی سے آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ صرف اس قدر فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی۔ میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔

سائب نام ایک صاحبِ جہلمان ہو کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے اونکی تعریف کی آپ نے فرمایا میں انکو تم سے زیادہ جانتا ہوں سائب نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ میرے شریک تجارت تھے لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا فکنت لا اقلاری فلا تمادی۔ نہ میرا آپ کے ذمہ نہ آپ کا میرے ذمہ کچھ باقی ہے۔ قیس ابن سائب مخزومی ایک اور صحابی تھے۔ آپ کے شریک تجارت تھے۔ وہ بھی انھیں الفاظ کے ساتھ

آپ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہیں۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۳۶ سب کے ساتھ کاروبار میں آپ کی صفائی۔ معاملات تجارت میں اوشرائط مشارکت میں شرکاء کے ساتھ آپ کی سچائی چاروں طرف مشہور ہو گئی تھی۔ امانت و دیانت کا یہ عالم تھا کہ عموماً تمام تجارت اور اہل کاروبار آپ کی خوش حالگی اور صفائی کے گرویدہ تھے۔ تجارت کی غرض سے آپ نے بصرے اور شام کا سفر کیا تھا اور پہلے انھیں دونوں مقاموں میں اسباب تجارت فروخت کر کے اپنے حریف و رقیبوں کی خوش نظمی سے کافی نفع اٹھایا تھا۔ پھر جون جیون سراہ میں ترقی ہوتی گئی سلسلہ تجارت میں بھی اضافہ ہوتا گیا شام و بصرے کے علاوہ اور مقامات میں بھی جو تجارت کے مرکز ہی مقام تھے تشریف لیکئے۔ جعاشہ کا بازار عرب میں سالانہ ملکی کاروبار اور خرید و فروخت کے لئے بہت مشہور و معروف تھا۔ تجارت کی غرض خاص سے یہاں بھی آپ کا تشریف لانا ماریخون سے ثابت ہوتا ہے۔

یہ واقعات بتلا رہے ہیں کہ کاروبار تجارت میں آپ کی صفائی اور سچائی تمام تجارت پیشہ قوم و قبائل پر کامل طور سے اثر پذیر ہو چکی تھی۔ اور ہر شخص اپنے مقام پر آپ کو اپنا کاروبار تجارت پر کرنے کا متمنی تھا انھیں لوگوں میں جناب خدیجہ بھی تھیں۔

یہ خوش قسمت اور عالی منزلت خاتون شرفائے قریش کے ایک ممتاز خاندان سے تھی۔ پانچویں پشت میں اس خاندانِ معزز کا سلسلہ نسب جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ تجارت اور کاروبار کے اعتبار سے تجارتی کاروبار میں کوئی انکا مقابل نہیں تھا طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوا تھا تو اکیلا حضرت خدیجہ کا مال تجارت تمام قریش کے مال کے برابر ہوتا تھا شبلی صاحب اس عبارت کو ابن سعد کی عبارت بتلاتے ہیں حالانکہ یہ عبارت طبقات ابن سعد کی نہیں ہے۔ بلکہ شرح زرقانی جلد اول صفحہ ۲۳۵ میں واقع ہے اور دیگر موصوفین سے نقل کی گئی ہے۔

شبلی صاحب اسی صفحہ کے زیر حاشیہ لکھتے ہیں۔ یکجا تمام حالات دیکھنے ہوں تو زرقانی جلد اول ص ۲۳۴ سے ۲۳۶ تک دیکھنا چاہیے۔ حالانکہ حالات تزویج جناب خدیجہ شرح زرقانی میں صفحہ ۲۳۸ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۴۵ میں تمام ہوئے ہیں

شبلی صاحب کی یہ سہو ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی فرنگہ گشتوں کے لئے اہل تالیف قطعی مجبور ہیں اور بالکل معقولہ کیونکہ انکی بنا بالکل ہون لوگوں کی کثیر المشغلی اور سہو النظری پر مبنی ہے جس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

ثروت و اقتدار کے اعتبار سے حضرت خدیجہؓ تمام تجار میں غنیمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ مکہ اور قریب و جوار کے تمام تجارت پیشہ قوم و قبائل کے لوگ انکے زیر اثر تھے اور دست نگر۔ عادات و اوصاف کے لحاظ سے حضرت خدیجہؓ کی پاک نفسی حسن اخلاق اور عام ہمدردی مشہور آفاق تھی۔ انھیں مجاہدین ذاتی کی خصوصیات سے ایام حیات ہی میں آپ کا لقب طاہرہ مشہور ہو گیا تھا۔ آپ کے ذاتی اوصاف کے متعلق ابن سعد ب عبارت نقل کرتے ہیں۔

وہی جو صیقل اوسط قریش نسباً و اعظم ہوشاً  
ابن ہشام اور طبری کے یہ الفاظ ہیں۔

جناب خدیجہؓ کا کبریٰ ماہرہ تھیں۔ صاحب ثروت اور اہل دولت انکی تجارت کا یہ حال تھا کہ جب قافلہ تجارت شام کو جاتا تھا تو اوسین اکیلا انکا مال تمام لوگوں کے مال کے برابر ہوتا تھا۔ تجارت آپ سے مال لیکر تجارت کیلئے

وكانت خديجة تاجرة ذات ثمن و مال كثير و تجارة  
تبعث بها الى الشام فتكون عيدها كعامه غير قریش و  
كانت تستاجر التجار ويدفع اليهم المال مضاربہ  
ليجاءت تھے اور منافع لیکر اہل سراہ واپس دیتے تھے۔

شبلی صاحب نے بھی اس مضمون کو سقیر ابنی صفحہ ۳۶ میں لکھا ہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہی حسن معاملات اور مکارم عادات حضرت خدیجہؓ کے میلان خاطر کے باعث ہوئے اور حقیقت میں منشاء قدرت کا یہ مقدمہ تھا۔ ابن ہشام اور طبری اسکی حقیقت ذیل کے الفاظ میں لکھتے ہیں۔

جناب خدیجہؓ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت بیانی اعلیٰ درجہ کی امانت دے اور اعظم ترین اخلاق کی خبریں پہنچیں تو انہوں نے خود اپنی طرف سے اس تسبیح کے ساتھ پیام بھیجا اور درخواست کی کہ آپ پر اسباب تجارت لیکر میرے غلام مسیرہ کے ساتھ شام کی طرف جائیں تو میں آپ کو اسکے معاوضہ میں اوس سے کہیں زیادہ دوں گی جو دوسرے تاجر آپ کو

فلما بلغها هن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم  
بلغها من صدق حديثه وعظم امانته وكرم اخلاقه  
بعثت اليه فعرضت عليه ان يخرج في مال لها الى الشام  
تاجرا وتعطيه افضل ما كانت تعطى غيره مع غلام لها  
يقال له ميسرة

دیتے ہیں۔ ابن ہشام ۷۶ د مصر طبری ۱۱۲۶ (جرمن)

طبقات اور مواہب لدنیہ کی عبارات سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ تعلقات تجارت قائم کر نیکی مشورت اہم طالب نے دی تھی۔ اور جب اس امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استمراج لیلیا تو حضرت خدیجہؓ نے اسکی خود تحریک و مالی۔ طبقات و زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص ۲۴۳۔ اگرچہ مندرجہ بالا عبارت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترقیب و درستی حدیث کی نسبت حضرت بیباک کے خالص مہربانہ طرز عمل ثابت ہوتے ہیں لیکن جب اسکے دوسرے پہلو پر نظر ڈالی جاتی ہے اور اہم طالب کی حیا و ہمت بے سرو

قناعت پر جو بنی ہاشم کا تمنا ہے شرافت تھی۔ خیال کیا جاتا ہے تو ابن ہشام اور طبری کے بیانات و مندرجات صحت و قناعت سے قریب تر ثابت ہوتے ہیں۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے اس پیام اور مجوزہ انتظام کو سنکر منظور فرمایا اور انکی غلام میسرہ نامی کے ہمراہ سامان تجارت لیکر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں آپ کی حسن تدبیر اور سلیقہ شعاری سے حضرت خدیجہؓ کی تجارت میں اُمید سے زائد نفع ہوا۔ میسرہ ایک زمانہ سے اپنی فزومہ کے کل کاروبار کا مختار تھا۔ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش فطرتی اور دین و دین خرید و فروخت میں خوش سلیقگی و بیکار دنگ ہو گیا۔ معاملات تجارت میں میسرہ نے آپ کی ایسی خوبیاں مشاہدہ کیں۔ جو اسنے دیکھیں کیا کبھی سنی بھی نہیں تھیں۔ کاروبار تجارت سے فراغت پا کر حب قافلہ مکہ میں لوٹ آیا تو میسرہ اپنے تمام مشاہدات جناب خدیجہؓ سے دہرا دیے۔

تمام اہل تاریخ و سیرت نے اسی واقعہ کو حضرت خدیجہؓ کے میدان خاطر کا باعث بتلایا ہے۔ اور ان کے ساتھ تعلقاً تجارت کے سلسلہ میں صرف اسنی ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر شبلی صاحب نے صحت کے ساتھ محققانہ طور پر ثابت فرمایا ہے کہ اس سے پہلے بھی جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے کاروبار میں اپنی غایت درجہ کی خوش سلیقگی حسن معاملت اور دیانت و امانت ثابت فرمائی ہے۔ انکی مفصلہ ذیل عبارت سے پورا انکشاف حال ہو جاتا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے جہان جہان آپ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا۔ ان میں جوش بھی تھی جو میں میں ہے حاکم نے متذکر میں لکھا ہے اور وہی نے بھی تصدیق کی ہے کہ جوش میں آپ دود فہ شریف لیگے اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضہ میں ایک اونٹ دیا۔ سیرۃ النبی ص ۱۳۱

ابن ہشام اور ابن سعد کی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی طرف سے ترویج کی سلسلہ خبیانی شروع کی گئی اور نفیسہ بنت ہذیل شادی کا پیام لیکر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ابن سعد ان الفاظ میں حقیقت حال کو بیان کرتے ہیں۔

|  |  |
|--|--|
| عن نفیسہ بنت مذبہ قلت کانت خدیجۃ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن ہاشم شہداء و شریف ترین خاتون تھیں اور بن ہاشم خدا ہی سے تھے                       | عن نفیسہ بنت مذبہ قلت کانت خدیجۃ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن ہاشم شہداء و شریف ترین خاتون تھیں اور بن ہاشم خدا ہی سے تھے                       |
| مع باراد اللہ بھامن الکرامۃ والخبر وہی یومئذ و سلم   | مع باراد اللہ بھامن الکرامۃ والخبر وہی یومئذ و سلم   |
| قریش نسبا و اعظمہم شرفا و اکثرہم مالاً و کل قومہا کان  | قریش نسبا و اعظمہم شرفا و اکثرہم مالاً و کل قومہا کان  |
| حریصا علی کما حھا لوقد علی ذلک قد طلبواھا و بذلوا  | حریصا علی کما حھا لوقد علی ذلک قد طلبواھا و بذلوا  |
| بھا الاموال فارسلتنی و سیسا الی محمد صلعم بعد ان اوج   | بھا الاموال فارسلتنی و سیسا الی محمد صلعم بعد ان اوج   |
| لہ جوش بالضم فیج الراے میں میں ایک شہر ہے۔ بیان کا چھڑا اور اونٹ مشہور ہے۔ عتیم ابن جریاشہ صحابی اور اسد بن عبد الملک حبشہ کے رہنے والے تھے۔ ناموس اللغات۔ | لہ جوش بالضم فیج الراے میں میں ایک شہر ہے۔ بیان کا چھڑا اور اونٹ مشہور ہے۔ عتیم ابن جریاشہ صحابی اور اسد بن عبد الملک حبشہ کے رہنے والے تھے۔ ناموس اللغات۔ |



فی غیر من الشام فقلت یا محمد ما یمنعک ان تزوج فقام  
 ما یدی ما انزوج به قلت فان کفیت ذلک ودعیت  
 الی الجال والمال والشر والکفاءة الا تجیب فی  
 ہی قلت خلیجة ووال کیف فی بذلک قالت قلت  
 قال فلما فعل فذهبت فاخبرتھا فادسلت الیہا  
 امت السامیة کن او کن او ادسلت الی عمھا عمر بن  
 لتزوجھا فحضرت داخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و  
 اللہ وسلم فی عموستہ فتوحہ احدھو طبقا برؤسہ

اے نے سامی سہی۔ اگرچہ کے لئے جناب خدیجہؓ کے تمام اسوال بھی  
 قرا تین قودہ نذر کر نیکی لئے حاضر تھے نفیسہ کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہؓ  
 شام سے قافہ تجارت کے واپس آئے تھے بعد محکم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ  
 وآلہ وسلم کی خدمت میں پیغام کھانچ لیکر بھیجا۔ میں نے حاضر خدمت ہو کر  
 عرض کی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اب اپنا بیاہ کر لینے کے لئے کون شے  
 مانع ہے۔ ارشاد ہوا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے جس سے میں اپنے بیاہ کا  
 قصد کروں۔ میں نے کہا کہ اگر میں اس امر میں آپ کی کفالت کروں اور ایک  
 ایسی جگہ آپ کی نسبت لگا دوں جو صاحب شہرت ووجاہت اور صاحب

مال و دولت بھی ہو اور آپ کی کفالت بھی کر سکے۔ تو کیا ایسی حالت میں آپ اسے قبول فرمائیں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ کون شے؟  
 میں نے کہا وہ خاتونِ محترمہ خدیجہؓ ہیں۔ ارشاد ہوا وہ کیسے اس امر پر راضی ہونگی۔ میں نے کہا کہ انکی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اچھا میں تمہارے  
 کرد کا نفیسہ کا بیان ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر رخصت ہوئی اور جناب خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسی روز نکاح مقرر فرما کر کھلا بھیجا اور اپنی چچا عمران اسد کو بھی اسکی خبر کر دی اور صبیحہؓ تزویج پورہ دینے کے لئے  
 کھلا بھیجا۔ وقت مقرر پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اعمام کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کی عصمت سرا میں تشریف لگے اور آپ کے  
 اعمام میں سے ایک صاحب نے آپ کا خطبہ نکاح پڑھا۔

مولوی شبلی صاحب تزویج کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ واپس آنیکے تین مہینے بعد (سفر شام سے) حضرت خدیجہؓ نے  
 آپ کے پاس شادی کا پیام بھیجا۔ اوندکے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن آپ کے چچا عمران اسد زندہ تھے۔ عرب میں عورتوں  
 کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں۔ اور آہیں بالغہ یا نابالغہ کی قید نہ تھی حضرت خدیجہؓ نے  
 چچا کے ہوتے خود براہ راست تمام مراتب طے کئے۔ تاریخ متعین پر ابوطالب اور تمام رؤساء خاندان جن میں حضرت حمزہؓ بھی  
 تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے۔ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ پانچ سو درم طلائی مہر مقرر پایا۔ سیرۃ النبی ص ۱۳۷  
 بالغہ کے لئے تو عرب پر موقوف نہیں تمام ممالک اسلام اور غیر اسلام میں بھی یہی حکم دستور قائم ہے۔ لیکن نابالغہ کے لئے  
 شبلی صاحب کی تعلیم نہ شرعی طریقہ سے ماذون ہے اور عقلی قرینہ سے موزون۔ کیونکہ نابالغہ میں جب تک سن رشد نہیں پایا جا سکا  
 اسکا کسی قسم کا اقرار یا اعتراف قابل اعتبار نہ ہوگا۔ اسلئے احکام شریعت اور قانون حکومت دونوں نے نابالغہ کے عقد نکاح میں  
 ولایت کی ضرورت کو مشروط کر دیا ہے اور ایسا عام دستور ہے کہ زیادہ تصریح کا محتاج نہیں اس بنا پر بالغہ اور نابالغہ کا ایک  
 حکم خیال کرنا۔ عام اس سے کہ قبل اسلام ہو یا بعد اسلام شبلی صاحب کی محبت رقی ہے۔

ابوطالب کا خطبہ نکاح | شبلی صاحب نے ابوطالب کا خطبہ نکاح پڑھنا تو تحریر فرمایا ہے مگر اس خطبہ کی عبارت نہیں

المحمد لله الذي جعلنا من ذرية ابراهيم و نريد ان يجعل  
و ضئضي سعد و عنصر مفر و جعلنا احسنه بنية و  
سواس حريمه و جعل لنا بيتا محججا و حرمنا و جعلنا  
الحكام على الناس ثم ان ابن اخي هذا **الحسين بن**  
**عبد الله** لا يوزن برجل الا **الاربع** به شفا و تبارك  
و فضلا و عقلا فان كان في المال قل و اتا المال  
و زائل و امر حائل و **الحسين** من قد عفتهم قوايته و قد  
خطب خديجه بنت خويلد و بذل لها ما اجله  
و عاجله من مالي كذا و هو والله بعد هذا له نيا  
عظيم و خطر جسيم -

جو کچھ پھر ہے ہے آپ لوگ اس کو خوب جانتے ہیں۔ اوس نے خدیجہ سے تزویج کا ارادہ کیا ہی اور اس طرح میں نے اپنے مال سے اوس کے (خدیجہ کے) مهر و مہل (رقم مقررہ) اور سابقہ مہل (رقم مهر جو بروقت ہوا کی جاو) ادا کر دیا۔ میں خدا کی قسم کما کر کہتا ہوں کہ محمد وہ شخص ہے جس کے لئے کوئی غیر عظیم اور کوئی مہتم بالشان بہرہ یا حصہ نصیب ہوتا والا ہے۔ - زرقانی ۲۲۶ - ۲۲۷

اس خطبہ کی پوری نقل و شرح کے بعد زرقانی لکھتے ہیں۔

عن الدّولابي ان ابي طالب قال وقد خطب اليكم واعبا  
 كرميتكم خديجه وقد نذل لها من الصّداق ما  
 حكم عاجلتنا عشق اوقية ذهباً  
 بأثره اوقية سوناديتا هون -

حافظ جمال الدین محدث شیرازی۔ روضۃ الاحباب میں ابطال کے یہ الفاظ تحریر کرتے ہیں۔

فدخطب ابو طالب خديجة بنت خويلد وقال لها  
الصدق اجلة وعاجلة عشرون بكبة من مالى -

ہیں اور کرتا ہوں۔ رؤفۃ الاحباب ۱۰۶۔ رؤفۃ القضا۔ خداوند شاہ سمرقندی۔ جلد سوم میں بھی یہی الفاظ مرقوم ہیں۔

ورقہ بن نوفل کا خیریکی علامہ زرقانی واقعہ ترویج کے سلسلہ میں کتاب مفتی کی سند سے لکھتے ہیں۔

ورقہ بن نوفل کا خیریکی  
طرح سے خطبہ نکاح

فی المنقۃ فلما اتموا خطبہ  
الخطبۃ تکلم ورقہ بن

نوفل فقال الحمد للہ الذی جعلنا کما افکرت وفضلنا  
کما علی عدد غنم سادۃ العرب وقاتلنا واثمنا  
ذلک کلہ لایتنک العشرۃ فضلکم ولا یؤد احد من الناس  
فخرکم وشرکم و قدر غنبا فی الاتصال بحبلکم وشرکم  
فاشهدوا علی معاشر قریش باقی قدر و جت خدیجۃ  
بنت خویلد محمد بن عبد اللہ علی اربعہا  
حینا واثمنا سکت فقال ابوطالب قد اجبت ان  
یشرکک عمہما فقال عمہا یا معاشر قریش لی قد انکحت  
محمد بن عبد اللہ من خدیجۃ بنت خویلد و شہد  
علی ذلک صنادید قریش۔

مفتی میں مرقوم ہے کہ جب ابی طالب اپنا خطبہ نکاح ختم کر چکے تو ورقہ  
بن نوفل نے یوں تقریر کی۔ وہ خدا قابل ستائش ہیں جس نے ہلوگوں کو ان  
اموات سے موصوف کیا۔ جس کا آپ (ابوطالب) ذکر کیا۔ اور ہم لوگوں  
کو وہ فضائل عنایت کئے جس کا شمار و انحصار آپ نے فرمایا ہم لوگوں  
سروار قوم عرب میں اور پیشواے قوم اور آپ حضرات ابنی ہاشم وہ  
بزرگوار ہیں جن کے فضائل سے کسی قبیلہ اور عشیرہ کو انکار ہو ہی نہیں سکتا  
اور آپ کی مفاخر و مشارف پر کسی فرد واحد کو حریفی کی جرات ہو ہی  
نہیں سکتی۔ ہلوگوں نے بطیبت طراپ حضرت کی بیوند کرنا چاہا اور آپ کے  
مشارف میں شریک ہونا قبول کیا۔ اے معاشر قریش۔ آپ حضرات کے  
گواہ ہیں کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبد اللہ کے ساتھ بیاہ  
دینا دھرم رسیاہ دیا۔ یہ گھر ورقہ خاموش ہو گئے۔ تو حضرت ابیطالب نے ان  
کا کہ میری خواہش ہے کہ آپس تصدیق و شہادت میں خدیجہ کے چچا کو

شریک کر لیں۔ یہ سن کر ان کے چچا اسد اوٹھکڑے ہوئے اور کہنے لگے اے معاشر قریش آپ حضرات گواہ ہیں کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کا کالج محمد بن  
عبد اللہ سے کر دیا۔ تمام صنادید قریش نے اس پر گواہی دی ص ۲۴۶

علامہ زرقانی اس کے بعد مفتی کے استاد سے لکھتے ہیں۔

فروح ابیطالب فرحاً شدیداً فقال الحمد للہ الذی  
اذہب عنا الکرب و رفع عنا الہوم

جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت و نگرانی اور آرام رسانی کے متعلق حضرت ابیطالب کے تعلقات اور جذبات  
کا اندازہ کرنا اور ان کو عام واقعات کی طرح پایہ ثبوت تک پہنچانا۔ اصول فطرت کے خلاف کوشش کرنا ہے۔ ہر باپ کو اپنے  
بچہ کی محبت ہونا لازماً فطرت ہے۔ اسلئے مشاہدات کا ثبوت کیا اور بدبیات پر بحث کیسی۔ حضرت ابیطالب نے اپنے خطبہ میں اپنے  
ان جذبات کو جن بلیغ اور پر مہنی الفاظ میں بیان فرمایا ہے وہ انکشاف حقیقت کیلئے کافی ہیں۔ وہ یہ ہیں محمد بن عبد اللہ  
قواتبہ محمد سے میری قرابت کو سب جانتے ہیں۔ اس سے زائد نہ کسی انکشاف کی ضرورت تھی اور نہ کسی تفصیل و تشریح کی احتیاج  
ابطالب کا وہ خطبہ نکاح جو اوپر نقل ہو چکا ہے ماسوا اسکے کہ زبان عرب کی فصاحت و بلاغت کا بی نظیر و بی مثال نمونہ ہے اور

مفاخر و مشارف بنی ہاشم اور ان کے خاندانی عظمت و وجاہت کے کمالات کا آئینہ اور حقیقتاً حضرت ابی طالب کے یہ اظہار مفاخر و خوار و خوالی اور خود نمائی کی غرضیں ہر موقع اور نامیز و نہین تھیں۔ بلکہ مناسبت وقت کے اعتبار سے بالکل مطابق کیونکہ تاجی شہنشاہ سپہین کہ جناب خدیجہ کی خواستگاری کیلئے تمام اکابر و عوام قریش اپنی مرفہ الحالی اور فارع البالی کے لحاظ و مدت سامعی تھے۔ اونکی تمنا کے خلاف اہل بیت کے ایسے متہ سطا الی شخص کے گھر میں حضرت خدیجہ کا بیٹا جانا اور اُس نسبت پر اُس خاتون ذی اقتدار کا بلا عذر و تاویل راضی ہو جانا عموماً میرت خیر اور تعجب انگیز تھا خصوصاً عمائدین و اکابرین قریش کے اُسی طبقہ میں اسکے باعث اور وجہ کی تلاش و امتگیہ تھی۔ جو حصول مدعا سے محروم و ناکام رہ گئے تھے۔ اس بنا پر حضرت اہل بیت کے یہ تہلادینا نہایت ضروری تھی کہ مال و دولت کی کثرت حسبی عظمت اور نبی شہادت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آہیں شک نہیں کہ باعتبار قومیت کے تمام قریش کیسا ان میں لیکن تاہم بنی ہاشم کا قبیلہ اپنے اخلاقی و روحانی اوصاف سے ان میں فیاض و ممتاز ہے اور صاحب استوار اور ان کے بھی مفاخر و مشارف خاص طور پر اس ترویج کے اصلی باعث ہوئے ہیں۔ اور انھیں اوصاف مخصوصہ کو حضرت اہل بیت نہایت وضاحت سے اپنے خطبہ ترویج میں ان الفاظ کے ساتھ یاد دلایا ہے۔

حصنة بیتہ و سوائس حرمہ وجعل لنا بیتا محجوا حرمنا و جعلنا الحکام علی الناس۔ خدانے ہمارے گھر کا محافظ اور آئینہ موم کا نگہبان بنایا اور ہمارے گھر کو یا جبکہ لوگ حج کرتے ہیں اور اس کو تمام مخلوق کیلئے جائے امن بنا یا اور ہر لوگ پر حاکم بنایا۔ یہ الفاظ نبی ہاشم کے فضائل و خصوصیات کو اس اہمیت سے ثابت کر رہے ہیں کہ اہل اور رؤساء قریش کے موجودہ مجمع میں کسی فرد واحد کو عذر و تاویل کی مجال نہ تھی۔ بلکہ ورقہ بن نوفل نے اپنے خطبہ میں ان تمام مفاخر و خصوصیات کو مترادف طریقہ سے تسلیم کر کے بنی ہاشم کی ترجیح کو تمام قریش کے مقابلہ میں اہم قرار دے کر ثابت کر دیا ہے۔ حضرت اہل بیت نے مال و دولت کی تہی نا استوار اور وجود بے اعتبار بنی ہاشم کے الفاظ میں بیان کیا اور اس سے بہتر بیان کے لئے کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اپنے مالی ضعف کے اعتراف کے ساتھ اپنے خاص سرمایہ سے حضرت خدیجہ کا مہر و جہیز و متاع طلاق سکون میں ادا کر دینا اونکی عالی ہستی اور بلند ہوشی کے اظہار کے ساتھ صاف صاف بتلہا رہی ہے کہ فیاض کا دست فیض کہی نہیں رہ سکتا۔

**ولیمہ نکاح** | ترویج کے متعلق عوب بن قیدیم سے ایک خاص اور امتیازی دستور ہے۔ سیرۃ الجلیلۃ میں خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ پہلا ولیمہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صرف خاص سے اس تقریب میں تمام قریش کو دیا اونکی عبارت یہ ہے۔ وهو اول ولیمۃ اولیٰہا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جناب خدیجہ کی طرف سے بھی ولیمہ کا سامان کیا گیا اور خدیجہ عتھا بنی ابکر امن بکرانک و اطعم الناس ہل مع اہلک فاطعم الناس۔ حضرت خدیجہ نے اپنے بچے سے کہا کہ آپ اپنے اہل و عیال کو اپنی دکان سے لے کر اپنے اہل و عیال کے شریک ہو کر تمام لوگوں کو کھانا کھلاویں۔ چنانچہ تمام لوگوں کو دعوت ولیمہ دی گئی۔

حضرت خدیجہ کی دعوت ولیمہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کا خوشنما منظر اور اس تقریب میں



جائزین کی قبیسترت کا عالم۔ صاحب کتاب منتقی نے ان الفاظ میں وکملایا ہے۔

و دخل صلی اللہ علیہ والہ وسلم وقال معها فقروا  
اللہ تعالیٰ عینہ و فوج ابوطالب فرحاً شديداً

واقعة نزوح میں بھی بعض غلطیاں داخل ہو گئے ہیں۔ مثلاً صاحب ان واقعات کی صفحہ ۳۱ میں ان الفاظ کی تفسیر فرماتے ہیں

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت خدیجہ کے والد زندہ تھے اور انکی موجودگی میں نکاح ہوا لیکن وہ غائب

موجود تھے۔ جب ہوش میں آئے تو نکاح کا حال سن کر پرہم ہو گئے کہ برابر کا جوڑ نہیں لیکن یہ روایت صحیح نہیں

امام سہیلی نے تہجیر اور بایں ثابت کیا ہے کہ حضرت خدیجہ کو والد جنگ فجار کے قبل انتقال کر چکے تھے۔

اسکے علاوہ طبقات ابن سعد میں اگرچہ اس روایت کو نقل کیا ہے۔ مگر پھر ان الفاظ میں دیکھ لیں کہ وہی ہے۔

فقد اكملہ عندنا غلط ولثبت عندنا المحفوظ عن اهل  
العدران اباها خويلد بنت اسد مات قبل الفجار فأت  
تمها عمر بن اسد زوجهما رسول الله صلعم

چچا عمر ابن اسد نے حضرت خدیجہ کو آنحضرت صلعم کے ساتھ بیاہا تھا۔

اسی طرح بعض کتابوں میں ایک اور غلط واقعہ اسکے متعلق پایا جاتا ہے۔ جو شاید شبلی صاحب کی تفسیر سے نہیں گذرا ہو اور اگر

گذرا بھی تو آپ نے اس سے خاصہ حسرت و پشیمانی اختیار فرمائی۔ وہ غلط واقعہ آنحضرت صلعم کی محفل عقد میں حضرت ابوبکرؓ کی شرکت کا

ہو جسکی حقیقت ہم شرح زرقانی سے ذیل میں لکھتے ہیں۔ مواہب لدنیہ کے اس اصل فقرہ کی شرح میں کہ حفصہ ابوطالبؓ روضا

منصر فخطب ابوطالب۔ زرقانی کے الفاظ شرح یہ ہیں ہذا هو الصواب المذكور في الروض وغيره وافي نسخ ابوبکر

رضی اللہ عنہ لاصل لہ۔ قول صحیح و درست یہی ہے جیسا کہ کتاب روض و غیرہ میں مذکور ہے ابوطالب اور رسیان مضر

تھے اور ابوطالب نے خطبہ پڑھا، اور کتابوں میں جو حضرت ابوبکرؓ کی شرکت کے متعلق جو لکھا گیا ہے وہ بالکل بے اصل ہے۔

تعمیلات کے لیے

اس وقت تک کعبہ ایک مکعب چار دیواری تھی قدوم اونچی۔ ادھر چھت نہ تھی۔ نہ دروازہ تھا نہ

کواڑے۔ اہل عرب اپنے موجودہ تمدن کے مطابق اس پر تہہ دیواروں کی قیمتی پوششوں سے

آرائش کیا کرتے تھے۔ اور ہر سال اپنے کمال عقیدت سے سوزن کارڈیٹی پردے چڑھایا کرتے تھے۔ ان دیواروں کی سادگی

اور بقاعدگی اسکی قدامت اور عظمت کی اصل حقیقت کو بتلاتی تھی۔ ایک بار خوشبودان میں خوشبو سلگ رہی تھی۔ لوگوں کی

غفلت سے خانہ کعبہ کے پردے میں آگ لگ گئی۔ اور وہ مشتعل ہو کر چاروں طرف پھیل گئی۔ چھت ہوتی تو نقصان ہوتا

پر تہہ دیواروں کو تو کوئی حرج نہیں پہنچتا۔ لیکن اوپر سے نیچے تک بالکل سیاہ ہو گئیں بعض روایتوں سے بیت الہی کی یہ بدنام

سیاہی قریش کے لئے تعمیر کعبہ کی تجدید کا باعث ہوئی۔ مگر عام طور سے محققین نے ایک دوسرے باعث کو اس کی تعمیر کا سبب بنالیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ شیب میں واقع تھا شہر کے بالائی حصہ سے ہر سال بکثرت پانی آتا تھا اور عمارت کو نقصان پہونچاتا تھا قریش نے اس کی حفاظت کی یوں تدبیر کی تھی کہ اکثر مقامات میں پانی روکنے کیلئے بڑے بڑے بند باندھ دئے تھے لیکن سیداب کی کثرت ان بندوں کو بھی توڑ دیتی تھی اور پانی کی روانی کعبہ کی دیواروں کو نقصان پہونچاتی تھی بالآخر قریش نے اس کی از سر نو تعمیر کا حکم دیا اور کیا حسن اتفاق سے ایک جہاز کنارے سے ٹکرا کر بندہ جدہ میں تباہ ہو گیا تھا قریش کو اس کی خبر لگ گئی۔ ولید بن مغیرہ اس موقع کو غنیمت پا کر جدہ پہونچ گیا۔ جہاز شہادہ کی لکڑیاں خرید لیں۔ لکڑیاں بھی مل گئیں اور لکڑیوں کے ساتھ تاج اور معمار بھی مل گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اُس جہاز پر باقوم نامی ایک تاجر تھا اور وہی اُس جہاز کا معمار تھا تاجار کی تباہی کے باعث وہ بالکل آشفستہ حال اور پریشان روزگار ہو رہا تھا۔ باقوم رومی عیسائی تھا بعض اوسکو قبلی الاصل بھی بتلاتے ہیں۔ ولید سے حقیقت اور ضرورت معلوم کر کے باقوم نے تعمیر کعبہ کا وعدہ کر دیا۔ ولید اوسکو اپنے ہمراہ مکہ میں لایا تو اوسی نے کعبہ کی عمارت کو از سر نو تعمیر کیا۔ زرقانی خانہ کعبہ میں آتش زدگی کے واقعہ کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

روى يعقوب بن سفيان باسناد صحيح عن الزهري ان اموالاً اجرة الكعبة فطارت شرارتها في ثيابها فاحترقها۔

بقیہ واقعہ تعمیر کے متعلق ابن سعد کے یہ الفاظ ہیں۔  
كانت الحرف مطلة على مكة وكان السيل يدخل من اعلاها حتى يدخل البيت فانصدع تحا فوالان يهدم وشرق منه حليه وغزال من ذهب كان عليه درو جوهر كان موضوعا بالارمن فاقبلت سفينة في البحر فجا دوم وراهم باقوم وكان بانيا فجنبتهم التبرج الى الشعبة وكان من مرفاع السفن قبل جدة فتخطت السفينة فخرج الوليد بن المغيرة في نفر من قریش الى السفينة فاقبعا خشبها واكلوا الروم باقوم فقدم معهم وقالوا لبينا بيت ربنا فامرءوا بالبحا ولة تجمع وتنق الضوا حمنها فينبادسون الله صلى الله عليه واله وسلم ينقلهم و هو يومئذ ابن خمس ثلثون سنة ص ۹۳۔ برن

يعقوب بن سفيان نے اسناد صحیح کے ساتھ زہری سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے خانہ کعبہ میں خوشبو سلگائی اوسکی ایک جنگاری پر سو پر پڑ گئی اور پھر تمام جل گیا۔

شہر مکہ زمین شیب میں واقع تھا اور بالائی اقلع زمین سے شہر میں اکثر سیلاب آیا کرتا تھا اور خانہ کعبہ تک پہونچ کر نقصان پہونچتا تھا۔ لوگوں کو انداز عمارت کا خوف ہوا اور نیز اسوجہ سے کہ خانہ کعبہ سے خلافت و پردہ کی قرع سے کپڑے طلائی ہیرن کے وہ دونوں محبتے جنہر مونی اور دیگر جواہرات تھے۔ اور وزین میں مدفون تھے چوری چٹے گئے تھے اس اثنا میں رومی تاجر کی ایک کشتی آئی۔ جن کا رئیس باقوم تھا اور وہی اوسکا معمار بھی تھا۔ باد محالف نے اس کشتی کو تباہ سے کچھ دور آگے لاکر ایک کھار میں ڈال دی اور وہیں وہ تباہ ہو گئے۔ یہ خبر یا کر ولید ابن مغیرہ قریش کے اور جنہر لوگوں کو اپنی ہوا لیکر اوس کشتی کے مقام پر پہونچا اور کشتی کی تمام لکڑیاں جمع کر کے خرید کر لیں اور باقوم رومی سرگفلگو کی اور اوسکو اپنے ساتھ مکہ میں لائے اور تعمیر کعبہ پر اوسکو مقرر کیا اور اوسکی ہدایت کے مطابق چھروں کو مٹی سے صاف کر کے جمع کر لیا۔ انھیں پھر ڈھونڈ والوں میں جناب سالما بن ابی اسلم

اللہ وسلم بھی ساتھ ساتھ چھڑھوٹے تھے۔ اسوقت بن مبارک پختیس سال کا ہو چکا تھا۔

تعمیر کے سب ضروری اسباب فراہم ہو چکے تو عمارت موجودہ کے گرانے کی ضرورت ہوئی۔ خدا کا گھر کون ڈھائے۔ سب کے ہاتھ عقیدت میں لغزش تھی۔ کوئی اس مقدس عمارت کے انہدام پر نہ ہاتھ اٹھاتا تھا اور نہ پاؤں پر ہاتھ اٹھاتا سمجھانے والے سمجھانے تھے کہ یہ گرانہ عین اوٹھانا اور یہ انہدام عین قیام و استقامت عمارت ہے۔ الغرض اس مشکل کو بھی ولید بن مغیرہ نے دور کیا اور سب پہلے گرانے کا قصد سے کعبہ کی دیوار پر چڑھ گیا۔ تاریخ طبری میں ہے۔

فقال ولید ابن مغیرہ انا ابدء کھفی ہذہ فاحذ  
المقول ثم قام علیما و هو یقول اللہ لا تجع اللہ لا یج  
الا الخیر ثم ہدم من ناحیۃ الرکنین فترقب الناس  
بہ تلك الیسئلۃ وقالوا انظر فان اصیب لہم ہدم منها  
شیئاً اور دنا ہا کہا کانت وان لہ یصبہ شیئاً فقد  
رضی اللہ ما صنعنا ہدمنا فاصبح الولید بن المغیرۃ  
من لیلة غادیا علی عملہ فہدم والناس معہ حتی  
انتهی الہدم الی الاساس طبری ۱۳۵ ج ۱

ولید بن مغیرہ نے کہا کہ میں اس کے انہدام کا کام شروع کرتا ہوں چنانچہ  
وہ کدال لیکر دیوار پر چڑھ گیا اور کتنے لگائے پروردگار تو غضب میں نہ آیا  
میری نیت سوائے غیر کے کچھ اور نہیں ہے۔ یہ لکڑ ڈھانا شروع کر دیا اور  
دونوں رکن تک کے سرون تک گرا کر کام ختم کر دیا۔ شام ہو گئی تمام  
اہل مکہ کو رات بھر عجیب سمجھتی تھی اور سب سبکس میں کہتے تھے کہ کوئی  
نہ کوئی مصیبت ضرور آئے گی۔ کیونکہ خانہ کعبہ کی کوئی شے آج تک ٹھانی  
نہیں گئی تھی کہ پھر اپنے مقام پر نہ پہنچا دی گئی ہو۔ اگر رات بھر میں کوئی  
حادثہ پیش نہ آیا تو سمجھا جائیگا کہ خداوند عالم ہمارے اس انہدام کے

عمل سے رضا مند ہو گیا۔ خدا کا ذکر کے وہ رات خیریت سے گزر گئی صبح کو ولید بن مغیرہ نے پھر اپنا کام شروع کیا تو اور لوگ بھی اب شریک  
ہو گئے۔ یہاں تک کہ دیوار بن کعبہ کر بنیادوں تک پہنچ گئیں۔

انہدام کعبہ کے خوف و عذاب کی طرف سے جب قریش کو اطمینان ہو گیا تو تمام قبیلوں نے آپس میں انہدام کا کام شروع  
کر دیا اور سب لکڑ اسکو انجام دیا۔ اسکے آغاز کے وقت ابو وہب جو ہمسائے شہر اور شرفائے قریش میں ایک مشہور و معروف  
بزرگ تھے۔ اور رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مومن ہوتے تھے۔ مقامی حاضرین کو مخاطب کر کے فرماتے  
گئے۔ ابن ہشام۔ ابن سعد۔ طبری اور زر قانی نے اس کی تصریحات الفاظ میں قلمبند کی ہے۔

یا معشر قریش لا تدخلوا فی بنیائہا من کسیر الا  
طیباً لا تدخلوا فیہا کھوبنی ولا بیع دبا ولا مظلمۃ  
احد۔ ابن ہشام۔

اے گروہ قریش۔ بنیاد کعبہ میں وہی شخص داخل ہو۔ جسے کسب معاش  
کے طریقے ذریعہ حلال سے ہوں وہ شخص تمہیں آئین آئے جسے مذہب میں  
باقی ہو۔ یا جو سود لیتا دیتا ہو۔ یا جس نے کسی کو ظلم کیا ہو۔

اس تحریر و تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ باوجود عام ہمالت کے قریش میں خاص احتیاط کر نیوالے معدودے چند حضرات  
اسوقت بھی موجود تھے۔ بہر حال۔ بنیادین کھد کر صاف ہو گئیں۔ خدا کا گھر بننے لگا۔ بڑے بڑے مالدار اور صاحب ثروت  
واقف خدا کے بندے۔ پہاڑ سے اپنے سروں پر چھڑھوٹو ہو کر لانے لگے۔ فبینما التبتی صلعم یجمل الحجارۃ من اجیاد

انہیں لوگوں میں جناب رسول خدا صلعم بھی پہاڑ سے پتھر ڈھونڈ کر لائے تھے۔ صحیح بخاری میں اس اضافہ کے ساتھ ہے کہ اس محبت  
مشقت کی وجہ سے آپ کے دونوں شانیں چل گئے تھے۔ یہ حامل الوحی کے خلوص عبودیت کا مقدمہ ہے۔

**موجودہ تعمیر میں** سلسلہ تعمیر سی طرح جاری رہا۔ عمارت بنتی رہی۔ خدا کے عقیدت مند بندے کمال خلوص عقیدت  
سے کام کرتے رہے۔ اونٹ کے جھوٹی خلوص میں کوئی کمی نہیں آئی۔ لیکن عین وقت پر سامان عمارت

کم ہو گیا۔ ان سامانوں میں دیواروں کی ضرورت کی چیزیں گنت گئیں۔ جو عرب میں وقت پر مٹی دشوار تھیں۔ بھیت کی گریان  
بھی کم ہو گئیں۔ جو کسی طرح فراہم نہ ہو سکیں۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ قریش نے قدیم بنیادوں کے طویل و عرض پر مبنی موجودہ  
تعمیر کا کام آغاز کیا تھا اور موجودہ لکڑیوں سے اسکے مطابق کافی ہو جانے کا اندازہ لگایا تھا مگر تب دیواریں کھنکھانے لگیں  
آگئیں۔ لہذا اپنے غلط اندازہ کی حقیقت معلوم ہوئی۔ ان لوگوں نے ہل و عرض میں کوئی اضافہ کیا نہیں تھا۔ لیکن سیلاب  
کے آجانے اور نقصان پہنچانے کے حقائق مقدم کے شمال سے عمارت کی لمبائی میں پہلے سے دو گونہ اضافہ کر دیا تھا۔  
یالاخر آپس کی مشورت سے اس مشکل کو یوں طے کر لیا کہ لکڑی کے موجودہ اندازتعداد کے موافق تیار شدہ عمارت پر محبت بنالیا جائے  
باقی عمارت زمین پر صرف چار دیواری بنا کر چھوڑ دی جائے۔ سال آئندہ لکڑی فراہم کر کے بنالی جائے گی۔ اسی صلح پر اتفاق  
کیا گیا۔ ایک نئی دیوار کھینچ کر بقیہ زمین طے کر گئیں۔ صرف چار دیواری کھینچی گئی۔ جو حکیم کے نام سے مشہور رہا۔ بقیہ  
زمین پر خانہ کعبہ کی عمارت تعمیر کی گئی۔

خانہ کعبہ کی تعمیر ہونیکے حالات کو تفصیل کے ساتھ عربی کی تاریخوں میں کسی مؤرخ نے ایسا نہیں لکھا جیسا کہ  
علامہ عبدالرزاق صاحب کتاب احباب نے۔ ہمارے اسی اصل عبارت ذیل میں درج کرتے ہیں۔

جب پتھر اور لکڑی سب جمع ہو گئے۔ تو قریش نے کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ  
کیا مگر سب ہم نہ ہو اس میں فرق رہے اور دیتے تھے کہ اگر ڈھانے کو  
خدا جانے کیا آفت آئیگی۔ ولید بن مغیرہ نے اپنا دل کڑا کیا اور کہا کہ  
میں ڈھانا شروع کرتا ہوں میں پڑھتا ہوں ہی گیا ہوں اگر کچھ آفت  
آئیگی تو کیا میرے مرنے کے دن تو فریب آہی چکے ہیں چنانچہ ولید  
بن مغیرہ کعبہ کی دیوار پر پڑھا کہ اے خدا! سو ڈھانا شروع کیا پھر سب علم  
ڈھانے لگے اور بنیاد تک جس پر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے  
جانی شروع کی تھی کھود کر برابر کر دیا جب سب باچکے تو معلوم ہوا کہ جو کچھ  
سامان اونٹوں نے جمع کیا ہے اس کے بنانے کو کافی نہیں ہے۔ آخر  
سب کھڑے ہوئے اور اس امر پر اتفاق کیا گیا کہ بنیاد تعمیر کھڑا ہو جائے اور

فلما اجتمع لہم ما یولدون من الحجارة والخشب ما  
یحتاجون الیہ ہدوا الی ہدمہا فہابت قریش ہدمہا  
وقالوا من یبدء ینہدہ فقال الولید بن المغیرہ انا  
ابدء کمر فی ہدمہ انا شیخ کبیر فان اصابنی امرا  
کان قد دنا اجلی واجلی وان کان غیر ذلک لوزیر  
فی فعل البیت فی یدایہ عتلة لہدمہ ہما فہدمت  
قریش معہ ہما فہدمت قریش معہ حتی بلغوا الاسما  
الذی رفع علیہ ابراہیم واسمعیل والقواعد من  
البیت فلما اجمعوا اخرجوا من النفقة قلت ما  
النفقة ان تبلغنہم عمارۃ البیت ویترکوا بقیۃ فی



لجھ علیہ جداراً ملاً اراً یطوف الناس من وراءہ ففعلوا  
ذلک وبنوا فی بطن الکعبۃ اساساً یبنون علیہ من شئ  
لجھ ویرکوا من وراءہ من بناء البیت فی الحجر ستین  
ذرعاً شبرا فبنوا علی ذلک فلما وضعوا ید یھرنہ  
بناء ہا قالوا ارفعوا باھما من الارض واکیسوها  
مشی لا تدخلھا السیول ولا توقا الا لیسلم ولا ید  
الا من اردتم ان ککوھتم احدا فاعتموہ  
ففعلوا ذلک ص ۱۰۹-۱۱۰ احبارکم للعبدالرزاق

### محمد الامین

امکن اور سامن تک مطابق ہوا و سقہ عمارت بنائی جائے اور قبہ بنیاد  
چھوڑ دی جائے اور اوپر صرف چار دیواری کی تعمیر ہی جائے۔ لوگ چھوڑ  
اور سکا طواف بنی لایا کریں۔ اس چھوڑی کی وجہ سے اونگوں عمارت کے  
اندر سے ایک نئی دیوار بنائی چڑی۔ اور یہی دیوار عمارت چھوڑنے کی آخری دیوار  
قرار پائی۔ عبقر رکھ اصل کعبہ سے زمین (حطیم) علیحدہ کر دی گئی وہ چھوڑ  
اور چہہ بالشت۔ ان لوگوں نے کعبہ کو چار گواہ ایک بالشت کی کڑی  
اور اسقہ اور پچی کرسی پر دروازہ رکھا تاکہ سیلاب کا پانی پھانسی نہ گئے  
اور کوئی شخص بغیر چربی کے نہ چڑھ سکے اور اس ترکیب سے جسکو چاہیں  
نہ جائے۔

الغرض خذہ کعب کی موجودہ عمارت طول میں گھٹا کر اور ارتفاع میں بڑھا کر تکمیل کے قریب پہنچ گئی۔ اور حجر الاسود کے  
نصب کا وقت آگیا تو اس قدیم اور قابل التعظیم حجر کو اس کے مقام پر رکھنے کے لئے قریش میں جنگیں چلی لگیں ہر شخص اس  
شرعیابی کے لئے خواہشمند رہا اور اس اعزاز کے حصول کے لئے آپس کا اصرار بڑھتے بڑھتے تکرار پر جنگ و پیکار کے درجہ تک  
پہنچ گیا۔ قریشیوں میں سب سے زیادہ قبیلہ غنیہ البکر گشت و خون پر تیار ہو گیا۔ طبری میں اسکی حسب ذیل تفصیل لکھی ہے۔  
حتی اذا بلغ البیان موضع الرکن اختصموا فیہ کل قبیلۃ  
توبدان ترفعہ الی موضعہ دون الاخری حتی تجاوزوا  
وتحالفوا وقاعدوا للقتال فقربت بنو عبد الدار حفنہ  
مملوءۃ دما فمرقا قدواھم وبنو عدی ابن کعب علی  
الموت وادخلوا ید یھرنہ فی ذلک الدم فی الحفنۃ  
یعنی جب حجر الاسود کو اپنے مقام پر نصب کرنا وقت آگیا تو ہر شخص کی خواہش  
ہوئی کہ میں اسکو اس کے مقام پر رکھوں۔ اس بنا پر سب آپس میں جدوجہد  
میں مبتلا ہو گئے۔ اور قسم کھا کھا کر جنگ و جدال کے لئے مستعد ہو گئے بنی  
عبد الدار تو یہاں تک پر جوش ہو گئے جیسا کہ عرب میں سخت سے سخت  
کمانیکہ دستور تھا کہ اونہوں نے خون تازہ سے ایک پیالہ بھر لیا اور  
جہالت کے مطابق اپنے لادینی عدی بن کعب کے قبیلہ والوں کے ہاتھ اس خون سے بھرے ہوئے پیالے میں ڈلوائے۔ گویا کہ گشت و خون  
پر نہایت استقلال سے اپنی آمادگی کا اعلان کیا۔

نیریت تھی کہ قریش کے تمام قبیلے نہ اپنے پر جوش اور نہ اپنے بے سر پر غاش۔ لیکن باہم اونکی امانیت اور مخالفت کیا کم تھی  
نتیجہ یہ ہوا کہ کابل چاروں گزر گئے اور وہ باخود ہا کے مشورہ سے اس امر کو تصفیہ نہ کر کے خدا کے بندے خدا کا گھر تو نہاتے تھے  
لیکن اپنا گھر گار ہے تھے حقیقی بندہ پروردگار کو یہ منظور ہو سکتا تھا۔ اسلئے اُس نے اپنے نظام کبرائی کی خاموش تہنیر سے  
ایک ایسی تدبیر کا لہری کہ اسکا گھر بھی بنگیا اور قریش کی بات بھی بن گئی۔ ولید ابن مغیرہ نے اونکو یہ کہہ کر راضی کر لیا کہ اس امر کو  
قدرت کے فیصلہ چھوڑ دیا جاوے۔ ذاتی انتخاب و تعین موقوف کیا جاوے۔ جو شخص کل صبح کو سب سے پہلے خانہ کعبہ میں

مؤخر ہر وہی اس منصب جلیل کو انجام دے۔ خدا کو بات بنانی ہتی سب لوگوں نے یہ شرط مان لی جس اشتیاق و اضطراب میں قریش نے یہ رات کاٹی ہوئی۔ واقعہ کی اہمیت بتا رہی ہے۔ خدا کی قدرت کی کس کو خبر۔ اسکی مشیت کا کس کو علم صبح کو خدا کے گھر میں جو شخص سے پہلے داخل ہوا وہ قریشیوں کا الامین تھا اور رسول رب العالمین عرب جس قدر جہالت میں پکے تھے اس قدر قول و قرار میں سچے۔ اول تو نقص اقرار اور غداً معاہدہ ہو چکی۔ جب سے اب انکو تامل کی کوئی وجہ باقی نہیں تھی۔ دوسرے یہ کہ اس عمدہ جلیلہ کی نسبت جناب رسول خدا صلعم کی ہر طریقہ و عنوان سے موزونیت اور جملہ امتیازات کے تامل و تذکرے کوئی شوشہ پیدا نہیں کر سکتی تھی اس لئے جمال جہان آرا پر نظر پڑتے ہی ہر شخص کی زبان سے اہلا و سہلا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ابن ہشام نے ذیل کی عبارت میں اسکی تفصیل کی ہے۔

انہیں امور کے تصفیہ میں قریش کو چار یا پانچ راتیں گزر گئیں۔ سائر کار مسجید میں جمع ہوئے اور اس امر کے تصفیہ کی نسبت مشورت کرنے لگے۔ بعض راویین کا بیان ہے کہ آیا امیہ (ولید) بن مغیرہ جو قریش میں اس وقت سب سے زیادہ متمہ تھا کہنے لگا کہ اسے قریش تملک ان باتوں کا یوں تصفیہ کر لو کہ کل صبح کو جو شخص اس مسجد کے دروازے سے پہلے داخل ہو وہی اس خدمت کو انجام دے۔ سب نے اسی پر اتفاق کر لیا۔ صبح کو سب پہلے جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہوا۔ وہ جناب رسول خدا صلعم تھے جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو چل اڑے یہ تو ہمارے امین ہیں یہ تو محمد

فمکت قریش علی ذلک اربع لیل او خمیس ثم اتھم اجتمعوا فی المسجد و تشاوروا فیما صفا غیر بعض اھل الروایۃ ان اباحیہ ابن المغیرہ و کان یومئذ اسن قریش کثرت فقال یا معشر قریش اجعلوا بئناکم فیما تختلفون فیہ اول من یدخل من باب ہذا المسجد یقضی بئناکم فیہ ففعلوا فکان اول من دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم راؤہ و قالوا ہذا الامین دنیا ہذا محمد صلعم ص ۶ مطبوعہ مصر

(صام) ہیں ہم لوگ انہیں پر راضی ہیں۔

قریش تو راضی ہو گئے۔ مگر امین آلہ کی عدالت تنہا اپنی شرفیابی اور امید و این کی محرومی پر راضی نہ ہو سکی اوس خلق مجسم نے اونکے شرفیاب و متاب ہو نیکی نہایت آسان اور سہل ترکیب نکال لی۔ اپنی ردائے مبارک بچھا دی۔ سنگ اسود کو اس میں بکھر کر قریش کے قبائل اربعہ کے چار ممتاز ترین اشخاص کو بلایا۔ اور ردائے مبارک کا ایک ایک گوشہ اونکے ہاتھوں میں دیدیا اور اس طرح اس رد کو اوٹھا کر حجر الاسود کے مقام پر لے آئے۔ یہ لوگ اوس رد کو اوٹھائے رہے آپ نے دست مبارک سے حجر الاسود کو اس کے مقام پر نصب کر دیا۔ ابن ہشام ان الفاظ میں اس واقعہ کو لکھتے ہیں۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک کپڑا لاؤ۔ سب کپڑے لاتے پھر دست مبارک سے حجر الاسود کو اوس میں بکھا پھر فرمایا ہر قبیلہ اس کپڑے کے گوشہ کو بکھڑے اور اونچا کرے۔ سب نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ اسکو صلی مقام لے آئے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دست طہری اسکو اٹھا کر نصب کر دیا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہل اتی ثوباً فاتی بہ فاخذ الکرن فوضعه فیہ بیدہ ثم قال لتاخذ کل قبیلۃ بنا حیلۃ من الثوب ثم ارفعواہ جمیعاً ففعلوا حتی بلغوا بہ موضعه و وضعہ ہو بیدہ ثم بنی علیہ

حقیقتاً یہ ذات رسالت کی برکت تھی جس نے اس آسانی اور سہولیت سے قریش کی غنا صحت کو رفع و رفع کر دیا کہ انہیں لوہے کی گشت و خون سے خانہ کعبہ بنانا اور پانی کی جگہ خون کا سیلاب حرم محترم میں چاروں طرف آجاتا۔ ظاہر میں عمارت کی ابتداء سے تعمیر کا یہ پتہ نصب کیا گیا تھا لیکن حقیقت میں خانہ خدا کی تکمیل غفلت کا یہ سنگ آخری تھا جو تمام ہمت اور خاتم نبوت کے دستِ مہر سے اس وقت رکھ گیا۔ مولوی سبکی صاحب نے بھی ان خصوصیات کی نسبت اشارہ فرمایا ہے: سیرۃ النبویہ صفحہ ۱۴۴ کے زیرِ بحث فرماتے ہیں: ”یہ ایک حدیث کی طرف تلمیح ہے جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نبوت کی عمارت کا آخری پتہ ہوں“ لیکن میرے نزدیک یہ صرف تلمیح نہیں ہے بلکہ اس واقعہ کی تصریح اور کوشش قدرت کی کامل توفیق رسالت کی برکت سے قریش کی جہالت کا ایک بہت بڑا نسا و عظیم جو ایک دن برپا ہونے والا تھا رک گیا اور ردۂ نزاع باہمی سے علیحدہ ہو کر بڑی سہر سہر سے عمارت کی تکمیل متفق ہو گئے۔ اور پھر جب تک کہ اسکی عمارت کا کام ختم نہ ہو گیا۔ اونہیں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہوا یہ رسالت کے فیصلہ کامل کا اثر تھا۔

بالآخر عمارت کعبہ بن گئی۔ مگر کیسی بنی؟ عمارت ابراہیمی سے طول و ارتفاع میں جو کچھ فرق پیدا ہوا تھا اسکو ہم اوپر بتلائے ہیں۔ اور اختلافات جو واقع ہوئے۔ انکو ہم اخبارِ مکہ کی اصلی عبارت سے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

جب یہ تنازع رفع ہو گئی تو تعمیر شروع ہوئی۔ جتنا کہ کعبہ پہلے زمین سے اونچا تھا۔ قریش نے اس سے دو گونہ بلند کیا یعنی زمین سے اٹھارہ گونہ اونچا اور پہلے صرف نو گونہ تھا جب دیوار میں بن چکے تو با قوم فریاد کیا کہ اسکی چھت کیسی بنائی جائے۔ بن گنگھ یا پورس یعنی کھانکھارے خدا کے گھر کی چھت چورس بناؤ۔ تب با قوم نے اس کے غرض سے چھ ستون دو قطار میں اس غرض سے بنائے کہ ہر قطار میں تین ستون چڑھ گئے۔ اور اون چورس چھت بنا دی۔ (غالب اس قدر لمبی لکڑی نہیں تھی کہ پورا شہر چھتا اس سب سے بیچ میں ستون بنانے کی ضرورت ہوئی اور شاید اسوجہ سے با قوم نے گنگھ یا چھت بنانی چاہی ہوگی۔ تاکہ پختی چڑھائے اور بیچ میں ستون بنانے سے نہ پڑیں۔ چھت کا پرنا لہ او بجا میں والا۔ جو چھوڑ دیکھی تھی۔

فبنوا حیثۃ ارفعوا الربعۃ اذریح و شبر فہر کیسواھا و وضعوا بابھا مرتفعاً علی ہذا الزرع فقال اہل یثرب الرومی انجبون ان تجعلون استقفاً مکیساً و مستطیاً فقالوا ابن بیت ربنا مستطیاً قال فبنوہ مستطیاً و جعلوا ست دعائیم فی سفین فی کل صفۃ ثلاثۃ و جعلوا ارتفاعھا من خارجھا من الایمان الی اعلاھا ثمانیۃ عشر ذراعاً و کانت قبل ذلک تسعۃ اذریح فوادت قومیش ارتفاعھا فی السماء تسعۃ اذریح و جعلوا میزابھا سمت فی الحجر و جعلوا درجۃ من خشب فی بطنھا فی الرکن الشامی یسعد منها المظھوھا من

رحیم میں اور کعبہ کے اندر ایک کانٹہ کی سیڑھی چھت تک بنائی اور چھت میں ایک رہنمائی رکھا جس سے کعبہ کے اندر آ جالا بھی رہے۔

ابن سے جب ضرورت ہو کعبہ کی چھت پر چڑھ جاویں۔ ترجمہ منقول از خطبات سید احمد جان صفحہ ۵۲۹

مفصلہ ذیل تفصیل سے قدیم اور موجودہ پیمائش پورے طور سے معلوم ہو جائیگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمارت

بلندی - زمین سے پخت تک ۹ گز  
 طول - حجر اسود سے رکن شامی تک ۳۲ گز  
 عرض - رکن شامی سے رکن غربی تک ۲۲ گز  
 طول - رکن غربی سے رکن عیانی تک ۳۱ گز  
 عرض - رکن اسود سے رکن عیانی تک ۲۰ گز

|           |       |          |       |
|-----------|-------|----------|-------|
| رکن اسود  | ۲۰ گز | رکن شامی | ۳۲ گز |
| رکن عیانی | ۳۱ گز | رکن غربی | ۲۲ گز |

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے یزید ابنی جلد اول ص ۱۲ میں علامہ ارزقی کی تحریر سے عبارت ابراہیمی کی جو پیمائش لکھی ہے۔ وہ صرف ایک ہی جانب کے طول و عرض کی تصریح کر کے ختم کر دی گئی ہے۔ بقیہ دو طرف کی پیمائش کو یہ خیال کر کے چڑھنے والے دو طرف کی پیمائش کو بحساب مساوی خود سمجھ لیں گے نہیں لکھا ہے۔ آپ کی اس کوتاہی سے بہت بڑی غلط فہمی کی بنا ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص اس حساب پیمائش سے عبارت کعبہ کو مربع سمجھے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ کعبہ کی عمارت ایک مکمل مکعب ہے نہ مربع اور اسی رعایت سے اس عمارت مقدسہ کا نام کعبہ رکھا گیا۔ تعجب ہے کہ شبلی صاحب نے علامہ ارزقی کی جس عبارت سے اس پیمائش کو لکھا ہے اس کو پورا پورا پتہ بھی نہیں لیا جس میں دونوں طرف کی پیمائش میں اختلاف صاف صاف درج ہیں۔ اور جب کو ہم نے اوپر کا نقشہ کھینچ کر برہنہ تفصیل سے دکھلا دیا ہے، شبلی صاحب کے ایسے محقق کی یہ کوتاہی کہی جائے یا عجلت رقی۔ سرسید نے شبلی صاحب سے زیادہ صحیح اور صاف طور پر دونوں عمارتوں کا اختلاف پیمائش دکھلایا ہے۔ حالانکہ ماخذ ۱۹ نوں کا وہی علامہ ارزقی کی کتاب تاریخ اخبار مکہ ہے۔

ترتیب حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام

ہذا کہ گم رہنے سے پہلے رسول کا گھر بس چکا تھا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پتہ میں رہے جو چکے تھے۔ رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس زمانہ میں آپ کے صرف مشاغل تجارت کا ذکر کیا ہے اور آپ کے کسی اور خاندانی تعلقات اندواتی واقعات پر جن سے آپ کے محاسن اخلاق اور صلہ رحم کی رعایت ثابت ہوتی ہے کوئی توجہ نہیں فرمائی ہے۔ حالانکہ ذرا سی رحمت گوارا فرمایا کہ بعد یہ واقعات چھوٹی بڑی کتابوں میں سیرت و تاریخ کی موجود ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ نے مدعاے تالیفی سے زاید سمجھ کر قلم و فرادیا ہو۔ یا اسکے مخفی رکھے جانے میں آپ کی کوئی عرض خاص حائل ہو گئی ہو۔

بہر حال اسی زمانہ میں حضرت علی مرتضیٰ کی تربیت و پرورش تعلیم و پرداخت حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذمہ لی اور اسی وقت سے مشہور علوم ظاہری و باطنی کے دروازے اس کس صاحبزادے پر کھلنے لگے۔ حضرت علی کا سن



مبارک اسوقت دس برس کا محقق ہوتا ہے۔ ہشام۔ طبری اور ابن سعد نے صورت و اقدار یوں لکھی ہے۔

وكان اباطالب ذا عيال كثير فقال رسول الله صلى

الله عليه وآله وسلم للعباس عمه كان من اليسير بني هاشم

يا عباس ان اخالك اباطالب كثيرا عيال وقد صاب

الناس ما ترى من هذه الازمة فانطلق بنا فنخفف

عنه من عياله اخذ من بنيہ رجلا و اخذ من بنيہ

رجلا فنكفهما عنه قال العباس نعم فانطلقا حتى اتيا

اباطالب فقال انا زيدا ان نخفف عنك من عيالك حتى

ينكشف عن الناس ما هو فيه فقال لهما اباطالب

اذ اتركتمالي عقيلًا فاصنعما شئنا فاحذر رسول الله

صلى الله عليه وآله وسلم علياً فضمه اليه واخذ

العباس جعفر افضله اليه فلم يزل علي ابن ابي

طالب مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم حتى

بغته الله نبيا فابعد علي فامن به وصدق له ولم

يزل جعفر عند العباس حتى اسلم واستغنى عنه

طبری ص ۱۱۴

سے جدا نہ ہوئے۔

حضرت ابیطالب کثیر العیال تھے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ

والہ وسلم نے حضرت عباس سے جو اسوقت تمام قبیلہ بنی ہاشم میں جبکہ زیادہ

فارع البال اور خوش حال تھے ارشاد فرمایا کہ آپ دیکھتے ہیں آپ کے

بھائی کثیر العیال ہیں (ابطالب) اور اسوجہ سے تنگ حال۔ ہلو گون کیلئے

مناسب ہے کہ انکی عیال داری کے بار کو ہلکا کر دیں اسطرح سے کہ انکو

بیٹوں میں سے ایک ایک بیٹے کو ہم آپ اپنے اپنے ذمہ لے لیں حضرت

عباس نے اس مشورت کو قبول فرمایا۔ یہ وہی حضرت حضرت ابیطالب

کے پاس تشریف لائے اور اپنی مشورت سے انکو مطلع فرمایا۔ یہ سنکر

ابطالب نے کہا کہ عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو باقی دو بچوں کیلئے جو آپ

وہی وہی صاحب پاہن انتظام کر لیں۔ یہ سنکر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے بھائی کثیر العیال ہیں ملا لیا اور پھر اسوقت تک کہ جناب

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درجہ نبوت پر فائز ہو گئے اور علیؑ نے آپکی تصدیق فرمائی

اور آپ پر ایمان نہ لائے آپ سے علیؑ نہ ہوئے۔ اسی طرح عباس نے

جعفر کو لیکر اپنے عیال میں شامل کر لیا۔ اور جعفر بھی اسوقت تک کہ

انحضرت پر ایمان نہ لائے اور اپنی معیشت کے کاروبار خود نہ کر کے حضرت

اسواقو نے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادنیٰ قلبی تعلقات اور دلی جذبات کو پورے طور سے ثابت کر دیا

جو آپ کو اپنے خاندان کے ساتھ عموماً اور حضرت ابیطالب کے ساتھ خصوصاً ہمیشہ دل سے لگے رہتے تھے یہ رعایت

صلہ رحم کے تعلیمی مقاصد تھے۔ ابوطالب کے ساتھ خصوصیت تو صرف اسی سے ظاہر ہے کہ یہ لائے اسکے کہ پہلے عباس کو

اپنے بھائی کی غربت اور عسرت اور خرچ عیال داری کی کثرت کا فطرۃ خیال ہونا چاہتا تھا۔ مگر اسکے خدشہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے اس ضرورت کو محسوس فرمایا اور اپنے عم محترم کو رفع تکلیف کا انتظام فرمایا۔

اس کا سبب بالکل صاف ہے اور باعث بالکل ظاہر۔ اور وہ یہ ہے کہ اخلاق الہی کا وہ پیکر مجسم و حقیقی رحمت عالم۔ پہنچ

برس کے سن سے لیکر پچیس برس کے سن تک حضرت ابی طالب کے اشتقاق و احسان کے مختلف طریقوں اور ذریعوں

کو مشاہدہ فرما چکا تھا اور والوالدین احسانا کے بتلائے ہوئے اصول اخلاق کے بموجب ان محاسن سلوک سے کچھ نہ

وسب بارہویکے مناسبہ دسترس طریقے پر اور موقع ہمیشہ زیر نظر رکھتا کرتا تھا۔ صرف مناسبت وقت اور مصلحت کا انتظار تھا۔ چونکہ موجودہ زمانہ مذکورہ مصلحتوں کو متاثر کر رہا تھا اس لئے اوں رعایات کی اداکاری کا یہ سبب سے طریقہ اختیار فرمایا گیا اور غالباً اس صلہ رحمہ نبوی کی اداکاری پہلا موقع ہے انتخاب وخلق جناب علی مرتضیٰ کی نویہ ظاہری صورت قائم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت پر کامل فائز والے توصات صفات بتلاوین گئے کہ خدا نے صبر طریح تمام قریش اور تمام بنی ہاشم میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کو منتخب فرمایا تھا اسی طرح اوں کے رسول نے حکم خدا سے تمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب میں حضرت علی مرتضیٰ کو چار اور وہ اپنے اس دعوے کو کہ **اَنْفُسَنَا كِي نَص صِرَاح** اور **اَنَا وَ عَلِيٌّ مِنْ نَوْرٍ وَاحِدٍ رَجَعَ الْفَوَائِدُ - مناقب المعازلی - فردوس الاخبار** وعلی بن ابی طالب المودۃ فندری ص ۹ مطبوعہ بمبئی سے مستنبط اور مستخرج بتلاینگے۔

افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اس واقعہ کو جو ابن ہشام طبری اور زرقانی وغیرہ تمام کتابوں میں درج بالکل قلمزد فرمایا ہے۔ آپ کے اس تجاہل عارفانہ کی وجہاً مجبوری کو ہم آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کہ مولوی صاحب کو اسکی اصلیت کا اقرار کرنا پڑا اور اسی سے ایک حقیقت شناس پراس واقعہ کی حقیقت اور صدا ظاہر ہو گئی۔ چنانچہ سیرۃ النبی جلد اول ص ۵۰ میں۔ سابق الاسام حضرت کے تذکرہ میں تحریر فرمایا گیا ہے کہ حضرت علیؑ تھے جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ اگرچہ استخفا: ہی کے کہ انداز میں یہ مہم الفاظ لکھے گئے ہیں مگر اس اختصار کے بھی منت گذار ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ مولوی شبلی صاحب کی تحریر کا یہ خاص انداز ہے کہ ایک مقام پر جہ سے انکار ہوتا ہے۔ دوسرے مقام پر اوس کا اظہار و اقرار بھی کر دیا جاتا ہے۔ آپ کا یہ تملون بھی ایک خاص لطف رکھتا ہے۔

**قبل نبوت بیرونجات میں** | سیرۃ النبی ص ۱۳۸ جلد اول میں مرقوم ہے۔  
**تجارت کی غرض سے سفر** | موزین لیدر نے جو علوم غیبی کے منکرین اور ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ (دفعہ آپ کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہیں۔ قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرے کو اور وسعت دی ایک مؤرخ (مارگیولوس) اپنی تاریخ کے صفحہ ۷۰ میں لکھتا ہے کہ آپ نے بحر، سفر بھی کیا تھا۔ جسکی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجاز دن کی رفتار اور طوفان کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہے جس سے بخوف، شہذالمی تجربہ کی بوائی ہے۔ مؤرخ مذکور کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ آپ مصر بھی تشریف لے گئے تھے۔ اور ڈیڈیسی (بحر میت) کا بھی سائنہ کیا تھا، لیکن تیار و فتران سے خالی ہیں۔

**سیرۃ النبی کے جامع مولوی سید سلیمان صاحب ندوی** اپنے اوستا کی مرقومہ بالا عبارت پر حا زیر صفحہ میں یہ نوٹ دیتے ہیں۔

پور وین موزین جنکی بنیاد صرف قیاس و رائے پر ہوتی ہے۔ اگر اس قسم کے واقعات بیان کریں تو کوئی تعجب

لیکن اگر بحرن تشریف لیجانے کی روایت صحیح ہے تو خلیج فارس آپ نے دیکھا ہوگا۔ بحر میت کا مشاہدہ بھی ممکن ہے۔ کیونکہ اس کا موقع عرب اور شام کے درمیان میں ہے جہاں سے کئی بار مال تجارت کے ساتھ گزرے ہونگے۔ زیر عاشرہ ص ۱۳۰۔ سیرۃ النبی۔

اوستاد و شاگرد کے اس اختلاف رائے کو دیکھ کر بہک سکتے تھے تبجب ہوتا ہے۔ مولوی شبلی صاحب مخالفین اسلام کے خوں اعتراض کی وجہ سے۔ جو انکی خاص عادت ہے۔ قیاس و رائے کی نا اعتباری۔ اور کتب تاریخ میں ان واقعات کی عدم موجودگی کی بنا پر۔ انکی اصلیت سے انکار کرتے ہیں لیکن مولوی سلیمان صاحب واقعہ بحرن سے جسکو شبلی صاحب خود اوپر لکھ چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر بحری کے اوس خیال و قیاس کی تائید کرتے ہیں۔ جنکی بنا پر مخالفین اسلام کو اپنے قیاسی غتریات اور فسادات کے طوفان اوٹھانے کا پورا موقع ملتا ہے۔ افسوس ہی مولوی سلیمان صاحب نے پہلے تو یورپین مصنفین کے قیاس پر عیب لگایا ہے۔ پھر واقعہ بحرن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معائنہ اور بحرن کے مشاہدات کا پتا بتایا ہے۔ یہ بھی تو سلیمان صاحب کا صرف قیاس ہی قیاس کہی کتاب سے مستنبط تو نہیں۔ تو پھر عرض خدمت یہ ہے کہ اگر آپ کے اوستادوں نے۔ ان واقعات سے تاریخی دفتر خالی پا کر۔ اس زاریا ضرورت؛ بحث کو تمام کر دیا تھا تو کیا بڑا کیا تھا۔ آپ اپنے خاص مختار پر نظر ڈالئے۔ آپ اور آپ کے اوستادوں قیاس کو معیوب ٹہراتے ہیں لیکن صرف مخالفین اسلام ہی کا قیاس بڑا اور قابل الزام ہے یا اہل اسلام کا بھی۔ الضاف کا معنی تو یہ ہے اور مہول اخلاق کی تعلیم تو یہ ہے کہ عیب یا نقص کسی قسم کا ہو۔ وہ تمام قوام و مذہب میں یکساں اور مساوی بڑا اور قابل اعتراض سمجھا جاوے اس لئے کہ کبھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ اسلامی مولفین کے قیاس و آراء صحیح ہوں اور مخالفین اسلام کے قیاس غلط۔ قیاس و رائے کسی کی بھی ہو۔ اگر صحیح ہے تو ضرور ماننے کے قابل ہوگی۔ اور اگر غلط ہے تو چاہے کتنے ہی بڑے اسلامی یا غیر اسلامی عالم کی ہو۔ کوئی بھی نہ مانے گا۔

اس اصول کے مطابق تحقیق کا متلاشی جب تلاش کرنے لگتا ہے تو قیاس و رائے کی اہمیت اور اتباع کو مخالفین اسلام سے زیادہ متبعین اسلام کے دائرے میں اور خصوصاً اوس کثیر التعداد طبقہ میں کثرت سے پاتا ہے جو امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کوئی کی تقلید و اقتدار کا شرف حاصل کئے ہوئے ہیں۔ افسوس ہے کہ حیا لے ایمانی اور غیرت اسلامی مجھکواس سے زیادہ انکشاف حقیقت کی اجازت نہیں دیتی۔ اور میں اتنی ہی اشارت کو صاحبان بصیرت کے سمجھ لینے کے لئے کافی سمجھتا ہوں۔

مولوی شبلی صاحب نے مارگیو لوس کی غلط فہمی کی تردید تو کر دی۔ مگر صرف قیاس کی کمزوری دلیل سے۔ اس کمزوری کی وجہ وہی مخالفین کے اعتراض کا خوف ہے یہ بھی آپ کا کمزور قیاس ہے جو وہم کے یقینی درجہ تک پہنچا ہوا ہے ہم بار بار مخالفین اسلام کے ان مغویانہ تعریضات کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ جس سختی سے وہ مفسدانہ اعتراض کرتے ہیں اویسی

شدت کے ساتھ معقولانہ جواب بھی ادا کر دینا چاہیے۔

اچھا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلعم نے سفر بھری کیا۔ اور اپنے اس مختار کو آپ کے اقرار کردہ سفر بحرین سے مستنبط بتلایا  
ہیں اور مولوی سلیمان صاحب بھی اس بنا پر اونکے اس قیاس کی تردید قطعاً کرتے ہیں کہ جو آپ نے قلمبند فرمائی ہے پسند نہیں کرتے بلکہ  
اونکے اس قیاسی مختار کی تائید کرتے ہیں۔ تو اونکے (یورپین مؤرخین) اس قول کی تردید میں ہم صاف صاف اور کھلے  
الفاظ کے ساتھ لکھ دیتے کہ بحرین تک آپ کا سفر کرنا اور راستہ میں خلیج فارس کے مناظر کا معائنہ فرمانا اور پھر اس  
بقول سلیمان صاحب سحریت کا جو عرب و شام کے درمیان میں واقع ہے۔ ملاحظہ فرمانا بھی صحیح ہے۔ اور توتوری  
ویر کیلئے یہ جی مان لیا جاوے کہ مارکیولوس کا وہ تفسیر قیاس جو اس نے محض عالم غریب کی غرض سے قائم کیا ہے اور آپ کی بھری  
سفر کے کوئی گواہی دیتا ہے وہ بھی درست ہے اور پھر اس سفر سے اس کو یہ مراد لینا بھی کہ انہیں مشاہدات بحری و خیالات و جذبات  
مختلف طریقوں سے قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں۔ صحیح ہیں۔ ان تمام فرضی اعتراضات کے بعد بھی تو ان مغویانہ کہیں  
وہ غریب سے مخالفین کا نہ دعویٰ ثابت ہوا ہے اور نہ مانعاً حاصل نہ خدا کے پیغمبر رسول (صلعم) کی تکذیب ہوتی ہے  
نہ اس کی سچی کتاب کی تردید مخالفین کا یہ قیاس و قیاس اور یہ دہم بالائے ہم البتہ اس وقت اعتبار کے قابل  
سمجھا جاتا۔ جب (نحوہ بالند) قرآن مجید کو بھی اہل مقدس کی طرح پولوس۔ یعنی شیعوں۔ اور یوحنا کی تالیفات بتلایا  
جاتا۔ اس وقت یہ کہا جاسکتا تھا کہ عبارات و الفاظ قرآنیہ میں۔ اسکے تلف (نحوہ بالند) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم کے تجارب و ماہرانہ اور مشاہدات سفر و غیرہ کے اقتباسات داخل ہیں۔ قرآن مجید کو ہم غلات انجیل کے۔ انسانی تالیف  
و تصنیف نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کو لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً کلام الہی سمجھتے ہیں اور اس کی تمام و کمال عبارت میں بقدر ایک  
شوشہ کے بھی کلام انسانی کی مداخلت کو صحیح نہیں جانتے۔ ایسی حالت میں پھر ہمارے مفسدانہ قیاسات کو عام اس سے کہ  
وہ ہمارے کیسے ہی صحیح مآخذوں سے نہ مستنبط بتلائے جائیں۔ جب معارض نشان قرآن ہوتے ہیں تو کیسے صحیح مان سکتے ہیں  
طرفہ تر تو یہ ہے کہ ہمارے مآخذوں پر بھی یہ جھوٹا الزام ہے اور ناحق تمام۔ وہ صرف بحرین اور شام کے علاقوں میں  
بغرض حجاب آپ کا نشر لینے جانا۔ ان کہتے ہیں اور ان علاقوں سے آپ کی پوری واقفیت ثابت کرتے ہیں  
نہ ان میں آپ کے کسی سفر بھری کا نہ آپ کے کسی مشاہدہ کا کہیں کوئی ذکر ہے نہ مذکور۔ پھر ان مآخذوں سے ایسے مغویانہ  
اور مفسدانہ نتیجے نکالنا۔ یورپین و رومین کی صاف اور بالکل کھلی ہوئی عالم غریب ہے۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ ہمارے  
معرض کی حیثیت اور شخصیت پر بھی تو نظر رکھنا چاہیے۔ پہلے سمجھ لینا چاہیے کہ معرض کون ہے۔ ایک عیسائی ہے  
جسکی آسمانی کتاب نہ خدا کی بھی ہوئی اور نہ رسول کی پہونچائی ہوئی ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ اسکے پیغمبر کے وہ اقوال ہیں جو اسکے  
چار مختلف صحابہ میں کے لکھائے ہوئے ہیں۔ اور پھر وہ بھی آپس میں مختلف۔ اس لئے وہ خدا کی کتاب کہلاتی ہے اور نہ  
اوسکے رسول خاص کے نام سے ہو کہ یونانی یا یونانی جاتی ہے۔ مٹی کی کتاب۔ لوقا کی کتاب پولوس کی کتاب وغیرہ وغیرہ ابن خلدون  
بہ بالکل یقینی ہے کہ ان کتب اربعہ میں جنہیں اسے نام انجیل مقدس کہا جاتا ہے انسانی خیالات و جذبات کا مجموعہ ہے۔



مارگیو لوس کے نزدیک چونکہ اس کی کتب مقدسہ کی عظمت و اہمیت اتنی ہی ثابت ہوتی ہے اس لئے وہ قرآن مجید کو بھی اسی پیمانہ پر خیال کرتا ہے۔

مارگیو لوس کے ان لغویات کی تردید نہایت آسانی سے اسطرح کرنی تھی کہ پہلے اس کو عمدتاً عقیدہ و جدید کی وہ عبارتیں دکھلائی جاتیں جن سے انسانی خیالات و اقتباسات کا پورا پورا اثر ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ بالکل آسان تھا۔ عمدتاً جدید کے زیادہ تو عمدتاً عقیدہ میں اس کی کثرت پر ادنیٰ تاثر نہیں موجود ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ بحث ہماری موجودہ تالیف کا اصلی موضوع نہیں ہے اس لئے ہم اس کی مفصل انکشاف حقیقت سے مجبور ہیں۔ ورنہ ہم کتب قدیمہ تو ریت و انجیل سے نکال کر ایک مارگیو لوس کی تمام عیسائی مصنفین اور یورپین مورخین کے آگے پیش کر دیتے اور دکھلا دیتے۔ اور پھر ان سے پوچھتے کہ بتلاؤ یہ خدا کے لفظی مضامین ہیں یا تمہارے انبیاء و مرسلین کے سفر ناموں اور روزناموں کے مضامین اس سوال کا وہ جواب جو دیتے رہی ہمارا اور تمام اہل اسلام کا جواب ان کے قائل اور ساکت کر نیکی لئے کافی تھا۔

ایک اور طریقہ ان کے ساکت کر نیکی کا نہایت قوی اور مستحکم یہ بھی تھا کہ مناظر بحیرین کی تفصیل کے لئے تو عبارت قرآنی پر خیالات انسانی کے اظہار کا قیاس کیا جاتا ہے اور یہ مفتریانہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ حامل قرآن روحی فراہ نے ان عبارات میں اپنے ذاتی اقتباسات ظاہر فرمائے ہیں اس لئے کہ یہ مناظر آپ کے مشاہدے میں پہلے آچکے تھے لیکن اچھا شہسار عالم کی نسبت جو قرآن میں بدین متعدد اور متفرق مقامات میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے لئے کیا تعبیر پیش کی جاسکتی مثلاً ابرو باد کی خلقت۔ نباتات کی پیدائش۔ انسان کی ترکیب خلقت اور اس کے مراتب۔ دریا۔ پہاڑ۔ نباتات۔ جمادات یہاں تک کہ شہد کی مکئی تک کی ضرورت خلقت بالکل اسطرح بتلائی گئی ہے جس طرح آجکل بڑے بڑے کالجوں میں مشہور و معروف علم کائنات کی عالم اور پروفیسر بتلاتے ہیں۔ تو کیا مارگیو لوس اور اس کے ہم طریق اور ہم خیال عیسائی مورخین ہم کو کسی ایسے معلم یا کسی ایسی تعلیم گاہ کا قیام بتلا سکتے ہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ علم و اطلاعات حاصل کی ہوں۔ یا کسی میوزیم یا لائبریری میں کم سے کم آپ کا تشریف لیجانا اور وہاں خلقت اشیا کی ان کتب و کلام شاہدہ فرمانا ثابت کر سکتے ہیں۔ اور جب ایسا نہیں کر سکتے۔ تو ان مفتریانہ عالم فریبوں سے نہ قرآن کی حقانیت میں کوئی کمی آسکتی ہے۔ اور نہ اس حامل روحی اور عالم علم لدنیہ کی صداقت میں کسی کو کلام ہو سکتا ہے۔

اب حقیقت حال کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے بحیرین اور علاقہ شام تک سفر کئے اور ضرور کئے۔ وہ محض تجارت کی ضرورت سے۔ اب اس سفر میں آپ نے نظام قدرت کے عجائب و غرائب جس حد تک مشاہدہ فرمائے۔ اس سے ازدیاد معارف الہی اور حصول حقائق مخلوقات مقصود تھے اور کچھ نہیں۔ باقی یہاں جملہ اشیا عالم کی ترکیب ان کے جہاں و خواص اور عمل کے انکشافات کا علم تو وہ علم لدنیہ اور کمال نبوت کے مستحق تھے جو آپ کو نبوت کے ساتھ ودیعت کیا گیا تھا تعجب ہو کہ مولوی شبلی صاحب نے عام طور سے یہ کیوں نہ لکھ دیا کہ یورپین مصنفین عجیب کے قائل نہیں۔ دہریوں سے

بحث نہیں۔ انکے علاوہ اور جتنے یورپین مصنفین اور مؤرخین ہیں وہ ضرور غیب کے قائل ہیں۔ اگر قائل نہ ہوں تو وہ عیسائی نہیں رہ سکتے۔ غیب کا انکار کیا تو حضرت عیسیٰ کی رسالت ہی غائب ہو گئی۔ اس بنا پر یہ ضرور مان لینا پڑیگا کہ وہ کئے عیسائی بنکر اپنے صرف حسد و نفسانیت کی غرض سے صوف اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کی تصدیق و معرفت میں عالمگیری کی خاص غرض و نیت کے ساتھ قدم قدم پر ایسی سیسلسل و شواریان پیدا کرتے ہیں۔ جو کسی طرح قابل توجہ نہیں ہو سکتیں۔

**مراجم شرک سے اجتناب** حکماء و علماء کا خاص مسلک ہے اور عقل و حکمت کا عام کلیہ کہ طبیعت انسانی فطرت خالصہ پر مخلوق ہوئی ہے ایسی طبیعت والوں سے اچھے بُرے دونوں اقسام کے اعمال صادر

ہو سکتے ہیں لیکن طبیعت انسانی میں مخصوص وہ طبائع ہوتے ہیں جو انوار ہدایت سے معمور اور آثار نبوت کے جوہر و ن سے مالا مال پائے جاتے ہیں۔ انکی خلقت ابتدا ہی سے فطرت صالحہ پر قائم ہوتی ہے اور ایسی پاک طبیعت کے بزرگوں سے اچھے کاموں کے سوا بُرے کاموں کا صدور و ارتکاب ناممکن ہوتا ہے۔ فطرت صالحہ کے اصول پر مخلوق کئے جانوالے بزرگوں اس سے قبل کہ وہ مروج نبوت اور مناصب ارشاد و ہدایت پر فائز فرمائے جائیں۔ اپنی فطرت صالحہ کے اس فیضان سے اچھے کاموں کی طرف ہمیشہ رغبت رکھتے ہیں اور بُرے کاموں سے نفرت ابتدا ہی سے اچھے کاموں کا اختیار کرنا اور بُرے کاموں سے اجتناب کرنا گویا انکی تعلیم و ارشاد و تہذیبی کا پہلا زینہ ہے۔ وہ اپنے ہمتیوں اور محصور کو اپنے طریقت اور اطوار و کملا کر اچھے بُرے کاموں میں تمیز کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔

اسی اصول پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبل از نبوت تمام حالات و معاملات پر غور کرنے سے صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کہی اُن امور کی طرف توجہ نہیں ہوتے تھے۔ جو خدا کی طرف سے بُرے بتلائے گئے تھے۔ اور اُن امور کو اختیار فرماتے تھے۔ جو قدرت کی جانب سے جائز اور تحسین ٹھہرائے گئے تھے۔ یہ مسلم ہے کُلُّ محسن اور زمانہ کی حقیقت آپ پر قبل نبوت بھی اسی طرح ظاہر تھی جس طرح بعد نبوت لیکن اس وقت اختیار و اجتناب اپنی ذات تک محدود تھا۔ کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اعلان فریضہ نبوت تھا جو اس وقت تک تفویض نہیں ہوا تھا اور یہ اُسی کا فیض اور اُسی کا تقاضا تھا کہ بچپن سے شباب اور شبیب کے زمانوں تک (و نہ ناکہ پالیس برس کے ہو چکے تھے اور نبوت نہیں پائی تھی) آپ نے کہی محبوب و حقیقی کو چھوڑ کر کسی غیر معبود کا اعتراف نہیں کیا۔ جس کعبہ کی تعمیر میں اس محنت اور جانفشانی سے اینٹ پتھر ڈھوئے تھے۔ اس میں ایک معبود کی جگہ تین سو ساٹھ بت مشبہ روز پوجے جاتے تھے۔ اُسی مقام اور مکان میں آپ کی روزانہ آمد و رفت تھی۔ بیشمار اور ہزاروں ہزار آدمی مکر اور بُریت سے آکر اُن غیر حقیقی اور مصنوعی معبودوں کے آگے سر جھکاتے تھے۔ مکر لگاتے تھے۔ یہ کافرانہ اور مشرکانہ مشاہدات روزانہ نظر اقدس سے ملاحظہ فرمائے جاتے تھے۔ مگر چاہے اس سے کسی اثر یا دلچسپی کی کوئی کیفیت آپ کے قلب انی

مستولی ہوتی ہو۔ قطعی نہیں اور بالکل نہیں۔ ان کیفیتوں کے خلاف جو ان مشاہدات سے قلب مبارک پر جو اثر ہوا تھا وہ انکی کافرانہ غفلت کا اور مشرکانہ جہالت کا۔ انوار نبوت سے پُر اور مملو دل ابتداء ہی سے درو مند ہوتے ہیں اور یہ عالم و کیفیت اوس فیطرتی درو مندی کے خواص تھے۔

ان امور کفر و شرک میں نمودار شد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ازمدالی اللہ کسی زمانہ یا کسی وقت میں انہماک و اشتغال منافی اخلاق۔ معارض فطرت صالحہ کیا مناقص شان رسالت ثابت ہوتا ہے۔ اوں امور کے بھی جو صرف نامشروع منسوب لی الکفر یا مشتبہ بالشرک ہوتے تھے۔ بالکل ویسا ہی اعتراز و اجتناب اختیار کیا جاتا تھا جیسے خاص اوں افعال ذمہ کے ارتکاب و انہماک سے۔

تجربہ کہ نبی صاحب نبوت کے ان اوصاف مخصوصہ کے اظہار و اقرار ان الفاظ میں فرما کر کہ: "قطعاً ثابت ہے کہ آپ پچپن اور شباب میں بھی جبکہ منصبی غمبری سے ممتاز بھی نہیں ہوئے تھے۔ مراسم شرک سے ہمیشہ محبت رکھا" (سیرۃ ابنی مبدئوں ص ۱۳۹) پھر اپنے اس اعتراف سے اختلاف کرتے ہیں اور گویا تہجور کی اس کلید مسدود اور مسدود کو مشتبہ قرار دیتے ہیں اور اپنی دانست میں عیسائیوں کے اس بات لال کی تنقید و تردید فرماتے ہیں جو آنحضرت صلوات کی عصمت کو عمدہ نبوت اور فوض منصب رسالت کے وقت سے قرار دیتے ہیں۔

حقیقت یہ کہ نبی صاحب نبوت در رسالت کی اصلی شان و حقیقت ہی کو نہیں سمجھتے ہیں۔ اسلئے انکا خاص لکھا ہوا مصرع اونکے حسب حال پہنچ ہمہ ورق کہ سب گشت و دعا اینجاست۔ اول تو سیرت و تاریخ کے موضوع بالیف میں عقائد کی بحث پیش کرنا خلاف سیاق ہے خصوصاً اپنے عقائد کے متعلق غیر دن کے اعتراضات کو بیان کرنا مخالفت اور معارض استدلال ہے۔ اگر مناسب مقام کی رعایت سے یہ خیال رکھے کہ مخالفین کے بے بنیاد اور بے سرو پا اعتراضات انہیں مقامات سے شروع ہوتے ہیں۔ اس خارج از بحث بیان فی ضرورت منسوم ہوئی ہے تاہم سمجھ لے لیا چاہیے کہ آپ کی تنقید و تردید سے عیسائی مخالفین کی تعریضیں بے اصل ثابت نہیں ہوتیں۔ بلکہ خلاف اسکے صحیح بخاری کی متعدد روایات مسند امام حنبلی وغیرہم کے موضوعات و مہمات کے کافی ثبوت مل جائے ہیں۔ ان مضمون کے متعلق شبلی صاحب کی اصل و حاشیہ کی مفصلہ ذیل عبارت استدلال ملاحظہ ہو (الف) ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لا کر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھا۔ بے کا تھا۔ جانور جو ذبح کیا گیا تھا وہ کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس روایت پر زیر صفحہ یہ حاشیہ چڑھا گیا ہے۔

صحیح بخاری باب المناقب۔ ذکر زید بن عمر بن الفضل یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب میں بھی نقل کی ہے اونکے الفاظ میں جمال رہ گیا ہے۔ جو اس روایت میں صاف ہو گیا ہے۔ مسند امام حنبلی (جلد اول ص ۸۹) میں ایک روایت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کو اس کھانے پر بلایا اور زید نے انکار کیا اور پھر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تاریخ سے کبھی بتون پر فوج کیا ہوا کھانا نہیں کرایا، لیکن اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا۔ اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا حقیقت ہے۔ سیرۃ النبی ص ۱۳۹

آپ کی اس تنقید سے معلوم ہو گیا کہ عیسائیوں کے مندرجہ بیانات اونکا خاص فحشہ عیانت و مصنوعات میں ہیں بلکہ آپ کی مشہور اور مقبرہ کتابوں سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ جن الفاظ و عبارات میں معترضین نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے وہ متواتر ابواب میں امام بخاری صاحب نقل فرما چکے ہیں اور تہذیب بخاری صاحب نے نہیں بلکہ اونکے استاد اور شیخ الشیخ امام احمد ابن حنبل صاحب نے بھی اپنی مسند کی جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۰ میں تحریر فرمایا ہے۔ آپ معترفانہ طور پر خود بھی اسکا اعتراف فرماتے ہیں تو اسنے اور ایسے اعترافات کے بعد آپ ہی تبدیل میں کہ آپ کی تنقید و تردید کا کیا وزن رہ جائے گا۔ اب اپنی موجودہ تنقید کی تفصیل کی کیفیت بھی ملاحظہ ہو۔

آپ کے پاس صحیح بخاری کی کل ایک روایت اور متعدد روایات کی تفتیش موجود ہے جسکو آپ نے اپنی اصل عبارت کے ساتھ لکھا ہے اور اسکو ہم اپنی نقل کر آئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل میں واقعہ یہی ہے کہ قریش نے ایک دعوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بتون پر چڑھائے ہوئے جانور کا گوشت کھانا چاہا تھا آپ نے انکار کر دیا اور نہ کھایا، شبلی صاحب غالباً معترضین کے اعتراضات سے بچنے کے لئے اس روایت پر اعتبار فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے یہ حدیث اور ابواب میں بھی لکھی ہے۔ اس کے الفاظ میں اجمال رد کیا ہے جو اس روایت میں صاف ہو گیا ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ وہ حدیث جو بخاری کے اور ابواب میں مذکور ہیں۔ وہ معترضین کی علی الاکثر موافق اور موید نہیں جنکے اتفاق و تائید کو آپ صرف اجمالاً رہ جانے کے معنوں میں لیتے ہیں۔ مگر یہی ایک روایت ہے جس سے معترضین کی تائید نہیں ہوتی۔“

اب آپ مندرجہ بالا تفصیل سے اپنی تنقید و تردید کی شان و انداز کو دیکھ لیں کہ آپ کا یہ غدر کیسا ضعیف ہے میرے چار دعوت یا باتون میں تین جھوٹی ہیں اور ایک سچی۔ شبلی صاحب اپنے امام بخاری صاحب کو بچنے کا پورا موقع اور اطمینان رکھتے ہیں اور دریافت کر سکتے ہیں کہ ایک امر کو متعدد اور متواتر مقامات پر بطور اجمال لکھنا اور آخر میں مفصل طور پر لکھ دیتے ہیں آپ نے کیا خوبی رکھی ہے اور اس سے کیا فائدہ سمجھا ہے۔ دو باتیں یقیناً۔ اول یہ کہ اگر امام بخاری کو یہ امور مناقصہ شان نبوت حقیقتاً معلوم ہو چکے تھے۔ تو ان روایات کو کتاب میں درج ہی نہ فرمایا ہوتا۔ اور اسی آخر والی روایت کے نقل پر کتنا فرائی ہوتی۔ اور اگر منافی نبوت نہیں معلوم تھے تو پھر آخر روایت کو لکھنا نہیں چاہتا تھا یہ اجتماع ضدین کی موجودہ حرکت و ترتیب تو ضرور فساد کا باعث ہوگی۔ معترضین بخاری سمجھیں یا نہ سمجھیں خواہ سمجھیں بھی تو سمجھ کر رہ جائیں لیکن مخالفین تو پیپ رہنے کے نہیں۔ وہ تو آپ کی اس غلط ترکیب سے ضرور فائدہ اٹھائیں اور رائی کو پرست کر دکھلائیں گے۔



اب صورت حال کا دوبارہ مشاہدہ فرمایا جائے اب آپ مسند امام حنبل سے اس واقعہ کی وہی بدنامی صورت دکھلاتے ہیں۔ جو محترمین بیان کرتے ہیں تو گویا بخاری سے پہلے ہی واقعہ کی یہی بدنامی صورت آپ کی کتابوں میں نقل ہوتی چلی آئی ہے جس کا آپ خود لکھ کر اقرار کر چکے ہیں تو اس بنا پر یہ واقعہ متواتر بھی ہو گیا اور قدیم بھی۔ اس تو اتراؤ قدامت کے جواب میں۔ آپ صرف یہ حکمانہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا۔ اوہو بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے؟

آپ کی تنقیدی جواب کا پہلا حصہ کہ اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا صریح دفع الوقتی ہے کہ یہ نہ مسند احمد بن حنبل میں سلسلہ روایت موجود ہے۔ رجال کی ایک نہیں متعدد کتابیں خدا کے فضل سے آپ کے پیش نظر ہیں۔ ایک راوی کی تصدیق و تکذیب اور جرح و تعدیل کیوں نہ فرمائی گئی۔ مگر آپ کو تو ایک گو نہ خود اس کا یقین ہے کہ اسکے راوی صحیح ہیں تب تو لکھا جاتا ہے کہ یوں ہی بخاری کے سامنے اسکی کیا وقعت ہے۔ مثالی صاحب یہ یوں بھی کیا اسکے معنی تو یہ ہوئے کہ اگر روایت امام حنبل کے روادے تمام تر صحیح بھی ہوں تو بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے اب راویوں کی صحت کا معاملہ نہیں رہا۔ امام بخاری و حنبل کی ترجیح و فضیلت کا مسئلہ پیش ہو گیا، ہم تو کہہ چکے ہیں کہ یہ آپ کی خود غرضی ہے اور محض بخاری پرستی، اگر تھوڑی دیر کے لئے آپ کے اس غلط اصول کو مایوس گئے بھی تو وہی حنبلیوں نے تمام حدیث کی کتابوں میں سے صحاح کو منتخب کیا اور پھر صحاح میں صحیح بخاری کو سب پر ترجیح دی مخالفت کو آپ کی اس ترکیب کی پابندی کیوں ہونے لگی۔ اور سند امام حنبل کے مقابلہ میں صحیح بخاری کی تصدیق و توثیق کی نسبت آپ کے اس چیلنج کو وہ کیوں ماننے لگے۔ اور آپ خود بھی غور کر لیں اور سمجھ لیں کہ اگر سواد اعظم میں کوئی شخص ایسے اعتراض پیش کرتا تو اسکے مقابلہ میں آپ کو اس چیلنج دینے کا حق حاصل تھا کیونکہ وہ صحیح بخاری اور حنبل کی اہمیت کو جانتا تھا۔ لیکن ایسی قوم دگر وہ کے مقابلہ میں جو بخاری اور امام حنبل کی مرویات سے اپنے مدعا کو دکھلاتا ہے اور ان کے فرق مابہ الامتیاز کو راوی کی جرح و تعدیل کو نہیں جانتا۔ آپ کو اس چیلنج کے پیش کرنے کا کیا حق حاصل ہے اور دنیا کی انصاف پسند طبیعتیں آپ کے اس طریقہ استدلال کو کب مان سکتی ہیں۔

صاف تو یہ ہے کہ آپ اس چیلنج کی نمائشی لغاطیوں سے عیسائیوں کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کیوں نہیں کیا کہ نہ بہن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل شان بھیچائی اور نہ ہمارے امام بخاری صاحب نے نہ امام حنبل صاحب نے علماء متقدمین نے عقائد کی درستی اور معرفت خدا و رسول کے صفات و مدارج کی ترتیب و ترمیم کی تو اس وقت ضرورت فرمائی ہے جب انکو حکماء معتزلہ سے مقابلہ کرنا ہو اسے۔ ورنہ اس سے ڈیرہ سو برس پہلے بے دیکھے سننے۔ بے طرح کی حدیثیں۔ فہرسم کی روایتیں اس کثرت سے بن چکی تھیں کہ بقول آپ کے۔ ایک امام زہری کی تصنیف پر لاکھ راوی گنیں تھیں تو پھر اب تہا سے ان ہامعین حدیث کا اسس وقت مدعا کیا تھا جمع حدیث با ترتیب

دیکھئے حالات دیکھئے واقعات پڑھئے معلوم ہو جائیگا کہ اس وقت ان جامعین حدیث کی نظر صرف مجمع حدیث پر تھی ورنہ اگر عقاید کو نہ دیکھتے تھے اور نہ ان کا یہ کام تھا۔ انہیں امام احمد بن حنبل صاحب کی مرویات فی العقاید کو موجود اسول عقاید کے مقابلہ فرمائیے جو اصولیتین عقاید کے قائم کئے ہیں تو آپ آسمان زمین کا فرق پائیں گے۔

اس بنا پر عیسائیوں کے جواب میں آپ کو بخاری صاحب یا ابن حنبل صاحب کی اہمیت سے ذرا بھی بحث کرنی نہیں ہوگی۔ بلکہ ان تمام مرویات خلاف عقائد کی نسبت عام اس سے کہ وہ بخاری میں ہوں یا مسند امام حنبل میں یا کسی اور کتاب میں۔ آپ کو یہ کہہ دینا پڑیگا کہ اسلامی اصول عقاید کے مخالف جو بالکل قرآن مجید اور قول صحیح رسول سے منضبط ہیں کوئی روایت عام اس سے کہ اسنام کی طبری سے طبری اور چھوٹی سے چھوٹی کتاب میں کیسی ہی معتبر اور مستند ذریعہ و اسناد کے ذریعہ ہونہ قابل قبول ہے نہ قابل عمل۔ ایک ہی طریقہ استدلال معتبر نہیں کے مقابلہ میں حل سکتا ہے۔ دوسرا نہیں کیونکہ ہمارے معتبرین اس عقیدے کے لوگ ہیں جن کا خدا نہ ترہ بالذات ہو اور نہ رسول تبار عن الخطیات۔ اسلئے وہ تو ضرور آپ کو مآخذوں سے اون غیر معتبر اور غیر مستند روایات کو ہونڈہ نکالیں گے جن سے ان کے عقائد فاسد کی تائید و تطبیق ہوتی ہو سکیں۔

حالات میں ابتداء ہی سے تفریق عقاید کے معقول اصول پر استدلال قائم کرنا چاہئے۔ نہ بخاری صاحب کی علوشان پراور ابن حنبل صاحب کے غلط بیان پر۔ شبلی صاحب یا تو اصول عقاید کے استحفاظ فرمالین۔ یا تقلید اسلاف کا لحاظ کر لیں اور اگر وہ چاہیں کہ استحفاظ عقائد بھی ہو اور اسلاف کی تقلید کی محنت بھی تو یہ غیر ممکن ہے۔ ذرا جتنی کا یہ طریقہ استدلال تو اسلام کی خانہ جنگیوں کے عنوان اور شبلی صاحب کی خاص صیبت داری کی داستان شروع کر دیگا۔ جو اور بھی اسلام کی تضحیک و تضعیف کا باعث ہوگا۔

(ب) شبلی صاحب کی دوسری روایت یہ ہے کہ نصاری نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ (آنحضرت ص) کے اعتقادات میں جو تغیر ہوا ہے وہ عہد نبوت سے ہوا ہے ورنہ اس سے پہلے آپ کا طرز عمل وہی تھا جو آپ کے خاندان اور اہل شہر کا تھا۔ چنانچہ اپنے اپنے پہلے صاحبزادے کا نام عبدالغزی رکھا تھا۔ یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر میں موجود ہے۔ لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے حضرت خدیجہ اسلام سے پہلے بت پر تھیں۔ اور انھوں نے یہ نام رکھا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے اسلئے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا۔ اور اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہ ثابت بھی نہیں۔ اس روایت کا سب سے زیادہ صحیح سلسلہ وہ ہے جو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں روایت کیا ہے۔ اس کا اول راوی اسماعیل بن ابی اویس ہے۔ اگرچہ بعض محدثین ذرا اس کی توثیق کی ہے لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے۔

(۱) معویہ ابن صالح۔

(۲) یحییٰ بن مخلط۔

(۳) اسماعیل اور اوس کا باپ دونوں ضعیف ہیں۔

(۴) وہ جھوٹ بولتا ہے اور محض پیسہ ہے۔

ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔

(۵) امام نسائی۔

(۴) نصر بن مسلمہ ضروری

وہ کذاب ہے۔

(۵) دارقطنی

میں اسکو صحیح حدیث کے لئے پسند نہیں کرتا۔

(۶) سیف بن محمد

وہ جھوٹ حدیث بناتا ہے۔

(۷) سلمہ بن شیب

اس نے مجھ سے خواہ قرار کیا کہ جب کبھی کسی بات میں اختلاف

ہوتا تھا تو میں ایک حدیث بنا لیتا تھا۔ سیرۃ النبى جلد اول صفحہ ۱۴۰

شبلی صاحب کے اس استدلال کا انداز تو پہلے سے بھی زیادہ خراب ہے۔ پہلے طریقہ استدلال میں اگر زیادہ نقیض روایتیں تھیں۔ اور گو ایک ہی سہی مگر وفاق اور موید حدیث بھی موجود تھی۔ جبکہ آپ نے بڑی شان سے چیلنج دیکر دکھایا۔ لیکن بیان تو بخاری صاحب کا اقرار ہے اور وہ خود لکھ کر اقرار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پہلے صاحبزادے کا نام عبدالعزیز رکھا تھا (تو ذرا ہنسنا) اس سے ثابت ہوا کہ معاذ اللہ آپ کو اس زمانہ یا اس وقت تک عزیزی کی عبودیت کا واسطہ طرح اعتراف و اقرار تھا بطرح اور قریش کو تب تو اپنے لڑکے کا نام عبدالعزیز رکھا اور اسکو اقرار عزیزی کی عبودیت کی طرف منسوب کیا (العیاذ باللہ)

شبلی صاحب۔ اب میں سے سمجھ لیں کہ آپ بخاری کی ایسی نامتقد اور مجہول کتاب سے اپنے مخالفین خصوصاً یورپین محققین کو کیا چیلنج دیتے ہیں۔ لطف تو یہ ہے کہ پہلے واقعہ میں تو اس کتاب کی تصدیق و توثیق کا چیلنج دیا جاتا ہے اور پھر دوسرے واقعہ میں جب کسی تاویل سے کوئی کام نہیں نکلتا تو مبذلاق۔ عذر گناہ بدتر از گناہ اوس چیلنج دادہ اصح الکتاب کی خود تنقید و تردید فرمائی جاتی ہے۔ اور اس کے راویوں کو دروغگو۔ فریبی۔ چور۔ سب کچھ لکھ کر ثابت کیا جاتا ہے۔ آپ ہی فرماتے کہ آپ کا یہ انداز استدلال دیکھ کر مخالفین مضحکہ نہ کریں تو ادا کیا کریں۔

اب یہ تو فرماتے کہ سلسلہ رواہ میں ایک راوی راہنمیل بن ابی دیس (کو جسے آپ جھوٹا اور چوڑا بتاتے ہیں تھوڑے دیر کے لئے وہ ویسا ہی مان بھی لیا جاوے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بخاری صاحب کیسے بزرگ تھے جنہوں نے جھوٹے پتے۔ ایمانداری کا رکی کوئی تمیز نہیں کی۔ اور انکے مذکور کے ایسے جھوٹے راویوں کے غلط مقررات کو اپنی کتاب میں بھر دیا۔

یہ تو بخاری صاحب کی محترمانہ شان تھی۔ اب اپنی شان محققانہ ملاحظہ فرمائی جاوے۔ وہی سلف کی قدیم تقلید کے مطابق آپ نے پہلے تو حمایت بخاری کی غرض سے تاویل کرنی چاہئے اور چونکہ موضوع بحث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ہے۔ اسلئے شبلی صاحب کو بڑی شکل پیش آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت بھی قائم رکھنی اور امام بخاری کی عزت بھی اس شکل سے نکلنے کا آپ نے ایسا شرمناک طریقہ اختیار کیا جس سے بخاری صاحب کی تو خیر عزت منہل گئی لیکن رسول اللہ کی حرمت پر وہیہ آگیا۔ یہ سب آپ کی ناحق پرستی کا نتیجہ ہے۔ آپ بخاری صاحب کی حمایت میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت صحیح

بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ اسکی تاویل یوں کی جاتی ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلے بت پرست تھیں۔ انھوں نے یہ نام رکھا ہوگا۔ آنحضرت ۱۲ بھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے اس لیے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا۔ آپ ہی کہتے ہیں کہ یہ ضعیف جواب اور کیسی شرمناک تاویل ہے۔

افسوس ہے کہ آپ نے پہلے یہ نہ لکھا۔ جیسا کہ اس تاویل کے بعد آخر آپ کو لکھنا پڑا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہیں مگر آپ سے کیا پہلے لکھ دیتے۔ آپ کو تو بخاری صاحب کی بھی عزت سمجھالنی تھی اس ضرورت کے اپنے اس کفر شکاری کو صدیقہ کبریٰ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لکھا یا۔ اپنے ناموس رسول کی کفر شکاری کا اقرار تو کر لیا۔ مگر بخاری صاحب کی بدنامی اور بے احتیاطی کو تو برا سمجھتے۔ واقعی آپ کی یہ لیری تمام اہل اسلام کی حریت اور عبرت کا باعث ہے۔ نبلی صاحب ہم آپ کو یاد رکھاتے ہیں کہ آپ کی اس شرمناک اور دلیرانہ تاویل نے تمام مخالفین کو خوب ہندوایا۔ مگر بلا امتیاز تمام اہل اسلام کو آٹھ آٹھ آنسو رو لویا۔

ہم پھر کہتے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو سمجھتے ہی نہیں۔ یہ مان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک منصب ارشاد پر فائز نہیں ہوئے تھے لیکن غزنی کی حقیقت کو تو جانتے تھے۔ اور اگر آپ اس سے انکار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک غزنی کی حقیقت کو نہیں جانتے تھے۔ تو پھر (نعمو باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور قریش کی طرح غزنی کا احترام اور اوکلی پرستش کو نہ جانتے تھے۔ اس دلیل سے ماننا پڑے گا کہ غزنی کی حقیقت و اصلیت آپ پر کما حقہ ثابت تھی۔ جب ثابت تھی۔ تو نبلی صاحب کا یہ احتمال جیسا کہ وہ اپنی تاویل میں لکھتے ہیں کہ اسلئے آپ نے تعرض نہ فرمایا۔ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے نعمو باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار حقیقت کو بچھپایا اور یہ امر تو اخلاق نبوت اور شان رسالت کو اور پست کر دیتا ہے۔ اسلئے آپ کی یہ تاویل منافی شان رسالت ہو سکتی باعث قطعی غلط ہے۔ اور محض حمایت بخاری میں وضع کی گئی ہے یہ تاویل خلاف واقع ہو نیکی علاوہ خلاف نقل و عقل بھی ہے۔ خلاف نقل تو اس طرح کہ سوائے آپ کے (کئے آمدی کے دوسرے ہی) زرقانی، عسقلانی، قسطلانی، عینی اور کرمانی کسی شارح بخاری نے اس واقعہ کے متعلق۔ رسول اور ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف شان ایسی دلیرانہ اور بے ادبانہ تاویل کرنے پر جرأت نہیں کی بظرف تو یہ ہے کہ یہ تاویل بھی کی جاتی ہے اور بھڑائی اس تاویل کی فوراً تکذیب بھی فرمادی جاتی ہے۔ جیسا کہ اس تاویل کے بعد لکھ دیا گیا ہے۔ اور اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہیں اب آپ ہی بتلائیں کہ جب یہ واقعہ ثابت ہی نہیں تو تاویل کیسی؟ نبلی صاحب کی عجیب منطق ہی مقصود تاویل موجود۔ یہ تو مخالف نقل ہو نیکی حالت تھی اب خلاف عقل ہو نیکی کیفیت بھی ملاحظہ ہو۔

بخاری صاحب کے راوی کی کامل تنقید و تکذیب فرما کر نبلی صاحب آخرین یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں۔ یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی بُرائی شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا انکو اس بات سے منع فرماتے تھے۔ سیرۃ النبی ص ۱۴۰





پھر تنقید کی عبارت میں بھی کافوا کا ترجمہ اہل عرب ہی لکھ دیا گیا ہے۔ اسکو بھی ویسا ہی ہونا چاہیے پھر تشریح تنقیہ میں بتلایا گیا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ کی طرف اشارہ ہوتا تو تنقیہ کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا۔ فی الحال اہل اسلام میں بھی زبان عربی کی صحتی کمی ہوتی جاتی ہے وہ ظاہر ہے۔ اسلئے تنقیہ اور جمع کا باہمی فرق اور ان کے جداگانہ مینون کی تمیز عام اردو دانوں کے لئے مشکل ہو جائے گی۔ اس ضرورت سے انکو ان الفاظ میں سمجھا دینا ضروری ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ انجین حضرت ناموس سے راوی کی مراد ہوتی تو زبان عربی کے قاعدہ کے مطابق راوی تنقیہ کا صیغہ لانا۔ اور کافوا کی جگہ کا تنقیہ لکھنا۔ مگر جب اونکی ایسا نہیں کیا اور عام جمع کا صیغہ کافوا لایا تو اس سے تمام لوگ یعنی کل اہل عرب مراد ہوئے۔

اسکے علاوہ حضرت خدیجہ کی نسبت اجتناب کفر کی تفصیل سبلی صاحب نے خدا جانے کس مصلحت سے چھپوڑ دی وہ یہ ہے۔ عربی کی عبارت سے صاف طور پر ثابت ہے اصلی روایت حضرت خدیجہ کے اس جواب پر تمام ہو گئی۔ رفتقول خدیجہ خل اللات خل العزی۔ خدیجہ نے کلمات کو جانے دیجئے۔ عزی کو جانے دیجئے یہ تو اب روایت کا راوی اپنے سامعین کو لات وعزی کی اصلیت و ماہیت بتلاتا ہے کہ لات وعزی اصل میں کیا ہے تھے لات وعزی دو بت تھے۔ جنکی پرستش وہ لوگ (اہل عرب) سولے سے پیشتر کر لیا کرتے تھے۔ یعنی عرب میں یہ دستور تھا کہ سولے سے پہلے اندولہ بتوں کی پوجا کر لیا کرتے تھے۔ اب اس تفصیل کی تشریح ملاحظہ ہو۔

راوی کو اس روایت کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہوئی؟ وہ یہ ہے کہ راوی (خدیجہ کا ہمسایہ) خود اہل عرب تھا اور اس قدیم دستور کا جاننے والا۔ اسکو اندونون حضرات (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ کے) مکالمات سنکر جو ملک قوم کے دستور قدیم کے صریح مخالف تھے۔ بالکل نیا اور انلوگون کا تنہا طریقہ معلوم ہوا۔ اس لئے اس واقعہ کی ثنرت اور اندونون حضرات کی کفر پرستی سے نفرت اور تمام قوم کے اس دستور قدیم سے مخالفت کی بنا پر راوی نے اس واقعہ کو اس سلسلہ خاص کے ثبوت میں کہ یہ دونوں بزرگوار بت پرستی کے قدیم دستور اور رسم و رواج سے بالکل علیحدہ اور تمام اہل عرب میں اس ناہنجار اور کفر کردار عادات سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ جب طرح جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لات وعزی کی پرستش سے قنفر تھے اسی طرح حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا بھی اس سے محترز تھیں۔

مارگیو لوس صاحب کی سمجھ کا کیا کھنا۔ خوب سید ہے کا اولٹا سمجھے۔ افسوس ہے اونکے اس مورخانہ بیان پر اور حسرت ہے اونکی محققانہ شان پر بقول سبلی صاحب اس روایت کے غلط معنی لگا کر تمام دنیا سے اپنی عربی دانی کی داد لیتے ہیں۔ اور ساری دنیا کو اپنی غلط فہمی سے فریب دیتے ہیں۔ لیکن اپنی توریت مقدس میں حضرت یعقوب کی بی بی کا جنکا نام راحل (راحیل) تھا۔ جو بذات خاص ایک طویل القدر پیغمبر کی بیوی اور تمام انبیاء کی بنی اسرائیل کی مان بھین

اپنے باپ لابن کے بتوں کو چھڑانا۔ اور اونٹوں کے کجاوے میں اونکو چھپا کر اونپر آپ بیٹھ جانا۔ اور اس شکل و صورت سی پکڑا جانا اور حیض کا بہانہ کر کے اس مقام سے نہ اٹھنا اور اس حیلہ و ترکیب سے اون بتوں کو اپنے پاس رکھ لینا اور باپ کو واپس نہ دینا پوری تفصیل سے درج ہے۔ (سفر تکوین باب ۲۱-آیت ۵-۲۵) دیکھو ذرا بھی نہیں شرماتے۔ مارگیو لوس کے ہاں نبوت یا ناموس نبوت کی کوئی خصوصیت نہیں۔ وہ اس شخص کو بھی تمیم میں لیتے ہیں اور جب حضرت یعقوبؑ کی خانہ نبوت اور ان کے خاص ناموس کے ان اہتمامات صریح کو واقعات صحیح سمجھتے ہیں تو پیغمبر عربؐ اور اسکے پاک و مقدس ناموس کی نسبت مارگیو لوس کو اس مغویانہ اور گمراہانہ فریب کاری کرتے ہوئے کب شرم و حجاب آسکتا ہے؟

مارگیو لوس کی غلط فہمی اور عالم فہمی کی کامل تردید کر کے ہم شبلی صاحب عثمانی کی خدمت میں پھر یاد دہانی کرتے ہیں کہ آپ نے عبد العزیزی کے تسمیہ کی تاویل میں نہایت بیباکی سے لکھ دیا ہے کہ حضرت خدیجہ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں آپ کا یہ لکھ دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ واقعہ کی اصل عبارت تو یہ بتلا ہی ہے کہ حضرت خدیجہؓ اسلام سے پہلے بھی بت پرستی سے کا رہے اور منفرد تھیں تب تو فرماتی ہیں خل اللات خل عزی جس کا ترجمہ آپ خود ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔ لات کو جانید کیجئے عزی کو جانید کیجئے (یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجئے) شبلی صاحب خود اپنے ان مختلف مختار و آرا پر غور فرمالین۔ جب آپ خود اعتراف لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود بقول آپ کے ان بتوں کے ذکر سے بھی منع فرماتی تھیں تو وہ پھر خود کیسے بت پرستی کر سکتی تھیں اور ان کو کون بت پرست کہہ سکتا ہے۔

(دش) پھر زیر عاشریہ یہ روایت مرقوم ہے۔

مارگیو لوس نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزی کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیری فرج کی تھی۔ صاحب موصوف نے اسکی سند میں مگر کوئی عربی ماخذ نہیں پیش کیا۔ بلکہ ولسون کا حوالہ دیدیا ہے (دیکھو مارگیو لوس کی کتاب ص ۴۸-۴۹) معجم البلدان (جغرافیہ کی ایک کتاب) میں ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے اول تو اس موضوع خاص میں یہ کتاب خود بے سند ہے۔ ثانیاً یہ روایت کلبی سے ہے جو مشہور و روغلو ہے شبلی صاحب کا پہلا اعتراض کہ مارگیو لوس نے عربی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا بالکل صحیح ہے اور مارگیو لوس کا نبوت میں اپنا ماخذ پیش کرنا بالکل خلاف استدلال ہے۔ جب معجم البلدان میں یہ روایت دیکھ لی گئی تو مارگیو لوس کے سر سے وضع حدیث کا الزام جاتا رہا۔ باقی رہا شبلی صاحب کی یہ فرمائش کہ معجم البلدان جغرافیہ کی کتاب ہے اور صنف حدیث میں موضوع نہیں ہوئی ہے مخالفین کے لئے تشفی بخش نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہاں تو دیوانہ راہو سے بس است کا عالم ہو اور نحین حدیث و جغرافیہ کی تغیر لفظ و تمیز سے کام نہیں۔ اون کا تعصب اونکی خود غرضی اور نحین تمیز کب کرنے دیگی۔ اب اونھوں نے ایک مسلمان مصنف کو دیکھ پایا۔ اور اسی کے قول سے لگا استدلال انکی تنقید و تردید کے لئے ہم پھر شبلی صاحب کی مذمت میں عرض کریں گے کہ ان سے استدلال میں وہی اصول قائم رکھے جائیں جو ہم اوپر لکھ کر تبا لائے ہیں۔ یا قوت حمونی کی جغرافیہ دانی یا حدیث سے ناواقف کاری یا کلبی کی موضوعیت اور

غلو کا رسی دکھلانے سے کام نہیں نکلے گا۔ صاف صاف لکنا اور اقرار کرنا ہو گا کہ خلاف اصول عقاید کوئی صاحب ہون  
محدث۔ مورخ یا کوئی اور ہوں۔ جب کوئی روایت کوئی واقعہ مخالفت عقاید بیان فرمائیں گے۔ وہ مسلمانوں کے لئے نہ قابل  
قبول ہو گا نہ لائق تسلیم۔ اس لئے یہ تمام واقعات و روایات جو اوپر بیان کی گئی ہیں اور تاریخ بخاری اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ  
الکماخذ متبایا گیا ہے۔ سب کے سب محض لغویات ہیں اور صریح مفتریات۔ مخالفت۔ اسلام کسی وقت اور کسی زمانہ میں  
نہ ہمارے رسول صلعم کے طریقے اور عمل ثابت ہوئے ہیں نہ اس کے اہل بیت کرام علیہم السلام کے رسول ماننے نہ اس کے بی بی نے  
کبھی بت پرستی کی اور نہ کبھی اپنی کسی اولاد کا نام بتوں کے نام پر رکھا۔ حقیقتاً عبدالعزی نام آپ کا کوئی بڑا بیٹا ہی نہیں تھا۔  
آپ کے بڑے صاحبزادے کا نام قاسم تھا۔ جنکی خصوصیت کی وجہ سے عرب کے قدیم قومی دستور کے مطابق آپ کی کنیت  
ابو القاسم رسی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشہور ہوئی۔ لیکن قصائے الہی سے وہ بھی قبل بعثت انتقال فرما گئے۔ یہ تمام مرویات اس  
زمانہ اور اس زمانہ کے لوگوں کی موضوعات ہیں جن لوگوں نے ادرون کے عیب چھپانے اور بابر بنانے کے لئے شان  
رسالت کی تخصیص میں خواہ مخواہ تعمیر کو داخل کر دیا۔ ان لغویات کے لئے نہ اسلام جوابدہ ہو سکتا ہے نہ باقی اسلام علیہ السلام

## موحدین سے ملاقات

محض ضرورت نہ تھی ہے شبلی صاحب اور تمام اہل اسلام کے نزدیک یہ سم ہے  
کہ رسالت کے تمام طریقے وہی ہوتے ہیں تعلیم نہانی اور توفیق نیردانی ابتدا سے  
لیکر انتہا تک رسول کے شامل حال ہوتی ہے تو یہ اسکی کوئی ضرورت و احتیاج نہیں کہ موحدین سے ملاقات ہو یا نہ ہو۔  
موحدین سے ملاقات اور مجالسات متعصب رسالت میں تعلیم و کتاب کے شعبہ پیدا کر دین گی۔ جو قطعاً ناقص  
رسالت ہے۔ جن موحدین کا ذکر کیا گیا ہے یا جگہ نام لئے گئے ہیں اوٹکے اعتقادات فی الوجدۃ کی تفصیل و صورت نہیں  
بتلائی گئی ہے کہ وہ کس قسم کی وحدانیت کے قائل تھے۔ ان میں سے شبلی صاحب نے ایک ورقہ بن نوفل کا حال خود لکھا ہے  
کہ وہ آخرین عیسائی ہو گئے تھے۔ تو آپ ہی فرماتے کہ انکی نصیحت فی الوجدۃ کس کام کی رہی۔ جب ادنیوں نے ذات الہی  
کو قابل تناسل و توالدین کر لیا۔ پھر توحید کا ایسا غلط اور سرسراہٹا اعتقاد رکھنے والے شخص کی ملاقات سے اس بزرگ کو  
کیا نقص اور کیا فائدہ حاصل ہو نہ والا تھا۔ جو خاص اور کامل توحید کی تبلیغ و تعلیم کے سبب بجا گیا ہو اور جو خاص طور پر توحید کے  
راستوں سے اون خار و خاشاک کو پاک و صاف فرما دینے کے لئے اٹھا گیا ہو جو سالکان وحدت کے دامنوں میں اولجہ اولجہ  
اونکو قربت الہی کے حصول سے روک رکھتے ہیں۔

اسکے علاوہ آپ خود اس وقت کے موحدین میں قیس ابن مسعود۔ ورقہ بن نوفل۔ عبداللہ بن جہش۔ عثمان بن الحواری  
انویس بن عمر بن نفیل (غرض خاص تو انکے نام کے شمول سے ہتی) کے نام لکھا کہ خود کہتے ہیں کہ ان بن سے آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم نے زید سے ملاقات کی ہتی جس کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے۔ ص ۱۳۱ اس سے معلوم ہوا کہ بقیہ لوگوں  
سے ملاقات نہیں ہوئی۔ تو پھر آپ ہی کی اس خاص تحریر سے آپ کی یہ سرخی کہ موحدین سے ملاقات غلط اور محض بے ضرورت ثابت



ہو گئی۔ مگر آپ نے آگے چل کر اپنے اس اعتراف و اقرار پر بھی اعتبار نہیں کیا اور زید سے بھی ملاقات ہونے کی یہ صورت نکالی تھی کہ ”ورقہ عیسائی ہو گئے تھے۔ اور چونکہ حضرت خدیجہ کے براہ و رحم زاد تھے اور مکہ ہی میں رہتے تھے اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ آپ ان سے ملے ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان سے آپ کی دوستی تھی۔ ص ۱۴۱

میں کہتا ہوں کہ آپ کا قیاس صحیح ہے اور بالکل فی الواقع۔ آپ کو خود اسکی واقعیت یاد نہیں رہی۔ اس لئے قیاس کرنے کی ضرورت ہوئی۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل سے ضرور ملاقات ہوئی۔ آپ خود لکھ چکے ہیں۔ اپنی سیرۃ النبی جلد اول کے صفحہ ۱۳۸ میں اپنی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

آپ نے حضرت خدیجہ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو ورقہ کے پاس لے گئیں۔ جو عبری زبان جانتے تھے اور توریت و انجیل کے ماہر تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واقعہ کی کیفیت سنی تو کمایہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اتر ا تھا۔

یہی ملاقات ہو گئی لیکن اس ملاقات سے وہ ملاقات جو آپ کی اصلی مراد ہے ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ بالکل غلط ٹھہری۔ موصدین سے ملاقات کی خاص سرخی قائم کرنے سے جو آپ کا دماغ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں میں مرا سکتے۔ آپ ان کے پاس آتے جاتے تھے ممکن ہے کہ یہ لوگ بھی آپ کے پاس آتے جاتے ہوں۔ مگر ورقہ والی مندرجہ بالا واقعہ نے صاف صاف بتلادیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ورقہ میں اس واقعہ سے پہلے شناسائی اور اسم نہیں تھے۔ کیونکہ اگر فیما بین آمد و رفت ہوتی تو حضرت خدیجہ کو بے جا نہ اور معرفت لگاتار کی ضرورت نہ پڑتی۔ اگر قبل سے آپس میں روابط ہوتے۔ تو آپ بالتفہن جاکر براہ راست اون سے اپنی تسکین نفسی فرمالتے۔ جناب خدیجہ کی معرفتی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ فیما بین صرف شناسائی تھی۔ مجالست یا مکالت اور صلاح و مشورت ثابت نہیں۔

ورقہ بن نوفل ہو چکے قس بن ساعدہ کی نسبت لکھا جاتا ہے ادب و محاضرات کی کتابوں میں عموماً اور بعض تاریخ نویس بھی مذکور ہے کہ قس بن ساعدہ نے عکاظ میں جو مشہور خطبہ دیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خطبہ میں شریک تھے۔ شبلی صاحب نے اپنے کسی اقرار پر قائم رہتے ہیں اور نہ اپنے کسی مختار پر۔ ذرا اپنے دیباچہ میں نقل روایات کو منسلق اپنے مقرر کردہ حدود و نصاب یا ذرا بے جا یکن۔ پھر اپنے ادب و محاضرات کے حوالجات پر غور کیا جاوے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ یہ واقعہ آپ کے نصاب مقررہ کے مطابق ہرگز قابل اندراج نہیں تھا۔ پھر آپ نے محض بے ضرورت اسکو کیوں لکھا۔ پھر لکھ کر آئندہ عبارت میں قوی دلائل سے اسکی تردید بھی فرمادی تو گویا تمام تیرہ آپ کی سی حال تھی اور کچھ بھی نہیں لیکن آپ نے ان واقعات کو خاص کر اس وجہ سے لکھا اور حتی الامکان اس کی تردید بھی کر دی اس باعث سے کہ عیسائی منافقین انھیں غیر عقیدہ اور نامستند روایات کو اپنی عالمقری کا مآخذ بنا لیتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ان لوگوں کی تسلیم ہدایت۔ مشورت اور صحبت کا نتیجہ بتلاتے ہیں۔

ہم کو بھی پتا ہے کہ یہ غرض آپ کی صحیح ہے اور یہی آپ کی حفظ ماتقدم کے اعتبار سے ایک حد تک مفید ہے لیکن آپ نے  
 قس بن ساعدہ کی روایت کے متعلق اپنی ہفتہ درود کو تمام کر دیا جو ورقہ بن نوفل اور خصوصاً زید بن عمر بن نفیل کی نسبت  
 مجالست، مکالمات اور برابر صحبت کو صحیح یقین کر لیا ہے۔ کیونکہ زید کی نسبت تو صحیح بخاری کے اسناد موجود ہیں اسلئے  
 ان مرویات کی تردید پر آپ کا قلم نہ اٹھ سکا۔ جب قلم نہ اٹھ سکا، تردید نہ ہو سکی تو آپ کے خیالات کو ان مافزون سے اپنی  
 عالم فہمی کے نتیجے نکالنے کا تو ویسا ہی موقع حاصل رہ گیا۔ اگر قس بن ساعدہ سے نہیں تو ورقہ، زید بن عمر سے استفادہ اور  
 مشورۃ فی علم الرسالت کا قیاس تو اپنی حالت پر قائم رہ گیا۔ حالانکہ یقیناً رسالت کو ان ظنیات و قیاسات سے کیا واسطہ  
 اور کیا سروکار۔ اور ان مشتبہات میں فی المدفونت اور مشکوٰۃ میں فی الوحدت کو سلینہ رسالت کے آگے کیا مقدار اور کیا اعتبار۔ یہ  
 گم کردگان حقیقت اپنے خیالات و جذبات میں بغیر کسی راہبر کے شاہد حقیقی کی تلاش میں اگر تھوڑا بہت سمجھ سمجھ کر گزر رہے  
 تھے۔ یا بگڑ بگڑ کر سمجھ رہے تھے۔ وہ حقیقتاً اصل خدا شناسی اور معرفت سے کہیں دور تھے۔ پھر مبلغ رسالت اور متم نبوت کو  
 ان سے صحبت رکھنے کی نہ کوئی ضرورت تھی اور نہ مشورت کرنے کی حاجت۔ اس بنا پر ان لوگوں کی ملاقات یا مجالسات کا  
 ذکر کرنا اور پھر اس اہتمام سے کہ اسکے لئے ایک جدا گانہ عتوان قائم کرنا، معترضین کو اعتراض کا اور موقع دلانا ہے اور توہمین  
 کے توہمات کو اور قوی بنانا ہے۔ دیکھئے۔ آپ خود۔ اپنی کتاب میں چار صفحوں کے بعد ان لوگوں کو فتح و فتح کو جنکو آپ موحّدین بتلاتے  
 ہیں اور ان سے رسول صلعم کی ملاقات کو ایک خاص باب میں بیان فرماتے ہیں۔ ان الفاظ مفصلہ ذیل میں لکھ کر دکھاؤ گے  
 یہ فطرت سلیم اور نیک سرشتی کا اقتضا تھا۔ لیکن ایک شریعت کبریٰ کی تاسیس۔ ایک مذہب کامل کی  
 تشہید اور رہنمائی کو مین کے منصب عظیم کے لئے کچھ اور درکار تھا اس زمانہ کے قرب میں تین اور حق پرستوں  
 (ورقہ، زید، عثمان بن حویرث) کے دل میں خیال آیا کہ جواد العیقل کے آگے سُر جہ کا نا حاققت ہی چنا پڑے  
 سب مذہب حق کی تلاش میں نکلے لیکن ناکامی کی دیوار سے سُر جہ ٹکرا کر گرہ گئے۔ ورقہ اور عثمان عیسائی  
 ہو گئے۔ اور زید یہ کہتے کہتے مر گئے کہ اے خدا اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ تمہارے کس طریقہ سے پوچنا چاہئے تو میں

اس طریقہ سے تجھے پوچتا۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۴۶

جب آپ خود ان لوگوں کی ایسی حالت لکھ کر اقرار کرتے ہیں کہ سب کے سب دیوار سے سُر جہ ٹکرا کر گر گئے۔ یعنی کوئی بھی راہ معرفت  
 یا منزل وحدت تک نہیں پہنچا۔ تو پھر آپ نے انکو موحّدین کیسے تسلیم کر لیا۔ اگر توہمین کی پرستش نہ کرتے تو آپ کو انہی قابل توہم  
 ہونیکا گمان ہوا ہے تو جن بدہ اور نامک شاہی تمام فرقوں کو موحّدان لیجئے۔ اور ان کے عالموں باعد موجدوں سے ملاقات  
 کرینیکو (اگر واقعات مل جائیں) ایک رسول کے لئے ضروری اور قابل الذکر یقین کیجئے۔ اور اگر ورقہ وغیرہ کھگ عیسائی ہو جائے  
 سے آپ نے موحّد سمجھ لیا تو جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں آپ کو بھی سہ ماہ تثلیث کو مین حیدرین کر لیا ہوگا افسوس تو یہ ہے کہ آپ  
 خود غرضانہ تعلیمات کے ساتھ واقفیت و انصاف لینا چاہتے ہیں اور تمام مباحضین محال ہے۔

ایک زید بن عمر بن نوفل کی شخصیت اور معرفت قائم کرانے کے لئے۔ جس کے سلسلہ میں ہمیں پشت بعد حضرت عمر بن الخطابؓ پہنچا ہوئے۔ یہ تمام کوششیں کی گئی ہیں اس میں کلام نہیں کہ شبلی صاحب کی یہ ایجاد اور جزا و قاص نہیں۔ بلکہ ایک زمانہ سے علماء محدثین نے حفظ و اتقان کے خیال سے اور حضرت عمرؓ کے خاندانی اور قدیم فضل و کمال ثابت کرنے سے ان مرویات کو جو صریح موضوعات میں تبلیغ و سیرت کی کتاب بن میں داخل کر دیا ہے۔ جو ناقص شان رسالت ثابت جو نیکی علاوہ طرح طرح کے فساد پیدا کرتی ہیں جن میں سے ایک تو عیسائی مستشرقین کو غلط تعریضات کی موقع دہی ہے جس کی آپ خود تنقید و تردید فرما چکے ہیں اسکے علاوہ اور مفادات ہیں جو نفس اسلام میں سخت خرابی پیدا کرتے ہیں۔

یہ سرخی بھی بیکار ہے اور محض بی ضرورت۔ لیکن جس ضرورت خاص سے آپ نے اس کو لکھا ہے وہ بھی

**اجاب خاص** پوشیدہ نہیں ہے شبلی صاحب کی عبارت یہ ہے۔

نبوت سے پہلے جو لوگ آپ کے اجاب خاص تھے۔ نہایت پاکیزہ اخلاق۔ بلند مرتبہ اور عالی مرتبت تھے ان میں سب سے مقدم حضرت ابو بکرؓ تھے۔ جو برسوں آپ کے شریک صحبت رہے حضرت خدیجہ کے چچھے بھائی حکیم بن خرام۔ جو قریش کے معزز رئیس تھے وہ بھی اجاب خاص میں تھے۔ حرم کا منصب انھیں کے ہاتھ میں تھا۔ دارالاندوہ کے بھی یہی مالک تھے۔ چنانچہ اسلام کے بعد امیر معاویہ کے ہاتھ میں ایک لاکھ درم پر بیع ڈالا۔ لیکن یکل رقم خیرات کر ڈالی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمر میں پانچ برس بڑے تھے اگرچہ یہ مدت تک یعنی ہجرت کے آٹھویں سال تک ایمان نہیں لائے۔ لیکن اس حالت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ کعبہ میں ذوینر کا اسباب نیلام ہوا تھا۔ اس میں ایک ٹکڑہ تھا۔ انھوں نے اس کو پچاس اشرفیوں پر خریدا اور مدینہ لیکر آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نذر کریں آپ نے فرمایا کہ مشرکین کا ہر یہ قبول نہیں کرتا البتہ قیمت لو تو لے سکتا ہوں۔ مجبور ہو کر انھوں نے قیمت یعنی گوارا کر لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو لے لیا۔ ضحاک ابن قلیبہ جواز کے قبیلے سے تھے۔ جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی اجاب خاص میں تھے۔ نبوت کے زمانہ میں یہ مکہ میں آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ راستہ میں جا رہے ہیں اور پیچھے لونڈوں کا غول ہے مکہ کے کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجنون کہتے تھے۔ لونڈوں کا غول دیکھ کر ضحاک نے بھی یہی قیاس کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں جنون کا علاج کرتا ہوں۔ آپ نے حمد و ثنا کے چند موثر جملے ادا کئے ضحاک مسلمان ہو گئے۔ اس واقعہ کو مسلم اور نسائی نے مختصر لکھا ہے لیکن زیادہ تفصیل مستدام احمد بن حنبل جلد اول ۳۰۲ میں ہے۔ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ تنہا حضرت ابوبکر کا شمول کافی نہ تھا۔ بہتر ہوتا کہ عشرہ مبشرہ کے تمام حضرات احباب خاص کے

اس قدیم دایرے میں لے لئے جاتے۔ تو صحبت بھی مقول ہو جاتی۔ اور ان بزرگواروں کے آئندہ حسن خیالات بھی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و رفاقت کے لئے اپنی صلاحیت و موزونیت کو آپ ثابت کر دیتے۔ لیکن شبلی صاحب میں

نہ اتنی جرأت اور نہ اتنی جدت کہ وہ تقلید اسلاف کا قدیم طریقہ چھوڑ کر اپنی مضمون آرائی میں کوئی تازگی پیدا کریں۔ اسلئے آپ نے

وہی پرانی اور پائسال لکیر پیٹی۔

حکیم ابن حزام جو حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی ہوتے تھے دوسرے نمبر میں احباب خاص قبلائے جاتے ہیں

حضرت ابوبکرؓ کے احباب خاص میں کی تو کوئی خصوصیت نہیں بتلائی گئی۔ لیکن انکے اوصاف و فضائل کی قدر سے معرفت

کرائی گئی ہے۔ اول یہ کہ حضرت خدیجہ کے برادر عم زاد تھے۔ اصولاً یہ قرابت بھی مفید مطلب نہیں ہوتی۔ کیونکہ واقعات تو یہ

تھا اور حضرت ابوبکرؓ تھے۔ سیرۃ النبی ص ۱۳۱ ممکن ہے کہ ثیابین شناسائی ہو لیکن جو شخص شناسائی احباب خاص کی خصوصیت

تک نہیں پہنچتی۔ خصوصاً جب سن ۶ سال میں فیما بین اتنی تفاوت واقع ہو کہ ایک سیرہ سالہ ہو۔ قریب بلوغ اور دوسرا بچہ پڑ

سہ سالہ یا چار سالہ شبلی صاحب احباب خاص کی ضرورت اور مقاصد و مطالب کو خوب جانتے ہیں۔ علی العموم احباب خاص

وہی اشتیاق بنا جاتے ہیں جو سن ۶ سال اور غلو و کمال اور فکر و خیال میں مساوی ہوتے ہیں۔ ان فضائل میں سے کوئی خصوصیت

اور سوقت تک حضرت ابوبکرؓ کے لئے ایسی ثابت نہیں کی جاتی جس میں وہ آنحضرتؐ کے ساتھ مساوی ٹھہرائے جائیں جب کوئی

ایسا قرینہ اور ذریعہ یا ضرورت ایسی معلوم نہیں ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ کو قبل از وقت نبوتؐ کے خاص احباب میں شامل کرنے سے

آپ کی وہی غرض و غایت حفظ و تقدم اور تشیید ہی سمجھی جاوے گی جو احباب مومنین کی فہرست قائم کرنے میں آپؐ پرید بن عمرؓ کی

شتموں کی نسبت مد نظر رکھ چکے ہیں۔ عرب کی قدیم تاریخوں میں تو نہ احباب مومنین سے ملاقات رکھنے کا ذکر ہے اور نہ احباب

خاص کا ذکر۔ ہاں حدیثوں سے مانعہ کی ہوئی سیرت و تاریخ کی کتابوں میں عالم صحابیت کی بنیاد رکھنے کے لئے ان واقعات کو

قلمبند کرنا از حد ضروری سمجھا گیا ہے کیونکہ یہی حضرات قبل نبوتؐ تک تو احباب خاص رہتے ہیں اور بعد نبوتؐ اصحاب خاص

ہو جاتے ہیں۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ تنہا حضرت ابوبکرؓ کا شمول کافی نہ تھا۔ بہتر ہوتا کہ عشرہ مبشرہ کے تمام حضرات احباب خاص کے

اس قدیم دایرے میں لے لئے جاتے۔ تو صحبت بھی مقول ہو جاتی۔ اور ان بزرگواروں کے آئندہ حسن خیالات بھی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و رفاقت کے لئے اپنی صلاحیت و موزونیت کو آپ ثابت کر دیتے۔ لیکن شبلی صاحب میں

نہ اتنی جرأت اور نہ اتنی جدت کہ وہ تقلید اسلاف کا قدیم طریقہ چھوڑ کر اپنی مضمون آرائی میں کوئی تازگی پیدا کریں۔ اسلئے آپ نے

وہی پرانی اور پائسال لکیر پیٹی۔

حکیم ابن حزام جو حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی ہوتے تھے دوسرے نمبر میں احباب خاص قبلائے جاتے ہیں

حضرت ابوبکرؓ کے احباب خاص میں کی تو کوئی خصوصیت نہیں بتلائی گئی۔ لیکن انکے اوصاف و فضائل کی قدر سے معرفت

کرائی گئی ہے۔ اول یہ کہ حضرت خدیجہ کے برادر عم زاد تھے۔ اصولاً یہ قرابت بھی مفید مطلب نہیں ہوتی۔ کیونکہ واقعات تو یہ



تلاش میں کہ حضرت خدیجہ کا اپنا بھائی۔ نوفل بن خویلد۔ وہ بد بخت اذلی تھا۔ جو شقی ترین مشرکین کے ساتھ جان رسالت کا مرتے دم دشمن بنا رہا اور آخر کار معرکہ بدر میں جناب علی مرتضیٰ کی تیغ آبدار سے دھل جہنم ہوا۔ یہ تو حقیقی بھائی کا مال کا رہے۔ اسکے مقابلے پر دعوہ زدوں کا کیا شمار۔ اور اس میں ترقی کی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ بد بخت ابولسب جو اصلی قرابت میں اپنا چچا ہوتا تھا۔ ہمیشہ ملکا جان بنا رہا تو پھر ان سببی علاقہ ہندو کا کیا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ دوم یہ کہ قریش کے نامور رئیس تھے۔ دارالندوہ اور فادہ کے مالک یہ سب صحیح اور فی الواقع۔ مگر یہی وجوہات نبوت کے احباب خاص ہونے کے اگر اسباب خاص قرار دیے جائیں تو نبی زمانہ کی حیثیت رؤساء اور اہل تمول سے یا امر کے و بارہی مصاحبین سے زیادہ ثابت نہیں ہوگی۔ اور پھر نبوت و رسالت کے ابتدائی جذبات و خیالات امارت و ریاست کے موثرانہ اقتباسات جملائے جائیں گے۔ دہم پرست مخالفین تو آپ کے اس قیاس سے مقدار کا طومار بنادیں گے۔ سوم یہ کہ آخر میں ان احباب خاص کا مال کا رجو نبوت و رسالت کا مدعا خاص ہونا چاہیے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بزرگ آنکھوں میں سال بھری تک نہ اپنے محبت خاص کو رسول برحق سمجھ سکے اور اسکی رسالت کو سچی رسالت۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اسے مراسم درہ کے نبوت ان پر اپنے فیضان کا کوئی اثر نہ پہنچا سکی۔ پھر پیغمبر کو اس شخص کو احباب خاص بنانے سے کیا نادمہ ہوا۔ اسکے بعد شبلی صاحب صلوٰۃ والا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس واقعہ سے تو حکیم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و الفت کیا ایک قسم کی نفرت ثابت ہوتی ہے۔ اور اسی مقام سے اصل مدعا نبوت معلوم ہو جاتا ہے جو ہر نبی اللہ کو ابتداء ہی سے نظر رہتا ہے۔ آپ اپنے قدیم دوست کے ہر یہ کو صرف اس بنا پر واپس دیتے ہیں کہ وہ اب تک ایمان نہیں لایا ہے۔ اور یہ بالکل صحیح ہے۔ اس لئے کہ جس شخص سے ایسا گمراہ و قدیم اتحاد قائم ہے۔ وہ اب تک دل میں تو جھوٹا سمجھتا ہے لیکن محض ظاہر داری کے طریقہ پر اس کے ساتھ تماشائی خلوص و محبت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ معاملات تو احباب خاص کی خصوصیت کو اور بدناما دیتے ہیں۔ اور احباب خاص ہونیکا جیسا شبلی صاحب کا قیاس ہے کوئی کافی ثبوت نہیں پہنچاتی یہ تو خیر حکیم خرام کا یہ تھا جو بلا قیمت نہیں لیا گیا اور اسوجہ خاص سے کہ حکیم اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ہم تو شبلی صاحب کو حضرت ابو بکرؓ کا ہجرت کے موقع پر اونٹ کا ہڈی پیش کرنا یاد دلاتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ تو خیریت سے مسلمان بھی ہو چکے تھے اور سوت رفیق تنہا بنائے جا چکے تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے نکاح بھی ہو چکا تھا۔ اسوجہ سے قرابت سببی پر بھی فائز ہو چکے تھے لیکن ان تمام خصوصیات پر بھی مضاعف قیمت دیکر اونٹ لیا گیا۔ ایسا عالی ہمت۔ یہ چشم اور مستغنی المزج بزرگ کیا اور کا احباب بننا یا اونکو اپنا احباب بنانا کب گوارا فرماتا۔

ضاد ابن ثعلبہ از دی غریب کا۔ جو احباب خاص کے تیسرے نہیں رکھے گئے ہیں حکیم ابن خرام کے ایسے دو متمند شخص سے اچھا مال کا ہو اور ان پر فیضان نبوت کے اچھے اور پورے اثر ہوئے۔ ان کے مخلصانہ سوال کے جواب میں بہائے مبارک سے چند مؤثر جملوں کا ارشاد ہونا تھا۔ جیسا کہ لکھا گیا ہے ضاد مسلمان ہو گئے شبلی صاحب اسی واقعہ سے شان رسالت اور فیضان نبوت کی حقیقت کو سمجھ لیں۔ ابھی تک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فائز رسالت بھی نہیں ہوئے تھے۔ پھر کہاں تسخیر اور قوت

تاثير جو سوائے قدرت روحانيت کے آئے۔ انہیں نہ ملتی۔ اسوقت آپ کی ارشاد میں کیسے اور کہاں سے آئی۔ اسوقت تک نزول قرآن بھی نہیں ہوا تھا۔ جو یہ کہا جاوے کہ آپ نے وہ قرآن کے جملے پڑھے تھے۔ اور یہ کلمات الہی کی جبروتی تاثير تھی جس نے غماؤ کو قبول ایمان کی طرف کھینچ لیا۔ یہی وہ مشاہدات ہیں جو ہر زمانہ میں نبی زمانہ کو عام اس سے کہ وہ فائز برسات ہوا ہو یا نہ ہوا ہو ہدایت ارشاد کے مخصوص موقعون اور ضرورتوں کے وقت ان کمالات روحانیت سے ہمیشہ کامل ثابت کرتے ہیں یہ کمالات اسکی قدرت عمالیہ کے ساتھ ساتھ پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ بالما ارج نشو و نما اور ترقی پاتے رہتے ہیں۔ اسی بنیاد پر نبی و مہدی کا ازمدانی الہی ان تمام کمالات پر فائز ہونا اسلام کے اصول عقائد میں داخل ہے۔ ملاحظہ ہو یہ علم رازی قیس ابن سائب مخزومی کو احباب خاص کی فہرست میں چوتھا نمبر رکھا گیا ہے۔ میرے خیال میں ایسا اندراج تو بالکل بی ضرورت ہے۔ انکے خیالات سے سوائے اسکے کچھ اور نہیں معلوم ہوتا کہ جن لوگوں کے ساتھ آنحضرت صلعم مکہ میں کاروبار تجارت رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ آپ کے معاملات کو یہ بہت صاف رکھا جانا ثابت کرتے ہیں۔ ان بزرگ کے اس بیان سے نبوت کی حقیقت کیا معلوم ہوئی۔ ہاں اس زمانہ میں مشغلہ تجارت کے متعلق آپ کا کمال تدبیر ثابت ہوتا ہے۔ جو شبلی صاحب کے موضوع تالیف سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ تجارت میں کمال تدبیر کوئی ایسی بات نہیں جو آپ کی ذات میں من حیث التجار کوئی خصوصیت ثابت کرتا ہو۔ یہ تو تجارت اور اہل تجارت کے لئے عموماً اتنا ضروری ہے کہ اسکے بغیر ایک دن بھی دنیا کا کاروبار نہیں چل سکتا۔ فی زمانہ بڑی بڑی تاجر کمپنیاں چلی ہیں اور قریب قریب تمام تر غیر اسلامی ہیں۔ اور ادون میں کمال تمدن ثابت ہوتا ہے تو کیا انکے اس کمال تمدن سے ہم ادون میں شائبہ نبوت بھی تسلیم کر لیں اگر یا یہی ہو تو ہر سچ آدمی یہی ہو سکتا ہے۔

افسوس ہے شبلی صاحب کی اس خود غرضانہ غفلت اور ہوشیارانہ اخفا و چشم پوشی پر۔ آپ نے احباب مہدیہ میں اور مخصوص میں کی فہرستیں کمال تعجب و تلاش سے مرتب کر لیں اور بڑے حزم و احتیاط سے سرے سے بیرونی اور غیر سرکاری لوگوں کو آنحضرت صلعم کے ارباب ملاقات اور احباب ردو ابطو اتحاد میں شامل کر لیا لیکن آپ کی یاد اور آپ کی نظر تو جہ کہہی اس طرف نہ گئی کہ محمد صلعم کے گھر میں بھی کوئی کچھ تھا جس سے آپ مجالست، مکالمات یا صحبت کا لطف اٹھاتے اور اسکو محبوب خاص بناتے۔ قرآن بتلا رہے ہیں کہ آپ کی تحقیق میں یا تو محمد (صلعم) کا گھر آدمیوں سے بالکل خالی تھا یا ادون کے گھر والے ایسی ہی ناکارے تھے کہ آنحضرت صلعم سرے سے اونکو منہ لگانا نہیں چاہتے تھے۔ اور ادون سے مجالست، مکالمات یا صحبت رکھتے جانے کی ذلت کو گوارا نہ فرماتے تھے۔

نبی ہاشم پر صبی کہ آپ کی ابتداء تالیف سے نظر شفقت ہے وہ اس کتاب میں ہم ہر ہر مقام پر دکھاتے آئے ہیں اور انشاء اللہ دکھاتے آئیں گے۔ شبلی صاحب۔ ذرا لگتی ہوئی باتوں کو کتاب میں لکھا کچھ جس بزرگوار کے گھر میں ایک کبیر سن جد امجد خدا کے فضل و کرم سے اسکے گیارہ ہوشیار اور اہل کاروبار بیٹے اور چچان بیٹوں کے معتد و بیٹے موجود ہوں۔ کنبہ کا کنبہ اور قبیلہ کا قبیلہ ایسا بھرپور ہو۔ وہ اپنے تمام عزیز و اقارب میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی مراسم ردو ابطو نہ پیدا کرے۔ نہ کسی سے ملاقات

رکھا ہوا اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور احباب خاص بنانا ہو۔ آپؐ کو کئے کس قدر خلاف فطرت ہے اور منافقت عادت۔ کیا  
تقوٰۃ اللہ عبد المطلب کے گھر میں سب کے سب ابولہب ہی تھے۔

سب کو جانے دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے چھوٹے چچا حضرت حمزہ جو سن میں تقریباً برابر  
رضاعی بھائی بھی ہوتے تھے جنکے متعلق آپؐ خود لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے اعمام میں حضرت حمزہؓ کو آپؐ سے خاص محبت  
تھی۔ (تاہم احباب خاص میں نہ لے گئے) وہ آپؐ سے بن میں دو تین برس صرف بڑے تھے۔ اور ساتھ کھیلے تھے۔ دونوں نے  
توبہ کا دودھ پیا تھا اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے۔ وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن آپؐ کی ہر ادا کو محبت کی نظر  
دیکھتے تھے۔ تاہم احباب خاص کے جانے کے قابل نہیں تھے، اور ان کا مذاق طبیعت پسند ہی اور شکار انگشتی تھا۔ دن بہر  
تمام تمام دن شکار میں مصروف رہتے تھے۔ شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے طواف کرتے قریش کے رؤساء میں  
حرم میں الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت حمزہؓ ان لوگوں سے صاحب سلامت کرتے کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے  
اس طریقہ سے سب سے یار نہ تھا۔ اور سب لوگ انکی قدر و منزلت کرتے تھے۔ (مگر شہابی صاحب کو انکی اتنی قدر بھی گوارا نہ ہو سکی  
کہ رسولؐ کے احباب خاص میں انکا نام بھی لکھ دیں)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخالفین جس بے رحمی سے پیش  
آتے تھے یگانوں سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ ایک دن ابو جہل نے رد و رو آپؐ کے ساتھ گستاخیاں کیں۔ ایک کینزدیکہ رہی تھی  
آئے تو اس نے تمام ماجرا کہا۔ حضرت حمزہؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے۔ تیردکان ہاتھ میں لئے حرم میں آئے اور ابو جہل سے کہا کہ  
میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ

دیکھئے شہابی صاحب لکھتے تو سب لکھ گئے۔ لیکن حضرت حمزہؓ کو جوش محبت اور جذبات قربت کے اصلی اور عملی خدمات  
کی تفصیل کو بالکل مرفوع القلم فرما گئے۔ گویا اس واقعہ میں حضرت حمزہؓ کی رفاقت و حمایت نبویؐ کے یہ شہادت آپؐ کو نزدیک  
ذکر کے قابل ہی نہیں تھے۔ حقیقتاً ہم آپؐ کی اس فرو گذاشت کی ضرورت خاص کو۔ جو آپؐ کا اصل مددگار ہے خوب سمجھتے ہیں اور ان  
اگر آپؐ اسکی تفصیل کر دیں تو موحّدین سے ملاقات اور احباب خاص کی طلسمی فہرست جو آئندہ ایک بڑے عالم خاص کی بنیاد قائم  
کرنیکے لئے مرتب کی گئی ہے بالکل غارت اور برباد ہو جائے۔ مگر ہم مجبور ہیں۔ حقیقت حال کا انکشاف کو بغیر ہم نہیں رہ سکتے  
چنانچہ یہ پورا قصہ تو ہم حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے متعلق لکھیں گے۔ یہاں ہم صرف اسکے متعلق اتنی ہی عبارت اور انکی  
تفصیل ذیل میں درج کرتے ہیں جو آپؐ نے اصل واقعہ سے نکال دیا ہے۔ اور عربی ماخذوں کی اصلی عبارتوں کے ترجموں میں  
خواہ مخواہ قطع و برید کر دی ہے۔ دیکھئے آپؐ لکھتے ہیں۔ ایک دن ابو جہل نے رد و روگستاخیاں کیں۔ ایک کینزدیکہ رہی  
تھی۔ حضرت حمزہؓ شکار سے لوٹے تو اس نے یہ ماجرا کہا۔ حضرت حمزہؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے۔ تیردکان ہاتھ میں لئے حرم میں  
آئے اور ابو جہل سے کہا کہ میں مسلمان ہو گیا۔

شہابی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کو دیکھ کر جو حقیقتاً ایک مضمون ہے جس کی صرف ابتدا ہے خبر ندارد۔ ہر شخص سمجھ لے گا

کہ حضرت حمزہؓ قصہ سے بیتاب ہو گئے۔ تیو کمان لئے حرم میں آئے اور ابو جہل سے کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ مگر تاہم اسکو آپ سے یہ پوچھنے کا حق باقی رہ جائے گا کہ حضرت حمزہؓ غصہ سے اتنی بیتابی کی کیا وجہ تھی۔ اگر ابو جہل کی گستاخیاں اسکی باتیں تھیں تو پھر ان بتیابیوں کا نتیجہ کیا نکلا۔ کچھ بھی نہیں جب آپ کے لکھنے کے مطابق اسکی تجویز پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ باآن شورا شوری و باین بنے مکی۔ یہ خالی دھمکی تھی اور زبانی پر جوشی تھی۔ تیو کمان لئے یہ کڑے کے کڑے رہ گئے اور کچھ بھی نہ کر سکے نہ معلوم وہ غصہ کیسا تھا اور کیا ہوا۔ اسکی بیتابی کیسی تھی اور کیا ہوئی۔ زبان امور پر غور کرنے کے بعد شرفض آپ کے منہ پر کھدکایا کہ اپنے اپنی اس عیادت میں ایک واقعہ کی ابتدا کو تو لکھتا۔ لیکن اسکی خبر کی کوئی خبر نہ ملی۔

اب میں اس ابتدا کی خبر لکھ کر تبادلا دیتا ہوں کہ اس واقعہ کے نتیجہ سے حضرت حمزہؓ کی حمایت و رفاقت نبویؐ حقیقتاً قربت و کجبتی کے اصلی مقصود میں پورے طور سے ثابت ہوتی ہیں۔ ابن ہشام۔ طبری۔ قسطلانی۔ اور زرقانی جیک لفظ لکھتے ہیں۔

حضرت حمزہؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے کیونکہ قدرت خدا نے انکے اس غظ کجائن خاص سے اظہار کرامت کا ارادہ فرمایا تھا۔ اسلئے صورت حال ستر آپ نہایت نیزی سے گھر چلے۔ اور صبا کہ طوفان کعبہ کہتے وقت آپ کا دستور تھا اور دن اور سکے خلائ آپ حاضرین کعبہ میں کسی ایک کے پاس بھی نہ بٹھیرے کیونکہ آپ مدنا ابو جہل سے صرف ملنے کا تھا۔ سحر حرم میں ہو چکی ابو جہل اپنی قوم کے جین لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا آپ سید ہے اوسی کی طرف بڑھتے ہوئے چلے

فاحتمل حمزۃ الغضب لما اراد اللہ بہ منکرة فخرج من الجبل لا تقف علی احد کما کان یضع یرید الطمان بالکعبۃ معد الا بی جہل اذا القیہ ان یقع بہ فلما دخل المجد نظر الیہ جالساً فی القوم فاقبل نحوہ حتی افاقا علی اسلرف القوس فضر بہ بمحاضر بہ فشیخہ بها شجعة

منکرة۔ طبری ۱۱۴۔ ابن ہشام ۹۹ زرقانی ۹۹

بیان تک کہ آپ اسے سر کے بالکل قریب آگئے۔ اپنی کمان اٹھالو بہ کی ہوگی اور ٹھائی اور اس سے لو سکو ایک ضرب شدید لگائی۔

غصہ کی شدت اور انتقام کی پر جوشی کی کیفیت ہوتی ہے کہ منتقم مقابل مخالف کو اس وقت تک وجہ انتقام نہیں بتلاتا جب تک کہ فعل انتقام کو عملی صورت میں آنجا تک نہیں پہنچا لیتا یہی کیفیت غصہ کی بیتابی سے حضرت حمزہؓ کی ہوئی۔ جب ابو جہل کو مار چکے یا یوں کہو کہ اس سے انتقام لیچکے یا اسکو اسکی گستاخی کی نرا تک پہنچا چکے تو اس سے بالفاظ طبری یوں ارشاد فرمایا۔ انتقمہ وانا علی دینہ اورے دیکھ۔ تو نے جسے گالیان دین میں اوسی وقت کو اسکی دین میں آگیا) دنیا کے انصاف پسند اور حق بین حضرات دیکھ لیں شبلی صاحب نے پیمبر کے ایسے دسوز اور جان نثار احباب خاص کی سرفروشی اور جان نثاری کی خدمات کو کیسا چھپایا ہے اور قطع و برید فرما کر کیسا غارت کیا ہے۔ کیا شبلی صاحب پیغمبر صلعم کے ایسے جانثار اور معین و مددگار کو احباب خاص اور ملاقات رکھنے والے حضرات کی فہرست میں نہیں لے سکتے تھے ہ کیا قبل اسلام اونکی یہ جان نثاری اور حمایت رسولؐ اونکی محبت خالص اور اختصاص کو ثابت نہیں کرتی۔ کیا یہ واقعات ثابت نہیں کرتے کہ خود اس وقت رسولؐ صلعم کے گروہ میں اونکے پسینہ پر اپنا خون گرانے والے موجود تھے۔

اسی طرح اعام میں حضرت عباسؓ کا نام بھی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اونکے تعلقات اور جذبات بھی



اوسی مقدار و اعتبار پرین کے جائینگے۔ جتنے اور جیسے حضرت حمزہؓ کے۔ یہ وہی بزرگ تھے جن سے قبل رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابیطالب کی عیال داری اور ناداری کی حالتوں میں اعانت و کفالت کی درخواست کی تھی اور خاص مجلس مشورت قائم کر کے عقیل کو ابیطالب کے پاس رہنے دیا۔ علیؓ کو اپنے پاس رکھ لیا اور جعفرؓ کو اونکے (عباس) حوالہ کر دیا تھا۔ شبلی صاحب کے پاس اتنا دل و رو مند کمان جو بنی ہاشم کے ان باہمانہ اور دلسوزانہ جذبات کی جہتی اور تعلقات قلبی کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے اور قابل ذکر سمجھتے۔ آپ کو تو ہمیشہ ذکر اغیار سے لطف آتا ہے۔ اور اسی بنا پر آپ نے اس واقعہ کا ذکر بھی سیرۃ النبی میں نہیں کیا ہے۔ اور کیوں کرنے لگے؟ لیکن حقیقت نے اپنا انکشاف کر ہی لیا۔ اور حضرت عباس کی نسبت غزوہ بدر کے آخر میں آپ کے قلم سے اتنا نیکل گیا ہے کہ

دوسری طرف محبت کا یہ اقتضا تھا کہ حضرت عباسؓ کی گراہی و شکرات کو آپ آرام نہ کر سکے۔ لوگوں نے گرہ کہولی تو آپ نے آرام فرمایا۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۴۳

اب آپ ہی تصفیہ فرمائیں کہ جس کی محبت کے تقاضے اس حد تک پہنچے ہوئے ہوں کہ اس کی تکلیف کی وہ بہت رات بسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند نہ آئی۔ جب اس کی تکلیف رفع کر دی گئی تب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا۔ تو کیا ایسا شخص اجاب خاص کی تعریف میں نہیں آسکتا؟ لیکن شبلی صاحب مجبور تھے۔ ان واقعات کو کیسے لکھتے حضرت حمزہؓ اور عباسؓ۔ دونوں حضرات بنی ہاشم تھے۔ اہلیت کے دائرہ میں شمار ہوتے تھے۔ جنکے ذکر و نام سے شبلی صاحب کو چھینک آتی ہے۔

حمزہؓ اور عباسؓ۔ اعمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات تمام کر کے آپ کے بھائیوں کے حسن خدمات ملاحظہ ہوں۔

جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائیوں میں عبد اللہ بن عمارؓ بن عبد المطلب بھی اوسی گہرین تھے۔ اس بزرگ کے حالات اور بھین کو معرکہ بدر میں پڑھ لئے جائیں۔ آپ خود لکھتے ہیں۔

عقبہ حضرت حمزہؓ سے اور دلی حضرت عباسؓ سے مقابل ہوا۔ عقبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخم کیا حضرت عباسؓ نے بڑے شیبہ کو قتل کر دیا اور عبیدہ کو کندہ ہو پڑا دھکا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے عبیدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں دولت شہادت سے محروم رہا۔ آپ نے فرمایا نہیں تم نے شہادت پائی۔ عبیدہ نے کہا آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ اون کے اس شعر کا مستحق میں ہوں و نسلہ حتم تصرع حوله۔ و نذہل عن ابناشاد المحلائل۔ ہم محمدؐ کو اس وقت دشمنوں کے جالے کر دیں گے جب ہم ان کے آگے لڑ کر جائیں گے۔ اور ہم محمدؐ کے مقابلہ میں اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں گے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۴۳

اس جان نثار اور فدائی بھائی کے قلبی جذبات ہیں اور عملی خدمات۔ جنہاں لکھ کر آپ خود اقرار کر چکے ہیں۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بائنا زرقانی اور ابن ہشام۔ اس وقت ان تمام ہاشمیوں میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں جان نثاری کو حاضر تھے۔

یہ سب سے کبیر السن تھے۔ انکا سن اسوقت تیسٹھ برس کا ہو چکا تھا۔ حضرت حمزہؓ آنکے چچا ہوتے تھے لیکن ان سے آٹھ برس سن میں چھوٹے تھے غزوہ بدر میں حضرت حمزہؓ کا سن ۵۸ برس کا بالاتفاق ثابت ہے۔ اسکے علاوہ اگر قبل و بعد اسلام کی بھی بحث پیش کیجاوے تو انکا شمار ابیطالب کو پڑھنا اور اپنے جذبات و خدمات کو انکے مطابق بتلانا ثابت کر رہا ہے کہ انکی یہ سرفروشانہ خدمات موجودہ حالات کے اثر سے نہیں پیدا ہوئی ہیں۔ بلکہ یہ تعلقات و جذبات اویسوقت سے اپنی قدامت و اہمیت کا حقیقی ثبوت دیتے ہیں جسوقت سے ان اشوار کے اصلی مصنف نے ان کو نظم فرمایا ہے۔ اور انھیں احساس و اختصاص سے ان خدمات کے روحانی تعلقات وابستہ تھے۔ جنگ یراثر بگویشاعر نے یا اشوار نکالے تھے۔ اور اپنے دل کی ترجمانی کا کام اپنی زبان و بیان سے لیا تھا لیکن انسوس ہے پہلی صاحب کے دل میں ان غریبوں کی طرف سے اتنا درد اور اتنا احساس کمان کہ ان جذبات پر ان جذبات پر غور کی نظر ڈالیں اور انکی قدر کریں اور اجاب خاص میں انکو بھی شمار فرمائیں۔

اس فدائی بھائی کی طرح ایک فدائی بھائی گھر میں بھی اور بھی تھا۔ وہ حضرت جعفر بن ابیطالبؓ تھے یہ غریب قبیلہ مدینہ مرحوم کے خلاف قبل اعلان نبوت سے لیکر ہجرت کے آٹھویں سال تک برابر بھائی کی خدمت میں سرکف جان نثار کیلئے حاضر رہے یہاں تک کہ آپؐ ہی کے تحریر و قاری کے مطابق ”غزوہ موتی میں (جعفرؓ) اس بے جگر سی سے لڑے کہ خون سے چودھو گر گر پڑے“ اس قدیم فریق رسالت کو اور اس کے حسن خدمت کو آپؐ بھی جانتے ہیں اور دنیا بھی جانتی ہے۔ یہ وہی قدیم رفیق ہے جو اعلان نبوت اور اظہار اسلام سے برسوں پہلے پیغمبر صلعم کی خلوت اور جلوت میں برابر حاضر رہا۔ یہاں تک کہ آپؐ کے ساتھ عبادت الہی میں بھی اسوقت سے شریک تھا۔ جب مشرکین قریش کے خوف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علانیت نماز زمین پڑھ سکتے تھے ہجرت اور ترک وطن و مفارقت اجباب کے مصائب اوٹھا کر کہ معتزلہ سے مصر گیا نجاشی کو دارالمنماجرین کی طرف سے ترجمان بنا۔ ابوسفیان اور عمر عاص وغیرہ سترائے مشرکان قریش کی تعرضیات کا کدہ بکدہ اسی نے جواب دیا کامل چھ برس تک غیر ملک اور غیر قوم میں بال بچے لئے پڑا رہا عین فسخ ضمیر کے موقع پر حاضر ہو کر قدمبوس رسالت ہوا جبکہ رسالت اب صلعم نے پھر سے ہوئے بھائی کو گلے سے لگا کر قوط مسرت سے ارشاد فرمایا کہ خدا یا میں تیری کس کس نعمت پر شکوہ مسرت کا اظہار کروں۔ تعلقات ضمیر کی فتوحات پر یا جعفرؓ رسالت پر دیکھئے خاتمہ حضرت جعفرؓ کے احوال میں پہلی صاحب خود قمر طراز ہیں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ (شہادت جعفرؓ) کا سخت صدمہ ہوا حضرت جعفرؓ سے آپ

کو خاص محبت تھی۔ سیر النبی جلد اول ص ۳۷۲

۱۱۵ اظہار شجاعت و دیرہی کے مقامات پر بے جگر سی کے خلاف جگر داری کا لفظ زیادہ موزون تھا جو زبان محاورہ کے مطابق تھا۔ اگر جی چھوڑ کر لڑنے کے طرف تمس العاصیاب کا خیال کیا ہے تو پہلے جی اور جگر کے فرق کو سمجھ لیتا تھا۔ اسلئے یہاں بے جگر سی کا لفظ بالکل ناموزون و بیوقوف اور خلاف محاورہ ہے المؤلف عفی عنہ

افسوس ہے کہ ایسا رفیق اور جان شکر بھائی جس سے محبت خاص رکھتی جانے کا شبلی صاحب خود اقرار فرماتے ہیں اجاب خاص کی فہرست خاص سے کیوں قلمزد کروایا گیا؟ العلم عند اللہ

ہم اپنے موجودہ سلسلہ بحث منقذانہ کو تمام کر رہے ہیں اور شبلی صاحب کو بتلا دیتے ہیں کہ آپ کی دونوں سرخیان اور آپ کے دونوں عنوان موصدین سے ملاقات کی تفصیل اور اجاب خاص کی فہرست دونوں ترادید زبان ہیں جنکو آپ نے اپنی ضرورت خاص سے ایجاد کیا ہے۔ ورنہ کسی متقدمین یا متاخرین صاحب سیر و تاریخ نے اپنی تصنیفات و تالیفات میں نہ یہ ابواب قائم کئے ہیں اور نہ یہ عنوان۔ آئین کلام ہمیں کہ بسبیل ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل لوگوں کے ملنے کا ذکر آیا ہے لیکن ان میں کچھ بھی خاص اہمیت نہیں ہے جو ذکر کے قابل سمجھی جاوے مگر علمائے محدثین نے جو کلام و مناظرہ کی رنگ گنیروں پر زیادہ متوجہ تھے۔ ان حضرات نے حضرت ابوبکر اور زید بن عمر بن نفیل کے شمول نام سے بجا نفع اٹھانے کا ارادہ کیا ہے۔ حالانکہ یہی تنقیدی عبارت اور آپ کے خاص اقرار و اعتراف سے نہ اسکی کوئی حقیقت ثابت ہوتی ہے اور نہ اصلیت پھر یہ کیوں لکھ گئے؟ باعث وہی ہے۔ خود غرضی اور تقلید اسلاف۔ کہ حضرت ابوبکر کی قدامت رفاقت ثابت ہو اور زید بن عمر بن نفیل سے قدیم صحبت حالانکہ یہ کوشش بھی محض بیکار ہے۔ رفاقت اور صحبت سے اکیلے کام نہیں نکلتا۔ ان کے ساتھ اور چہترین بھی ضروری اور لائق ہیں جنکی تفصیل کا یہ موقع ہے اور نہ یہ مقام۔

تاریخ و سیر میں جس غرض سے انکا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف اتنی ہی ہے کہ اس زمانہ میں جو لوگ بت پرستی و کراہت رکھتے تھے ان میں فطرت صالحہ کے حقیقی جوہر تو کمان۔ ہاں ان میں عقل سلیم کا کس قدر ماؤہ آچلا تھا اور یہی ادنیٰ کراہت اور انکا ربا بطبع کا باعث ہوا تھا۔ صرف اتنی نوعیت خیال کی وجہ سے جاہل لوگوں کو ادنیٰ محققین و حدیث ہونے کا عام گمان ہو گیا تھا۔ مگر بات یہ ہے کہ ان جاہلون میں اس وقت وحدانیت کے علم جاننے والا کون تھا۔ جو ان لوگوں کے علم توحید کی پوری حقیقت کو جاننا اور اصل توحید کے اصول سے ان کے معلومات کو مقابل کرتا۔ اصل توحید کے مبلغ اور اسکی خالص تعلیم کے متمم کا اس زمانہ میں ظہور ہو چکا تھا اور توحید کامل کی تلقین اس کے مقدس وجود کا اہل مقصود تھا۔ اس بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل رسالت ان لوگوں سے بعض اوقات ملتے تھے۔ یادہ آپ کی صحبت سے مستفید ہوتے تھے۔ جیسا کہ سیر و تاریخ میں لکھا ہے۔ ان مجاہدانہ مکالمات میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ادنیٰ حقیقت توحید کا تفحص مقصود تھا۔ نہ ان کے خیالات و جذبات سے کوئی اثر پذیر می منظور تھی اور نہ انکی غلط توحید وانی پر حرف گیری۔ اسی آمد و رفت سے آپ نے اس زمانہ کے مشہور موصدین کے کمال معرفت اور علم توحید کے مبلغ و مایہ کو پورے طور سے اندازہ کر لیا اور خوب سمجھ لیا کہ یہ ان راہ کہ میری بزرگداشت۔ لیکن چونکہ اعلان نبوت اور ابراہیم احکام رسالت کے لئے اس وقت تک ماذون نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے ان لوگوں سے کوئی تعریف نہیں فرمائی گئی اور ان کو ان کے خیالوں پر چھوڑ دیا گیا۔

موصدین سے ملاقات اور اجاب خاص کے پیدا کرنے کی حقیقت تو اتنی تھی۔ شبلی صاحب اسکو جتنا نہ بنالین

لیکن بناتے وقت اتنا ضرور خیال رکھیں جیسا کہ ہم اوپر بتلائے ہیں کہ اگر آئین و راہ بھی اہمیت دی گئی تو رسالت کی کامل اور خالص توحید و انی میں بیرونی اور خارجی اقتباسات و انتسابات کے نقص پیدا ہو جائیں گے۔ جو سراسر مناقصہ شان رسالت میں یہ تو صرف مومنین سے ملاقات رکھنے کی حقیقت و کمال کو محکمہ بحث کر رہی تھی۔ اب ہم اجاب خاص کی نسبت بھی بالاجتماع نظر لکھ کر اس بحث کو بھی تمام کئے دیتے ہیں۔ ہم نے اپنے تنقیدی بیان میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گمان میں اکثر نیکوکاروں کے حالات اور ان کے محاسن خدمات آپ ہی کے اظہار و اقرار سے لکھ کر بتلادیا ہے کہ ان اوصاف کے اعتبار سے شبلی صاحب کو اجاب خاص کی فہرست تیار کرنے کے وقت بہت سے حضرات مل سکتے تھے جو آپ کے تجویز کردہ لوگوں سے اوصاف اول و خدمات کے اعلیٰ اعتبار و امثال سے اجاب خاص ہونے کے قابل تھے۔ اور حقیقتاً تھے بھی ایسے ہی۔ آپ کا یکسی کا استثناء و انکار گوشت سے خون کو علیحدہ نہیں کر سکتا۔ آپ یا کوئی اور عام اس سے کٹا یا نہ لکھے۔ کہے یا نہ کہے یہ روحانی تخلیقات اور فطرتی مسلمات۔ نہ اظہار کے طالب ہیں نہ اقرار کے طلبگار۔ شبلی صاحب نے بڑی فروگزاشت کی جو ان بزرگوں کو اجاب خاص کی فہرست سے قلم زد کر دیا۔ حالانکہ ان حضرات سے بڑھ کر کسی کو آپ کے اجاب خاص ہونیکا اور وقت نہ حق حاصل تھا اور نہ دعویٰ۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے ان کے قبل اسلام حالات و واقعات پر غائر نظر نہیں ڈالی یا ان کو اپنی ضرورت خاص سے نادر سمجھ کر مطلقاً دیکھا بھی نہیں ورنہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق و تائید کرنے والے ہر بات پر جان دینے والے اون کے گہری میں خدا کے فضل و کرم سے اتنے تھے کہ آپ کو کسی بیرونی اور خارجی مساوی نہ دگا اور طرفہ کی ضرورت نہیں تھی۔ اجاب خاص سے خصوصیت پیدا کرنے کی محتاجی تھی۔ نہ مصاحب عام سے مصاحبت کی مجبوری آئین آپ کو یہ بھی ملحوظ رہے کہ عقاید اسلام کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء اکرام اور بنی ہاشم بخلاف دیگر اقوام و قبائل قبیلہ طریقہ توحید پر متعمل تھے۔ گو وہ توحید و توحید اسلام کے مقابلہ میں کتنی ہی قلیل اور یہ مقدار جیسا کہ اکثر نزدیکان بنی ہاشم کے متعلق آپ سیرۃ النبی میں خود اعتراف فرما چکے ہیں۔ ہم اس بحث کو پوری تفصیل کے ساتھ عنقریب بیان کریں گے۔

**اسباب السبب** | آغاز نبوت کی تفصیل حالات سے پہلے جو جناب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے اسباب اور وجوہات پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ لکھ دینے نہایت ضروری ہیں۔ اس لیے کہ عالم اسباب میں ہر شے کے نظم کے لئے ایک سبب کا ہونا ضروری ہے۔ نظم دنیاوی کس شمار میں ہیں جب نظام آسمانی کیلئے ایک سبب خاص کا ہونا ضروری تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہوئی۔ دوسری یہ ہے کہ تفویض رسالت کی نسبت وہ اسباب ضروریات ان کے اصلی واقعات اور حقیقی مشاہدات کے ساتھ دیکھا دینا اور بتلادینا نہایت ضروری ہیں جن کی ناگزیر و غیر متعمل موقوفوں پر قدرت کو ایک جدید اور ایک تازہ پیغمبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اخبار و اسفار قدیمہ و تورات و انجیل سے قدرت کے ان انتظامات کا سلسلہ



اور نہایت استوار ثبوت ملتا ہے۔ اور ایسکے ساتھ ساتھ وہ ضرورتیں بھی نہایت وضاحت سے معلوم ہو جاتی ہیں جو قدرت کے لئے تفویض رسالت کے باعث اور اسباب قرار پاتے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کیلئے کتب قدیمہ میں ان واقعات کو دیکھنے کی حمت گوارا کر لیجائے تو نہایت آسانی سے حقیقت انکشاف ہو جائیگا ان دو وجہوں کے علاوہ آغاز رسالت سے پہلے اسباب رسالت بیان کرنے کے لئے ہر کو ایک وجہ اور ایک ضرورت خاص سچہ ہماری دونوں مندرجہ بالا ضرورتوں سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر کو اس رسول ص کے حالات اور اسکی رسالت کے اسباب خاص بیان کرنے میں جو قبول نبلی صاحب مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر کفایت کرنے نہیں آیا تھا۔ یا حضرت کلیم کی طرح صرف اپنی قوم کو لیکر مصر سے نکل جانے کی غرض سے نہیں تعین فرمایا گیا تھا۔ وہ خاتم الانبیاء تھا صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم اور مشیک خاتم الانبیاء بنا کر اسی لئے بھیجا گیا تھا کہ دنیا کے تمام خطرات و مفسدات سے خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام معمورہ عالم کو اپنی انوار رسالت اور آثار ہدایت سے پر نور فرما دیتا۔ شریعت بھی اوسی سے وابستہ تھی اور انتظام سیاست بھی۔ اس بنا پر اس ذات مقدس کی ذمہ داریاں اُن تمام بزرگواروں سے بدرجہا بڑھ ہی ہوئی تھیں۔ یہ لازمی ہو کہ اُن کے اسباب بھی اپنے مقدار میں بڑھے ہوں۔

نبلی صاحب تو ہمیشہ اشاروں سے کام لیتے ہیں اور تفصیل دوسروں پر چھوڑ دیتے ہیں۔ مندرجہ بالا عبارت میں ضرورت اور اسباب رسالت آنحضرت صلعم کو مبہم طریقہ سے بتلا تو گئے اور کتب محمد عتیق و جدید کی گذشتہ شریعتوں پر قرآنی کی ترجیح بھی دکھلا دی گئی ہے۔ لیکن اشارات و کنایات تک اصل تدعا کوں حد تک محدود و مخفی رکھا گیا کہ کوئی سمجھا اور کوئی نہ سمجھا حالانکہ یہ موقع ان امور کی خاص تفصیل اور کامل تشریح کا ہے ورنہ بیان میں دعویٰ بے دلیل ہونیکا نقص لازم آئے گا۔ خیر آپ نے ضروریات تفصیل پر توجہ نفرمائی۔ اور واقعات رسالت ہی کی تفصیل سے ابتدا کر دی۔ یہ آپ کا خاص فن تھا۔ تاہم یہ ہے۔ لیکن ہم نے واقعات رسالت کے آغاز سے پہلے اسباب و ضروریات رسالت کے بیان کو ضروری یقین کر لیا ہے۔ اور اُن باب میں اس آخر سبب و ضرورت کو مفصل طور پر لکھ دینا سب سے زیادہ اپنے لئے ضروری سمجھ لیا ہے جس سے خاص طور پر سچی دنیا کو معلوم ہو جائے کہ جس شریعت کو وہ بالکل ناقابل اصلاح غیر مبدل ابدی اور سر پا آسمانی حکومت یقین کے ہوئے تھے۔ وہ اصل اُلا اپنے مبلغ اور معلم کی اصلی تبلیغ اور حقیقی تعلیم سے چہ سو برس کی مدت مدید میں تعصب و حسد نفسانیت اور خود غرضی کی غلط کاریوں سے تباہی و بربادی کے آخر کناروں تک پہنچ گئی تھی اور ایسے خراب ہو گئی تھی کہ اسکی موجود خرابی پرستی اور بت پرستی میں کوئی فرق باقی نہیں رہا تھا۔

ہم کو یہ بھی لکھ دینا ضروری ہے کہ عیسائیت ہی پر منحصر نہیں۔ اُس زمانہ کی عام تاریکی میں تمام مذاہب قدیمہ کی رہی خراب حالت تھی لیکن چونکہ اُس زمانہ میں تمام مذاہب پر عیسائیت غالب تھی اسلئے سب سے زیادہ اسکی تفصیلی کیفیت کا بیان ہمارے ضروری کیونکہ ہمارا موجودہ موضوع مایف میں ہر کو عیسائی مسخرین کے تمام مغویانہ و متعصبانہ حملات کی تہفہ و تیراکی یکدم پیش آنی لگی



روم نے انکے تمام معاہدہ کو مسدا کر دیا اور انکی قومیت کو آگ اور خونریزی کے ذریعہ سے بالکل نیست و نابود کر دیا عیسائی حکومت شیطانیہ نے بھی ہر جانہ غیظ و غضب کے ساتھ انکا تعاقب کیا۔ لیکن بلائیںہہ انکے گزشتہ مصائب آئندہ کے لئے انکو کوئی چھاسبق نہ دے سکے۔ انکے یہ تمام ذاتی مصائب بھی جو انھوں نے اپنے ہر جم تعاقب کرنے والوں کے ہاتھوں اٹھائی تھیں۔ انھیں انسانیت اور اطمینان سے رہنے کی قدر و منزلت نہ سکھاسکے۔ انکی خونخوارانہ ہر جمان جو انھوں نے مصر سے اپریں اور سائین کے شہروں میں۔ وہاں کے بے قصور یا بشزدن کے ساتھ محض مکانات اور مفسدانہ طریقوں سے کی تھیں وہ ان کے خوفناک طریقہ بغاوت کا ثبوت دیتی ہیں۔ سلسلہ اسرائیلی تقریباً بالکل تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ اسکی قوم کے لوگ تمام روئے زمین پر پشیمان و بے سامان مارے پھرتے تھے۔ دور و دراز قطعات عالم میں اپنی پناہ و محافظت کے مقامات ٹھونڈ کر پھرتے تھے لیکن اسکے ساتھ ہر گزشتہ اور ہر مقام پر اپنا وحشیانہ غصہ غیر مغلوبانہ نخوت۔ بغاوت غیر قلب کی شدت اور قساو لئے جاتے تھے۔ جن کا عیب و انزام انکو ایک پیشہ سلسلہ انبیاء کے ذریعہ سے برابر لگایا گیا اور تباہ یا گیا تھا۔ غیر ممالک میں بھی یہودیوں نے اپنے ماسن کے مقامات میں اپنی گزشتہ حرکات کے مناظر پیش کر رکھے تھے۔ اگرچہ تمام قوم یہود کو پھر اپنے دن پھرنے کی اُمید ضرور تھی۔ مگر وہ اُمید بھی ایک طرف غیر مغلوبانہ تعصب اور ایک طرف انقیر و سائنہ تعیشات و اسرافات کی خواہشوں سے غلبہ پڑ تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے بھی اور چلے بھی گئے۔ لیکن اس قوم کے لوگوں پر اپنا کوئی نمایاں اثر نہ پہنچا سکے۔ وہ طفل نبوت (حضرت عیسیٰ) صرف نزول مسیحا کے ان خیالوں میں (اور رد و قبول کی حالتوں میں) پچیدہ رکھا گیا۔ جو اندرون تمام امتکا

حاشیہ صفحہ گزشتہ یہ تمام خیالات محض بے اصل تھے۔ اور بالآخر تمام طبقہ رعایا میں وہ اس قدر ہر دلعزیز ہوا کہ اسکو بنی نوع انسان کی سرت عام کا

لقب دیا گیا۔ منکر میں پیدا ہوا اور شہر میں مر گیا۔ (Beltona Hist (T) P 887)

۱۷ ہاؤرین یا آورین۔ اصل نام اس کا پبلیوس الیوس (Publius Aelius)۔ شاہان روم میں بہت عظیم الشان بادشاہ گذرا

ہے۔ اس نے حکومت میں نہایت اعلیٰ قابلیت دکھلائی۔ پہلے اسنے فوج کی ملازمت اختیار کی اور ایک عجیب و غریب مذہب کے رسلے میں داخل ہو گیا۔

لیکن اس نے سینہ (Salvina) شاہ طرجان (Tigra) کی لڑکی کے ساتھ شادی کر لی اور اسکو فوج کشی میں اپنے ساتھ لیتا گیا پھر

بالندریج وہ علاقہ مینونیا (Pinonia) اور وہاں کی کونسل کا گورنر مقرر ہوا۔ مسئلہ میں شاہ طرجان کے مرنے کے بعد وہ تخت نشین ہوا۔ اسنے

شاہان فارس سے صلح کر لی اور رعایا سے رومن کا قرض ادا کر دیا کسی بادشاہ نے خاص طور پر سیاحت کر کے ملک کے اندر رومی حالات سے لتنی

واقفیت نہیں پیدا کی تھی۔ آورین نے۔ اس نے پایادہ دور و دراز مقاموں میں سفر کیا اور تمام ملک کے علاقہ کو خود ملاحظہ کیا۔ مسئلہ میں اسنے

علاقہ گال کی سیر کی۔ اور وہاں سے برطانیہ میں آیا۔ بیان اگر اس نے سالوی فریقہ (Solway Firth) سے لیکر ویاٹے ٹائن (Tyne) کے ہاؤزک

ایک دیوار تیار کرادی۔ یہ دیوار اس غرض سے بنائی گئی تھی کہ رومن کا علاقہ کلیڈ وین کے ممالک سے محفوظ رہے۔ برطانیہ سے کوچ کر کے وہ ممالک افریقہ

اور ایشیا میں گیا۔ مسئلہ میں اس نے ایلو سینین (فریقہ باطنیہ) شہر متخص (ابمتخص) میں نام لکھوایا۔ اور یونانیوں کے عقاید متوہم کے مطابق ہی

شمول کے ذریعہ سے اس نے اپنے مرنیکے بعد یافض الشیبا (Mansourah) میں اپنا دائمی مقام بنایا۔ اسکے زمانہ حکومت میں عیسائیوں نے بڑے بڑے مظالم

عالم میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور جن ایام میں اوس طفل نبوت کی مقدس ولادت اور محسوس اور مست واقع ہوئی تھی۔ آئین کلام نہیں کہ صحیفہ و انیال کی عبارت نے جو قوم کی عین سخت مصیبتوں کے وقت مرتب ہوا تھا۔ اس معلوم و مبلغ نبوت کا دلچسپ نہایت گہرا اثر چھوٹی سڑے تھے۔ اور وہ قوم کی مصیبتناک حالتوں پر غور فرما کر رہا تھا۔ یہودیوں کے فرقہ زلیلات کی ظالمانہ بدعات اپنے کو ہت مافی مساکن میں فرقہ فریب یون کی آڑ میں لے کر خیالات فرقہ ایسٹون کی خیالی امید نجات پھیل کر ایک طرف تو حکومت اسکندریہ تک پہنچ گئے اور دوسری طرف بدعت متا کے زیر اثر آئے ہوئے ممالک ہندوستان تک صحرانشین و درویشین کی ہدایات اور تہذیب و تہذیبہ ارشادات جنگی ہستیوں و رہبر ہردوس سے علیحدگی اختیار کرنے کے عزم میں قرار پانے ہو گئے۔ لیکن دلی استغنائے حضرت عیسیٰ سے پیش کرتے تھے لیکن چیم ہمانی کی چونچین سلطنت یہودیہ کے دل کے اندر پوسست ہو گئیں۔ اور اسکے تمام محافظ و ستھائے فوج کے نظام ملکی کے متعلق امید انقلاب پائمال ہو گئیں۔ حضرت عیسیٰ کی تبلیغ رسالت میں خاموشی اور صرف خدا کے ذریعہ سے سلطنت آسمانی کی امید حصول اس زمانہ کے معیار خیالات و جذبات پر صرف بنی تھی ایسی زرد غصب اور غیر مغلوب متعصب لوگوں کو حضرت عیسیٰ عام اخوت اور محبت کی تعلیم دینے آئے تھے۔ (ایہ مغرور اور تشخص پسند قوم یہود) کے درمیان آپ نے تواضع اور انکسار کی راہ بتلائی۔ اپنے خاص حوالیوں پر پوشیدہ مہربان اور شفیع رہا اور تمام طبقات انسانی کے ساتھ طریقہ مساوات قائم کیا اور اوس نے زہد و اتقا کی اعلا یا دگار چھوڑی۔ زبردست دولت مند اور حکمران طبقوں میں تواضع و عیسیٰ کی تبلیغ نے نفرت۔ دہشت۔ تعریض اور تردید کے جذبات کو مشتعل کر دیا۔ لیکن نادار و مفلسوں کو انال اور ان پڑہ لوگوں میں اس معلوم تابی کی گہری محبت نے خلوص و احسان مندی کے خیالات کو ابھار دیا۔ ایک دفعہ زہر روشن میں وہ اپنی رسالت

عاشیہ صغیر گذشتہ اور آٹھائے۔ اس نے کوہ مقدس کاوری (Calvary) پر بارہ چوٹی (Calvary) پر چڑھ کر نام پر ہیکل تیار کی اور بیت لحم میں اونیوس (Ananias) کا بت قائم کیا۔ اور بیت المقدس کے دروازے پر سور کی تصویریں نقش کر دیں یہ باتیں تمام لوگوں پر کاثوت دیتی ہیں کہ اوس کو عیسائیت سے سخت نفرت تھی یہودیوں کی لڑائی جو اس کے ظالمانہ اطوار کا نتیجہ تھی۔ اربابی برس تک قائم رہی جس میں پانچ لاکھ اسی ہزار آدمیوں کی جانیں تلف ہو گئیں اوس نے بڑے بڑے پر زبان لاطینی میں کچھ اشعار نظم کئے جن میں اپنی روح سے خاص طور خطاب کیا ہو جنکے اقتباسات پوچھے اپنی مشہور نظم۔ ایک مرتبہ مونے عیسائی کی مناجات میں داخل کیا ہو۔ آئین کلام نہیں کہ اوس میں بہت سی خوبیاں ہی تھیں لیکن وہ بھی ایک طریق میں مفلوٹ ہو گئیں تین شہر میں پیدا ہوا اور شہر عام میں فوت ہوا۔ (Beelona P. 28)

۱۵ اونیوس (Ananias) یونانی فیلاسوف کا نام ہے اس کی تعلیم بھی کہ تعیضات اصل مدعائے حیات ہے۔ ۱۶ ق۔ م میں پیدا ہوا اور شہر ق۔ م میں فوت ہوا۔ (Chamla P. 28) اونیوس (Adina) شام (اسیریا) کے بادشاہ تھامیس نامی کا بیٹا جو اس کی لڑکی مرغانی کے بطن سے تھا۔ وہیں زہرہ مشرق تھا۔ وہ شکار کا بلا عادی تھا۔ اوس کی مشورہ نے وحشی توغور اور نوردن کے شکار سے اوس سے منع کر دیا تھا اس لئے کہ اون کے شکار اس کی جانک ضایع ہونیکا خوف لگا تھا۔ اوس نے اپنی مشورہ کی اس مشورت پر بہت کم توجہ کی آخر کار ایک صحرائی سور نے اس کو ایک ٹھک زخم پہونچا جسکو اس نے زخمی کیا تھا۔ جب سیارہ زہرہ کو اس کی قبر کی تو اس نے اپنے عاشق کی قبر پر تازہ رو کو اس کو ایک تازہ پھول (Anomo) کی شکل میں منقل کر دیا۔ (دیکھو



کی پوری کامل یقین و امید مسیحی موعود کی پوری غفلت و نشان کے ساتھ مجاہدین ہود کے دارالسلطنت (بیت المقدس) میں آیا۔ شاید وہ پہلے آئے ہوئے نہیں گذرے ہوں گے کہ وہ پھیلے ۴، اپنے مدعا کی اصلی کامیابی کے ساتھ مصلوب کر دیا گیا ان تمام روایات میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور واقعات سیرت کے متعلق مشہور ہیں۔ اتنی بات تو ضرور نماں ہو کہ آپ ناداروں میں پیدا ہوئے تھے۔ اور آپ کے مواعظ و شہادت بھی غریبوں کی جانب تھے۔ آئین کوئی کلام نہیں کہ آپ بانیوں کے علوم میں پورے کمال رکھتے تھے۔ آپ کی قلیل امدت رسالت قصبات کے عام طبقات کے ساتھ محدود تھی جن میں بالکل نادار کا مشترک راہ و قصہ گیلی خلیل، کما ہی گیشال تھے۔ اس بنا پر آپ کے حواریوں محض غریب اور بے لکھے پڑھے اشخاص عیسائیت کی خرابی باہود اپنی زود قبول اصول طبیعت اور ان مہجر تہذیبات و مشاہدات کے جو ان کے قلوب پر اوس معلم ربانی کے یکایک چلے جانے سے پر توکل ہو اٹھا۔ تاہم ان لوگوں (حواریوں) نے اوس معلم کو ایک انسان سے زیادہ نہیں سمجھا ان کے یہ عقاید اور اس کی تعلیم سو وقت تک ایسی ہی قائم رہی جب تک کہ پال نے اس شخص (حضرت عیسیٰ) کا ایک خاص طریقہ مذہب نہ ایجاد کر لیا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت عیسیٰ کے مصلوب کئے جانے کے مجلس مشورت میں صدیقی اختیار کی۔ اسی کے اختراع و ایجاد سے مذہب عیسائیت میں ذات الہی کے ساتھ فرشتوں کی مماثلت کا رواج ہوا۔ وینیات عیسائی کے مؤرخین کا جیسا بیان ہے کہ فیضان روح القدس پہنچائے جانے کے وعدے کے برخلاف یہ قرار پایا کہ کتب الہامی کی تائید و محی فطرت کے لئے ایک ایسا مودی و محی فطرانہ کرنا ضروری ہے۔ جو تمام علوم و فنون میں کامل ہو۔ جو اپنے علمی حروبوں سے علمائے ہود اور لائڈ حکام یونان سے مقابلہ و محی و نہ کر سکے۔ اس ضرورت خاص سے خود جج علیہ السلام نے ایک عجیب غریب آواز کے ساتھ آسمان سے اپنے ایک پیغمبر (جاری کو) گارا جس کا نام پہلے سال (ساؤل تھا) پھر بعد میں پال (پولس) قرار پایا۔ جبکہ علوم یونان میں وسیع استعداد حاصل تھی۔ اسپرٹ آف اسلام۔ دیا چہ۔ ص ۲۱ *Ecclasiastical Hist vol II P. 200*

حاشیہ صفحہ گذشتہ شکیپر کی نظم نرس اور اونیوس (پراسپائن) نے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے بار دیگر اس کو زندہ کیا۔ مگر اس شرط پر کہ چہ مینے وہ نرس کی تائید کرے اور چہ مینے پراسپائن کے ساتھ لطف صحبت اور ٹھکانے غریب نرس کی کتاب میں *Summa* نامی شخص کا ذکر آیا ہو اس سے آدینوس سمجھا جاتا ہے چہ مینوں۔ کہ شرط مندرجہ بالا کو سرود گرم کے سالانہ فصلوں کا باعث خیال کیا گیا ہو۔ آدینوس کے نام پر ایک دریا ہے جو کہ وہ نشان سے ٹکرا کر دریائے بالوس میں گرتا ہے *Butano P. 27*

۵۔ زیلات (Zelots) مجاہدین ہود کی ایک جماعت تھی مخالفت بمقابلہ سلاطین روم کے آخر کار شہیدین بیت المقدس کی بربادی کا باعث ہوئی۔

*Chambers P. 46.*

۶۔ رومس (Hardenus) یودیون کو شاہ جسکے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب کئے گئے۔

۷۔ پرچم ہائی۔ رومس بادشاہوں کی علامت سلطنت۔

۸۔ یود اپنے علما کو ریون کہتے تھے اور اکثر احبار بھی المؤلف سید اولاد حیدر عفی عنہ

## فرقہ زردشتی

منگوزورسٹین *Manig-Zaoistarian* ایک نجات دہندہ فرشتہ کی آمد کا عقیدہ رکھتے تھے جبکہ وہ سروش کے لقب سے مشہور کرتے تھے اور شرق سے اس کے ظہور کی امید کرتے تھے بدھ مذہب کے لوگ خدا کے ایک مثال کا جابلک نلن دوشیزہ سے پیدا ہوگا۔ عقیدہ رکھتے تھے اہل اسکندریہ کے صوفی مشرب فقراء مقالات لاغوس *Laogoo* اور دمیائغوث *Dimagoo* کتنا اہل تھے۔ دہ مخفی عقائد ج حیات ممات اور نجات اور اس *Dimagoo* کے متعلق اور اسس کریس *Isis* کی نسبت اس صورت میں کہ مادر دوشیزہ اپنے نومولود خدا سے شس ہوروس *Horus* کو اپنی گود میں لے ہوئے پائے جاتے تھے اور یہ عقاید مالک مصر و شام میں علی العموم رائج تھے۔

پولوس نے خالص عیسائیت کو پال (پولس) فطرتاً فریسی *Pharisee* عقائد کا عالم تھا کامل طور پر ان خارجی عقائد سے آلودہ کر دیا نیم صوفیانہ نیم فلسفانہ وقتی خیالات اور مقامی جذبات میں مبتلا ہو گیا۔ خواب و خیال کا ہمیشہ سے عادی تھا۔ لیکن خلقت ثابت پر چرچا تھا۔ عوارض جسمانی سے بھی وہ خالی نہیں بتلایا جاتا تھا جیسا کہ اٹلر دس *Staus* بیان کرتا ہے کہ وہ کہی اوس معلم اعظم ایسح علیہ السلام سے بذات خاص نہیں ملا تھا (دہ پال) فوراً اوسکی

لاغوس۔ اشٹانک فلاسفی میں *Stoic Philosophy* ان کی دو قوت جو نظام دنیا کے تدابیر کے فرائض انجام دے *Charmides* مسا غوث۔ توی فلاسفی کی حکمت عقاید مادین (دہرتی) میں وہ قوت جو دنیا اور مشیاد کی پیدا کنندہ ہے لیکن وہ خدا کے تابع ہے۔

*Chambers Paus* اس سیریز *Osero* قدیم مصریوں کا بہت برا خدا جو شیب *Shel* اور نٹ *Not* کا بیٹا تھا انکی بی بی کا نام اس *Isis* تھا۔ اوسیریز کوست نے مار ڈالا لیکن ہوروس نے بہت سے اپنے باپ کا معاوضہ لیلیا۔ ہوروس قیامت میں منتقم کے عہدے پر مامور ہوا۔ *Chambers Pao* المؤلف سید اولاد حیدر عفی عنہ

اٹلر دس کا اصلی نام ڈوڈو۔ فریڈرک اٹلر دس *David Fredrick Staus* ہے۔ جو ۱۸۳۲ء میں شہر ٹوبنجن جرمنی) کی اسکول اسٹنٹ پچر مقرر ہوا ۱۸۳۸ء میں اوسنے ایک لطیف تالیف موسوم بہ حیات عیسیٰ و شائع کی۔ اور انکی حیات پر مفقذاتہ تحریر کی۔ اور مفصل طور پر یہ لکھا کہ قرینیت عیسیٰ کی جو تاریخ عوامی عیسائیت نے تیار کی ہے وہ برابر با موضوعات اور عہد نامہ قدیم کی لٹراچر سے کی جلی اور متوہانہ اصول پر قائم ہے ان قیاسی اصول کو دوسری صدی میں عیسائیوں نے عیسائیت میں ماخوذ کیا اور پھر اسوقت سے بالترتیب تمام دنیا عیسائیت کے عقائد میں داخل ہو گیا۔ جن جم میں معدونجن کی ملازمت سے موقوف کر دیا گیا۔ پھر *Stottquet* اسٹ گزٹ کا تالیف مقرر ہوا۔ اوکی کتاب کی تردید شائع ہوئی تو اس نے اس کے دو جداگانہ جواب مکر موافقانہ طریق سے لکھ کر شائع کرائے لیکن بائیسہ ملک و قوم میں اوسکی طرف سے مخالفت ایسی سخت اور گہری ہو گئی تھی کہ اسکے بعد

جب وہ دارالعلوم دور بیج *Zouche* میں فلسفہ اور تاریخ مذہب کا پروفیسر مقرر ہوا تو اسکو فوراً مستعفی ہو جانے پر مجبور کیا گیا اور وہ انجن نظام جس نے اسکو مقرر کیا تھا برقا ست کر دی گئی پھر اس نے اسچورٹ *Schuerdt* جرمن کے مشہور شاعر کی سوانح عمری لکھی پھر دوسری کتاب عیسائیت کے عقاید نامی لکھ کر شائع کی ۱۸۷۰ء میں اسٹ گزٹ کو اسٹ کا مہر مقرر ہوا اوکی آخر تصنیف عیسائیوں کے قدیم اور عجیب عقائد نے تمام ملک قوم میں بڑی پرچوشی پھیلا دی شہر ڈنمبرگ میں ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوا اور شہر برلن میں ۱۸۷۸ء میں فوت ہوا۔ *Deelons Hist*

(Macionites) (پٹری یا شینس Patreparzians) (نظریون) میں ظاہر ہوئی۔ وہ خاص حضرت مسیح علیہ السلام کی معرفت بنیساٹون کے اختلاف و آرا کا ایک غیر محدود سلسلہ ثابت ہوتی ہے۔ مسیح کی الوہیت اور مخلوقیت کے مروجہ جذبات عقائد سے برہنہ کے لوگ اور خاص طور پر وہ لوگ جنہوں نے اپنی نبی مہک نہیں دیکھا تھا اور اسکی ذات میں خواص مخلوقیت کا مشاہدہ اور اسکی روزانہ معاشرت اور سیرت میں اس کے افعال و اعمال بشری کا معاشرہ نہیں کیا تھا۔ بلا غرض وائل اسکی الوہیت تسلیم کرنے کے لئے پہلے سے آمادہ تھے۔ قسطنطنیہ (Constantinople) کی تخت نشینی کے قبل سے بہت سے ذرائع و وسائل نے مذہب عیسائی کی ترقی اور قبولیت میں تائید و پوجا کی تھی۔ تاہم یہی - اگر کفر شکاری کے قطعی بد نظمی اور کبھی حاکم شریعت کی عدم موجودگی نے جو کہ نظم قائم رہ سکتا - اور مزید برآں علوم فلسفہ کی کثیر التعداد مدارس کی فسادات نے عیسائیت کی ترقی و وسعت کی راہوں کو سہل بھی بنا دیا اور ہمارے عیسائیت کی ترقی نے اپنے جذبات عقاید کے ذریعوں سے طبقہ اعلا کے صاحبان عقول کو متوجہ کر دیا۔ مفلوک الحال طبقات میں اس نے سکون و آرام پیدا کر دیا۔ اور عیسائیوں کو ہفت میں سب اس کے پیغمبر نے اپنی رائے کی ذی اعتباری سے طالبان تحقیق کے دل و زبان کو خاموش کر دیا تھا۔ انکی تبلیغ نے ان لوگوں کی تمنائوں کو پورا کر دیا تھا جو مدت سے قدیم معاشرت و گریزان ہو کر ایک پاکیزہ تر معاشرت کے خواہاں تھے اور ملازمہ برین ان لوگوں کے ظالمانہ تعاقب کی مصیبتوں نے بھی۔ جو اکثر اوقات ظالم یہودیوں کے ہاتھ ہانکواؤٹھائی ہوئیں۔ انکی عظمت و اقتدار کو طبقہ عوام کے دونوں جہاگیرین کر دیا۔ اور ان رہبران قوم کے متعلق حصول شہادت کی اضافی نسبت نے اور ان کے درمیان کو قومی کر دیا۔ ابتدائے میں یہ حالت سچی کی تبلیغ کے بند ہو جانے اور اس تعلیم کے خالی اراصول ہو جانے نے (گو اس میں توسیع غور و تلاش کیلئے زیادہ آزادی تھی اور نہ تھا اس سے علم و عمل دونوں کے لئے کافی وسعت دیکھی تھی جیسا کہ قدیم رہبران عیسائیت کے حالات سے معلوم ہوتا ہے) فرقہ مخالفین کو نہ تھا نہ شریعت مسیحی کے اصول و قواعد میں غماز کی گنجائش دیدی بلکہ خاص ذات مسیح کے متعلق یہی انکار و اعراض کے لئے وسیع میدان چھوڑ دیا۔ بیت المقدس سے یہودیوں اور عیسائیوں کے استخراج نے جنگ باس مسیح انسان ہونے کے انکار و آثار کثرت سے تھے۔ بعد ازاں ان لوگوں کے ساتھ غیر یہودیوں کے شامل ہو جانے نے جو قرب و جوار میں آباد تھیں اور جن میں تیوینٹا غور تانہ یا پوپوس کے خیالات متعلق نظام عالم موجود تھی ان خیال غیر مستقل اور موہوم کو عیسائی علیہ السلام کے متعلق ان کے عقائد میں داخل تھا تا مگر وہ واقف کے ظنیات اور فرقوں میں متفرق کر دیا اس طریق تفصیل سے تمام مخلوقیت کے آثار و علامات اور ان کے متعلق وہ تمام اشیاء جو خارج از تصورات تھے وہ ان کے مثال خدا ہونے کے قابل لتظیم مرقع سے ہٹا دیئے گئے۔ اور وہ قابل احترام و اخلاص واقعات حیات جناب عیسیٰ علیہ السلام

حاشیہ صفحہ گزشتہ - تابع اپنے بیدار کار پڑوسی - اس بنا پر اس کے اصل طریقہ تعلیم کی حقیقت پر کامل یقین اس وقت تک نہایت دشوار ہی نہ ہو سوس میں شہوق - م - میں پیدا ہوا اور تقریباً ستہ - ق م میں فوت ہوا (Deionatid Pau) ۱۷۱۱ ق م میں حضرت عیسیٰ کو قطعاً خدا بنا کر مسمیٰ مار قیطن۔ حضرت عیسیٰ کے مخلوق ہونے کی وضاحت قابل تھی۔ مگر آپ کو خدا کا مثال قرار دیا جاتا تھا اور ان اندویش کی نسبت انکا اعتقاد تھا کہ ذات الہی کو عالم انسان کی آنکھوں میں بطور معاینہ و مشاہدہ پیش ہونے کی ضرورت و اجتناب کو ذات الہی میں صرف بلکہ سا پر وہ کھدایا گیا تھا کہ انسانی عجب کی صورت میں خدا بنا دہ بشری کے اندر نہیں آسکتا تھا ۱۷۱۱ ق م میں کے عقاید میں - باب بھی بیٹے کے ساتھ صلیب پر صلب ہو گیا - اس پر آفا سلام ہوا

عجائبات قصص و افسانہ بنادیے گئے اور ان کے واقعات حیات کی مختصرات و مصنوعات کے ذریعوں سے اس درجہ نقاب لگتی لگتی کہ فی الحال ہلوگوں کے لئے یہ معلوم ہونا بالکل دشوار ہو گیا ہے کہ حقیقتاً حضرت عیسیٰ م کیا تھے اور کیا کر گئے۔

الغرض عیسائیت کی وہ مجنونانہ صورتیں جو نزول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صدیوں پیشتر قائم رہ چکی ہیں۔ دلچسپ بھی ہیں اور سبق آموز بھی۔ مادیت کے دلائل تعلیمی جو اواخر صدی اول مسیحی اور ہارڈین کی فتح بیت المقدس کے ساتھ ہی ساتھ وجود پذیر ہوئیں اسی زمانہ خاص کی ایجاد و اختراع ثابت ہوتی ہیں۔ اور یہی اختلاف کی صورتیں ہو کر عیسائیوں اور یہودیوں کی بحث و کلام کا ہمیشہ باعث بنی رہیں۔

**پہلی صدی میں عیسائیت کا حال** | اگر نیا تھوس (Thaenios) نے Zenithus جو اس صدی کا بہت بڑا مشہور فرقہ مادیت کا عالم تھا۔ اپنے شاگرد دن کو باب۔ بیٹے دونوں کی پرستش کی تعلیم دی۔ اور ان دونوں باب بیٹے کے متعلق اور کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ جو پیدا کنندہ عالم کہا جاتا ہے عیسیٰ مخلوق سے بالکل جداگانہ جنس ہے۔

پلوس کی مختصر عیسائیت کی بھی مغزی اور ان کی لاجل کو شش نے اپنی مختصر شریعت کو مدارس فلسفی اسکندریہ کی تعلیم و نصائح کے مطابق بنانا چاہا تھا۔ عین اسی زمانہ میں امینیوس سکا (Ammonius Saccas) نے دین مسیحی کی ایک نئی شریعت کو حکمت افلاطون کے اصول پر مرتب کیا۔ جسکو ارگین (Origen) اور دیگر راہبران شریعت نے مل کو مرتب کیا تھا۔ اس تئوں پسندہ صنف نے جسکی تحریروں کے آثار قدیم عیسائیت کے تمام مشہور و نصیب کی تالیفات میں موجود ہیں عیسائیت کے تمام طریقوں اور فرقوں میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان کوششوں کے بعض طریقوں میں تو وہ بالکل مانی کا متوہ بن گیا ہی اور اپنی معاصرین میں بیشک زیادہ بلند نظر ثابت ہوا ہے وہ اپنی ایک خاص دیرگاہ قائم کرنے میں ضرور کامیاب ہوا۔ لیکن اسکی تعلیم و تبلیغ قومی عقائد و اخلاق کی درستی کا کوئی انتظام نہ کر سکی۔

**دوسری صدی میں عیسائیت کا حال** | دوسری صدی میں عیسائیت۔ بد نظمی اور جنگ۔ جدال باہمانہ پور اور مملو ہو گئی۔ عیسائیوں کے تمام مدارس دینی میں تفرقہ اور موفوعات بالعموم مروج تھے۔ مادیتیں دہریت کا بہت بڑا زور تھا اور عیسائیت پر ہر طرف سے اسکا جگمگا کر اثر پڑ رہا تھا۔ وہ چند فرقے جو اس صدی میں پیدا ہوئے وہ خاص طور پر اس سبب سے قابل لحاظ ہیں کہ نہ صرف ان میں وہ خرابیاں پائی جاتی ہیں جو اسکی خام تعلیم سے پیدا ہوئی ہیں۔ بلکہ ان میں مذہب زردشتی۔ اصول فیتا غورث اور شریعت اسکندریہ کی تعلیم پائی جاتی تھی اور مشہور سیسیفیس میں رہتا تھا اسکے حالات اور تصنیفات کے متعلق بہت کم علم و اطلاع ہے۔ بیسیفیس ہٹری ص ۴۲۱۔

**۳۔** امینیوس سکا۔ Ammonius Saccas شخص اصل میں بازار کا پاسبان تھا۔ پھر عامل الخمر۔ شراب کا ڈھونڈنے والا کہلا گیا۔ آخر میں عیسائیت کی حکمت کا بہت بڑا حکیم نکلا اس نے اپنی پوری حکمت شریعت کا ایک مدرسہ شہر اسکندریہ میں کھولا اور وہ شریعت کا بہت بڑا الاساوم ہو گیا اور اس نے اپنے طریقہ شریعت میں حکمت افلاطون اور حکمت ارسطاطالیس میں اصول تعلیم قائم کرنے کی کوشش کی اسکو شاگردوں میں اور جیانوس بطلمیوس اور لافینیوس سب کے نامی ہوئے ۳۰۰ میں بمقام اسکندریہ فوت ہوا۔ ۳۰۰ اور جیانوس (فیتا غورث) کا شاگرد۔ کتب الکبیرہ قدیمہ کا مشہور شارح ۸۶ میں پیدا ہوا اور



صائبیہ کالدیہ کے بھی تمام اخبار و آثار نمایان ہیں۔

**فرقہ مارکونائٹس** | جو دو تین کا مشہور معرفت فرقہ تھا۔ وہ اصولاً دو وجود کا قائل تھا۔ ایک کامل الخیر۔ دوسرا کامل الشر لیکن دونوں وجود الوہیت کے مابین ایک وجود اوسط بھی تھا جو ذمیرج کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ وہ بالذاتہ نہ کامل الخیر نہ کامل الشر۔ بلکہ اوسکا وجود ان دونوں اوصاف سے مرکب تھا۔ اور جزا و مستزاد اہل عالم اسی سے متعلق بتلائی جاتی تھیں مارکونائٹ کے عقائد کے مطابق یہ ذمیرج عالم سفلی کا پیدا کنندہ تھا اور اس بنا پر جو کامل الشر سے ہمیشہ معرکہ آرا رہا کرتا تھا۔ (دہمین سے عیسائیت میں مذہب زردشتی کے اثر اور مداخلت کو سمجھنا چاہیے) اوس وجود اعلیٰ نے جو سراپا ازلیت اور الوہیت ہے ان دونوں مخالف تنظیم عالم کی باہمانہ جنگ و جدال کو خاتمہ تک پہنچی ہے اور نفوس انسانی کو ان مصائب کے قیود و سختیوں کی تلخی خاص سے قوم یہودی کی ہدایت کے لئے ایک وجود کو بوقریب قریب اوسکا مائل تھا نازل فرمایا۔ اور وہی عیسیٰ بن المذکور جو مجسمہ انسان کی شکل و صورت میں صرف اس قدر صفت پیدا کئے گئے تھے کہ وہ انسان کی فانی انگلیوں کے مشابہت اور معائنہ میں آسکیں۔ اس تبلیغ رسالت کے فرائض منصبی بھی سنبھالے تھے کہ وہ دونوں تنظیم عالم کی سلطنتوں کو تباہ کر کے انسان کی پریشانی و سرگشتہ ارواح و نفوس کو خدا سے حقیقی تک پہنچا دے عیسیٰ کی تعمیل فرائض پر ذمیرج نے نہایت سختی سے حملہ کیا لیکن اوسکا کوئی حملہ اس وجہ سے کارگر نہیں ہوا کہ عیسیٰ کا مجسمہ تو صرف ظاہر تھا۔ اس سبب سے وہ کوئی تکلیف پہنچانی جانیکی فطرتاً قابل ہی نہیں تھا۔

**فرقہ والنٹین** | والنٹینس (والطینوس یا باطنیٹوں) (VALENTIANS) فرقہ کے عیسائی جنکے ان زیادہ زائدہ تک دیرپا رہے۔ اپنے عقائد میں یہ سمجھتے تھے کہ خدا نے انسان سے اپنے بیٹے عیسیٰ کو اسلئے نازل فرمایا ہے کہ وہ انسانوں کو ان تمام لاشوں کے پاک و صاف کر دینے کے لئے جن میں وہ الودہ ہو گئے تھے۔ اذکار نزول اصلی صفات الوہیت کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آسمانی اور روحانی کیفیات کے ساتھ وہ دنیا میں نازل فرمائے گئے تھے۔ ان کے عقائد میں حضرت عیسیٰ جو ہر الوہیت کا ایک انسانی پیکر تھے۔ جو زمین پر حاکم تاریکی کے سلطنت کو غارت کر نیکی کے نازل فرمائے گئے تھے۔

**فرقہ افاٹیس** | افاٹیس (APHYTES) کا فرقہ نابک مصر میں ترقی کر رہا تھا۔ اوسکا عقیدہ بھی دیگر بادہ میں مصر کے عقیدے کی طرح وجود دہرین ازلیت کا قائل تھا۔ اور وہ ایجاد عالم کو ذمیرج کی محض جفا پرستی کی ایک صورت خلاف شیت الہی تسلیم کرتا تھا۔ اسلئے وہ اسکا بھی قائل تھا کہ روحانی کراست عیسیٰ کے پیکر انسانی میں متحرک اسواسلئے نازل کیا گیا تھا کہ غاصب ذمیرج کی حکومت کو برباد کر دے۔ اذکار یہ بھی عقیدہ تھا کہ وہ انعی جس نے آدم و حوا کو بہشت میں قریب دیا یا تو بذاتہ خود کراست تھا یا صوبیا

المؤلف عفی

بقیہ حاشیہ گذشتہ۔ ۵۲ء میں فوت ہوا۔ BEETONS HIST P. 637

لہذا النٹین۔ والطینوس۔ فرقہ بلاتین کا مشہور عالم اور دہریت کا حکم شاہین فوت ہوا CHAMBERS P. 1087

نٹہ اذفائٹس۔ افعیون۔ دہرین کا ایک فرقہ جو سانپ کی پرستش کرتا تھا۔ CHAMBERS P. 633

جو ضرورتاً سانپ کی صورت میں پیشکش ہو گیا تھا جس زمانہ میں باوتیسٹ کے مختلف فرقے یکے بعد دیگرے کالدی فلسفی کے اثر سے وجود میں آتے چلے جاتے تھے جن میں اسی زمانے میں یونانیوں نے پال کی باپ بیٹے اور روح القدس والی تعلیم تثلیث میں اور نیز وجود عیسیٰ میں۔ دو جدا گانہ صیغوں کے باہمی اتحاد کے دلائل اور نظام عالم کے متعلق اپنے فلسفیانہ عقائد کے فیما بین اتفاق و مطابقت کی کوشش شروع کی۔

**فرقہ پیراکوس** | اس فرقہ کا بانی پیراکوس (Piraeus) تھا۔ عیسائیت میں وہم پرستی کی تعلیم پھیلانے والا پہلا یہی شخص تھا۔ اور وہ صرف اس حیلہ و تدبیر سے اپنے رواج تعلیم میں سب سے آگے بازی لگایا۔ اس نے عیسائیوں کے اس عقیدے کو تسلیم کر لیا کہ باپ بیٹے اور روح القدس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان لوگوں نے یہاں تک تسلیم کر لیا کہ باپ اپنے مخلوق جیسے کے ساتھ اس طرح مستحق فی الوجود تھا کہ باپ نے بھی بیٹے کے سب مصائب بمقدار مساوی برداشت کئے۔ اور اس کی طرح آپ بھی شرمناک موت برداشت کر گیا۔

**فرقہ مانیتوس** | موشیم (Moshim) کا بیان ہے کہ یہ تمام فرقے علوم فلسفی کی ذریات تھے۔ ان سے زیادہ دخلی اور بربادی کی بلا۔ دین مسیحی پر ایک شخص مانیتوس (Manitus) نامی باشندہ فرقہ کے بانی تھے۔ ان شخص نے تمام علوم اور ان کی جامعیت کو بالکل بی ضرورت تبدیل اور اپنے آپ کو عیسیٰ کا فرقیط موعود PARAELEFE ٹھہرایا مانیتوس نے بہت جلد کثیر التعداد مقلد پیدا کر دیے جن میں سے دو عورتیں پر سکلا (PASCALLA) اور میکسلا (MAXILLA) مدعیان نبوت تھیں۔ اور نہایت مشہور و معروف تھیں۔ یہ دونوں عورتیں جیسے اپنے حسن و جمال کے لئے مشہور تھیں۔ اسی قدر نیک طریق اور نیک اعمال نہیں تھیں۔ اندرون ملک لائیا سے شمالی کو تدریج عام بنا دیا۔ اور اپنے مجنونانہ نظام سے تمام قوم انسانی پر خوفناک مصائب وار د کئے۔

**۱۴** پیراکوس۔ قراقوس (PARACUS) دوسری صدی کا ایک عالم جس نے مسیحی فرقے مانیتسٹ (MONTANIST) کو نہایت مستعدی سے مغلوب کر کے اصول تثلیث میں اپنے مختصرات و موشومات کی تعلیم شروع کی۔ اسکے بعد بیلین (SABELLIAN) فرقے کی پیدائش ہوئی تروٹلین نے اس کی تعلیم کی رد لکھی ہے۔ یہ شخص دوسری صدی تک زندہ رہا۔ BEETONS Hist P. 606

**۱۵** مانیتوس یا مانیتوس (MONTANUS) فرقہ عیسائی کا بانی بشہر فرغانہ کا رہنے والا حکیم تھا۔ اس نے یہ مشہر کر رکھا تھا کہ اس پر روح القدس کا نزول ہوا ہے اور اسی کی طرح اس کی دو شاگردہ عورتوں پر سکلا (PASCALLA) اور میکسلا (MAXILLA) نامی بھی نزول روح القدس ہوا ہو مانیتوس کا تثلیث کا قطعی منکر تھا۔ اور دوسری شادی کرنے کو تو ماحضہ سمجھتا تھا۔ اس کے کثیر التعداد مقلدین ہوئے۔ اور ان لوگوں نے عیسائی امت میں بڑی بڑی پر آشوبی اور بغلی پھیلانی۔ اس نے اپنی نسبت نزول وحی ہونیکا دعویٰ کیا پھر تو بڑے بڑے عیسائی علماء اور انکا اس کی تقلید میں آگئے سب سے بڑا حکیم تھانگیزام تو یہ ہوا کہ طریقین کے ایسا عیسائی عالم متجرب بھی اس کا مقلد ہو گیا۔ لیکن یہ عالم اپنے خزانہ میں اس کے حلقہ تقلید سے علیحدہ ہو گیا مانیتوس دوسری صدی تک زندہ تھا۔ پھر فوت ہو گیا۔ BEETONS Hist P. 353

المؤلف عفی عنہ

**فرقہ مالتویہ** عین اسی زمانہ میں جب مارکونائٹس - وائٹسین اور مانٹینٹ اور دیگر فرقہ مالتویہ میں ممالک روم میں اپنی تعلیمات دینی پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے - فارس میں ایک شخص پیدا ہوا جسکی شخصیت اور حیثیت دونوں عظیم (ایشیا رولورپ) کی حکومت و فلسفہ پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔ مالتویہ طریقہ اور فرقہ سے تعلیمی کمال و جامعیت کا تیار اور کامل سکر خاص تھا۔ اعلیٰ درجہ کا نجومی - اعلیٰ درجہ کا علم کیمیا و طبیعیات کا ماہر اعلیٰ درجہ کا معنوی اور اعلیٰ درجہ کا مہوڑ تھا۔ فرق نقاشی میں اس کے کمال ضرب المثل ہیں۔ اور ہر شخص آج تک از رنگ مالتویہ سے پورے طور پر واقف ہے۔ وہ یہودیوں کے علوم رموز اسفار سے بھی کامل طور پر واقف تھا۔ عالمان مالدین کی تعلیمات سے بھی کما حقہ ماہر تھا اور مشرقی فلسفہ اور تصوف کی حکمت پر بھی عبور کامل رکھتا۔ بذات خاص بزرگان منہج کے خاندان سے تھا۔ اور شریعت عیسوی کی بھی کامل تعلیم پا چکا تھا۔ ان تمام کمالات و اوصاف میں کامل ہولکادس نے موجودہ مذہبی اختلافات سے جو اس کے گرد و پیش ہر طرف پھیلا ہوئے تھے سخت نفرت ظاہر کی اور ان میں ان مختلف مذاہب و طریق کے مجموعہ سے ایک شریعت خاص کی بنا ڈالی جو تمام غرض انسانی و نفسانی کو بھی پوری کر سکتی تھی اور مقاصد قلبی و روحانی کو بھی مالتویہ نے اپنی اس جزات سے جو اس نے تمام مروجہ مذہب کی موجودہ سیل روان کو ایک بالکل نئے اور خارجی طریقہ عقیدہ سے روک دیا۔ اور اپنے اس طریقہ میں وہ اس عام تنقید و تردید کے الزام میں خواہ مخواہ داخل ہو گیا جس نے تمام مذہب کی تعلیم و تلقین اور ہدایت و ارشاد کے کام بند کر دیے۔ مالتویہ نے اپنے طریقہ خاص کی تعلیم و ہدایت کو بڑی رازداری سے مخفی رکھا۔ فرقہ اسماعیلیہ نے ایک زمانہ بعد کے مالتویہ کا یہ طریقہ اختیار کیا۔ اور پھر فرقہ باطنیہ نے بھی اپنے زمانہ میں دیگر رموز مذہب کی تنقید و تردید سے بچنے کے لئے مخفی انداز اپنا لیا۔ اسی باعث سے ہر فرقہ اور طریقہ مالتویہ کا مخالف ہو گیا۔ پھر حقیقت میں یہ ثبوت پہونچی کہ جہاں کہیں مالتویہ یا اس کے شاگرد اور پیروں نے طریقہ پہونچی وہاں ان کا نہایت بیباکانہ مظالم کے ساتھ تعاقب کیا گیا۔ حقیقتاً مالتویہ کی شریعت - ملت عیسائی کے متعلق - قدیم ایرانی اور کالدی فلسفہ کا مجموعہ تھا۔ اس کے عقیدے کے مطابق - مادہ و روح ہمیشہ سو کہ آراء مخالف تھے۔ اندون ضدین کی مخالفت سے ترکیب انسانی کی ایجاد خلقت ہوئی۔ انسان کا اہل جوہر و قسمون تقسیم ہوا۔ ایک مادی ایک روحانی۔ روحانی جوہر وہ تھا جو براہ راست آسمان سے انسان میں ودیعت کیا گیا تھا۔ اور مادی وہ خلقت کے امثال عناصر سے وجود میں جو وجود نچو آیا۔ اندون متضد جوہرون کے اختلاف و ضرور کار نیکی لئے اور جوہر روح کو نفس جسمانی (مادی) سے نجات و خلاصی دلوانے کے لئے جسمین وہ (جوہر روحانی) مقید تھا۔ خدائے تعالیٰ نے فضائے آسمانی سے ایک ازلیت کے مجسمہ کو اپنے خاص جوہرون کے ساتھ نازل فرمایا۔ جو دنیا میں کرائسٹ کہلایا۔ کرائسٹ امت یہود کے درمیان ایک ظاہری پیکر انسان کیسا تھا نمایاں ہوا اور اس نے اپنے دوران رسالت میں فانی ہستیوں کو صورت جسمانی کی ظاہری بدکاریوں سے ارواح نورانی کی فلسفی حاصل کرنے کی تعلیم دی

اور اس طریق سے اپنے خراب اور ضرر رساں جوہر کا مل نتیجہ حاصل کی۔ عالم ظلمت کے بادشاہ نے یہودیوں کو اسکے روئے  
کی اشتعال دی۔ چنانچہ وہ صرف ظاہر پر نہ حقیقت میں مصلوب کر دیے گئے۔ حالانکہ نجات اسکے وہ تبلیغ رسالت  
کے مناصب تمام فرما کر اپنے مسکن اعلیٰ کی طرف جو فضائے شمس میں واقع ہے۔ واپس گئے۔

ان دلائل کے مطابق۔ مانی کا قرار دادہ کرائسٹ نہ کھا سکتا ہے۔ نہ پی سکتا ہے۔ نہ مصائب و تکالیف برداشت  
کر سکتا ہے اور نہ کہی مر سکتا ہے۔ وہ اسطریق سے خدا کا آخر شامل بنا کر بھی نازل نہیں کیا جاسکتا۔ غرض کہ وہ آخر میں  
وہ ایک جہانی ہیولا قائم ہوتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ وہ پیکر نورانی جو تمام اشیاء میں نورانیت دے سکتا ہے مگر خود  
ماوہ میں مقید تبلا یا جاتا ہے لیکن غیر صورت مخلوق اختیار کرنے کے وہ صورت مادی سے علیحدہ ہو جانے کے لئے  
کوشاں کیا جاتا ہے۔ یہ کیسے؟

بہر حال۔ مانی کے یہ عقائد اور اسکے دلائل۔ عام اس سے کہ کیسے ہی صریح کفر آمیز اور خلاف عقل نہ ہوں لیکن

ظاہری طور پر اسقدر عقل سے بعید نہیں معلوم ہوتے جبکہ عیسائیوں کا موجودہ مسئلہ *TRANS. SUBSTANTIAL* تجدید  
کی عقیدت جبکہ آج تک اتنی کثیر التعداد قوم عیسائی تسلیم کر رہی ہے۔ یعنی طعام نذر مسیح کا خاص حضرت عیسیٰ  
علیہ السلام کے خون و لحم میں پونچھ کر تحلیل ہو جانا۔

مانی نے اپنے متقلدین کے دو گروہ قرار دیے۔ اور ان میں سے پہلے منتخب شدہ لوگ نہایت سختی سے زہراہانہ  
اور مجرمانہ معاشرت اختیار کر نیکے لئے مجبور رکھے گئے تھے۔ یہ لوگ ہر قسم کے گوشت و غیرہ کی خوراک کھانے اور شراب  
وغیرہ اشیاء منشی کے پینے سے سخت منع کئے گئے تھے۔ ازدواج اور دیگر لذات نفسانی کے اختیار کرنے سے  
بھی محروم رکھے گئے تھے۔ دوسرے قسم کے لوگ مقتدین سماعی کہلاتے تھے۔ ان کی تکلیف نرم و آسان رکھی گئی تھی وہ گہرے  
زمین رکھنے اور مال و متاع حاصل کر نیکے لئے ماؤن تھے۔ وہ گوشت بھی کھا سکتے تھے۔ شادی بیاہ بھی کر سکتے تھے  
لیکن تاہم انکی یہ آزادی بھی انکو بہت سے حدود و قیود کے اندر اور ان میں سخت سے سخت درجہ اعتدال قائم رکھنے  
کے شرائط کے ساتھ دی جاتی تھی۔ مانی کو بہرام گور نے قتل کر ڈالا۔ لیکن تاہم اسکی تعلیم شریعت عیسوی میں اثر کر گئی اور  
ان تمام اختلافات و مناقشات میں جو آئندہ مختلف عیسائی طرقیوں میں واقع ہوئی وہ پورے طور سے نمایاں تھی۔

تیسری صدی میں عیسائیت کا حال  
تیسری صدی کے اوسط میں سبیلیں فرقہ نمودار ہوا۔ اس نے  
ایک نئے قسم کا اختلاف مذہبی عیسیٰ میں پیدا کیا۔ سبیلیں  
SABALIAN نے تبلا یا کہ حضرت عیسیٰ ۱۴ انسان محض تھے

سبیلیں (SABALIAN) تیسری صدی کا عالم یونانی۔ جس نے دجو عیسیٰ کی الوہیت کے خلاف بہت سے موضوعات فخرع کئے بالآخر قلیطوس  
کے حکم سے ملک روم سے خارج البمل کیا گیا۔ P. 830 CHAMBERS



اور ان کا عقیدہ تھا کہ ایک قوت خاص پیرا علی کی طرف سے نازل ہو کر عیسائی کے پیکر انسانی میں ملتی و متحد ہو گئی تھی۔ اور اس بنا پر وہ ابن اللہ قرار پائے یہ خاص طور کی تعلیم جو قبول گین (Gentile) کے موحیدین کی اصلی راہ قربت تھی عیسائیت کے مختلف فرقہ و فرقہ میں سخت بد نظمی کا باعث ہوئی۔ چنانچہ چوتھی صدی کے ابتدائیں۔ اس بنا پر اور گین (Oregeon) نے اس عقیدے کی تعلیم پھیلانی کہ الوہیت تین جدا گانہ جنسون کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہ مذہب تثلیث قدیم لاندہبی کی تحقیق جو امت مسیحی کے لوگوں نے ایجاد کر لی۔ کثیر اللہی کے طغیانیات سے ان کی فطرت اصولاً سلا پارنگی رہی تھی عقیدہ تثلیث حقیقتاً عیسائیوں کی ایک قسم کی مبراہ مصلحت (دو ایسی) تھی جو انھوں نے شریعت عیسوی اور مذہب کثیر اللہی کے درمیان اختیار کر لی۔ بعد از انقضائے ایام تعلیم تثلیث کا عمل طور سے شریعت تثلیث بلکہ ضروریات دینی میں داخل ہو گئی مگر قبل اسکے باعث سے بہت سے فلسفانہ طریق و دلائل عیسائیت میں داخل ہو چکے تھے اس پرٹ آف اسلام (MOSHEIM P. 411) چوتھی صدی میں عیسائیت کا فرقہ ایرین کا ظہور کیا۔ اس فرقہ ایرین کا ظہور کیسے اس پرٹ آف اسلام (MOSHEIM P. 411) کی مدد سے آئی کا نتیجہ ہے۔ شہر اسکندریہ میں جو مجنونا نہ طریقہ کے عیسائیوں کا بڑا مرکز تھا۔

مقام تھا۔ اریوس (ARMS) نامی ایک شخص نے۔ اپنے عالم مجتہد کے ارشاد کے بالکل خلاف۔ نہایت دلیرانہ اور بیباکانہ طور پر عموماً تمام ملک و قوم میں یہ صدائے احتجاج بلند کی کہ کرسٹ ہرگز ذات الہی کے جوہر کے ساتھ مشترک نہیں ہیں۔ اریوس کی تعلیم بہت جلد ممالک مصر اور شمالی افریقہ میں پھیل گئی۔ اور برخلاف ان تمام حملات و تباہیات کے جو اس کی امتناع اور سد باب کے لئے انواع و اقسام کی صورتوں میں پیدا کئے گئے۔ اس طریقہ کی تعلیم ان ممالک میں نہایت استحکام سے پھیل کر قائم ہو گئی۔ بلکہ ممالک اسپین (SPAIN) تک پہنچ گئی اور اسکے قیام و استحکام کی یہ حالت اس وقت تک ایسی ہی رہی جب تک کہ اس عقیدے والوں نے مذہب اسلام نہ قبول کر لیا۔ اریوس کے اس طریقہ تعلیم نے جو عیسائیت میں تفریق کثیر پیدا کر دی اور اس تفریق نے شاہ قسطنطین کو ۳۲۵ء میں بمقام بیتھیون (BYTHYNIA) کونسل نائس منعقد کرنے کے لئے مجبور کر دیا۔ اس مجلس مشورت میں طرفین سے سخت رد و کر کے

۱۔ اریوس (ARMS) امت مسیحی میں فرقہ ایرین کا موجود اور اصول تعلیم نکالے۔ میو جیہ اسکندریہ کا سخت مخالف اس نے ذات مسیح میں وجود الوہیت کے متعلق ایسے ایسے اختلافات و اعتراض قائم کئے کہ بالآخر بادشاہ قسطنطین کو ۳۲۵ء میں کونسل نائس منعقد کرنی کی ضرورت ہوئی۔ اس کونسل نائس کے فیصلہ سے اقوال اریوس ممنوع و رد کر دیے گئے اور جو اصول عقاید فی التثلیث اس کا پس بین وضع کئے گئے وہی جاری ہو گئے۔ اسکے بعد اریوس جلاوطن کر دیا گیا لیکن دو برس بعد قسطنطین نے واپس بلایا گیا اور اپنے عقائد سے تائب ہوا اور گردہ غلصین میں داخل ہو گیا لیکن جب یہاں پر وہ شہر اسکندریہ میں واپس گیا تو اسانیوس (Athanasius) اور سکوتھین آئے دنیا۔ اس نے ہر چند شہر میں جانکی کوشش کی مگر ابلیان شہر نے سختی سے روک دیا مجبور ہو کر وہ مصر میں چلا گیا اور وہاں سونچ کر پھر اس نے اپنی فتنہ ملاوٹ عام طبقات میں شورش پیدا کر دی۔ یہ خبر پا کر قسطنطین نے اس سے دربار میں پڑھایا اور حکم دیا کہ وہ کونسل نائس کے فیصلہ کو اطلاق کر نیکو قرار کرے ورنہ وہ دیکھا جائے گا۔ اریوس نے حلف لیا کہ وہ اقرار کیا تو بادشاہ نے پھر اس کو مذہب عیسائی میں ملنے جانیکا حکم دیا لیکن وہ بدین جب وہ بڑے مہذب عیسائی میں جا رہا تھا راستہ میں گر گیا لیکن اس کی تعلیم شریعت اور اسکے ساتھ ختم ہوئی بلکہ لاندہ عیسائیت میں قدسی پیدا کرتی رہی شہر ۳۲۵ء میں پیدا ہوا اور ۳۲۵ء میں فوت ہوا ۳۲۵ء



عالم اسکندریہ کی خود رائی نے بحث و کلام کی آزادی کو بالکل روک دیا۔

دو جنس غیر کی تعلیم و عقیدہ یہ حکم عام دیکر بالکل حرام کر دی گئی کہ جو لوگ ذات عیسیٰ کو دو جدا حصوں میں تقسیم کرتے ہیں وہ تلواریں سے خود حصوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔ وہ خود پارہ پارہ بنا دیے جائیں اور جلتی آگ میں جا دیے جائیں۔ یہ ایک عیسائی کی مشورت کے مخیرانہ مقاصد ثابت ہوتے ہیں۔

**پانچویں صدی کے حالات** اس کے بعد شہر چالکیڈون (CHALCEDON) میں ایک تیسری مجلس مشورت قائم ہوئی۔ یہ مجلس روم کے بشپ کے استصواب رائے سے قائم ہوئی تھی اس مجلس میں ذات واحد

عیسیٰ کا عین ظہور خدا کو لیکن دو جدا گانہ عناصر کی ترکیب کیساتھ باؤٹھوٹھکا عقیدہ بالوضاحت عام طور سے تسلیم کر لیا گیا۔ فرقہ مینوفیسائٹ (MONOPHYTES) اور نسطوریہ (NASTORIAN) نے فیصلہ چالکیڈون کے سدرہ بنوئی کی کشتی کی لیکن اس عقیدت کے متعصبین کے ہاتھوں سے جو اپنے زعم خاص میں کرائسٹ کے وجود اور ذات خاص کے راز کی تحقیق کمال کر چکے تھے۔ ان لوگوں کا قتل عام کر کے استیصال کمال کر دیا گیا۔ شہر بیت المقدس عیسائی راہبوں کے قبضہ خاص میں آگیا۔ اور ان لوگوں نے عقیدہ ظہور ذات واحد کی صدارت احتجاج بلند کر کے تمام شہر کو غارت کر دیا۔ جلا دیا اور قتل کر دالا۔ یہاں تک کہ فرا عیسیٰ ہی خون انسانی سے ناپاک ہوا اور وہ کر دیا گیا۔ اسکندریہ کے عیسائی جو ایک عورت کو قتل کر چکے تھے اپنے اعظم ترین پیشوا سے مذہبی کو بیت المقدس میں عین اصطبلانغ دیتے وقت اسی مقام مقدس میں قتل کر دینے سے باز نہ آئے۔ یہاں تک کہ اوسکی صاف اور ستھری لاش کو آگ میں بھلا دیا اور اوسکی خاک کو دریا میں بہا دیا۔

**چھٹی صدی کے حالات** چھٹی صدی کے اوسط میں مینوفیسائٹ فرقہ کا طاع وازدن پھر ایک بار یعقوب (JACOBS) نامی شہر آویہ کے بشپ کے زیر ہدایت ہو کر راستی پر آیا تھا۔ یعقوب اور اسکے نشین اور قائم مقاموں کے زمانے میں پھر اس فرقہ نے مشرقی حکومتوں میں بہت بڑی شہرت

بقیہ صفحہ گذشتہ کے ہیں بدرجہا مترادف مفید میں نسلہ میں ولادت اور شہداء میں وفات ہے۔

BEETONS HIST 641

**۵۱ چالکیڈون** (CHALCEDON) دریائے پونٹس (PONTOS) کے دہانے پر موجودہ شہر باطوم (قسطنطنیہ) کے دوسرے جانب واقع ہے یہاں قوم مگ (MEGGES) کے لوگ پہلے آباد تھے۔ اس شہر کو سیتھنس (SYTHIANS) (قوم سیستان) نے بادشاہ غیلینس (GALINUS) کے عہد میں تیسری صدی عیسوی میں غارت کر ڈالا۔ پھر شاہ جستین (JUSTINIANS) نے چھٹی صدی میں آباد کیا۔ پھر اسکے ترکوں نے اپنے زمانہ مدوح میں برائے کر کے اشیاء عمارت کو شہر قسطنطنیہ (استنبول) میں ڈھو کر اپنی عمارت میں صرف کیا۔ یہ شہر حکیم زینا قرطوس (ZENOCRATOS) کا مولد تھا۔

BEETONS HIST P. 425

**۵۲ مینوفیسائٹ** (MONOPHYTES) عیسائیوں کا وہ فرقہ جو ذات مسیح کو صرف ایک جوہر سے مخلوق سمجھتا ہے۔ بخلاف عیسائیوں کے

عام عقائد کے جو عیسیٰ کی ذات کو الوہیت اور انسانییت دونوں جوہرین سے مرکب جانتے ہیں۔

BEETONS HIST 585

اور عزت پیدائی فرقہ کے تسطوریہ۔ متعصبین عیسائیت اور اہالیان چالکیڈون اپنے متواتر حملات کر کے ان لوگوں (فرقہ یقہونی) نے تمام دنیا سے عیسائیت میں تباہ و برباد کر دینے والی ٹرائیڈان اور خونی زبان چارون طرف واقع کر رکھی ہیں غیر عیسائی طریق کے لوگوں کے نزدیک مانیو فیسائیت کی تعلیم عیسائی کی صفات روحانی و انسانی باہم متحد ہو کر ایک جنس خاص تیار ہو گئی ہے اور اس اتحاد ضدین سے کوئی تیز یا تفریق۔ دو اشیا مختلفہ میں نہ کسی صورت سے نمایاں ہوتی ہو اور نہ پیدا ہوتی ہے اصول مقرر کردہ کونسل چالکیڈون سے کہ طرح علیحدہ اور مختلف نہیں ہوتے۔ لیکن تاہم یا اختلافی خصوصیت بھی کثیر التعداد قوم انسانی کی مصیبت کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ آخر کار سلسلہ میں شاہ ہرقلوس (ہرقل) (MARCUUS) نے ان مذہبی بقاعدین میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت سے ایک خاص عقیدہ کو جاری کیا اور اس کا نام مانو تھیالیٹس (MONOTHEISM) رکھا

ساتویں صدی کے حالات اس فرقہ کی تعلیم نہ اتنی جابرانہ تھی اور نہ مجبورانہ۔ مانو تھیالیٹس کے عقیدے میں نہ عیسائی فرقہ مانو تھیالیٹس کی ابتداء خدائے کامل تھے۔ اور نہ انسان کامل۔ لیکن انکی ترکیب خلقت الوہیت اور انسانیت کے دونوں جوہروں سے بقدر مشترک مرکب تھی۔ اور ایسی کہ اسکی ذات نہ مرکب معلوم ہوتی تھی اور نہ اس ترکیب میں کوئی تغیر یا بدتریبی تیز کی جاتی تھی۔ بلکہ اس باہمی توحد و توصل سے صرف ایک ہی ذات یقین کی جاتی ہے۔

بخلاف اسکے کہ یہ صلح کن طریقہ تعلیم قلوب مختلفہ عیسائیت میں سکون و آرام۔ اتفاق و اتحاد پیدا کرے اسکے شیوع نے تو عیسائیوں کے مختلف فیہ فرقوں کے درمیان خرابیوں کو اوگر کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایشیائے مغربی و افریقہ شمالی اور ممالک یورپ کے اکثر حصوں میں حضرت عیسیٰ کی منسوب الیہ قربانگاہوں میں قتل عام وغیرہ کے وہی منظر اور وہی عالم ہمیشہ پیش آتے رہے۔

آمد آمد اسلام سے ماقبل کی صدیوں میں ممالک مسیحی کے مذہب و ملت کی یہ کیفیت تھی۔ جو اوپر بیان کی گئی خلاصہ یہ ہے کہ قسطنطنیہ کے مذہب عیسائی اختیار کرنے سے مذہب عیسوی نے سلطنت روم و لکبری میں نمایاں قوت پکڑی۔ لاندہی کی راہ تو بند ہو گئی لیکن اسکے (لاندہی کے) زوال کو وقت بڑے بڑے عظیم الشان اور خالص رومی سلاطین نے اسکو قائم رکھنا چاہا۔ لیکن اسکا زوال و انحطاط ہو چکا تھا۔ مورخ گبن کا بیان ہے کہ لاندہی اور کفر پرستی کے قطعی موقوف ہو جانے کے بعد یہ اسید تھی کہ قوم عیسائی امن و امان اور سلامت رومی کی حالتوں میں تنہا ہو کر اپنی کامیابی سے آرام و سکون پائے گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصول مذہب کا باہمانہ نفاق انکے سینوں میں ابھی تک زندہ تھا۔ اور بجائے اسکے کہ وہ پیغمبر کے اصول و قواعد کی عملی طور پر پیش دہانندی کریں اور ان لوگوں نے ذات عیسائی کی تحقیقات و تفہیمات کا محققانہ انداز اختیار کیا۔ تمام مسیحی یورپ گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور شریعت عیسوی انواع اقسام کے اختلافات و موضوعات سے بھری پڑی تھی مردوں کی رد میں اسی طرح کثرت سے بوجی جاتی تھیں اور مغربین قوم ملک کے



مجھے اوس طرح قابل تعظیم و پرستش تسلیم کئے جاتے تھے۔ فوراً پرستی اور شیعہ پرستی دونوں عالمگیر ہو رہی تھیں۔ اوس طرح عیسائیت کفر پرستی بنادی گئی تھی۔ عیسائیت کی ماتحتی کی وجہ سے قوم کی ملکی اور معاشرتی حالتیں بھی بالکل افسوسناک ہو رہی تھیں۔

**عیسائیت کے حیوانی مظالم** | انسان۔ بے خیالات و فیصلہ بات کی آزادی صلب کر لی گئی تھی۔ اور عیسائی کی حکومت لائبرٹیوں اور کافروں کی برترمانہ قربانیوں اور جان تباہیوں تک محدود کر دی گئی تھی۔ جو عقاید مروجہ ملک کے بال بھی اختلاف کر سکی جہت نکرتے تھے۔ شہر اسکندریہ کی کئی ٹرک پر اور مذہب دنیا کی کھلی آنکھوں کے سامنے۔ زمانہ قدامت کی منفعت ترین عورت ناقابل الذکر مظالم کے ساتھ۔ ایک عالم عیسائی کے ہاتھ سے جبکہ نام و فخر عیسائیت میں شہید کے لقب مقدس سے برابر تحریر کیا جاتا ہے۔ ا۔ جسکے لئے موجودہ روشنی کے زمانہ میں ایک مندر خواہ۔ (ڈیرہر) (DRAHER)

بھی پیدا ہو گیا ہے۔ فوج کرڈال گئی۔ ڈیرہر کے خوش۔ بیان معنی تین دن خوشخوارانہ جرائم کے پورے واقعہ موجود ہیں۔ جو ابد الابد تک عیسائیت کو دامن پر بہت بڑا دلغہ لگائے رہیں گے۔

**قتل ہتیا** | ایک خوش جمال عقیدہ اور نہایت پارسی خاتون پر جسکی درس گاہ شہر اسکندریہ میں صاحبان ذوق و اہل معاشرا مروجہ کی کثرت سے ہمیشہ بھری رہتی تھی۔ تبلیغین اور متعلمین عیسائیت کے ایک گروہ نے عین اوس وقت حملہ کر دیا جب وہ اپنی تعلیم گاہ سے باہر آ رہی تھی۔ ان مویدین مذہب کے شعور و غل میں وہ اپنی گاڑی پر سے کھینچ لی گئی۔ اور کھلی سڑک پر بالکل تنہا کر دی گئی۔ وہ تو خوف کی شدت سے سچو اس ہو رہی تھی اسے اسی شکل سے پہنچ کر ایک قریب کے گرجے میں لینگے اور وہاں امام مذہب کے چھڑے سے قتل کر ڈال گئی۔ اوسکی غریب لاش کے ساتھ بدکاری کی گئی۔ اسکے بعد اوسکی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال گئے۔ اس پر بھی یہ خوشخوارانہ مظالم اوس وقت تک تمام نہیں کئے گئے جب تک کہ سیپیون سے اوسکا گوشت ہڈیوں سے بالکل کھرچ نہ لیا گیا۔ پھر بقیہ اجڑے لاش کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ اور باوجود ان تمام مظالم کے دنیا سے عیسائیت نے اس ظالم (قاتل ہتیا سیٹ ساریل) کو مذہبی امام و پیشوا کا خطاب دیا جس نے اسی خوفناک اور انقلاب انگیز خوشخواری دکھائی غریب ہتیا کا خون بہا سوائے عمران العاص کی تلوار کے اور کوئی دوسرا نہ لے سکا۔

**۱۵ ہتیا** (Hetera) | تھون (Hetera) کی لڑکی تھی۔ اور شہر اسکندریہ کی بہت بڑی ریاضی دان حکیم۔ باپ کے مرنے کے بعد اس نے حکمت افلاطون کی سند اس شہر میں حاصل کی۔ اور کثیر التعداد طلباء اور شاگردوں کو ریاضی اور فلسفہ کی تعلیم دینے لگی۔ یہاں تک کہ یونان اور اسکندریہ میں تعلیم حکمت اور سواد افلاطون میں اسکی شہرت تمام پھیل گئی۔ سینا سوس جس نے آخر میں عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اوسکا بلدا ج تھا۔ اسی طرح ارسطو پطرس جو حاکم اسکندریہ تھا۔ ہتیا کی بڑی قد و منزلت کرتا تھا اور ہمہ اہم ضروری میں اس سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ حاکم اسکندریہ اور ساریل (قاتل ہتیا) کے درمیان سخت عداوت تھی جو آخر میں فیما بین جنگ و جدال کی صورت میں مبدل ہو گئی تھی۔ اور رہبانوں (Monks) کی دیرستہ جماعت بے ساریل کی طرف بڑھ کر ارسطو پطرس پر حملہ کر دیا۔ ارسطو پطرس کو بالآخر شہر سے بھاگنا پڑا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے ہتیا کو پکڑا۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔

عیسائیت کے مظالم اور حکومت قسطنطنیہ کی حالت خصوصاً شاہ جسطینین (JUSTINIAN) کے ایسے نامور اور عالمگیر بدکاریاں موبد عیسائیت کے ایام حکومت میں۔ تمام عیسائی حکومتوں کی ملکی اور قومی بدکاریوں اور

بد اخلاقیوں کی مرتب فہرست ہے۔ اقصاء روم کے تخت شاہی پر لگے تھیوڈورا (THEODORA) کے قدم اُٹے اور وہ سلطنت کے تمام نظام میں بادشاہ کی شریک بلکہ شریک غالب بن گئیں تھوڈور نے شہر قسطنطنیہ میں اپنی (بدکاری کی) علامت تجارت شروع کر دی اور وہاں کے آوارہ فراج باشندوں میں انکا نام ضرب المثل ہو گیا لیکن باہن تہہ اوس شہر میں کامل تنظیم و تیکریم کے ساتھ یہ سلطانہ تسلیم کر لی گئیں اور بڑے بڑے حاکمان قتل و قصاص مجتہدان عصر محمد اور قلعه کشا سپہ سالاران افواج اعلیٰ تنظیم و احترام کرنے لگے۔ تھیوڈور کے جور و مظالم سے سلطنت روم تمام دنیا کی نگاہوں میں خوار ہو گئی جن مظالم کو کوئی نصاب مذہبی روک سکتا تھا اور نہ حدود قومی یہ شورش انگیز مفرے۔ خونریز ہنگامے جن میں علمائے مذہب کی ہمیشہ نمایان شرکت رہتی تھی۔ اوس زمانہ خاص کے آئین تھے۔ ان موقعوں پر تمام حکام نظام۔ عام اس سے کہ نظام انسانی ہوں یا احکام روحانی سب پامال کر دیے جاتے تھے۔ معاہدہ و مذاہج و قربان گاہیں انور و خوار سے ناپاک بنے ہوئے تھے۔ کوئی مقام نہ امن و آرام کے قابل تھا اور نہ طہارت و احترام کے لائق۔ قومی قوانین بالکل مٹو کر کر دیے گئے تھے۔ اور باغیانہ بدکاریاں دن و رات ہمیشہ جاری رکھی جاتی تھیں۔ کوئی واقعہ ایسا خوفناک اس ناپاک شہر میں اوس وقت تک ظاہر نہیں ہوا تھا جیسا کہ نیکار کے عام بلوے کی صورت و طریقہ میں شاہ جسطینین کے پانچویں سال جلوس میں واقع ہوا طبقہ رعایا کی عام طوائف الملوکی اپنی تمام خونریزیوں اور بدکاریوں کے ساتھ شاہی افواج متعصبین کی حمایت کی وجہ خاص سے ترقی و وسعت پا کر بالکل وحشیانہ انداز و صورت میں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ سلطنت کفار میں بھی یون کی نظیر نہیں ملتی۔

شاہ مارقیوس کا جب ہم قسطنطنیہ کی ان حالتوں کا مقابلہ کرنے لگتے ہیں تو حکومت فارس کی حالت کو اوس زمانہ میں اس خون ناحق کہیں بہتر سمجھتے ہیں۔ عام جذبات انسانیت۔ ان مظالم و جرائم کو دیکھ کر جنھوں نے مسیحی قسطنطنیہ کے کارناموں کو سراپا و اغدار بنا دیا ہے۔ بالکل علمیہ ہو جاتے ہیں جس زمانہ میں کہ مسیحی اسلام علیہ السلام بالکل کمسن تھے عین اوس وقت ایک نہایت نیک اور پرہیزگار عیسائی حکمران قسطنطنیہ جس کا مثل آج تک تحت بار بطور سابق

بقیہ صفحہ گذشتہ۔ اس کے اعضا کو جلاؤ والا پتیا نے و فاسطوس، و دیکھو کی کتابوں کی شہر میں لکھتے اور مقدس زمانہ مدیورنڈ۔

چارلس کنگسے Kingsley Revue Charles نے ایک خاص کتاب میں اس کے احوال کو لکھا ہے۔ BEETONS HIST P. ۹۵۵

۵۷۱ء بادشاہ کا نام مرقس رومی تھا MAURICEUS شخص نہایت قدم خاندان روم کا ممبر تھا۔ شاہ طرونس سے سالار فوج بنا کر محاصرہ فارس میں بھیجا تھا۔ وہاں اس نے فتح عظیم حاصل کی ۵۷۹ء میں وہ شاہ طرونس کا قیام مقام ہوا۔ اور اس کی لڑکی سے شادی کر لی اہل فارس روم پر بڑی کڑی جانبیں سے صفت آرائی ہوئی اور کامل اٹھ برس تک قایم رہی۔ اور بالآخر خزانہ کی حکومت سے مستترع کیے جانے پر ختم کر دی گئی تخت سے مستترع ہو کر خسرو نے مرقس سے ملک مانگی۔ اور مرقس نے مدد فوجی دیکر اس کو اس کا موروثی تخت و لوہا دیا اس کے معاوضہ میں خیر قلعه جات فارس مرقس دے دیے اس کے بعد با عراب

نام قسطنطنیہ پر نہیں بیٹھا تھا ایک عیسائی بادشاہ کے اشارے سے قتل کر دیا گیا وہ ظلم بادشاہ اپنے قصر شاہی کے عبادت خانہ سے باہر کھینچ لایا گیا اور پانچویں بجے ایک ایک کر کے اسکی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیے گئے اور یہ جہنمناک منظر بادشاہ رخاں تمام کر دیے جانے پر ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد اسکی بیوہ سلطانہ پر اور اسکی لڑکیوں پر خوفناک مظالم ڈھائے گئے انکو بھی اسی مقام قتل کر دیا گیا۔ جو مقام اون سے پہلے شاہ عراقس کے خون سے رنگین ہو چکا تھا۔

اس کے بعد کے واقعات مظالم جو مقتول بادشاہ کے احباب و رفقاء کے ساتھ عمل میں لائے گئے۔ وہ عیسائیان قسطنطنیہ کے اخلاق کی کامل فہرست ہیں اونکی آنکھیں پھوڑ دی گئیں۔ نالوسے رہائیں کھینچ لی گئیں۔ مثل حیوانات کے ادن کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے۔ ادن میں سے اکثر زبانوں کے نیچے مر گئے۔ اکثر لڑکے شعلوں میں جل کر خاک ہو گئے اکثر کے کام تیر مار مار کر تمام کر دیے گئے۔ اور جلدی سے مار ڈالا۔ تو ببول گئیں۔ ایک قسم کا بہت بڑا رحم تھا۔ جو ان بے نصیبوں کو مشکل سے نصیب ہوا۔

سلطنت قسطنطنیہ خون تھوک تھوک کی قریب الگ ہو رہی تھی۔ اور ملکی اور مذہبی تفریق و مناقشات سے صدمہ پارہ ہو کر عقلی مجادلون سے تبدیل ہو کر مذہبی عقاید میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوششوں سے بالکل کمزور ہو چکی تھی۔ اور ہمیشہ کشت و خون۔ بدکاریوں اور خونخواریوں کے مناظر پیش کرتی رہی۔

عیسائیوں کا بہت بڑا مشہور و معروف مورخ ٹیلیمن (MULMEN) قسطنطنیہ میں اوس زمانہ کی مجنونانہ عیشت کی یہ حالت بیان کرتا ہے۔

قسطنطنیہ کا بشپ (مجتہد اعظم) سلاطین قسطنطنیہ کا دہن سبب شکار۔ ادنیٰ غلام اور پر جوش مذاق والا صاحب تھا۔ اور کبھی اپنا کامل اخلاقی اثر حاکم سلطنت کے مزاج پر نہ پہنچا سکا۔ اس سے طبقہ زیرین کے ماتحتی علماء و پیشوایان مذہب عیسوی قطع نظر آسکے کہ اونھوں نے اپنے دوسرے احسان و اشتقاق قوم پر مبذول کر کے قوت و دولت اور مراتب حاصل کر لئے ہوں۔ جن سے وہ قوم کی حریص اور دیگر خواہشات نفسانی کو روک سکیں مگر باوجود اسکے اونکی یہ تمام قوتیں اتنی کافی نہیں تھیں کہ وہ تمام قوم کے قلوب پر کبھی نظام امن قائم کئے کیلئے کھڑے ہو سکیں۔ یا قدیم زمانہ کی بد اخلاقیوں کو موقوف کر سکیں۔ باہمانہ مناقشات و اختلافات میں سکون پیدا کر سکیں اور دگر تری ہوئی قوموں کو یکجا کر دیں بظاہر تو وہ قلوب پر حکمرانی کرتے تھے اور اس سے قبل زبانوں میں بھی وہ حکمرانی کر چکے ہیں لیکن قلوب عامہ پر یہ حکمرانی کسی اقتدار و عظمت یا احسان و خلوص کے ذریعہ سے نہیں کی جاتی بہتیں بلکہ جاہل متبعین کو دہم پرستی کے خوف دلانے۔ ڈرانے اور دھمکانے سے

بقیہ حاشیہ گذشتہ۔ ردیوں میں جنگ فافع ہوئی جس میں اہل عرب نے بارہ ہزار آدمیوں کو قید کر لیا ساگر عراقس نے ندیہ ویکر ویکو چھڑا دینا چاہا مگر عربوں نے دینے سے انکار کر دیا اور سب کو قتل کر ڈالا۔ اس جرم میں خون نے عراقس کیساتھ عذر کر لیا اور فوکس (PACON) کو اپنا بادشاہ بنایا اور قسطنطنیہ پر حملہ کر کے عراقس اور اسکے تمام خاندان کو قتل کر ڈالا۔ ۵۳۵ء میں پیدا ہوا اور ۵۶۱ء میں قتل ہوا۔

حقیقتاً اس طبقہ کے لوگ (علمائے عیسائیت) بذات خود جمالت کے غار میں گر پڑے تھے۔ اور جمالت و حیوانیت کے آگے سسڑتوں ہو گئے تھے اور یہ ایک نہایت ذلیل درجہ کی تہذیب تھی۔ رہبانیت نے قوم کے کثیر السعد افراد کو منحصر ازہانہ اور دینی مشاغل میں نہایت مستعد اور کارآمد لوگ ثابت ہوتے ہیں۔ اپنی طرف کھینچ لیا۔ لیکن ان رہبانوں نے جب ملک کے خونخوارانہ اور مخالفانہ معاملات ملک میں اپنے جتھے اور فرقے بنانا کر شرکت کی۔ اور عیوبت سے اونکی نگاہوں میں اونکی وقعت اور اون کے اثر بالکل کم ہو گئے۔ وہ کہنے کے لئے تو دنیا سے بالکل علیحدہ تھے۔ تارک الدنیا والعلانی تھے۔ جبروت نہائی کے داوی میں ساکن تھے اور انہیں لوگوں میں وہ راہبین جو مانک (Manak) کے نام سے مشہور و معروف تھے اپنے اپنے صومعات میں تو بجائے خود نہایت مستحکم اور پرامن تھے۔ اور ایسا ہی وہ اپنی نجات کی سبب بھی یقین کامل رکھتے تھے۔ لیکن اپنے فرقہ کے سوائے تمام نفع انسانی کو ایک لاعلاج فنا و نیستی کے لئے چھوڑے بیٹھے تھے سپرٹ آف اسلام ص ۳۳

جوالہ

MULMANS LATIN CHRISTIANITY VST INTRODUCTION P. 84

جو قطعات ملک۔ ایشیائی ترکستان میں۔ دریا سے قرات سے مغرب کی طرف واقع تھے۔ وہ پارٹھسیان (PARTHIAN) اور رومن قوموں کے ہاتھوں کے بادگیر سے برباد ہو چکے تھے۔ پھر ان دونوں تباہ کن قوموں کے بعد ان ممالک کو ایران اور رومیوں نے پامال کر کے تباہی و بربادی کے آخر درجون تک پہنچا دیا تھا۔ وہاں کی رعایا کی بدکاریاں اونکی قومی تباہی سے بڑھ ہی ہوئی تھیں متعجبین عیسائیت نے اونکی قومی حالتوں میں ترقی پیدا کرنے کی جگہ اونکی خرابیوں کو اور وزنی کر دیا تھا ان ممالک میں مذہب زردشتی ذیل ترین عیسائیت سے ایک طرف اوجھا ہوا تھا۔ اور فرقہ نستوریہ (NESTORIAN) اپنے متعصبین مذہب کے گردہ سے دوسری طرف دست و گریبان تھا۔ اور یہ وہی قدیم جنگ تھی جو فیما بین۔ مانیٹینوس اور دو پیغمبرائے انسوان کے درمیان ایک زمانہ دراز سے جاری تھی۔ الغرض ان مفصلات نے مغربی ایشیا کو بربادی اور ناامیدی کا ناپیداکنار و پرانہ بنا رکھا تھا۔

وہ گرو باد فتوحات جو افریقہ ہو کر گذر گیا۔ وہ قتل عام۔ کشت و خون۔ معلکین و مبلغین مذہب عیسائیت کی زیادتی اور بد عنوانی سے بالکل صبر اور مملو تھا۔ اس نے نور اخلاق کے ایک ایک ڈرے کو چن چن کر ملک مصر اور دیگر ممالک افریقہ کے حصوں سے جو قریب قریب زوال و نیستی کے پہونچے ہوئے تھے نکال پھینکا۔ قوم کی حالت اس سے بھی زیادہ صیبتناک

۱۰ پارٹھسیان (PARTHIAN) ایشائے مغربی کے ایک علاقہ خاص کا قدیم نام ہے جو کہیں کے جنوب و مشرق کی جانب ایک جنوبی خاکنا ہے ہرقانہ

(Hyrcania) سے ملتا ہوا ہے اب وہ علاقہ خراسان کے شمالی حصہ میں داخل ہے یہ قدیم سے ملک فارس کا علاقہ تھا۔ اسکو سکندر اعظم نے

فتح کر لیا تھا اور بعد فتح ملک شام سے ملا دیا تھا لیکن بیان کی رعایا نے بغاوت کر کے اپنے ملک کو آزاد کر لیا۔ اگرچہ رومیوں نے اونکو مفتوح کر لیا

متواتر لوشش کی لیکن پھر وہ کمبجی کا سیاب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ اونکے خاص حاکم ارباٹینوس چہارم (ARBATINUS IV) نے فارس و الون کے

ساتھ جنگ کی اور عین مذہب جنگ میں مارا گیا۔ اسی وقت سے یہ علاقہ مالک فارس کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ملحق ہو گیا۔ (DEETONS HIST 528)



ہو رہی تھی اور روشن بین حاکمانِ شریعت اور قوم کے لوگوں کی دونوں آنکھوں کے سامنے نارسس (Narses) کے ایسا ایک شخص قوم و ملک شہر قسطنطنیہ کے بازار میں زندہ جلادیا گیا۔ ایسے ہی تختہ گاہِ روم میں اگر آج (EXARCH) نائبِ سلطنت کے آنکھوں کے سامنے فریقِ مخالفِ شیعہ کے طرفداروں نے اعلانِ جنگ دیدیا اور تمام گرجاؤں کو عیسائیوں کے خون سے بھر دیا۔

ملک اسپین (اندلس) نے ان سے بھی زیادہ خوفناک بریلومی اور طائف الملوکی کے واقعات پیش کئے۔ دو تہہ قوم اور وہ چند صاحبانِ اقتدار و حقوق جو حکومت کی طرف سے غلامانِ ملکی کے عہد و دن پر ممتاز تھے یا حاکمانِ وقت جو نیکے خطابات و اتھابات رکھتے تھے۔ وہ گ تمام دہی اور دنیاوی تکالیف سے البتہ سبکدوش تھے۔ وہ انتہا درجہ کی پیش و عشرت کے ساتھ اپنے اپنے خوشنما محلات میں رہتے تھے۔ غلام و کنیز خدمت کے لئے ہمیشہ انہیں گہرے رہتی تھیں وہ لوگ اپنے اوقاتِ زیادہ تر حمام کی سبھتوں میں صرف کرتے تھے۔ جو اونکی بدکاریوں کے اظہار کی اصلی شکار گاہ تھی۔ یا قمار بازی کی میز پر اپنا وقت گزرتے تھے۔ اس سے جو وقت بچتا تھا وہ کھانے اور پینے میں صرف ہوتا تھا۔ ان کی یہ کثیر عیش و عشرت اور اون میں ان لوگوں کی بے حد زیادتیوں۔ عام طبقہ رعایا کی لا انتہا ناداری اور تکلیف کے ساتھ ایک خوفناک مقابلہ کا موقع دیتی تھیں۔ اب رہی متوسط طبقہ قوم جو کنوینشن اور قصوں کی آزاد رعایا کھاتا تھا۔ وہ روم بادشاہوں کے مظالم سے روزانہ پیسے جا رہے تھے۔ زمیندارانہ غلامی موقوف ہو گئی تھی۔ اوسکے قائم مقام آہلوانہ غلامی قائم ہو گئی تھی اور اس نے آزادی اور غلامی کے درمیان کی صورت اختیار کی تھی۔ بعض حالتوں میں وہ غلاموں سے زیادہ آسودہ اور خوشحال تھے وہ جائز طریقہ میں شادی بیاہ بھی کر سکتے تھے۔ اور اپنی کاشت کے حاصل میں قدرے حصہ پانے کے بھی مستحق ہو جاتے تھے اور انکے مالک اونکے مال و مویشی نہیں لے سکتے تھے۔ باستثناء انکے وہ اور حالتوں میں ملک کے غلام تھے۔ اور اون کی ذاتی خدمات بالکل حکومت سے وابستہ تھیں۔ اون کو سزائے جسمانی اسی طرح و بجائے تھی جس طرح گھر کے نوٹھی غلاموں کو دی جاتی تھی۔ رعایا کچھ ایک ہی شخص کی غلام نہیں تھی بلکہ ملک بھر کی۔ اون کی خدمات کے تعلقات موروثی اور ناقابلِ انفکاک طریقہ سے اون کی زمین کاشت سے متعلق تھے۔ جسے وہ جوتے بوتے تھے۔ ان غلامانِ حکومت کے حالات جو خاکسار تمام حکومت کی رعایا پر مشتمل تھے۔ ناقابلِ بیان تھے۔ اون پر جو اون سے بھی زیادہ ظلم و ستم حاکمان کی جاتی تھیں۔ جہالتِ ملکی کے بارشانی حملات ان بد قسمت قطععات زمین پر

۱۔ نارسس یا نارسس (NARSIS) اہل بین۔ ایک خواجہ ملکہ جو شاہانِ قسطنطنیہ کی حرم میں مہمانی عہدے پر مامور تھا رفتہ رفتہ شاہ جہنم کا شیر خاص ہو گیا۔ اور آٹا خرد و میوں کی تمام افواج کا ہنایت اعلیٰ اور کارگذار سپہ سالار بن گیا۔ یہ قوم کاٹھ (GATH) کے محاصرین رومیوں کی طرف سے سپہ سالار فوج مقرر کر کے بھیجا گیا۔ اور اس نے وہ فوجیاب ہوا اور شاہِ ملطہ (Tutana) اسی جنگ میں مارا گیا۔ اس کے بعد وہ شاہ روم کی طرف ملک اٹلی میں داخل ہو گیا۔ اوس نے اپنی جن تدبیرات ملک ابطالیہ میں بہت خوب انتظام کئے لیکن آخر میں اوس پر حرص و طمع کا الزام لگایا گیا۔ اور شاہ جہنم کے بعد وہ اس جرم میں اس کے سرخس موزوں کو دیا گیا اور پچانوے برس کا ہو کر شہرِ روم قسطنطنیہ میں شیعہ میں زندہ جلادیا گیا۔

اس سے بھی زائد خوفناک بلاؤں سے مبتلا کئے۔ لیکن جب ان میں بیداری آئی تو وہ ان خود رفته خوفناک اور کامل الارادہ ہو گئے اور انھوں نے ان طبقات آراضی کو لوٹا قتل کیا اور باقی ماندہ ٹکڑوں کو زور اور پاؤڑی لوگوں کو اپنا غلام بنایا۔ کثیر القداؤ تو میں اس خبر پر ہلکا یورپ میں آباد تھیں مقلدین حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں جیسے جیسے خوفناک مظالم ان کے ساتھ ہوئے اور جس جرمی سے ان کا تعاقب کیا گیا وہ لشکن ہیں ان لوگوں کا تعاقب عالمان شریعت عیسوی کے ہاتھوں اور ان کے حکم خاص سے بربر حکم شاہ و بیگو تھ سلبست (Wigotzist) سلاطین سے شروع ہو کر اس وقت تک نہیں تمام کیا گیا جب تک اسلام ان مظلومین جہالت و جنون کے لئے پروانہ نجات نہ لایا۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے یورپ کے یہودیوں کو اس قابل بنادیا کہ میمونائیس (Maimonides) یا ابن جبریل کے ایسے قابل افراد پیدا کر سکے۔ ایسٹ اسلام (East Islam) رائٹ۔ آریبل مٹرسید امیر علی سی۔ آئی۔ اسی بیان کا یہ نے مندرجہ بالا عبارت تفصیلی میں صفحات عالم پر الکفر ص ۱۷۱ واحدۃ کی ایسی اچھی تصویر کینچی ہے کہ پھر اسکی دوسری مثال یا عکس ثانی پیدا کرنا دشوار ہے اس تفصیل سے بہتر بات سمجھ لیگا۔ کہ ظہور اسلام اور بعثت حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ الکرام کے وقت کفر و شرک اور ضلالت و جہالت کی عام تاریکی دنیا کے اس سرے سے لیکر اس سرے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور عادت الہی کے مطابق یہی وقت اور یہی موقع انوار رسالت کی ضیا انسانی کا خاص تھا۔ اس تفصیلی عبارت کے متعلق جھبک کسی اضافہ کی ضرورت نہیں تھی لیکن چونکہ موجود زمانہ میں تمام یورپ کا زمانہ ہے اور اس کتاب میں تمام تر یورپ میں مصنفین کی تعریضات سے مقابلہ ہے اس لئے ضرورت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت ممالک یورپ کی جہالت و ضلالت جیسی تاریکوں سے ثابت ہو جو وہ بھی تفصیل کے ساتھ پیش کر دیجائے کیونکہ مندرجہ بالا عبارت تفصیلی میں اس تشریح کی کمی رہ گئی ہے اس غرض سے ہم مفصلہ ذیل عبارت میں آنحضرت صلعم کے مبعوث بر رسالت ہونے کی وقت یورپ میں ممالک کے علمی و علمیہ حالات قلمبند کرتے ہیں

ممالک یورپ میں عیسائیوں کی دینی اور دنیاوی بد نظمی

رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام یورپ میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ انگلستان میں برٹن (Barton) اور سیکس (Saxon) قومیں آباد تھیں۔ ناروتھ لینڈ۔ ڈلینڈ۔ کوئینز۔ نارفاک۔ یسفاک۔ اوسیکس (قرب قریب تمام اضلاع انگلستان میں) ہیں ووڈن (WODDEN) کی پرستش ہوتی تھی۔

فرانس اور اس کے اضلاع۔ برن بلڈ۔ سگ بڑت۔ فری دی گوٹن دی۔ بلہارک چرافسانہ و قصص کی حالت میں گرفتار تھا لے ابن جبریل۔ یہود کا بہت بڑا عالم شریعت ہیں کا باشندہ تھا۔ عام طور سے موسیٰ مصری کہلاتا تھا کیونکہ وہ حاکم مصر کا حکیم خاص تھا اور اس قبل میں کوستان بتلایا تھا اس لیے کہ اس وقت کو اسلامی سلاطین یہودیوں کے سخت مخالف تھے وہ مختلف زبان و علوم واقف تھا اور خاص کر علم طالع اور علم الاود کا بہت بڑا کامل تہادہ علم شریعت کی حقیقت کا بھی ماہر تھا۔ اور در اس زمانہ و تفسیر و حدیث یہود پر اس قدر بڑی بڑی شریعتیں کہیں ابدہ لائل عقیدہ سے ان کے مطابق کے شکافات کو اسکی تصنیف بڑی ضخیم ہیں اور اسکی قدر و منزلت یہود و نصاریٰ میں اتنی ہے کہ وہ کسی دوسرے عالم کی نہیں۔ یہود تو اسکو موسیٰ ثانی کہنے میں اسکی شرح تورات اصول فقہ عبرانیان وغیرہ مشاہیر تصانیف میں بمقام قرطبہ ۳۱۳ھ میں پیدا ہوا اور ۴۱۲ھ میں فوت ہوا BEETONS Hist 259

اور ان علاقوں میں پاؤڑیوں کے ایما سے بہت سی بدکاریاں روارکھی جاتی تھیں۔ فرانٹس ہمیشہ سکیس قوموں سے دریا الہ (R. ELBE) پر معرکہ آرا رہتا تھا۔ یہ ڈائی سٹٹہ عیسوی کے بعد تک جا رہی جس میں سارے چار ہزار سکیس قیدی تھے۔ بیرجی سے شہر وارڈن (WARDEN) میں ہلاک کئے گئے۔

ہینڈگری۔ اندون انتہا درجہ کی ہنسی و ناشایب اور آوارہ قوم کے ہاتھوں میں تھا۔ جنگو، حشیانہ اور ظالمانہ و سارے اپنے مذہب میں لایا گیا تھا۔ (سوان ملری گزٹ مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۷ء آڈیٹوریل نوٹ)

ہندوستان میں پانوں کا زمانہ شروع ہو گیا تھا۔ اور بام مارگی فرقہ قابو یافتہ تھا۔ وہ اپنے گندے اصولوں کی طرف بندگانِ خدا کی راہبری کرتا تھا۔ ہندوؤں میں مذہب کی ہر ہنگامی تبدیلیاں جانی تھیں اور انہیں کی سستی جاتی تھی عبادت خانوں کے درویشوں کی سرپرستی نصویرین کندہ کی جاتی تھیں۔ سوار ایک ہندو شخص کو نفرت آتی جا کر <sup>R.C. P. S. Civil Station</sup> چین اور مشرق اسی کے باشندوں نے اپنے ملک کو آسانی فرزند کی بادشاہت سمجھ کر خدا سے موخر ہو گیا تھا ہر کام کے لیے جدوجہد مقرر کر کے تھے۔ کوئی بارش کا۔ کوئی ایلاد کا۔ کوئی جنگ کا۔ کوئی امن کا۔

قبل بعثت عیسوی کے یہاں تک ہم محدود عالم کے گوشہ گوشہ کی بت پرستی اور کفرستی کے مفصل اور سلسل حالات خاص حال است

اور ملکی و قومی نظام کیسے تباہ و برباد ہو رہے تھے۔ اس تمام ان اطاع عالم کے مندرجہ بالا احاطات کو بالتفصیل بیان کر کے حسب الوعدہ اخیر میں جزیرہ نما کے عرب کی سوجوہ تباہی و بربادی کا نقشہ ذیل کے مضامین میں کھینچتے ہیں جس سے معلوم ہو جاوے گا کہ اس عام تاریکی کے زمانے اور اس دائمی ظلمت کے عین عالم میں اس قطعہ عالم کی جسکی نسبت وہاں کے باشندے قلب عالم ہونیکا دعویٰ اور اپنی سرزمین وطن کو ایک نامی و دو غیر میں دو زمانے سے تفسیر کا مرکز رسالت کی تبلیغ کا محزن۔ ابراہیم کا مبد اور امیل کا مسکن قرار دیتے آئے ہیں۔ ان خصوصیات و اوصاف سے تو یہ چاہتا تھا کہ وہ اور اسکے باشندے بمقابلہ اور مقامات اپنے اطوار و کردار میں خدا پرستی اور صلاحیت کے مسلک قدیم پر قائم ہوں لیکن واقعات اسکے برعکس یہ بتلاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی قدیم عظمت کے تمام خصوصیات کو بالائے طاق رکھ کر ایک مدت سے کعبہ میں بت پرستی اختیار کر لی تھی بقیہ تفصیل یہ ہے۔

کئی صدیاں گز گئیں تھیں سیکڑوں نسلیں ختم ہو گئیں تھیں کہ جزیرہ نما کے عرب میں اس وقت سے لے کر اس وقت تک کسی فرمانروا کا پورے ملک پر تسلط ہوا تھا اور کسی بادشاہ کی حکومت۔ ایک زمانہ دراز سے ملک کا ملک شہر بہا تھا۔ نہ کسی حاکم سے واسطہ نہ کسی حکومت سے سروکار حضرت شعیب کے بعد سے جسے تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہوتا ہے آج تک اس قطعہ زمین پر نہ کوئی بادشاہی اُمت نازل ہوا تھا۔ نہ کوئی راجہ اور نہ پیغمبر اور نہ تھا۔ اسوجہ سے یہ ملک کا ملک قوم کی قوم نہ خدا کے اصول ہدایت سے واقف تھی اور نہ قانون سیاست سے آشنا۔ ایک خالص آرزو قوم تھی اور کمال

جاہل ملک جبکی آزادی محض حیوانی تھی نہ انسانی لیکن وہ آزادی بھی انواع اقسام کی کفر کرداروں میں گرفتار تھی۔ اور ملکی نام و نمود بھی براطرحوں کی جاہلیت میں نیست و نابود۔

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب حقیقتاً کسی الہامی مذہب کو نہیں مانتے تھے۔ انکو خدا کے وجود ہی سے انکار تھا اور حشر کے منکر تھے۔ اور چونکہ وہ گناہ کے قائل نہ تھے اس لئے عقوبت میں روح کی جزا و سزا کے بھی قائل نہ تھے وہ اپنے آپ کو جملہ قیود قانونی خواہ حدود رسمی سے بالکل مبرا اور منزه تصور کرتے تھے۔ اور اپنی ہی آزادی مرضی کے موافق کار بند ہوتے تھے انکا عقیدہ تھا کہ انسان کا وجود دنیا میں ایک وجہت یا جانور کے مانند ہے وہ پیدا ہوتا ہے اور بھنگی پر پونچ کر متزلزل ہو جاتا ہے اور مر جاتا ہے اور جانوروں ہی کے مانند بالکل نیست نابود ہو جاتا ہے اکثر ان میں معتدل خیال واسے بھی تھے۔ اور وہ روح کو غیر فانی سمجھتے تھے۔ اور اسکی جزا و سزا کو آدمیوں کے نیک و بد اعمال پر منحصر کرتے تھے۔ اس لئے ضرور تھا کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے انکو دائمی خوشی حاصل ہو اور انکو ابدی تکلیف اور غربابی سے محفوظ رکھے۔ لیکن خود انکے پاس کوئی ایسا اصول حکم وہ کار بند ہوں موجود نہ تھا۔ اسلئے انہوں نے ان قواعد کی طرف توجہ کی جنکو انکی ہمساہ قومیں ماننے لگی تھیں اور اپنی سمجھ کے موافق ہر قوم سے ان لوگوں نے کچھ کچھ باتیں اخذ کر لیں۔

**عرب میں بت پرستی کیسے آئی** | یہی اسباب تھے جن اسباب سے عرب نے شام کے بت پرستوں سے

بت پرستی سیکھی اور عمر ابن لخیہ پہل نامی بت کو شام سے لا کر اور خانہ کعبہ میں نصب کر کے عرب کی بت پرستی کا بانی اور داعی مشہور ہوا۔ ان لوگوں نے بہت سے معتقدات اپنے ہی اہلی وطن کے الہامی مذہبوں سے اور بہت سے غیر ملکوں کے خیالات سے اخذ کر لئے تھے۔ اور پھر ان سب کو اپنے توہمات سے خلاصہ ملکہ کے اپنے معبودوں کو دین و دنیا کے اختیارات دے رکھے تھے۔ لیکن اتنا فرق تھا کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ نبوی اختیارات بالکل ان معبودوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اور عقبی کے اختیارات کی نسبت انکا یہ اعتقاد تھا کہ ان کے بت یعنی وہ جبکی پیش کے لئے وہ بت بنائے گئے تھے انکے گناہوں کی معافی کے لئے خدا نے تعالیٰ سے شفاعت کریں گے غرض کہ ظہور اسلام سے پہلے ملک عرب میں بت پرستی کی یہی کیفیت تھی۔ تمام عرب جاہلیت کا شیوہ بت پرستی تھا۔ اور جن بتوں کی وہ پرستش کرتے تھے انکی تفصیل یہ ہے۔

**عرب کے بتوں کے نام اور مقام** (۱) **ہبل**۔ ایک بہت بڑا بت تھا۔ جو خانہ کعبہ کے اندر رہا ہے۔ طرف جو خزانہ کا کنواں تین گزر گھر حضرت ابراہیمؑ نے کھودا تھا۔ اوپر کڑا کیا گیا تھا۔ علم ابن

**ہبل**

اسکو ارض جزیرہ سے لایا تھا۔ اُمہ کی گزائی میں ابوسفیان نے اسی سے دو چاہی تھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ کے حکم سے فتح مکہ کے روز حضرت علی مرتضیٰ نے اسکو ٹوڑ ڈالا۔ توریت کے قدیم بت بعل کی یہ غالباً تصحیف ہے۔

(۲) **وڈ**۔ قبیلہ بنی کعب کا یہ بت اور وہ لوگ اسکی پرستش کرتے تھے۔ عرب کا رستم و ستان مشہور پہلوان عربین عبود کا نام اسی بت کے نام سے خاص نسبت رکھتا ہے۔



- (۳) سوآع۔ یہ بت قبیلہ مذحج کا تھا اور وہ اسکی پرستش کرتا تھا۔
- (۴) یغوث۔ قبیلہ بنی مراد کا بت تھا اور وہ اس کی عبادت کرتے تھے۔
- (۵) یثوق۔ بنی سہدان کے قبیلہ کا بت تھا اور وہ اسکو معبود سمجھتے تھے اور عبادت کرتے تھے۔
- (۶) نسر۔ یہ بنی سہدان کے قبیلہ کا بت تھا اور یمن کے لوگ اسکی پرستش کرتے تھے۔
- (۷) عزیٰ۔ قبیلہ بنی غطفان کا بت تھا اور وہ قبیلہ اس کی پرستش کرتا تھا۔ اہل یمن عزیٰ بن درختوں کا مجموعہ تھا جس میں ذات باری عز وائم کا طول سمجھ کر پوجتے تھے۔ عزیٰ فقط عزیز کا تونٹ ہے۔
- (۸) لات۔ یہ ایک بن گڑھا پتھر تھا جس میں لوگ خیال کرتے تھے کہ شان باری تعالیٰ کے کرشمے نے حلول کیا لات کو عورت یعنی دیوتی سمجھتے تھے۔ اسی رعایت سے لفظ اللہ کا مونث الالات ہوا۔
- (۹) منات۔ یہ ایک عظیم الشان بت تھا اور سمند کے کنارے پر قدید کے پاس عمر بن لحدہ نے نصب کیا تھا۔ لات و منات کے بت کسی خاص قبیلہ سے علاقہ نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ عرب کی تمام قومیں انکی پرستش کیا کرتی تھیں۔
- (۱۰) دواکہ۔ یہ بت فوجان عورتوں کی دیوتی تھی وہ چند وفد اسکا طواف کرتی تھیں پھر اسکو پوجتی تھیں۔
- (۱۱) اضااف۔ صفا پر نصب تھا۔
- (۱۲) نائلہ۔ عروہ پر تھا۔ ان دونوں بتوں پر فہم کی قربانی ہوتی تھی۔ اور سفر میں جانے اور سفر سے آنے کے وقت انکو بوسہ دیتے تھے حقیقت انکی یہ ہے کہ بنی جرہم کے زمانے میں صفا و عروہ پر یہ دونوں بت نصب کئے گئے تھے صفا پر جو بت تھا وہ عروہ کی شکل تھا اسکا اضااف کہتے تھے۔ دوسرا بت جو عروہ پر تھا وہ عورت کی شکل تھا۔ اسکو نائلہ کہتے تھے۔ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں انسان تھے۔ اور بنی جرہم انکو اپنا دیوتا سمجھتے تھے انکے مرنے کے بعد انکے دو بت بنا دیے گئے اور پرستش ہونے لگی۔
- (۱۳) تھیک (۱۴) مٹعہ۔ یہ بھی عرب کے دو قدیم بت تھے تھیک کو صفا پر نصب کیا گیا تھا۔ اور مٹعہ عروہ پر۔
- (۱۵) ذات الانواط۔ یہ ایک بت بڑا سبز و شاداب و رخت مقام جنین میں تھا جسکو لوگ پوجتے تھے۔
- (۱۶) ذوالکفین۔ یہ بھی ایک بت تھا جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلوادیا۔
- (۱۷) عبعب۔ ایک بڑا پتھر تھا جس پر اونٹوں کی قربانی کی جاتی تھی۔ اور عرب ذبیحہ کے خون کا مہنا اوس پر نہایت ناموری کی بات سمجھتے تھے۔
- انکے علاوہ۔ کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم کی مورت بنی ہوئی تھی۔ اور انکے ہاتھ میں قرعہ اندازی کے تیر تھے جو ازلام کہلاتے تھے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل کی تصویریں دیواروں پر بھی لکھنی ہوئی تھیں۔ حضرت مریم کی بھی ایک مورت تھی۔ اس طرح کہ حضرت عیسیٰ انکی گود میں ہیں۔

عرب کی ملکی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دو لغوث۔ یعوق اور نسر مشہور لوگوں کے نام ہیں جو بابلیت میں گذرے ہیں۔ ان کی تصویریں پتھروں پر پیش کر کے بطور یادگار کے خانہ کعبہ کے اندر رکھ دیں تھیں۔ ایک مدت بعد کے بعد ان کو رتبہ معبودیت دیکر پرستش کرنے لگے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عرب کے نیم جشی باشندے ان میتوں پر خدا ہونے کا پورا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ اور نہ ان لوگوں کو خدائی یورقین تھیں معبود سمجھتے تھے بلکہ ان کو مقدس شخصوں کی مندرجہ ذیل جو ان عرب جاہلیت ان مورثوں کو ان جنسوں کی روحوں کی یادگار سمجھتے تھے۔ اور ان کی تعظیم و تکریم اس سبب سے نہیں کرتے تھے کہ ان مورثوں میں کوئی شان الوہیت موجود ہے۔ بلکہ محض اسوجہ سے ان کی عزت و تعظیم کرتے تھے کہ وہ ان مشہور اور نامور اشخاص کی یادگار ہیں جن میں ان کے اعتقاد کے موافق جملہ صفات الوہیت یا کسی قسم کی شان کوہیت موجود تھی۔ ان کے نزدیک ان مورثوں کی پرستش سے ان لوگوں کی روحیں خوش ہوتی ہیں جن کی وہ یادگار ہیں تھیں۔ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ خداے تعالیٰ کی جملہ قدرتیں۔ بیماروں کو شفا بخشنا بیٹا۔ بیٹی عطا کرنا فحشاء و باور دیگر آفات ارضی و سماوی کا دور کرنا۔ ان کے مشہور و معروف لوگوں کے اختیار میں بھی تھا کہ جنکی طرف انہوں نے صفات الوہیت منسوب کر رکھا تھا اور وہ خیال کرتے تھے کہ ان مورثوں کی تعظیم و پرستش کجائیگی تو ان کی دعا میں اور بہتین قبول کجائیگی اور ان کے بھی مستحکم عقیدہ تھا کہ یہ اشخاص خدا کے محبوب خاص تھے۔ اور اپنی مورثوں کی پرستش سے خوش ہو کر پرستش کرنے والوں کو خداے تعالیٰ کے قرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہونگے۔ اور ان کو تمام روحانی خوشی عطا کریں گے اور ان کی مغفرت کی شفاعت کریں گے۔

بتوں کی پرستش کے لئے ان کا یہ قاعدہ تھا کہ بتوں کو سجدے کرتے تھے۔ ان کے گرد طواف کرتے تھے اور ان کو نہایت ادب و تعظیم سے بوسہ دیتے تھے۔ اور ان بتوں کی قربانیاں کرتے تھے۔ عورتوں کا پہلا بچہ بطور نذر کے چڑھاتے تھے۔ انچکیتین کی سالانہ پیداوار اور مویشی کے انتفاع میں سے ایک حصہ معین خدا کے واسطے اور دوسرا حصہ بتوں کے واسطے اٹھا رکھتے تھے۔ اگر بتوں کا حصہ کسی طرح کم ہو جاتا تھا تو خدا کے حصہ میں سے اس کو پورا کر دیتے تھے اور اگر خدا کا حصہ کسی طرح ضائع ہو جاتا تھا تو بتوں کے حصہ میں سے اس کو پورا نہیں کرتے تھے۔

عرب کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں

یہ تو ملک عرب کی قوموں کے دینیات کی خرابی تھی۔ اب ان کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں مفصلہ ذیل منہ ماہین میں ملاحظہ ہوں۔

عورتیں حقیقت میں۔ ہر قوم و ملک کی معاشرت کی زینہ ہیں۔ عرب جاہلیت ان کو سب سے زیادہ خراب حالت میں رکھتے تھے۔ مردوں کو اختیار تھا کہ اپنی عورتیں کر لیں۔ لیکن عورت شوہر کے بعد بھی اس سے مجبور تھی اگرچہ اس باب کے تعین کرنے کے لئے کوئی قانون منضبط نہیں تھا کہ مرد کو کونسی قرابت مند عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے اور کون سی ناجائز۔ مگر باہن یہ رسم شایع تھی کہ اس عورت سے جو قریب تر رشتہ رکھتی ہو۔ مرد و اج نہیں کرتے تھے لو

یہ اعتقاد خاص رکھتے تھے کہ ایسی موت کی اولاد عموماً ضعیف اور کمزور ہوتی ہے۔ عرب کی جاہلانہ تہذیب میں سب سے زیادہ خراب رسم اور ان سب سے زیادہ ہرجم رسم لڑکیوں کا مار ڈالنا یا اونکو زندہ دفن کر دینا تھا۔ لڑکے اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ ازدواج کر نیکی مجاز تھے۔ لیکن باپ اپنے بیٹے کی یا بہن کی زوجہ کے ساتھ شادی کرنے کا مجاز نہ تھا اور اس کے خلاف عمل کرنا نہایت معصیت اور گناہ سمجھا جاتا تھا۔ شوہر کے بعد اس کا سوتیلہ بھتیجا اگر وہ نہ تو کوئی قریب کا رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیتا تھا اور جو شخص اس طرح چادر ڈال دیتا تھا اس سے شادی کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ عورتیں اپنے متوفی شوہر کا ماتم ایک سال کا مل تک کیا کرتی تھیں اور مریعہ و معیشتہ کے بعد بیوہ اونٹ کی پنپہ سنگینان یا ٹولسی کہتے پر یا خود اپنے کندھے پر سے اپنی پیٹھ پر بٹیکہ بٹتی تھیں جس سے یہ مراد تھی کہ اب بیوہ عورت کو اپنے متوفی شوہر کو کچھ بھی خیال نہیں رہا۔ عورتوں میں اپنے گھر سے بے حجاب نکلنے اور عام محبوں میں بدن پردہ اور حجاب کے آنے کا دستور تھا۔ اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو کھلا رکھنے اور عوام الناس کو دکھلانے میں کوئی بے حیائی اور بے شرمی کی بات نہیں تھی۔ زنا کاری بھی عام تھی اور ایسی کہ زمان فاحشہ بچان کے لئے اپنے اپنے گھر دن اور خیموں کے آگے ایک نشان کھڑا کر دیتی تھیں اور اس رعایت سے وہ صاحب رعایت بھی جاتی تھیں۔ اصطلاح عام میں ان صاحب رعایت زنان فاحشہ کو کائنات کہتے تھے۔ مکہ کے بڑے بڑے میلوں اور منگولوں میں یہ عمارتوں کا برقوم۔ رؤسا اور امرا کی خاص دلچسپی کا باعث ہو کر تھیں۔ انکے خیمے ڈیرے اور رہنے کے مکانات و مقامات امرا اور رؤساے قیاس پند کے عشرت گاہ اور تفریح گاہیں بنے رہتے تھے۔ اور شخص ہنایت آزادی سے بلا تامل ان بازار میں عورتوں کے ساتھ ارتباط اور زانیہ آمد و رفت رکھتا تھا۔ میخانوں اور خراب کی عام دوکانوں پر ان کی بڑی ضرورت تھی۔ گویا انکی موجودگی ترکیب کی جزو اعظم تھی۔ اس رعایت سے میفر و نشان عرب بڑی بڑی زمین اجرت میں دیکر ان میں سے متعدد افراد کو اپنی اپنی دوکانوں پر مندر کر لیا کرتے تھے۔ اور اپنے محاورے میں انکو شوہر کہتے تھے۔

عمر خاص اور زیادہ ان سہمیہ کی مان بھیس عورتوں میں تھیں۔

سفاکی۔ خونریزی۔ رہنری گویا اونکی فطرت تھی اور قتل و قضاص اونکی عادت تھی۔ خون کا عوض خون ہی ہوتا تھا۔ جو لوگ خون کی دیت لیتے تھے اونکو اونکے ہمجنس حفات کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اونکا اعتقاد تھا کہ اگر کسی آدمی کے خون کا عوض خون سے نہ لیا جاوے تو ایک جھوٹا سا پروا کر لیا مقتول کے سر سے نکل کر آسمان پر اسقوانی اسقوانی کھتا ہوا چلاتا پھرتا ہے۔ اور بعض کا خیال تھا کہ مقتول کی روح ایک جھوٹی چڑی کی صورت میں مشکل ہو کر اسکی قبر کے گرد گھومنا کرتی ہے اور اسقوانی اسقوانی دھجک (بانی) پلاؤ (مجھکو پلاؤ) چلاتی رہتی ہے۔ اس کیڑے کو ہاتھ اور چڑے کو صدی کہتے تھے۔ لہذا شاعر ایک نوحہ میں کہتا ہے۔

وما ہر عنبر اصدا و ہام

فلیس الناس بعدک فی نفیر

اور ہاتھ کے کوئی بھی تجھ پر نوحہ دلائی کرنا والا نہیں ہے

ترجمہ۔ تو ایسا بیکس ہے کہ تیرے بعد سوائے صدی

ادن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ انسان کی روح اسکی سانس کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ روح محض ایک ہوا ہے۔ جو انسان کے جسم کے اندر ہے لیکن جو زمین زیادہ تعلیمیافتہ تھے۔ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ روح ایک نہایت چھوٹا سا جانور ہے جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت اس کے جسم میں گھس جاتا ہے اور ہمیشہ اپنے آپ کو بڑھاتا ہے۔ اس کے مرنے کے بعد وہ جانور جسم کو چھوڑ کر قبر کے گرد پھرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک آٹو کے برابر ہو جاتا ہے۔

زمانہ جاہلیت کے عرب دیوؤں اور خبیث ارواح کو مانتے تھے۔ تمام خیالی۔ وہی اور فرضی صورتیں جو بایانون یا پرانی عمارتوں اور مساجد اور مندرم کھنڈروں میں اونکو نظر آتی تھیں اور جنکی تنہا آدمی کے خیال میں اکثر ایک خاص صورت بن جاتی ہے۔ اون سب کو مختلف قسم کی جہیث ارواحیں تصور کرتے تھے۔ بعض لوگ ان مغالطات نظری کو مختلف بروح کی تاثیر کی طرف سے منسوب کرتے تھے۔ اور اونکی رائے اور اون کی رائے کے مقابلہ میں افضل تر معلوم ہوتی تھی۔

ٹوٹکون اور شگون لینے میں ادن کا مضبوط اعتقاد تھا۔ جب کوئی مصیبت یا تباہی ادن پر نازل ہوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی چھوٹی لٹکریاں لیکر کچھ اونپر پڑ پڑ کر سوچ نکلتے تھے اور اونکو پھینکتے تھے اور ایسا کرنے سے اون مصیبت کے دور ہونے کی توقع رکھتے تھے۔ جانوروں کے اڈرنے اور بولنے سے بھی نیک و بد شگون کیا کرتے تھے مثلاً اگر کوئی شخص بیٹھا ہے اور کوئی جانور اسکے واسطے طرف سے بائیں طرف راستہ کاٹے گیا تو اسے شگون نیک سمجھتے تھے اور سناٹے کہتے تھے۔ اور اگر وہ بائیں طرف سے دایہنی طرف راستہ کاٹ گیا تو شگون بد جانتے تھے۔ اور جارح کہتے تھے یہ لوگ نیک و بد جنات میں بھی عقیدہ رکھتے تھے۔ اونکی مختلف شکلیں اور صورتیں قائم کر رکھی تھیں اور اون کے مختلف نام رکھ لیے تھے۔ اون کے نزدیک بعض جنات نصف جسم انسان کے ایسا اور نصف جسم روحانی رکھتے تھے یہ لوگ عیاوہ جنات کے اور دجودون میں اور دیگر اقسام کی روحوں میں بھی اعتقاد رکھتے تھے۔ جو انسان کی نظر سے غائب رہتی تھیں لیکن آئندہ کی خبر دن کو باور لہذا ظاہر کر دیتے تھے اور خود ہمیشہ پوشیدہ رہتے تھے۔ ودفرشتون کو اور ارداحون کو بھی جو دکھائی نہیں دیتی تھیں مانتے تھے۔ اور مختلف شکلیں ادن کی طرف منسوب کرتے تھے۔ (مختصر خطبات احمدیہ لاہور ص ۱۵۸-۱۶۰)

عرب کے المامی مذہب | عرب کے ظہر اسلام کے وقت چار المامی مذہب بھی ایک حد و مقدار تک رائج تھے ان میں مذہب صابئی | قدیم ترین مذہب صابئی تھا۔

مذہب صابئی کو عرب میں قوم سامیہ نے رواج دیا تھا۔ چونکہ ہمیشہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو قدیم مذہب کا پیرو سمجھتے تھے وہ حضرت ثبث یا اخوت یعنی اویس علیہ السلام کو اپنا نبی کہتے تھے۔ اور اپنے مذہب کو اونھیں کی طرف منسوب کرتے تھے اون کے پاس ایک کتاب بھی تھی جسکو وہ صحیفہ ثبث کہتے تھے۔ صابیون کے ہاں سات وقت کی نمازیں تھیں اور وہ اونکو اسبطر ادا کرتے تھے حسب طرح مسلمان اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں۔ مگر وہ کے بھی نماز پڑھتے تھے۔ اور وہ مسلمانوں کی طرح کامل ایک مہینہ قمری کا روزہ بھی رکھتے تھے۔ لیکن با این ہرہ جو برائیاں اور خرابیاں آہستہ آہستہ اون کے مذہب میں پھیلی گئیں



وہ یقین کہ وہ ستاروں کی پرستش کرنے لگے پھر ان کے معبود میں یہ لوگ بذیت حج جمع ہوتے تھے۔ (اور ہونے سات ہیکلین یعنی معبود سبع ستاروں کے نام پر بنائی تھیں اور جس ستارے کا جو معبود تھا اس میں اس ستارے کی پرستش کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کی بھی بڑی تعظیم کی جاتی تھی۔ ان کا سہاڑا تو ہمارا اس روز ہوا کرتا تھا جبکہ آفتاب برج حمل میں جو موسم بہار کا اول بہت ہے۔ داخل ہونا تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے تہوار اس وقت ہوتے تھے جب پانچ ستارے زحل مشتری مریخ زہرہ اور عطارد بعض برجوں میں یکے با دیگرے داخل ہوا کرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ان ستاروں کے سعد و نحس اثر انسان کی قسموں پر اور دنیا کے تمام امور پر پڑتے ہیں وہ یقین کرتے تھے کہ بارش یا بندہ کی کشتی بھی ستاروں کی تاثیر پر منحصر ہے یہ خیال اور اس قسم کے اور خیالات عقائد صابین کے سوا عرب کے اور لوگوں میں بھی پائے جاسکتے تھے۔ ان لوگوں میں اعتکاف کرینیکا بھی رواج تھا۔ غاروں اور پہاڑوں میں چند روز تک مراقبہ اور سکوت میں بسر کرتے تھے

مذہب ابراہیمی | اسلام سے پہلے پانچ انبیاء عرب میں مبعوث ہو چکے تھے۔ (۱) حضرت ہود (۲) حضرت صالح (۳)

حضرت ابراہیم (۴) حضرت اسماعیل (۵) حضرت شعیب علی نبینا وآلہ علیہم السلام یہ سب انبیاء علیہم السلام حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل پر احکام عشرہ نازل ہونے سے پیشتر گذرے ہیں۔ اصل اصول ان جمیع انبیاء کی شریعت کا خدا کا واحد کی عبادت تھی۔ اور دیگر احکام مسائل جنکو انبیاء نے ذکر کرنے بتلائی تھی باستثنا احکام و مسائل حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل اہل عرب کو سب فراموش ہو گئے تھے۔ اور کوئی مقامی روایت ایسی موجود نہیں ہے جو ہلکا اس وقت اس بات سے واقف کرے کہ وہ احکام کیا تھے اور کیسے تھے۔ ان قوموں کی نسبت فاضل معاصر مولوی محمد سلیمان صاحب نے رحمۃ اللہ علیہ

میں نہایت مختصر لیکن خوب جامع طور پر یہ عبارت لکھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو مذہب سے درست کر نیکی بجائے۔ مذہب کو اپنی وجہ سے خراب کر دیا تھا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام شعیب۔ اور صالح علیہم السلام پیغمبروں کو ان کے دیکھنے کا موقع ملتا تو وہ ہرگز نہ پہچان سکتے کہ یہ ہمارے ہی اصول پر چلنے والے لوگ ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ دیباچہ ص ۸

حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل کے مذہب کے احکام و مسائل کی نسبت بھی اس طرح کوئی ایسی نہ کافی نہیں ہے جس سے کہ ہم انکو تفصیلاً بیان کر سکیں۔ اور ایسے بہت کم مسائل ہیں جنہوں نے باستعانت روایت مذہبی اور روایات مقامی کے ایسا تاریخی رتبہ حاصل کیا ہو کہ ہم اس کے حوالہ دینے کے لائق ہوں۔ حضرت ابراہیم کے لقبی اور پرہیزگاری کا سب سے پہلا کام بت پرستی کا ترک کرنا۔ اپنے باپ کے بتوں کا توڑنا۔ اور خدا کے برحق پر یقین کر کے صدق دل سے اس کی پرستش کرنا تھا جتنے کرنا اور ڈاڑھی کا رکھنا رسوم مذہبی ہیں۔ جنکے بیان کرنے کی چندان ضرورت نہیں ہے کہ چونکہ پھر شخص کو معلوم ہے کہ یہ یقین حضرت ابراہیم نے مروج اور معتبر کی تھیں۔ خدا نے تعالیٰ کے نام پر قربانی کرنا بھی حضرت ابراہیم نے مقرر کیا تھا اور یہ رسم آج تک ان کی اولاد میں اور ان کی اولاد کے پیروں میں بحسنہ مروج ہے۔

خدا تعالیٰ کی عبادت کیواسطے خانہ کعبہ کی تعمیر کی نسبت عرب کی تمام مقامی روایتیں اور تمام متورخ اس امر متفق ہیں کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے مل کر بنایا تھا۔ سیٹ پال ST PAUL جواری نے جو گلیشیا والون کے نام خط لکھا ہے۔ ہماری رائے میں اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کو جو بیت المقدس کا ہمسایہ ہے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے بنایا تھا۔ خانہ کعبہ میں اول خدا کی عبادت اوسکے اندر باہر کیا کرتے تھے اور اوسکے طواف کے وقت ساری جماعت پکار پکار کر خدا کا نام لیتی تھی اور بوسہ دیتی جاتی تھی۔ تمام آدمیوں کا میدان عرفات میں جمع ہونا جہان کہ حضرت ابراہیم کا حجر اسود ہے نہ حضرت یعقوب کا سنگ عبادت یعنی قربانگاہ اور نہ حضرت اسماعیل کا معبد بلکہ محض ایک وسیع میدان ہیں ان لوگوں کا ایک ساتھ مثال ہو کر خدا کا نام لیکر پکارنا اور اپنے گناہوں کی معافی چاہنا خاص خدا کی عبادت ہے جس کا نام مسلمانوں نے حج رکھا ہے۔ اور حضرت ابراہیم اسماعیل اسی طرح پر عبادت خدا کے بانی ہوئے تھے پس کون مشبہ کر سکتا ہے کہ حج اوس واجب الوجود لاشریک لہ کی خاص الخاص عبادت نہیں ہے افسوس ہے کہ رفتہ رفتہ ملک عرب میں بت پرستی کا عام روان ہو گیا تھا اور با اینہم یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک ایسے اشخاص تھے جو ان مذاہب الہامی میں سے کسی کسی مذہب الہامی کے متبع تھے۔ اور خدا کے واحد کی پرستش کرتے تھے انہیں لوگوں میں سے متعدد لوگوں نے مجدد مذہب ہونیکا دعویٰ کیا ہی اور اللہ تعالیٰ کے معبود حقیقی ہونیکا مجمع میں عام غلط کہا ہے۔ اور لوگوں کو بت پرستی چھوڑ دینے پر ترغیب دی ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی نسبت مجدد ہونے کی شہادت دے رکھی تھی ان کے نام یہ ہیں۔ حنظلہ بن صفوان۔ خالد بن ننان۔ اسد ابوکرب۔ قیس ابن صیدہ وغیرہم اور بعضوں نے حضرت عبدالمطلب کو بھی ایک مجدد مذہب قرار دیا ہے۔

لیکن کیسیا ہی حیرت انگیز امر کہیں نہ معلوم ہو کہ اوس شخص کی اولاد جس نے اپنے باپ کے بتوں کو توڑا اور ان کی پرستش سے موئدہ موڑا اور خدائے واحد کی پرستش کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ انا فی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض خلیقا وما انا من المشرکین رفتہ رفتہ بت پرستی کی حالت میں دوبہ جائے لیکن اس سے زیادہ تعجب انگیز تو یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ اسی کی اولاد میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا۔ جس نے پھر اپنے بتوں کو بلکہ تمام عرب کی بتوں کو غارت کر دیا۔ اور جس نے خداے اعظم اور علام الغیوب کی عبادت کو۔ جو تمام چیزوں کا مبداء اور مرجع ہے۔ رولع دیا۔ اور اعلیٰ ترین درجہ پر پہنچا دیا اور جس نے بہالت اور کفر کی اوس گمراہی کی کو جس میں اوسکے تمام ہم وطن مبتلا تھے دین حق کے پاک و شفاف نور سے متور کر دیا۔

۱۵ سید صاحب اکثر انگریزوں کی غلط تقلید میں انکی مزید ذرا ذرا کو واقعہ کجکر بلاتال نقل کر دیتے ہیں مسلمانوں نے حج کا نام نہیں رکھا ہی بلکہ خدا نے اسی نام سے اپنی عبادت کے اس طریقہ کو مخصوص و موسوم کیا ہے آیہ واذا من الله ورسوله الى الناس يوم الحج الاکبر۔ سورہ توبہ وبقیہ ص ۱۵۰ الناس حج البيت (آل عمران) اس پر شاہد ہے المؤلف۔

**مذہب یہودی** یہودی مذہب کو شام کے یہودیوں نے عرب میں پھیلا دیا تھا۔ جو عرب میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اصل یہودی مذہب عرب میں اون یہودیوں کے ساتھ آیا تھا۔ جو پانچویں صدی قبل مسیح میں بخت نصر کے ظلم و جور سے بھاگ کر ملک و قوم کی تخریب کا باعث ہوا تھا۔ بہاگ گئے تھے۔ اور شمالی عرب میں بمقام خیبر آباد ہوئے تھے۔ تہہ رے زمانہ کے بعد جب اون کی ضعف کی حالت نے کسیندر سکون و قرار پر اثر ڈالا تو انھوں نے اپنے مذہب کو پھیلانا شروع کیا اور قبیلہ کنانہ حادث ابن کعب۔ اور گندہ کے بعض لوگوں کو اپنے مذہب میں ملا لیا۔ سترہ صدی قبل مسیح میں کعبہ کے بادشاہ دونواس حمیری نے مذہب یہودی اختیار کیا۔ تب اوس نے اور لوگوں کو بھی بالخصوص اسی مذہب میں داخل کر کے اوسکو بڑی ترقی دی۔ اوس زمانہ میں یہودیوں کو عرب میں بڑا اقتدار حاصل تھا اور اکثر شہر اور قلعے اون کے قبضے میں تھے۔ لیکن بائیسہ صدی اپنی عادت سے مجبور تھے۔ جہاں وہ جاتے تھے اون کی جنگجو اور فساد انگیز طبیعت اور اطوار ساتھ ساتھ جاتے تھے۔ اور اون کے زیر اثر ہو کر قوموں میں اختلاف۔ فرقوں میں تکرار اور مہسایہ قبائل و عشائر میں فساد پیدا کرتے تھے۔ خوخواری کے ساتھ عرب میں سود خواری کے بہت بڑے نامی اور معاون یہی لوگ ثابت ہوتے ہیں۔ اگر شاہراہوں اور عام گذرگاہوں پر دیرانہ حملہ کر کے ملک و قوم کو یہ لوٹ نہ سکتے تھے۔ تو گھر بیٹھ کر سود خواری کے ذریعہ سے اونھوں نے خاندان کے خاندان اور قبائل کے قبائل کو لوٹ کر خاک سیاہ کر ڈالا۔

عیسائیوں کی دیکھا دیکھی انھوں نے بھی حضرت عزیر کو ابن اللہ تسلیم کر لیا۔ صرف اسوجہ سے کہ اونھوں نے تین سو برسوں کے بعد توریت کو ازبر لکھا دیا تھا۔ دولت مندی کی کثرت سے سود خواری کی ایسی قمار بازی کی تعلیم و تشغیل بھی انھیں لوگوں نے پھیلا دیا۔ غافہ مست عرب کے قبائل کو روپیہ قرض دیکر اون سے مفت خدمت لینا اور اسے رقم قرض تک اون کو ایک طرح کی غلامی کی حیثیت میں لبر کر نیکی قدیم جاہلیت کا رواج بھی انھیں نے جاری کیا۔ بالآخر ان کا وجود ملک و قوم کے لئے فانیہ اور رفاد کی جگہ ہر قرینہ سے نقصان دہ اور تباہ کن ثابت ہوا۔

مذہب عیسوی تحقیق سے یہ امر مسلم ہو چکا ہے کہ عرب میں عیسائیت نے سترہ صدی عیسوی میں داخل پایا تھا و جب یہ ہوئی کہ کلیسائے مشرقی کی خرابیوں اور بدعتوں کی وجہ سے مغربی فرمانروایان مسیحی نے ان کلیسا کے متبعین عیسائیوں کو گمراہ سمجھ کر اون ممالک سے نکال دیا تھا۔ اور وہ ترک وطن مجبور ہو کر عرب میں آکر بس گئے تھے۔ اس سے یہ صحیح نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ جو مصیبت اور مجبوری یہودیوں کو شام سے عرب میں لائی۔ قریب قریب وہی بلاؤ آفت عیسائیوں کو بھی عرب کی سرزمین پر کینچ لائی۔ اور عرب کی سرزمین نے جہاں خدا کا گھر تمام مخلوقات کا مامن قائم تھا۔ ان مصیبت زدوں کو پناہ دی۔ عیسائی مصنفین نے بیان کیا ہے کہ مذہب عیسوی نے اہل عرب میں بہت ترقی حاصل کی۔ مگر ہم اس امر میں اون سے اتفاق نہیں کرتے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ باستان شناسے صوبہ خیبر کے جس کے اکثر باشندوں نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ قبائل حمیر غسان۔ ربیعہ۔ ثعلب۔ طے اور حیرہ میں سے معدودے چند اشخاص نے ان کی تقلید کی تھی۔ اور کوئی حجت

کثیر۔ یا قوم کی قوم عیسوی مذہب میں نہیں آئی تھی۔ انہیں کہ ان متفرق اعراب منقسمہ کی وساطت سے حضرت مریم کی تصویر خواہ صورت حضرت عیسیٰ کو گو دین لیے ہوئے خانہ کعبہ کے اندرونی دیواروں پر پہنچی گئی ہو یا اس کے اندر رکھی گئی ہو سر ولیم میور۔ خود لکھ کر اقرار کرتے ہیں کہ نہایت قلیل تعداد میں مذہب عیسوی سرزمین عرب میں بیان وہاں پایا جاتا ہے۔ علاقہ بحیران میں بنو حارث۔ علاقہ ہماہرین بنو حنیف۔ چند افراد قبائل طے پر عیسائیت محدود تھی۔

عرب کے اکثر حصوں پر شاہان روم و اصفہان کی صفت آرائیوں سے خاص طور پر مستفیع ہو کر عرب کے وادہ کی خاندان ملک خستہ اور حیرہ نے۔ خسرو اور مصر کی متابعت کو قیام میں اسطرح تقسیم کر لیا تھا کہ سلاطین حیرہ ملک فارس کے میطیع تھے۔ اور فرناں و ایوان عثمان آقا صہ روم کے ماتحت تھے۔ اکا سرہ روم اور آقا صہ روم کی باہمی جنگ و جدال نے حقیقتاً تمام ملک و قوم کے مجسمہ سے خون چوس لیا تھا۔ حالانکہ اسباب جنگ میں بمقابلہ عیسائیوں کے ایرانیوں کے مطالبات حق بجانب ثابت ہوتے ہیں۔ انہیں کے زیر اثر ہو کر عرب میں حیرہ اور خسان کی ماتحتی حکومیتیں بھی باہمی کشت و خون اور دائمی جنگ و جدال میں مصروف رہتی تھیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عیسائیت کس اصول کے ساتھ عرب میں مردح تھی۔ اسکی تحقیق جہان تک کی جاتی ہے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین عرب پر عیسائیت کے مختلف طریقے اپنی مختلف فیہ اقسام کی تعلیم و تبلیغ پھیلا رہے تھے۔ طرفہ ترقویہ ہے کہ یہ لوگ ایک طرف تو دوسروں کو اپنے دینیات کی تعلیم دیتے تھے۔ اور دوسری طرف خود پس میں لڑے مارتے تھے۔ فرقہ نشطوریہ اور فرقہ یعقوبی باہم دیگر مر کہ آرا تھے۔ بخلاف یہود کے یہ عیسائی فرقے اپنے غلط عقائد کی تائید میں انتہا درجہ کے ضدی اور بہت دہرم بستے ہوئے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ کے وجود ذات کی نسبت ذات الہی کا خاص مماثل۔ یا کم سے کم اوس کا فرزند حقیقی یا اوس کا کلام خاص یقین کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش کو وہ کنارائیت سے مختص سمجھتے تھے۔ اور آپ کے ظہور ذات کو الوہیت کا مماثل یا پیکر انسانی میں الوہیت کا مبدل جسکی ترکیب خلقت خاں عالم نور سے ہوئی ہے۔ قرار دیتے تھے۔ اس عقائد کی بنا پر عیسیٰ کی ایسی منترہ اور مقدس ذات نہ فنا کی جاسکتی تھی اور نہ تو فنا ہوئی۔ وہ کلمات استثناء نہ خلیو متصیین عیسائیوں نے خاص حضرت عیسیٰ کی زبانی ادا کئے جانکی شہرت دے رکھی ہے۔ حقیقت میں وہ نہ انکی زبان سے نکالے تھے۔ اور نہ کبھی بکل کہتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ شخص جو مصلوب ہوا وہ غیر عیسیٰ شخص تھا۔ اور اہل عیسیٰ دشمنوں کے ہاتھ سے سراپا محفوظ رکھا اور انھیں عالم نورائیت کی طرف واپس تشریف لیکے جہان وہ نازل ہوئے تھے۔

یہ دلیل اگرچہ عیسوی ہی متوہمانہ نہ سمجھی جاوے۔ لیکن ابنیت حضرت عیسیٰ کے متعلق بمقابلہ اور دیلون سے زیادہ

چسپان معلوم ہوتی ہے اور بظاہر قریب الامکان خیال کی جاتی ہے۔ پائیلٹ پانٹیوس (PILATE PONTIUS) کی حضرت

پائیلٹ پانٹیوس شخص شہید من یہود کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ اس شخص نے حضرت عیسیٰ کو پہلے تمام الزامات سے بقیصہ کر لیا تھا لیکن آخر میں



عیسیٰؑ کی جان بچانے کے لئے از حد خواہش۔ جبکہ طرطولین طاہر تو یہودی لیکن باطناً عیسائی قرار دیتا ہے۔ خاص ہر دوس  
 ۱۵۱ Herodius کا بھی قتل عیسیٰ کے الزام گوارا کرنے سے انکار۔ اون چند ساعات تک جن میں وہ قوم بنی انسان کا محسن اور  
 مصلح۔ اون خوفناک مناظر کے انجام وہی سکے لئے کیمنج لایا گیا۔ عام تاریکی کا پھیل پھیل کر تمام رات تک اسی طرح قائم رہتا  
 اور صلیب دیے جانے کے وقت خاصہ ایک قدرتی ظلمت کا تمام رات زمین محیط ہو جاتا۔ یہ سب قرآن متحد و متفق ہو کر  
 اس امر کے قریب الامکان ہونے کا یقین دلاتے ہیں کہ بخیطا و تصور بالکل محفوظ رہ گیا۔ اور ملزم و مجرم مصلوب کر دیا گیا  
 مندرجہ بالا عبارت میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ عرب میں عیسائیوں کے مختلف فرقے جو آکر آباد ہو گئے تھے وہ مذہب  
 میں اختلاف آرا کی بنا پر آپس میں لڑا کرتے تھے۔ انکی تفصیل کے لئے مختصراً انکا تذکرہ کیا گیا کافی ہے کہ عیسائی تمام عیسائی تو  
 حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو ابن اللہ تسلیم کرتے ہی تھے۔ لیکن عرب میں یعقوبی فرقہ کے عیسائی حضرت مریمؑ کو  
 انورہ اللہ خلی بی بی اور فرستون کو خدا کی بی بی قرار دیتے تھے۔ اس بنا پر فرقہ نسٹوریہ سے جو زیادہ تر عراق عرب میں  
 آباد تھے۔ اور یعقوبی فرقہ سے جو شام سے آکر حجاز و یمن میں آباد ہوا تھا بڑے بڑے مقابلے اور قتالے پیش آ رہے تھے۔  
 ظہور اسلام کے وقت۔ خاص عرب کے۔ دینی۔ اخلاقی۔ ملکی اور قومی خرابیوں اور بربادیوں کا یہ مرقع تھا جو ہم نے  
 نہایت وضاحت سے کمینچہ کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ سر زمین عرب پر موقوف و محدود نہیں ہے۔ اس سے پہلے ہم تمام  
 اقطاع عالم کے دینی اور دنیوی حالات۔ جو آنحضرت صلعم کے بعثت کے وقت۔ ثابت ہوئے ہیں۔ پوری تفصیل سے  
 دکھلا چکے ہیں۔ ہمارے مرقومہ بالا تفصیل حالات کو پھر پھر ہر شخص باس فی سمجھ لے گا اور یقین کر لے گا کہ عام گمراہی و ضلالت  
 اور سر پاتا رہی کی ظلمت کے ایسے شدید و سخت زمانہ روقت میں۔ یہ ایک گندہ زمین و آسمان اور خداے رحیم و رحمان  
 بہتیمہ صفت گندہ شمس صلیب دیے جانیکا فتوئے اور حکم شاہی کا اعلان بھی ایسی زبان سے برآمد ہوا یہودیہ کا گورنر ہو کر اس نے قوم سامری کے  
 یہودیوں کے ساتھ بہت سخت ظلم کئے اس لئے شاہ طردوس نے اوپر شہر یہودیہ واپس بلالیا۔ اور اسکو عمدۃ امارت سے معزول کر کے علاقہ گال  
 کی طرف خارج انید کر دیا۔ جہاں اسے خود کشی کر لی اور اس طرح مسئلہ عین مر گیا۔

۱۵۱ طرطولین کتب اربعہ اناجیل کا نہایت قدیم اور مشہور و معروف یونانی مترجم اور مفسر۔

۱۵۱ ہیراڈو اینڈیاس۔ یا۔ ہیردوس۔ شہر خلیہ (گیلیلی) میں اپنی باپ کا فاقیم مقام ہوا۔ اس نے شاہ ارطاس۔ سلطان عرب کی لڑائی کو جو  
 اوکی بیوی تھی طلاق دیدی اور اپنے بھائی فلپ کی بیوی سے عہد کر لیا۔ ارطاس شاہ عرب نے اس باعث سے ہردوس کے ساتھ جنگ کی۔ اس  
 بہ بخت نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنی دوسری شادی کے ناجائز بتلانے پر برہم میں قتل کر دیا۔ اس بنا پر یہودیوں نے اس کے خلاف میں بغاوت کر دی۔ وہ ہالگر  
 روتہ انگری میں چلا گیا اس امید پر کہ شاہ روم اسکو یہودیوں کی شاہنشاہی کا منصب عطا کر دے گا۔ لیکن وہ وہاں بھی وہ حصول مدعا میں  
 ناکامیاب رہا اور وہ آخر جلا وطنی کی حالت میں مر گیا۔ یہ ہردوس ہی تھا جسکے پاس حضرت مسیحؑ کو ہیلیٹ بائیٹس نے بھیجا تھا۔ جس ہٹری سٹن

کی رحمت کو اپنے بندوں کی نجات و نجاتی اور صلح و عاشقی کی تعلیم و ہدایت اور کفر و الحاد سے ترک تعلق کرنے اور اس ذات واحد کی پرستش و عبادت بجالانے کی خاص غرض و غایت سے ایک ایسے رسپر کامل کو نازل فرمایا جس کی ضرورت ہوئی جو اپنے نوا و تعلیم و ارشاد سے کفر پرستی کی تباہ کنوں کو دور کر کے مسمورہ عالم کو پر نور کر دیتا۔ جن لوگوں نے اہم سائبہ کے ازمنہ خاصہ میں بالاسستیاب حالات و واقعات پڑھے ہیں اور انبیاء سے سابقین کے اسباب رسالت اور اہم ماضین کی دینی اور دنیا کی ضرورتوں کو کامل طور سے سمجھ لیا ہے وہ موجودہ عالمگیر جہالت و ضلالت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت رسالت کو پوری طور سے سمجھتے ہیں۔ انکو پیشینگی طور پر علم ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کو دنیا سے اٹھے ہوئے دو ہزار سال اور حضرت سلیمان ؑ کو دویسہ ہزار سال اور جناب عیسیٰ بن مریم کو آسمان پر صعود فرمائے ہوئے چھ سو برس ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں ان حضرات کی تعلیم و تبلیغ نے جقد و دنیا کو اور اہل دنیا کو برائی سے بچایا اور انکی بگڑی ہوئی حالتوں کو بنایا تھا اتنی مدت میں انہوں نے اپنی غفلت اور جہالت سے اس قدر اپنی دینی اور دنیاوی حالتوں کو بگاڑا تھا ان مقدس رہبران روحانی اور پیغمبران ربانی نے سب سے پہلے جس چیز کی تعلیم انھیں پہنچانی تھی۔ وہ معرفت اور معرفت الہی تھی اور اس وقت سب سے پہلے جس چیز کو ان لوگوں نے بگاڑا تھا وہ بھی تعلیم تھی اور اسی وحدت الہی کی فریب و برباد حالت تھی جو ہر فرقہ ہر قوم ہر ملک کے مندرجہ بالا حالات و واقعات سے پورے طور پر محروم ہو چکی ہے حقیقت یہ ہے کہ ان کے عقائد میں وجود الہی ہی قائم نہیں تھا۔ توحید کا کیا ذکر۔ نام کو تو یہ سب لوگ اپنے آپ کو مذہب الامام کا متبع بتلاتے تھے۔ مگر حقیقتاً ان میں نہ مذہب الامامی کے کوئی آثار پائے جاتے تھے۔ اور نہ انہیں انسانیات کی خرابی کی وجہ سے ان کے اخلاق۔ تمدن۔ معاشرت اور آداب ایسے خراب و خستہ ہو رہے تھے کہ حیوانیت اور انسانیت میں کوئی فرق باقی نہیں رہا تھا۔ جن اصول عقائد کو وہ اپنے خیال میں حق پرستی سمجھتے تھے وہ حقیقت میں بت پرستی سے بھی بدتر تھے۔ جن تہذیب۔ اخلاق اور آداب کو وہ اپنے زعم میں معیار انسانیت خیال کرتے تھے وہ اپنی اصلیت کے اعتبار سے شعائر حیوانیت تھے اور اظہار نفسانیت۔

دنیا کے محققین جانتے ہیں کہ شیرازہ عالم کی ایسی ہی شکستگی اور ابتری کے خاص عالم میں۔ اور زمانہ کی ایسی ہی عالمگیر تباہی اور سیاہی کے خاص وقتوں میں اور بندگان الہی کی ایسی ہی سیاہ کاریوں اور کافر و داریوں کے موقع پر اس راہم برحق اور ناظم مطلق کو اپنی رحمت کی فیض سائون کی ضرورت پیش آتی ہے۔ سد بر قدرت فی اصلاح عالم کے لئے اس وقت بھی وہی انتظام جاری فرمائے جو ہمیشہ سے عادت الہی قرار پا چکے تھے لیکن اپنے اس نظم میں ابکی باریہ خصوصیت البتہ قائم کر دی کہ اس وفد رہنمائی عالم کے اس انتظام کو اب اس مفصل اور مکمل بنایا اور اس نظم کے ناظم و مجدد کو سلسلہ ہدایت و رہبری کا ایسا خاتم اور متمم قرار دیا کہ پھر زمانے کو ہمیر کی ضرورت نہ رہی۔

وہ خاتم سلسلہ رہبری متمم جریہ پیغمبری۔ خاتم النبیین۔ سید المرسلین حضرت محمد ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جو چالیس برس کے سن میں خاص معبدالبرہمی اور موطن استعمیلی کے شہر مکہ معظمہ میں بقول عہد اٹھارویں رمضان یوم  
دوشنبہ ۱۲۰۰ عام الفیل مطابق ۱۲ فروری ۱۸۰۰ء اور بقول مشہور جمہور تائیسویں رجب کو مبعوث برسات ہوئے۔  
خاص عرب میں مبعوث برسات خاصہ جزیرہ نمائے عرب میں حضرت خاتم النبیین حبیب خدا محمد مصطفیٰ  
ہونیکے مخصوص ضرورت علیہ وآلہ السلام و الثنا کے مبعوث برسات فرمائے جانے کی وجہ خاص  
نہایت کملی اور صاف ہے۔ ذیل کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

اگر ہم ملک عرب کو کرہ ارض پر دیکھیں تو اس کے محل وقوع سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے جزیرہ نمائے عرب کو  
ایشیا۔ یورپ اور افریقہ کے براعظموں کے وسط میں جگہ دی ہے اور وہ خشکی و تری (دو فون راستوں سے) دنیا کو اپنے  
واہنے اور بایں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے۔ اس لیے ایسے ملک میں دنیا کے جہاز اہلک پہنچ جانا اور جہالت کی حکومت  
علی کے زیر اثر ہو کر سب ہی کا بگڑ جانا بخوبی فہم نشین ہو سکتا ہے اور اسی طرح یہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اگر تمام دنیا کے  
ہدایت کے لئے ایک مرکز واحد قائم کرنے کے لئے ہم جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں۔ تو عرب ہی اس کے لئے موزوں ہے خصوصاً اس  
زمانہ نظر کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب افریقہ۔ یورپ اور ایشیا کی تین بڑی قطعات ارض (سلطنتوں) کا عرب سے تعلق تھا  
تو عرب کے اوزان براعظموں میں بہت جلد پہنچ جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے۔ رب العالمین نے اسی لئے سیدنا محمد رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرب میں پیدا کیا اور انکو بتدیر سچ پہلے اپنی قوم۔ اپنے ملک۔ پھر تمام عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا  
رحمۃ للعالمین ص ۹

کرہ ارض پر آباد دنیا کو دیکھو کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ ۴۰۰ درجہ عرض البلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ  
۸۰ درجہ تک آبادی ہے۔ دونوں کا مجموعہ ۱۲۰ درجہ ۶۰ ہو۔ جب ۶۰ کو ۸۰ درجہ شمال سے تفریق کریں تب  
۲۰ درجہ رہ جاتے ہیں اور جب ۶۰ سے ۴۰ درجہ جنوبی کو تفریق کریں تب بھی ۲۰ (درجہ شمالی) رہ جاتے ہیں۔ اور مکہ ۲۱  
درجہ پر آباد ہے۔ اس لئے کلی کرہ ارض میں بھی وسط ہونیکا درجہ رکھتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مکہ کا نام لغات عرب کی  
کتابوں میں ناف زمین ہے۔ انسان کے جسم میں ناف بھی ٹھیک وسط میں نہیں ہوتی۔ بلکہ قریب وسط میں ہوتی ہے اور  
یہی وجہ ہے کہ عرض بلد میں مکہ بھی وسط حقیقی کے قریب واقع ہے۔ اور ان ہی خطوط کے اندر دنیا کی تمام نسلیں اس طرح  
مقیم ہیں کہ مشرق میں قوم آریا (ایرین) اور منگول (منول) مغرب میں حبشی و ہاماسٹ (حام) اور ریڈ انڈینز امریکہ کے  
باشندے۔ پھر جب کل قوموں میں تبلیغ کا پہونچا نا مد نظر ہو تو عرب ہی اس کام کو آخر قرار دیا جاسکتا ہے۔ غالباً ہی  
لئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وَجَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ۔ ہم نے تم کو وسطیٰ امت (دو میان عالم کی  
رہنے والی) بنایا اس لئے کہ تم تمام قوموں کے سامنے خدا کی شہادت ادا کرو۔ حاشیہ رحمۃ العلیین ص ۹۔

تبلیغ دینیات کے علاوہ اگر سیاسی ضروریات کی نظر سے بھی دیکھا جاوے تو ایسے رہبر آخر الزماں پر بغیر کامل کی تبلیغ

دینی اور تعلیم و اجراء کے احکام سیاسی کی ضرورت سے۔ جو جدید عالم میں ہندوگان الہی کی دینی و دنیاوی امور کی شیرازہ بندی کے لئے خاص مبعوث فرمایا گیا ہے۔ مبعورہ عالم کے وسط مقام کو اپنی تعلیم و تبلیغ کا مرکز بنانا کس قدر ضروری اور لازمی تھا اور اسی سے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم المرسلین و انبیین ہونے کے خاص ثبوت ملتے ہیں۔ کیونکہ ان پہلے جتنی رسالتیں گزر چکی ہیں وہ سب ایک ہی کام اور ایک ہی مقام کے لئے معین ہوئی تھیں۔ حضرت موسیٰ قوم بنی اسرائیل کو مصر سے فلاحی دلو کر اپنے وطن اصلی کی طرف واپس لانے کے لئے مامور فرمائے گئے تھے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان بنی اسرائیل کی قوم و ملک میں اچانکے شرعیات و دینیات اور اجراء نظام حکومت و سیاسیات کی غرض سے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ جناب عیسیٰ مریم علیہما السلام باقی ماندہ احکام عشرہ تورات کی تعمیل و تکمیل کے لئے نازل فرمائے گئے تھے۔ ان تمام رہبران مقدسین کے ذمہ ایک ایک خاص مقام اور ایک ایک خاص کام کی درستی۔ اصلاح اور ترمیم کی گئی تھی لیکن بخلاف ان حضرات کے ہمارے سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تمام مبعورہ عالم کی ہدایت تھی اور رہنمائی۔ وہ تبلیغ و دینیات کے بھی ذمہ دار تھے اور تعلیم سیاسیات کی بھی حسین و برستی اخلاق۔ تمدن اور معاشرت غرض تمام انسانی ضرورتیں۔ جو ہر قوم و ملک کو ابتداء سے لے کر انتہا تک لاحق ہوتی ہیں شامل ہیں۔

تاریخین شاہد ہیں اور دنیا کے کارنامے ایک سے لیکر ہزار تک گواہ ہیں کہ اس نبی اُمّی خطاب نے علوم و دینیات و سیاسیات کی اس خوبی اور خوش سلیقگی سے ایسی کامل تعلیم دی کہ پھر اس وقت سے لیکر ابد الابد تک کسی رہنمائے عالم کو ہدایت و رہنمائی کے لئے تشریف لانے اور تکلیف فرمانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔

ان ضروریات اور انکی تعمیل کے ذرائع و وسائل پر خیال کر کے سہل طبعی الذہن اور عامی العقل شخص بھی فوراً سمجھ جائے گا کہ ایسی کامل رسالت کی انجام دہی اور نیز دین و دنیا دونوں طریقوں میں ہندوگان الہی کی رہبری کے لیے مقام وسطیٰ تبلیغ و تعلیم کا مرکز اگر کسی زادیہ یا گوشہ ملک میں قرار دیا جاتا تو ممکن نہیں تھا کہ دین الہی کی تعلیم اور دستور و آئین ملکی و قومی کی ترمیم اس وسعت اور استقرار و استقامت کے ساتھ کامل ہو جاتی۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ مشعلی صاحب واقعات تاریخ و سیر کو پھیلپون کی طرح اذنگلیون پر سبانا چاہتے ہیں حالانکہ او شخص معلوم تھا کہ خاتم رسالت اور تمام نبوت کی سیرت نگار کے لئے خاص کیا ان امور کو لکھ کر ثابت کر دینا اور بتلانا دینا۔ جن سے آپ کے خاتم النبیین اور سید المرسلین ہونے کے شہود و ثبوت قائم ہوتے ہیں۔ کس قدر ضروری تھا۔ لیکن مشعلی صاحب نے اپنے انداز تالیف میں محبت رقی کے ساتھ کوتاہ قلمی بھی اختیار فرمائی ہے جس سے مقصود تالیف مفقود ہو جاتا ہے اور اصل مدعا متناکر رہ جاتا ہے۔ بالآخر کچھ مجبور ہو کر اسنے اوراق میں آپ کی کمی کو پورا کرنا ہوا جو ناظرین کتاب کے پیش نظر ہے۔

شعلی صاحب کا خاندان جناب رسالت باب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بن مبارک چالیس برس کا ہو چکا تھا



## رسول پر غلط الزام

فطرت صالحہ کے اثر سے قلب مبارک کا رجحان اور طبع مقدس کا میلان حبیباً کہ اوپر بہلن ہو چکا ہے۔ آغاز عمر سے اس وقت تک ہمیشہ امور خیر کی طرف متوجہ اور منعطف تھا۔ اگرچہ تمام ملک قوم میں گمراہی کو شمار جمالت و ضلالت کے اطوار جاری تھے۔ چاروں طرف انواع اقسام کی بدکاریاں اور کفر کرواریاں قائم تھیں۔ لیکن آپ ایک ذرہ بھر بھی کسی ان سے اثر پذیر ہونا تو دور کتنا کہ کبھی انکی طرف متوجہ بھی نہیں ہوئے اور جب کسی ایسا موقع آ پڑا تو آپ نے ان تمام افعال ذمہ سے قوم و ملک کے لوگوں کو متنبہ فرمایا۔ نبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

مکہ بت پرستی کا مرکز و اعظم تھا۔ خود خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کا تمنعائے شرف اس قدر تھا کہ اس صنم کے لئے متولی تھے اور کلید بردار۔ با این ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ان بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں فرمائی۔ قریش نے اس بنا پر کہ ہر بات ممتاز رہنا چاہیے یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایام حج میں قریش کے لئے عقیقات میں جانا ضرور نہیں۔ اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئیں وہ قریش کا لباس اختیار کریں۔ ورنہ انکو عریان ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر طواف عریان کا رواج عام ہو گیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ان باتوں میں اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔ بقرہ البنی جلد ۱ بالکل صحیح ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جمالت و ضلالت کے افعال ذمہ اور مراسم قبیحہ میں کبھی اپنی قوم اور اپنے وطن کا ساتھ نہ دیا۔ اور نہ اون میں شرکت فرمائی۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ شبلی صاحب کی نظر توجہ ہمیشہ خاندان رسول پر

مبذول رہتی ہے اور شروع سے لیکر کفار قریش اور مشرکین کعبہ کے افعال ذمہ کی تصدیق و شہادت میں خاندان رسول ہی کے رویہ اور اطوار کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ شبلی صاحب اپنے اس انداز بیان میں سخت عالم فہمی سے کام لے رہے ہیں اور سخت نفرت انگیز اور مغویانہ طریقہ سے قوم اور خاندان کو ایک ہی معنی میں مبتلا رہے ہیں حالانکہ معمولی علم و اطلاع والا شخص بھی دونوں لفظوں کے فرق بالمعنی کو پورے طور سے جانتا ہے۔ قومیت ایک علیحدہ شے ہے اور خاندان ایک جداگانہ شے ہے۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ قوم کے تمام لوگ اس کے خاندان میں داخل شمار کئے جائیں۔ لیکن شبلی صاحب کو تو اس عام قریبانہ و مغویانہ ترکیب سے تعظیم اور مساوات فی المدارج کے غلط اصول قائم کرنے کی ضرورت خاص لاحق ہے۔ جب ان کے عقائد اعتبار سے ان کے تمام موضوع تالیف کی ترکیب و ترتیب کا انحصار ہے۔ اسلئے اگر وہ ابتداء ہی سے قوم کو خاندان اور خاندان کو قوم نہ بتلائیں تو تعظیم و مساوات کی ترکیب قدیم کیسے ٹاٹے گی۔ یہ ضرورت تھی جس نے شبلی صاحب کے قلم سے خاندان رسول کے اکابر افراد کو ضحکہ کا ستولی لکھ کر بتلائے جانے پر جرات دلائی۔ اور پھر کفار مکہ اور مشرکین کے اون جاہلانہ مراسم حج بجالاتے وقت ننگے ہو کر طواف کرنے میں بھی انکا شامل ہونا شہادت کے طور پر پیش کیا۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ کفار قریش میں یہ جاہلانہ رسم ضروری جاری تھی۔ جمال عرب برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے آپ کے حوالے کے مطابق ابن ہشام نے ان کے اس وحشیانہ کردار کو پوری تفصیل سے جلد اول صفحہ ۶۶ مطبوعہ مصر میں لکھا

اور ہم نے انکی تمام عبارت کو غور سے پڑھا ہے۔ لیکن انکی عبارت میں آپ کی طرح خاص خاندان رسول کی تو کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ بلکہ عام لفظ قریش سے واقعہ کی تفصیل آغاز کی ہے۔ ان کی ابتدائی عبارت یہ ہے۔ قال ابن اسحق وقد كانت قریش لا ادری قبل الفیل او بعدہ ابتدعت رای الخمس الخ ان اسحق کہتے ہیں کہ قریش نے قبل واقعہ الفیل یا بعد اس کے واقعہ مس کی ہجرت کو آغاز کیا۔ قریش میں خاندان رسول ہی اسی طرح شامل ہے جس طرح خاندان ابو جہل اور خاندان ابوسفیان پھر اس میں خاندان رسول کو اس خصوصیت سے لکھنے کا آپ کو کون سا حق حاصل تھا۔ اور ابن ہشام کی مرقومہ بالا عبارت میں آپ کے کس لفظ سے اس تخصیص و خصوصیت کے معنی پیدا کئے اور یہ مطلب کمال لئے۔ ہاں۔ اگر اس عبارت میں بنو ہاشم یا بنو عبد المطلب من قریش کے الفاظ تصریح و تخصیص ابن ہشام نے لکھے ہوتے تو آپ خاندان رسول کی تصریح و تخصیص فرمانے کے ضرور متحقق تھے۔ جب صورت حال ایسی نہیں ہے تو آپ نے صریح فریب دہی کی نیت خاص سے خاندان رسول کی تخصیص فرمائی ہے۔

شعبلی صاحب ہر واقعہ کو دیکھ کر لکھتے۔ دیکھتے قوم قریش میں سے بھی جس قبیلہ اور شیرہ نے اس رسم جاہلیت پر اصرار و تفتار کیا ہے۔ اور دوسرے قبیلوں والوں سے امتناع و انکار کے موقع پیکار کی ہے۔ انکی تفصیل اشعار عرب کی شہادتوں سے ابن ہشام نے پوری تصریح کے ساتھ جلد اول ص ۶۸ میں قلمبند کر دی ہے۔ لیکن آپ نے نہ اس کو پڑھا اور نہ پوچھا کیا اس نے اپنی کتاب میں صفحہ ۶۸ کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ آپ کا خاص مولفانہ طریقہ استخفاف و اسقاط حالات ہے۔ ہم اسکی تفصیل اسی صفحہ ۶ سے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) گفار قریش کے اس معاہدے میں سے پہلے بنی عامر جو قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ تھا داخل ہوا اور انہوں نے عمر بن معدے کرب کو اسکے متعلق فخریہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

(۲) بنی عامر کے ایک قائم مقام عباس بن مرواس السلمی نے جنگ جملہ کے موقع پر اس رسم جاہلانہ کو اپنی مفاد کے اشعار میں منظوم کیا۔ اس گزائی میں بنی عامر اپنے مخالف قبیلہ بنی خطلہ پر غالب آئے۔ اسی معرکہ میں نقیض بن زرارہ بن عدس قتل ہوا۔ اور عمر بن عمر بن عدس بن زید بن عبد اللہ بن دارم بن مالک بن خطلہ بھاگ گیا۔ پھر اسی جنگ قبائل کے اخیر سلسلہ میں بنی خطلہ نے اپنے حریف کو شکست دی۔ یہ جنگ نجب کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں جہان بن مویہ الکندی جبکی کنیت ابو کبشہ تھی۔ بنی عامر کی طرف سے قتل ہوا۔ زید بن الصیق الکلابی اسیر ہوا اور طفیل بن مالک بن جعفر بن کلاب ابو عامر بن الطفیل بھاگ گیا۔

آپ شعبلی صاحب فرماتے ہیں کہ ان دعوی داران اور مدعا داران رسم جس میں رسول صلعم کے خاندان کے کسی ایک فرد کا بھی نام پایا جاتا ہے۔ یا کسی نوع و طریقہ سے ان معرکوں اور ان کے اسباب میں ان حضرات کی سازش و شرکت کا کہیں بڑے نام بھی ذکر پایا جاتا ہے۔ پھر شعبلی صاحب نے کس رعایت نسبت اور خصوصیت کے اعتبار پر خاندان رسول

کو اس جاہلانہ اور وحشیانہ مراسم کے ساتھ خاص طور پر منسوب کیا اور یہ ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مراسم جاہلانہ میں اپنے خاندان کے شریک نہ ہوئے۔ کیا ابن ہشام کی کسی عبارت سے شہابی صاحب نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والے بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب بھی کفار قریش کی طرح ننگے ہو کر طواف کرتے تھے؟ یا ابن ہشام۔ ابن اثیر۔ طبری وغیرہم کسی عربی مؤرخ کی سند سے یہ واقعہ تحریر فرمایا جو تاکہ عبد المطلب یا اون کے کسی صاحبزادہ کو کسی شخص نے ننگے ہو کر طواف کعبہ کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ اگر کوئی ایسا واقعہ ابن ہشام وغیرہ سے نقل کیا جاتا تو ہم آپ کے اس دعوے کی صحت اور اس بیان کی اصلیت پر اعتبار کرتے۔ افسوس ہے۔ آپ کی اس خود غرضی پر اور ایسی مغویانہ و لیری پر آپ اپنے قلم سے بلا تامل اور پس و پیش وہ باتیں لکھتے ہیں جن کا نشان آپ کے اصلی مآخذوں میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ اور اس پر یہ سخت لیری کہ ماخذ کا حوالہ بھی دیدیتے ہیں۔ صرف یہ سمجھ کر کہ مصر کی چھپی ہوئی ابن ہشام۔ ہندوستان میں کہاں ملتی ہے اور کون دیکھتا ہے۔ استغفر اللہ ربی۔

اب دیکھئے۔ اسی ابن ہشام سے خاندان رسول ص کے اس شمول کی حقیقت کہاں تک صحیح معلوم ہوتی ہے۔

ابن اسحاق عبد اللہ بن ابی بکر سے بن محمد بن عمر بن حزم سے وہ عثمان بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم سے وہ اپنے چچا نافع ابن جبیر سے وہ اپنے باپ جبیر بن مطعم سے ناقل ہیں جبیر کا بیان ہے کہ ہم نے قبل نماز وحی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام عرفات میں قوم کے لوگوں میں سے اپنے خاص اوت پکڑے ہوئے دیکھا پھر آپ میرے سامنے اونچین لوگوں کے ساتھ ہو تھیں اسی جو اس وقت ان کے شامل حال تھے تشریف لے گئے۔ ص ۷۹

قال ابن اسحق حدثني عبد الله بن ابي بكر بن محمد بن عمر بن حزم عن عثمان بن ابي سليمان بن جبير بن مطعم عن عمه نافع بن جبير عن ابيه جبير بن مطعم قال رايت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قبل ان ينزل عليه الوحي وان له لواقف على بعيد له بعرفات مع الناس من بين قومه حتى يدفع معهم منها وفي قلصن الله ورسوله صلعم ص ۷۹۔

اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ مقام عرفات میں جانا اس رسم جنس کے رُوس بالکل ترک کر دیا گیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند لوگوں کے ساتھ قبل بعثت عرفات میں موجود تھے۔ اور راوی کے مطابق۔ وہاں توقف فرما کر اوسکے سامنے ہی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تشریف لگے۔ اب فرمائیے۔ قوم کی قوم۔ خاندان کا خاندان؟ آپ کے بیان کے مطابق تو اس رسم قبیلہ میں شریک و شامل تھا۔ تو پھر آپ کے ساتھ یہ کون حضرات تھے جنکو جبیر بن مطعم نے دیکھا۔ شہابی صاحب کی دیانت و ذہانت جو کہے۔ لیکن دنیا کی عدالت اور امانت تو یہی شہادت دیگی کہ وہ حضرات ممتاز بن بنی ہاشم تھے اور معزز بن بنو عبد المطلب۔ تو فیقات الہی اسی وقت سے جنکے شامل حال تھے اور اسی وقت سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کو اپنا امتعا سے شرافت اور دعائے قربت سمجھتے تھے

واقعات مناقصہ شان رسالت

شہابی صاحب مرقومہ بالا عبارت میں جس رسول کے ایسے خصوصیات

اسکے فائز رسالت ہونے سے پہلے اس اہتمام و شان سے دکھلا چکے ہیں اور آئندہ عبارت میں اس کے اطوار و رفتار کو محض عامیانہ طور پر مچھولات کے مقدار تک خود لکھ کر بتلائے ہیں۔ عبارت یہ ہے۔

(۱) عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا۔ راتوں کو لوگ تمام اشغال سے تیار غ ہو کر کسی مقام میں جمع ہوتے تھے۔ ایک شخص حکو اس فن میں کمال ہوتا تھا۔ داستان شروع کرتا تھا۔ لوگ بڑے ذوق و شوق سے رات رات بھر سنتے تھے۔ بچپن میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس جلسہ میں شریک ہونا چاہا۔ لیکن راہ میں شادی کا کوئی جلتھا دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے وہیں نیند آگئی۔ اٹھتے تو صبح ہو چکی تھی۔

(۲) ایک دفعہ اور اسیا بھی اتفاق ہوا۔ اوس دن بھی یہی اتفاق پیش آیا۔ چالیس برس کی مدت میں صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا۔ لیکن اندرون دفعہ توفیق الہی نے بچا لیا کہ تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے۔

ان دونوں واقعات سے معلوم ہوا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے جلسوں میں جن پر عجب اور افعال و اشغال عیش کی تعریف پوری مطالب ہوتی ہے دلچسپی لیتے تھے۔ اور انہیں شرکت فرمانے کی اکثر ترغیب کرتے تھے۔ لیکن توفیق الہی ہر بار آپ کو اس کی شرکت سے بچا لیتی تھی۔ اس بنا پر ثابت ہو گیا کہ وہ عمل جن میں آپ شریک ہونا چاہتے تھے۔ حقیقتاً مذموم و معیوب اور شان رسالت کے خلاف تھا۔ اور جو امتناع شرکت کی قدرت عملی شریک نکال یعنی تھی وہ مستحسن اور جائز تھی۔ مگر شبلی صاحب کے تحریر کردہ واقعات اسکے خلاف بتلاتے ہیں۔ جن مجمع میں آپ شریک ہونا چاہتے تھے۔ وہ عربوں کی داستان گوئی کی صحبت تھی۔ جس میں وہ غالباً اپنے اسلاف قدیم کے معرکہ آرائیان۔ نموداریان۔ شجاعت۔ دلیری۔ داؤد و ہش اور دیگر صفات و خصوصیات کے ذکر بیان کرتے ہونگے اور اس میں بھی کلام نہیں کہ ادن میں مبالغہ آمیزوں سے کام لیتے ہوں گے۔ لیکن با اینہم ان میں بظاہر حرام غیر مشروع اور باعث معصیت ہونے کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی۔ تاوقتیکہ ان صحبتوں کے مجسمہ و بلفظہ تقریر لکھ کر ان کے حرام اور غیر مشروع ہونیکے ثبوت کامل نہ ہو پچائے جائیں۔ اس بنا پر اگر یہ مجمع الباسی داستانیں اور واقعات سننے کے خاص موقع اور مقامات تھے۔ تو پھر یہ مذموم کیونکر کہئے جائیں گے۔ اور انہیں کسی کی شرکت معیوب کیسے کہی جائیگی۔ اس سے زائد تو شبلی صاحب کی استخفاظ شرکت کی جو تدبیر لکھتے ہیں وہ مذموم اور مقبوح معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ خود لکھتے ہیں لیکن اتفاق سے راہ میں شادی کا کوئی جلتھا دیکھنے کیلئے کھڑے ہو گئے۔ نیند آگئی۔ اٹھتے تو صبح تھی۔

بقول آپ کے توفیق الہی نے ایک مشغلہ سے بچانے کے لئے جس دور سے مشغلہ کی طرف متوجہ کر دیا۔ وہ شادی کا جلتھا اگرچہ اس جلسہ شادی کے بھی کوئی تفصیلی حالات نہیں لکھے گئے لیکن اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ جلسہ داستان گوئی کے مجمع سے زیادہ پر لطف اور دلچسپ ہوگا۔ تب تو شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ انہو بائشہ آپ دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور نیند آگئی۔ اٹھتے تو صبح تھی گویا رات بھر اسی جلسہ میں کٹ گئی۔ مگر جب اس جلسہ شادی کی کوئی تفصیلی حالت نہیں لکھی گئی تو شبلی صاحب



اپنے شادی کے جلسوں کی مثالوں پر اندازہ کر کے خود تصفیہ فرمایا کہ آپ کی عقیدت رسول کی معرفت۔ ایسے جلسوں  
مجمعوں اور صحبتوں میں۔ رسول تو درکنار غلامان رسول تک کی شرکت کو ایسی محویت و مصروفیت کے ساتھ کہ شام  
سے صبح کر دی۔ ایک منٹ کے لئے بھی گوارا کرے گی۔

شبلی صاحب اپنی جاوید بیجا پر جوشیوں میں جاوید بیجا اور مناسب و غیر مناسب طریق و انداز بیان کا  
اپنی تحریر و بیان میں مطلق خیال نہیں کرتے۔ آپ نے عیسائیوں کے اس اعتراض کے جواب میں کہ آنحضرت صلعم  
خیالات و جذبات میں جو کچھ تغیر آیا ہے وہ ادعا ہے رسالت کے بعد۔ ورنہ آپ کے طرز و اطوار سب آپ کی قوم کے لوگوں  
کی طرح تھے۔ آپ کس قدر چراغ پا ہوئے اور اپنی گذشتہ بحث بیان میں کتنی کد و کاوش اور سعی و کوشش سے ادنیٰ تعریف  
کی تنقید فرمائی یہاں تک کہ صحیح بخاری کی ہی تعلیظ کی نوبت ہو چلی۔ اب اگر یہی عیسائی آپ ہی کی اس تحریر کو وہ طوا  
رسول کو اپنے دعویٰ اعتراض کا شاہد بنائیں تو آپ کے پاس اونکا کیا جواب ہوگا۔ مشکل تو یہ ہے جبکہ ہم اکثر مقامات  
پر دیکھتے آئے ہیں کہ آپ ایک مقام پر ایک واقعہ کا اقرار کرتے ہیں اور دوسرے مقام پر اسی سے انکار فرماتے ہیں۔ اس  
تکون طبعی کا کیا علاج ہو سکتا ہے یہ دونوں واقعات جو لکھے گئے ہیں ان کے مافزون کا بھی کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے کہ حقیقت  
حال کی کچھ تحقیق کی جاتی لیکن ہم کو اس بات کا خود یقین ہے کہ آپ نے انکو بے مافزون کے نہیں لکھا ہوگا۔ جہاں اب اصحاب شدہ  
ہی ہوں گے نہ ارباب تاریخ۔ سب سے زیادہ مضحکہ انگیز طریقہ تو آپ نے یہ اختیار فرمایا ہے کہ حاشیہ زیر صفا میں انکے اسناد و  
حوالہ کی جگہ۔ سر ولیم میور صاحب کی یہ عبارت ترجمہ نقل فرمادی ہے۔

سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ ہماری تمام تصنیفات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں انکے جان چلن کی  
عصمت اور انکے اطوار کی پاکیزگی پر جواہل مکہ میں کیا اب بھی متفق ہیں؟

بچے تک جانتے ہیں کہ یہ شہادت کیسی ہے۔ اس شہادت کے اندراج سے تو خود شبلی صاحب پر یہ اعتراض  
قائم ہو جاتا ہے کہ سر ولیم میور اور تمام عیسائی مصنفین تک آپ کے اطوار کی پاکیزگی کو اتنے اعلیٰ درجہ تک بتلاتے ہیں۔  
بخلاف انکے آپ سلمان ہو کر انکو ایسے عامیانہ معمولات اور بازارانہ گپ اور ہوا و لعب کے جلسوں اور صحبتوں میں شام  
سے صبح تک محو الوودہ دکھاتے ہیں فافہم قدر۔

ہم ایسے غلط فہم نہیں کہ آپ کے اس مضمون کو بلا سنجیدگی سے لکھتے ہیں کہ آپ نے اسکو اپنے اسلاف کے کسی مافزون  
اصل سے نقل کیا ہوگا۔ لیکن نقل کرنے کے وقت آپ نے اسکی نتیجہ پر غور نہیں کیا کہ سہ این راہ کی سیروی بترکان است  
آپ جن حالات و واقعات سے ذات رسول کی عصمت اور پاکیزگی قبل از نبوت ثابت کرنا چاہتے ہیں وہی واقعات معمولی  
اور عامیانہ جلسوں اور مجمعوں میں آپ کے رسول کی شرکت اور محالست ثابت کرتے ہیں اور پھر اتنی محویت کے ساتھ کہ شام  
صبح ہو گئی۔ رہبر توفیق بھی استغفار رسول کی نسبت ایک سوتی ہوئی تدبیر عمل میں لاتا ہے۔ اور اعلان مکروہ و نامشروع جلسوں

کے مشاہدے سے باز رکھنے کے لئے صرف رسول کو وہین سلا دیتا ہے۔ اس سے اتنا نہیں بن پڑتا کہ رسول کو گھر پہنچا دیتا کہ مشاہدہ معصیت کے ساتھ شرکت ہو و لعب کے الزام سے بھی پورا استغنا ہو جاتا۔ نہ ایسے ایسے سراپا غلط واقعات اسلامی کتابوں میں مندرج کئے جاتے نہ ان کی بنا پر آج ان گمراہانہ اعتراضات کا مخلفین کو موقع ہاتھ آتا۔ یہ دلائل صاف بتلا رہے ہیں کہ یہ واقعات و حالات ہی بالکل غلط ہیں۔ نہ ان کی کوئی اصل ہے نہ حقیقت۔ طبقہ اسلام میں مساوت اور سلسلہ حضرت سید الانام میں تعمیم و طریقہ عام پیدا کرنے کی غرض سے پہلے خاندان رسولؐ کو اس کے بعد۔ شان رسول صلعم کی یہ پوچھنی گئی۔ فاحتر وایا اولی الالبصار۔

یہ تو قبل بعثت کے حالات تھے۔ عین زمانہ رسالت میں اور خاص صحن مسجد میں۔ جب رسول اللہ کی طرف (معاذ اللہ) حبشیوں کے پناح و پکھناؤ روکھنا نامناسب و مشہو کیا جاتا ہے تو قبل بعثت ان کو و لعب کے مشاغل کی کیا شکایت ہے۔ دے گرا ز پس لہر و زبور و فرواے۔ افسوس تو یہ ہے کہ دوسروں کی پردہ پوشی کے لئے رسولؐ کی اتنی اور ایسی پردہ داری کی جاتی ہے۔ ہم بار بار کہتے چلے آتے ہیں کہ شعبی صاحب اور ان کے اسلاف متقدمین نے حقیقتاً شان رسولؐ ہی کو نہ بھما ہے اور آج تک سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ پہلے یہ حضرات شان رسولؐ کی حقیقی معرفت کا سلیقہ پیدا کر لیں۔ ہم پھر سمجھائے دیتے ہیں کہ قبل و بعد رسالت کی شرط بیکار ہے۔ جب ہم نے ذات رسول صلعم کو از اول تا آخرہ فطرۃ صالحہ لہذیرہ پر قائم و مترتب تسلیم کر لیا تو پھر عام اس سے کہ صلاح والے ایسے مناقصہ شان رسالت واقعات لکھنے والے ثابت ہوتے ہوں یا مسانید و مشن والے ہم کو کاپا بند نہیں

## نزول وحی اور حصول رسالت

نبی صاحب نزول وحی اور حصول رسالت کی تفصیل کی ابتداء عبارت سے فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سے دنیاوی تعلقات تھے۔ تجارت کا کاروبار تھا۔ متعدد اولادیں تھیں۔ تجارت کی ضرورت سے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا لیکن دست قدرت کو جو کام لینا تھا وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا۔ دنیا اور دنیا کے تمام کام آپ کو بیچ نظر آتے تھے۔ تاہم مطلوب حقیقی کا اتنا تک پتہ نہ تھا۔

بالکل صحیح ہے۔ تفویض رسالت اور تعین نبوت کے وقت یہ تمام تعلقات معاشرت آپ کے گرد و پیش تھے جو خدا کی طرف سے اسوۂ حسنہ بنا کر دنیا اور اہل دنیا کی ہر سبت و ہدایت کی غرض سے دکھلائے جانے والے تھے۔ اور احصاء بحر و اور رہبانیت کے ہزار سالہ طلسم ہمیشہ کے لئے توڑے جانے والے تھے۔ اور ان کے خلاف اہل عالم کو تعلیم دینی منظور الہی تھی کہ دنیا کے تمام جائز اور حلال تعلقات کے ساتھ رکھیں۔ الہیات و دینیات کا مبلغ اخلاقیات و سیاسیات کا معلم معرفت الہی کی کافی تعلیم دے سکتا ہے۔ اور رہنمائی گوین کے تمام خدمات ادا کر سکتا ہے اور یہی تعلیم کامل نے تمام بنی انسان کے قلوب پر پیریزین اصول کا لچر کر دیے کہ دیتا اگر اصول دین اور وحدہ و شریعت کے اندر ہے تو عین دین ہے۔

یہاں تک تو شبلی صاحب کی ذہانت شان رسالت اور اوصاف نبوت کے مطابق ہے لیکن آپ کا اخیر فقرہ کہ تمام مطلوب حقیقی کا ابتک پیمانہ تھا۔ تاہل قبولیت نہیں اسلئے کہ آپ کے اوسے قدیم اصول تعلیم کمپیٹ راج ہے اور پھر اس فقرہ پر بھی وہی عیسائیوں کا گمراہانہ قیاس کہ تو کچھ آپ کی ذات میں تغیر آیا وہ وقت رسالت سے "صادق آجاتا ہی لاجول والاقوة۔ حالانکہ یہ مطلقہ واسطہ ہے۔ رسول کی بدیہی عصمت ذاتی قدیم رہی ہے اوسکی معرفت الہی بھی قدیم ہے اوسکی فطرت نبویہ ابتداء ہی سے علم لدنیہ کے فیوض و آثار پر فائز ہے۔ وہ ہایت و ارشاد کے لئے صرف ایک مدت خاص تک جسکی مناسبت اور مصلحت کا علم خاص ذات باری تعالیٰ کے متعلق ہے وہ مآذون و مامور نہیں کیا جاتا ورنہ اوسمیں تمامی اوصاف و علامات نبوت بتفویض رسالت کے قبل سے پائے جاتے ہیں۔ ہمارے رسول برحق کے متعلق کتابوں میں کثیر التعداد واقعات ایسے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اکابر عرب نے قبل از نبوت آپ کو دیکھ کر انہیں محاسن اوصاف و کرام اطوار کے اعتبار پر آپ کو نبی اللہ ہونیکلی صحیح شہادت پہونچائی تھی۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں ایسی خبر واقعات کو ایک علمیہ باب میں جمع کر دیا ہے۔

اس نیا پر یہ لکھنا کہ ہمارے رسول کی پالیس برس تک خدا کا پیمانہ لگا۔ اور چالیس برسوں کے بعد بعثت کے وقت سے وہ خدا کا شناسا ہوا۔ عقائد مسلمہ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ خود باری اگر فرض محال ایسا ہی ہے تو پھر چالیس برس تک وہ کس وجود کا قائل اور کس مسلک کا سالک تھا؟ اور پھر دوسرے اور ورقہ بن نوفل اور عثمان بن حویرث وغیرہ کی ذات و صفات میں کیا فرق مابہ الامتیاز باقی رہا۔

پھر ہم وہی کہیں گے کہ شبلی صاحب شان رسول کو سمجھے ہی نہیں۔ پہلے آپ سمجھ لیں کہ قبل بعثت انبیاء و مرسلین کے قلوب نورانی کیوں سے احوال مخصوصہ ستوری ہوتے ہیں۔ وہ ابتداء ہی سے خدا کے وجود کو کیا اور اس کے ازلی اور ابدی ہونے کا یقین کامل رکھتے ہیں اور اوسمیت اور کونہ خدا کی تمام ذات و صفات کا علم راسخ اور یقین واثق ہوتا ہے۔ وہ رسالت و نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے۔ عالم کائنات کے تمام اشیاء اور اذن کے تمام افراد و اجزاء سے اوس صانع برحق اور قادر مطلق کی قدرت کا مشاہدہ اور ثبوت قائم کیا کرتے ہیں۔ اور حقیقتاً اس عالم اور اس زمین میں وہ اپنی واقفیت علم کو یقین اور پھر یقین کو سکینہ الہی کے انتہائی حدود تک پہونچاتے ہیں اور زمین سے حدود و انسانی کی انتہا اور فضا کی ملکوتی کی ابتدا ہوتی ہے جبکہ پہلا یہ رسالت ہے۔ ان کے اس غور و تفحص اور فکر و تجسس فی ذات کو خدا صکر تلاش وجود سے تعبیر کرنا محض غلط فہمی ہے۔ اور یہی فہمی شبلی صاحب کو بھی بیان لاجی ہوئی ہے حقیقت میں یہ مطلوب حقیقی کی تلاش نہیں تھی۔ بلکہ اوس غیر مرئی وجود کا ثبوت اوسکے ظاہری مخلوقات و مصنوعات کے مشاہدات سے حاصل کر نیکا ریاض تھا۔ اور اس تلاش و جستجو سے معاذ اللہ تشکیہ قلب کا دم و گمان نہیں کیا جاسکتا بلکہ تسلیہ قلب کا یقین ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم نے خداوند عالم کے اس سوال (اَوَلَمْ نَقُومِمْ) کیا تم مجھ پر ایمان نہیں رکھتے کے جواب

مِنْ قَوْلِ ارشاد فرمایا کہ نَبِیٍّ اَوْ لَکِنْ لَیْطَمِیْنَنَّ قَلْبُیْ۔ ہاں میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں لیکن یہ استفسار صرف اطمینان طلب کی غرض خاص سے ہے۔ اس واقعہ اور اسی کے ایسے خاص حضرت ابراہیم اور مشاہدہ اجرام فلکی حضرت خضر و موسیٰ اور حضرت داؤد و سلیمان علی نبیا وآلہ و علیہم السلام کے حالات و تفسیرات میں درجہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ ان حضرات مقدسین کو قبل و بعد رسالت ان تفسیرات سے وجوہ الہی کی خاص تلاش منظور نہیں تھی بلکہ اس کے ثبوت قدرت کی جو عین ثبوت وجود تھے کیونکہ ذات الہی عین صفات ہے اور صفات عین ذات۔ اس غور و تفحص اور تلاش و تجسس میں وجود قدرت کی جلوہ آرا مطلوب تھی اور اس کے مشاہدے اور معائنے و کار تھے۔ جتنکے ذریعہ سے انکی معرفت اور تبلیغ رسالت کی ضرورت میں اور استحکام و تقویت سے ولأجل و براہین بیان کرنے اور دنیا کے آگے بدہیات کی صورت میں مثال پیش کرنے میں آسانی اور سہولیت حاصل ہو۔

اب شبلی صاحب سمجھ لیں۔ شان رسول یہ ہے اور اسکی تلاش اور جستجو انھیں مشاہدات قدرت کی طرف تھی نہ الہی وجود قادر مطلق کی جانب اس بنا پر آپ کا آخر فقرہ آپ کی صریح غلط فہمی پر مبنی تھا۔ جسکی الحمد للہ کامل اور کافی اصلاح کر دی گئی۔

شبلی صاحب کسی نمونہ کو سلسلہ سے کبھی نہیں لکھتے۔ نزول وحی کی ابتدا آخر مراتب وحی سے کی گئی ہے اور اس کا آغاز واقعہ حرا و نزول اقرار سے کیا گیا ہے۔ اس سے دینیات کا مبدی۔ اس بیان کو پڑھ کر حقیقت وحی کو یہیں تک محدود کر دیگا۔ اور سمجھ لے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک بارگی یوہن وحی آسمان سے اتر پڑی۔ شبلی صاحب۔ آپ نے کتاب خاص و عام۔ سب کی واقفیت و اطلاع کے لئے لکھی ہے۔ ہر نمونہ کی تفصیل کو خاص طبعات کے علم و اطلاع پر منحصر کر کے قلم انداز کر دیتا۔ عوام کو کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ اس بنا پر آپ کو نزول وحی کے مدارج و مراتب سلسلہ وار (بالاختصار ہی سہی) لکھ کر بتلا دینا نہایت ضروری تھا۔ کہ ان کی سمجھ میں آجائے کہ مدبرین قدرت نے اپنے رسول کے پیکر انسانی پر مدارج روحانی کے بار۔ بتدریج اور رفتہ رفتہ نازل فرمائے ہیں کہ وہ پیکر مظهر اس کے جلال قدرت کو اپنی امکانی قوت کے مطابق سمجھال سکے۔ طرفہ تو یہ ہے کہ حواشی زیرین میں کہیں کہیں حسب العادت اسکا اشارہ بھی کر دیا گیا ہے پھر نہیں معلوم کہ مصلحت سے وہ مضامین و عبارات داخل کتاب نہیں کی گئی۔

شبلی صاحب سے بات بات پر کون اور لچھا کرے۔ ہم شبلی صاحب کی ان تمام فروگزاشتوں سے قطع نظر کر کے جبکہ ہم انکو مقام تفصیل سے بیان کرینگے جناب رسالت آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغراق فی اللہ اور جس فی اثبات الوجود المعجوز کے عوالم و کوائف کو جنہیں مدارج وحی کی حقیقت بھی ضمنا داخل ہے۔ ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ اور بالاتفاق جمہور یہ ثابت ہو کہ معارف ربانی اور مکاشف روحانی کے یہ عوالم و آثار قبل انعشت آپ کے قلب نورانی پر مستولی ہوا کرتے تھے اور بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم کے حسن معاشرت اور اس کے جائز اور ضروری مشاغل میں آپ کا



انہماک دنیا کے لئے اسوۂ نہ تھے لیکن جیسا کہ شبلی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ با اینہم دست قدرت کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کام لینا تھا وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا۔ اس لئے اس کام کے مقابلہ میں جو منجانب اللہ آپ کی فطرت صالحہ کے ساتھ مخصوص فرمایا گیا تھا آپ دوسرے کاموں کو ہم مقدار اور بیوجہ سمجھتے تھے۔ اور زیادہ تر ایسی فرض مخصوص کی طرف متوجہ رہا کرتے تھے۔ وہ فرض مخصوص کیا تھا۔ پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ وہ ذات واجب الوجود کا ادراک اور عالم کائنات کے ہر ہر جزو سے اس کے ظہور قدرت کا ثبوت۔ اور اشیائے مخلوق میں انوار خالق کے مشاہدہ قدرت کا اشتیاق تھا۔ اگرچہ یہ عالم آپ کی فطرت صالحہ کے ساتھ مخلوق ہوا تھا لیکن خلقت انسانی کے اصول نمودار تھا کی مطابق۔ جیون بیون سن مبارک میں ترقی ہوتی گئی۔ ان جذبات روحانیت میں بھی افزائش ہوتی گئی۔ تاہم ایک وقت ثبوت سن میاؤں چالیس برس کا ہو گیا تھا اسی مقدار سے آپ کے ان قلبی اور روحانی انوار معارف میں بھی کامل اضافہ پیدا ہو کر یہ کمال بھی تکمیل کے درجہ تک پہنچ گئے۔

انہیں جذبات روحانی کے اثر سے جیسا کہ تمام تاریخ و سیر کے اتفاق اور کتب تفسیر و حدیث کی تفصیل و بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ آپ بسا اوقات گھر سے باہر میدانوں۔ بیابانوں اور کوہستانوں میں نکل جایا کرتے تھے بیہفتوں اور مہینوں کی فراق اور اوستے دنوں کا پانی اپنے ہمراہ لے لیا کرتے تھے۔ اور مہینوں۔ بیابانوں اور کوہستانوں میں قدرت الہی کے عجائب و غرائب اور اسکی صنعت لامتناہی کے مدایح و مناصب کا براہ العین مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔ اور ان مشاہدات سے اس کا درمطلق اور صانع برحق کے وجود کا ثبوت حاصل فرما کرتے تھے تاوقتیکہ ایک شے کی حقیقت کامل طور سے نہ معلوم ہو لیتی تھی۔ دوسری شے کی ماہیت کی تلاش کا سلسلہ نہ اٹھایا جاتا تھا۔ اگر اسد میدان میں کمانے پینے کی چیزیں تمام ہو جاتی تھیں تو گھر واپس تشریف لا کر بقدر ضرورت پھر وہ چیزیں ہمراہ لے لی جاتی تھیں اور پھر انہیں مقامات میں واپس آجائے تھے۔ بسا اوقات ان تحقیقات کا مشاہدہ انوار الکیات کے ذریعہ سے عالم رویا میں ہو جایا کرتا تھا بعض اوقات انعام۔ الفا۔ اور تدا کے طریقہ سے مسئلہ تحقیق طلب کا فیصلہ آخری آپ کو بتلادیا جاتا تھا۔ نذا وغیرہ کی حالتوں میں آپ صرف کلمات نذا کو سن لیا کرتے تھے۔ اور نذا کنندہ کو باوجود تفحص و تلاش کے اپنے گرد و پیش کہیں بھی نہیں پاتے تھے درہمائے جہل کے خلوک و کدوں میں کبھی اپنے وجود فانی سے اس کے وجود باقی اور ازلی کے ثبوت فراہم کئے جاتے تھے۔ یہی آپ کی ابتدائی عبادت تھی۔ جسکو علمائے تاریخ و حدیث نے تحفۃ کی خاص اصطلاح سے تمام کتابوں میں لکھا ہے اور حقیقت یہی یہی تھی۔ اسوقت ہی تغلا و تحسب فی اثبات الوجود۔ آپ کی عین عبادت تھی جن لوگوں نے انبیاء سابقین کے حالات اور خصوصاً حضرت ابراہیم کی تحصیل معرفت کے واقعات کم سے کم اسوۃ الرسول جلد اول میں پڑھے ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مجاہدانہ تجسس ذات کو حضرت ابراہیم کی تلاش وجود سے بالکل مطابق پائیں گے۔ ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں آپ کی اس عبادت کے حالات لکھتے ہیں۔ کہ کے کوہستانی مقامات میں

آپ نے جس مقام کو اپنی عبادت کے لئے تجویز فرمایا تھا وہ غار حرا تھا۔ یہ غار مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلہ پر اس کو ہستمانی سلسلہ میں واقع تھا جسکو جبل فاران کہتے تھے۔ یہ غار طول میں چار گز اور عرض میں پونے دو گز ہے۔ بعثت سے سات برس پہلے انوار الہی کی تجلیات اسی غار میں آپ پر ظاہر ہونے لگی تھیں۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی سفر السعادت میں لکھتے ہیں کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان انوار الہی کی ضوفاں میں کودیکمگز جیسا سرور ہوتے تھے۔ مگر ان تجلیات میں کوئی صورت یا اس سے کوئی آواز نہین پیدا ہوتی تھی۔ رحمۃ العالمین ص ۲۹

بعثت کا زمانہ جتنا قریب ہوتا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبع مبارک میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی جاتی تھی۔ ان ایام میں آپ اکثر یابی اور ستونیکر شہر سے کئی کوس دور غار حرا میں جا کر بیٹھ رہا کرتے تھے۔ اور شہادہ روز عبادت الہی کیا کرتے تھے۔ اس عبادت میں تہجد و تقدیس الہی کے علاوہ قدرت الہیہ پر تدبر و تفکر بھی داخل تھا۔ اور یہی آپ کی قدیم عبادت تھی۔ جسکو تخت سے تعبیر کرتے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ غار حرا میں آپ تخت یعنی عبادت کیا کرتے تھے۔ یعنی شرح بخاری میں ہے۔

|  |   |
|--|---|
| قبل ما کان صفۃ تعبدہ احببت بان ذلک بالتفکر والاعتبار | سوال کیا گیا ہے کہ اس وقت آپ کی عبادت کیا تھی۔ جواب |
|  | کہ غور و فکر اور غیرت پذیری۔                        |

یہ وہی عبادت ہے جو آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی۔ ستاروں کو دیکھا۔ تو چونکہ تجلی کی تھلک تھی۔ وہو کا ہوا۔ چنانچہ کلام اور شمع ہوا۔ آفتاب پر اس سے زیادہ لیکن جب سب نظروں سے غائب ہو گئے تو بیانتہ بکاروٹھے اَلَا اَحِبُّ اَلا فَلَین۔ میں فانی چیزوں کو نہیں پسند کرتا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ خَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اپنا منہ اسی کی طرف کر رہا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔

لیک مغربی مؤرخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی ہے۔

سفر و حضر میں ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل میں ہزار سوال پیدا ہوتے تھے۔ میں کیا ہوں؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ نبوت کیا شے ہے؟ میں کن چیزوں کا اعتبار کروں؟ میں کیا کام کروں؟ کیا کوہ مرا کی چٹانوں۔ کوہ طور کی سر فلک چوٹیاں کھنڈ اور میدان کسی نے بھی ان سوالوں کا جواب دیا۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ گنبد گردان۔ گردش لیل و نہار چمکتے ہوئے ستارے برستے ہوئے بادل۔ ان سوالوں کے جواب نہ دے سکے۔ سیرۃ النبی ص ۱۳۷ بحوالہ کارلائل بہرور

جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عالم خاص کو دیباچہ نبوت سمجھنا چاہیے۔ اس عالم کی تکمیل کے بعد آپ رو یا سے صادقہ ہوئے۔ لگے۔ اور ان کے ذریعہ سے انکشاف حقائق ہونے لگے۔ اس عالم سے نبوت و رسالت کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ صحیح بخاری کے شروع میں ہے اول ما بدعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الوحی الرؤیا و الصالحۃ فی النوم جس چیز سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی آتی نازل ہوئی وہ سچے خواب ہوتے تھے۔ اور خواب ہی کے ذریعہ سے آپ

اس عبادت کی عبادت کو تکرار سیر و اقامت کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ ان معاملات کو قد عرف نفسہ عرف ربہ جس نے اپنے نفس کو

اسرار منکشف ہونے لگے۔ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے بعینہ وہی پیش آتا تھا۔ سیرۃ النبی (حاشیہ نمبر ۱)۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ روایات صادقہ بھی وحی الہی کا ایک شعبہ خاص ہے شاہد ہے اسکے ثبوت میں بآئینی اَدْنٰی فی الْمَنَامِ حسین زوج اسماعیلؑ کی پوری خبر حضرت ابراہیمؑ کو عالم خواب میں دکھلا دی گئی تھی۔ لیکن یہ بھی یقین کر لینا چاہیے کہ یہ خواب انبیاء و مرسلین کے مقدس دایرے تک محدود تھے۔ ہمارے آپ کے خواب کو ان سے مناسبت نہیں ہے۔

ابن سیرین کے متعلق خود آنحضرت صلیم کے یہ اقوال نقل کرتے ہیں انا معشر الانبیاء تمام اعیننا ولا تمام قلوبنا ہلکون انبیاء علیہم السلام کی انگلیں سو جاتی ہیں۔ قلوب نہیں سوتے۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں تمام عینائی ولا ینام قلبی میری دونوں انگلیں سو جاتی ہیں لیکن میرا قلب نہیں سوتا۔ یہ حقیقت ہے انبیاء علیہم السلام کے خواب کی۔ خواب کی حالت خاص میں انبیاء کے قلوب نورانی انکشاف حقیقت کے لئے بیدار و کشاوہ رہتے ہیں۔ اس بنا پر اکثر حکماء اسلام نے انبیاء کے خواب بھی نقیضان یعنی بیداری میں شامل کیا ہے قبل نبوت ایک معتبر زمانہ تک اسرار الہیات کے انکشافات روایات صادقہ کے ذریعہ سے ہوتے رہے اسکے بعد نداء الامام کے مدارج وحی آغاز ہوئے۔ طبری نے نہایت تفصیل سے اسکی کیفیت لکھی ہے۔ ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

ابن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو سلمہؓ کو پوچھا کہ قرآن مجید میں کون کونسی پہلے نازل ہوئی ہے ابو سلمہ نے کہا یا ایہا المدثر۔ میں نے کہا لوگ تو کہتے ہیں اقرا باسم تکبیر سے پہلے نازل ہوا۔ ابو سلمہ نے جواب دیا کہ میں نے یہی سوال جابر بن عبد اللہ انصاری سے کیا تھا اور انھوں نے مجھے بتلایا تھا کہ قرآن میں سب سے پہلے یا ایہا المدثر نازل ہوا ہو میں نے بھی یہی اون سے کہا تھا۔ جابر بولے میں تمہیں وہی بتلاتا ہوں جو میں نے خود جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ میں حسب معمول غار حرا میں غزل کرتا تھا کہ خدا کا نثر شہ مجھ پر نازل ہوا اور مجھے ندا کی۔ میں نے دایں۔ بائیں اور آگے پیچھے ہر چند اس ندا

عزالی بن کثیر قال مثلت اباسلمہ ای القرآن انزل اول فقال یا ایہا المدثر فقلت یقولون اقرا باسم ربک فقال اباسلمہ سالت جابر بن عبد اللہ ای القرآن انزل اول فقال یا ایہا المدثر فقلت اقرا باسم ربک الذی خلق فقال لا الا ما حدثنا ابو سلمہ قال جارت فی حراء فلما قضیت جوارى هبطت فاستبطنت الوادی فودیت فخطرت عن عینتی وعن شمالی وحلفی وقد اعی قلما لاشیئا فخطرت فوق راسی فاذا هو جالس علی عرشین

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ پہچان دیا اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا کے مطابق اور الانسان بصیر علی نفسه (انسان اپنی نفس کا خود بینا ہے) کے حکم کے موافق ایسے ہی سوالات و جذبات قلب مبارک میں پیدا ہو کر آپ کو وجود باری تعالیٰ کے کافی ثبوت پہنچاتے تھے لہذا عیسان نے اس شعبہ وحی یعنی ذریعہ خواب کو بہت وسیع اور محض عام کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک ہر شخص اس خواب (وژن) کی صلاحیت رکھتا ہے اس شعبہ وحی پر کیا موقوف ہو خصوصاً جبکہ علماء یورپ تو ہر شاعر کے کمال کو کہاں نبوت کی سادگی اور شوق تبتلاتے ہیں تو وہ باطل المولف پیدا و لا حدیثی

نا کرنے والے کی تلاش کی لیکن کسی کو بھی نہ دیکھا۔ پھر میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس نے ناگنڈہ کو آسمان و زمین کے درمیان معائنہ کیا۔ دیکھ کر

السَّامِعُ وَالْأَبْصَرُ مِنْهُ خَائِفَتٌ خَدِجَتُهُ فَخَلَّتْ  
أُذُنُوهُ فَصَبَّأَ عَلَىٰ مَاءٍ قَالِ خَدِشُوا فَنِيَّ صَبَّأَ  
بَارِدًا فَزَلَّتْ يَاسَاجُهَا الْمُثَرَّ

مجھ پر طلال الہی کا رعب طاری ہو گیا۔ میں فوراً گھروٹ آیا اور خدیجہؓ سے کہا کہ مجھ پر کڑا دل دو میری منہ پر پانی چھڑک دو۔ میں گراؤں تو بھونے  
مجھ پر کڑا دل دیا اور ٹھنڈا پانی میرے منہ پر پڑا۔ تو وہ کیفیت زائل ہو گئی اسے بعد ازیں یا ایہا المدثر نازل ہوا۔ طبریؒ میں مبلووعہ جرمن  
صاحب رحمۃ العالمین نے مشکوٰۃ باسناء صحیحین اور تاریخ طبری کے متفقہ روایات سے ماخوذ فرما کر اس  
واقعہ کو یوں لکھا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چالیس سال قمری پر ایک دن اوپر ہوا تو نوین ربیع الاول سال ۱۱  
مطابق ۶ فروری ۶۱۰ء کو بروز دو شنبہ۔ روح الامین۔ خدا کا حکم نبوت لیا آنحضرت صلعم کے پاس آیا۔ اس وقت  
آنحضرت غار حرا میں تھے۔ روح نے کہا۔ اے محمدؐ بشارت قبول فرمائیے۔ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل  
ہوں۔ سفر السعادت مجد الدین فیروز آبادی۔ اسکے بعد نبی صلعم فوراً گھر میں آئے اور بیٹ گئے۔ بی بی سے کہا کہ مجھ پر کڑا  
دل دو (دھرونی) جب طبعیت میں ڈرا سکون ہوا تو بیوی سے فرمایا کہ میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے  
اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے۔ مشکوٰۃ ص ۵۱۴۔

نزول اقراء حسب المعمول ایک دن (باسناء طبری ۱۰۔ رمضان سنہ عام الفیل مطابق ۱۱۰۰ھ)

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں تشریف فرما تھے۔ کہ فرشتہ غیب (روح الامین) نے آکر  
آپ کو ان الفاظ ربانیہ میں بشارت دی۔

پڑھ (دعوت وحی) اوس خدا کے نام کو۔ جس نے کائنات کو پیدا کیا  
جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا پڑھ اوس  
خدا کے بزرگ نام کو یعنی اوس خدا کے بزرگ کے نام پر تمام لوگوں

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ  
مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ  
عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

کو دعوت دے۔ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں کہ جنکو وہ نہیں جانتا تھا۔

شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

آپ اس واقعہ کے بعد اسی وقت گھر واپس تشریف لائے۔ تو جلال الہی سے لبریز تھے۔ آپ نے حضرت  
خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو درقہ بن نوفل کے پاس لو اگیں اور جو عبری زبان جانتی تھے اور توریت و انجیل کے  
ماہر تھے انھوں نے آنحضرت صلعم سے واقعہ کی کیفیت سنی تو کہا یہ وہی ناموس اکبر ہے جو موسیٰؑ پر اترتا تھا۔ روایت میں  
ہے کہ آنحضرت صلعم کو ڈر پیدا ہوا۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ آپ متردہ ہوں۔ خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ پھر وہ آپ کو  
درقہ بن نوفل کے پاس لو اگیں تو انھوں نے آپ کی تصدیق کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے بلاشبہ



یہ الفاظ کلمہ "مجھ کو ڈر ہے" لیکن یہ تر و پیہیت۔ یہ اضطراب جلال الہی کا تاثر اور نبوت کے بارگراں کی عظمت کا تجل تھا۔ آپ نے کیا دیکھا؟ ناموس اعظم نے کیا کہا؟ کیا کیا مشاہدات ہوئے؟ یہ وہ نازک باتیں ہیں جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں۔ صحیح بخاری باب التبعیر میں ہے کہ چند روز تک وحی رک گئی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے کہ اپنے آپ کو گرا دیں۔ دفعتاً حضرت جبریل نظر آ جاتے تھے اور کہتے تھے۔ اے محمد! تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو اس سے آپ کو اس وقت تسکین ہو جاتی تھی۔ لیکن جب پھر وحی کچھ دنوں تک رک جاتی تھی تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے۔ اور پھر حضرت جبریل نمایاں ہو کر تسکین دیتے کہ آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے حوالہ کی شرح میں معترضین کا اعتراض نقل کیا ہے کہ ایک پیغمبر کو نبوت میں کیونکر شک ہو سکتا ہے۔ اور ہو تو کسی عیسائی (درقہ) کے کہہ دینے کو کیا تسکین ہو سکتی تھی۔ پھر ایک مشہور محدث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ نبوت ایک امر عظیم ہے۔ اس کا تحمل دفعتاً نہیں ہو سکتا۔ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب کے ذریعہ سے اس سے مانوس کیا گیا۔ پھر جب دفعتاً فرشتہ نظر آیا تو آپ بمقتضائے بشریت خوف زدہ ہو گئے۔ حضرت خدیجہ نے آپ کو تسکین دی۔ پھر جب درقہ نے آپ کی تصدیق کی تو آپ کو پورا یقین ہو گیا۔ حیث مذکور کے الفاظ یہ ہیں فلما سمع کلامہ یقن بالحق واعترف به جب آپ نے درقہ کا کلام سنا تو آپ کو حق کا یقین آ گیا اور اپنے اس کا اعتراف کر لیا۔ محدث مذکور اسکے بعد لکھتے ہیں کہ وحی بار بار اس لئے رک جاتی تھی کہ آپ رفتہ رفتہ اسکی برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التبعیر جلد ۲ ص ۲۱۴ مطبوعہ مصر

لیکن جبکہ ترندی میں یہ حدیث موجود ہے کہ نبوت سے پہلے جس وراثت کے نیچے آپ بیٹھتے تھے۔ اسکی تمام شاخیں آپ پر جھک آئیں۔ جس سے راہب بھیرا نے آپ کے نبی ہونیکا یقین کر لیا۔ جبکہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس پتھر کو پھینا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔ جبکہ صحاح میں موجود ہے کہ نبوت سے پہلے فرشتوں نے آپ کا سینہ چاک کیا۔ اور جانی آلائش نکال کر بھینکی تو خود ان روایتوں کے روایت کرنے والے کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرشتہ کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا کہ جس سے آپ تقدیر خوف زدہ ہو جاتے تھے۔ کہ ایک دفعہ تسکین ہو کر بھی بار بار اضطراب ہو رہا تھا۔ اور اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے۔ اور بار بار حضرت جبریل کو اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ کیا کسی اور پیغمبر کو بھی ابتدا وحی میں کبھی شک ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ نے درخت سے آواز سنی کہ میں خدا ہوں تو کیا اونکو کوئی شبہ پیدا ہوا تھا؟

حافظ ابن حجر وغیرہ کی پیروی کرنیکی ہرگز ضرورت نہیں۔ ہر کو پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ خود اصل روایت بہ سند مرفوع متصل ہے یا نہیں۔ یہ روایت امام زہری کے بلاغات سے ہے یعنی سند کا سلسلہ زہری تک تمام ہو جاتا ہے اور گے نہیں ٹرتا۔ چنانچہ خود شارحین بخاری نے تصریح کر دی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کے لئے

سند مقطوع کافی نہیں۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۴۳-۱۵

الحمد للہ شبلی صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور وہ سب جلد اپنے اسلاف کی غلط فہمیوں کو سمجھ گئے اور اس پر کمر تقیید اسلاف کی کچھ حد بھی ہے۔ آخر کمان تک بہ آپ کو بزرگان سلف پر طیش آ ہی گیا۔ اور پھر وہ قورطیش میں آپ نے بلا تامل اور بلا خیال پس و پیش کتب صحاح سے لیکر ابن حجر اور امام زہری تک۔ ایک ایک کی پوری خبر لے لی۔ نہ بخاری صاحب کا ادب کیا اور نہ مسلم صاحب کا لحاظ۔ اور نہ خود اسوقت کی پر جوشی میں اپنے اعترافات و مسلمات کا کوئی خیال رہا۔ جسکو آپ اپنے دست و قلم سے باین الفاظ دیباچہ سیرۃ النبی میں لکھ چکے تھے کہ صحیح بخاری اور مسلم نے ایک غلط کیسی ضعیف تک روایت اپنی کتابوں میں نہیں لکھی۔ اب انھیں شبلی صاحب نے ان حضرات کی اتنی مرویات پر سرے سے قلم پھیر دیا۔ اب شبلی صاحب خود فرمائیں کہ آپ کا دیباچہ والا یہ اصول کہ حدیثوں کی کتابوں کو تاریخ و سیرت کی کتابوں پر ضرورت ترجیح ہے اسلئے کہ اونہیں ایک حدیث بھی غلط اور ضعیف نہیں۔ آپ ہی کے اس تنقید و تردید سے صحیح ثابت ہوا یا غلط۔ لاجلہ لا قوۃ۔ اس عبارت تنقیدی کو تمام کر کے نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ چونکہ مرقومہ بالا روایت امام زہری کے بلاغات سے ہے اسلئے نہ قابل اعتبار ہے نہ لائق استناد۔

اسوقت اپنی ضرورت سے آپ جو چاہیں کہہ لیں۔ لیکن سب سے پہلے تو سوال بخاری و مسلم صاحبان سے ہے کہ یہ حضرات نقادان فن اور استادان احادیث کیسے تھے جو روایات میں بلاغات اور متصلات کی بھی تمیز نہیں رکھتے تھے شبلی صاحب امام زہری کو ضرورت وقتی سے مجبور ہو کر جیسا کچھ نہ کہہ دیں۔ مگر خدا کے لئے آگے پیچھے کا بھی خیال رکھیں انھیں امام زہری کی مدح و ثناء میں (دیباچہ ص ۱۵) کتنی خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ ذرا دسکا بھی خیال رہے۔ اور اگر اوپر نہیں خیال کیا جاتا تو اصول عقائد کے مطابق تو ادب اسلاف تو ضرور واجب ہے۔ دیکھئے امام زہری کون ہیں؟ تابعین ہیں درخیر تابعین کے انقباض اضافی سے ہمیشہ کتابوں میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ پھر تابعین کی مرویات کو آپ کے علمائے اتنا مرتبہ دے رکھا ہے کہ مرویات صحابہ ادن سے فروتر ہیں۔ اور تابعین کے مرویات میں ایسی خصوصیت ہی جسکو آپ مجھے بہتر جانتے ہیں۔ ایسی حالت میں بلاغات و مراسلات تابعین کی نسبت آپ نہ زبان ہلا سکتے ہیں اور نہ ایک حرف منہ سے نکال سکتے ہیں۔ تا وقتیکہ تقیید اسلاف کا قلاوہ گردن سونہ اوتار لیجیے اور ان تمام غلط اصول عقائد صحابہ و تابعین کو اپنے ہاتھوں سے نہ مٹا لیجئے۔ فافہم فتدبر۔

شبلی صاحب کی اتنی صفائی اور خامہ فرسائی کی کوششوں کے بعد بھی ہم دیکھتے ہیں کہ معتز ضہن کے اعتراض اپنی جگہ پر ویسے کے ویسے ہی قائم ہیں۔ اور آپ ہوں یا آپ کے اسلاف کسی صاحب سے حقیقتاً اصل مدعاے اعتراض کا جواب نہ ہو سکا

شبلی صاحب کی غلط فہمی کی اصلاح

آپ نے اپنے قدیم طریقہ تکذیب و تضعیف رواۃ و مرویات کا خانگی جھگڑا پیش کر کے جواب تو خاک دیا میرج دفع الوقتی

کر دی۔ آپ کو بار بار لکھ کر تلوایا گیا کہ غی فیض اسلام کے اعترافوں کے مقابلہ میں اپنے رواد و مرویات کی تکذیب و تصنیف کی ترکیب مفید کار نہ ہو گے۔ وہ اسکے جوابدہ نہیں ہو سکتے۔ کہ آپ کا فلان راوی قابل وثوق ہے یا نہیں۔ یا اسکی فلان روایت قابل اعتماد و استناد ہے یا نہیں اگر وہ راوی اور راوی کی روایتیں جھوٹی ہیں یا سچی تو وہ آپ کی ہیں اور آپ ہی تنہا اسکے جوابدہ ہیں۔ اس بنا پر یہ آپ کی مرقومہ بالا عبارت تنقیدی معترضین کے لئے قابل تشفی و اطمینان نہیں۔ باوجود آپ کی اتنی طویلانہ صفائی کے بھی معترضین کا یہ اعتراض کہ پیغمبر عرب کو بغوف باللہ تزلزل کی ہونے پر بھی اپنی نبوت کا یقین نہ آیا۔ یہاں تک کہ جبریل کے بار بار یقین دلانے پر بھی پورا یقین نہوایا لیکن ایک مرد عیسائی مذہب ورقہ بن نوفل کے کہہ دینے سے آپ کو اپنی نبوت پر اعتماد و اعتبار کلی حاصل ہو گیا۔ ابھی آپ کے ذمہ باقی ہے۔

قیامت کی کہ آپ نے سند میں ایک لا معلوم الاسم محدث کا یہ قول لکھ دیا فلما سمع کلامہ ابقن النبی و اعتوت۔ جب آپ نے اسکا (ورقہ بن نوفل کا) کلام سنا تو آپ کو حق کی پہچان ہوئی۔ اس نے معترضین کی تعریف کو پوری تو پہنچا دی۔ خوف الہی طاری ہونے تک کا جواب۔ آپ کے گمنام محدث نے جس کا نام اور جسکی کتاب کا نام خدا جانے کس مصلحت سے آپ تلوایا نہیں چاہتے تو مناسب اور فی الواقع ہے لیکن ورقہ سے دریافت کر کے اعتراف نبوت حاصل کر نیکو لکھ کر اس نے تو ایسی فاش غلطی کی ہے کہ حقیقتاً نشان مخصوصہ نبوت اور صفات منصوبہ رسالت ہی پر سہم پھیر دیا۔ اور تعجب یہ ہے کہ شبلی صاحب نے بھی باین دعویٰ دقیق النظری اس پر کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ لیکن دنیا حقیقت شناسوں سے خالی نہیں۔ اگر ایک آپ کی نظر اصلیت اور حقیقت تک پہنچ سکی تو کیا مولوی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری۔ صاحب رحمۃ العالمین کسیر اسکی حقیقت تک پہنچ گئے اور انھوں نے مفصلہ ذیل عبارت میں معترضین کا ایک حد تک اطمینان دہ جواب دیا ہے۔

اس واقعہ (مزدول وحی) کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذرا گھر میں آئے اور لیٹ گئے بیوی سے کہا کہ مجھے کبیرا ڈال دو جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا تو بیوی سے فرمایا کہ میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے اس فقرے سے حضور کا مطلب مشکلات نبوت کا بیان تھا۔ خدیجہ الکبریٰ نے کہا۔ نہیں آپ کو ڈر کا ہے کا ہے میں بہکتی ہوں کہ آپ اقربا پر شفقت فرماتے سچ بولتے۔ راندون یتیموں اور یتیموں کی دستگیری کرتے ہیں اور مہمان نوازی فرماتے ہیں۔ اہل مصیبت زردوں سے ہمدردی کرتے ہیں۔ خدا آپ کو کہی اتدہکین نہ فرما ینگاہ بجا و شکوہ ہاں و صحیحین اب خدیجہ الکبریٰ کو خود بھی اپنے اطمینان قلب کی ضرورت ہوئی۔ اسلئے وہ نبی صلم کو ساتھ لیکر اپنے رشتہ کے چچے بہا ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں حضرت خدیجہ علی در خواست یہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ورقہ بن نوفل کے سامنے جبریل کے آنے۔ بات کرنے کا واقعہ بیان کیا۔ ورقہ فوراً بول اٹھا یہی وہ ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اتر اٹھا۔ کاش میں جوان ہوتا۔ کاش میں اسوقت تک زندہ ہوتا۔ جب آپ کو آپ کی قوم کا لدے گی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا قوم مجھے کالہ لے گی۔ ورقہ بولا ہاں۔ اس دنیا میں جس کسی نے ایسی تعلیم پیش کی اس سے شروع میں عداوت ہی ہوتی رہتی ہے۔ کاش میں ہجرت تک زندہ رہوں اور حضور کی نمایاں خدمت

کروں۔ مشکوٰۃ باسناد صحیحین ص ۵۱۸

عبارت مرقومہ بالا کے اُن الفاظ سے جن پر خط کھینچ دیا گیا ہے کس قدر حقیقت کا انکشاف ہو گیا ہے حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بعثت اور حصول منصب رسالت کے متعلق نزول ملک اور رسدوں وحی کے وقت ہی سے ایسا یقین واثق ہو گیا تھا کہ کسی سے استفسار و افادہ کی مطلق ضرورت نہیں تھی جو نشان رسالت و منصب نبوت سے عقلاً اور نقلاً مستبعد ہے۔ اور درحقیقت یہ یقین یہ استغناء رسالت کا عین مدعا اور نبوت کا خاص مقتضا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے اگر روایات صحیحین صحیح ہیں (غالباً اپنے اطمینان قلب اور مزید تشفی کے لئے ورقہ بن نوفل کے پاس آپ کو لیجا کر اسوجہ سے آپ کے بیان کی تصدیق و توثیق کرنی ہوگی کہ وہ علی الاکث رکھ کر تھے کہ عنقریب ایک رسول ظاہر ہونے والا ہے۔ جو ابلیس اور اس کے لشکر پر غالب آئے گا۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہؓ تصدیق رسالت کی غرض سے اپنے برادرِ عزم زاد ورقہ کے پاس خود آپ کو لیکر تشریف لیگئی تھیں۔ جناب رسول مقبول علم نہ خود ورقہ کے پاس تصدیق رسالت کی غرض سے گئے تھے اور نہ آپ نے خود خدیجہ کو بھیجا تھا۔

شبلی صاحب تعلیل اسلاف کے ایسے والد و شہید اہلین کہ واقعہ کی حقیقت و اصلیت بھی اہل مآخذ و ین تلاش کر لیا پس نہ ین فرماتے۔ اس واقعہ کی نسبت چونکہ غلط طور پر عمومات مشکوٰۃ صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں یہ نقل ہو چکا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود یا حضرت خدیجہؓ کو لیکر ورقہ کے پاس آئیں۔ اور جب ورقہ نے آپ کے بیان کے لئے آپ کے دعویٰ رسالت کی تصدیق کر لی۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی رسالت کا یقین ہوا جیسا کہ ابھی ابھی صحیحین کے حوالہ اور مشکوٰۃ کی عبارت سے تحریر ہو چکا۔ شبلی صاحب نے بھی اے دیکھ بھالے اسی کو حرف جرح نقل فرما دیا۔ کم سے کم آپ نے تاریخ طبری اٹھھا کر اس واقعہ کو اس میں دیکھ لیا ہوتا تو آپ کو فوراً حقیقت کا پتہ لگ جاتا۔ اور کتب تاریخ پر کتب حدیث کو ہر مقام و موقع پر ترجیح دیے جائیں گے غلط معیار جو آپ نے دیباچہ کتاب میں قائم کیا ہے ثابت ہو جاتا۔ امام المومنین ابن جریر طبری مفصلہ ذیل عبارت میں اس واقعہ کی حقیقت یوں لکھتے ہیں۔

بیان نزول وحی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منکر حضرت خدیجہؓ نے کیا بیان ہم آپ کو بشارت ہو۔ آپ نے جو کچھ کہادہ سب صحیح ثابت ہے۔ اور اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں خدیجہ کی جان ہے۔ جو یقین ہے کہ آپ اس آیت کے نبی ہیں یہ کہ حضرت خدیجہؓ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اپنے کپڑے پہنے اور اپنے پوٹو

فقال خدیجة ابشر بابن عمواثبت فوالذی نفس خدیجة بیداه الی لا حواء ان تكون نبی هذه الامة ثم قامت فجمعت علیها ثیابها ثم انطلقت الی درقة بن نوفل بن اسلم هو ابن عمها وکان ورقة قد تنصّل وقرعاً



الکُتُبِ وَاَسْمَعُ مِنْ اَهْلِ التَّوْرَةِ وَالْاِنْجِيلِ فَاخْبِرْتَهُ  
مِمَّا اخْبَرَهَا بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَقَا  
وَرَقَهُ قَدْ وَسَّ قَدْ وَسَّ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَئِنْ  
كُنْتُ قَتْنِي يَأْخُذُ نَجْمَةٌ لَقَدْ جَاءَهُ النَّامُوسُ لَا كَيْفَ  
بِالنَّاسِ حَبِيرٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِي كَانَ يَأْتِي مَوْتِي  
وَأَنَّهُ لَنَبِيٍّ هَذِهِ الْأُمَّةِ فَقُولِي لَهُ فَلَبِثْتُ فَرَجَعْتُ  
خَذْلَجَةً إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْبَرْتَهُ بِقَوْلِ وَرَقِهِ  
طبري ص ۱۱۱ مطبوعہ جزین۔

عم زادورقہ بن نوفل بن اسد کے پاس آئیں۔ ورقہ عیسائی طریق کے  
آدمی تھے عیسائی علماء سے علم توریت و انجیل حاصل کر چکے تھے جب  
خدیجہؓ نے ورقہ سے وہ خبریں بیان کیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
سن کر آئی تھیں اور ورقہ نے انکو سنایا اور انکو غور کیا تو پکارا اٹھا  
قدوس۔ قدوس۔ اور کی قسم جسکے قبضہ قدرت میں ورقہ جان ہی  
اگر یہ سچ ہے۔ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے تو اسے خدیجہؓ وہ ناموس الکمر  
یعنی حبیریل علیہ السلام ہیں۔ یہ ہی ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا  
تھا اور تحقیق کہ وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس امت کے نبی ہیں میری

طرف سے جا کر ادن سے کہہ دو کہ وہ اپنے مدعا پر ثابت قدم رہیں۔ یہ سن کر جناب خدیجہؓ وہاں سے واپس آئیں۔ اور جو کچھ ورقہ نے کہا تھا  
سب اگر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا۔

کئے تائیں طبری کے مرقومہ بالا عبارت سے یہ کمان ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بغرض تصدیق  
رسالت و ورقہ بن نوفل کے پاس گئے۔ یا جناب خدیجہؓ اس غرض سے آپ کو لو گئیں۔ جب کہ صاحب مشکوٰۃ نے  
صحیحین کے اسناد سے لکھ کر بتلایا ہے۔ تو ایسی حالت میں معترضین کے اعتراض کی تائید آپ ہی کی کتب حدیث  
سے ہوئی نہ کہ تاریخ سے۔ تو پھر ادنیٰ تردید و تنقید کی آپ کیسے ہمت کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ خاص سے تو آپ کی گمنام محدث  
صاحب نے بھی مرویات صحیحین ہونے پر اعتبار کر کے اسکو قبول کر لیا ہے اور لکھ دیا یقین بالحق واعترافہ اور آپ  
نے بھی تقلید اسے تسلیم کر لیا۔ شبلی صاحب حالت موجودہ سے خود سمجھ لیں کہ معترضین کے اعتراض کا جواب کمان مہوگا۔  
یہ روئادہ تو عین اقبال و ایجاب بتلاتی ہے۔ اب فرمایا جائے کہ ایسا سر یا غلط واقعہ جو سراسر مناقص رسالت ہو۔ آپ کی  
حدیث کی کتابوں میں نقل ہے یا تاریخ کی کتابوں میں خود ملاحظہ فرمایا جائے۔ تاریخ میں جو واقعہ نقل ہے اور لکھ دیا گیا  
ہے۔ اوہین جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ معیار رسالت اور اقتدار نبوت کے بالکل مطابق ہے۔ بخلاف اسکے جو کچھ آپ کی  
حدیث کی کتابوں میں لکھا گیا ہے۔ وہ شان رسالت اور نبوت کے سراسر مخالف اور مناقص ثابت ہوتا ہے۔ اور یہی  
معترضین کے تمام غراض کی بنیاد ہے۔ جب صورت حال ایسی قائم ہوتی ہے تو آپ نا حق موقع و بیوقع تاریخ کی  
کتابوں پر حدیث کی کتابوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

نہ شبلی صاحب کو خبر ہے اور نہ ان کے آئمہ حدیث کو کہ ورقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کب لے وہی تاریخ  
ثابت کرتی ہے کہ نزول وحی۔ اور حصول رسالت کے بعد جب اس نعمت کے ادائے شکر کے لئے آپ خانہ کعبہ میں  
تشریف لگے تو وہاں ورقہ سے ملاقات ہوئی۔ اور جس تقدیس و عظمت سے ورقہ نے آپ کی تعظیم و تکریم کی وہ تاریخ

طبری کے مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

فانصرف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الى الكعبة فطاق بها  
فلقيه ووقه بن نوفل وهو بطون بالبيت فقال با  
انني اخبرني بمرأيت او سمعت فاخبره رسول الله  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال له ورقه والذی نفس  
ورقه بیده انک لنبی هذه الامة ولقد جاءک  
النموس الاکبر الذی جاء الی موسی ولتکذبنه و  
لتؤذینه ولتخرجنه ولتقاتلنه ولئن انا ادرکت ذلك  
لاضرنا الله فصل بعلمه ثم اذنی راسه فقبل ما فوضه

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں طواف کر کے غرض سے تشریف  
لیگے ورقہ آپ کو طواف میں مشغول دیکھ کر آپ کے پاس سے چلے آئے اور  
کہنے لگے اے میرے بھتیجے تم نے کیا چیزیں مشاہدہ کی ہیں یا سنی ہیں مجھے  
کہو تو۔ جناب رسول خدا نے تمام باتیں اور ان سے کہیں۔ ورقہ سُکر  
کہنے لگے قسم ہے اس کی جسکے قبضہ قدرت میں ورقہ کی جان ہے کہ تم اس  
اُمت کے نبی ہو۔ اور بیشک تمہارے ہی ناموس الکرنازل ہوا ہے۔ جو حضرت  
موسی پر نازل ہوا ہے لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے مگر ان کا دین گے۔  
تین خلیفہ الید کرتے اور تمہارے ساتھ جنگ و قتال کرتے۔ اگر میں

زمانہ تک زندہ رہتا تو میں تمہاری نصرت کرتا اور خدا تمہاری نصرت کرے گا۔ پھر چار سو قریب لاکر آپ کی بیانی اور کاروبار سے لیا ص ۱۱۵۲۔  
یہ مشاہدہ تاریخی صاف صاف بتلا رہا ہے کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو ورقہ کے پاس گئے اور نہ  
آپ کو کوئی اور کے پاس لے گیا۔ بلکہ نزول جبریل اور وصول اقراء معاودت دولت مرا اور تصدیق و ایجاب حضرت خدیجہ  
الکبریہ۔ غرض ان تمام واقعات کے بعد جب آپ حسب معمول خانہ کعبہ کے طواف کے لئے تشریف لیگے تو آپ کو قتل  
اور جو کچھ فیما بین گفتگو ہوئی وہ طبری کی زبانی اور نقل کر دی گئی۔ قریب قریب تمام تاریخون کا اسی یہ اتفاق ہے۔ اور حقیقتاً واقعہ  
بھی یہی ہے اور اتنا ہی ہے۔ باقی سب کتابوں کا طومار ہے۔ اور زیادہ تر انھیں طومار سے عیسائی معتزضین نے اپنے گمراہانہ  
اور مغویانہ و فترسیہ کئے ہیں۔ تعجب ہے کہ متعصبین یورپ۔ تاریخ طبری میں اسکی حقیقت حال کو دیکھ کر جسے خود انھوں  
نے اپنے چچا پرکشایا کیا ہے۔ ذرا بھی شبہاتے نہیں۔

صدیقوں کی اسی طومار پر کار کے سلسلہ میں التوائے وحی کی حالتوں میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے  
انتشار و اضطراب کے متعلق اونکا یہ بیان کہ نعوذ باللہ۔ آپ پہاڑ کی چوٹیوں پر سے اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے اور اس  
اضطراب و التھاب کی خاص اور انتہائی حالتوں میں خدا نخواستہ آپ اپنی جان عزیز دیدینا چاہتے تھے بالکل لغویات  
اور ہملات ہیں جسکی تردید و تکذیب خود شبلی صاحب بھی فرماتے ہیں۔ لیکن یہ کہو بھی اتنا لکھ کر بتلا دینا ضروری ہے کہ خدا کا سچا  
رسول جو خاص کر جائز اور ناجائز امور۔ حلال اور حرام کا سب سے بہتر جاننے والا اور ان امور کے متعلق صحیح  
طریقہ عمل بتلانیوالا ہے نفس النفس خود کشی کے ایسے اخلاقی۔ مذہبی اور سیاسی جرم پر اقدام کرنے اور نعوذ باللہ حرام موت مرنے پر  
آمادہ ہوگا ان ہذا بعد الابعاد۔ کیا جاہل سے جاہل بھی کوئی مسلمان اسکو مانے گا۔

اس میں کلام نہیں کہ کچھ دنوں تک وحی کے رک جانے سے آپکو ایک فکر و تعلق لاحق حال ضرور ہو جاتا تھا اور

یہ آپ کے خشیت اللہ کا باعث تھا۔ اور پھر جب وحی آنے لگتی تھی تو فوراً اطمینان خاطر بھی ہو جاتا تھا۔ بات اتنی تھی کتنی بڑھا دی گئی۔ افسوس ہے کہ بات بڑھانے والوں نے اپنی باتوں کو تو بہت کچھ بڑھا دیا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت کو بالکل گھٹا دیا۔ ان تمام طومار اور قیاسات و دراز کار کا خلاصہ یہ ہے جیسا کہ شہود تاریخی سے کہہ سکتے ہیں۔ کیا ہے کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ خود ورقہ کے پاس گئے اور نہ کوئی آپ کو ان کے پاس لے گیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو علم لدنیہ کے ذریعہ سے اپنی رسالت و نبوت کا بالقرائن النفس خود یقین کامل تھا اور کسی کی تصدیق و توثیق کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔

نزول وحی کو تنزیل اقرآن سے آغاز سمجھنا۔ دوسری غلط فہمی ہے۔ جو اکثر علمائے حدیث و تاریخ کو پیدا ہو گئی ہے اس سے قبل جیسا کہ ہم اقسام وحی کے بیان میں مختصراً لکھ چکے ہیں۔ انوار تجلیات کے مشاہدات روایات و احادیث و واقعات و تصدیقات کے غیب کے خطابات اور القاء و الہام کے خاص حالات مختلف صورتوں میں قبل از نزول وحی روح القدس جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف ہو کر تھے۔ اور یہی مدارج وحی الہی ہیں جنکی علماء و حکماء اسلام نے تشریف میں بتلائی ہیں۔ زر قافی شارح مواہب لدنیہ نے منجملہ شتر اقسام وحی کے چہ صورتوں کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب کی جلد اول صفحہ ۲۷۲-۲۷۸ تک بیان کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نزول وحی کی ابتدا اسی واقعہ سے نہیں ہوئی۔ بلکہ نزول قرآن اور رسالت و نبوت کا اعلان آج ہی کے دن ہوا۔ آج تک خدا کا رسول مبلّغ و تعلیم دین الہی کے لئے ماذون فرمایا گیا تھا۔ گویا آج سے وہ منصب تبلیغ رسالت اور عمدہ ارشاد و ہدایت پر مہتاب اللہ ماذون فرمایا گیا۔ حقیقت اتنی تھی قیاسات و ظنیات کا اتنا طومار لگا دیا گیا کہ اللہ کی پناہ۔

## تبلیغ رسالت

نبوت کا پہلا سوال

شبلی صاحب قمر طراز ہیں۔

خاتم الانبیاء علیہ وآلہ التحیتہ واثنا کا کام خود سلامت رکھ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام منور کر دینا تھا۔ اس لئے نہایت تدبیر اور تدبیر سے کام لے لیا۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جاوے۔ اس غرض کے لئے صرف وہ لوگ انتخاب کئے جاتے تھے جو فیضیاب صحبت رہ چکے تھے۔ جنگلوں کے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات و سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا۔ جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپ کے صدق و دعویٰ کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے یہ لوگ حضرت خدیجہؓ آپ کی حرم محترم تھیں۔ حضرت علیؓ تھے جو آپ کی آغوش تربیت میں

پلے تھے۔ ترید تھے۔ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندہ خاص تھے حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں سے فیضیابِ رحمت تھے سب سے پہلے آپ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا۔ وہ سننے سے پہلے مومن تھیں۔ پھر اور ہر گون کی باری آئی اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے "سیرۃ النبیؐ"

یہ تدریج و تدبیر محی رسول صلعم کی ذاتی تجویز نہیں تھی۔ بلکہ قدرت کی تدبیر تھی اور مشیت کی ترتیب۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ سب بڑا راز تھا۔ ہم شبلی صاحب کی طرح اسکو پرخطر تو کہہ نہیں سکتے۔ پر اثر البتہ کہہ سکتے ہیں۔ اور کیونکر نہ تو۔ خداوند عالم اسی راز کو تبارک العظیم کے خاص الفاظ سے تعبیر فرما چکا ہے۔ اور یہ ادب بھی بالکل مطابق فطرتِ سماویہ کہ انسان اپنے تمام راز کا یا عموم آغاز انکشاف اپنے مقبر ترین محرم راز سے کرتا ہے۔ اور اس صفت خاص میں خدیجہؓ الکبریٰ سلام اللہ علیہا سے بڑھ کر متاثر اور کون ہو سکتا ہے۔۔۔ خدا کہ محرم راز نے۔ خدا کے اس راز کو سب سے پہلے اپنے محرم راز سے کہا۔ صدیقہ کبریٰ نے فوراً تصدیق کر لی شبلی صاحب کا یہ لکھنا کہ آپ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا۔ وہ سننے سے پہلے ہی مومن تھیں۔ بالکل واقعہ ہے۔ نہ کوئی قلم آزمائی ہے نہ طبع آزمائی۔ اب اسکی حقیقت اور واقعیت طبری کے خاص الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

ابن حمید سلمہ سے اور سلمہ ابن اسحاق سے۔ آیہ اَمَّا بَشِيرٌ رَّكِبٌ فَمِنْ

کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ یا رسول صلعم جو نعمت کہ خدا طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے تم لوگوں سے اسکو بیان کرو یعنی امور نبوت جو تم پر منبذ ہوئے ہیں۔ اور کو بندگان الہی سے بیان کرو۔ اور اسکی طرف لوگوں کو بلاؤ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس آیہ کے نزول کے بعد سے آنحضرت صلعم نعمتائے نبوت اور کرامتات رسالت کو۔ جو آپ پر تبلیغ عبادت کی غرض سے نازل فرمائی گئیں تھیں بیان کرتے پرستند ہو گئے لیکن آپ نے اسکو بالکل بطور راز پہلے اپنے لوگوں سے ظاہر کیا جن لوگوں پر آپ کو پورا اطمینان تھا۔ اور انہیں سب پہلے یہ راز سنا

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمة بن اسحاق واما  
بَشِيرٌ رَّكِبٌ فَمِنْ اَي مَا جَاءَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ نِعْمَةٍ  
وَكَرَامَةٍ مِنَ الذِّبْوَةِ فَحَدِّثْ اَي ذَكَرْهَا وَاجْعَلْ اَيَّهَا قَالَ  
فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّوْا عَلَیْہِ مَا اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْہِ  
سَلَى الْعِبَادَةَ مِنَ الذِّبْوَةِ سَلَّى اِلَى مَنْ يَسْلَمُ اِلَيْہِ مِنْ  
اَهْلِهِ فَكَانَ اَوَّلُ مَنْ صَدَّقَهُ وَامَنَ بِہِ وَاتَّبَعَهُ جَلَّتْ  
اللّٰهُ فَمَا ذَكَرَ زَوْجَتَهُ خَدِجَةَ بِنْتَ خَزِيمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ  
عَنْہَا ص ۱۱۵۶ طبری

بیان کیا گیا وہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ الکبریٰ تھیں جو تمام ہندگان الہی میں سب سے پہلے آپ کی نبوت کی تصدیق کر نیوالی۔ آپ پر ایمان لائیوالی اور آپ کی اطاعت و اتباع فرماتے والی ہوئیں۔ خدا دن پر رحم فرمائے۔ اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ اوہ فخر صادق کی زبان سے دعوتِ اسلام کے الفاظ نکلے اور ہر صدیقہ کے بسملے مطلق کے بیک کے جواب تصدیقی برآمد ہوئے۔ اس واقعہ سے تو حضرت خدیجہؓ کا استیصال فی الایجاب ثابت ہوا۔ اب شبلی صاحب کے اس لکھنے کا بھی کہ حضرت خدیجہؓ اس پیام کے سننے سے پہلے مومن تھیں۔ ثبوت بھی ملاحظہ ہو۔



فَقَالَتْ خَدِيجَةُ يَا بَنِي عَمَلِكُ رَأَيْتُمْ شَيْئًا قَالَتْ فَقُلْتُ لَهَا  
نَعَمْ فَمَنْ حَدَّثْتَهُمَا لِذِي رَأَيْتَ فَقَالَتْ الْبَشَرُ ابْنُ عَمْرٍو  
اَثْبَتُوا الَّذِي نَفْسُ خَدِيجَةَ بِيَدِهِ الْفِي لَارِجَانِ  
تَكُونُ هَذِهِ الْأُمَّةُ

جب آپ نزول وحی سے مشرف اور بلال آئی تے سرایا مؤثر ہو کر دوسرا میں  
تشریف لائے تو آپ کے اس غیر معمولی انداز و حال کو دیکھ کر جناب خدیجہ  
نے پوچھا کہ کیا آپ نے آج کچھ (نیا شاہرہ) دیکھا ہے۔ جناب رسالت  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ پھر جو کچھ نزول فرشتہ

اور وصول وحی آئی کے متعلق مشاہیرہ فرمایا گیا تھا جناب خدیجہ سے ارشاد فرمایا گیا یہ سکر جناب خدیجہ نے فرمایا۔ اے ابن عم آپ کو بشارت ہو۔  
آپ اپنے ارادے پر ثابت قدم رہتے۔ اوس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں خدیجہ کی جان ہے مجھے یقین ہے کہ آپ اس آیت کے پیغمبر ہیں۔  
طبری صفحہ ۱۱۱۔

اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے مشاہدات کا صرف دو پہاڑ تھا کہ جناب خدیجہ نے  
اوسکی تصدیق فرمائی۔ حالانکہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت کے بیان سے تبلیغ و دعوت منظور نہیں تھی  
بلکہ صرف انہماک حالت کیونکہ حضرت خدیجہ نے آپ پر ایک نئی حالت طاری دیکھ کر استعجاباً استفسار کیا تھا۔ اوس کے  
جواب میں جو حالات خاص تھے بیان کر دیے گئے یہ سننے ہی جناب خدیجہ نے جس استقلال و استقامت سے تصدیق  
رسالت فرمائی ہے۔ وہ الفاظ مندرجہ بالا سے ثابت ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے قصد سے جناب خدیجہ سے نہ ارشاد رسالت کیا  
تھا اور نہ خود خدیجہ کو کب نے اس وقت تک ورقہ کے پاس جا کر رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اپنا  
اطمینان کیا تھا۔ ان تمام صورتوں میں یہ تاریخی واقعہ جناب خدیجہ کی تصدیق صاف الفاظ میں قبل از اجراء دعوت نبوت  
ثابت کرتا ہے۔ اس لئے شبلی صاحب کا یہ لکنا کہ سینے سے پہلے جناب خدیجہ مومن نہیں۔ بالکل صحیح اور فی الواقع  
عالم تاریخ کے علاوہ دنیا کے حدیث میں صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کی تصدیق رسالت میں سبقت ملاحظہ  
فرمائی جائے۔ امام قسطلانی تحریر فرماتے ہیں۔

وكان أول من آمن بالله وصدق صديقه النساء خديجة  
علامہ عبدالباقی زرقانی اسکی شرح میں لکھتے ہیں۔  
قال ابن اسحاق وموسى ابن عقيده والواقدي و  
الاموي وغيرهم وقال النوحى وهو الصواب عند  
جماعة من المحققين وحكى الثعلبي وابن عبد البر  
والسهيلي على الاتفاق وقال ابن الاثير لم يقدما  
رجل ولا امرأة باجماع المسلمين زرقانی جلد اول ص ۲

سب سے پہلے جو خدا پر ایمان لایا اور تصدیق رسالت کی وہ صدیقہ النساء خدیجہ  
بن اسحاق۔ موسیٰ ابن عقبہ۔ واقدی اور اموی وغیرہم کا بھی یہی قول ہے  
اور امام نووی کہتے ہیں کہ جماعت محققین کا بھی یہی فتاویٰ متفق علیہ  
امام شبلی۔ علامہ ابن عبدالبر اور امام سہیلی بھی اسی پر اتفاق کرتے ہیں ابن  
اثیر کہتے ہیں کہ ہم جماعت مسلمین میں کوئی مرد یا کوئی عورت حضرت خدیجہ  
سلام اللہ علیہا سے پہلے اسلام نہیں لائی۔

امام قسطلانی قبل از دعوت حضرت خدیجہؓ کی تصدیق رسالت کے واقعہ کو جسکو ہم کسی قدر اوپر لکھ آئے ہیں باین الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔

فقال لها عليه الصلوة والسلام خشيت على نفسي فقلت له ايش فوالله لا يحزنك الله ابد انما استدللت بما فيه من الصفات والاحلاق والشيم على ان من كان كذلك لا يجزي ابدًا - ما هب كدنيه  
واقعہ نزول وحی بیان فرما کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہیکل اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کہ آپ کو لاشائے خدا کی قسم خدا تمہارے ساتھ کوئی مواخذہ نہیں کرے گا اور اپنے اس قول پر آنحضرت معلوم کے محاسن عادات اور مکارم اخلاق کے تمام صفات موجود گو ہوں فرما کر ارشاد کیا کہ جو شخص ان صفات مستعد سے موصوف ہواد کے ساتھ کبھی کوئی مواخذہ نہیں کیا جاسکتا۔

اسکی شرح میں علامہ زرقانی رقمطراز ہیں۔

وهو من بدیع علمها وقوة عارفها۔ یہ استدلال حضرت خدیجہ کے کمالات علم و یقین کے عجائبات اور آپ کی قوت کلامیہ و استدلال کے نوادرات سے ہے زرقانی جلد ۱ ص ۲۸۷

## حضرت علی رضی کی سبقت فی الاسلام

جناب صدیق اکبرؓ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ فاروق الامتہؓ اسد اللہ العالی

علی ابن ابیطالب تصدیق رسالت فرما کر مشرف بایمان ہوئے۔ ابن ہشام اور طبری میں ہے۔

قال ابن اسحاق کان اول ذکر من الناس امن برسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وصدق بهما جاء من الله تعالى على ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن هاشم وهو ابن عشر سنين يومئذ وكان مما انعم الله على نبي الله طالب رضي الله عنه كان في حجر رسول الله صلعم یہ بھی کہ آپؐ بچپن سے آغوش رسول میں پرورش پائے تھے۔ (۱) طبری لکھتے ہیں۔

عن زيد بن ارقم قال اول من اسلم مع رسول الله صلعم علی ابن ابی طالب۔

عن جابر بن عبد الله السبيعي صلى الله عليه وآله وسلم يوم الاثنين وصلى على يوم الثلاثاء (۲)

جو شخص جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا وہ علی ابن ابی طالب ہیں منقول از زید بن ارقم۔

جابر بن عبد اللہ الانصاری سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو شنبہ کے دن مبعوث برسات ہوئے اور حضرت علی رضی

(۳)

عن عباد بن عبد الله قال سمعت عليا يقول يا عبد الله  
واخو رسول الله وانا صدق الاكبر لا يقولها أبدى  
الا كاذب ومفتر صليت مع رسول الله صلوات  
الناس بسبع سنين

اس دعویٰ بیان کی شہادت میں بھی ملاحظہ ہو طبری لکھتے ہیں  
عن عفيف قال جئت في الجاهلية الى مكة فنزلت على  
العباس بن عبد المطلب قال فلما طاحت الشمس حلفت  
في السماء وانا انظر الى الكعبة اقبل شاب فمر بي  
الى السماء ثم استقبل الكعبة فقام مستقبها فلم  
يلبث حتى جاء غلاما فقام عن يمينه قال فلبثت  
جاءت امرأة فقامت خلفهما فركع الشافركم الغلام  
وامرؤة فرجع الشاب فرفع الغلام والمرؤة فخر الشاب جد محمد  
فقلت يا عباس امر عظيم فقال امر عظيم ادرى  
هذا فقلت لا قال هذا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب

مشکل کے دن آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔

عباد بن عبد اللہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت علیؑ کو یہ فرماتے  
ہوئے سنا ہے کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور صدیق اکبر اور میرے بعد جو  
کوئی نہ بنے گا میرے بعد کوئی دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا ہوگا اور فتنہ کیونکہ  
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام لوگوں سے سات برس قبل نماز  
پڑھا کرتا تھا۔

عفف سے منقول ہے کہ ایام جہالت میں مکہ گیا اور عباس ابن  
عبد المطلب کے پاس مقیم ہوا جب آفتاب طلوع ہوا آسمان پر چاروں طرف  
پھیل گیا تو میں کعبہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس شان میں ایک جوان شخص  
کعبہ میں آیا اور اس نے اپنا سر بلند کر کے آسمان کی طرف دیکھا  
پھر کعبہ کا بوسہ لیا۔ پھر کعبہ کی طرف موٹھ کر کے کھڑا ہو گیا۔ چوتھے  
نہ ہوا تھا کہ ایک فوجی لڑکا آیا اور اگر اس جوان شخص کے واسطے  
طرف کھڑا ہو گیا۔ پھر کعبہ دیکھ لگی تھی کہ ایک عورت آئی اور وہ اندرون  
کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ اس شان میں وہ جوان شخص رکوع میں گیا  
اور وہ جوان اور وہ عورت بھی رکوع میں گئی پھر وہ جوان کھڑا ہو گیا

تقیہ صفحہ گزشتہ نے اپنی سن میں۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حلیہ الماویہ میں۔ امام عقیلی نے اور علامہ محب طبری نے ریاض النظرہ میں لکھا  
عن عباد بن عبد الله قال سمعت عليا يقول يا عبد الله  
واخو رسول الله وانا صدق الاكبر لا يقولها ابدى  
الا كاذب ومفتر صليت مع رسول الله صلوات  
الناس بسبع سنين

عباد بن عبد اللہ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب علی مرتضیٰ نے کہ میں بندہ خدا ہوں اور  
اوس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی میں صدیق اکبر ہوں۔ میرے سوا کوئی ایسا قول و دعویٰ نہیں کر سکتا سوائے اسکے کہ وہ جھوٹا ہوگا میں نے سات برس  
پہلے سب لوگوں کے نماز پڑھی امام قتیبہ معارف میں لکھتے ہیں عن معاذة العدوية قالت سمعت عليا يقول على المنبر البصير ان الله  
الاكبر اعلنت قبل ان يسلم ابي بكر ساذة العدوية كيتي بين كمين في حضرت عليؑ کو بصرہ کے منبر پر کہتے ہوئے سنا ہوں کہ میں صدیق اکبر ہوں  
اور میں ابو بکرؓ سے پہلے اسلام لایا ہوں۔ امام بخاری حضرت ابن عباسؓ اور احمد بن حنبل ابی لیلیٰ کے اسناد سے لکھتے ہیں قال رسول الله  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الصدوقون ثلاثة حبيب البنات من الياسين الذي قال يقوم اتبعوا للسلين وخرقيل مومن  
ال فرعون الذي تقتلون رجلا ان يقول لي الله وعلى ابن ابي طالب وهو افضلهم فرما جناب رسالتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ  
صدیق تین ہیں حبیب البنات۔ جو ان لوگوں کا صدیق ہو جسے کہا تھا کہ وہ قوم پیغمبر کی متابعت کرے۔ دوسرا خرقل جو مومن آل فرعون میں سے تھا





شبلی صاحب خود رقمطراز ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت علیؓ بن جوآپ کی آغوش تربیت میں پلے سکتے (تربیت پانے کا شرف اور بیان ہو چکا ہے) شبلی صاحب نے چونکہ اپنی مندرجہ بالا عبارت میں حضرت علیؓ کی سبقت فی الاسلام کو تسلیم کر لیا ہے اسلئے عجیبو اس سلسلہ میں زیادہ تفصیل و تشریح کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپؐ کی سیرۃ النبیؐ میرے پیش نظر ہے۔ ہمارا موضوع بالیف زیادہ تر اسی کے اختلافات۔ استحقاق اور دیگر معائب و مناقص کے انکشافات و اصلاحات تک منحصر ہے سبقت اسلام کے مسئلہ کو محدثین متاثرین نے جیسی جیسی قیاسی رنگ آمیز یوں سے چمکایا ہے۔ وہ شخص جانتا ہے۔ لیکن شبلی صاحب نے غیرت سے اسکی حقیقت اور واقعیت کو ان لیکر میرے لئے اسکی زیادہ تفصیل و تشریح کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی۔

حضرت زیدؓ کا اسلام۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ کے بعد زید تھے جو آپؐ کے آزاد کردہ غلام اور بندہ خاص تھے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

|   |   |
|---|---|
| قال ابن اسحاق ثم اسلم زید بن حارثہ بن شریل بن کعب بن عبد العزی بن عبد العزی بن اسود العقیس الکلبی مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان اول ذکر اسلم وعلی بعد علی ابن ابیطالب علیہ السلام ص ۵۰ مصر | ابن اسحاق کہتے ہیں کہ زید بن حارثہ شریل بن کعب بن عبد العزی بن عبد العزی بن اسود العقیس الکلبی مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بعد اسلام لئے اور غلام رہا ہے۔ |
|---|---|

ابن ہشام کے اسی قول کو طبری نے بھی اپنی تاریخ میں بلفظ نقل کر دیا ہے۔ ص ۱۱۶

حضرت ابوبکرؓ کا اسلام۔ طبریؒ میں لکھا ہے۔

ثم اسلم ابو بکر بن ابوقحافہ الصدیق۔ | | پھر حضرت ابوبکر بن ابوقحافہ الصدیق اسلام لئے۔ ابن ہشام میں بھی عبارت درج ہے۔ اور شبلی صاحب نے بھی یہی ترتیب نقل کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں (زید کے بعد) حضرت ابوبکرؓ تھے۔ جو یوں سے فیضیاب خدمت تھے۔

لیکن طبریؒ نے آپؐ کے اسلام لانے کے متعلق تمام روایتوں کو لکھ کر آخر میں یہ روایت لکھ دی ہے۔

|  |   |
|--|---|
| عن محمد بن سعید قال قلت لابی اکان ابو بکر اولکم اسلاما فقال لا ولقد اسلم قبلہ اکثر من خمسين ولكن كان افضلنا اسلاما | محمد بن سعید ناقل ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ پہلے اسلام لائے۔ انھوں نے کہا نہیں۔ ان سے قبل چالیس آدمیوں نے اسلام لایا تھا لیکن ابوبکرؓ کا اسلام سب سے افضل تھا۔ |
|--|---|

حاشیہ صفحہ گن شدہ چون تک کی کمال الایاتی قرآن میں موجود ہے۔ ومن سعد سعد فی بطن امہ سیدانکے پیٹ سے سید ہوتا ہے اور برکت بے غفلت نہ بہ سال کا مسئلہ اور پھر مترادف ہے اسکے علاوہ۔ پندرہ برس اور سولہ برس کے نوجوان کو بچہ کہنا اور بچہ پیر یا نغان کا کام ہو گا جیسی صریح غلطیوں کے بعد بھی اپنے آپ کو دنیا سے علما کہلانا چاہتے ہیں مولف عفی عنہ۔

یہاں تک تو نبلی صاحب نے سابقین اسلام کی ترتیب سلسلہ وار قایم کی ہے۔ اسکے بعد سلسلہ بیان کو پریشان کر دیا ہے حالانکہ تاریخ و حدیث کی کتاب میں ابھی صحابہ اولین کی قبولیت اسلام اور شرف باہان ہوئی کہ متعلق ترتیب وار سلسلہ ثابت کر رہی ہے بہر حال۔ اگر حضرت ابو بکرؓ کے پیچھے آدھون کے بعد اسلام لانے والی روایت کو جسکو امام طبری نے اپنی روایات کے اخیر میں لکھا ہے قابل اعتبار نہ سمجھا جاوے اور ترتیب مشہورہ کے مطابق آپ کو چوتھے نمبر میں شمار کیا جاوے تو پانچویں ابوذرؓ چھٹے خالد بن ولیدؓ بن العاصؓ۔ ساتویں عمر بن عبسہؓ سلمیٰ ثابت ہوتے ہیں لیکن تاریخ و حدیث کی کتابوں میں ان بزرگواروں کے باب میں اسقدر اختلاف کثرت ہے کہ بالآخر کوئی صاحب اس کا تصفیہ نہ کر سکے کہ آخر ان تینوں حضرات میں کون بزرگ پہلے ایمان لائے طبریؒ میں مرقوم ہے۔

قال الواقدي اسلم معهم خالد بن سعيد بن العاص  
خامسا واسلم ابوذر قالوا اربعة او خامسا واسلم  
عمر بن عبسة السلمي فقال رابعا او خامسا انها  
اختلف عندنا في هؤلاء نفر اثم اسلم اول ذلك  
روايات كثيرة قال فيختلف في الثلاثة المتقدمين  
وفي ذلك هو كآء الذين كتبنا بعده۔ طبری

واقدي کا قول ہے کہ انکے ساتھ خالد بن سعید بن العاصؓ اسلام لائے وہ  
ساتھ میں پانچویں نمبر تھے پھر ابوذرؓ اسلام لائے وہ چوتھے تھے یا  
پانچویں۔ آخر طبریؒ گھبرا کر کہتے ہیں ہمارے نزدیک آپس میں اختلاف کثیر ہے  
کہ ان تینوں بزرگوں (خالد۔ ابوذر اور عمرؓ) میں کون بزرگ پہلا اسلام  
لائے ان تینوں متقدمین اسلام اور انکے بعد کے ایمان لانے والے  
مسلمانوں کے باب میں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے سب سی روایات  
مختلفہ ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ واقدي ہوں یا طبری۔ ایسے مقام میں مورخ اور محقق کی مجبوری ظاہر ہے۔ لیکن اس مسئلہ کے حل کی  
صرف یہی صورت باقی ہے کہ ان تینوں حضرات کا اسلام باندک تفاوت ایک ہی روز میں تسلیم کیا جاوے۔  
اس بحث تقدیم میں طبری۔ ابن ہشام اور دیگر کتب احادیث کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اور حضرات نے

۱۵ عمر بن عبسہؓ سلمیٰ۔ یہ پہلا سلامی حدیثوں کی شان اور سلامی تاریخوں کا بیان کہ اب تک معلوم نہیں کہ ان تینوں بزرگوں میں کون کون  
پہلے اسلام کا ایک حضرت ابو بکرؓ کی سبقت فی الاسلام ثابت کر سکی کوششوں نے فاصلہ یثون کے دفر اور تاریخوں کے کارندے سب میں اہل نظر کے  
کہ صاف صاف پتہ لگے حالانکہ عمر بن عبسہؓ سلمیٰ کے بارے میں خود امام عبد البر نے استیاب جلد دوم ص ۴۴۴ میں لکھا ہے کہ عمر بن عبسہؓ سلمیٰ کو  
ایک شخص نے اہل کتاب میں سے بشارت دی تھی کہ مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوگا کہ جو افضل ترین دین لائے گا جب اسکی خبر سنا تو تم ادسکی  
پیروی کرنا یہ شخص مکہ کے قریب آیا کہ با تھا اور آپ کے متعلق برابر لوگوں سے دریافت کیا کرتا تھا جب کچھ خبریں معلوم ہوتی تھیں تو واپس  
جایا کرتا تھا یا شک کہ ایک بار کچھ لوگوں سے انکو معلوم ہوا کہ ایک شخص مکہ میں پہنچا ہوا ہے جس نے دین آبادی کو بالکل ترک کر دیا ہے۔ یہ  
سنکر عمر بن عبسہؓ سلمیٰ مکہ میں آئے فسلت عندہ فوجدہ مستخفیا ووجدت قریشا الباعلیہ لوگوں سے دریافت کیا  
تو معلوم ہوا کہ حضرت صلعم مخفی ہیں۔ اور تمام قریش نے آپ کی مخالفت کی ہے یہ واقعہ صاف صاف بتا رہا ہے کہ سب صحیحہ کا ہے  
پھر سابقیت کا دعویٰ کیا ہے اس نے ہشام اور طبری کے راویا اور حاکم کی حقیقت پر پانی پھیوایا مولف اولاد حیدر عفی عنہ۔

حضرت ابوبکر کے اسلام لانیکے بعد۔ انھیں کی تحریک و ترغیب سے اسلام کو قبول کیا تھا وہ حضرت عثمان غنی اور زبیر وغیرہم آئمہ حضرات تھے۔ ان حضرات کو بھی مقتدین میں شمار کیا گیا ہے لیکن تعجب ہے کہ انکو شمار تو کر لیا ہے لیکن نمبر شمار نہیں کیا گیا ہے لطف تو یہ بالاتر ہے کہ ان لوگوں کے بعد جو حضرات مشرف باسلام ہوئے خالد بن سعید۔ ابوذر اور عمر ابن عباس۔ انکو شمار بھی کیا ہے اور انکا نمبر شمار بھی بتلایا ہے۔ چنانچہ ابن ہشام اور طبری سے ترجمہ و خلاصہ کر کے شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ دو متمند ماہر لفظ۔ اصحاب الراے اور فیاض تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو اوتنے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ غرضکہ ان اوصاف کی وجہ سے مکہ میں انکا عام اثر تھا۔ اور معززین شہر کے ہر باب میں مشورہ لیتے تھے۔ ارباب روایت کا بیان ہے کہ صحابہ کبار میں سے حضرت عثمانؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف۔ حضرت سعد بن ابی وقاص۔ حضرت طلحہؓ۔ سب انھیں کی ترغیب و ہدایت سے اسلام لائے۔ بحوالہ اصحاب فی احوال الصحابہ۔

اس تفصیل و بیان سے ان حضرات کی حقیقت قبول اسلام تو ضرور معلوم ہوئی لیکن انکے قبول اسلام کا وقت و مکان معلوم ہوا اور نہ نمبر شمار و تعداد۔ بخلاف انکے حضرت ابوذر۔ خالد بن سعید وغیرہ کے مشرف باسلام ہونے کی کیفیت اگرچہ ان لوگوں کے بعد لکھی گئی ہے لیکن صاف صاف لکھ کر بتلادیا گیا ہے کہ یہ حضرات چوتھے یا پانچویں نمبر کے بزرگوار تھے اسلئے مومنین و مہمبین کا ان حضرات کے لئے شمار اور عدد و خاص قائم کرنا بتلایا ہے کہ یہ حضرات ان لوگوں اسلام لاتے سے ضرور پہلے اسلام لائے تھے۔ اس بنا پر۔ ابوذر۔ خالد بن سعید وغیرہ حضرت عثمانؓ۔ طلحہ اور زبیر وغیرہم سے سبقت اسلام میں مقدم تھے۔

ہم ان ساداتمندان ازلی میں سے چند بزرگوار دن کے تفصیلی حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

**حضرت ابوذر غفاریؓ کا اسلام لانا۔** امام عبدالبر استعیاب جلد اول میں لکھتے ہیں۔

ابی حمزہ ابن عباس کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں مبعوث ہوئے خبر ابوذر غفاریؓ کو معلوم ہوئی تو ابوذرؓ نے اپنی بہائی انیس سو کمنا کہ اس وادی میں جا کر اوس آدمی کی خبر لائے جسکو یہ زعم ہو کہ اسکا سوا اسکے پاس خبر آتی ہو تم اوسکے قول کو سن آؤ۔ اور واپس آکر مجھ سے بیان کرو۔ اوتنے بجائی انیس و ہاں سو چلے مکہ میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا ابوذرؓ کے پاس آ جا کر کہنے لگے کہ میں نے اس بزرگ کو اوال وارشلہ کو بالکل مکام اخلاق کے اصول پر پتہ پایا اور

عن ابی حمزۃ عن ابن عباس لما بلغ اباذر مبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بملۃ قال لایخیه انیس اوکب الی هذا الوادی واعلم لی هذا الرجل الذی یرعہ اللہ یا لایخیر من السماء واسمع قولہ ثم اتنی وانطلق الی الخ حتی قدم مکہ وسمع من قولہ ثم رجع الی ابوذر فقال را یا مر بمکام الاخلاق وسمعت منه کلاما ماہو بالشعر فقال ما اشفیتنی فیما اردت فنزود و حمل شلتہ لہ فیما

ماء حتى ندم مكة فاني المسجد ونا التمس النبي صلح  
 ندم يعرفه وقد ان يسأل منه شئ ادراكه الليل فاصطح  
 فواءه على ابن ابى طالب فقال كان الرجل غريب قال نعم  
 قال انطقت الى المنزل فانطلقت معه لا يسألني عن شئ  
 ولا اسأله قال فلما اصبحت من الغد جئت الى المسجد  
 فبقيت رمي حتى امسيت ومات لي مضجعي فمروا علي  
 فقال ان الرجل ان بعث منزل له وانما هو ذهب وما  
 يسأل واحدا منها صاحب عن شئ حتى اذا كان يوم  
 الثالث فعل مثل ذلك فاقامه على معه ثم قال له الا  
 تحدثني ما الذي اقدمك هذا البلاء قال ان اعطيتني عهد  
 او ميثاقا لترشدني ففعل فاخبره على فعله  
 عنده انه سبى وان ما جاء به حق وانه رسول الله صلى الله  
 عليه وسلم فاذا اصبحت فاتبعني فاني رايت شيئا اخطا  
 عليك فمت راي اريق الماء فان مضيت فاتبعني حتى  
 يدخل معي مدخل قال فانطلقت افقوه حتى دخل على رسول  
 خلت جئت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت السلام  
 الله فقلت اول ما دياك بجمعة الاسلام فقال عليك  
 السلام من انت قلت رجل من بني غفار فمررت على الاسلام  
 فاسلمت وشهدت ان لا اله الا الله وان محمدا رسول  
 فقال رسول الله صلوات الله عليه وسلم فاصبر هوذا اكتب  
 امرك من اهل مكة فاني اخشاهم عليك فقلت والذي  
 نفسي بيدك لا صوتين بها بين ظهرا نيهي فخرج حتى اتى  
 المسجد فنادى يا اهل صوتك اشهد ان لا اله الا الله  
 واشهد ان محمدا رسول الله فنادى القوم عليه فصرخوا حتى  
 اصبحوا والى العباس فاكب عليه وقال وليكم الستم

کلام میں ایسی شہر بنی بانی جو اشعار عرب میں نہیں ہونی جاتی یہ سکر حضرت  
 ابو ذر نے فرمایا کہ تا وقتیکہ میں خود وہاں جاؤں میری **طرحہ** نہ کیوں  
 تشفی نہیں ہوتی پس دسویں وقت وہ روانہ ہوئے اور ضراک جوی سی ہوئے  
 مشک کے پنے ساتھ لے کر تھیں بانی بہرہ اور مکہ کے مسجد الحرام میں داخل ہوئے  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی مشرف ہوئے مگر آپ کو پہچان نہ سکے اور نہ کسی  
 پوچھنے کی زبانت ہوئی۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی یہ وہیں لیٹ رہی انکو اس حالت  
 میں دیکھ کر حضرت علی بن ابی طالب نے ان سے اتر کر بات کیا کہ تم کوئی مرد  
 مسافر ہو۔ بولے ہاں علی نے کہا کہ میرے ساتھ چلو ابو ذر کا بیان ہے کہ  
 میں وہاں سے اٹھ کر آپ کے مکان پر آیا مگر میں نے نہ آپ سے پوچھا اور نہ  
 آپ مجھے کچھ بتھن فرمایا یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور پھر پھر صبح سے مشیجہ  
 آکر تمام دن بیٹھا رہا یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ تو پھر میں اپنی زد و کد کی  
 طرف واپس آیا اور پھر حضرت علی میرے پاس آئے اور دیکھا کہ ان شخص کی  
 حالت پر تعجب ہے کہ یہ میرے ساتھ تو مقیم ہے اور میرے ہی ساتھ آتا  
 جاتا ہے لیکن بازمہ آج تک مجھے کسی امر کے متعلق نہیں پوچھا۔ خیر سیر  
 دن ہوا۔ اور اوس دن بھی اور دنوں کے ایسا ہی ہوا۔ تو پھر حضرت علی بن  
 ابی طالب میرے پاس آئے اور مجھے پوچھنے لگے آیا تم مجھے اس شہر میں  
 اپنے آئینہ کا کچھ سب کہہ سکتے ہو ابو ذر نے کہا ہاں البتہ مگر آپ مجھے یہ عہد  
 بیان کر دیجئے کہ آپ مجھے ہدایت پانے کے طریقے بتا دیں گے کہ میں اس کے  
 مطابق عمل کروں پس حضرت علی نے مجھے بتایا کہ وہ بزرگ نبی اللہ ہیں اور  
 انہیں خدا نے نازل فرمایا جو سب صحیح و برحق ہو وہ جناب عدیت کی طرف سے  
 عمدہ رسالت پر مامور فرمائے گئے ہیں جب صبح ہو تو تم ہمارے ساتھ چلو  
 اگر میں تمہارے لئے کسی شے کا خوف دیکھوں گا تو آپ افسادہ کی طرح ٹھہرا  
 رہو گا اسکے بعد تم میرے ساتھ آنا اور جہان میں جاؤں وہاں چلا  
 ابو ذر کہتے ہیں پھر آپ چلے تو میں آپ کے پیچھے چھپے ہوئے یہاں تک کہ آپ  
 جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت میں آئے اور میں بھی آپ کے ہمراہ



تَعْلَمُونَ أَنَّهُ مِنْ عَفَا ذَلِكُمْ فِي طَرِيقِ تَجَادُّكُمْ إِلَى الشَّامِ  
وَأَنقَذَهُ مِنْهُمْ ~~مَدَامِنْ~~ الْعَذَّاءُ مَثَلُهَا وَثَارَ وَالِيَهُ فَخَضِرَ  
فَاكَبَ عَلَيْهِ الْعَبَّاسُ فَأَنقَذَهُ ثُمَّ لَحِقَ لِقَوْمَهُ فَكَانَ  
هَذَا أَوَّلَ إِسْلَامِ أَبُو ذَرٍّ الْغَفَارِيِّ اسْتِغْيَابَ جِلْدٍ أَوَّلِ  
اسْتِغْيَابِ جِلْدٍ أَوَّلِ

حضرت ہوا میں نے بطریقہ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کہا  
اسلام علیک یا رسول اللہ۔ اور میں پہلا شخص ہوں جس نے آپؐ کو اسلام لایا۔  
اسلام کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ میرے جواب میں آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کون ہو۔ میں نے عرض کی کہ میں قبیلہ غفار کا ایک  
آدمی ہوں۔ اس کے بعد آپ نے حقیقت اسلام چہرہ ظاہر کی اور میں اسلام

مشرق ہوا کلمہ شہادت پڑھا اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ پھر اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اب تم اپنے قبیلہ کی طرف  
جاؤ اور اپنے اسلام لانے کے معاملہ کو اہل مکہ سے پوشیدہ رکھو کیونکہ یہ لوگ سن لیں گے تو تم پر ظہور تم کرینگے ابوذر نے عرض کی کہ تم اس کی کیا توقع کرتے ہو؟  
میں میری جان ہے کہ میں تو سب کے سامنے جا کر اس امر کا باور اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ آپ کی خدمت سے ادنیٰ سے سجدہ میں آئے اور باور اظہار  
فرمانے لگے اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ یہ سنتے ہی تمام قریش ان پر ٹوٹ پڑے اور مارنے لگے یہاں تک کہ یہ زخمی ہو گئے  
اس اثنا میں حضرت عباس ابن عبدالمطلب گئے اور ان کے چالیس گئے کی غرض سے انہیں گریز سے دوڑنے کی ہمت نہ تھی کہ انہیں مار دیتے۔  
کہ قبیلہ بنی غفار سے ہیں جو قبیلہ تمہارے قافلہ تجارت کی راہ شام پر واقع ہے۔ پھر ان کو دن لوگوں کے پنجہ سے چھڑا دیا۔ پھر دوسرے دن صبح  
بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ پھر مشرکین قریش ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو مارنے لگے۔ حضرت عباس پھر انہیں گریز سے ادراس ترکیب ان کو بچا لیا  
اس کے بعد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ کی طرف چلے گئے۔ یہ حضرت ابوذر کے اوائل اسلام کے حالات تھے۔

امام عبد البر کہتے ہیں

وكان من كبار الصحابة قد لى الاسلام يقال اسلام بعد  
اربعة فکان خامسا۔ استغيا بجلد دوم ص ۲۶۴

ابوذر رضی اللہ عنہ سبقت اسلام کے اعتبار سے اکابرین صحابہ سے تھے اور ان کا  
ہے کہ یہ چار آدمیوں (غیر علیؓ، زید اور ابوبکرؓ) کے بعد اسلام لائے اور  
پانچویں مسلمان ہیں۔

استغیا ب کی تفصیلی عبارت سے جو اوپر لکھی گئی ہے ثابت ہو گیا کہ اسلام کی معرفت اور بانی اسلامؐ کی تصدیق حضرت  
ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی غایت تحقیق سے حاصل کی تھی جو ان کے کمال فہم و حسن عقل و شعور کا کافی ثبوت ہے۔ مکہ معظمہ میں داخل ہونے  
پر بھی حقیقت اسلام کے متعلق نہایت احتیاط سے کامل تین دن تک غور فرماتے رہا اور دربار رسالت تک بار بار یہی کیلئے ایک

۱۵ شبلی صاحب نے بھی سیرۃ النبی ص ۵۲ میں لکھا ذکر کیا ہے مگر اپنی خاص ترکیب اختصار سے کہ حضرت علیؓ کی اکی قبولیت اسلام میں راہنمائی نہ تھی  
ہو سکتی تھی بلکہ زیادہ مفصل تو صاحب رحمۃ العالمینؒ ان کے واقعہ کو لکھا ہے جس سے ان کے قبول اسلام میں حضرت علیؓ کی راہنمائی پورے طور پر ثابت ہو سکتی  
ہم جانتے ہیں شبلی صاحب کی کوتاہ فہمی کے یہ خاص مقامات ہیں۔ لیکن ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ امر مولفانہ تدبیر کے بالکل خلاف ہے۔ آپؐ نے  
اُن لوگوں کے حال پر جو حضرت ابوبکرؓ کی تحریک و ترغیب سے مسلمان ہوئے تھے کس تفصیل سے لکھے۔ لیکن یہ بزرگ چونکہ حضرت علیؓ کی رسالت  
ایمان لائے تھے اس لئے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں کہ اس ذکر کیساتھ علیؓ کا بھی ذکر کر آجائے گا تاہم قدیر المولف عفی عنہ

ایسے بزرگ متبرکواپنا رہنما بنانا جو مدینہ رسول کا باب العلم مشہور ہے۔ یہ تمام امور انکی خوش وقتی خوش قسمتی اور خوش انجامی کی دلیل واضح تھے۔ حقیقتاً یہ اسلام کی حقانیت اور روحانیت کے اصلی ثبوت ہیں کہ محض ابتداء ہی سے اسکی عظمت و شہرت اس سرعت و عجلت کیساتھ دور و در پھیل گئی کہ طالبان ہدایت اور حاجتمندان حقیقت بڑی بڑی مسافیتین ملے کر کے آتے تھے۔ اور اسلام سے فیضیاب ہوتے تھے۔

حضرت عمار بن یاسرؓ اور انکے قبیلہ کا اسلام لانا۔ حضرت عمار یاسرؓ اور انکے قبیلہ کے مشرف بایمان ہونے کے متعلق تحریر ہے۔

وجاء الله بالاسلام واسلم ياسر و اينده عمار و امته سقيه  
وعبد الله اخو عمار بن ياسر وكان اسلامهم قد يمر  
بما في اول الاسلام وكان رضى الله عنهم من بعد  
في الله وكان رسول الله صلعم ميموهم وهم يذنبون  
فيقولون صبرا يا آل ياسر وقد فعلت ومن حديث  
ابن شهاب عن سميع بن عبد الله بن جعفر عن  
ابيه قال قال رسول الله صلعم ياسر و عمار و اهل عمار  
و هو يذون في الله فقال لهم صبرا يا آل ياسر  
اني صعدكم الجنة استدياب جلد دوم ص ۴۳۰

حب اسلام کو خدا نے ظاہر فرمایا تو یاسرؓ اور انکے صاحبزادی عمارؓ کی  
مان سمیت عمار کے بھائی عبداللہ بن یاسرؓ اسلام لائے۔ ان حضرات کا  
اسلام ابتدائی اسلام ہی سے قدیم تھا۔ اور یہ وہ بزرگوار تھے جن پر خدا کی  
راہ میں ظالمون کی طرف سے ظلم و غدا ب بچا ب کیا گیا تھا جب ان  
لوگوں پر ظلم کیا جاتا تھا تو اتفاق سے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم  
بھی ادھر سے گزرے۔ ان حضرات کو اس عالم میں دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ  
او آل یاسر صبر کرو ساری پروردگار تو آل یاسرؓ کو انکے اعمال کو بدل میں  
بخندے اور ابن شہاب کی روایت کے مطابق اسماعیل ابن عبداللہ ابن  
جعفر بن یاسرؓ کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلعم کا گزر

آل یاسر عمار۔ ابن عمار وغیرہم پر ایسے وقت میں ہوا کہ ان لوگوں پر ظلم و ستم کیا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا اے آل یاسر صبر کرو تحقیق  
تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔

طفیل ابن عمروؓ سی کا اسلام لانا۔ ولوی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری زاد والمعاد ابن الیقیم کے حوالہ  
سے اپنی کتاب رحمۃ العالمین جلد اول میں طفیل ابن عمروؓ کے متعلق لکھتے ہیں۔

انھیں ولون طفیل ابن عمروؓ سی مکہ میں آیا۔ یہ قبیلہ دوس کا سردار تھا اور نواحی میں انکی خاندان کی ریاست  
حکومت تھی طفیل بذات خود شاعر اور دہلتمند شخص تھا۔ اہل مکہ نے آبادی سے باہر جا کر اسکا استقبال کیا اور اعلیٰ پیمانہ پر اسکی  
خدمت اور تواضع کی طفیل کا اپنا بیان ہے کہ مجھے اہل مکہ نے یہ بھی بتلایا تھا کہ جو شخص ہم میں سے نکلا ہو ذیلا و سب سے بچ رہنا  
اوسکو جاو داتا ہے۔ جاو و سے باپ بیٹے شوہر و زن اور بھائی بہن میں جدائی ڈال دیتا ہے ہماری جمعیت کو پریشان اور  
ہمارے کام کو ابتر کر رکھا ہے ہم نہیں چاہتے کہ تمہاری قوم پر بھی کوئی ایسی مصیبت پڑے اسلئے ہماری زور سے نصیحت کیے  
تم نہ اوسکے پاس جانا نہ اوسکی بات سنا اور نہ خود بات چیت کرنا۔ یہ باتیں انہوں نے اسی عمدگی سے میرے ذہن نشین کر دیں کہ

جب میں کعبہ میں جانا چاہتا تھا تو کانوں کو روئی سے بند کر لیتا تھا تاکہ فہم کی آواز کی بھٹک بھی میرے کان میں نہ پڑے۔ ایک روز میں صبح ہی خانہ کعبہ میں گیا۔ بنی سلمہ ناز پر رہتے تھے چونکہ خدا کی مشیت ایسی ہی تھی کہ اونکی آواز میری سماعت تک ضرور پہنچے۔ اس کے میں نے سنا کہ وہ ایک نہایت عجیب کلام پڑھ رہے ہیں۔ اسی وقت میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا کہ میں خود شاعر ہوں یا علم ہوں۔ اچھے برے کی تمیز رکھتا ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے اور کون سی روک ہے کہ میں انکی بات نہ سنوں اچھی بات ہوگی تو مانوں گا۔ ورنہ نہیں مانوں گا۔ میں یہ ارادہ کر کے تھیر گیا جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس گئے چلے تو میں بھی پیچھے پیچھے ہو گیا۔ اور جب حاضر ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا واقعہ کہ میں آنے کا۔ لوگوں کے ہر کانے پنبہ و گوش نہ ہونے اور آج حضور کی زبان سے کچھ سن پانے کا کہہ سنایا۔ اور عرض کیا کہ مجھے اپنی بات سنائیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پڑھا۔ میں نے ایسا پاکیزہ کلام کبھی سنا ہی نہ تھا جو اس قدر نیکی اور العفاف کی ہدایت کرتا ہو۔

الغرض طفیل اور سید وقت مسلمان ہو گیا۔ جیسے قریش بات بات میں مطاع و مخدوم کہتے تھے وہ بات کی بات میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل و جان سے غلام اور مطیع بن گیا۔ قریش کو ایسے شخص کا مسلمان ہونا نہایت شاق اور ناگوار گذرا۔ بحوالہ زاد المعاد جلد اول صفحہ ۴۹۳ و ۴۹۴

ضماد بن ثعلبہ از دی کا اسلام لانا مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبی جلد اول میں بذیل تذکرہ ضماد بن ثعلبہ از دی رضی تحریر فرماتے ہیں۔

ضماد بن ثعلبہ جازو کے قبیلہ سے تھے جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی احباب خاص میں تھے نبوت کے زمانہ میں یہ کہہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ راستہ میں جا رہے ہیں اور پیچھے لوٹدوں کا غول ہے کہ کہنے لگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجھوں کہتے تھے۔ لوٹدوں کا غول دیکھ کر بنما دے بھی بھی تیار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ محمد (صلعم) میں جنوں کا علاج کر سکتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمد و ثنا کے چند موثر جملے ادا کئے۔ ضماد مسلمان ہو گئے۔

اس واقعہ کا مختصر ذکر امام نسائی اور مسلم نے بھی لکھا ہے۔ لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد بن حنبل بدایت میں مرقوم ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول میں ۴۴ بحوالہ اصحاب و استعیاب امام عبد البر بنی جلد دوم مطبوعہ حیدرآباد۔

خالد بن سعید بن العاص کا اسلام لانا امام عبد البر استعیاب میں بذیل تذکرہ خالد بن سعید بن العاص لکھتے ہیں

خالد بن سعید بن العاص بنی کنینہ کا تعلق تھا۔ ابا سعید بن قہیم الاسلام میں لکھا گیا ہے کہ وہ ابو بکر صدیق کے بعد ایمان لائے۔ اسلئے وہ تیسرے مسلمان بن پاتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ پانچویں مسلمان ہیں۔ ضمیر ابن ربیعہ کا بیان ہے کہ خالد ابو بکر صدیق کے ہمراہ ایمان لائے۔

خالد بن سعید بن العاص یکتی ابا سعید اسلم قد یما  
یقال انه اسلم بعد ابو بکر الصدیق مکان ثالثا وادعا  
وقبل کان خامسا وقال ضمیر ابن ربیعہ کان اسلم  
خالد ابو بکر الصدیق

انھیں سابقین اسلام میں۔ مقداد ابن جبہ۔ جناب بن المارث۔ سعید بن زید بن ورقہ بن نوفل۔ عبدالقہر بن مسعود۔ عثمان بن طلحہ بن عبیدہ۔ بلالؓ۔ ابوہریرہؓ اور صہب مدنی بھی داخل ہیں۔

مقداد ابن جبہؓ کا اسلام پیشگی صاحب کی کوتاہی کی بری موقع شناس ہے۔ سابقین اسلام میں آپؐ کو افراد تمام حضرات کا نام لکھ کر تیار کیا۔ لیکن حضرت مقداد ابن جبہؓ کا بھولے سے بھی کہیں نام نہیں لیا گیا حالانکہ استیاب میں ابن عبداللہ میں جو وقت تالیف آپؐ کے ہمیشہ پیش نظر تھی۔ یہ عبارت صاف صاف لکھی ہوئی ہے۔

|   |  |
|---|--|
| اول من اظهر الاسلام سبعة رسول الله صلى الله عليه واله وسلم وابوبكر وعمار واثمة سميه صهيب وبلال والمقداد جلد اول ص ۵ | پہلے سات آدمیوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ابو بکر۔ عمار۔ اور اون کی ماں سمیہ۔ صہیب۔ بلال اور مقداد۔ |
|---|--|

تین برس تک تبلیغ رسالت کی محنتی انتظام پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ اسلام کی تبلیغ نے جس تیزی سے کامیابی حاصل کی اور اوس کی تعلیم نے جیسی جلد ترقی پائی ویسی کسی دوسرے مذہب نے نہیں۔ بعثت سے چند دنوں میں ان سعادتمندوں نے جسکے نام اور پر لکھ کر تیار دیے گئے ہیں۔ اسلام کی دولت اور ایمان کی نعمت سے شرفیابی اور بہرہ اندوزی حاصل کی واقعات تیار رہے ہیں کہ انہیں زیادہ تر وہی حضرات ہیں جنکو جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی خاص تعلق اور واسطہ بھی نہیں تھا یہ صرف اسلام کی حقانیت تھی۔ اور جناب سید الانام علیہ السلام کی تعلیم کی پاک۔ روحانیت۔ جنھوں نے چھوڑے ہی عرصہ میں اپنے روحانی فیوض کا اتنا اثر پونچا یا کہ تمام بیگانے عقیدت اور محبت میں اپنے اور گیارے نظر آنے لگے اسلام کی یہ کامیابی کچھ اپنے ہی وطن اور اہل وطن تک محدود نہیں رہی۔ بلکہ اسی وقت سے دو روزہ مقامات میں آپؐ کی مقدس تبلیغ اور پاک تعلیم کی شہرت سکر۔ وہ لوگ جو عرصہ سے انوار حق کے متلاشی تھے حاضر ہو کر شرفیاب اسلام ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ طفیل ابن عمروؓ رضی اللہ عنہما بن ثعلبہؓ ازدی۔ عمران بن عبسہؓ سلمی وغیرہم انھیں سعادتمندانہ نازل ہوئی تھی۔ لیکن بقول شبلی صاحبؒ کے یہ جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا۔ نہایت احتیاط کیجاتی تھی کہ مجاہد خاص کے سوا کسی کو بھی خبر نہ ہونے پائے۔ تاریخ طبری میں ہے۔

|  |  |
|--|--|
| فی السنین الثلاث من بعثته الى ان اصابه اراذل عاصم الى الله مستترا مخفيا امره وانزل عليه والذو عشيبتك الاقربين۔ | بعثت سے تین برس تک حضرت کو حکم تھا کہ اپنے امر کو بطور راز مخفی رکھیں اور چھ اسکے بعد تین برس گزر جانے پر آیہ وافی ہدایہ وانذر غیر تک الاقرین (اپنے اقرب رشتہ مند کو غائب الہی سے ڈراؤ) کے مطابق۔ انھار کو حکم نازل ہوا۔ |
|--|--|

حدیث و تاریخ کی متفقہ روایات سے ثابت ہے کہ ابتداء سے اسلام میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین الہی کی تعلیم و تعمیل کی دونوں صورتوں کو نہایت حزم و احتیاط سے مخفی رکھا کرتے تھے نہ شہادت قدرت بھی ہی تھا اور مقتضائے حق بھی۔ دین الہی کی تعلیم و تلقین تو خلوت کی صحبتوں میں ہوتی تھی جن میں وقتاً فوقتاً لوگ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا کرتے تھے۔



یہ حاضری بھی بڑی حفظ و احتیاط کے ساتھ ہوتی تھی۔ عمران عبتہ السلمی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ ہی کے مخفی رکھے جانے کا حکم نہیں تھا بلکہ ذات مقدس کو نظر عام سے محفوظ رکھنے کا بھی خاص طور پر فرمان تھا۔ اس لئے کہ تعلیم ایمان سے تحفظ جان مقدم تھا۔

خلوت کی مخفی تعلیم بعثت۔ وقت نزول آیہ فاصدع بما تو مروا عرض عن المشركين (اپنی رسالت کے امور کی منہجی ظاہر کرو اور مشرکین سے علیحدہ رہو) سے شروع ہوئی اور آیہ وانی ہدایہ و انذار عتیش تلت الاقرہین (اپنے قریبی رشتہ داروں کو مذہب سے الگ) کے وقت نزول تک قائم رہی۔ اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم و احتیاط اور صبر و ثبات کا یہ حوصہ تھا اور آپ ہی کے حرم و استقلال کی یہ بہت کہ گھار گھار خبریں کے درمیان بتیں و انتون میں ایک زبان نکلا۔ اپنی ذمہ داری کو ایسی رازداری اور خبرداری کے ساتھ من احسن الوجوہ انجام دیے گئے۔ اور انھیں مخفیانہ طریقہ اور رازدارانہ ذریعے سے تبلیغ اسلام اور تعلیم ایمان کے سلسلہ کو برابر جاری رکھا یہاں تک کہ تین برس میں مسلمانوں کی تعداد چار ہزار ہو گئی۔

حدیث و تاریخ کے مشاہدات سے ثابت ہے کہ فرائض اسلام میں پہلے دو رکعت نماز کی تعلیم فرشتہ غیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہونچائی گئی۔ چنانچہ طبری لکھتے ہیں۔

و جوب نماز ان الصلوة حين افتوضت على رسول الله صلعم اناه جبريل وهو يا على مكة فمزله بعقبه في ناحية الوادي فافتر منه عين فتوضا جبريل عليه السلام و رسول الله ينظر اليه ليريه كيف الطهور للصلوة ثم توضا رسول الله صلعم كما راى جبريل ۴ توضا ثم قام جبريل عرفه بله صلى النبي صلعم بصلاته ثم انصف جبريل ۵ فجاء رسول الله ۶ خديجة فتوضا لها يريها كيف الطهور للصلوة كما اراه جبريل فتوضا ثم كما توضا رسول الله ۷ ثم وصل بها رسول الله صلعم كما صلى به جبريل ۸ فصلت بصلاته من ۱۱

جب ریفہ نماز کے وجوب کا حکم ہوا تو حضرت جبریل ۲ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے آپ اس وقت مکہ کے بالائی حصہ میں تھے جبریل ۲ آپ کو اس وادی کے ایک طرف گھاٹی میں لے گئے اور وہاں ایک چشمہ جاری کر کے پہلے جبریل ۲ وضو کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرنے کی طریقہ عمل کو دیکھنے رہے کہ وہ نماز کے لئے طہارت کا کیسے سامان کرتے ہیں۔ پھر اون کے بعد آپ نے اسی طرح وضو کیا۔ جبریل ۲ کو دیکھا تھا کہ جبریل ۲ نے نماز پڑھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ویسی ہی پڑھی۔ پھر وہاں سے آپ واپس ہو کر گھر میں تشریف لائے اور حضرت خدیجہ کے سامنے اسی طریقہ سے وضو کیا جبریل ۲ کو وضو کرنے کو دیکھا تھا۔ پھر حضرت خدیجہ نے بھی اسی ترکیب و عمل سے وضو کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ کے ساتھ اسی طرح نماز پڑھی جس طرح حضرت جبریل ۲ کے ساتھ پڑھی تھی۔

یہاں تک تو ہم نے مخفی ذریعہ سے دین الہی کی تعلیم و تبلیغ کے حالات لکھ دیے اب ہم اوسکے فرائض و واجبات کے حالات لکھتے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب رقمطراز ہیں

ان ایام (اختفا) میں جب نماز کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی پیار کی گھاٹی میں چلے جاتے اور

وہاں اپنی نماز ادا کرتے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ چاشت کی نماز حرم ہی میں ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جاری تھی۔ ایک دفعہ آپ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھتے تھے۔ اتفاق سے آپ کے چچا ابوطالب آنکھلے۔ انکو اس جدید طریقہ عبادت پر تعجب ہوا۔ کھڑے ہو گئے اور غور دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا یہ کون دین ہے آپ نے فرمایا ہمارے دادا حضرت ابراہیم کا یہی دین تھا۔ ابوطالب نے کھارین اسکو اختیار تو نہیں کر سکتا۔ لیکن تمکو اجازت ہے۔ اور کوئی شخص تمہارا مزارعہ نہ کرے۔ پہلے غریبے امت نے جو اسلام قبول کی شبلی صاحب اس مقام پر سابقین اسلام کی غربت و افلاس میں مشرف باسلام ہونے کو اسلام کی حقانیت کا کافی ثبوت ٹھہرایا ہے اور اس سبب عجلت کی ساتھ اس مقدار حسنت کے لوگوں میں تبلیغ اسلام کے ترقی کرنے سے مخالفین اسلام کے اس مغویانہ تعریض کا جواب تردیدی نکالا ہے جو عالم فہمی کی غرض خاص سے دنیا کو یہ بتلاتے ہیں کہ معمورہ عالم میں مسند سبب اسلام تلوار کے زہر سے پھیلا یا گیا ہے۔ ہم انکی تحریر کو قابل نقل سمجھ کر موصوفیہ میں قلمبند کرتے ہیں۔

یہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اسلام کیونکر پھیلا؟ مخالفین نے اسکو زلیخہ تلوار بتایا ہے۔ اس مسئلہ پر بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں آئے گی۔ لیکن ایک خاص پہلو پر بین نگاہ ڈال لینی چاہیے۔ یعنی یہ کہ اوائل اسلام تھا جبکہ اسلام لانا جان و مال سے ہاتھ دھونا تھا۔ کون لوگ اور کس قسم کے لوگ ایمان لائے۔ یہ امر سب میں مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر ایسے تھے۔ مثلاً عمار، جہاب، ابو فکیمہ، صہیب وغیرہ جبکہ دولت و جاہ کے دربار میں عہدہ بھی نہیں مل سکتی تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کو لے کر حرم میں جاتے۔ تو رؤسا قریش ہنکرتے تھے۔ اھولاء من اللہ علیہم من بدیننا یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہلوگوں کو چھوڑا ایمان کیا ہے کفار کے نزدیک انکا افلاس انکے تحقیر کا باعث تھا۔ لیکن یہی چیز تھی جنکی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے انھیں کے ہاتھ آسکتی تھی۔ دولت و مال انکے قلب کو سیاہ نہیں کرچکا تھا۔ شر و غرور انکو انقیاد و حق سے روک نہیں سکتا تھا۔ اونکو یہ نہ تھا کہ اگر بت پرستی چھوڑ دین گے تو کعبہ کا کوئی منصب عظیم ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ غرض کہ ان کے دل ہر قسم کے پاک تھے اور حق کی شاعین ان پر وقتاً پر تفلن ہو سکتی تھیں۔ یہی سبب ہے کہ انبیاء کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادان و مفلس لوگ ہوا کرتے تھے عیسائیت کے ارکان اولین ماہی گیر تھے۔ حضرت نوحؑ کے مقررین خاص کی نسبت کفار کو علانیہ کہنا پڑا۔

ما نزلک ابدا الا الذین هم اذ لنا بادی الزلزلۃ وما  
اترنی لکم علینا من فضل بل نطنکم کذا بین  
ہم تو بظاہر یہ دیکھتے ہیں کہ تیری پیروی اور عین لوگوں نے کی جو نزل میں آؤ  
ہم تو تم میں کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ ہمارا تو خیال ہو کہ تم سب بھولے ہو  
ان ناداران قوم کی سبقت فی الاسلام کے اسباب و علل میں جیسا کہ شبلی صاحب کا مختار ہے سوائے انکی خلوص و

۱۵ یہ فقرہ عالم موضوعیت کی خاص ایجاد ہے۔ مؤلف

محبت کے اور کون سا باعث بتلایا جاسکتا ہے۔ اس بنا پر غنی الغنی کا یہ موعودہ خیال کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا کقدر لغو ہے۔ کیونکہ ابھی تو اسلام کی تبلیغ کے لئے ظاہری اعلان کا حکم بھی نہیں ہے۔ باقی اسلام علیہ السلام تعلیم ایمان سے پہلے اپنی حفاظت جان قائم رکھنے کی بنا پر محض غلوت اور غنی مقامات میں دین الہی کی تعلیم اور واجبات مذہبی کی تعلیم کے لئے بڑی تاکیدوں کے ساتھ مامور فرمائے گئے تھے۔ ابھی تو نہ اسلام کے ہاتھ میں تلوار ہے نہ اس کی کوئی فوج ہے اور نہ کوئی رسالہ تیار۔ صرف اس کی اعجاز بیانی اور صدق زبانی اور محاسن اخلاق کی یہ تاثیر ہے کہ جو سنتا ہے وہ اس کا مطیع و منقول ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں معترضین اور لوگوں کی قبول اسلام کا ذریعہ تلوار کی دھار کو کیسے بتلا سکتے ہیں۔ جو کل تین برس کے اندر سیکڑوں کے تعداد میں۔ مکہ معظمہ اور اوس کے گرد وواح سے آکر مشرف باسلام ہو چکے تھے۔

غنی الغنی اسلام اگر تھوڑی دیر کیلئے تعصب کا حجاب اپنی آنکھوں کے سامنے سے اٹھا دین تو حقیقت حال کا نہایت آسانی سے مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اسلام نہ کوئی نئی شریعت لایا ہے۔ اور نہ اوس نے اپنے لصاب و حکم شرعیہ کی نسبت کسی نوعیت کا دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ وہ تمام انبیاء و مرسلین گذشتہ کی بشارتیں اور ترغیبتیں ثابت اور کامل کر دینے کیلئے نازل کیا گیا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ اسکے تمام تعلقات ابتدائے لیکر انتہائے قریب قریب تمام شریعتائے سابقہ سے مطابق ہوں۔ اہم سابقہ کی گذشتہ مثالوں سے کما حقہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ جس طرح انبیائے سابقین پر پہلے ایمان لانے والے زیادہ تر نادار اور مفلوک الحال افراد و ملک قوم ثابت ہوئے ہیں۔ اوسی طرح اسلام کی ابتدائے تبلیغ و تعلیم کے ایام میں بھی علی الاکثر یہی حضرات دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ہم اس سے زیادہ اس بحث کو اس مقام پر طول دینا قبل از وقت سمجھتے ہیں۔ ان شاء اللہ اس کی تفصیلی بحث اپنے مقام مناسب پر قلمبند کی جائے گی۔

**ابتداء میں اظہار اسلام کی مصیبت** شبلی صاحب ابن اثیر کے اسناد سے اوپر لکھ چکے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت حرم محترم میں جا کر پڑھا کرتے تھے۔ اسلئے کہ یہ نماز مذہب قریش میں بھی جاری تھی۔ اس عجلت سے مستفاد ہوتا ہے کہ مشرکین قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امور سے انکار تو ضرور تھا۔ لیکن یہ اگرچہ انکار مخالفت اور عصمت کی مہیب صورتوں میں ابھی تک تبدیل نہیں ہوا تھا۔ وقتاً فوقتاً وہ اپنی جہالت و ضلالت کے تقاضے سے طعن تشنیع اور تعریف کے کلمات بکتے اور اسلام پر آواز دے رہے تھے جیسا کہ اھولاء میں اللہ علیہم و آلہم و سلم کے الفاظ تعریفی سے صاف ظاہر ہے۔ لیکن وہ خطا پوش و عطا پاش عالم رحمۃ للعالمین محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کی و اعراض عن المشرکین کے مطابق۔ اونکی ان جاہلانہ حرکات پر کوئی توجہ اور اعتناء فرماتا تھا۔ اور نہایت مہربان سکوت اور ثبات و استقلال سے تبلیغ اسلام اور تعلیم ایمان کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس کے خاموشانہ انداز و طریق تبلیغ نے آہستہ آہستہ تھوڑے دنوں کے اندر معتقدین کی جمعیہ جماعت قائم کر لی۔ لیکن اتنی زبرد کا سیاسی پر بھی اس کو خموش استقلال نے اپنی طرف سے پر جوشی کے کسی اظہار کو نہ مصلحت وقت سمجھا اور نہ مناسب مقام اس کا عزم بالجزم

اوسى استقلال و پادارى سے کام کرتا گیا اور اپنی ترقی اور توسیع تبلیغ کا قدم آگے بڑھاتا گیا۔ لیکن پرچش معتمدین سے اپنی زود کامیابی کے جذبات نڈرک سکے۔ اور وہ اسلام کے جانا فطرت عامہ کے اصول معمول کے مطابق اپنی کمزوری۔ اپنا ضعف اور کسر شان سمجھنے لگے۔ اور جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ اسلام کے اعلان پر اصرار کرنے لگے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ خدا کی مصلحت کو خدا جانتا ہے۔ یا اوس کے اصول معمولی طبیعتیں بزرگان قدرت نہیں ہو سکتیں اس لئے قدرت کی مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتیں اور ان کا اصرار پر قدرت کا لازماً منصفیست کا ذمہ دار برابر اکر رہتا گیا۔ وہ ان کے اصرار اور اپنے انکار کی حقیقت و مصلحت کو پورے طور سے جانتا تھا اور اس پر پیرا ہوتا تھا۔ لیکن عقیدت مندوں کی معمولی طبیعتوں میں حقیقت شناسی کے اتنے جوہر کہاں تھے جو اس کے منافع اور ضرر کو بخوبی سمجھ سکتے۔ اسکی مثال حضرت ابوبکرؓ کے مصائب کا مفصلہ ذیل قصہ ہے۔ جو حضرت حمزہؓ کے عین اسلام لانے والے دن واقع ہوا۔ جسکو ہم تاریخ الخنیس کی عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

کتاب منق من مرقوم ہے کہ اسلام حمزہ ابن عبدالمطلب اوس روز واقع ہوا جب حضرت ابوبکرؓ نے مار کھائی۔ وجہ یہ ہوئی کہ حبیب اصحاب رسول کی قدر و ثناء ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصرار کرنا شروع کیا کہ اب آپ ظہور فرمائیے۔ حضرت نے فرمایا اے ابوبکرؓ! ہم قلیل التعداد ہیں لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ماننے اور اپنا اصرار بڑھاتے رہے۔ یہاں تک انکا اصرار بڑھا کہ بالآخر حضرت نے نواحی مسجد میں ظہور فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ پڑھنا شروع کیا اور یہ پہلا خطبہ تھا جو خدا و رسول کی دعوت کو مستحق پڑھا گیا۔ جناب رسول خداؐ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ اس پر گروہ مشرکین میں جو لوگ موقع پر موجود تھے اس قدر ہرجاں ہوا کہ وہ سب کے سب حضرت ابوبکرؓ اور دیگر مسلمانوں پر چڑھ پڑے۔ ایک ٹوٹ پڑے عتبہ بن ربیعہ فاسق نے حضرت ابوبکرؓ کے قریب آکر پاؤں سے جوتے نکالے جو بیوند اور تھوڑا سا دھوکہ سے ماننا شروع کیا کہ جدھر یہ بیوند ہوتا تھا اوسى کو چہرہ کی طرف گھما دیتا تھا جس سے حضرت ابوبکرؓ کا چہرہ ایسا سوچ گیا تھا کہ چہرے پر ناک نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اس اتنا میں نبوتیم انکے قبیلہ والے آگئے اور سرسبز سے چٹرا کے ایک چادر میں اوٹھا کر انکو گھر لگئے۔

وفي المنطق وكان حمزة بن عبد المطلب اسلم يوم ضرب ابوبكر وذلك ان اصحاب الرسول الله صلعم ورضي الله عنهم لما اجتمعوا وكانوا تسعة وثلاثين رجلا الخ ابوبكر على رسول الله صلعم في الظهور فقال يا ابا بكر انما قليل فلم ينزل يلج عليه حتى ظهر رسول الله في نواحي المسجد وقام ابوبكر في الناس خطيبا ورسول الله صلعم جالس وكان اول خطيب عالي الله عز وجل والى رسوله وثلا المشركون على ابوبكر وعلى المسلمين يضربونهم في نواحي المسجد ضربا شديدا او طخوا ابوبكر و ضرب ضربا شديدا ودخل منه الفاسق عتبة بن ربيعة فجعل يضرب ببعليين ففتن ويخرفهما بوجهه واقر على وجهه ابوبكر حتى اضر انفه من وجهه وجاءت بنو نضر فاحلوا المشركين عن ابوبكر وحملوا ابوبكر في ثوب حتى ادخلوا البيت جلد اول ص ۳۲ مطبوعه مصر

حضرت ابوبکرؓ کماں ایمان کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے تھے اس لئے انھوں نے اس کے اظہار پر اصرار فرمایا حالانکہ جناب رسول خداؐ



صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افتخار و کتمان کی مصلحتوں کو سمجھ کر انکوائے غلط اصرار سے باز رہ جاتے رہے لیکن چونکہ یہ راز و قدرت و راز و کتمان اس لئے نہ مانے نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی مصیبت میں پڑے اور دیگر مسلمانوں کے لئے مصائب و شدائد کا فتح الہاب کر گئے۔

یہ تو تبلیغ اسلام کے جذبات میں متعقدین کی بیجا مبادرت قریش کی اشتعال طبعی خصوصیت اور اذیت اہل اسلام و بانی اسلام کا باعث ثابت ہوئی اسی کے ایک ایک دوسرا امر ناقابت اندیشہ طریقہ سے سعد بن ابی وقاص کے ہاتھوں اسلام کی تعمیل و اجبات کے متعلق سرزد ہوا۔ جو اسی تاریخ کی مفصل ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

وكان اصحاب رسول الله صلعم اذا صلوا ذهبوا الى  
الشعاب فاستخفوا من قومهم فبينما سعد بن ابى  
وقاص في نفر من اصحاب النبي صلعم في شعب  
من شعاب مكة اذا اظهروا عليهم نفر من المشركين  
وهو يصلون فناكروهم وخابوا عليهم ما يصنعون  
حتى قاتلواهم فاقبلوا فقتلوه ففزع سعد بن ابى وقاص  
رجلا من المشركين يلجى من جملها فشمى فكان اول  
دماء هريق في الاسلام.

عبداللہ بن مسعود صحابی نے بھی آواکل اسلام میں ایسے ہی جرات بجا کی تھی جبکی مفصل کیفیت ہم تاریخ طبری کی عبارت ذیل میں لکھتے ہیں۔

اجتمع يوما اصحاب رسول الله صلعم فقالوا والله  
ما سمعت قریش بهذا القرآن يجهر لها به قط فمن  
رجل سيمعهم فقال عبد الله بن مسعود انا قالوا  
انا نختشاهم عليك انما نريد رجلا له عشيرة  
يمنعونه من القوم ان ارادوه فقال دعوني فان  
الله سيمنعني قال فقد ابن مسعود حتى الى المقام  
في القضي وقریش في اندیتها حتى قام عند المقام ثم  
قال بسم الله الرحمن الرحيم رافعا لها صوته  
الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البيان  
ثم استقبلها بقرآن فيها قالوا قاتلوا وجعلوا يقولون

ایک بار اصحاب جناب رسول اللہ صلعم جمع ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ابھی تک قریش نے بلند اور واضح آواز سے قرآن نہیں سنا ہی ہم میں سے کون ایسا شخص ہے جو ان کو قرآن بلند آواز سے باکر سنا دے عبداللہ بن مسعود بولے وہ میں ہوں۔ اصحاب نے کہا تمہاری طرف سے یہ خوف ہو گئے کہ قریش میں کوئی صاحب قبیلہ اٹھ کر تمہارے ارادہ میں تمہارا ساتھ مزاحمت کرے اور تم کو باز رکھے عبداللہ بولے آپ حضرات مجھے پشیمانی خدا میری اعانت کرنے کا صبح ہوئی تو حرم محترم میں گئے بعد مقام پر پہنچ کر پڑھے ہو کر بلند آواز سے بسم اللہ کہی اور سورہ رحمان کی تلاوت شروع کی قریش نے سنا تو کہنے لگے کہ ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود کا لقب ہے) کیا کہتا ہے سنا تو لوگوں نے کہا یہ تو نبی چیز ہے جو محمد پر

ما یقول ابن ام عبد شمر قالوا لئن لم یصلوا لنبض طبعاء  
لہ محمد فقاموا الیہ فجعلوا یضربون فی وجہہ وجعل  
یقرع احسے یلع منها ما شاء اللہ ان یبلغ ثم انصرف  
لی اصحابہ وقد اشرعوا بوجہہ فقالوا ہذا اللہ  
شینا علیک قال ما کان اعداء اللہ اھون علی منھم  
ان لئن شئتم لا غاد یتھم غدا بمثلھا قالوا لا احسبک  
قد اسمعتم ما یکوھون - تاریخ طبری - مطبوعہ جبرین صفحہ ۱۱۸

ان لوگوں کے زعم کے مطابق نازل ہوئی ہے یہ سنتی ہی تمام قریش کھڑے ہوئے اور عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ لیکن جانتک مذکور ان سے تلاوت قرآن کی صورت میں یہ تلاوت کر کے جب تلاوت کر چکے تو اصحاب رسول صلعم کے پاس واپس آئے۔ چہرہ پر مار کا نشان بالکل نمایاں تھا۔ اصحاب اس حالت سے انھیں دیکھ کر گئے کہ یہ کو تمہاری نسبت اسی بات کا اندیشہ تھا عبداللہ نے کہا کہ خدا کی طرف سے یہ امر مجھے بالکل آسان معلوم ہوتا ہے۔ اگر آپ لوگ

باہن تو پھر کل میں اسی طرح کر دکھلائیں۔ اصحاب نے کہا نہیں یہی کافی ہے جس چیز سے وہ کراہت کرتے تھے وہ تم نے اذکر سنا دی۔ شبلی صاحب نے بھی اس واقعہ کو اسی حوالہ سے لکھا ہے لیکن اپنی اختصار کے قدیم پیرایہ میں طبری کا حوالہ بھی ملطا دیا ہے صفحہ ۱۱۸ کی جگہ ۱۱۸ ہونا چاہیے۔ سیرۃ ابنی ج اص ۱۶۱

یہ واقعات بتلا رہے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی عقیدہ مندوں اور معمول پسندوں نے۔ رازدار رسالت کے مصالح و فتنے کی قدر و عظمت نہیں کی۔ اس لئے کہ وہ اسکے حقیقت شناس نہیں تھے اسلامی محدثین و مؤرخین کے خلوص عقیدت اس وقت ان حضرات کے ان طرز عمل کو جیسا کہ مستحسن نہ بتلا میں۔ اور انہیں سے ایک کو اسلام کا خطبہ اول اور دوسرے کو حملہ اول ظاہر فرماتے۔ وہ ان کے حسن عقائد سے متعلق ہے لیکن بخلاف ان کے جب ایک عاقبت بین اور آل اندیش محقق ان واقعات پر نگاہ غور ڈالے گا تو اس کو صاف طور سے معلوم ہو جائیگا کہ ان کے یہ محاسن عقائد باعث مفاسد تھے اور انکی بہ مبادرت محض بیجا۔ بیوقت اور بالکل نازیبا تھی۔ یہ بہت و حوصلہ صریح اشتعال انگیزی تھی اور فتنہ خیزی۔ رسول بار بار ان پر جو سشیوں کے اظہار سے منع فرماتا تھا۔ خدا و ان غرض عن التشرکین کہ مکرم معاملات کفار سے کنارہ کشی کی تاکید کر رہا تھا۔ لیکن یہ پر جوش عقیدت مندر کی سی ہی نہیں سنتے جلتی آگ کے شعلوں کو اپنے ہاتھوں سے بھر کالتے ہیں اور ان آپ ہی آپ گرے جاتے ہیں۔ ان بیجا جراتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام قریش کے غیض و غضب میں ایک بیجانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اسلام و بانی اسلام علیہ السلام کی طرف سے جو وہ اتک شمشادہ اور غیر سر و کلاوہ ریش اختیار کئے ہوئے تھے اور اس وقت تک اپنے انکار و اکراہ کو صرف جاہلاد طعن و شیاعہ استہزاء و تمسخر تک محدود کر تھے ان واقعات سے اتنا متاثر ہوئے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی کھلی کھلی عداوت اور مخالفت پر بری مستعدی سمجھ آمادہ ہو گئے۔ اور گویا اس وقت سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمانوں پر بلا و مصیبت کو فتح البلیت شبلی صاحب نے ان واقعات کو سب سے مرفوع القلم فرما دیا ہے۔ گویا تاریخی واقعات کی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔ حالانکہ ان حالات کو تاریخوں سے زیادہ حدیثوں نے بیان فرمایا ہے چنانچہ صاحب تاریخ الخلفاء نے ان کو

بیٹ کی مشہور و معروف کتاب المنقحی سے نقل کیا ہے۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخفاء و انزوا کی سیرت  
شکاری اور بیداری سے کافی و دآپ کے استقلال اور ہمت کے کافی ثبوت ہیں۔  
اور نبوت ہی کی قوت و پاداری تھی۔ اپنی جان کی حفاظت مسلمانوں کے جان و مال  
انگرائی کفار قریش کی مجبوتانہ تعریف اور معذرتہ طعن و تشنیع پر کھوت و خوشی فرید بران پر جوش عقیدت مندوں کی بحال  
ماوریت اور نازیہ اجرات و ہمت کا ضبط و ضبط اتنی اہم ضروریات کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالذات  
فیس تنہا ہرگز احسن الوجوہ طے فرماتے رہے۔ چنانچہ مشہور صاحب بھی اتنا ضرور اعتراف لکھتے ہیں۔  
تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا جس ۱۵۳

## نبوت کا چوتھا سال دعوت قریش

سال رسالت اخفاء کے انقضاء کے بعد مدبر قدرت نے وقتی مناسب اور مصالح پر نظر کر کے جناب رسالت صلی اللہ  
بہ وآلہ وسلم کو اندر غیث تک الاقرین (ایز قریب کے رشتہ داروں کو غلبہ خد سے ڈاؤں کا حکم حکم نازل فرمایا۔ جو لوگ تحقیق پسند ہیں اور  
بقت شناس۔ وہ قدرت کے ان نظام بالتدریج کی مصلحت و خوبی کو کافی طور سے سمجھتے ہیں حقیقت یہ ہی کہ ایسے  
ب وقت میں تبلیغ مذہب کی اوکاری بالکل رازداری تھی۔ ہر خاص و عام سے اظہار و اعلان قیام اسلام  
نقصان اور بانی اسلام کیلئے خطرہ جان بننا پر مبنی اس کے اظہار تبلیغ اور قرار و تصدیق کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
خانہ دین میں اون ذوات مقدسہ سے آغاز کیا جو آپ سے اقرب ترین تھے اور جن کے خلوص ایمان اور وثوق و ہمد  
ان پر خدا و رسول کو یقین تھا وہ بزرگوار حضرت خدیجہ آپ کی بی بی تھیں۔ آپ کے برابر بھائی حضرت علی مرتضیٰ تھے پھر کے  
بروہ خاص زید ابن حارثہ تھے۔ انھیں حضرات سے بالفاق جبر تبلیغ اسلام کی ابتدا فرمائی گئی۔ ان بزرگواروں نے  
الصدق رسول مکرلی اور سب لوگوں سے پہلے مشرت باسلام ہو گئے۔

مشیت خداوندی نے وہی نظام مصلحت جو ابتداء سے تبلیغ میں جاری فرمائے تھے اس وقت بھی نافذ فرمایا  
رہے اظہار تبلیغ اور اعلان دعوت اسلام کا (اند غیث تک الاقرین) حکم صادر ہو چکا تھا۔ لیکن تاہم اس کے نفاذ کا آغاز بھی  
پنے خاص اعزہ و اقارب سے کئے جانے کا خاص طور پر فرمان دیا۔ اس لئے کہ یگانوں پر یگانوں سے زیادہ اعتماد ہوتا  
جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس حکم خداوندی کی جس مستعدی اور سرگرمی سے تعمیل فرمائی اور  
ورٹاہم پہلے مشہور صاحب کی عبارت میں حسب ذیل نقل کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد مقدانہ طریقہ سے اہل واقعہ  
انکشاف حقیقت کرتے ہیں۔ صحیح بخاری ص ۷۰۰ کے حوالہ سے لکھا جاتا ہے،

نہرت مسلم نے کو صفا پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش لوگ جمع ہونے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے کون کہ پہاڑ کی جانب سوا ایک لشکر آ رہا ہے

تو تم کو یقین آئیگا؟ سب نے کہا ہاں۔ کیونکہ ہم ان کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا تو میں کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا۔ یہ سنکر سب لوگ جن میں آپ کا چچا ابولمب بھی تھا سخت برہم ہو کر چلے گئے۔

چند وز کے بعد آپ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو۔ یہ حقیقت اسلام کی تبلیغ کا پہلا موقع تھا۔

ہو گیا۔ حمزہؓ، ابوطالبؓ اور عباسؓ سب سرشار ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانیکے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ حق پر

میں آیا ہوں جو تمہارے دین و دنیا دونوں کو نفعیل ہے اس بارگاہ ان کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا۔ تمام مجلس میں ٹٹاٹھا۔ وقتاً حشر علیؑ

نے اٹھ کر کہا گو مجھ کو آشوب چشم ہے۔ گو میری ٹانگیں تپتی ہیں اور گویں سب سے فوج عمر ہوں۔ تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ قریش کے لئے ایک نیرت انگیز

منہر تھا کہ وہ شخص جن میں ایک سیزہ سالہ بچہ تھا۔ دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بیاضۃ ہنسی آگئی لیکن آگے چکر زمانہ نے

بتلا دیا۔ یہ بچہ لایا جیسا تھا۔ جلد ۱ ص ۱۵۴

ظاہر ہے کہ شبلی صاحب نے اس واقعہ کو صرف بیحد بخاری سے نقل کیا ہے۔ اور کسی تفسیر، حدیث اور تاریخ کی کتاب سے نہیں اسلے کہ آپ کے اصول و ضوابط کے مطابق جس کی عنوان حفظاً تقدم کے لحاظ سے آپ نے دیباچہ ہی سے اوٹھایا ہے۔ بخاری سے بلکہ کوئی دوسری کتاب تیز تر نہیں تھی۔ اس کے مقابلہ میں تہذیب و تاریخ تو سب سے فروتر ہیں تو ان کا ذکر ہی بجا ہے۔ ایسے ہی تفسیر حدیث پر کتاب کہ تفسیر خمسہ صحاح بھی اس کے مقابل نہیں ہیں گو آپ کے اس ظلم بخاری کی حقیقت ہم آپ کے دیباچہ کے ترجمہ میں پورے طور سے دکھلا چکے ہیں لیکن خلاصہ اس روایت بخاری کی حقیقت حاشیہ زیر میں صفحہ کی عبارت میں پوری تفصیل دی جاسکتی ہیں۔

۱۔ چونکہ محنت بخاری کا طاسیم شمسبی صاحب نے دیا چہ کتاب ہی سے اس غرض وغایت کی بنا ہاتھ کہ ان عظیم الشان واقعات فصائل و مناقب حضرت  
علی مرتضیٰ اور جناب رسولی نام کے ساتھ آپ کی افضل ترین قربت۔ رفاقت اور نصرت و حمایت اور نیز اسلام کے ساتھ آپ کی مریدانہ اور عمامہ شفقت اور  
خدمت پر پورے طور سے نقاب افگنی کی جائے جس سے دنیا کے صحابیت میں مسادت اور ترمیم کے غلط اصول قائم نہ ثابت ہوں اس بنا پر اس واقعہ کو  
اور اسکے ایسے تمام واقعات اسلامی کو، انواع اقسام کی صنعت و حرفت اور مختلف وضع و تماش کی قلمکاری سے حتی الامکان نمایاں ہو گیا  
ہے اور چھپایا ہے جیسا کہ اس واقعہ اور آئندہ تمام واقعات کے متعلق ہمارے تحقیقی عبارت زیر حاشیہ سے پورے طور پر ظاہر ہو گا۔ ہم نے  
بخاری کے استحضار اور اختصار واقعہ کے خلاف جن علمائے کبار کی تصنیفات و اسکے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ اگرچہ ان حضرات کی شہرت اور  
اعلیٰ کسی توثیق کی محتاج نہیں ہے لیکن تاہم اصول کلام اور فریاد طینیان کی غرض سے ہم ان کی توثیق مفصلہ ذیل عبارت حاشیہ میں قلمبند کر رہے ہیں۔  
ہم نے امام سنائی کے حصائص کی عبارت سب سے پہلے لکھی ہے اس بنا پر پہلے ان کی توثیق ملاحظہ ہو۔

توثیق امام نسائی۔ امام سبکی طبقات الشافعیہ میں لکھتے ہیں۔ قال ابن الطاهر المقدسی سالت سعد بن علی الریمحانی عن رجل فو  
فقلت ضعه النسائی فقال یا بُنی ان لابی عبد الوحمن شرطاً فی الرجال اشد من شرط البخاری بن طاهر مقدسی نے سعد بن  
بن زنجانی سے ایک راوی حدیث کا حال پوچھا تو اس نے اس کی توثیق کی میں نے کہا نسائی نے تو اس کو ضعیف کہا ہے تو سعد نے کہا اے میرے بیٹے عبد الرحمن  
نسائی کے شرائط رجال بخاری سے زیادہ سخت ہیں۔ اسی طرح طبقات الحفاظ امام سیوطی میں ہے قال الذہبی هو اضعف من مسانیر حجاج



شہلی صاحب اور اون کے اسلاف بخاری وغیرہم کی اصلی غرض یہ تھا کہ ان مکیوں سے کیا تھی؟ وہی حضرت علی کے فضائل سے تھی۔ اگرچہ سواد اعظم میں یہ مواد عالمگیر ہے لیکن امام بخاری صاحب اس مرض میں آغاز ہی سے بتلا میں ضعف خاص ہے ہم دعوت قریش کے واقعہ کو صحیح سند حسن تفسیر اور تاریخ کی اصلی عبارتوں کے ساتھ ذیل میں نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ واقعہ کیا ہے اور بخاری صاحب لکھتے ہیں کیا۔ سب سے پہلے ہم امام نسائی کے مضاف نص سے جو ادنیٰ صحیح میں داخل ہے۔ اسکی حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں۔

عن ربيعة بن ناجبة ان رجلا قال لعلي بن ابي طالب يا امير المؤمنين لعمرك ان عمك قال قال جمع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بنى عبد المطلب فضع لهم من الطعام قال فاكلوا حتى شبعوا نفى الطعام كما هو كان لعمري ثم عابرة فشربو حتى تروا واولمى الشرا كان لعمري ولعمري ثم فقال يا بنى عبد المطلب اني بدت اليكم خاصة والى الناس عامة وقد رايتم ايامكم بايعني على ان يكون اخي وصاحبى ودارنى فلم يقم

ربيع بن ناجبة سے مروی ہے کہ کسی نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ ہی کیوں وارث رسول ہوئے اور آپ کے چچا وارث رسول نہ ہوئے۔ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ نے خاندان عبد المطلب کو بلا کر دعوت دی۔ ایک طعام اور ایک پیالہ پانی سے سب کو سیر کر دیا اور کھانا پانی اسی طرح بچھا۔ چھر فرمایا اب بنی عبد المطلب تم تمہاری طرف خاص پر سبوت ہوئے ہیں اور لوگوں کیلئے عام طور سے۔ تو کون شخص تم میں ہماری بیعت کرتا ہے۔ اس مسئلہ پر کہ وہ ہمارا وارث ہو یا ہمارا صاحب ہو اور ہمارا بھائی ہو یا ارشاد نہ کر کوئی بھی کہہ نہیں سکتا ہم مقررہ لکھ رہے ہیں۔

باقی عبارت حاشیہ ذہبی کہتے ہیں کہ وہ نسائی مسلم بن الحجاج اصحاب صحیح مسلم سے زیادہ حافظ ہیں تھے۔ سلامہ عبد الباقی زرقانی اپنی شرح میں لکھتے ہیں النسائی ابو عبد الرحمن احمد بن شعيب الخراساني ثم المصري الحافظ احدثه المبرزين والعلامة الطحاوي والحفاظ المتقنين حقه قال الذهبي هو احفظ من مسلم ابو عبد الرحمن احمد بن شعيب خراساني بعد مصري كنه اراكم معتبرين ملايكه بن اور حفاظ متبحرين میں سے ہیں اور قبول ذہبی مسلم سے زیادہ حافظ حدیث ہیں۔ علامہ سیوطی مدرس الراوی ہیں جسے اکثر نحو اس شہلی صاحب نے بھی سیرۃ النبی میں دیے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

قال ابن طاهر المقدسي شرط البخاري ومسلم ان يخرج الحديث الجميع على ثقة وجماله الى الصحابي المشهور قال العراقي ولايس ما قاله بحدلان النسائي ضعف جماعة اخرج لهذا الشيخان ادا حد هما ۳۸۰ ابن طاهر کہتے ہیں کہ شرط بخاری و مسلم یہ ہے کہ وہ اسی حدیث میں روا کرتے ہیں جنکے رجال موثق ہوں یا صحابہ کا اجماع ہو۔ عراقی کہتے ہیں یہ درست نہیں کیونکہ نسائی نے بہت سے ایسے راویوں کو ضعیف کر دیا ہے جن بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ یا صرف بخاری نے یا صرف مسلم نے روایت کی ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ ہم نے یہ روایت مضاف نسائی سے نقل کی ہے نہ صحیح نسائی سے اس بنا پر ہاں فرض ہو کہ ہم ثابت کر دیں کہ مضاف نص بھی داخل صحیح ہے اور یہ کہ مضاف نص اسی صحیح کا ایک جزو خاص ہو اور ایک ہی شے ہو اسکے ثبوت میں ملاحظہ تہذیب التہذیب ابن حجر کی مفصلہ ذیل عبارت۔ وکانہ لم يقف عليها والله الموفق والمزى وافرود على يوم وليلة للنساء عن السنن و من جملة كتاب السنن في رواية ابن التمر وابن السيار وكذلك افرود مضاف نص على وهو من جملة المناقب في رواية ابن السيار

الیہ احد فتمت الیہ وکنت اصغر القوم قال اجلس  
 قالت ثلاث مرات کل ذلك اقوم فبقول اجلس حتی  
 کان فی الثالثة ضرب بیده علی بطنی فو قال فیدلک  
 ورثت ابن عمی دون حتی - ضامن طوبہ جلد ۹ ص ۶۱  
 حالانکہ ہم سب سے چھوٹے تھے حضرت نے تین بار اس کلام کا اعادہ کیا  
 لیکن کوئی شخص بخیر میرے نہ کہرا ہوا۔ [میں نے اسے صدمہ  
 نہ پہنچا دیا] میرے ہاتھ پر مارا۔ [میں نے اسے صدمہ  
 اسوجہ اپنے ابن عم کے وارث ہونے۔ نہ ہمارے عم بزرگوار ضامن طوبہ  
 صمیم بخاری کی عبارت مندرجہ بالا سے ضامن نسائی کی موجودہ عبارت کو ملایا جاوے تو معلوم ہو جائیگا کہ بخاری صا  
 نے اپنی خود غرضی سے اس واقعہ کو کیسے مبہم اور غلط طریقہ سے بیان فرمایا ہے اور اصل واقعہ کو جس سے حضرت علی کی رفا  
 نبوی کے حقیقی قول و قرار اور جناب مجتہد صادق کی زبانی ان کے مراتب و مدارج کے اظہار ہوتے تھے۔ بالکل مرفوع القلم  
 کرو یا گویا انکا وقوع ہوا ہی نہیں تھا۔

اب مسند امام فضل کی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو۔  
 حد ثنا عبد اللہ ثنا ابی اسود بن عامر ثنا شریک عن  
 الاعمش عن المنہال عن عباد عن عبد اللہ الاسدی  
 عن علی قال لما انزلت هذه الآية وَاَنْذَرْتُ عَشِيَارَکَ  
 الْاَقْرَبِیْنَ قَالَ جَمِیعُ النَّبِیِّ مِنْ اَهْلِ بَیْتِهِ فَاجْتَمَعَ ثَلَاثُونَ  
 عبد اللہ ابی اسود سے۔ ابی اسود عامر سے۔ عامر شریک سے۔ شریک  
 اعمش سے۔ اعمش منہال سے۔ منہال عباد سے۔ عباد عبد اللہ  
 سے عبد اللہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیہ فَاَنْذَرْتُ عَشِیْرَتَکَ  
 الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہو تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے  
 گھر کے لوگوں کو جمع کیا وہ لوگ تیس آدمی تھے۔ انلوگوں کی ضیا

بقیہ حاشیہ  
 ولویفرد التفسیر وھو فی روایۃ حمزہ وحدہ لا کتاب الملئکہ ولا استعدادۃ والطب وغیر ذلک وقد تفرع بذلک راودہ  
 راو فہا تبین لی وجہ افرادہ للمضائض وھل یوم الیلۃ مزی مصنف تہذیب نے نسائی کی کتاب عمل یوم ولیلۃ کو ملحوظہ کیا حالانکہ بڑا  
 ابن اہمروا بن سیارہ بھی کتاب السنن سے ہے۔ اسی طرح ضامن جناب علی رضی اللہ عنہ کو بھی شیعہ کیا حالانکہ وہ منہل جزو مناقب ہوا ورنہ علو  
 کیا تفسیر کو نہ کتاب الملئکہ کو نہ کتاب الاستعدادہ کو اور نہ کتاب الطب کو جسکے متعلق ایک ایک راوی مفرد ہوا نسائی سے تو ہوا اسکی کوئی وجہ نہیں  
 معلوم ہوئی کہ کتاب الحمضائض اور عمل یوم واللیلۃ کو کیوں اصل کتاب سے علوہ کیا گیا۔ تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۶

اب اسکے بعد یہ بھی من لیا جاوے کہ فضائل علی کا لکنا انکے وقت میں اتنا بڑا جرم عظیم تھا کہ سوائے قتل کے اسکی دوسری سزا بھی  
 تھی۔ چنانچہ نسائی غریب بھی اسی تھمب میں آگئے اور اسی ضامن کے لکھنے کی وجہ سے انکی جان گئی۔ ان کا پورا قصہ ابن حجر کی طبانی ذیل میں  
 ملاحظہ ہو۔ قال ابن عباس سمعت المنصور الفقیہ واحمد بن محمد بن سلیمان الطحاوی یقولان ابو عبد الرحمن امام المسلمین  
 وقال محمد بن سعید البادر می ذکرہ النسائی لقاسم المطرز فقال ھو امام یتحق ان یکن اماما وقال ابو علی النیشاپوری  
 سکتلت النسائی الامام بل مدافعة وقال فی موضع رأیت من ائمتہ الحدیث اربۃ فی زمانی واسفادی اثمان نیشاپوری  
 محمد بن اسمعیل وابراہیم بن ابی طالب والنسائی بہر وعبدان فی الاھواز وقال مامون المصمری خرجنا الی طرطوسی  
 واجتمع من الحفاظ عبد اللہ بن احمد ومروان وابی الاذان وکلیبۃ وغیرھم فکیسوا کلھم بانتخاب النسائی وقال ابو الحسن

فأكلوا واشربوا قال فقال لهم من مقيم عني ديني و  
مواظب على ما أمرت به في الجنة ويكون خليفتي في أهل  
قال ربي عز وجل يا رسول الله صلعم ان كنت  
يجز من يقوم بهذا الأمر قال الآخر قال فعرض ذلك على  
اهلبسته فقال على اهلبسته فقال على انا جاء

کی گئی۔ اور تمام لوگوں نے ملکر کہا یا پاپا پیر آپ نے اون لوگوں کو  
مخاطب کر کے کہا کہ تم میں سے کون شیخ شخص نسامین بہتر ماہر ہے کہ میرے فرض کو  
ادا کرے میرے وعدہ کو پورا کرے اور یہ بے ساتھ بہشت میں رہے  
اور میرا خلیفہ ہو۔ حاضرین میں سے ایک شخص جب کا نام راوی نے نہیں لیا  
اوتھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ آیا یہ کیا ضروری ہے کہ ایک ایسا شخص  
پہننے لگے اور وہ یہ عرض کیا۔ بالآخر حضرت علیؑ نے اٹھ کر کہا کہ وہ میں  
ہے نہیں ہے لیکن وہ الفاظ موجود ہیں جنکے پڑھنے لکھنے اور سننے  
مکمل اوسمین خلافت علیؑ کا اظہار و اقرار ہے۔

کنفہ فی الثعال فی سنن الاقوال والاحوال جلد ۶ ص ۳۹۶ میں اسکی صورت واقعہ لوین ٹریس۔

عن علي قال لما نزلت هذه الآية **وَإِذْ رُعِيتُكَ**  
**إِذْ هُمْ قُرَيْنٌ عَلَىٰ رَسُولِ اللَّهِ** صلى الله عليه وآله وسلم  
**فَقَالَ يَا عَلِيُّ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أُنْذِرَ عَشِيرَتِي فِي الْفَرِّجِ**  
**فَضُفْتُ بِذَلِكَ ذُرْعًا وَعُرِفْتُ إِلَىٰ مَتَىٰ أَبَا دِيْعَمَرٍ كَهَذَا**  
**الْأَمْرُ** روى عنه ما ذكره قصمت عليه حتى جاع في جبريل

حضرت علی مرتضیٰ عری مروی ہو کہ حبیب آیا وَاَنْذَرُ عَشْرَةَ نَفْسٍ الْاَقْرَبِينَ  
جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تو آپ نے مجھے ارشاد  
فرمایا کہ یا علی مجھے غدا نے تکلیف دیتے کہ میں اپنی قریبی رشتہ داروں کو  
سزا ب الہی سے ڈاؤں لیکن میں نے اس میں چنپے تو وقف کیا اس وقت  
تہ کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ میری ہدایت سے اکراہ کریں اور میری بات

من المظفر سمعت مشائخنا بمصر يعترفون لأبي عبد الرحمن النسائي بالتقدم والإمامة ويصفون مزاجه هادة في العبارة  
بالليل والنهار وما ظليته على الحج والجهاد وإقامة السنن الماثورة واحترازه عن مجالس السلطان وإن ذلك لم يزل  
إلى أن استشهد وأقال الحاكم سمعت علي بن عمر الحافظ غير مرة يقول النسائي أفقه مشائخ عصره في عصره وأعمقهم  
بالصحيح والتسليم وأعلمهم بالرجال فلما بلغ هذا المبلغ حسدوه فخرج إلى الرملة فسئل عن فضائل المعوية  
فأمسك عنه فضر به في الجامع فقال أخرجوني إلى مكة فأخرجوه وهو عليل وتوفي مقنولا شهيداً فقال أبو  
المامون سألت عن تصنيفه كتاب الخصائص فقال دخلت دمشق والمنحرف بها عن علي كثير فصنف كتاب الخصائص  
وجاء أن يهد بهم الله صنف بعد ذلك كتاب فضائل الصحابة وفعدها على الناس وقيل له وأنا حاضراً لا تخرج فضائل  
معوية فقال أي شيء أخرج اللهم لا تنيع بطنه وسكت السائل - توفي سنة ٢٨٥

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ ابو علی منشا پوری کہتے ہیں کہ نساؤ المؤمنہ المسکین سے تھے۔ پھر کہتے ہیں کہ نساؤ امام ہیں بلا مبالغہ۔ دوسرے مقام پر کہہ رہے ہیں چار آدمیوں کو امامہ حدیث سے دیکھا ہے۔ محمد بن اسحاق ابراہیم بن ابیطالب نساؤ مسکین۔ عبدان اہوازین۔ مامون مصری کہتے ہیں حفاظ حدیث سے عبد اللہ بن احمد۔ مرتب۔ ابوالاذان۔ کلجی وغیرہ جمع ہوئے سب نے کہا نساؤ انتخاب لکھا کرو۔ ابوالحسن بن ظہیر کہتے ہیں ہمارے

فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنْ لَمْ تَفْعَلْ مَا قَوْمِي بِهِ بَعْدَكَ رَبُّكَ فَاضْعَلِي  
 صَاعًا مِنْ طَعَامٍ وَاجْعَلِي عَلَيْهِ جِلَّ شَاةٍ وَلَمْلَمًا لَنَا عَسَا  
 مِنْ بَنِي ثَمَرٍ اَجْمَعِي لِي بَنِي عَبْدِ الْمَطْلَبِ حَتَّى اَكْلَهُمْ وَالْبَلْعُ  
 مَا امَرْتُ بِهِ فَفَعَلْتُ مَا امَرْتُ بِهِ ثُمَّ دَعَوْتُهُمْ وَهَرَوِي مِثْلَهُ  
 اَرْبَعُونَ رَجُلًا اَوْ يَنْقُصُونَ فِيهِمْ اَعْمَالُهُ اَبِي طَالِبٍ وَحَمْزَةُ  
 وَالتَّبَّاسُ وَابُو لَهَبٍ فَلَمَّا اجْتَمَعُوا اِلَيْهِ دَعَا بِالنَّعَامِ  
 الَّذِي صَنَعَهُ لَهُمْ فَجُعْتُ بِهِ فَلَمَّا وَضَعْتُهُ تَنَاوَلَ النَّبِيُّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ خَسْبَتِ حَزِيَّةٌ مِنَ اللَّحْمِ فَشَقَّهَا  
 بِاسْنَانِهِ ثُمَّ اَلْعَاهَانِي نَوَاحِي الصَّفَةِ ثُمَّ قَالُوا كُلُوا  
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فَكُلَ الْقَوْمُ حَتَّى غَمَّوْا عَنْهُ  
 مَا تَرَى اَلَا تَارِدًا مَا بَعَثَهُ اللَّهُ اِنْ كَانَ الرَّجُلُ الْوَاحِدُ  
 لِيَاكُلْ مِثْلَ مَا قَدَّمْتُ لِحَسْبِهِمْ ثُمَّ قَالَ اسْقِ الْقَوْمَ يَا عَلِيُّ

نہیں گے اس بنا پر میں خوش رہا۔ تاکہ ہر جبریل نازل ہوئے لوگوں کو  
 خدا فرماتا ہے کہ اسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھایا ہے  
 تم کو حکم دیا ہے تو تم پر تمہارے رب کی طرف سے کھانا دیا جائے تم  
 (اے علی) بعد ایک صاع (پونے تین سیر خیر) طعام (روٹیاں) تیار کرو  
 ایک بکری کا گوشت پکالو۔ اور ایک کاسہ شیر مٹھا کرلو۔ اور تمام بنی عبدالمطلب  
 کو صیانت میں بلا لاؤ تاکہ میں اسی مجلس صیانت میں ان کو کلام کر دوں اور  
 جو کچھ ان کے متعلق حکم ہوا ہے اس کو بخالائون اور ان تک پہنچا دوں حضرت  
 علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسولؐ کو صلعم کے مطابق سب سامان چھپا  
 کر دیا اور تمام بنی عبدالمطلب کو بلا لایا وہ لوگ شمار میں کہ ویش حال میں آئی  
 تھے اور ان میں آنحضرتؐ صلعم کے چچا۔ ابوطالب۔ حمزہ عباس۔ ابولہب  
 سب ہی موجود تھے۔ جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے۔ تو آنحضرتؐ صلعم نے چھپے  
 وہ کانا کھلانے کیلئے حکم دیا جو ان لوگوں کے لئے تیار ہوا تھا میں جب ان  
 کماؤں کو حضرت کے سامنے لایا تو آپ نے ایک پارچہ گوشت اٹھایا اور  
 اپنے دندان مبارک سے کاٹ کر طشت میں رکھ دیا اور حاضرین سے کہا بسم اللہ ایک ایک

بقیہ عبارت حاشیہ۔ مشائخ بزرگ امامت اور تقدم نسائی کے قائل تھے۔ اور ان کی عبادت و حج و اجتهاد کی تعریف کیا کرتے تھے اور یہ کہ سنن  
 ماورہ کی امامت کرتے تھے اور مجالس سلاطین سے پرہیز کرتے تھے۔ یہی ان کے طریقہ اداب و معاشرت قائم رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہوئے۔

امام حاکم کہتے ہیں کہ میں نے حافظ علی بن عمر کو چند بار کہتے سنا ہے کہ نسائی فقیہ ترین ہیں اپنے زمانہ کے مشائخ میں اور سب سے زیادہ اعلم ہیں  
 صحیح و سقیم احوال رجال کے۔ یہ جب اس درجہ و مراتب پر فائز ہوئے تو لوگوں نے ان سے حسد کیا جس سے وہ رملہ کھینچنے لگے وہاں  
 لوگوں نے ان سے حسد کیا اور فضائل معویہ کو ان سے پوچھا تو انھوں نے سکوت اختیار کیا۔ جس پر سب نے مسجد جامع میں ملکر ان کو خوب مارا انھوں  
 نے کہا کہ ہلو کہ لے چلو۔ وہیں انھوں نے مقتول و شہید ہو کر وفات کی۔ ابوبکر مامون کہتے ہیں کہ ہم نے نسائی سے کتاب فضائل کی جو  
 تالیف پوچھی تو کہا کہ جب ہم دمشق میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو حضرت علیؑ سے سخر پڑا۔ لہذا اس امید پر کتاب لکھی کہ شاید ان کی ہدایت  
 اس کے بعد فضائل صحابہ لکھے اور سب کے سامنے اس کو پڑھا تو کسی نے پوچھا کہ معاویہ کے فضائل نہیں لکھتے تو میں نے اس سے کہا کہ اس کی  
 فضیلت کیا لکھی جاوے کیا اللہم لا تشیع بطنہ (خدا کسی اس کا پیٹ نہ برے) لکھ دیا جاوے۔ یہ سنکر وہ سائل خوش ہو گیا اور میں  
 بھی چپ ہو گیا۔ نسائی نے ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

فضائل علیؑ کو لکھنا اور معاویہ کے فضائل کو نہ لکھنا۔ اس کے قتل کا باعث ہوا حقیقین جو کر لین کہ جب فضائل علیؑ کے استحقاق و استحقاق و انتظام  
 اتومات الا یام سے چلتے ہیں تو چودہ سو برسوں کے بعد آج اصلیت اور حقیقت کا صحیح پتہ لگانا کتنا دشوار ہے لیکن یہی حضرت علیؑ کی  
 حقیقت کی دلیل واضح ہے کہ اتنے اہتمام اور اتنی مدت الام کے بعد انہیں کی کتابوں سے اصل حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے۔



فَجَعَلَهُمْ بِذَلِكَ الْعِيسَى فَشَرِبُوا مِنْهُ حَتَّى رَوَاهُ مِنْهُ جَمِيعًا  
 اَيْسَرُ اللَّهِ اَنْ يَكُونَ الْوَحْدُ الْوَاحِدُ مِنْهُمْ لَيْشَرِبَ مِنْهُ فَلَمَّا ارَادَ  
 رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَكْلُمَهُمْ بِذَلِكَ  
 اَوْ لِيُحِبَّ اِلَى الْكَلَامِ لَقَدْ سَمِعَ صَاحِبُكُمْ فَتَفَرَّقَ الْقَوْمُ وَ  
 يَكْلُمُ بَعْضُهُمْ رَسُوْلَ اللَّهِ فَقَالَ الْغَدَا عُلَى اَنْ هَذَا الرَّجُلُ سَيَقِفُ  
 اِلَى مَا قَدْ سَمِعْتَ مِنَ الْقَوْلِ فَتَفَرَّقَ الْقَوْمُ قَبْلَ اَنْ أَكْثَمَهُمْ  
 فَعَدَلْنَا مِنَ الْعَامِ بِشَيْءٍ مَا صَنَعْتَ ثُمَّ اجْمَعَهُمْ اِلَى قُلُوبِ  
 فَفَعَلْتَ ثُمَّ جَمَعَهُمْ ثُمَّ دَعَانِي بِالطَّعَامِ فَقَرَّبْتَهُ لَهْمُ  
 فَفَعَلَ كَمَا فَعَلَ بِالْأَمْسِ فَأَكَلُوا حَتَّى مَا لَهُمْ شَيْءٌ حَاحَةَ ثُمَّ  
 قَالَ اسْقُوهُمْ فَبَجَّيْتُ بِذَلِكَ الْعِيسَى فَشَرِبُوا حَتَّى رَوَاهُ مِنْهُ

شامل فرمایں پس تمام لوگوں نے کھایا اور سیر ہو گئے۔ اور کھانا دیا جانے لگا  
 دیا پھر رہا اوسین اونکی ہاتھوں کے نشان تک نہیں معلوم ہوتے تھے  
 حضرت علی فرماتے ہیں کہ قسم ہے اوس خدا کی جبکہ قبضہ قدرت میں  
 میری جان ہو کہ وہ کھانا جو سب نے مل کر کھایا تھا مقدار میں اتنا کم تھا  
 کہ اکیلا آدمی اسے کھا جاتا اسکے بعد آپ نے مجھے حکم دیا انھیں سیر  
 کرو میں نے انھیں وہی دودھ کا شربت پلایا اور وہ سب کے سب  
 سیر ہو گئے اور قسم خدا کی وہ ایک آدمی کے پینے کی مقدار تھا۔ اسکے بعد  
 اللہ صلی علیہ وسلم نے کلام کرنے کا قصد کیا اس اثنا میں ابو لہب نے اٹھ کر آپ کا  
 قطع کلام کیا اور قوم سے مخفی طلب ہو کر کھانا کھا رہی صاحب نے پھر جاؤ  
 کیا۔ یہ سننا تھا کہ تمام قوم کے لوگ متفرق ہو گئے۔ دوسرے دن پھر

بقیہ عبارت حاشیہ ۱۰ دوسری روایت امام احمد بن حنبل کی ہے۔ علامہ سیبکی کی کتاب طبقات الشافعیہ صفحہ ۱۹۹  
 لیکر صفحہ ۲۱ تک امام احمد بن حنبل کی توثیق میں لکھے گئے ہیں۔ بخلاف ابوالثمال ہم پوری عبارت نہیں لکھ سکتے اور نہ تمام ترجمہ کی نقل کر سکتے  
 ہیں صرف اس کے خلاصہ کو اپنی ضرورت کے لئے مناسب کافی سمجھ کر قلمبند کرتے ہیں۔ کتاب کچھ ایسی ناہر نہیں ہے۔ بحوالہ وجود ہے  
 ہر شخص پوری عبارت دیکھ لے سکتا ہے امام سیبکی کہتے ہیں (۱) یہ کتاب دستہ امام احمد بن حنبل (۱) ایک اہل ہے اصول سے اس امت کو (۲)  
 یہ اہل کبیر ہے (۳) مزج و شیعہ (۴) بہت سی احادیث سے اسکی حدیثیں منتخب کی گئی ہیں (۵) یہ سند امام قرار دی گئی ہے (۶) یہ کتاب  
 معتد علیہ ہے (۷) لمجائے (۸) مستند ہے (۹) امام احمد نے کہا ہے کہ میں نے سات لاکھ حدیثوں سے اسکو منتخب کیا ہے (۱۰) امام احمد  
 نے کہا کہ جس چیز میں لوگ اختلاف کریں وہ اس کتاب کی طرف رجوع کریں (۱۱) امام احمد نے کہا جو حدیث آئین نہ وہ حجت نہیں ہو سکتی  
 (۱۲) اسکی تمام حدیثیں مستحجت ہیں (۱۳) امام احمد نے کہا ہے کہ ہم نے اس کتاب کو امام بنایا ہے (۱۴) جب کسی حدیث میں اختلاف ہو تو اسکی  
 کی طرف رجوع کرو (۱۵) اس میں انھیں لوگوں سے روایت لی گئی ہے جنکی صداقت و دیانت ثابت ہے۔ نہ ایسے شخص سے جو میں کوئی طعن  
 ہو۔ (۱۶) سند اور متن میں پوری صیاد کی گئی ہے (۱۷) اسی روایت کو وارد کیا ہے جسکی سند صحیح ترین آخر میں امام سیبکی نے امام ابو یوسف  
 کا یہ قول کہا ہے قال امام ابو موسی ومن الدلائل ان ما اودعہ الامام مسندہ قد اخطا فیہ اسناد او متناہر یومئذ  
 الامام صحیح سندہ طبقات الشافعی امام سیبکی ص ۲۰۲۔ ترجمہ یعنی امام ابو موسی کہتے ہیں کہ امام احمد نے اسناد و متن میں بڑی احتیاط کی اور اپنی ذات  
 حدیث کو داہ کیا ہے جسکی سند صحیح ہے۔

حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ صاحب رسالہ انصافین کہتے ہیں وحجل ای احمد مسندہ میزانا یعرف بہ حدیث  
 رسول اللہ صفا وجد فیہ ولو بطریق واحد من طرقة فله اصل وکالا فلا اصل له ص ۵ امام احمد نے اپنی مسند کو میزانا

جَمِيعًا نَحْمَدُكَ يَا مُحَمَّدُ اللَّهُ صَلَوَاتُكَ عَلَى النَّبِيِّ وَالْآلِ وَالْحَبَشَةِ  
 اِنِّ وَاللَّهِ لَا اَعْلَمُ شَأْنًا فِي الْعَرَبِ جَاءَ قَوْمَهُ بِأَفْضَلِهَا  
 قَدْ جِئْتُمْ بِإِنِّ قَدْ جِئْتُمْ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَقَدْ  
 أَمَرَنِي اللَّهُ تَعَالَى أَنْ أَدْعُوَكُمْ إِلَيْهِ فَأَيُّكُمْ يُؤْمِنُ فِي سُلَى  
 هَذَا الرَّحْمَنُ عَلَى أَنْ يَكُونَ أَخِي وَوَصِي وَخَلِيفَتِي فِيكُمْ  
 فَأَجْمَعُ الْقَوْمَ عِنْدَ جَمِيعٍ وَقُلْتُ وَإِنِّي لَأَحَدُكُمْ سَنَادًا  
 عَيْنًا وَأَعْظَمُهُمْ بَطْنًا وَأَحْسَنُهُمْ سَائِقًا إِنَّا يَا بَنِي اللَّهِ صَلَوَاتُكَ  
 عَلَيْهِ وَاللَّهُ وَسَلَّمَ كُونْ دَرْهَمًا عَلَيْهِ فَاخْذِ بِرَقَبَتِي فَقَدْ  
 أَنْ هَذَا أَخِي وَوَصِي وَخَلِيفَتِي فِيكُمْ فَاسْمَعُوا لَهُ وَ  
 اطِيعُوا أَفْهَامَ الْقَوْمِ لِيُصْحَكُونَ وَيَقُونُوا لِيَابِي طَالِبِ  
 قَدْ أَمَرْتُ أَنْ تَسْمَعَ وَتَطِيعَ لِعَلِّي

مجھے بلا کر حکم دیا کہ یا علی! اس شخص نے میرے کلام پر سبقت کی اور قبل اسکے کہ میں  
 کچھ کہوں قوم کے لوگ متفرق ہو کر چلے گئے۔ یہ آج تو دلیا ہی کمانا تیار  
 کرو اور پھر سب لوگوں کو بلاؤ پس میں نے اس شخص کو حکم کے مطابق  
 آج بھی ویسی ہی سلمانائے کئے جو کل کئے تھے۔ اور پھر اون لوگوں کو حکم  
 بلال لایا۔ جب میں کمانا لیکر آنحضرتؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے پھر وہی عمل کیا جو  
 کل کیا تھا پس تمام لوگوں نے وہ کمانا کما یا اور سیر ہو گئے مشرت بہا  
 اور سیراب ہو گئے۔ کمانے سے فراغت ہو چکی تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا کہ اے  
 اولاد عبدالمطلب! اکی قسم میں جو انان عرب میں کسی شخص کو ایسا نہیں جانتا جو میری  
 طرح تمہارے لئے دین و دنیا کی خبر لایا ہو۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اکٹھے  
 بلاؤں۔ پس تم لوگوں میں سے اس امر خاص میں میری وزارت کو شخص کرنا  
 حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ میں اس مجمع میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ!

صلوتم لوہیہ ان لوگوں میں سب سے کم سن ہون گریزی آنکسین پر آشوب ہیں گو میرا بیٹا بڑا ہے میرے سابق بابتی ہیں یکس با ایتھم میں اس امر میں آپ کا  
 وزیر تھے کے مستند ہوں یہ سن کر آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھا فرمایا کہ لوگو! دیکھو تم لوگوں میں میرا بھائی ہے۔ یہ میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ  
 ہے اسکی بات کو سنو اور اسکی اطاعت کرو۔ یہ سن کر تمام لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت امیر طاب کو فحی طاب کر کے بطور تمغہ کھنکھائی  
 آج سے تم اپنے بیٹے علیؑ کے مطیع و منقاد بنائے گئے۔

یقیناً عبارت عاشعہ بنایا ہے جس سے حدیث رسولؐ پر مبنی جاتی ہے جو طریق حدیث ایک طریق سے بھی اس میں ہے اسکی توسل ہے۔ اور چونکہ  
 اسکی کوئی اصل نہیں۔

مبند و ستان کے امام ائمہ کلید شاہ عبدالعزیز صاحب عجائز النافعہ میں لکھتے ہیں۔ حضرت والد ماجد قدس سرہ میفرماتے ہیں کہ منہ الامام محمد زہرہ  
 فقیر ازین طبقہ تانیہ است و دراصل است و معرفت صحیحہ و سقیمہ بے شاختہ می شود۔ حدیث را کہ از اس است انانہ کہ در اصل نیست۔ صفحہ ۹۔ تیسری روایت  
 اکثر ائمال علی متقی کی ہے جس کا اکثر جلالہ سبکی صاحب نے بھی دیا ہے اور جس کے مصنف کا اس سے بڑا بکر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ حجۃ المند  
 ولی اللہ صاحب و نیز شاہ عبدالعزیز صاحب نے انکو اپنے بیروخ میں شمار کیا ہے ہم انکی توثیق میں مزید اطمینان کے لئے کتاب کشف الظنون میں  
 جمع الجوامع سیوطی کے بعد اس کتاب کا طرانی ذکر کیا گیا ہے صرف اسکی عبارت کو ذیل میں لکھتے ہیں ان الشیخ العلامة علاء الدین  
 علی بن حسام الدین الہندی الشہیر بالمفتی و من ہذا الکتاب الکبیر کا جامع الصغیر و سما کہ کتاب لصال فی سنن  
 الاقوال و الاحوال ذکر فیہ انہ وقف علی کثیر مآد و نہ الاکثہ من کتب الحدیث فلم یزید فیہ اکثر جمعا منہ حیث  
 فیہ بین الاصول ستہ و اجاد منہ کثرہ الحدیث و حسن الافادہ شیخ علامہ علاء الدین علی بن حسام الدین ہندی المشہور فی

سلسل اور مفصل حقیقت حال تو یہ ہے جو کثر العمال کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوئی دیکھنے والے خود دیکھ لینگے اور پڑھنے والے خود سمجھ لینگے کہ ایسے مفصل واقعہ کو محض خود غرضی اور تعصب کی بنا پر خواہ مخواہ قطع و برید کر کے کیسا مہمل مبہم اور غفل بنا دیا گیا ہے۔

تفسیر معالم التنزیل میں - محی السنۃ - امام نقوی صاحب مشکوٰۃ المصابیح - بیک الفاظ - اس تمام واقعہ کو ویسا ہی لکھتے ہیں جیسا کہ کثر العمال سے ابھی ابھی نقل ہو چکا ہے ذیل میں صرف اس کے سلسلہ رواہ نقل کرتے ہیں - روى محمد بن

|  |  |
|--|--|
| عن عبد الغفار بن القصور عن المہال عن عمر وعبد    | عن ابن اسحاق عن عبد الغفار بن قيس                  |
| الله بن الحارث بن عبد المطلب بن عبد الله بن عباس | عبد الله بن حارث بن عبد المطلب بن عبد الله بن عباس |
| عن علي ابن ابي طالب -                            | علي ابن ابي طالب معالم التنزيل ص ۶۶۳ مسمی -        |

بقیہ عبارت حاشیہ - اس کتاب عظیم کو اس طرح مرتب کیا ہے جیسی کتاب جامع الصغیر سیوطی مرتب لکھی ہے اور اس کا نام کثر العمال فی سنن الاقوال والاحوال رکھا گیا ہے اس میں بہت سی ایسی حدیثوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ائمہ حدیث کی نظر سے چھوٹ گئی تھیں اور جن حدیث کے اصول ستہ کے مطابق قابل نقل تھیں اور اس بارے میں مصنف نے بڑی سعی کی ہے اور اس سے بڑا فائدہ ہوا ہے۔

تلا علی متقی کی توثیق تو ہو چکی - مگر ملا متقی نے اس حدیث کو اسناد علامہ ضیاء مقدسی کی کتاب فخرہ سے ماخوذ کیا ہے - اس پر نوید ہے کہ اوکلی توثیق بھی ذیل میں نقل کی جاوے کشف الظنون میں ہر المختارۃ فی الحدیث للمحافظ ضیاء الدین محمد بن عبد الوہاب المقدسی الحبلی المتوفی ۷۴۳ھ ثلاث واربعین و سبایۃ التزم فیہ الصیۃ فصم فیہا الحدیث لم یسبق الی تصحیحہا قال ابن کثیر و ہذا کتاب لم یتم و کان بعض مشائخنا رجح علی مستدراک الحاکم کتاب فخرہ حدیث میں ہے - حافظ ضیاء الدین محمد بن عبد الوہاب المقدسی الحبلی المتوفی ۷۴۳ھ کی تصنیف ہے اس میں التزام کیا گیا ہے صحت کا بہمن ان حدیثوں کی ایسی صحت کی جو جس کے قبل کوئی سابق نہوا - ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ کتاب نام تمام رہی ہمارے بعض مشائخ اس کو امام حاکم کی مستدرک پر ترجیح دیتے ہیں - تدریب الراۃ میں ہے و مہمرا المحافظ ضیاء الدین محمد بن عبد الوہاب المقدسی جمع کتابا سہ المختارہ التزم فیہ الصیۃ و ذکر فیہا احادیث لم یسبق الی تصحیحہا منقولہ ان کے حافظ ضیاء الدین محمد بن عبد الوہاب مقدسی بن جہنوں نے ایک کتاب جمع کی جس کا نام فخرہ رکھا ہے اس میں صحت کا ایسا التزام کیا ہے کہ ان سے پہلے کسی نے ایسا التزام نہیں کیا تھا۔

یہی مضمون کتاب التقدیر والایضاح - زین الدین عراقی - اور نور المایع سخادی اور شرح مشکوٰۃ شاہ عبدالحی دہلوی اور انکشاف النہایا صدیق حسنان اور قول مختص مولوی حسن الزمان صاحب میں بھی موجود ہیں سب تصحیح کی ہے کہ کتاب فخرہ کی کل حدیثیں صحیح ہیں۔

چوتھی حدیث امام نقوی کی تفسیر معالم التنزیل کی ہے - انکی توثیق بھی ملاحظہ ہو - امام ابن تیمیہ بہناج السنۃ میں بذیل مذکرہ شبہی لکھتے ہیں فتفسیرہ وانکان ذالک الاحادیث الثی فیہ صحیحۃ نفیہ ما ہو کذب وموضوع باتفاق اہل العلم ولہذا لما اختص ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی کان اعلم بالحديث والسنۃ والفقہ منہ والمتعلی علم بالآل

صراح مستحسن اور تفسیر کے اسناد و ہجوچے۔ اب ایک تاریخ باقی رہی اگرچہ تفسیر معالم التنزیل میں سیرت ابن اسحق ہی سے

یہ روایت لی گئی ہے اور ہمارے ثبوت کے لئے یہی کافی تھا لیکن جس سلسلہ سے ہم نے اپنے سلسلہ بیان کو شروع کیا ہے اس میں ہم کسی اختصار تواریخ یا کوثر قلمی کو پسند نہیں کرتے۔ اس لئے اس سلسلہ بیان کو اخیر میں تاریخ طبری کی پوری عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

محمد بن اسحاق عبد الغفار بن قاسم بن سہال بن عمر سے اور وہ عبد اللہ بن رباح

بن نوفل بن عارض بن عبد المطلب سے اور وہ عبد اللہ بن عباس سے

اور وہ علی بن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں کہ جب آیہ داند عترت تک

الاقرب من حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تو آپ نے

مجھے بلا کر ارشاد کیا کہ اے علی خدا تعالیٰ نے مجھے حکیم بنا دیا ہے کہ میں اپنے

قریبی رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤں۔ میں نے اکی تمہیل میں بن

خیال چند توقف کیا کہ وہ لوگ میری ہدایت کو مکروہ جانیں گے تا آنکہ

پھر جبریل آئے اور مجھے کہا کہ اے محمد اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہارا

پروردگار تم پر عذاب نازل فرما دے گا۔ پس تم اے علی بقدر ایک صانع کے

قال حدثني محمد بن اسحق عن عبد الغفار بن القاسم بن سہال

بن عمر عن عبد الله بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب

عن عبد الله بن عباس عن علي بن ابي طالب قال لما نزلت

هذه الآية على رسول الله صلى الله عليه وآله عشرت لك الاقرب

من ابي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال لي

يا علي ان الله امرني ان انذر عشيرتي الاقربين فصنعت

بذلك ذرا وعرفت اني متي اباد لخير بهذا الامر مني

ما اكرم فصمت عليه حتى جاءني جبريل فقال يا محمد

انك لا تفعل ما تؤمر به يذرك ربك فاصنع لنا ما غنا

بقية ببارت حاشیہ۔ المفسرین والنجاة وقصص الانبياء فقلنا الامور نقلها البغوي من الثعلبي واما الحديث فلقد ذكره

نسباً من الموضوعات التي رواها الثعلبي بل يذكر الصحيح منها ويغريه الى البخاري وغيره وانه صنف كتاب الشرح

وكتاب المصابيح وذكر في الصحيحين والسنن والاحاديث التي يظهر العلماء الحديث انها موضوعية كما

يفعله غيره من المفسرين تفسير ثعلبي من اگرچہ غالب احادیث صحیح ہیں لیکن بعض حدیثیں موضوع بھی آئیں داخل ہیں۔ اس لئے جب ابو محمد

بن سعید بن عقیل نے اسکو مختصر کیا تو ثعلبی سے صرف اقوال مفسرین و نجاة اور قصص الانبياء کو نقل کیا کیونکہ بغوی علم حدیث سنت اور فقہ میں اعظم تھے نسبت

ثعلبی کے کہ وہ اقوال مفسرین کے البتہ اعظم تھے بغوی نے ان حدیثوں کو البتہ نہ لکھا جو موضوعات سے تھیں اور ثعلبی نے انکو روایت کیا تھا

بغوی اسی کو لکھتے ہیں بخاری وغیرہ سے کیونکہ یہ مصنف ہیں کتاب شرح سنتہ اور کتاب شکوة مصابيح کے اور ذکر کیا اسی کو جو صحیح دین میں ہو اور

لکھا ان حدیثوں کو جنکی موضوعیت ظاہر ہوئی غدا سے حدیث کو جیسا کہ مفسرین کرتے ہیں۔

آخر میں ہم اسکو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے۔ طبری کی بھی توثیق ملاحظہ ہو۔ علامہ دارمی طبقات المفسرین میں لکھتے ہیں محمد بن جریر بن یزید

بن غالب الطبری ابو جعفر راس المفسرین علی الاطلاق احد الائمة جمع من العلوم بالمشاورة فيه احد من اهل عصره

وكان حافظ الكتب بصيراً بللمعاني فيهما في احكام القرآن عالماً بالاسنن وطرقها صحيحاً وسقيها روايتها واسمها ومنسوبة

وله تصانيف لعظمة منها تفسير القرآن وهو اجل التفاسير لم يقف مثله كما ذكره العلماء قاطبة وذلك لانه جمع

بين الرواية والدراسة ولم يشاركه في ذلك احد لاجله ولا بعده مولده بامل سنة ۲۲۷ ومات يوم الاحد سنة ۳۲۰ محمد بن جریر



من طعام واجعل عليه رجل شاة واملاء لنا عشاء من  
ابن ثم اجمع لي بني عبد المطلب حتى اكلمهم والابن  
اموت به ففعلت ما امرني به ثم دعوتهم له وهو  
اربعون رجلا يزيدون رجلا او ينقصونه فيهم اعمامه  
ابوطالب وحمزة والعباس وابو لهب فلما اجتمعوا اليه  
دعاني بالطعام الذي صنعت لهم فخبعت به ولما وضعت  
تداول رسول الله صلعم جذية من اللحم فشققها باسنانه  
ثم القاهما في فواحي الصفحة ثم قال نعم والمسلم الله  
فاكل القوم حتى مالهم لسي حاجة وما اري الاموضع  
لديهم واليم الله الذي نفس على بيده وان كان  
الوجه الواحد منهم لياكل ما قد مت لخمهم ثم قال  
القوم فخبعتهم بذلك العس فشربوا منه حتى رووا منه  
جميعا وايم الله ان كان الرجل الواحد منهم ليشرب منه  
فلما اراد رسول الله صلعم ان يكلمهم بدرة القوم الى  
الكلام لقد سحركم صاحبكم فتفرق القوم فلما كان رسول الله

کھانا تیار کرو۔ (صاع = ۲ پختہ سیر یعنی رویمان کچاؤ۔ ایک کبرے کا کرکٹ  
تیار کر لو۔ اور ایک کا سیر میرا کرو۔ اور تمام بنی جوہر طلب کو ضیافت میں  
بالا لاؤ تاکہ میں آپ کو کلام کر دوں اور جو کچھ کہ خدا تعالیٰ نے ان کے تعلق میں  
حکم دیا ہو وہ ان تک پہنچا دوں حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں آپ کے اشاء  
کے مطابق سب فراہم کیا۔ اور تمام بنی عبد المطلب کی کوکون کو بلا لایا اس دن  
وہ لوگ تعداد میں پیش پائیس آدمی تھے اور ان میں آپ کے چچا ابوطالب حمزہ  
عباس اور ابولہب بھی شامل تھے لیکن یہ تمام لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے کھانا  
کھانے کے لئے ٹھیک کیا اور میں جو کچھ کہا پکا تھا دیا۔ اور جناب رسول خدا صلی  
کے آگے رکھ دیا آپ نے اس میں سے ایک پارہ گوشتہ اٹھا لیا اور اس کو اپنے ذمہ  
سیراب کرکٹ کرکٹ میں رکھ دیا پھر تمام لوگوں سے ارشاد کیا کہ میں نے  
آپ کو تندرست و فرائض تمام لوگوں نے کھانا شروع کیا یا تک کہ خوب سیر  
ہو کر کھانے کے اور کھانا دیا گیا اور سیراب ہو کر ان کا ہاتھ کا نشان  
میں معلوم ہوا تھا۔ جناب علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے اشاء  
کی جتنی قبضہ قدرت میں علی کی جان ہو کہ وہ کھانا جو اتنے لوگوں کے کھانا  
مقدار میں انساں تھا کہ اکیلے آدمی اسے کھاتا اس کے بعد آپ نے مجھے بلوایا  
کہ اس میں سیراب کرو بیٹے اور میں دودھ کا ثربٹ بلایا اور دس کے  
اور قسم خدا کی وہ ایک آدمی کے پینے کی مقدار تھا اس کے بعد رسول اللہ صلی  
کھانا کرنا لگا اور کہا۔ اے انیس ابواسب او تم آپ کا قطع کلام کرو اور قوم  
سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم دودھ سے تم پر سیر کیا یہ سنا تم کہ تمام قوم لوگوں نے  
ہو کر چلے گئے۔ دوسرے دن سیراب آپ نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ با علی اس

بقیہ حاشیہ بن زید بن غالب الطبری شبلی گزیت ابو جعفر علی الاطلاق راس المفسرین میں بمجملہ اماموں کے ایک امام ہیں۔ وہ علوم میں  
تھے جن میں ان کا کوئی شریک نہیں تھا۔ حافظ کتاب اللہ تھے صحیح سقیم ناسخ اور منسوخ سے خوب واقف تھے تفسیر تراویسی لکھی ہے کہ ایک  
اوس کے مثل کوئی تفسیر لکھی ہی نہیں گئی کیونکہ انھوں نے آئین روایت و روایت دونوں کو جمع کیا ہی نہیں نہ ان کا کوئی شریک نہ ان کے قریب ہوا اور  
نہ ان کے پیچھے دلاوت مقام آل سیدہ میں ہوئی اور وفات سنہ ۳۵۰ میں۔

علامہ یافعی مرآۃ الجنان میں لکھتے ہیں کہ مصنفات مطبوعہ فی فہرست علی یدل علی وسعة علمه وغرادة فضله وکانت  
فوقه وکادحة وقيل نلاحظ اصح النسخ واثبتها فزون عدده من اکی نہایت عمدہ تصنیف میں جن سے ان کی وسعت علم اور جامعیت  
کمال ظاہر ہے نقل احادیث میں معتدین ان کی تاریخ کو صحیح وثابت ترین تاریخ کہا جاتا ہے۔

مصر کے اہل مطالع کی ایک حیرت خیز حیرت تاریخ طبری کی اس روایت کے متعلق استخفاف حقیقت کی ایک حیرت الخیر حیرت  
مصر اہل مطالع علی بن لائے ہیں وہ یہ ہو کہ یہ کتاب پہلے جرمن میں چھاپی گئی جس کے مضمون روایت میں حضرت علی کی نسبت آنحضرت صلی اللہ  
عالم الفاظ وصی و خلیفہ موجود ہیں یہاں کہ ہم اور نقل کر چکے ہیں۔ ملاحظہ طبری مطبوعہ جرمن ص ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸

صلى الله عليه وآله وسلم فقال الذي ياعلى ان هذا الرجل  
سبقني الى قال ففعلت ثم جمعهم فمردعاني بالطمر فقتلته  
لهم ففعل كما فعل بالامس فاكلوا حتى مالهم شئ حاجة  
ثم قال استقم فحببهم بذلك النفس فشرابا حتى رواضه  
جميعا ثم تكلم رسول الله صلعم فقال يا بني عبد المطلب اني  
والله ما علمت شيئا في العرب جاء قومه بافضل مما قد  
جئتكم به اني قد جئتكم بخير الدنيا والاخرة وقد امرني  
الله تعالى ان ادعوكم اليه فايكم يوافي علي هذا الامر  
علي ان يكون اخي ووصي وخليفتي فيكم فاجمع القوم عن  
جميعا وقلت والي لاخذ قميصي وانا واهل بيتي عظمهم  
بطنا واهل بيتهم ساقا انا يا بني الله اكون وزيرك عليه  
فاخذ برقبتي ثم قال ان هذا اخي ووصي وخليفتي فيكم  
فاسمعوا له واطيعوا قال فقام القوم وديعوا و  
لابي طالب قد امرك ان يستمع لانيك ونطيع

شخص نے مجھ پر کام کرنے میں سبقت کی اور قبل اسکے کہ میں کچھ کمون قوم  
کے لوگ متفرق ہو کر چلے گئے۔ پس پھر تم آج دیا ہی کہانا اور سب سامان  
وہی مہیا کرو۔ اور پھر سب لوگوں کو بلا لاؤ۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے  
مطابق آج بھی دیا ہی سامان سب مہیا کر کے اور پھر ان لوگوں  
کو بلا کر بلا لایا۔ جب میں کہانا لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں  
حاضر ہوا۔ تو آپ نے پھر وہی عمل کیا جو کل کیا تھا۔ تمام لوگوں نے وہ کہانا  
کھایا اور سیر ہو گئے۔ وہ وہ بیا اور سیراب ہو گئے آب و طعام سے فانی ہو گئے۔  
خدا رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں مخاطب فرما کر کہا کہ اے  
بہنو عبد المطلب خدا کی قسم میں جو انان عرب میں کسی ایسی شخص کو نہیں جانتا کہ  
وہ خدا کی طرف سے تمہارے پاس تمہارے دین و دنیا کی ایسی خبر لایا ہو  
جیسی کہ میں۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہو کہ میں تمہیں اسکی طرف  
بلاؤں پس تم میں سے کون شخص ہے جو اس امر میں میری وزارت کریگا میرا  
جہانی ہوگا۔ اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ ہوگا۔ یہ سنکر تمام لوگ خاموش  
رہ گئے۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں اوٹھ کر اٹھا اور کہنے لگا کہ باوجودیکہ  
میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں۔ میری آنکھیں پر آشوب ہیں میری پیٹ  
بڑا ہے میری چھلیاں تلی ہیں لیکن میں۔ اے انہمہ۔ یا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم اس امر میں آپ کا وزیر ہوں گا۔ یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے  
شانہ پر ہاتھ مار کر ارشاد کیا۔ یہ تم لوگوں میں میرا جہانی میرا وصی ہو اور میرا خلیفہ

بقیہ حاشیہ۔ سر کے مطبع میں چھپا چلاک دست اور بخاری پرست اہل ان مطبع کتاب میں ان الفاظ کا دیکھنا اور باقی رکنا پسند کر کے  
بالآخر عبارت میں وصی و خلیفتی کی جگہ کذا و کذا کا لفظ بڑھا دیا۔ امام بخاری ہی اکثر مقام پر ایسے ہی ترکیب برابر عمل میں لاتے ہیں طبری  
مطبوعہ مصر کی عبارت متغیرہ ملاحظہ ہو۔ فایکم یوافی علی هذا الامر علی ان یكون اخي ووصي وخليفتي فيكم ثم قال  
ان هذا اخي كذا و كذا فاسمعوا له واطيعوا۔ اس ۶۰ جلد ۹۔ افسوس حقیقت کہی جہت نہیں سکتی۔ وصی و خلیفتی کو تو چھپایا۔ گویا مبتدای علی  
کو مخذون کر دیا لیکن جبروت حقیقت نے فاسمعوا له واطيعوا کو دیا کہ دیا ہی صحیح و سالم چھڑا دیا۔ جو اسی مبتدای علی کی خبر معلول ہو  
منطق کے اصول انطباق میں مسلم ہے کہ جب کسی وجہ سے کسی یا فقرہ میں علی و اسباب نہ معلوم ہوں اور معلول و مسبب اسکا موجود نہ ہو تو وہی معلول  
و مسبب اپنی علی کی خبر کیلئے کافی ہوگا۔ اسلئے اگر علی حقیقی۔ وہی و خلیفتی نہ ہا تو سہی اسکا معلول اصلی۔ اطاعت اور اسکی سامت و متابعت  
تو اپنے مقام پر موجود ہی۔ عالم میں سو کہ اس کا عمدہ وزارت و خلافت مرقوم ہو یا نہ ہو۔ تو کیا جب اسکی سامت و اطاعت کا حکم صریح موجود ہو تو  
وہ بذاتہ مفترض الاطاعت تسلیم کیا جاوے گا۔ چودہ برس کے گزر جانے کے بعد ہی آج تک فضائل و مناقب علیؓ کے چھپانے لھانے اور مٹانے کی وہی  
کیفیت ہی۔ پر ان حضرات کے حقیقی مراتب و مدارج کی حقیقت کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ انھیں حقیقت نگاریوں کیلئے امام طبری پر شیعیت کا الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے سبت سی بائیں خلاف

اسکی باتوں کو سنو اور اسکی اطاعت کرو۔ یہ سنکر تمام لوگ ہستے ہوئے اور اسیطالب سے یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ تم اب اپنے بیٹے علی کو طے ہو متھا و بنائے گئے۔ اسکی باتوں کو سنو اور اسکی اطاعت اختیار کرو۔

اسلام کی اس اعظم ترین اور اولین واقعہ کی تفصیلی حالت یہ تھی۔ جسکو ہم نے اپنے متعدد اور متواتر مآخذ و نصوص سے نقل کر دی ہے واقعہ ہر طریقہ سے دعوت اسلام اور تبلیغ ایمان کا پہلا لازمیہ تھا۔ اسکی اہمیت تو اسی سے ظاہر ہے کہ قبول ان اسحاق امام طبری اور امام بخاری وغیرہم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اساتو قف فرمانے کیلئے عثمانہ تہدید نازل فرمائی گئی تھی۔ اور اس خیال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت متاثر ہو کر اسکی تعمیل میں ہر حرب ہر گرمی اور مستعدی اور جس مسلمان و اہتمام سے ایک بار زمین و آسمان پر مصروف ہوئے وہ روز و واقعہ سے ثابت ہے۔ اگرچہ پہلی بار بدعت ابولسب حرقت سے آپ کو اسکے مقصد میں کچھ بھی کامیابی نہیں ہوئی لیکن حکم خداوندی کی نیت و جلال۔ آپ کے ہمت و استقلال نے آپ کو ذرا بھی بیدل نہونید اور دوسرے دن اوسی اہتمام و انتظام سے منشاء خداوندی کے مطابق اس حکم الہی کو انجام دیا۔ اس تفصیل کو بخاری صاحب کے اقتصار اور شبلی صاحب کے اختصار سے مقابلہ کیا جاوے تو خود غرضی نفسانیت اور عصیت کے اسرار ہویدا اور آشکار ہو جائیں گے اور دہ مقصدہ المیزان غرض اسباب بھی ثابت ہو جائیں گے۔ جسکی بنا پر سوا واقعہ کو اس اختصار۔ استحقاق اور قطع و برید کے خاص طریقہ سے نقل کیا گیا۔ کیونکہ صرف اسلئے کہ اسکی تفصیل تمہیم و مساوات کے اصول موضوعہ کو بالکل رد و باطل کر دیتی تھی اور جناب علی مرتضیٰ کے فضائل و مناقب کو آغاز اسلام سے۔ دائرہ امت خیر الانام علیہ السلام میں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی عام اس سے کہ وہ جہا

بقیہ حاشیہ۔ عقائد جنہیں انکو نہ لکنا چاہیے تھے۔ لکھدی ہیں لیکن بذات خاص انکی اور انکی تصانیف کی منمت و اہمیت اسی تھی کہ انکی شروک کر دینے سے بہت سے عقائد کی مفید اور ضروری مطالب و مقاصد مت و تابو و بدو جاتے بشلی صاحب نے وہاں چہ میں ان پر بہت اختصار کیا ہے و شتی ڈالی ہے اور ہم انہیں کے حاشیہ فقرہ کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔

بعض فقہین و سلیمان بن ابی طبری کی نسبت لکھا کہ یہ شیون کلبی و مدینہ وضع کیا کرتے تھے۔ لیکن علامہ ذہبی نے

میزان الاعتدال میں لکھا ہے ہذا جبریا بالنظر الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمہ الاسلام المعتمدین یہ جھوٹی بیگانی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتد اماموں میں سے ایک بڑے امام تھے۔ وہی نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مفسرین۔ تمام مستند اور مفصل تاریخین شریعہ کا ل بن ابی شریب علیہ السلام ابو الفداء وغیرہم جنہیں کی ابو ذر اسکی کو مختصرات میں سید البیہ و بیہ اب ہم حسب اعداد بخاری کی اون روایتوں کی حقیقت و کلمات میں غلبہ او مضمون نے دعوت قریش کے متعلق اپنی صحیح میں درج کیا ہے پہلی روایت یون ہر عن ابن عباس لما نزلت وانذر عشیرتک الا قرین جبل النبی ینادی یا بنی فھر یا بنی عدی بیطون قریش و عن ابن عباس فلا لما نزلت وانذر عشیرتک الا قرین جبل النبی یدعوهم قبائل قبائل و عن ابو ہریرہ ان النبی قال یا بنی عبد مناف ائتروا انفسکم من اللہ یا بنی عبد المطلب ائتروا انفسکم من اللہ یا بنی ام زیہ بن العوام عمہ رسول اللہ یا فاطمہ بنت محمد ائتري انفسکم من اللہ لا املک لکما شیئاً سلونی من مالی ما شئتم ابن

ہوں یا انصار صحابہ ہوں یا غیر صحابہ۔ از حج اور افضل ثابت کرتی تھی سب سے زیادہ دہشت خیز اور خوف انگیز تو اس میں خلیفہ کا لفظ تھا جس کا زبان رسول سے اقرار و اعلان شرف صحابیت اور صحابہ کی غلافت کا بنانا یا اس کا گھر مٹی کر دینا اور اصول عقائد کے تمام مصنوعی اغراض و مقاصد کو خاک میں ملا دینا۔ تو پھر ایسی حالت میں بخاری صاحب اور ان کے ہنجیال علماء و محدثین ایسے سادہ لوح نہیں تھے۔ جو اپنے اسلاف کی اتنی کی کرانی کا وہی پرانی پیروں سے اور ۵۰ ماہ چراغ خویش درخانہ سوختم کی نظیر و مثال بننے کے مطابق بخاری صاحب نے حسب ضرورت جس دو بیچ اور کتر بیوت سے اس واقعہ کو اپنی صحیح کے متعدد مقامات پر لکھا ہے۔ یا ان کے ہنجیال محدثین نے جن جن ترکیبوں اور چالوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے او سکونہم نے تفصیل سے حاشیہ زیرین کی عبارت میں محض عبرت ناظرین کے خیال سے لکھ دیا ہے۔ اس لئے ہم اس کی نسبت یہاں کچھ زیادہ تفصیل سے نہیں لکھیں گے۔

بقیہ عبارت حاشیہ۔ عباس سے مروی ہے کہ جب آیہ اندر عشر تک الاقرین نازل ہوا تو حضرت نے پکارنا شروع کیا اؤ بنی قریظہ بنی ہرہ بنی قریظہ کو۔ دوسری روایت ہو ابن عباس سے کہ آپ نے ہر قبیلہ کو پکارنا شروع کیا تیسری حضرت ابو ہریرہ سے کہ حضرت نے فرمایا اؤ بنی عبدمناف اپنے نفس کو خدا سے خرید کر لو اؤ بنی عبدالمطلب اپنے نفس کو خدا سے خرید کر لو۔ اؤ ماہزیر بن العوام اور اؤ فاطمہ بنت محمد اپنے نفس کو خدا سے خرید کر لے لے کسی امر کے مالک نہیں ہیں۔ جو چاہو تم میرے مال سے لے لو۔

اب اسکی شرح اور جرح فتح الباری کے ان الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ وهذه القصة ان كانت وقعت في صدر الاسلام بكرة فلم يلزم لها ابن عباس لانه قبل الهجرة ثلاث سنين ولا ابو هريرة لانه لم يلزم بالمدينة وفي نداء فاطمة وصلى ايضا بقصة اخر القصة لانها كانت حينئذ صغيرة او مراقة وان كان ابو هريرة حاضرا ولا يناسب الترجمة لانه انما اسلم بعد الهجرة بعدة والذي يظهر ان ذلك وقع مرتين مرة في صدر الاسلام ورواية ابن عباس وابو هريرة لهما من ميسل الصواب وهذا الموافق للترجمة مرجحة دخولها في مبدء السيرة النبوية ويؤيد ذلك ما سياتي من ابو لهب كان حاضرا في ذلك وهو مات في ايام البدر ومرة بعد ذلك حيث يمكن ان تدعى ذين فالمرء او يظهر ذلك ابو هريرة وابن عباس ج ۳ ص ۳۱۔ یعنی اگر قصہ ابتداء اسلام میں مکہ میں واقع ہوا تو ابن عباس شریک واقعہ نہیں تھے کیونکہ وہ تو نبوت سے صرف تین برس قبل پیدا ہوئے تھے اور نہ ابو ہریرہ ہی تھے۔ کیونکہ وہ تو مدینہ میں مسلمان ہوئے ہیں پھر حضرت فاطمہ کو پکارنا بھی مقصود نہیں تھا کیونکہ وہ تو اس وقت بھت چھوٹی تھیں یا کچھ ہوش والی تھیں اور اگر ابو ہریرہ حاضر تھے۔ تو ترجمہ کے مناسب یہ روایت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو ایک مدت کے بعد اسلام لائے اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ دو مرتبہ ہوا ایک مرتبہ ابتداء اسلام میں۔ کیونکہ ابوبسب بھی خطاب سے اور وہ قریب جنگ بدر رہے۔ تو یہ روایت مرآل صحابہ سے ہوگی۔ اور دوسری بار مدینہ میں واقع ہوا تب دعوت فاطمہ اور شرکت ابن عباس و ابو ہریرہ ممکن ہو سکتی ہے۔ اب تو کسی کو اس روایت کی عدم صحت میں کلام ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اسکا اصل راوی وہ شخص ہے جو اس وقت پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ نہ وہ اس مجمع میں آیا تھا اور نہ اسلام لایا تھا۔ پھر بخاری کی روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔



صرف اتنا اور اضافہ کر دینگے کہ شبلی صاحب نے مقدمہ کتاب میں ترجیح حدیث علی السیرۃ اور ترجیح بخاری علی سائر الصحاح کی نسبت جو تاں طو مار باندھا تھا اور یہ بتلایا تھا کہ یرت رسول ص کے متعلق تمام مرویات کو احادیث سے مستخرج کرنا چاہیے۔ اور وہ حدیثیں بھی کون جو صحیح بخاری میں مندرج ہوں۔ اوسکی اصلی غرض اور گویا اوس مبتدا کی اب خبر معلوم ہوئی بقول شبلی صاحب ص ۵ ہمہ ورق کہ سیہ گشت و مدعا اینجاست :

ہاں جن مقاصد و عقائد کے اصول پر شبلی صاحب نے اپنی کتاب کی تدوین فرمائی ہے اور جن احادیث موضوعہ و مصنوعہ سے اوسکو مرتب فرمایا ہے اونسکے لئے وہ بذات خاص مجبور و مامور ہیں۔ دوسرے لوگ یا وہ جو اصول تحقیق و انصاف کے مسلک پر قائم ہیں۔ اسکے لئے کیوں مجبور و معذور کئے جائیں گے۔ طبری پر جو تشیع کا الزام لگایا گیا۔ اور پھر باوجود الزام۔ اونسکو سواد اعظم کی امامت سے خارج نہیں فرمایا گیا۔ جس کا ذکر گو کیسے ہی مختصر ہو۔ آپ نے بھی اپنے دیباچہ کتاب ص ۲۰ میں کیا ہے۔ اوس کا خاص باعث یہی تھا کہ امام دسوف نے تحقیق و انصاف کی روشنی میں واقعہ کو اور اسکے ایسے اکثر واقعات کو جن سے آپ کے اصول تعمیر و مسادات کی تردید و تعلیل ہوتی تھی۔ اپنی کتاب میں نقل کر دیا۔ لیکن چونکہ طبری کی تاریخ و تفسیر کو خصوصاً طبقہ متقدمین میں جو اہمیت و افضلیت حاصل ہے وہ ہرگز

بقیہ عبارت حاشیہ میں روایت میں اتصال ضروری ہے کہ جو شخص رازی ہو وہ راوی اول سے ملا ہو۔ بیان راوی اول ہی ندارد ہے۔ کیونکہ ابن عباس اور ابو ہریرہ خود تو موجود ہی نہ تھے اب رہا یہ خیال کہ دوسرے سے سنا ہو تو وہ نام بھی مذکور نہیں ہے۔ لہذا روایت ہی ساقط ہو گئی۔

ابن حجر نے بخاری پرستی کے اصول پر یہ بات تو بنا دی کہ دو ترجمہ ایسا ہوا ہوگا لیکن اسکی کوئی سند نہیں دی۔ اور پھر آگے چل کر اور بھی کر دیا کہ دو مرتبہ نزول آیہ انشاء خلاف اسل ہی پاس ماننے سے مخالفت حکم الہی لازم آتی ہے۔ کیونکہ حکم ہے عشرہ اقربین کے انداز کا اور آپ پکارتے ہیں دور کے رشتہ والوں کو کیونکہ پہلے نام ایسا ہے بنی قریظہ سے بارہ پشتوں کا فاصلہ ہے۔ پھر نام لیا ہی بنی عدی کا جن سے آٹھ یا نو پشت کا فاصلہ ہے۔ ابن حجر اسکی یون تاویل فرماتے ہیں۔ وندائہ للقبائل قریش قبل عشیرۃ الاقرہین لیکن انذار عشیرتہ و لدخول قریش کا گھائی اقاربہ و کان انذار العشیرۃ ففزع بالطبع و بکون انذار غیر بطریق اولیٰ ص ۱۸ حضرت نے قریب و اون کو جو بزرگ دور کے قبائل داؤن کو اسلئے ندا دی کہ اپنے عشرہ کا انداز کر رہو جائے اور نیز اسلئے قریش کلتم حضرت کے اقارب سے تھے۔ یہ معلوم ہو جائے اور اس لئے کہ انذار عشیرہ کا بالطبع واقع ہوتا ہی اور غیر کا انداز بطریق اولیٰ ہوتا اس سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ حضرت کو حکم تھا انذار اقربین کا اور حضرت نے اسکے خلاف ہمیں کی تو کیا کوئی مسلمان اسکو قبول کر سکتا ہے کہ اگر انذار اقرب سے انذار بعد بھی ہے۔ ہاں تو لازم آتا کہ کلام خدا (نمودہ باشد) لغو ہو۔ جس سے انذار اقربین کا حکم دیا۔ حالانکہ عام اور سبھی دیکھا جاتا ہو کہ یکم عام کیلئے ہوتا ہے خواص اپنے آپ کو اوس سے بری جانتے ہیں اور اگر یہی مسادات عام مانی جاتی ہے تو جہلنا مشوہا و قبائل لہ تا رفوا کی تیر و تھمیس کا حکم۔ نسو ص کیوں دیا جاتا کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جو قرابت بنی ہاشم کو آنحضرت ص کی ساتھ تھی و

اسکے متردک کر دیے جانے کی مجوز نہیں ہوئی۔ کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو سواد اعظم میں گویا تاریخ و تفسیر کا خاتمہ ہو جاتا جس بنا پر وہ بھی رکھ لئے گئے اور انکی تفسیر و تاریخ بھی۔ آخرین ہکویہ لکھ دینا بھی نہایت ضروری ہے کہ صحیح بخاری اور انکی تخیال و ہم مذاق محدثین کے علاوہ دیگر مفسرین و محدثین نے بھی اسی تفصیل و تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو اپنی اپنی تالیفات میں درج کیا ہے جس تفصیل سے امام محی السنہ نقوی امام المغازی والسیرۃ ابن اسحاق اور امام طبری وغیرہم نے نقل فرمایا ہے۔ انکی کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

تفسیر خازن تفسیر سراج المنیر تفسیر شعبی تفسیر واحدی تفسیر ابن مردیہ تفسیر ابن ابی عامر کنز العمال دلائل النبوة حلیۃ الاولیاء ذخیرۃ المال عجلی مختارۃ ضیاء مقدسی تمذیب الآثار طبری کتاب الکتاب تاریخ کامل ابن اثیر تاریخ ابوالفدا تاریخ ردۃ الصفات تاریخ حبیب السیر معارج النبوة معارج النبوة ازالۃ الحفا شاہ ولی اللہ صاحب۔

تبلیغ اسلام کے اس عظیم ترین واقعہ کو جس پر گویا اساس اسلام قائم ہوئی نبلی صاحب نے چند الفاظ میں لکھ کر تمام کر دیا۔ ہم جانتے ہیں یہ آپ کی اختصار پسندی اور کوتاہ قلمی کا خاص مقام ہے۔ اور ان واقعات و حالات کی تشریحات و تفصیلات کی راہوں سے آپ ہمیشہ خاموشی اور عجلت کے ساتھ نکل جاتے ہیں لیکن نکلنے نہیں پاتے بقیہ عبارت حاشیہ قرابت بنی ہاشمیہ بنی تمیم کو بھی آپ کے ساتھ تھی۔ بخاری کی اس نمکاری سے اہل غرض تو یہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح بنی عدی اور بنی تمیم کو بھی آپ کی قرابت داری میں داخل کر دیں۔

اب رہی یہ بحث کہ بخاری کی حدیث مرسل ہے انھوں نے اس کے لئے جو مخصوص باب باندھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں باب من انقلب الی ابلہ فی الاسلام والجاہلیۃ (باب اہل عرب لوگوں کے حال میں جو جاہلیت و اسلام میں آپ کے آباء کرام کے ساتھ تعلق نسبی رکھتے تھے) خود نامعقول ہے۔ کیونکہ اختلاف ہے تو اس میں کہ ازراہ مفاخرت اور مشاہرت تو پشت تک انساب نامہ جائز ہے یا جائز کیونکہ امام احمد اور ابو یعلیٰ روایت کی ہے کہ بنو نضیر اپنی نسبت کرے اپنے آباء کے کفار کی طرف تو پشت تک۔ جس سے مفاخرت مقصود ہو تو وہ برسوں جنم میں ہو مگر یہ مضمون انھیں ان سوشل سمجھا جاتا ہے۔ پہلی بات باندھنے سے کیا فائدہ۔ پھر صحتی حدیث اس باب میں لکھیں وہ سب اس عنوان سے خارج ہوں حدیث اول میں حضرت نے فرمایا ہے۔ کریم ابن کریم ابن یوسف بن اسحاق ابن ابراہیم وہ دوسری حدیث میں فرمایا ہے انابن عبد المطلب تیسری حدیث میں فرمایا ہے۔ یا بنی فہر بنی عدی چوتھی حدیث میں کہا ہے۔ یا بنی عبد مناف۔ یا بنی عبد المطلب۔ یا صقیۃ بنت عبد المطلب یا فاطمہ بنت محمد ان تمام روایتوں کو اس باب سے کوئی تعلق نہیں پھر ایسی روایتوں کے لانے سے کیا فائدہ۔ کیونکہ ہمارے اتصال پر ہے اور بیان اتصال ہی نذر دے۔

اب دوسری حدیث ملاحظہ ہو باب قولہ والذرعشر ہاک الاقربین واحفظ جناحک اعنی جانبک حدیث ثانی بن حفص بن غیاث قال حدثنا الاعمش قال حدثنی عمرو بن مرقہ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال لما نزلت

حقیقت سدا رہ جاتی ہے کہ کرمہ دامن دل میکشہ کہ جائیجا است۔ جان اسلامی علماء مدینہ فہر با بنی عدیٰ کو جانے دیجئے جہنم نے آپ کے خلاف اسکی اہمیت کو اس تفصیل سے لکھا ہم بھی کہتے ہیں کہ تقلید سلاف کے اصول قدیم کے بالکل خلاف کیا لیکن حقیقت تو کسی سے چھپو والی نہیں۔ اپنا ہو یا پرایا۔ آپ سرگلیا علاج کر سکتے تھے۔ آپ نے تو حتی الامکان بہت روک تھام کی لیکن بالکل ناکامیاب رہے۔

**دعوت قریش اور عیسائی**  
**مؤمنین کی تحقیق۔**  
حقیقت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ چودہ سو برسوں کے بعد اسکی عظمت و اہمیت آپ کے ایسے مویدین اسلام پر اگر نہیں تو مخفی لفظین اسلام کے قلوب پر پورے طور سے اثر کیا اور اتنی مدت دراز کے بعد اس واقعہ کی حیرت خیزی اور تعجب انگیزی۔ صداقت اور حقیقت کو جیسے اور جتنے الفاظ میں انہوں نے بیان کیا ہے۔ ویسے ہی اور اتنے الفاظ میں آپ نے نہیں۔ وجہ یہ تھی کہ وہ حقیقت پسند تھے اور آپ اپنے مطلب کے غرض مند۔ ہم ان کے چند اقوال و مختار ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

بقیہ عبارت حاشیہ وانذر عشیرتک الاقرین صلی اللہ علیہ وسلم فیما یدی بانی فہر با بنی عدیٰ  
قریش حتی اجتمعوا فجعل الرجل اذا لم یستطع ان یتخرج اہل ہسولا لیظہر ما ہولاء فجاء ابو لہب وقریش فقال را  
لو اخبرتکم ان خیل الوادی ترد ان نعیر علیکم اکنتم مصدق قالوا نعم ما جرینا علیک الاھد قال فانی لکفر  
بن یدی عذاب شدید فقال ابو لہب تبائلک ساڑ الیوم لہذا اجمعنا فترت قتبت ید الابی لہب و تب ما اغنی مالہ  
کسب حد ثنا ابن الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزہری قال اخبرنا سعد بن المسیب و ابو سلمہ بن عبد الرحمن ان ابا  
ہریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انزل اللہ وانذر عشیرتک الاقرین قال یا معشر قریش اوکلمہ نوحیھا اختروا انفسکم لا اغنی  
عنکم من اللہ شئنا یا عباس ابن عبد المطلب لا اغنی عنک من اللہ شئنا و یا صفیہ علیہ السلام رسول اللہ لا اغنی عنک شئ  
تابعہ اصنع عن ابن وھب عن یونس عن شہاب صفحہ ۱۴ جلد ۲ مجمع بخاری ست یف

مضمون وہی ہے جو اوپر پہلی روایتوں میں لکھا گیا۔ اس لئے ترجمہ کی طوالت سے ضرورت ہو ان روایات کو اختلاف کو صرف ملاحظہ  
فرمائیے پہلی روایت باب المناقب میں ہے کہ جب کہ انذر عشیرتک الاقرین نازل ہوئی تو حضرت پکارنے لگے ای بنی قریظہ ای بنی عدیٰ اور بنی  
میں ہے کہ حضرت کوہ صفا پر چڑھ کر پکارنے لگے جو صبح نماز کے بعد روایت اول ہے (۲) روایت اول میں کوئی ذکر ان کے اجماع وغیرہ کا نہیں ہے  
اور اس روایت میں یہ اہتمام دکھایا گیا ہے کہ جو انہیں سکا تھا وہ اپنا قاصد بھیجتا تھا اور نام کسی کا بھی نہیں بتلایا گیا سوا ابوبکر کے  
(۳) روایت اول میں کوئی ذکر حضرت کے کلام یا گفتگو کرنے کا نہیں ہے اور بیان ابولہب کا آنا اور حضرت سے وجہ نزول دریافت کرنا اور پہلے سخت  
کلامی کرنا کہ ابولہب بارے میں سورہ قبت یا کا نازل ہونا ہم، روایت اول میں جو ابوبکر سے منقول ہے اور میں فرزدان عبد مناف و عبد  
المطلب کے بعد حضرت صفیہ اور جناب سیدہ کا نام ہے اور بیان حضرت عباس کا نام نہ آیا گیا (۵) روایت اول میں جناب سیدہ اور صفیہ دونوں  
سوفرماتے ہیں کہ جو چاہو میرے مال میں سے مطالبہ کرو۔ صرف یہ خطاب بیان جناب سیدہ سے ہوتا ہے۔ حضرت صفیہ سے نہیں کیا کوئی ایسی کتاب کو  
جسے صرف ایک واقعہ میں اختلاف و تناقض موجود ہو صحیح کہہ سکتا ہو اگر نہیں۔ حالانکہ دونوں کے راوی اول حضرت عبد اللہ بن عباس ہیں

مسٹر جان ڈیونپورٹ اپنی کتاب اپالوجی فار محمد ایڈ ہز قرآن میں لکھتے ہیں۔ *Apology for mohammed* محمد صلم نے مخالفین کی مخالفت کا کچھ خوف نہ کیا۔ اور دوبارہ چہرمان اپنے خاص قبیلہ کے جمع کئے۔ اور ان لوگوں کے سامنے بہتر کا گوشت اور ایک پیالہ دودھ کا رکھا۔ اس نے تکلف ضیافت کو بعد وہ اٹھے اور اپنے پاکیزہ صفات بیان کر کے اسپچ (جسکی فطرتی خوش بانی آجنگ یلو گار ہے) اس درخواست کو ساتھ ختم کی کہ کون تم میں اس یارگران کی برداشت کرنے میں مدد کرے گا۔ اور کون شخص میرا نائب اور وزیر ہوگا۔ حسب طرح ہارون سیسی کے وزیر تھے۔ کل مجمع تعجب کیا ساتھ سکوت میں ہو گیا اور کسی کو اس مجوزہ عمدہ خوفناک کے قبول کرنیکی جرات نہیں ہوئی۔ لیکن نوجوان پیرزور علی (محمد کے چچا اور بھائی) نے اٹھ کر اور لکھا کر کہا۔ اے نبی اللہ میں آپ کا نائب اور وزیر ہوں گا۔ اگرچہ میں وحقیقت ان لوگوں سے کم سن ہوں اور میری طاقتیں ان لوگوں کے مقابلہ میں کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ اس بنی میں ان لوگوں پر ہمارا نائب ہوں گا محمد صلم نے اپنا ہاتھ علی کے گردن میں ڈال دیا اور ان کو اپنے سینہ سے لگا کر بڑا زابند کہا کہ دیکھ میرے بھائی اور میرے وزیر کو۔

مسٹر کارلائل اپنی کتاب ہیرورین جس کا اکثر حوالہ شبلی صاحب نے بھی دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ مجمع تبیین علی کے باپ ابو طالب بھی تھے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دشمن تھا۔ مگر تاہم سب لوگوں کو ایک اوہتر عمر کے آن بقیہ عبارت حاشیہ۔ اور حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ اب اسکی شرح میں ابن حجر عسقلانی کی تفریق ملاحظہ ہو ہذا من مراسیل الصفا وبلد الحزم بل لا سمعی لان اباء ہریرہ انما اسلم بلدینہ وھذا القصۃ وقعت بکۃ وابن عباس کان حینئذ مالہ ولد واما طفلا یہ حدیث مرسل صحابہ پر جو حکو مائے بیان کرتے ہیں۔ ہما علی نے اسکے ساتھ حزم و احتیاط کی ہے کیونکہ ابو ہریرہ اکو بہت دنوں کے بعد مدینہ میں سلام لائے اور واقعہ مکہ میں ہوا۔ اور ابن عباس اسوقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور بہت بچے تھے۔

حدیث مرسل کا ضعف قوت ثابت ہو گیا۔ پھر فرمائیے کہ یہ حدیث سند پر صحیح بخاری کیونکر ہو سکتی ہے جس کا راوی شریک واقعہ کیا ہو تاکہ پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ در راوی نہ وہاں موجود تھا اور نہ اسوقت تک مسلمان ہوا تھا۔ اور جس شخص کی دونوں انکھوں کے سامنے بکاؤ ہوا ہاتھوں سے یہ واقعہ اور اسکے سامنے سامان فراہم اور انجام دیئے گئے ہیں۔ اسکی شہادت عینی کی بخاری صاحب تصدیق نہیں فرماتے جسکو باستانہ انکے سوا و اعظم کے تمام محدثین مفسرین صاحب سن اور مورخین نے کمر تہمت و اتار لکھا ہے اور بیان کیا ہے۔ اب حدیث مرسل اور تفصیلی حقیقت تدریب الراوی امام سیوطی کی۔ جسکا اکثر حوالہ شبلی صاحب اپنی سیرۃ النبی میں دیتے ہیں مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو

ضم المرسل حدیث ضعیف لا یجوز بہ عند جاہل الحدیثین وللشافعی کہا حکاہ عنہم مسلم و فی حدیث صحیحہ و عبد البرقی التعمید و حکاہ الحاکم عن ابن المسیب و مالک و کثیرا من الفقہاء و اصحاب الاصول حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہیں۔ جن سے احتجاج نہیں ہو سکتا۔ جمہور محدثین اور شافعی کا یہی مختار ہے۔ جیسا کہ مسلم نے اپنی صحیح کے شروع میں اور امام عبد البر نے اپنی تمہید میں بھی لکھا ہے۔ اور حاکم نے بھی ابن ثوبانک اور سب فقہاء اصولین کا یہی مسلک بتلایا ہے۔ تدریب الراوی ص ۶۶



آدمی اور ایک سولہ برس کے لڑکے کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونوں ملکر تمام دنیا کے برخلاف کوشش کریں گے۔ ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی۔ اور تمام مجمع قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔ لیکن ثابت ہو گیا کہ یہ ہنسنے کے لائق بات نہ تھی بلکہ ٹھیک اور درست تھی یہ نوجوان علی ایسا شخص تھا کہ ضرور ہے کہ ہر ایک شخص اس سے پسند کرے اور اس امر سے جو ادب بیان کیا گیا ہے اور نیز اور باتوں سے جو ہمیشہ اس سے ظہور میں آتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عظیم الشان فاضلہ محبت سے بہرہ ور اور ایسا بجا و شخص تھا کہ جسکی تیز و تند جرات کے آگے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اس شخص کی طبیعت میں کچھ عجیب طرز کی جو ہرگز تھی۔ شیر سا تو بہادر تھا لیکن باوجود اسکے مزاج میں ایسی نرمی۔ رحم اور سچائی تھی کہ ایک کرچہ میں نائٹ ۸ جون نہ رہتا۔

Christian (عیسائی دیندار مجاہد) کے شایان تھی۔  
 واشنگٹن۔ آرون اپنی کتاب سکیرس آف محمد بن Successors of Mohamed لکھتے ہیں۔  
 محمد صلعم نے باوجود اپنی پہلی کوشش میں ناکامیاب رہنے کے دوبارہ بنی ہاشم کی ایک جماعت کو اپنی رہنمائی پر جمع کیا اور انکی صیافت کی۔ پھر کترے ہو کر خدا کے الہامی حکم سے اپنے سلسلہ کے لوگوں کو آگاہ کیا اور آباد اربابند فرمایا کہ اے اولاد عبدالمطلب جس خدا نے تمکو گون کو افضل ترین نعمتیں عطا کی ہیں اس کے نام سے تمکو گون کو اس دنیا کی برکتیں اور بقیہ عبارت حاشیہ۔ امام نووی لکھتے ہیں فی شرح المحدثات المرسل لا تجزئہ عندنا وعند جمہور المحدثین وجماعۃ من الفقہاء وجماہیر اصحاب الاصول والنظر قان وحاکا الحاکم ابو عبد اللہ عن سعید بن المسیب ومالك وجماعۃ اهل الحديث والفقہاء۔ ص ۵۷۔ امام نووی کہتے ہیں کہ مرسل سے اجتماع نہیں ہو سکتا۔ نہ ہمارے نزدیک۔ نہ جمہور اصحاب اہل اصول کے نزدیک نہ صاحبان نظر کے نزدیک۔ اور حاکم نے سعید بن المسیب اور مالک وجماعۃ اہل حدیث و فقہاء سے اسی فقار کی حکایت کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صرف حضرت علی کی عداوت اور آپ کو تمنا کی مناقب چھپانے کی غرض سے بخاری نے روایت متصل کے ہوتے ہوئے مراسیل روایت سے کام لیا۔ مویدین مراسیل بخاری نے جو طوفان تاید بخاری میں اٹھائے ہیں اسکو ہم اگر تفصیل سے لکھیں تو بہت طوالت ہو جائیگی فتح المغیث میں (ص ۷۵) اس بحث کو کامل تفصیل سے لکھا ہے اور اخیر میں جب مراسیل صحابہ کی صحت پر تصفیہ طیار جیہ کہ شبلی ص ۱۷ کا بھی مسلک ہے دیکھو ویسا ہے تو پھر اس تصفیہ پر بھی اتفاق نہ ہو سکا۔ فتح المغیث میں نتیجہ بحث کے موقع پر فیصلہ کن الفاظ فرمائیے وبالغ بعضہم فی المضائق فرد مراسیل الصحابہ بیان تک مبالغہ کیا گیا کہ مراسیل صحابہ کو بھی رد کر دیا گیا۔ ص ۷۵۔ اس کے ثبوت میں فتح المغیث کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔ انه قال فی الحدیث ابی عبد اللہ عن عبد اللہ بن مسعود انه سئل کان عبد اللہ مع النبی صلعم لیلۃ الجن قال لا ابو عبیدہ نے بر عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی تو پوچھا گیا کہ عبد اللہ آنحضرت صلعم کے ساتھ لیلۃ الجن میں تھے یا نہیں کہا گیا نہیں۔ حالانکہ عبد اللہ بن مسعود طویل القدر صحابی ہیں اور قسم جن داخل قرآن ہے مگر صرف اسوجہ سے کہ وہ اسوقت آنحضرت صلعم کے ساتھ تھے اسلئے یہ روایت مقطوع قرار پائی۔ تو یہ دوایتیں ابن عباس اور ابو ہریرہ کی کب قابل قبول ہو سکتی ہیں جو اسوقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اب ایک اور عالم قاص ملاحظہ ہو بعض علماء اہلسنت اسکے قائل ہوئے ہیں کہ حدیث مراسیل حدیث مسند ہے۔ اسی فتح المغیث میں ہے

آئندہ کی تمام خوشیاں بختا ہوں۔ پس تم میں سے کون شخص میرا بھائی میرا وزیر میرا جانشین ہوگا یہ سب لوگ خاموش رہ گئے۔ بعض لوگ تعجب کرتے تھے اور بعض بے اعتقادی اور مسخرے ہنستے تھے۔ آخر کار علیؑ نے اپنی جوانانہ دلیری کے ساتھ پیغمبر کے حضور میں عرض کی کہ اے پیغمبر صلعم میں حاضر ہوں محمد صلعم نے اپنے ہاتھ اس جوان کی گردن میں ڈال دیے اور انکو اپنے سینہ سے لگا کر آواز بلند فرمایا کہ تم سب لوگ میرے بھائی میرے وزیر اور میرے جانشین کو دیکھ لو اور اسکی فرمانبرداری کرو۔ نو جوان علیؑ کے اس جرات و مستعدی پر قریش نے ایک حقارت آمیز قہقہہ لگا کر اس کسین خلیفہ باپ کو (امیٹا لب کو) اپنی بیٹے کے سامنے جھکنے اور اسکی فرمانبرداری کرنے پر ملامت کی۔

مسٹر گیبون - امیڈی - Mr GIBBON. M. P. اپنی تاریخ اقبال و ادبار رومن امپائر میں لکھتے ہیں۔

محمد صلعم نے اٹھارہ دعوت میں تامل فرمایا۔ اسوقت تک کل ۱۴ آدمی ایمان لائے تھے۔ لیکن چوتھے برس انہوں نے باعلان اپنی رسالت کی طرف عام دعوت فرمائی اور تصدیق و حدانیت کا نور پھیلانے کی قہقہہ انہوں نے خاندان نبی ہاشم سے چالیس آدمیوں کو مدعو کیا۔ اور ان کے لئے سامان ضیافت تیار فرمایا۔ بعدہ ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے دوستو۔ اے عزیز دین تم لوگوں کے لئے افضل ترین نعمتیں دین و دنیا کا خزانہ لایا ہوں جسکو میرے سوا دوسرا شخص نہیں دیکتا۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اسکی عبادت کی طرف بلاؤں۔ پس تم لوگوں میں سے کون میرا رفیق اور وزیر ہوگا پیغمبر صاحب کے اس سوال کا کچھ جواب نہ دیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ حقارت رشک اور تعجب کی خاموشی حضرت علیؑ کی جرات سے دفع ہوئی۔ جو اسوقت ایک چارہ سالہ نو جوان تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ ۵۷۸ میں۔ ثم اختلفوا ہوا علی من المسند او دونہ او مثله او تظہر فائدة الخلافة عند المعارض والذی ذهب الیہ احمد وکثیر المالکیہ والمحققون من الحنفیہ کا لطیحاوی ابوبکر رازی بقدر یہ المسند قال ابن عبد البر وشمسہوا ذلک بالشہود یکون بعضهم افضل حالا من بعض واقعد وانہم معرفۃ و انکون الکلی عد ولا جائزی الشہادۃ یعنی ایمن اختلاف ہے کہ مرسل بہتر ہے سند سے یا کم ہے۔ یا برابر ہے۔ اس اختلاف کا نتیجہ تقارض کی وقت ظاہر ہوتا ہے۔ مذہب احمد اکثر مالکیہ اور محققین حنفیہ مثل طحاوی اور ابوبکر رازی یہ کہ حدیث سند مقدم ہے۔ ابن عبد البر کا قول ہے کہ یہ مشابہ ہی گواہی گواہ کی افضل ہوتی ہے بعض سے اگرچہ سب عدول اور جائز الشہادت ہوں۔ اس اختلاف کو جہاں یہ معلوم ہوا کہ بعض ایسے بھی عقل کے پورے ہیں کہ مرسل کو ترجیح دیتے ہیں متصل پر وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ محققین کا یہی مذہب ہے کہ حدیث سند افضل ہے مرسل سے تو اب کوئی بخاری صاحب کی روح سے پوچھے کہ آپ نے حدیث سند کے ہوتے ہوئے۔ جو آپ کے استاد امام منیل کے مسند میں موجود ہے۔ کیوں اس سند کو چھوڑا اور اس مرسل کو ترجیح دیا نیز استخفاف حق خطاب علی مرتضیٰ اور کون امر باعث تھا۔

ابن دا حجاج حدیث مرسل بھی ملاحظہ ہو فتح المغیرہ میں ہے۔ و علی من نزلنا ما و نیاہ فی الحلیۃ من طویق ابن مہدی عن ابن ہبیبہ انہ سمع شیخا من الخوارج یقول بعد ما فات ان ہذا الاحادیث دین وانظر عمن یاخذون دینکم واناکذا اھا ہونیا اسنا صیرنا حدیثا انقہ وکانا قال شیخان ان ہذا والله قاصہما الظہر

اسے بنی اللہ میں ہر طرح اس کام میں آپ کی نصرت اور رفاقت کے لئے حاضر ہوں۔ میں مخالفین کی آنکھیں کھول دوں گا۔ ان کے دانت توڑ دوں گا۔ ان کے سپٹ پہاڑ ڈال دوں گا۔ اسے بنی اللہ میں آپ کی وزارت کے لئے حاضر ہوں محمد بن مسلمہ علی کے التماس کو جوش کے ساتھ قبول فرمایا اور حاضرین نے ابوطالب کو اپنے لڑکے کے اس عزت پانے پر طنز یہ کلمات کہے عیسائی موبوفین کے مندرجہ بالا بیانات سے ہمارے غرض شہادت واقعہ سے نہیں ہے۔ بلکہ شہرت واقعہ سے طالب تحقیق پر ثابت ہو گیا کہ حقیقت حال پوری تفصیل و تشریح کیساتھ کتنی مشہور و معروف ہے کہ انشیا سے لیکر یورپ تک تمام صاحبان تحقیق اس سے پورے واقف ہیں اور اسلامی مورخین و محدثین کیا۔ غیر مسلم مؤلفین و محققین نے بھی اہلی ماضون اور عربی کتابوں سے اسکو لیکر اپنی اپنی تالیفات و تصنیفات میں قلمبند فرمایا ہے۔

پھر ہم یاد دلاتے ہیں کہ حقیقت کسی کے بھی چھپائے چھپ نہیں سکتی۔ اس لئے کہ حقیقت ہی بخاری صاحب اور انکی ہمنوا ہمنواں صحرا میں حضرت نے اسے لاکھ چھپایا۔ اور اسکی معافی و مطالب کو گھٹایا۔ لیکن حقیقت کے جبروت نے انھیں کے ایسے بیشمار علماء و محدثین سے تو لکھوا ہی تھا۔ مخالفین اور اعداء سے بھی حقیقت کی تفصیلی واقعات کا اعتراف لاپی چھوڑا۔ اب رہی بخاری صاحب کی طلسمی قلمکاری۔ اسکی حقیقت عبارت حاشیہ سے پورے طور پر واضح اور روشن ہو کر موبیدین بخاری کے لئے عبرت آموز ہے

### ( نبوت کا پانچواں سال )

بقیہ عبارت حاشیہ۔ المسحون بالمرسل اذا بدعت الخواج کانت فی مبدعہ الاسلام والصحابۃ متواقرن ثم فی التابعین فمن بعد ہر وہو کاذب اذا استحسنوا امر جعلوا حدیثا و اشباعا فربما سمع الرجل الشیء فحدث به ولم یدکر من حدیثہ بلہ تحسینا للنظر فیما عنہ غیرہ و یحیی الذی یجیح بالمقاطع فیجوبہ مع کونہ اصلہ ما ذکر فی فلاحول ولا قوۃ الا باللہ واما الالزام بتعالیق البخاری فہو قد علم قرطہ فی الرجال و تصدیقہ باللقعۃ بخلاف التابعین۔ اس سے بڑھ کر وہ روایت ہو جو بطریق ابن مسدد بن ہبوعہ مدی ہے کہ ایک شخص خارجی کو کہتے ہیں تاکہ وہ کھاتا تھا۔ یہ حدیثیں اصل دین ہیں پس دیکھیں کہ تم کس سے اپنا دین لیتے ہو کیونکہ ہلو گرن کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی بات پسند آتی تو اسکو حدیث بنا لیتے۔ اس بنا پر ہمارے شیخ نے کہا کہ اس حدیث نے پورے طور پر ادون لوگوں کی کمر توڑ ڈالی ہے جو حدیث اصل کو محبت جانتے ہیں کیونکہ خواجہ تو زمانہ صیاب سے چلے آتے ہیں جبکہ صحابہ بکثرت تھے۔ پھر زائد تابعین میں بھی انکی ایسی ہی کثرت تھی۔ اور انکا دستور تھا کہ جس امر کو پسند کرتے اسکو حدیث بنا لیتے اور شایع کر دیتے۔ جس سے اکثر ہوتا کہ سنے والے بوجہ حسن ظن کے اسکو قبول کر لیتے اور دوسروں سے بیان کر دیتے جبکہ وہ مشکوٰۃ غیروں سے بیان کرتے۔ اور پھر اس سے وہ استدلال کرتے جو روایت مقطوع سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ انکی اصلیت یہ ہوتی ہے لا حول ولا قوۃ۔ رہ گیا الزام بتعالیق بخاری کا۔ تو وہ ایسے شخص ہیں کہ انکا حال شرائط رجال و قیود صحت معلوم سے بخلاف تابعین کے۔

اس روایت نے جہاں یہ بتایا کہ مرسل سے استدلال بالکل غلط ہے وہاں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بخاری کی روایتیں اپنی قسم کی ہیں اولاً

کفار قریش کے اسباب مخالفت | ہمارے پروردگار نے قریش کو ابتداءً کفار قریش اگرچہ مخالفت اسلام کے صیغہ میں خوش رہتے تھے لیکن اسلام کے نام سے اونکو ایسی فطرتی نفرت تھی کہ اسکے ذرا سے اظہارِ اعلان پر چہرے پامال ہو جاتے تھے اور دینی ہونی چنگاری کی طرح فوراً بجھ کر اٹھتے تھے اور غائبانہ سلیمین پر جو اوس وقت تک محض اذگیوں پر شمار کئے قابل تھے ٹوٹ پڑتے تھے اور اونکی غریب بیانون پر قیامت کے ظلم و ستم ڈھاتے تھے تفصیل آگے آتی ہے۔

تفصیل سے پہلے ہمیں چاہیئے کہ مشرکین قریش کے عام طبقہ میں مخالفت اسلام کے اسباب تلاش کریں اور یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سبب اور سلسلہ طریقہ سے بتلا دیں اور دکھلا دیں کہ ہر شخص اونکی مخالفت کے بیرونی اور اندرونی اسباب کو کما حقہ سمجھے حدیث و تاریخ کی کتابوں میں یہ اسباب و علل ایک جگہ جمع کرنے کی ترکیب کے خلاف مختلف مقامات میں بہت واقعات کی رعایت و مناسبت کے اعتبار سے جمع کئے گئے ہیں۔ صاحب رحمۃ العالمین نے مجمل طور سے اور شبلی صاحب نے مفصل طریقہ سے ان تمام توجہیات کو سیرۃ النبی میں مندرج فرمایا ہے۔ ہم اوس کی نقل و خلاصہ کو اپنے مدعا کے بیان کے لئے کافی سمجھ کر حسب ذیل لکھتے ہیں۔

قریش کی مخالفت اور اسکے اسباب یہ تھے۔ مکہ کی چوڑی تھی کعبہ کی وجہ سے تھی۔ قریش کا خاندان جو تمام عرب پرندہ ہی حکومت رکھتا تھا اور جسکی وجہ سے۔ وہ ہمسایگان (جار اللہ) خدا بلکہ آل اللہ۔ خاندان الہی کہلاتے تھے۔

بقیہ عبارت حاشیہ۔ تعلیقات نے زیادہ میراثی میں سب کو ڈال دیا ہے۔ کیونکہ وہ تمام ایسی روایتوں ہی کو درج صحیح نہیں کرتے۔ بلکہ اکثر شائع بھی غویح تھے جو انہیں کی سیرت میں پیدا تھے کہ جس قسم کی چاہتے حدیث بناتے اور وہ درج صحیح ہو جاتی۔ امام مناوی تقریباً لکھتے ہیں۔ السابغة من کفر مبدعة لویحتم به الا اتفاق ومن لا یکنز قیل لا یحتم به مطلقاً وقیل یحتم به ان لولیکن من یستعمل الکذب فی نصرۃ مذہبه او لا اهل مذہبه وحکی عن الشافعی وقیل یحتم به ان لولیکن داعیاً۔ و بعد ازاں لا ینظر الاعدل قول الکثیر ولا کثر وضعف الاول باحتجاج صاحبی الصحیحین وغیرہما بلکہ من المبتدعة غیر الدعاة وضعول ازہد رب الراوی سیوطی) یعنی جو شخص بوجہ بدعت کا فہم و اوس سے بالاتفاق استدلال نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ لوگ جو بوجہ بدعت کا فہم نہیں ہوئے۔ اس میں اختلاف و بعض مقلد مانع ہیں بعض جائز جانتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنی مذہب یا اہل مذہب کی نصرت میں کذب کو حلال نہ جانتا ہو۔ قول شافعی کا ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنے مذہب بدعت کا داعی نہ ہو تو جائز ہے اگر داعی ہو تو ناجائز یہی قول اہل اکثر اعدال ہو مگر قول اول اسوجہ سے ضعیف کرو یا گیا ہو کہ شیخین نے صحیحین میں اکثر روایتوں سے روایت کی ہے۔

جار اللہ ہوا یا اللہ۔ جو چاہیں قریش اپنے لئے نام و لقب اختیار کریں۔ لیکن اس سے ثابت ہو کہ اہل بیت کا مقدس خطاب و القاب اس وقت تک اوصین بزرگواروں تک مخصوص تھا۔ جسکی نسبت مخصوصہ قرآن مجید کے الفاظ منصوصہ انہما یدعیا اللہ عنکما الرحمن اهل البیت الذین موجود ہیں۔ اس سے اس قول سے معلوم ہوا کہ کوئی قاعدہ ہر شیخین کی وجہ خاص سے درست نہیں رہ سکتا۔ عدم قبول حدیث مرسل کا قاعدہ بنجاری کی وجہ سے شکست ہوا۔ بدعتیوں سے روایتوں کا رواج صاحبین صحیحین سے ہوا۔ آخریہ قاعدہ بھی شیخین کی بدولت نہ قائم رہ سکا۔ آخر میں یہ بتایا گیا کہ اگر وہ بدعتی اپنی مذہب کا داعی نہ ہو تو اسکی روایت نہ لی جائے۔ اسکے متعلق امام سیوطی در رب الراوی میں لکھتے ہیں۔



اسکی صرف وجہ یہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے۔ اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیل گیا۔ آغاز اسلام میں جو لوگ قریش کے رؤساء اعظم تھے۔ اور جنگ کے آثار و اقتدار تمام مکہ پر تھا۔ انکے نام یہ ہیں۔

(۱) ابوسفیان بن حرب۔ معویہ کا باپ۔ حرب فجار میں قریش کا سپہ سالار۔

(۲) ابولہب آنحضرت کا عم نافہم۔

(۳) ابو جہل ولید بن المغیرہ کا بھتیجا اور اپنے قبیلہ کا سردار۔

(۴) ولید بن مغیرہ خالد کا باپ۔ قریش کا رئیس اعظم۔

(۵) عاص ابن وائل عمر بن عاص کا باپ نہایت کثیر المال۔ کثیر الاولاد اور صاحب اثر تھا۔

(۶) عقبہ بن ربیعہ معاویہ کا نانا۔ نہایت شریف الطبع اور صاحب ریاست تھا۔

ان کے سوا۔ اسود ابن عبد المطلب۔ اسود بن عبد غوث۔ نصر بن الحارث بن کلدہ۔ غنم بن شریح ثقفی

ابی بن حلف۔ عقبہ ابن معیط۔ اموی اور ابوالبحتری وغیرہم۔ صاحب اثر تسلیم کئے جاتے تھے۔

پہلا سبب۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خاندان بنی ہاشم اور بنو امیہ برابر کے حریف تھے۔ اور دونوں میں مدت سے رشک و رقابت چلی آتی تھی۔ تاثر بیت یافتہ اور تند خو قوموں کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو ان کے آبائی

بقیہ عبادت حاشیہ۔ الاول قید جماعة قبول غیر الداعیۃ اذ العرب واما یقویٰ به عنہ صرح بذلك الحافظ ابو یوسف

الجوزجانی شیخ ابوداؤد والنسائی قال فی کتابہ المعرفة الرجال ومنہم رافع عن الحنفی عن السنۃ الصادق

اللہ علیہ وسلم فی حیلہ الا ان یؤخذ من حدیثہ فلا ینکون منکر اذالم یقویٰ بدعۃ و بدعۃ شیخ الاسلام فی الختم

وقال فی شرحہ ما قال الجوزجانی یفحۃ لان الیلۃ التي لہا دوحہ وحدث الداعیۃ و ارادة فیما اذا كان ظاہر

هذا المروی یوافق المبتدع ولولہ لکن داعیۃ الثانی قال العزازی اعترض علیہ بان الشیخین ایضا احتجوا بعد

الحمد بن عبد الرحمن الحمائی وكان داعیۃ الی الاربعاء واجارہ بان داؤد قال لیس فی اهل الہواء اصح حدیثا من

الخارج ص ۱۱۹ ابنی جماعت مدین نے جو قبول روایت اہل بدعت میں یہ قید لگائی ہے کہ وہ داعی نہ ہو۔ اور یہی روایت نہ کرے جس سے اسکو مذہب کی

تقریب ہوتی ہو جسکی تصریح کی حافظ ابواسحاق جوزجانی نے جواب داؤد اور نسائی کے شیخ ہیں اور شیخ الاسلام نے بھی اسی کے ساتھ جزم کیا ہے اور کہا

۱۵ تبصرہ کہ شبلی صاحب عقبہ بن ربیعہ سے دشمن رسول کو شریف الطبع کے اوصاف سے موصوفت قہلاتے ہیں۔ کیا بدر کے واقعات آپ کو فراموش ہو گئے

کیا شہر اور ولید بن عقبہ کی اسلام سے مخالفت اور معرکہ بدر میں مشارکت آپ نے خود سیرۃ النبی میں نہیں لکھی ہے۔ انکا تمام خاندان بجائی بیٹا اور

سب بڑ بھائی صاحبزادی۔ ہندہ جگر خوار کی خونخواری کے حال ٹھہر کر کوئی کہہ سکتا ہے یہ لوگ شریف الطبع تھے۔ المؤلف سید اولاد حیدر

۱۶ شبلی صاحب مساوات فیما بین نبی و بنی امیہ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو حقا کہ ان کو کون تھا اور ناحی کون۔ اسکا بھی اظہار کر دیا جائے۔ لیکن اب ایسا نہیں

کر سکتے بنو امیہ کی جانبداری جواب کا لازمہ فطرت ہو اور جس کا انتقام آپ نے شروع تالیف سے قائم کیا ہے صاف صاف مکمل جائیگی اور تعمیر مساوات کا ظلم

جواب نہ لگایا ہے براہ ہو جائیگا۔ کوئی تاریخ کوئی سیرۃ اس مساوات کو نہیں لکھتی۔ المؤلف۔ سید اولاد حیدر عرفی عنہ

اسم و عقاید کے خلاف ہوا و گوسخت برہم کر دیتی تھی اور اسکے ساتھ اونکی مخالفت تھی۔ پانی مخالفت نہیں ہوتی تھی اور اونکی تشنگی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز نہیں بچا سکتی تھی۔ آج ہندوستان اس قدر مذہب ہو گیا ہے۔ لیکن اب بھی کسی عام مسئلہ پر ہی کی مخالفت کی جائے تو ایک حشر برپا ہو جاتا ہے۔ اور اگر حکومت موجودہ منظم اور صاحب ثروت نہ ہوتی تو اس سرزمین پر خون کا بادل برس چکا ہوتا۔

دوسرا سبب۔ عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا۔ خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) میں تین سو ساٹھ معبودوں سے قرین تھی۔ خدائے عظم تھا۔ یہی بت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے۔ پانی برساتے تھے۔ اولاد دین دیتے تھے۔ جہر کماے جنگ میں فحشیں دلاتے تھے۔ خدایا تو سرے سے نہ تھا۔ یا تھا تو جو معطل تھا۔ اسلام کا اصل قرین اس طسم کو فوراً برباد کر دینا تھا۔ لیکن اسکے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا۔ اسلئے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور انہیں خیلوگون کو جب قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا تو وہ اس قدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے۔ قریش کا رئیس اعظم۔ حرب بن امیہ تھا۔ چنانچہ حرب فجار میں وہی سپہ سالار اعظم تھا۔ لیکن حرب کے مرثیے بعد ابوسفیان اس منصب عظیم کے چل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا۔ اس کے ولید بن مغیرہ اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست حاصل کی تھی۔ ابوجہل اسی کا بھتیجا تھا۔ اور وہ بھی قریش میں اعتبار رکھتا تھا۔ ابوسفیان گوانچے ہاپک منصب نہ چل کر سکا لیکن بنو امیہ کے خاندان کا سردار وہی تھا۔ خاندان ہاشمی میں جسے ممتاز اور کبیر السن ابوسفیان تھا

بقیہ عبارت حاشیہ۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ جب ایسی روایت کرے جو اسکے مذہب کے موافق ہو تو وہ رو کر دی جائے گی۔ قریش نے کہا کہ اس پر اعتراض وارد ہوتا ہو کہ یحییٰ بن تہوایسے بدعتیوں سے بھی روایت کی ہے جو اپنے مذہب خاص کے داعی تھے مثلاً عمر بن خطاب کے جو خارجہ کی روایت تھی۔ اور بخاری و مسلم نے عبد الحمید بن عبد الرحمن حافی سے استدلال کیا ہے۔ جو مذہب ارجاء کا داعی تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ خوارج سے بڑھ کر کوئی صادق اللہ نہیں ہے۔ کیونکہ صرف اسلئے کہ بخاری نے ان سے روایت لی ہے۔ اہل یہ ہے کہ انسان جب قدر صحیح کے حالات پر غور کرے گا اس قدر اسکی حیرت و شہرت بیاگی۔ کیونکہ کوئی قاعدہ ایسا نہیں ہے کہ محدثین اہلسنت نے ترتیب نہ دیا اور بخاری و مسلم نے اسکو اپنے طرز عمل سے توڑ نہ دیا کیونکہ دونوں نے تو دیکھ چکے تھے کہ حدیث مرسل نام طریقت سے نفی ہوتی ہے۔ مگر بخاری کا دار و مدار زیادہ تر مرسل پر ہے (۲) اہل سنت کی عموماً اور خوارج کی خصوصاً تمام روایتیں قابل احتجاج نہیں لیکن بخاری نے اس قدر روایتیں خوارج سے لین کہ آخر یہ کہاں کہ خوارج سے زیادہ کوئی مسلم اللہ نہیں۔ کیونکہ ایک نہیں صمد خوارج نہ اذہب صحیح بخاری سے ہیں۔ امام سیوطی نے ایک تفسیر فرست خوارج راویان بخاری کی دی ہے جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے دیکھو اهل البدع من اخراج لہم التجاری و مسلم واحد ہما و ہر یک سب اہل بدعت تھو ان سے ابوبکر بن ہاشم بن کثیر بن ضریر تھا لیکن مذاہب تھا اور حضرت امیر المومنین اسکو امتیاز داغ از غازی کس نے دیا۔ سوائے شلی صاحب کے اور کس کو بتلایا جائے افسوس ہر اپنی تردید پک ہی کرتے ہیں۔ آگے پکارا اسی بولے کے حال میں کہتے ہیں ہم حرم کے توبانے سے غزال زرین چرا کر بیچ ڈالا تھا، چور کو ممانہ کننا شبلی صاحب کی خاص اصطلاح ہے۔

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی چچا تھا قبیلہ سہم میں سب سے زیادہ اثر عاص ابن ذائل کا تھا جو نہایت دولت مند اور کثیر الاولاد تھا۔ قریش کی عمان حکومت انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ اور یہی لوگ تھے جنھوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی قریش کے اور اکابر مثلاً اسود بن عبد المطلب، اسود بن عبد لغوث، نصر بن الحارث، امیہ بن حلف، عقبہ بن معیط الاسدی انھیں لوگوں کے زیر اثر تھے۔ اور اسوجہ سے اسلام میں اون کے نام پر حکمہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

قریش کا یہ خیال تھا کہ نبوت کا منصب عظیم اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا۔ وقالوا لولا نزل هذا القرآن علی رجل من القریۃن عظیم (وہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو دینا تھا تو ان دونوں شہروں (مکہ اور طائف) کے رئیس عظیم پر دیتا یعنی سید بن ربیعہ اور ابوسعود ثقفی) عرب میں ریاست کے لئے دولت اور اولاد سب سے ضروری شرط تھی۔ اولاد کی نسبت اکثر وحشی قوموں میں ہندوستان میں بھی یہ خیال رہا ہے کہ جو شخص صاحب اولاد نہ ہو وہ عالم آخرت کے برکات سے محروم رہتا ہے۔ قریش میں ابوصاف مذکور کے لحاظ سے جو لوگ ریاست کا استحقاق رکھتے تھے وہ ولید بن مغیرہ امیہ بن حلف، عاص بن ذائل السہمی اور ابوسعود ثقفی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اوصاف

سے خالی تھے۔ دولت کے غبار سے آپ کا دامن پاک تھا۔ اور اولاد ذکر سال دو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہی۔

تیسرا سبب۔ قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی جسکی یہ وجہ تھی کہ ابرہہ الاشرم (شاہ حبش) جو کعبہ دہا نیکو آیا تھا وہ عیسائی تھا یہی وجہ تھی کہ قریش کو عیسائیوں کے مقابلہ میں یارسیوں کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ ایران اور روم کی جنگ میں یارسیوں کو فتح ہوئی تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ اور مسلمان دل شکستہ ہوئے۔ چنانچہ یہ آیت اور پڑی۔

بقیہ عبارت حاشیہ۔ اکیلے یا ملکر مسلم و بنیادی نے روایت کی ہے۔ نام یہ ہیں۔

ابراہیم بن محمد بن۔ ابوب بن عائد الکافی۔ ذریعہ عبد اللہ موسیٰ بن شایہ بن سوار عبد الحمید بن عبد الرحمن۔ ابو یحییٰ نعمانی عبد الحمید بن عبد العزیز بن اود عثمان بن غیاث البصری۔ عمر بن وزعم بن مرہ۔ محمد بن عازم ابو معاویہ الضمری۔ درقان بن عمار بن عکرم بن یحییٰ بن صالح اوفاطی۔ یونس بن بکر ہکولہ۔ ہکولہ رجاؤ و ہوتا خیر الحکم فی الحکم علی سکتب الکبا و بئ الناس یہ لوگ تو وہ تھے جو مذہب ارجارین و انزل تھے اور متکبران کہا کے دخول بانار کے حکم لگانے میں مانع کا حکم دیتے تھے۔ اسحاق بن سواد العدوی۔ سمر بن اسیر۔ حمید بن عثمان جعیفی بن زید (قائمان امام حسین علیہ السلام خالد بن سلمہ الثقفی۔ عبد اللہ بن سالم الاشعری قیس ابن عازم ہکولہ۔ ہکولہ بال منصب و ہونے علی دھندہ علیہ یہ وہ لوگ ہیں جو جہت اختیار کر چکے تھے اور نہایت نفیس علی یعنی غیر کو آپ کے اوپر تقدیم دینے کا نام ہے۔ تدریب الراوی ص ۲۰ پھر اسی کتاب میں ایک فقرہ کے بعد لکھتے ہیں و عکرمہ مولیٰ ابن عباس و الولید بن کثیر ہکولہ اباضیہ و ہم الخواج الذین انکروا علی علی المتحکم و تبتوا عنہ و من عثمان و ذویہ قائلہ عکرمہ ابن عباس کا غلام اور ولید بن کثیر۔ خواج کے فرقہ ایا خنیہ سے تھے جو حکیم خباب علی مرتضیٰ کے منکر تھے حضرت عثمان سے برکات اور اون سے مقابلہ کیا۔ ص ۱۲۱

۵۔ ان اوصاف کے ساتھ حکامی۔ عیاری۔ و غابازی اور جلی سازی کی خاص غنیمتوں کو ہر دو گیسین۔ قرآن کی جگہ انیسٹین بند ہونا۔ اونٹ کو اونٹنی بنانا و دوتہ الجندل کے فیصلے میں ابو موسیٰ الاشعری کو کل دیکر ہون بنانا سب کچھ توشی دسارب کی پیش نظر ہے۔ المواقف۔ عفی عنہ

أُخْلِيتِ الْوُحُوشُ فِي أَكْثَرِ الْأَرْضِ وَهُرِمَ كَعْدُ عَلَيْهِمُ  
مَسْغِلَاتٌ فِي بَضْعِ سِنِينَ فَلَمَّا لَامُوا مِنْ جُلُودِهِمْ  
وَبُؤْمُرِهِمْ يَفْرَحَ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ

قریب کے ملک میں دروہی مخلوب ہو گئے۔ منسلوب ہونے کے چند  
سال بعد پھر غالب آجائیں گے۔ ضرابی کو اختیار ہے پہلے بھی اور پھر بھی  
اور تب مسلمان اللہ کی مدد سے خوشی منائیں گے۔

اسلام اور انہایت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا  
بیتہ منورہ میں بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

چوتھا سبب۔ ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی۔ قریش میں دو قبیلہ نہایت ممتاز اور حریت یکدیگر  
تھے بنی ہاشم اور بنو امیہ۔ عبد المطلب نے اپنے زور و اثر سے بنو ہاشم کا پہلہ بھاری کر دیا تھا۔ لیکن ان کے بعد اس خاندان  
میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا۔ ابوطالب دولت مند تھے۔ عباس دولت مند تھے۔ لیکن فیاض نہ تھے۔ ابوطالب  
بدر چلے گئے۔ اس لئے بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں۔ بدر کے سوا باقی  
تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی نے برپا کیں۔ اور وہی تمام لڑائیوں میں رئیس لشکر رہا۔ عقبہ بن معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت صلوات  
تھا اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے دوش مبارک پر اونٹ کی ادھیر لادالی تھی۔ انموی تھا۔ بنو امیہ کے بغیر  
قید کو بنی ہاشم سے برابری کا دعویٰ تھا۔ وہ بنی مخزوم تھے۔ ولید بن مغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا۔ اس لئے اس قبیلہ نے بھی

بقیہ عبارت شامیہ۔ اب تیسرا قاعدہ۔ بھی ملاحظہ ہو۔ اسی تہذیب الراوی سیوطی میں ہے الثالث الصواب اللہ لا یقبل رواۃ  
الرافضہ وساب السلف کما ذکرہ فی المصنف فی الوضوۃ فی باب القضاء فی مسائل الاختفاء تہذیب صحیح ہے کہ رافضیوں کی  
اور ان کی جو سلف کا سب کرتے ہیں۔ روایت نہ لینی چاہیے مصنف نے اسکو استفتاء مسائل کے باب میں لکھا ہے امام مسلم نے اس قاعدہ  
کو بھی توڑ ڈالا تہذیب الراوی میں ہے قال المحاکم کتاب مسلولان الشیخہ الامام حکم کہتے ہیں کہ صحیح مسلم تو شیعہ راویوں سے بھری پوری ہو  
اب صحیح مسلم کی توثیق دیکھی جاوے تو اسی کتاب میں ہے عن ابو علی النیشاپوری شیخ المحاکم قال ماتحت اویہ السماء کتاب اصح من  
کتاب مسلم ص ۱۲۶۔ ابوسلی نیشاپوری امام حاکم کے استاد و کتے ہیں کہ اسان کے نیچے کوئی کتاب صحیح مسلم سے بڑھ کر صحیح نہیں ہے۔

اب صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بیوقوف ثابت ہوا کہ صحیح مسلم شیعہ رواۃ سے بھری پوری ہے اور صحیح بخاری خوارج کے راویوں سے بھری  
ایسے خوارج استاد بخاری ہیں اور بخاری اود سے روایت کرتے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ وہ کبھی اودن روایتوں کو لکھیں جو فضائل جناب امیر میں

الواق  
لے نبی صاب تو پنے جہاڑ بنی ہاشم کے پیچھے چلے ہیں۔ آپ کا یہ لکنا کہ عبد المطلب کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا۔ کمان تک صحیح فی الواقع  
اور تاریخ کے مطابق ہے۔ ایک تو عبد المطلب کے بعد ان کے گھر میں وہی مقدس ہے (صلوات علیہ وآلہ) جسکی سیرت بخاری کا شرف آپ محال کر رہے ہیں اس کے  
قبل گو غلط فہمی ہی سی۔ آفہ ابوسب کو اسی گھر میں قریش میں ممتاز بتلا چکے ہیں۔ عباس کو ممتول اور دولت مند کہہ کر ہی چکے ابیطالب کی نسبت ابن ہشام  
ص ۲۲ میں لکھتا ہے کہ وہ قوم کا اقرار کا فردن کا خود موجود ہی لکھ کر ایک بنی امیہ اور اصول تقسیم کی تائید کی ضرورت میں بڑھ کر سبب کچھ بے اثر ہے المؤلف عفی



آنحضرت مسلم کی سخت مخالفت کی۔ ابو جہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ایک دفعہ انس بن مالک نے ابو جہل کے پاس گیا۔ اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ ابو جہل نے کہا کہ ہم اور نبی عبد مناف ہمیشہ حریف متقابل رہے۔ اور انھوں نے مماذاریان کین تو ہم نے بھی کین۔ انھوں نے خون بھاویے۔ تو ہم نے بھی خون بہا دے۔ انھوں نے بھی فیاضیاں کین تو ہم نے ان سے بڑے کین۔ یہاں تک کہ جب ہم نے کاندھ سے کاندھا ملا دیا تو اب بنی ہاشم پیغمبری کے دعویدار ہیں۔ خدا کی قسم ہم اس پیغمبر پر کبھی ایمان نہیں لاسکتے۔ بحوالہ ابن ہشام ص ۱۰۰ مصر

پانچواں سبب ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں بد اخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے ارباب اقتدار بیتا ذلیل بد اخلاقوں کے مرکب تھے۔ ابولہب جو خاندان بنی ہاشم میں ممتاز تھا۔ اوس نے حرم محترم کے خزانے سے غزال زرین چرا کر بیٹے لے گئے۔ انس بن شریک جو بنو زہرہ کا حلیف اور رؤساء عرب میں شمار کیا جاتا تھا۔ تمام دُکڑا تھا۔ انصر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی۔ اسی طرح اکثر ارباب جاہ مختلف قسم کے اعمال شنیعہ میں گرفتار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک طرف بت پرستی کی بلبیان کرتے تھے۔ دوسری طرف ان بد اخلاقوں پر سخت وار کر کے کرتے تھے۔ اس سے انکی غلط و افتدار کی شمشاد ہی تترنزل ہوتی جاتی تھی۔ قرآن مجید میں پیہم اور علانیہ ان کا رد کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں۔ گو طریقہ بیان عام ہوتا تھا۔ لیکن لوگ جانتے تھے کہ رو سخن کس کی طرف ہے

بقیہ عبارت حاشیہ وارہ میں یہی وجہ ہے کہ بخاری نے تفسیر و اندر تحریک الاقرین میں اوس روایت کو نہ لیا جو صحیح اور معتبر ہیں اور نہ لیا جو لغویا غیر صحیح ہیں کیونکہ ان کے راوی اول ابن عباس ہیں جو اس واقعے کے ساتھ آئے ہیں۔ دوسرے ابو ہریرہ ہیں جو اس واقعے کے چودہ ماہ بعد مدینہ میں آئے اور اسلام لائے پھر یہ روایت کہیں کہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر یہ روایت نازل ہو تو تقدیر ضلّ اصل کی کہ جو کہ مجبور ہو کر بنی ہاشم خود کہتی ہیں لیکن حاصل عدم التکراسا النزول و قد صرح فی هذه التروایة بان ذلك حین وقع نزول اصل ہی ہو کہ تکرار نہیں واقع ہوئی کیونکہ خود اس روایت میں موجود ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہی جو وقت یہ کہ میں نازل ہوا ہو۔ تو پھر کون روایت صحیح مانی جاوے۔ حضرت کا کوہ خارجہ پر پکارا گیا تھا اس روایت میں جو۔ یا پہلی روایت میں وہیں پکارا نہ کہو رہے کیونکہ اس روایت میں تو یہی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہو تو حضرت پکارنے لگے۔ جس سے فوریت ظاہر ہے۔ تو ایک روایت ضرور غلط ہوئی۔

دوسرے طریقہ۔ اور سنیہ ابن حجر کہتے ہیں فمروقع عند الطیرانی من حدیث ابی امامہ قال لما نزل وانذر عشیرتک

الاقرین جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و نساء و اهلہ فقال یا بنی ہاشم اشدوا انفسکم من النار و اسعوا فی

فکاک رقابکم یا عائشہ بنت ابوبکر یا حفصہ بنت عمر یا ام سلمہ فذا کہ حدیث طویلا فہذا ان ثبت دل علی تعداد القس

الاول وقعت بکلمۃ لتصریح فی حدیث الباب انہ صعد الصفا و لو تکن عائشہ و حفصہ و ام سلمہ عنده و منازع اجن

بلد ینہ فیجوز ان تكون ساخرة عن الاولی فیمكن ان محض ہا ابو ہریرہ و ابن عباس ایضا و یحمل قوله لما نزلت جمع ائی

ذلك لان الجمع قولنا فخر خص کما سیأتی فترنول ثانیاً و رھطک من المخلصین فخص بذلك بنی ہاشم و نساء و اولادہ

اعلم فی هذه الزیادة تعقیب علی النودی حیث قال فی شرح مسلم ان البخاری لم یخرجہا اعنی و رھطک من المخلصین

اعتماد علی ما فی هذه السورۃ و اغفل کو تھا موجودہ عند البخاری فی سورۃ ثبت ص ۲۰۹ جلد طبرانی نے ابی امامہ

وَلَا تُطِيعُوا خِلَافَ مُهَيِّئِ هَٰؤُلَاءِ مَشَٰءَ بَنِيهِمْ مِّنَ الْخَلِيفَةِ  
مُعْتَدًا لِّئَلَّا يُعَذِّبَ بِذَٰلِكَ زُرْعِمًا كَانَ خَاصًّا لِّبَنِي  
بُرْہہ گیا ہے یہ سب باتوں کو چھوڑنا سب بتاتا ہے اسلئے کہ وہ مالدار ہے اور لڑکوں والا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْفَسْعُ بِالْأَنْصِبِ نَاصِبَةً كَافٍ سَبَّةٍ  
خَاطِئَةٍ  
وہ سن رکھئے کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اسکی پیشانی کے بال پکڑ کر کھینکے جو کہ  
جھوٹی اور خطا کا رہے۔

مکن تھا کہ غلط و پر کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا لیکن مدت کی غفلت۔ عربی نخوت۔ دولت و اقتدار کا فخر۔ ریاست کا زعم۔  
ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب نہایت سخت نہ ہوتی وہ خیر نہ ہوتے۔ اس لئے بڑے بڑے جبار اس طرح غیلب کے گئے  
ذُرِّيٍّ وَمَنْ خَلَعْتُ دَجْدًا أَوْ جَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّكْدُودًا  
وَبَنِينَ شُهُودًا وَفَعَلْتُ لَهُ فِتْنَةً لِّمَنْ يَطْمَعُ أَنْ يَغْلِبَ  
ہم کو اور اسکو نہ چھوڑ دینے اور اسکو پیدا کیا۔ پھر سب سامان دیا بیٹے  
سامان دیا۔ پھر چاہتا ہے کہ ہم اسکو اور دین۔ ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا  
دشمن ہے۔

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کی طرف ہے جو قریش کا سراج تھا اور یہ الفاظ اس شخص کی زبانی آواہوتے تھے جب کو ظاہری جاہ  
و اقتدار حاصل نہ تھا لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر کیا تھا۔ یہ تھا کہ جو مجھ کو  
سیکڑوں برس سے عرب کے حاجت روائے عالم تھے اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے اسلام انکا نام و  
نشان مٹاتا تھا۔ اور ان کی شان میں کتا تھا۔

أَفَلَمْ يَوْفُوا عَهْدَهُمْ لِمَنِ مَّوَدُّوا أَنَّهُمْ لَا يَمْلِكُونَ  
تم اور جن چیزوں کا تم پوجتے ہو۔ وہ سب دوزخ کے ایندھن ہونگے۔

بقیہ عبارات حاشیہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیہ نازل ہو تو حضرت غنی بنی ہاشم کو اور اپنے زناج کو اور اہل کو جمع کیا اور فرمایا کہ اسے  
بنی ہاشم تم اپنی جاؤ تو خدا سے خرید کر لو۔ اور زنا سے اپنی آزادی کی سعی کرو۔ اس عالتہ منبت ابی بکرؓ اسے حلفہ و قمر عمرؓ اسے ام سلمہؓ اسکے بعد طوفانی شد  
نو کہما ہے پس اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو جائے تو دلالت کرتی ہے تعدد و جہر کیونکہ قطعہ اولی مکہ میں واقع ہوا۔ جس میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ  
آنحضرت معلوم نے کوہ صفا پر چڑھ کر آزادی اور سوقت نہ عالتہ موجود تھیں نہ حلفہ اور نہ ام سلمہ۔ کیونکہ یہ سب تو مدینہ میں حضرت کی زوجیت میں آئیں پس ممکن ہے  
یہ قصہ متاخر ہو اور اسوقت اس عباس اور ابوہریرہ کی ماضی بھی ممکن ہے اور حدیث میں موجود ہے کہ حضرت نے سب کو جمع کیا اور شاید کہ پہلے داؤد  
عشر تک الاقرین تھا نازل ہوا۔ جسکے بعد حضرت نے قریش کو جمع کیا پھر تخصیص کی اور اس زیادتی میں تعقیب ہے تو دی پر جنہوں نے شرح مسلم  
لکھا ہے کہ بخاری نے وَسَرَّ مَهْطَكَ الْخُلُصُونَ کی روایت نکی۔ غلطی ہے تو دی سے اسوجہ سے ہوئی کہ صرف تفسیر سورہ شعراء پر اعتماد کیا۔  
اور اس سے غفلت کی کہ یہ بخاری کے نزدیک سورہ ثبت میں موجود ہے۔

اس شرح سے گویا مقصد بخاری کی تکمیل تو نہ ہوئی کہ فضیلت و خلافت جناب امیر کو بالکل مٹا دیا گیا۔ مگر جامع القرآن حضرت کی

**مدت تک قریش کے عمل کے اسباب** ان کے اسباب کے ساتھ جنین سے ہر ایک قریش کے سخت مشعل کوڑے

کے لئے کافی تھا۔ توقع یہ تھی کہ اعلان دعوت کے ساتھ سخت خونریزیان شروع ہو جائیں گی لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا اور اسکے ناگزیر اسباب تھے قریش خانہ جنگیوں میں بے پناہ ہو چکے تھے۔ اور حرب فجار کے بعد اس قدر عاجز آ گئے تھے کہ لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے۔ قبیلہ پرستی کی وجہ سے لڑائی صرف اتنی ہی بات پر شروع ہو جاتی تھی کہ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے۔ مقتول کا قبیلہ بغیر کسی تحقیق کے انتقام کے لئے کمر اٹھاتا تھا۔ اور جب تک بدلہ نہ لے لیا جاوے یہ آگ مجھ نہیں سکتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا قریش کے لئے نہایت آسان تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ نبی ہاشم خون کا انتقام نہ چھوڑے گا۔ تمام مکہ جنگ میں مبتلا ہو جائیگا۔ بہت سے لوگ اسلام لائے تھے اور قریش کوئی قبیلہ ایسا باقی نہیں تھا جس میں دو ایک آدمی اسلام نہ لائے ہوں اسلئے اسلام اگر جرم تھا تو صرف ایک شخص اس کا مجرم تھا۔ بلکہ سیکڑوں تھے اور سب کا استیصال ناممکن تھا۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۵۵-۱۶۱

کفار قریش کی تمام فحاشیوں کے یہی اسباب تھے جو تفصیل سے لکھے گئے۔ عام اصول فطرت کے مطابق فحاشی جتنے مختلف اسباب تھے فحاشیت کی اتنی ہی مختلف اور متفرق صورتیں بھی اختیار کی گئیں۔ ان تمام خیالوں کے پہلے فحاشیت اسلام کی جو تہذیب نکالی اور اس کو عملی صورت میں لائے وہ اسلام لائیو الوں پر خونخوارانہ ظلم و تعدی تھی جو تہذیب قریش پر سمجھوتہ تھی کہ ان ترکیبوں سے عام طبقات کو عبرت ہوگی۔ اور جو اسلام لائے ہیں وہ دست بردار ہو جائیں گے۔ ان میں سے چند مظلومین اسلام کے احوال قریل میں لکھے جاتے ہیں۔

بقیہ عبارت حاشیہ۔ خوب پروردہ دری ہوئی۔ کیونکہ یہ آید دوم مرتبہ نازل ہوا تھا۔ مگر ایک دفعہ کا بالکل نکل گیا۔ حالانکہ سہ ماہیت مکر قرآن میں موجود ہیں۔ مگر یہ آیت نہ رہنے پائی۔ دوسرے یہ کہ اسکے ساتھ آید درمہنگ منہم المخلصین بھی قرآن میں دوم مرتبہ نازل ہوا تھا پھر صحیح مسلم و صحیح بخاری دونوں کا اتفاق ہے لیکن قرآن موجودہ میں اس کا کین وجود نہیں۔ تو پھر قریش قرآن میں اہل سنت کو کیا غرہ ہو سکتا ہے طرہ تو یہ ہے۔ یہی ابن جریر کہتے ہیں۔ زاد فی تفسیر قبیلہ رادیۃ ابی اسامہ علی الاعمش لهذا السند و رھطک منہم المخلصین خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما صبا حاحہ فقالوا من هذا افا جتمعوا الیہ فقال ارایتم ان اخیبکم ان خیلا یخرج من سفح هذا الجبل انتم تصدقون قال ما اخیبنا علیک کذا قال فانی نذیر الکرمین یدی عذاب شدید قال ابولہب قیالک ما جمعنا الا لهذا اتوقام فصرلت قبت یدی الی لوبت وقد نبھکذا اقراء الاعمش عن عمر بن مرہ قوله و سبنا اغنی مالہ و ما کسب حد ثنا محمد بن سلام و اخیبنا ابو معویۃ حد ثنا الاعمش عن عمر بن مرہ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرج الی البطحاء فصعد الی الجبل فنادی یا صبا حاحہ فاجمعت الیہ قریش فقال ارایتم ان حدیثکم العد و مصیبتکم او میسکم انتم تصدقون قالوا نعم قال انی نذیر الکرمین یدی عذاب شدید فقال ابولہب هذا ما جمعنا لہ فقل للہ تعالیٰ قبت یدی الی لوب الی آخرہ یعنی حب آید و اندر عیش ترک۔ الا قریش اور تو نصرت باہر آئے اور کوہ صفا پر چڑھ گئے اور آواز دی صایا

ظالمین قریش اور مظلومین اسلام | سابقین مومنین کی فہرست مظلومین میں نمبر اول ال یا سرہن جنکے معنایں و  
 شدائد کیسے قدر اور پرمہند ہو چکے ہیں مخالفان کا خاندان طبقہ اول کا صاحب ایمان ہے۔ یا سر اصل میں بن کے  
 رہنے والے تھے۔ پریشان ہو کر مکہ میں چلے آئے۔ ابوہذیفہ مخزومی کی کینئر سمیہ نامی سے عقد کر لیا۔ لڑکے ہالے ہو گئے اور پھر  
 یہیں سکونت اختیار کر لی۔ یا سر کی بی بی سمیہ۔ یا سر کے دونوں بیٹے عمار اور عبداللہ غرض کہ سارا گھر مشرف باسلام  
 ہو چکا تھا۔ لیکن دولت ایمان کے سوا گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ تمام خاندان عسرت اور ناواری میں بسر کرتا تھا۔ کفار قریش غریب  
 بے یار و کمکران پر ٹوٹ پڑے اور ایک ایک کر کے ان غریبوں کو اتنا مارا کہ جینے کے لالے پڑ گئے۔ سزا با مجروح ہو گئے۔ اتفاقاً  
 حالت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اودھر آچکے۔ مومنین مخلصین کی یہ مصیبت آپ صی و دیکھتی گئی  
 لیکن مجبور رہی ایسی تھی کہ سوائے سکوت و خاموشی کے دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا۔ انکی مصیبت تک حالت مشاہدہ فرما کر  
 ارشاد کیا اے بنی اہمال یا صافان موعده کمر الجنة (اے آل یا سر صبر کرو و تحقیق کہ بہشت تمہاری وعدہ گاہ ہے) کہجنت و جہنم  
 نے یا سر کی بی بی سمیہ کو نیزے کی نوکین کو پنج کوچ کر مار ڈالا۔ غریب یا سر کا بھی ایسی ہی شدید ضررون سے خاتمہ بالآخر کر دیا گیا۔  
 سيعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ظالمین دیکھ لیں گے اونکی کیسی بابرگشت ہو رہی ہے۔

بقیہ عبارت حاشیہ (جمع ہوتے تم پڑوٹ پڑے) لوگوں نے کہا تم کیوں پکارتے ہو۔ غرض کہ سب جمع ہوئے تو حضرت نے کہا کہ اگر تم کو خبر  
 کہ اس ہمارے پشت سے ایک لشکر آیا چاہتا ہے تو تم ہلکو سچا جانو گے سب نے کہا ہم نے تم پر کبھی کذب کا تجربہ نہیں کیا ہی تو حضرت نے فرمایا کہ ہم تم لوگوں  
 کے ڈرانے والے ہیں عذاب شدید سے۔ ابولہب نے کہا (غور با اللہ) تم ہلاک ہو جاؤ کیا اسی نے تم نے سب لوگوں کو جمع کیا تھا۔ اس پر سورہ تب  
 نازل ہوا تَبَّتْ تَبَّتْ اَبی لَهَبٍ وَتَبَّتْ اَسَى طرَحْ اَشْ نَے اوس رنڈ پڑا تھا۔ (مگر قُلْ کا لفظ اب قرآن میں نہیں ہے) اسی ایک روایت کو تین  
 متفق باب میں لکھا ہے اس سے بخاری صاحب کی خوش سلیقگی ظاہر ہے۔ دوسری یہ کہ درہمک منہم المخلصین بھی نازل ہوا تھا جواب قرآن میں  
 نہیں ہے تیسری یہ کہ قد تب نازل ہوا تھا صرف تب رہ گیا۔ اس پر بھی تحریف قرآن سے انکار ممکن ہے۔ اور کوئی وجہ اسکی تبدیلی جاسکتی  
 ہے کہ درہمک منہم المخلصین کیوں نکال دیا گیا۔ صرف اس لئے آہن بنی ہافم کی صریح روح تھی پھر حضرت جامعین قرآن کہا اسکو قرآن میں  
 رہنے دیتے اب سورہ تب کی شان نزول کو دیکھنا چاہیے کہ آخر یہ سورہ کب نازل ہوا۔ کیونکہ واند غریبک الاقرین کے نزول کے بعد اسکا نازل  
 ہونا عقلاً بھی ناجائز ہے اور نقلاً بھی عقلاً اس وجہ سے کہ وہ مقام تالیف قلوب تھا کہ حضرت اپنی نبوت کا اعلان کر رہے تھے جو ایک ایسا عجیب  
 و غریب امر تھا کہ عرب کے کان ہی اس سے آشنا نہ تھے کہ عرب میں ہی کوئی نبی ہوگا۔ اس لئے حضرت نے اس استہام سے اونکی دعوت کی اور  
 نرم الفاظ میں پیغام الہی پہنچایا کہ کسی کو منفرد ہونے پائے ایسی حالت میں اسطرح کا سورہ آنا جس میں ایک شخص کی مذمت ہو کس قدر غلط  
 عقل پر نقد اس وجہ سے کہ امام سیوطی باب النقول فی اسباب النزول میں لکھتے ہیں۔ اخرج البغدادی وغیرہ عن ابن عباس قال  
 صعد رسول الله صلوات يوم على الصفا فنادى يا صبا حاه فاجتمعت اليه قریش قال دأيتكم لو اخبرتمكم ان  
 العدو مصممكم او لیسکم اکنتم تصدقونی قالوا بلی قال فانی نذیرا لکم بنیدی عذاب شدید فقال ابولہب تبانک



(۲) خباب بن الارت تیمم کے قبیلہ سے تھے۔ جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کئے گئے۔ اور آم تمار نے خرید لیا۔ ایسے زمانہ میں اسلام لائے۔ جب آنحضرت صلوٰۃ ارحم کے گھر میں مقیم تھے اور صرف چھ سات شخص اسلام لائے تھے قریش نے انھیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ ایک دن کوئلے جلا کر زمین بھاپائے۔ اس پر انکو چپٹ لٹایا۔ ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں۔ یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھڑے ہو گئے۔ خباب نے مدقون کے بعد یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا اور پیٹھ بھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی۔ ابن سعد جلد ۳۔ خباب جاہلیت میں لوہار کا کام کرتے تھے بعض لوگوں کے ختمہ انکی بقایا تھی۔ مانگتے تو جواب ملتا کہ جب تک کہ محمدؐ (صلعم) کا اکار نہ کرو گے کوئی سی نہ ملے گی یہ کہتے کہ تمہیں عتیک کہ تم مر کے جیو نہیں۔ سیرۃ النبیؐ بحوالہ بخاری ص ۶۹۱

(۳) حضرت بلالؓ یہ دی ہلال بن جو مؤذن مشہور ہیں بشتی النسل تھے۔ اور امیہ بن خلف کے غلام تھے جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو امیہ انکو جلتی بالور پٹاتا۔ اور پتھر کی چٹان انکے سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرتے تھے۔ اکثر گردن میں رسی باندھ لڑکوں کو پکڑا دیتا اور وہ مکہ کے پہاڑوں پہاڑ غریب کو جانوروں کی طرح گھسیٹتے پھرتے گردن میں رسیوں کے نیل پڑ جاتے کہ یہ یہ ہوتا تھا کہ انکی شکلیں باندھ کر زمین پر ڈال دیتے تھے۔ اور ڈنڈوں سے پیٹتے جاتے تھے۔ ان تمام ماروں کے بوسٹ کی مار بھی دی جاتی تھی جو سب سے بری تھی۔ متواتر کئی کئی دنوں تک غریب بے آب و دانہ رکھے جاتے تھے لیکن ان تمام مصائب و شدائد میں بھی وہ اسلام کا سبق نہ بھولے۔ ہر ہر ضرب پر اُحد اُحد کے نعرے لگاتے جاتے تھے۔ بالآخر حضرت ابوبکرؓ نے (اور بروایت عباس بن عبد المطلب نے) انکو انکے مالک سے خرید کر کے آزاد کر دیا۔

بقیہ عبارت حاشیہ۔ لہذا جمعنا فانزل اللہ قبت ید الی لہب الی آخر۔ برماشیہ جلالین ص ۱۱۱۔ یعنی بخاری نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلوٰۃ ارحم ایک روز کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور پکارے۔ یا صبا آہ۔ قریش جمع ہوئے اور ابوباب نے کہا ہاں آئیے ہم کو تم نے اسی لئے سب کو جمع کیا تھا جس پر امیہ نازل ہوا (مضمناً) تو وہ روایت بخاری کی بالکل غلط ہوئی کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کوہ صفا پر واقع ہوا اور نہ عتیر تک الاقرین سے کوئی تعلق نہیں۔ جو اخیر امر کا ہے۔ کیونکہ حضرت تو اکثر موقع پر اکبر تبلیغ فرمایا کرتے تھے لہذا کسی دوسرے موقع اس واقعہ کا پیش آنا ممکن ہے۔ بخلاف واقعہ واند عتیر تک الاقرین کے کہ اس سے کسی قسم کا تعلق ممکن نہیں ہے۔ اگر وہ سری روایت پر نظر کیا تو وہ بھی ممکن ہے اور ابوباب کی خدمت بھی کہ اس سے کوئی بے ادبی ہوئی ہو۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ واقعہ کس زمانہ کا ہے و مشہور سیوطی جلد ۴ صفحہ ۴۰۴ میں ہے۔ اخرج ابو نعیم فی الدلیل عن ابن عباس ما کان ابو لہب الا من کفاد قریش ما ہوئے خرج من الشعب حين تکللات قریش حتی حصروا فی الشعب و ظاہر ہوا فلما خرج ابو لہب من الشعب لقی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ حين فارق قومہ فقال يا بنت عتبہ هل نصرت اللات والعزی قال نعم فجزاک اللہ تعالیٰ يا اباعتبہ قال ان محمدًا ابدا نأشیاء لانراھا کائنۃ بعد الموت فما فاک وضع فی یدی ثم ففخ فی یدیہ ثم قال تبا لکما ماری منکما شیئاً مما یقول محمد فخرت تبید الی لہب قال ابن عباس فخرنا فی الشعب ثلاث سنین

(۴) صہیب رومی۔ یہ رومی مشہور ہیں۔ لیکن درحقیقت رومی نہیں تھے۔ انکے والد سنان نامی کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے حاکم تھے۔ اور انکا خاندان موصل میں آ رہا تھا۔ ایک دفعہ رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا۔ اور جن لوگوں کو قید کر کے لیکے اون میں صہیب بھی تھے۔ یہ رومی بن پہلے تھے۔ اس لئے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے۔ ایک عرب نے انکو خریدا اور مکہ میں لایا۔ یہاں عبداللہ بن جبعان نے انکو خرید کر کے آزاد کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب عہد اسلام شروع کی تو یہ اور عمار بن یاسر ایک ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے اسلام کی ترغیب دی اور یہ مسلمان ہو گئے۔ قریش انکو استغلاذیت دیتے تھے کہ ان کے جو اس غفل ہو جاتے تھے۔ جب انھوں نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جاسکتے ہو۔ انھوں نے نہایت خوشی سے منظور کر لیا۔ حضرت عمرؓ جب نماز میں نہ خفی ہوئے تو اپنی بجائے انھیں کو امامت دی تھی۔

(۵) ابو فکیہ۔ کنیت تھی۔ افلح نام تھا۔ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ اور حضرت بلال کے ساتھ اسلام لائے تھے۔ امیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے باؤن بن رسی باندھی اور آدمیوں سے کہا گھسیٹتے ہوئے لیجائیں اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائیں۔ ایک گبریلہ راہ میں جا رہا تھا۔ امیہ نے اسے کہا کہ تیرا ذرا سی تو نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ میرا تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے۔ اسے امیہ نے اس زور سے انکا گلا گھونٹا کہ لوگ بٹھے دم نکل گیا۔ ایک دفعہ انکے سہنے پر اثنا بھاری بو جھل پھڑکدیا کہ انکی زبان نکل پڑی۔ بحوالہ ابن سعد جلد سوم۔

بقیہ عبارت حاشیہ۔ واقطعوا عنا المبرۃ حتی ان الرجل منا باللفقہ فمابایع حتی یزحی حتی ھلک فینا من ھلک انعم نے حلیہ الما للباب بن ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ابولعب بھی کفار قریش سے تھا جیسا کہ وہ لوگ تھے۔ یہاں تک کہ شعب سے خارج ہوئے جبکہ کفار قریش نے مشورہ کر کے ہم سب کو شعب میں محصور کر دیا تھا۔ جب ابولعب شعب سے خارج ہوا تو اپنی قوم سے مفارقت اختیار کی تو ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ سے ملاقات ہوئی تو ابولعب نے پوچھا کہ اے ہندہ تو نے کچھ لات وغری کی نصرت کی تو کہا کہ ہاں۔ اور یونہی خدا تمہیں جزا سے خیر دے۔ ابولعب نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے وعدہ کرتے ہیں جنکو ہم نہیں جانتے کہ وہ موت کے بعد پورا ہوا یا اس سے اور بعد لکھا ابولعب نے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھونکا اور کہا تالکما۔ ہلاکت ہو تم دونوں کو۔ محمد (صلی اللہ وسلم) کے وعدوں میں سے ہم کچھ نہیں پاتے اس پر وہ تبت یرا نازل ہوا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ہکو قریش نے تین برس تک محصور رکھا اور اس طرح کہ ہم سے خرید و فروخت بند کر دی کہ ہم کچھ مال خرید کرنے جاتے تو ہمارے ہاتھ کوئی چیز نہ بچتے۔ یہاں تک کہ ہم میں سے جنکو ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سورہ تبت یرا کا نزول بعد مجاہدہ شعب ابی طالب جو نبوت کے ستارہ میں واقع ہوا لیکن بخاری نے صرف ہلاکت جناب علی مرتضیٰؓ کی وجہ سے اسکو۔ واند غیث تک الاقرین کے نزول سے ملحق کر دیا۔ جو عقلاً اور نقلاً کی طرح بھی ممکن نہیں ہے اب ویکیے مجاہدہ ابی طالب کب ہوا بعثت سے تین برس تک تبلیغ مخفی ہوتی رہی۔ اس کے بعد واقعہ دعوت قریش (سنت نبوت) پیش ہوا پھر اسکے بعد حضرت حمزہؓ اسلام لائے۔ تو جیسا کہ طبری کا بیان ہے فاستمرت بدينهم ان يكتبوا بدينهم كما بايت عاتقان فيه فلما فعلت ذلك

کفار قریش کا یہ سلوک گھر کے غلاموں اور قوم کے نادار لوگوں تک محدود و موقوف نہیں تھا۔ بلکہ اسلام کے ناقابلِ معفو مجرمین وہ اپنے عزیزوں اور قریبتداروں کے ساتھ بھی ایسے ہی ظلم و ستم سے پیش آیا کرتے تھے۔

(۶) حضرت عثمان بن عفان کے اسلام لانے کی خبر جب اُنکے چچا کو ہوئی۔ تو وہ کمبخت حضرت عثمان کو کچھور کی صفت میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور نیچے سے دھپوان دیا کرتا۔

(۷) زبیر بن العوام۔ زبیر بن العوام جب اسلام لائے تو اُنکے چچا بھی انھیں چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھپوان دیتے تھے۔

(۸) مصعب بن عمیر کے اسلام لانے کی خبر ملنے پر اُنکے شقیق القلب مان نے گھر سے نکال دیا تھا۔

(۹) سعید بن زید۔ حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی۔ سعید بن زید جب اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رستوں سے باندھ کر ڈال دیا۔

(۱۰) سعد بن وقاص اگرچہ اپنے قبیلہ میں نہایت معزز اور مقتدر تھے۔ تاہم کفار کے ظلم و ستم سے محظوظ نہیں تھے بنو اسد اسلام کے مجرمین ان کو سخت سزائیں دیتے تھے۔

بیرحم اور حد سے زیادہ خونخوار کفار قریش مظلومین اسلام کو ایسی ہی وحشیانہ سزائیں دیتے تھے کہ اُن غریبوں کی بہت واستقلال کے سوا کوئی اور شے اُنکے قتل و برداشت کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ اُنکی بہت واستقلال کے سوا بھی اسلام کی صداقت کا عین الکمال تھا۔

بقیہ عبارت حاشیہ قریش الجاءت بنو ہاشم و بنو مطلب الی ابی طالب فدخلوا معہ فی شعبۃ و اجتمعوا الیہ فی شعبۃ و خرج منہ بنو ہاشم ابولہب الی قریش۔ کفار قریش نے پھر آپس میں منافرت و مخالفت بنی ہاشم پر پیدا کر دی اور ہاشم کو خانہ کعبہ پر لٹکایا جب اس کا ردائی کی خبر پہنچی تو تمام بنی ہاشم ابوطالب کے پاس آئے اور وہ اُن کو لیکر شعب میں داخل ہوئے مگر ابوطالب اُن سے علیحدہ ہو گیا۔ اور قریش سے جاکر ملحق ہو گیا اس سے معلوم ہوا کہ مفارقت ابولہب کا زمانہ اسی وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے وہ لوگ شعب میں محصور ہوئے۔ تو کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ سورہ (تبت ید ابی لمب) شروع ہی میں نازل ہوا ہوتا بقول بخاری صاحب داند غریب الاقرین کے ساتھ تو پھر ابولہب اتنے دنوں تک کہی حضرت صلعم کے ساتھ رہ سکتا تھا۔ تاریخ خمیس میں مرقوم ہے۔

وفی السنۃ السابعة من النبوة کما فی الحیوة الحیوان او الثامن منها علی ما فی المتقی لقاسمت قریش و تعادوا علی معاداة بنی ہاشم و بنی عبد مطلب ص ۳۵ بروایت حیوة الحیوان سنہ ۳۵ ثبوت میں اور بروایت متقی سنہ ۳۵ میں قریش نے معاہدہ کیا اور آپس میں قسم کھائی کہ بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے عداوت قائم رکھیں تو اس حساب سے نزول سورہ تبت ید اکمین جاکر سنہ ۳۵ یا سنہ ۳۶ سال میں ہوتا ہے لیکن بخاری صاحب نے ایک فضائل علیؓ کے چھپانے کی ضرورت سے اسکو نزول آیت داند غریب تک الاقرین سے لاکر باغات کیا ہے کہ بالکل قصہ کا قصہ غلط ہو گیا۔ لا قول ولا قوۃ۔ المؤلف عفی عنہ۔

(۱) مرقومہ بالا مظلومین اسلام سب کے سب مرد تھے۔ نام و ظلمہ قریش نے مسلمان عورتوں کی صنف نازک و ضعیف پر بھی رحم نہ کیا۔ ان مصیبت دیدہ اور آفت رسیدہ عورتوں میں سب سے پہلے جس خاتون کی نہایت وحشیانہ اور بیرحمانہ طریقہ سے جان لی گئی۔ وہ حضرت یاسر کی بی بی سمیہ تھیں اور حضرت عمار بن یاسرؓ کی ماں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

(۲) لکینہ تھیں۔ یہ بچاری کنیز تھیں حضرت عمرؓ کی بیوی کو مارنے والے تھک جاتے تو کہتے تھے میں نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس وجہ سے تجھ کو بے رحم میں خود تھک گیا ہوں۔ وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں۔ دیکھو عمرؓ اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو تم سے خدا اس کا انتقام لے گا۔

(۳) زینبؓ کنیز کی ایسی ہی دوسری کنیز زینبہ تھیں۔ یہ بھی حضرت عمرؓ کے قبیلہ کی کنیز تھیں حضرت عمرؓ اسلام سے پہلے ان کو جی کوں کرستاتے۔ ابو جہل نے تو ایک دن ایسی مار ماری کہ غریب کی آنکھیں جاتی رہیں۔

(۴) ہندیا اور (۵) اُمّ عبیدہؓ۔ یہ بھی دونوں کنیز تھیں۔ اور صرف اسلام کے جرم میں یہ مصیبتیں جھیلی تھیں۔ یہ تمام جلا دانہ بیرحمیان یہ عبرت خیز غاکیان ایک مسلمان کو بھی راہ حق سے متزلزل نہ کر سکیں۔ ایک انصافی مورخ نے یہ سچ لکھا ہے۔

عیسائی اسکو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسائل نے وہ نشہ دیتی آپ کی پیروں میں پیدا کر دیا تھا جسکو عیسائی کے ابتدائی پیروں میں تلاش کرنا بیفائدہ ہے۔ جب عیسائی کو سولی پر لے گئے تو اونکے پیرو بھاگ گئے۔ انکا نشہ دیتی جاتا رہا۔ اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیے اسکے برعکس محمدؐ صلعم کے سپہ واپس مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطر میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کر دیا۔ ابابو جی کا ڈھری ہنگس ترجمہ اردو ص ۶۶-۶۷

قریش اور آنحضرت صلعم کی مخالفت میں مشورت

کفار قریش اپنی اس تجویز میں کہ مسلمانوں کو اتنا سایا جاوے کہ وہ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔ اور اونکی اذیتوں کو دیکھ کر دوسرے لوگ قبول اسلام بر جرت نہ کر سکیں بالکل ناکامیاب رہے۔ تو اب ان بیرحموں نے حضرت

رسول خدا صلعم کی ذاتی ایذا رسانوں کی تدبیریں سوچیں۔ ان ناہنجار تجویزوں کو عملی صورت میں لانیکے لئے انہوں نے ایک باقاعدہ مجلس مشورت قائم کی جس میں ہر قبائل و عشائر کے پچیس سردار شامل تھے کمال مال اندیشی کے خیال سے بد بخت ابولہب کو اس مجلس کا صدر منتخب کیا گیا۔ خدا برہنہ کرے تنگ خاندان نہ کرے۔

اس مفسدہ انگیز مجلس کا پہلا مقصد جو اتفاق رائے کیلئے پیش کیا گیا وہ یہ تھا کہ قبائل بیرونی جو مکہ میں آباد کرتے ہیں اونکو قربت اور محبت رسولؐ سے بچا یا جاوے اور اونکے علیحدہ رکھنے کی یہ ترکیب ہے کہ اون سے آنحضرت صلعم کے متعلق ایسے خاص معائب بیان کئے جا دیں کہ وہ خود بالطبع آپ سے متنفر ہو جائیں۔



سب نے اس پر اتفاق کیا کہ آپ کو کاہن مشہور کیا جاوے۔ ولید بن مغیرہ جو قریش میں سب سے زیادہ کم سن سال دار تجربہ کار تھا بول اٹھا میں نے بہت سے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ کمان کا ہنوں کی ٹنگ بندیاں اور کمان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام کی بغیر تافصاحت و ملائمت۔ دیکھو ایسی بات نہ کہو کہ قبائل عرب سنتے ہی کہنے لگیں کہ غلط الزام لگاتے ہو اور جھوٹ کہتے ہو۔ پھر یہ تجویز ہوئی کہ اچھا کاہن نہیں تو مجنون مشہور کیا جاوے۔ ولید نے پھر ٹوکا۔ اور کہا تو یہ کرو محمد کو دیوانگی سے کیا واسطہ اور جنوں سے کیا علاقہ۔

پھر وہ بات قرار پائی کہ انھیں شاعر بتلایا جائے۔ ولید کو یہ بات بھی پسند نہ آئی۔ اس نے تمام مجمع مخاطب کر کے کہا۔ ہم خود شاعر ہیں ہمیشہ شعر کہتے ہیں۔ اصناف سخن اور اوصاف فن سے خوب واقف ہیں۔ ہم جانتے ہیں شعرین کیا بات ہوتی ہے۔ محمد کے کلمات کو شعر کے لغویات سے کوئی مناسبت نہیں۔

پھر اس پر اتفاق ہوا کہ اچھا انہیں ساحر کہا جاوے۔ ولید بولا یہ جادو بھی نہیں چلیگا۔ کمان محمد کے اخلاق و عادات کی لطافت کمان ساحرون اور شعبدہ گردن کی بنیاد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جمال جہان آرا۔ ان کے محاسن و کمال کا آئینہ ہے۔ جادو گردن کی مخوس صورت اونکی سیہ کاریوں کی تصویر ہے۔

اب تو سو سو پتھر پتھر جمع کا مجمع ٹھک گیا۔ سب کے سب عاجز آ گئے تو ولید بن مغیرہ سے کہنے لگے کہ اچھا اب آپ ہی کچھ تجویز کریں اور کوئی مفید تدبیر نکالیں۔ ولید نے تمام جلسہ کو مخاطب کر کے کھا کہ اول تو اس امر خاص میں میں کچھ نہ کھونگا اور اگر کچھ کہوں گا بھی تو وہ بالکل سچ ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ حقاً محمد کے کلام میں ایسی حلاوت ہے اور اسکی تقریر میں عذب البیان کی ایسی قدرتی تاثیر ہے کہ باپ بیٹے۔ بھائی بہن اور شوہر و زن میں مفارقت ہو جاتی ہے اور وہ بیویں سے تمہاری پیش نظر ہے۔ میں اوس قدر تم سے کہوں گا اور بس تم سمجھنے والے ہو تو سمجھ جاؤ۔

ولید بن مغیرہ کی اس تقریر نے تمام جلسہ میں سکوت کا عالم پیدا کر دیا۔ جو کچھ اس نے کہا تھا وہ بالکل سچ تھا اس لئے کسی فرد و احد کو اسکے خلاف مجال سخن نہ ہوئی۔ لیکن اس سے جاہل تھے۔ جمالت سے اب بھی باز نہ آئے۔ اپنے ہی سردار قوم سے بغیر برحق کے اوصاف سن کر عبرت پذیر تو نہ ہوئے بلکہ خجالت و شرمندگی کے جاہلانہ غصہ میں پہلے سے بھی زیادہ بھر گئے اور پتھر پتھر کھاتے لگے۔ بالآخر اپنی کانگریزوں کے تقاضہ سے سب نے ملکر یہ تدبیر نکالی کہ جناب رسولی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر ممکن طریقہ سے پریشان کیا جاوے اور انکی تعلیم کے ہر مقصد کی تضحیک و توہین کی جاوے اور سلاطین کو تمام مظالم کا نشانہ بنایا جاوے۔

(ابن ہشام جلد اول صفحہ ۹۰ و شفا مفاضی عیاض صفحہ ۱۲۹)

قریش کی پہلی وفد اورابی طالب کی خدمت میں آنحضرت کی شکایت اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کر دی تو قریش کے چند مغرین ابو طالب کے کو شکایت کی ابو طالب نے زبانی کہہ کر انکو نصرت کر دیا

اور ہر قوم و وطن کی انسانی قوتیں مخالفت اسلام کی تدبیریں سوچ رہی تھیں۔ راہین نکال رہی تھیں۔ ساوہر

## نبوت کا چھٹا سال حضرت حمزہ کا اسلام لانا

اور نظام تربانی جبروتی طاقت اسکی وسعت کے سامان کر رہی تھی۔ شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمام میں حضرت حمزہ کو آپ سے خاص محبت تھی۔ وہ آپ سے دین پر بس بڑے تھے اور ساتھ ٹھیلے تھے۔ دونوں نے قونین کا دودھ پیا تھا۔ اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے۔ وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن آپ کی ہر ادا کو نسبت کی نفرت سے دیکھتے تھے۔ اونکا مذاق سپہگرمی اور شکار اقلنی تھا۔ معمول تھا کہ مومنہ اندھیرے تیرکمان لیکر نکل جاتے۔ تمام تمام دن شکار کیلئے نین چھڑو رہتے۔ شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے طواف کرتے قریش کے رؤسا صحن حرم میں "الگ دربار جا کر بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت حمزہ ان لوگوں سے صاحب سلامت کرتے۔ کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے۔ اس طریقہ سے سب سے یار نہ تھا۔ اور سب لوگ انکی قدر و منزلت کرتے تھے۔ شبلی صاحب نے اس واقعہ کی تمہید کو تفصیل سے تحریر فرمایا تھا اور اس تصریح سے اصل واقعہ کو نہیں لکھا جس سے معلوم ہو جاتا کہ ان کے اسلام لانے اور شرف بایان ہونیکے خاص اسباب وہی محبت و اخلاص کے جذبات تھے۔ ہم ذیل میں ابن ہشام کے خاص الفاظ سے اصل حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں۔

ان ابا جہل مرتبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عند الصفا تاذاہ و شتمہ وقال منہ بعض ما یکرہ من العیب لدنیہ والتضعیف لامرہ فلم تکلنہ رسول اللہ صلعم ومولاہ عبد اللہ بن جدعان فی مسکن لہا تسمع ذلک ثم انصرف عنہ فعمدا لی ناد من قریش الکعبۃ فجلس معہم فلم یلبث حمزہ بن عبد المطلب ان اقبل متوشحا قوسہ را جعا من قنص لہ وصاحب قنص برمیہ ویخرج لہ وکان اذا رجع من قنصہ لم یصل الی اہلہ حتی یطوف بالکعبۃ وکان اذا فعل ذلک لم یمر علی ناد من قریش الا وقف وسلموا تحدث معہم وکان اعرفنی فی قریش واشد شکمۃ فلما مری الموالاۃ وقد جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ

ایک بار ابو جہل نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوہ صفا پر دیکھا۔ دس بجتے تھے آپ کو نیا دای (برداۃ طایفہ مارا) اور سخت کلامی کی اور بعض کہتے ہیں کہ دین اسلام کی عیب جوئی کی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی بد زبانوں کا کچھ جواب دیا اور قطعاً خاموش رہے عبد اللہ بن جدعان کی لونڈی جس کا گھر قریب تھا یہ تمام واقعات دیکھ رہی تھی اسکے بعد ابو جہل واپس آیا اور علیہ معمول رسا قریش کے ساتھ کعبہ میں بیٹھ گیا۔ حمزہ بن عبد المطلب کا یہ دستور تھا کہ ہر روز شکار کے لئے باہر جاتے تھے۔ مگر شکار میں جاتے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور اسکے بعد امار قریش سے جوہان موجود رہتے تھے صاحب سلامت کرتے تھے اور تھوڑی دیر تک اُنکے پاس بیٹھ جاتے تھے اور باتیں کرتے تھے آپ مردان قریش میں معزز اور ممتاز شمار ہوتے تھے۔

پس اس واقعہ کے دن عبد اللہ بن جدعان کی لونڈی سے ملاقات ہوئی وہ اتفاقاً حضرت حمزہ کے گھر آئی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہی

والد وسلم الی بیتہ فقال لعلہ یا ابا عمارہ لو رایت ما لقی  
 ابن اخیک محمدًا الفامن الی الحکمر ابن هشام وحده  
 ههنا جالسًا فاذا ه و سیه وبلغ منه ما یکره ثم انصر  
 عنه ولم یکن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاحتمل  
 الحزرة الغضب لما اراد الله به من کرامته فخرج لیسه لم  
 تقف علی احد معدا الا بی جہل انما لقیہ ان یوقع بها  
 علیما دخل المسجد فطرا لیه جالسًا فی القوم فاقبل نحوه  
 حتی اذا قام علی راسه رفع القوس فضرب به بها فبشحة بشحة  
 منکرة ثم قال ائتته فانا علی دینہ اقول ما یقول فرد  
 خلک علی ان استطعت فقامت سرا جال من بنی مخزوم  
 الی حمزة لنصره والیا جہل فقال ابو جہل دعوا ابا عمارہ  
 فانی والله قد سلبت ابن اخیه سیاف سیمیا۔

وہیں موجود تھے۔ اس کنیز نے حضرت حمزہ کو مخاطب کر کے کہا ابا عمار  
 (حمزہ حمزہ کی کنیت ہے) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جو ابو الحکم بن ہشام راہوں  
 کی کنیت ہے تمہارے بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا کیا ہے۔ دیکھو پوچھو وہ تو  
 عین بیٹے ہوئے ہیں۔ اس نے ان کو اپنا دوی (طاغی مارا) اور سخت گالیاں  
 دیں اور جو کچھ نہیں کہنے کو وہ سب کچھ کہتا۔ اور پھر وہاں سے چلا گیا۔ لیکن  
 محمد نے اس کا جواب تک نہ دیا۔ یہ سن کر حضرت حمزہ کو سخت غصہ آیا اور یہی  
 غصا، ان کے لئے کرامت الہی کا باعث ہوا۔ حضرت حمزہ نہایت تیزی سے  
 اٹھ کر نکلے اور راہ میں کہیں نہ ٹھہرے اور داخل کعبہ ہوئے ابو جہل کو دیکھا تو  
 اس کے لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے آپ اس کی غیظ کی حالت میں آگے بڑھتے چلے گئے  
 یہاں تک کہ اس کے سر کے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔ اور اپنی آہنی کمان اٹھا کر  
 اس کے ضرب شدید لگائی۔ اور مارنے کے بعد اس سے کہا کہ جس مذہب کو تو  
 برا کہتا ہے میں اسی دین میں داخل ہو گیا۔ اب گوتیری مجال ہو تو مجھے اُس میں

میں داخل ہونے سے باز رکھ لے۔ یہ سن کر نبی مقررہ دم کا ایک شخص ابو جہل کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا لیکن ابو جہل نے یہ ککڑاؤ سے فوٹا روک باک ابا عمارہ کو  
 تعرض نہ کرو۔ انکو چھوڑ دو قصور میرا ہے۔ میں نے حقیقتاً ان کے پیچھے کو بہت بُری بُری گالیاں دی ہیں۔ ابن ہشام ص ۹۹۔ مصر۔

اس واقعہ کی تفصیل نے بتلادیا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سکوت و صبر نے حضرت حمزہ کے جذبات خیرات  
 و یگانگی میں ایسا مقید اور شدید اثر پیدا کر دیا جو حضرت حمزہ کے لئے رشد و ہدایت کا باعث ہوا اور بد بخت ابو جہل کے لئے اس کی  
 سزا عقوبت کا سبب خاص ہے۔ چہ خوش بود کہ برآید بیک کر شمشہ دو کار چہ۔

اپنا پھر اپنا ہے۔ کیسا ہی اختلاف ہوا اور کتنی ہی مخالفت جب ایسے ناگزیر موقع آجاتے ہیں تو تعلقات قلبی اور جذبات  
 دلی میں غیر تحمل تحریک پیدا ہو جاتی ہے اور وہ مخالفت کو حقیقی مواصلت کی صورت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ حمزہ بھی  
 ابولہب ہی کے ایسے شقی اور سنگدل ہو جاتے۔ خداوند عالم کو یہ بھی اپنی مصلحت خاص دکھلا دینی ضرور تھی کہ اسی گھر میں ابولہب  
 حمزہ اور عباس کے ایسے خیر خواہ رسول بھی موجود تھے۔ اور ابولہب کا ایسا بد خواہ اور دشمن جان بھی۔

کفار قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انداز سانیان حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے ادھر اسلام کی قوت بڑھ ہی رہی تھی  
 کفار کی خصومت۔ غریب مسلمان مرد اور عورتوں کو جن وحشیانہ طریقہ سے اذیت دیتے تھے اور ان کی غریب جانوں پر جس شدت  
 سے ظلم و ستم ڈھاتے تھے اس کی کیفیت اور لکھی جا چکی ہے اب ان کی بد بختی اور شامت بڑھتے بڑھتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی جسمانی  
 ایذا پہنچانے لگی۔ ان تمام پیرحمیوں بدسلوکیوں اور انداز سانیوں کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف صبر تھا اور خاموشی

جب کبھی بہت دل بھراتھا تو صرف اتنا ارشاد کر دیا کرتے تھے۔ یا بنی عبد مناف اتی جوار هذا۔ اے بنی عبد مناف حق ہمایہ گی خوب ادا کرتے ہو۔ طبری ۱۱۹۹

ان موفیون المین الحکم بن ہشام (ابو جہل) عقبہ بن معیط الاموی۔ امیہ بن حلف۔ نوفل ابن خویلد۔ ابوسفیان بن حرب ابوالنختری اور عاص بن دہل السہمی وغیرہم سب سے زیادہ مشہور تھے اور ہر گرم۔ ہدایت و ارشاد کے وقت کلمات طعن و تشنیع کرتا۔ یہی وہ اور لوگ کلمات بکتا۔ اداے نماز کے وقت تالیان اور سیٹھیان بجا تا۔ ارکان نماز کی نقلیں اور انا اور اون پر آواز کتا۔ راستہ چلتے ہیں آنحضرت صلعم کے پیچھے آوارہ لونڈوں کو استہزاء و مسخر کر نیکی غرض خاص سے ساتھ کر دینا آپ کے راستہ میں کانٹے ڈال دینا اور راہ پلٹے وقت آپ پر گھروں سے گڑا ڈال دینا۔ ایذاے رسول کے متعلق ظلمہ قریش کی یہ معمولی اور خفیف باتیں تھیں جب ان حرکات سے بھی آپ کے صبر و سکوت اور استقلال و ثبات میں کچھ فرق نہ آیا تو کفار آپ کی جسمانی تکلیف و آزار پر تیار ہو گئے۔ تاریخ طبری میں مرقوم ہے۔

آنحضرت صلعم۔ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ ابن ابی معیط اموی آیا اور اس نے اپنی چادر کو آپ لپیٹ کر رسی کے ایسا بنایا اور جب آپ سج رہے تھے تو چادر کو آپ کی گردن میں ڈال دیا اور پیچ پر پیچ دینے شروع کئے۔ یہاں تک کہ بڑی سختی کے ساتھ آپ کا دم رگنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے ہاتھ اور سچا دین ڈال کر آپ کی گردن سے اسے جدا کر دیا اور

اقل ابن ابی معیط و رسول اللہ صلعم عند الکعبۃ فلو فی قوبہ فی عنقہ و خنقہ خنقا شدیداً فقام ابوبکر من خلفہ فوضع یدہ علی منکبہ فدفعه عن رسول اللہ صلعم قال ابوبکر یا قوم اتقلون رجلاً ان یقول ربی اللہ۔

کمانسوس ہے اے قوم کے لوگوں۔ تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کتا ہے خدا میرا پروردگار ہے۔ طبری۔

اس روایت میں امام ابن القیم زاد المعاد جلد ۱ ص ۲۹۷ میں اتنا اضافہ اور فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر چند شرخیزت ابوبکر سے لپٹ گئے۔ اور انکی خوب زد و کوب کی۔ رحمۃ اللعلین صفحہ ۴۱

جب ان مصائب پر بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فرائض تبلیغ اور تعلیم دین الہی کی خدمات میں ذرا بھی کمی نہیں کی اور اپنے بے مثال غم و استقلال سے ادن میں ویسے ہی مصروف رہے۔ تو ان بد عقلوں اور کوتاہ اندیشوں نے اپنی جہالت و ضلالت کے تقاضوں سے جناب رسول خدا کو تبلیغ اسلام سے روکنے اور باز رکھنے کے لئے دنیاوی ثروت و مال کی ترغیب و تحریص کا ذریعہ سوچا۔ اس بنا پر کہ وہ حقیقت ناشناس سمجھے تھے کہ تبلیغ و توسیع اسلام میں آپ کی یہ تمام سعی و کوشش اور کد کاوش (نعوذ باللہ) حصول نام و نمود اور وصول دولت و ثروت پر مبنی ہے اس لئے انہوں نے یہ مجلس مشورت منعقد کی۔

کفار قریش اور آنحضرت صلعم کو تبلیغ اسلام سے باز رکھنے کی ترغیب و تحریص

ابن ہشام کی تحقیق میں یہ مجلس مشورت حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کی بعد منعقد ہوئی۔ اس کا محرک عقبہ بن ابی معیط تھا جو رسالے قریش



میں ایک مرد ممتاز شمار ہوتا تھا۔ چنانچہ ابن ہشام لکھتے ہیں

ان عقبہ بن ربیعہ وکان سیفا اقال یوما وهو جالس فی نادى قریش ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جالس فی المسجد وحده یا معشر قریش الا اقام الی محمد وفا کلمہ واعرض علیہ امور العہد یقبل بعضها فیعطیہ ایھا ولیف غناؤ ذلک حین اسلم حمزہ و او صاحب رسول اللہ صلعم یکترون وینیدون فقال نعم یا ابا الولید قمر الیہ فکلمہ۔

جائداد اہل بیت سے باتیں کرو۔

اب اصل واقعہ تبصرہ پیش ہوا اور جو گفتگو عقبہ درخواب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان واقع ہوئی۔ وہ ابن ہشام کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

فقام الیہ عقبہ حتی جلس لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال یا بن اخی انک منا حیث قد علمت من السطۃ فی العشرۃ والمکان فی البیت وانک قد ایتت قومک بامر عظیم فرقت بہ جماعتہم وسفہت بہ احبارہم وعبت بہ الہاتھم ودینھم وکفرت بہ من مغلے من ابا ئھم فاسمع منی اعرض علیک امواک انظر فیھا لعلک تقبل منها بعضھا قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قل یا ابا الولید سمع قل یا بن اخی ان کنت انا توبید بما جئت منھذا الامور مالا جمعنا لک من اموالنا حتی تكون اکثر اموالنا حتی ندریک منہ فاندہ ربما یرید بہ شرفا سودناک علینا حتی لا تقطع امرادونک وان کنت توبید بہ لما ملکناک علینا وان کان هذا الذی یتیک ربنا توکلا لا نستطیع ر عن نفسك طلبتناک الطب وید لنا فیہ اموالنا حتی ندریک

عقبہ بن ربیعہ جو قریش کا سردار تھا ایک دن اکابر قریش کے ساتھ بیٹھا اور حسن اتفاق سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے۔ عقبہ نے قریش کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر آپ لوگوں کی رائے تو میں اس وقت محمد کے پاس جاؤں تو ان سے باتیں کروں اور چند امور جو میں نے سوچے ہیں ان سے پیش کروں شاید وہ میرے کسی امر کو قبول کر لیں تو جیسا میرا خیال ہے ہر لوگوں کو ان کی طرف سوغات ہو جائے۔ سب متفق ہو کر کہا ہاں اسے ابو الولید (عقبہ کی کنیت)

عقبہ وہاں سے اٹھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بیٹھ گیا اور کہنے لگا اے میرے بھتیجے تمہارا خیال یہ ہے کہ میں لوگوں میں ہر اور ہم تمہاری قریب اور ہمت سے خیر سے خوب واقف ہیں لیکن تمہارے تو قوم کی قوم کو ایک غلط فہمی کروا رہے ہو کہ تم تمام جہاتوں کو متفرق کروا رہے ہو اور انہیں خدا کی پستی سے ہٹا رہے ہو۔ ان کے مسودوں کو عیب لگایا ان کو آباؤ اجداد کی قییم خود اریوں کو غلط ٹھہرایا لیکن تم اگر میری باتوں کو سنو تو میں اپنی چند تجویز کروں اور تمہارے پاس پیش کروں شاید اہل بیت سے کوئی امر تمہیں پسند آجائے تو طوفان کیلئے بہتر ہو۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں تم کہو میں ضرور سنوں گا عقبہ بولا اور میرے بھتیجے۔ اگر ان امور سے تمہاری غرض مال و دولت کا جمع کرنا ہے تو ہم تم کو اس قدر مال دیدیں کہ پھر ہر لوگوں میں تم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اور اگر ان کے ذریعہ سے تم کو اپنا شرف و اقتدار بڑھانا ہے تو ہم سے کہو ہم تم کو اپنا مقبرہ علیہ اور مقبرہ بنالین اور پھر ہم میں سے کوئی فرد واحد تم سے مترابی نہ کرے۔ اور اگر تم کو حکومت کا خیال ہے تو ہم تم کو اپنا پادشاہ اور عالم بنالین اور اگر تم اس کے متعلق اپنی طبیعت میں مرض کا جرح پاتے ہو تو ہم سے کہو ہم

منہ فاندہ ربہا غلب لتابع علی الرجل حتی یداوٰی منہ او  
 كما قال له عتہ اذا فرغ عتبہ ورسول اللہ علیہ وآلہ و  
 سمع منہ قال قد افرغت یا ابوالولید قال نعم قال  
 فاستمع منی قال افعل فقال سبحان للرحمن الرحیم  
 تحفہ تنزیل من الرحمن الرحیم کتاب فصلت یا ایتہ  
 قرآنًا عربیًا لقوم یعلمون یبشیرا و نذیرا فاعرض اکثر  
 فہم لا یسمعون وقالوا قلوبنا فی اکتہ مہاند عن الیلہ  
 ثم مضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیھا  
 یقرعھا علیہ قلبا سمعھا منہ انصت لہا والقی ید  
 خلف ظہرہ معتمدًا علیہما لیسمع منہ ثم انھض رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المسجد فسمی ثم قال قد سمعت یا  
 ابوالولید ما سمعت فانت وذاک فقام عتبہ الی اصحابہ  
 فقال بعضهم لبعض تخلف باللہ لقد جاءکم ابوالولید  
 تغیر الوجہ الذی ذہب بہ فلما جلس لیہم قالوا اراکم  
 یا ابوالولید قال ورائی انی سمعت قولاً واللہ ما سمعت  
 مثله قط واللہ ما هو بالشعر ولا بالسحر ولا بالکھا  
 یا معشر قریش اطیعوا فی و اجعلوا ہابی و خلوا بین  
 هذا الرجل و بین ما ہو فیہ فاعتزلواہ فواللہ لیکون  
 لقومہ الذی منہ نبا فان قصیدہ العرب فقد کفیتہم لغیر  
 وان ینظروا علی العرب فبما کم مللکم و غزو عنکم و کنا تم  
 اسعد الناس بہ قالوا سمعنا واللہ یا ابوالولید بلسانہ  
 قال هذا وائی فیہ فاصنعوا ما بذالکم

تماری لئے کسی حکیم و طبیب کو تلاش کر لائیں اور اپنی مال و سرمایہ کو تمہارا علاج  
 کما دین اور تم کو تندرست و صحیح المزاج کرالیں۔ الغرض۔ عتبہ کو جبنا کنا تھا  
 وہ کہہ چکا۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اسکی تمام باتوں کو سن چکے تو آپ نے  
 فرمایا۔ اسے ابا ولید۔ تم اپنی باتوں کو تمام کر چکے عتبہ بولا ہاں آپ نے کہا کہ پھر  
 بھی کچھ سن۔ عتبہ نے کہا ہاں کہئے۔ آپ نے فرمایا یا ایہذا الرحمن الرحیم۔  
 حم ایہ فرمان خدا ہے (اور) رحیم کے حضور سے صادر ہوتا ہے یہ قرآن  
 کتاب ہے جس کی باتیں زبان عربی میں سمجھدار لوگوں کے لئے تفصیل کے ساتھ  
 بیان کر دی گئی ہیں دامنے والوں کی خوشنودی خدا کی خوشخبری سننا اللہ  
 (سکر نہ کو مذاب خدا سے) ڈرنا ہو۔ اب پھر بھی انھوں نے مونہ موڑ لیا اور وہ (اسکو)  
 سنتے ہی نہیں (اور اسے پیغمبر پر لوگ یہی) کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تم  
 بلا تے ہو۔ ہمارے دل تو اس سے پر و درین ہیں۔“

یہاں تک جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے چلے گئے۔ اور عتبہ بن ربیعہ برسی  
 محبت طاری ہوئی کہ غور سے سننے کیلئے اپنے ہاتھوں کو پیٹھ کے پیچھے باندھ لیا  
 اور بیٹھا سنتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے مقام سجدہ پر پہنچ کر سجدہ کیا۔ سجدہ  
 اٹھ کر تو فرمایا اسے اب ولید تو نے سن لیا جو کچھ تجھے سننا تھا اسی سے تمیز کر کے  
 تو کیا ہے اور یہ کلام کیا ہے۔ یہ سکر عتبہ وہاں سے بالکل خاموش اٹھا اور اپنی لوگوں  
 کے پاس اس چلا۔ عتبہ کو آنا دیکھ کر انہیں سے بعض نے بعض سے کہا کہ قسم خدا کی  
 اب ولید کا چہرہ متغیر و سوقت کے مقابلہ میں معلوم ہوتا ہے جسوقت وہ ہمارے  
 پاس سے گئے تھے اس اثنا میں عتبہ اگیا اور بیٹھ گیا۔ قریش نے پوچھا ہاں کچھ  
 اسے اب ولید اب تمہاری کیا رائے قرار پائی۔ عتبہ بولا لا تم اگر میری رائے کو پوچھو  
 تو قسم خدا کی میں ایسی چیز سننے چلا آتا ہوں جیسی میں نے آج تک کبھی نہ  
 سنی تھی۔ اور خدا کی قسم نہ وہ شمر ہے اور نہ دھڑ ہے۔ نہ وہ شکوہ ہے نہ وہ ٹوٹکا  
 ہے اور نہ فقہہ ہے نہ کما فی ای معشر قریش میری باتوں کو سنو۔ میری رائے پر

چلو۔ تو اس شخص سے اور اسکے امور سے بالکل کنارہ کش ہو جاؤ۔ کیونکہ جو چیزیں میں اس شخص سے سن آیا ہوں وہ صرف خبریں ہیں اور بشارتیں  
 اہل عرب آپ ہی اس شخص سے سمجھ لیں گے اور تمہاری فراحت کی ضرورت نہوگی۔ اور اگر یہ شخص اہل عرب پر غالب آگیا تب بھی تمہارے حسب خواہ ہوگا  
 کیونکہ اس کا ملک تمہارا ملک ہوگا۔ اور اسکی عزت تمہاری عزت الغرض تم دونوں حالتوں میں خوش قسمت ہو گے یہ سکر تمام لوگ کہنے لگے اب ولید

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان کا جادو تم پر بھی چل گیا۔ عتبہ نے کہا بات یہ ہے کہ میں نے اپنی رائے کبھی اب تک جو اچھا معلوم ہو وہ کرو۔

## ہجرتِ حبشہ بنوٴ کاشا تو ان سال

کفار قریش کو اسلام کی مخالفت میں ناکامیابی پر ناکامیابی پہنچاتی جاتی تھی۔ حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے وہ شکستہ خاطر ہو رہے تھے کہ عتبہ کی سفارت کا بالکل نتیجہ یکسر ناکامی ہو گیا۔ ان تیرہ قلیوں کو اسلام کے انوارِ حقیقت کی روشنی بخوڑی تھوڑی معلوم ہونے لگی تھی۔ اور وہ براۃ العین اسکی معجزانہ صداقت کے مشاہدات کرتے جاتے تھے لیکن جہالت کی سیاہی اور ضلالت کی تیرگی انکی خط تقدیر بنی ہوئی تھی۔ اور فطرتی بیرحمی اور شقاوت چھری لکیر ہوئی تھی۔ ان مشاہدات کے بعد بھی اسلام کی مخالفت میں انکی ستمگاری اور خو خواری موقوف نہیں ہوئی بلکہ بخلاف اسکو انکی جو روح فساد و ظلم و ایذا اتنی تیرہ گئی کہ آخر کار خدا و رسول کو غریب مسلمانوں کی حفاظت جان و مال کا خاص طور پر انتظام کرنا ہوا۔ ابن ہشام اور طبری لکھتے ہیں۔

فقال يا النبي صلعم لهم لو خرجتم الى ارض الحبشة  
فان بها ملكا لا يظلم عنده احد وهي ارض صدق  
حتى يجعل الله لكم فرجاً مما انتم فيه فخرج عند ذلك  
المسلمين اصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم  
الى ارض الحبشة مخافة الفتنة وقواراً الى الله  
بدنيهم فمهد فكانت اول هجرة في الاسلام من النبي

جناب رسول خدا صلعم نے ارشاد کیا کہ تمہارے لئے بہتر ہے کہ یہاں سے  
ملک حبشہ کی طرف چلے جاؤ کیونکہ وہاں کا بادشاہ رحمان الصفا ہے  
ہے اور اس کی حکومت میں ایک کروڑ دوسرے پر ظلم کرنے کی مصلحت مجال نہیں  
اوسکے ملک والے بھی سچے ہیں اور متدین۔ تم لوگ وہاں قیام کرو  
تا وقتیکہ خداوند عالم تم کو ان مصائب سے مجلسی عذاب فرمائے ارشاد  
کے مطابق مسلمانوں کی ایک معتد بہ جماعت فتنہ و فساد کو خوف سے

اور خدا کی محافظت دین کے خیال سے ذرا اختیار کر کے ملک حبشہ کی طرف چلی گئی۔ اور یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔

ملک حبش کو اہل عرب سے جیسی قربت اور تعلق تھا وہ ظاہر ہے حبش قریش کا قدیم مرکز تجارت تھا۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ منجملہ ادریزوں کے مکہ کا نفیس مال اور بہت بڑا تحفہ چڑا ہوتا تھا خصوصاً رنگا ہوا چمڑا مکہ اور عموما حجاز کی خاص شہار کیجاتی تھی۔ اور کتابوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مکہ اور شام سے جو مال تجارت کے لئے حبش کو جاتا تھا وہ علی الاکثر چمڑا ہی ہوتا تھا۔

اہل عرب حبش کے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے۔ نجاشی حبشی زبان کے لفظ نجوش کی تعریب ہے جسکے معنی زبان حبش میں بادشاہ کے ہیں۔ موجودہ نجاشی (شاہ حبش کا نام) اُضحیٰ تھا۔ تجارت کے کاروبار ہمیشہ کی آمدورفت اہل عرب کو حبش کے تمام حالات معلوم رہتے۔ اس لئے متلو میں اسلام نے آنحضرت صلعم کے اس فرمان کو جو خاصکر اوتھین کی حفاظت جان و مال پر مبنی تھا سبب و چشم قبول کر لیا۔

سب مسلمانوں کا ملکہ الیکبار جانا مصلحت وقت نہیں تھا۔ اس لئے صحابہ کو دوبار ہجرت کرنی پڑی۔ ایک بار گیارہ آدمیوں کا قافلہ گیا۔ شعلی صاحب نے مفصلہ ذیل صحابہ کے نام دیے ہیں۔

- (۱) حضرت عثمانؓ مع اپنی زوجہ محترمہ رقیہ (۲) عتبہ مع اپنی زوجہ سلمہ نامی، و سپر ابو خذیفہ نامی (۳) زبیر بن العوام (۴) مصعب بن عمیر (۵) عبدالرحمن بن عوف (۶) ابوسلمہ مخزومی مع زوجہ ام سلمہ رضامی (۷) عثمان بن مظعون (۸) عامر بن ربیعہ مع زوجہ لیثی نامی (۹) ابوبکر بن ابرہہ (۱۰) حاطب بن عمرو (۱۱) سہیل بن ربیعہ (۱۲) عبداللہ بن مسعود۔
- تھوڑے ہی دنوں کے بعد دوسرا قافلہ بھی روانہ ہوا۔ اس میں تقریباً ۷۰ یا ۷۲ آدمی تھے۔ انکی تاخیر ہجرت کی وجہ انکی عسرت و ناداری تھی کہ وقت پر زاد و لاجلہ کا سامان میانہ ہوسکا۔ ان جملہ حضرات کے نام ابن ہشام نے جس تفصیل سے لکھے ہیں وہ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

- (۱) حضرت عثمانؓ اور انکی زوجہ حضرت رقیہ (۲) عمر ابن سعید بن عاص اور انکی بی بی فاطمہ بنت مظعون (۳) خالد بن سعید بن عاص اور انکی بی بی امینہ یا ہمینہ نامی قبیلہ بنی امیہ سے۔ اسنے آدمی شے قبیلہ بنی ہاشم سے (۴) حضرت جعفر ابن ابی طالب اور ان کی بی بی اسماء بنت عمیس بنی اسد بن خزیمہ سے (۵) عبداللہ بن جحش (۶) عبید اللہ بن جحش اور انکی بی بی ام حبیبہ بنت ابی سفیان (۷) قیس بن عبداللہ اسدی اور انکی بی بی مہرکہ بنت یسار غلام ابوسفیان (۸) معقیب بن ابی فاطمہ بنی عبد شمس سے (۹) ابوخذیفہ بن عتبہ (۱۰) ابوموسیٰ الاشعری حلیف آل عتبہ نوفل بن عبد مطلب کے قید سے (۱۱) عتبہ بن غزوآن بنی اسد بن عبد العزیٰ کے قبیلہ سے (۱۲) یزید بن ربیعہ (۱۳) عمر ابن امیہ بنی عبد قصی سے (۱۴) طیب ابن عمر بنی عبد الدار سے (۱۵) مصعب ابن عمیر (۱۶) سویم بن ہاشم (۱۷) جهم بن سہیل عقیقش بن عامر (۱۸) عامر بن ابی وقاص (۱۹) خزیمہ بنت جهم (۲۰) ابوالرؤم بن عمیر (۲۱) فراس ابن النضر (۲۲) بنی زہرہ (۲۳) عبدالرحمن بن عوف (۲۴) عامر بن ابی وقاص (۲۵) ابی وقاص مالک ابن اھیب (۲۶) مطلب بن زہرہ اور انکی بی بی زہرہ بنی ہذیل سے (۲۷) عبداللہ بن مسعود (۲۸) عتبہ بن مسعود (۲۹) مقداد بن اسود (۳۰) حریث ابن خالد اور انکی بی بی رطلہ (۳۱) عمر بن عثمان بنی مخزوم سے (۳۲) عبدالاسید اور انکی بی بی ام سلمہ (۳۳) شماس عثمان بن عبد (۳۴) ہیار بن ہضمان (۳۵) عبداللہ بن سفیان (۳۶) ہشام بن ابی خذیفہ (۳۷) سلمہ بن ہشام (۳۸) عیاش بن ربیعہ (۳۹) حلیف بنی مخزوم سے معتب ابن عوف (۴۰) بنی جمح سے عثمان بن مظعون (۴۱) سائب ابن عثمان (۴۲) قدام بن مظعون (۴۳) عبداللہ بن مظعون (۴۴) حاطب بن حریث اور انکی بی بی فاطمہ بنت بحال (۴۵) محمد بن حاطب (۴۶) حریث بن حاطب (۴۷) خطاب بن حریث اور انکی بی بی فکیمہ بنت یسار (۴۸) سفیان بن ہمزہ (۴۹) جابر بن سفیان (۵۰) جادہ بن سفیان اور ان کی بی بی حبیبہ (۵۱) انکے مادری بھائی شریح بن حبیبہ (۵۲) عثمان بن ربیعہ بنی سہم سے (۵۳) خنیس بن خذافہ (۵۴) عبداللہ بن حریث (۵۵) ہشام بن عاص بن وائل (۵۶) عاص بن وائل (۵۷) نبس بن خذافہ (۵۸) ابوقیس ابن الحریث (۵۹) عبداللہ بن خذافہ (۶۰) حریث بن الحریث (۶۱) معمر بن الحریث (۶۲) بشر بن حارث۔



(۶۳) سعید بن عمر (۶۴) عمر بن خطاب (۶۵) بنی زبیدہ و عجمہ بن الحارث بن عدی بن کعب سے (۶۶) معمر بن عبد اللہ (۶۷) عروہ ابن عبد العزی (۶۸) عدی بن نضلہ (۶۹) نعمان بن عدی (۷۰) عامر بن عدی اور اون کی بی بی لیلیٰ (۷۱) بنی عامر بن لوی سے۔ ابو سیرہ بن ابی ارجم اور اون کی بی بی ام کلثوم بنت سہل (۷۲) عبد اللہ بن مخزومہ (۷۳) عبد اللہ بن سہیل (۷۴) سلیمان بن عمر (۷۵) سکران بن عمر اور اون کی بی بی سودہ بنت زمعہ (۷۶) مالک بن ربیعہ اور اون کی بی بی عمرہ بنت السدی (۷۷) ابو طالب بن عمر (۷۸) سعد بن خولہ (۷۹) بنی حارث بن فہر سے ابو عبیدہ الجراح (۸۰) سہیل بن بقیار (۸۱) عمر بن ابی سرح (۸۲) عیاض بن ربیعہ (۸۳) عمر بن الحارث (۸۴) عمر بن عبد غنم (۸۵) سعد بن عبد قیس (۸۶) الحارث بن عبد قیس ابن ہشام نے تعداد تو اسی کی لکھی ہے لیکن نام گنا سے ہیں جیسا سی کے۔ غالباً اونھوں نے حلیف اشخاص کو ناموں کو شمار نہیں کیا ہے اور اس طرح شوہروں کے ساتھ اون کی بی بیوں کے نام بھی لکھ دیے ہیں مگر اونکو بھی شمار نہیں کیا ہے یہ خواتین شمار میں اٹھا رہ آتی ہیں ان دونوں مجموع سے حضرات مہاجرین حبشہ کی کل تعداد ایک سو چار معلوم ہوتی ہے۔

مولوی شبلی صاحب بہت صحیح لکھتے ہیں کہ عام مورخین کا خیال ہے کہ ہجرت اونھیں لوگوں نے کی جبکہ کوئی مافی اور مددگار نہیں تھا۔ لیکن فہرست مہاجرین میں ہر درجہ کے لوگ نظر آتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ بنی امیہ سے تھے جو سب سے زیادہ صاحب اقتدار (مالدار) خاندان تھا۔ متعدد بزرگ مثلاً زبیرؓ اور مصعبؓ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے تھے عبد الرحمن بن عوف اور ابو سیرہ معمولی بزرگ نہیں تھے۔ اس بنا پر زیادہ تر قیاس یہ ہے کہ قریش کے ظالم دستم بکسیون چڑھ نہ تھے۔ بلکہ بڑے بڑے خاندان والے بھی اونکے دستم سے محفوظ نہ تھے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جبکہ ان کا بدن کے بستر پر سونا پڑتا تھا یعنی حضرت بلالؓ۔ عمارؓ۔ یاسرؓ۔ وغیرہ۔ ان لوگوں کے نام مہاجرین حبشہ کی فہرست میں نہیں پائے جاتے۔ یا تو ان کی بے سرو سامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ سفر کرنا ہی دشوار تھا۔ یا یہ کہ درو کے لذت آشنا تھے۔ اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔ ولہذا جو رو تو اسودہ است و می تالم کہ غیر فی شہر لذت خندنگ ترا۔

ملک حبشہ میں مہاجرین کا داخلہ انکار قریش ایسے کیا تھے جو مسلمانوں کی کسی نقل و حرکت کی خبر پاتے اور خموش رہ جاتے۔ مہاجرین کی روانگی کی خبر ملتی ہی قریش کا ایک دستہ اس قصد دار ارادے سے فوراً روانہ ہوا کہ جانو الوں کو راستہ ہی میں گرفتار کر لیا جاوے لیکن جب تک یہ پہونچیں پہونچیں مہاجرین کشتی پر سوار ہو کر ساحل سے روانہ ہو چکے تھے۔ اس لئے تعاقب کر نیوالے ناکام میاب واپس آئے۔ لیکن ناکامی اور محرومی کے بعد بھی وہ اپنی چالوں سے باز نہ رہے۔ جیسا کہ بہت جلد بیان ہوتا ہے۔

۱۰ خاندان رسالت میں زبیر مصعب آپ کو یاد آئے اور جعفر ابن ابی طالب کا نام بالکل فراموش ہو گیا۔ حالانکہ صفیہ کے لڑکوں اور ابیطالب کے صاحبزادوں میں حق پروردہ دنیا جانتی ہے اور انھیں جو باعتبار علاقہ نسبی آنحضرتؐ کیساتھ جتنی قرب ہو وہ جلی حسنی کی اس کو قلمی سوچ نہیں سکتی۔ المؤلف

مجاہدین کو نجاشی شاہ حبش نے اپنے ملک میں نہایت آرام اور امن و امان سے رکھا۔ اور کامل طور پر انکو مذہبی آزادی عنایت کی۔ ابن ہشام حضرت ام المومنین ام سلمہ کا یہ قول خود انکی زبان سے نقل کرتے ہیں۔

لما نزلنا أرض الحبشة جاونا لها خير جار النجاشي  
أما على ديننا وعبدنا الله تعالى لا تؤذي ولا تسمع  
شيثانك رهه يرد ابن هشام ص ۱۱۵

دیکھتا تھا اور نہ ہم کوئی کمزوریاں سنتے تھے۔

شبلی صاحب مجاہدین کے آئندہ واقعات لکھتے ہیں۔

نجاشی کی بدولت مسلمان حبش میں امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے لیکن قریش یہ خبر سن کر سچ و بیچ کتاب کھاتے تھے آخر یہ رائے پھیری کہ سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مجرموں کو اپنے ملک سے نکال دو۔ عبداللہ بن ربیعہ اور عمر بن عاص رفاہ مصر اہل کام کے لئے منتخب ہوئے نجاشی اور اسکے درباریوں میں ایک ایک کے لئے گران بہا تحفے مہیا کئے گئے امام احمد بن حنبل کی سند میں ہمسند الطیبت کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ تحفہ بھی علی الاکثر مکہ کا مشہور پٹہ تھا۔ غرض نہایت سرور مسلمان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی۔

یہ سفراء نجاشی سے پہلے درباری پادریوں سے ملے اور انکی خدمت میں تدریجاً پیش کین اور کہا کہ ہمارے چند اہل دین نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے ہم نے انکو نکال دیا۔ تو آپ کے ملک میں بھاگ آئے کل ہم بادشاہ کے دربار میں جو درخواستیں پیش کریں تو آپ بھی ہماری تائید فرمائیں۔

نجاشی کے دربار میں قریش کی اہل اسکی تردید میں حضرت جعفر کی تقریر

نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف ہے۔

مسلمانوں نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کیلئے حضرت جعفرؓ حضرت علیؓ کے بھائی کو انتخاب کیا۔

سفراء قریش کی تردید میں حضرت جعفرؓ نے نجاشی کے سامنے یہ تقریر کی۔

ایہا الملک ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بت پوجتے تھے مگر وار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرنے تھے ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ قومی لوگ کمزوروں کو کھاتے تھے۔ اس بناء میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جسکی شرافت اور صدق و دیانت سے ہموگ پہلے سے واقف تھے اوس نے ہمکو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم

پتھروں کو پوچھنا چھوڑ دیں۔ سچ بولیں۔ خونریزوں سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ ہمسایوں کو آرام دین۔ عقیف غور کو

پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں۔ روزے رکھیں۔ زکوٰۃ دیں۔ ہم اوپر ایمان لائے۔ یثرب اور بت پرستی چھوڑ دی۔ اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔ اس جرم پر ہماری قوم ہماری جانکی دشمن بن گئی۔ اور اب ہم کو مجبور کرتی ہے کہ پھر اسی گمراہی میں لوٹ جائیں۔ نجاشی نے کہا جو کلام تمہارے پیغمبر پر اترتا ہے کہیں سے پڑ ہو۔ حضرت جعفر نے سورہ مريم کی چند آیتیں پڑھیں۔ نجاشی پر رقت طاری ہوئی۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر کہا کہ خدائی قسم یہ کلام اور انجیل ایک چراغ کے پرتو ہیں۔ یہ لکھنے والے قریش سے کہا کہ تم واپس جاؤ۔ میں ان مظلومین کو کبھی واپس نہ دوں گا۔

دوسرے دن عمر عاص نے پھر دربار شاہی میں رسائی حاصل کی۔ اور نجاشی سے کہا حضور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دین ان لوگوں کو تردید ہو کہ حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ نجاشی سیالی ہے۔ ناراض ہو جائیگا۔ حضرت جعفر نے کھا کچھ ہو۔ ہم کو سچ بولنا چاہیئے۔ غرض یہ لوگ دربار میں بلائے گئے۔ حاضر ہوئے تو نجاشی نے پوچھا تم لوگ حضرت عیسیٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو حضرت جعفر نے کہا کہ ہمارے پیغمبر نے بتلایا ہے کہ عیسیٰ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کہتا ہے اللہ ہی نجاشی نے زمین سے ایک تم کا اٹھالیا اور کھا دالا جو تم نے کہا عیسیٰ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں۔ بطریق جو دربار میں موجود تھے نہایت برہم ہوئے۔ متفقین سے خیر خواہی کی آواز آنے لگی۔ نجاشی نے اونکے غصہ کی کوئی پروا نہ کی اور قریش کے سفیر بالکل ناکام میاب واپس آئے۔

اس اثناء میں کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا۔ نجاشی اس کے مقابلہ کے لئے خود گیا۔ صحابہ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے ایک شخص جائے اور خبر بھیجتا رہے۔ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لئے آئیں۔ حضرت زبیرؓ اگرچہ سب سے کم سن تھے لیکن اونھوں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا۔ مشک کے سمارے دریاؤں میں تیز کر زنگاہ میں پہنچے۔ اور صحابہ نجاشی کے لئے خدا سے دعائے فتح کرتے تھے۔ چند روز کے بعد زبیرؓ واپس آئے اور خوشخبری سنائی کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی۔

یہاں تک حالات لکھ کر شبلی صاحب نے عیسائی معتقد مشرک مارگولوس کا اعتراض عبارت حاشیہ میں لکھا ہے۔ مارگولوس نے ہجرت حبش کی بھی بڑی نازک اور دور از نظر وجہ تلاش کر کے پیدا کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ قریش سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے اور یہ پہلے سنا تھا کہ کعبہ کے گرانے کے لئے ابرہہؓ لا شرم جو آیا تھا وہ حبش ہی کا تھا۔ اس لئے انھوں نے چاہا کہ بادشاہ حبش سے سازش کر کے اس کو مکہ پر حملہ کر نیکی ترغیب دیں تاکہ قریش کا زور ٹوٹ جائے۔ اس غرض سے ہجرت کا بہانہ کر کے آپ نے اصحاب کو حبش بھیجا لیکن پھر سمجھے کہ نجاشی اگر مکہ میں آیا تو مکہ پر جو قابض ہو جائیگا۔ محکوم کیا بات آئے گا۔ اس بنا پر اس ارادے سے باز رہے۔ یہ بالکل بے ثبوت بات ہے۔ صرف بے ثبوت لکھنے سے بے ثبوت ہونے کی دلیل قائم نہیں ہوتی۔ آہن کوئی کلام نہیں کہ اس متعصب عیسائی مؤلف کو





علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ خود تمہاری بہن اور منبوی اسلام لا چکے ہیں۔ فولا پٹے اور بہن کے پاس پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ انکی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپائے لیکن آواز انکے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی بولیں کچھ بھی نہیں۔ انھوں نے کہا میں سُن چکا ہوں تم دونوں مُتر ہو گئے ہو یہ لکھ رہی ہو۔ دست و گریبان ہو گئے۔ اور جب انکی بہن بچانے کے آئیں تو انکی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ ان کا تمام جسم ہولناں ہو گیا لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی بولیں عمر جو بن آئے۔ کرو۔ لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا۔ ان الفاظ نے دل پر خاص اثر کیا حضرت عمر نے بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ انکے جسم سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا تلوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزا لاکر سامنے کر دیے اور ٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی۔

سُبْحَٰنَ اللَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيْمُ  
ایک ایک لفظ پڑھا۔ (حضرت عمر کا) دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے تو اُمّ ابیہ اللہ ورسولہ (خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) تو بے اختیار پکارا اٹھے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اُمُّمُحَمَّدٍ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ غَوَاہِی دُیَا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارقم کے مکان میں جو کہ صفحہ کی تلی میں واقع تھا اپنا ہ گزین تھے حضرت عمر نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی چونکہ شمشیر کف گئے تھے صوابہ تو رد ہو گیا۔ لیکن حضرت حمزہ نے کہا۔ آنے دو درمخلصانہ آتا ہے تو بہتر ہے۔ ورنہ اوس کی تلوار سے اوس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر نے قدم اندر رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود آگے بڑھے اور لاؤ نکھا وامن پکڑ کے کہا۔ کیوں عمر کس ارادے سے آیا ہے۔ نبوت کی پُر جلال آواز نے انکو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کیا تھا عرض کیا (کی) ایمان لانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدیاختہ امدا کبریا کا راہ لے۔ اور ساتھ ہی تمام صوابہ نے ملکر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام بچاڑیاں گونج اٹھیں۔

شبلی صاحب کے عقیدے میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے اسلام میں جان بھی آگئی اور خاص شان بھی اسلئے آپ نے اپنے قدیم طریقہ اختصار سے دست بردار ہو کر خاص طور پر پُر پُر سے کام لیا ہے لیکن تاہم اپنی خود غرضی کے اصول کو بیان بھی ترک نہ فرمایا۔ اصل ماخذ میں جو امور مفید مطلب آپ کے تھے اوتنے تو لکھ گئے باقی القطیہ نہ مؤلف کی شان ہے اور نہ محقق کا انداز بیان۔

آپ نے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی صورت اس انداز پر کھینچی ہے جس سے یہ امر پایا جاوے کہ موصوف کا اسلام لانا انکی ذاتی تحقیق اور سُن تعقل کا نتیجہ ثابت ہو۔ جیسا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ ابو الطغیلؓ دوسی وغیرہم کی حالات و واقعات سے معلوم ہو چکا ہے۔ حالانکہ ابن ہشامؓ آپ کے اصلی ماخذ کی عبارت اس کے خلاف حقیقت حال بتلاتی ہے اور اسکی

تصریح کو آپ بالقصد اپنے ترجمہ سے نکال دیتے ہیں۔ ابن ہشام کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے خاندان کے لوگوں نے اسلام کی تعلیم خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نہیں پائی تھی۔ بلکہ جناب بن لارث کے واسطے سے اس موقع پر حضرت عمرؓ کے بھی راہ نما یہی بزرگ تھے۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی انھیں سے اسلام کی خوبی اور باقی اسلام علیہ السلام کے دربار رسالت تک اپنی باریابی کے متعلق مستفسر کئے تھے۔ اور جناب بن لارث نے انکو تشفی بخش جواب دیکر قبول اسلام اور حصول زیارت حضرت سید الانام پر آمادہ اور تیار کر دیا تھا۔ ابن ہشام کی عبارت یہ ہے۔

فرجع عمر عامدا الى اخيه وحدثه وعندهما جناب بن لارث معه صحيفة فيها طه بقرئتها اياها فقلما احسن عمر لغيب جناب في مخدج لهما وفي بعض البيت على تو جناب او نكته كمر كى كسى پوشيده جگہ میں جا چھپے۔ یا قریب کے کسی مکان میں چھپ گئے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس خاندان میں معلم اسلام جناب بن لارث تھے۔ انھیں کے فیضانِ تعلیم نے ان لوگوں کو مسلمان بنا دیا اتنی عبارت شبلی صاحب نے ترجمہ نہیں کی ہے۔

بہائی بن ہن ابن ابراہیم قرآن کے دکھلانے کی نسبت جو مکالمات ہوئے وہ ابن ہشام کے الفاظ میں یہ ہیں۔

قال لاخيه اعطيني هذه الصحيفة التي يعرون الفاظنا انظر ما هذا الذي جاء به محمد او كان عمرو كاتبا فلما قال ذلك قالت له اخته انما نخشاك عليها قال لا تخافى وحلف لهما بالله ليردتها اذا قرأتها لهما فلما قال ذلك طمعت في اسلامه فقالت له يا انك نجس على نفسك وانه لا ميسما الا الطاهر فقام فاعسل فاعطيت له الصحيفة

حضرت عمرؓ نے اپنی بہن سے کہا کہ وہ صحیفہ جو تم لوگوں پر پڑھا جاتا تھا مجھے دو تو ہم دیکھیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا نازل ہوا ہے جو کہ حضرت عمرؓ پر پڑھا لکھنا جانتے تھے۔ اسلئے انھوں نے ایسا کہا یعنی ناگ کر دیکھنا چاہا۔ بہن نے جواب دیا کہ مجھے خوف ہے کہ تم اسے ضائع کر دو گے حضرت عمرؓ نے تم خوف نہ کرو اور اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ تم اس صحیفہ کو پڑھ کر واپس کر دین گے جب انھوں نے ایسا کہا تو بہن کو انکے اسلام کی توقع ہوئی۔ لیکن کہا بھائی۔ بات یہ ہے کہ تم اپنی شرک کی وجہ سے ابھی تک نجس ہو۔ اور اس صحیفہ کو سوائے طاہر شخص کے کوئی دوسرا نہیں چھو سکتا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اور فوراً غسل کر لیا تو بہن نے وہ صحیفہ دیا۔

اس عبارت کو بھی شبلی صاحب نے بالکل مرفوع القلم فرما دیا اور حضرت عمرؓ کے قدیم انھماک فی الشرک اور انکی بہن کے اخلاص فی الاسلام کے متضاد عوالم کو پیش کرنا خلاف غیرت سمجھا لیکن یہ امور انسان کی سعادت اور توفیقات سے متعلق ہوتے ہیں آئین نبوی یا سببی قرابت اور خصوصیت کا دخل نہیں ہے۔

اس کے بعد جب جناب بن لارث نے آٹے سے حضرت عمرؓ کو قرآن پڑھتے اور اسکی روحانی مطالب و معانی سے آرنی پیا

ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو اکیبارگی سامنے آگئے۔ باہم جو گفتگو ہوئی وہ یہ ہے۔

فلما سمع ذلك الحباب بن الاحرث خرج اليهما فقال  
له يا عمرو والله لا احب ان يكون الله قد خصك بدعوة  
نبيه فاني سمعته امس وهو يقول اللهم ابدل اسلام  
بالي الحکم بن هشام ابو عمر بن الخطاب فوالله ان الله يا  
عمر قد لني يا حباب علي محمد حتى اتيه فاسلم فقال له  
حباب هوني بليت عند الصفا معه فيه يفر من  
اصحابه

جب حباب نے انکو (حضرت عمر کو) ٹھکڑے دل سے قرآن پڑھتے سن لیا تو  
سامنے آکر کہنے لگے! او عمر میں خیال کریا ہوں کہ خدا نے تجھ کو پیغمبر خدا کی قبول  
و دعوت کیلئے خاص طور پر تجویز فرمایا ہے کیونکہ کل سہ ماہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو  
یہ دعا فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ پروردگار تو اسلام کی حمایت کیلئے حکم  
بن هشام (ابو عمر بن الخطاب) کے ذریعے سے فرما خدا کی قسم یہ بڑا  
معاذ ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر بولے کہ اے حباب تم اسی وقت مجھے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ کہ میں اسلام لاؤں حباب نے کہا کہ وہ

صفا کے پاس ایک مکان میں مقیم ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کے چند اصحاب موجود ہیں۔ آپ وہیں چلے جائیں۔ ابن ہشام ص ۱۲  
یہ عبارت بھی شبلی صاحب نے اپنی غرض خاص سے قلم و فراوی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حباب بن اللہ  
انکی راہ راست پر لانے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان بتلانے اور ان کے اسلام لانے کے اصلی محرک ہوئے۔

قرآن مجید کے روحانی اثر نے جس طرح حضرت عمر کو مسخر کر لیا اور اسکی کیفیت تو اوپر معلوم ہو چکی۔ اب حباب بن  
الاحرث کی رہنمائی سے جب شب فیاہ زبایت ہوئے تو رسالت و نبوت کے تصرفات روحانی نے انکے رام کر لے میں  
جن عملی ترکیبوں سے کام لیا۔ اس کے نقل و ترجمہ کو بھی شبلی صاحب قلم انداز فرما گئے۔ شاید حضرت عمر کی کسر شان  
سمجھی گئی۔ اسکی حقیقت ابن ہشام کی زبانی یوں ہے۔

فاذن له الوجه وخص اليه رسول الله صلى الله عليه  
عليه باجرة فاخذ بحجزته او بجمع رداءه فوجد  
بجيد شديدة وقال ما جاك يا بن الخطاب ما ادرى  
ان تلحقني حتى ينزل الله بك قارعة ص ۱۲

حضرت عمر آئے۔ اجازت مانگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک شخص  
انڈرائیسی اجازت دیدی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود انکی طرف بڑھے اور یہ حجرے  
تک آئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ لیا و بقیہ ہاتھ و  
بقولے انکے گوشہ زد کو تھا کہ سخت زور سے کھینچا اور لو بچپا کیوں پر

خطاب آج تم یہاں کیسے آئے۔ خدا کی قسم میں دیکھتا ہوں کہ تم میں تمام باتوں کی انتہا ہو گئی اور آخر خدا نے تمہیں دوڑا ہوا یہاں بھجوا دیا۔  
نہیں معلوم کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چند الفاظ خطا بتیہ میں کیسی قیامت کے روحانی اثر تھے۔ اور آپ کے اس کشش  
دستی میں کیسی معجزہ تائید کی قوت مضمر تھی کہ حضرت عمر سے باوجود اتنی قدیم عداوت و خصومت کے اس موقع پر پیغمبر اسلام  
کے مقابلہ میں سوائے سراقظی۔ غمر غامی اور حبیب سائی کے کچھ اور نہ بن پڑا۔ مندرجہ بالا سوال رسالت کے جواب میں نبی اکمین  
کر لین اور کہا۔

جئت لاومن الله وبرسوله وبما جاء من عند الله

یا حضرت میں تو صرف خدا و رسول اور جو کچھ اوپر نازل ہوا ہوں ان سب پر ایمان لانا  
کی غرض خاص سے حاضر ہوا ہوں۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق اس روایت سے تو موصوف کی اپنی سعی و کوشش کی جگہ۔ قدرت کی جبروت۔ رسالت کے روحانی فیوض۔ ادیبی پرے جناب دکن بن اور ہمنوی کی رہنمائی بقدر مشترک شامل معلوم ہوتی ہے۔ اس بنا پر شبلی صاحب کا ان استحضات واقعات سے اگر یہ دعویٰ تھا کہ وہ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا۔ بلا تحریک و مشارکت غیرے ثابت کریں تو وہ اون کے اصلی ماحذ کی عیالمت مندرجہ بالا کے کسی طرح ثابت نہیں۔

## حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق دوسری روایت

شبلی صاحب کی قدیم عادت ہے کہ تلاش واقعات میں آپ اس واقعہ یا روایت کو نقل کرتے ہیں جو آپ کے مفید مطلب ہوتی ہیں اہل ان واقعات و مروریات کو جن سے آپ کا مطلب نہیں نکتا بالکل قلم انداز کر دیتے ہیں لیکن اس موقع خاص پر آپ سے سخت غلطی واقع ہوئی ہے۔ آپ نے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے والے واقعہ میں تاریخ ابن ہشام کی صرف پہلی روایت کو منتخب اور قطع و بنید کے بعد ترجمہ کر کے لکھا ہے اور اس سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے میں سی کی تحریک و ترغیب کی مداخلت نہیں تھی۔ حالانکہ اوپر کی عبارت سے دیکھا دیا گیا ہے کہ موصوف کے اسلام لانے والے واقعہ میں جناب بن الارث کی تحریک خاص طور پر شامل تھی۔ افسوس ہے کہ شبلی صاحب کی نظر اپنے ماحذ اصلی کی دوسری روایت پر نہیں گئی۔ جو اس سے زیادہ ان کے مفید مطلب تھی اور اس سے ایک گونہ موصوف کی تحقیق خاص نکل سکتی تھی۔

ابن ہشام نے شبلی صاحب کی اختیار کردہ روایت کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق یہ وہ روایت جو خاص مدینہ کے لوگوں میں مشہور ہے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے وقت کی یہ وہ روایت ہے جسے راوی مدینہ کے لوگ ہیں۔

فہذا الحدیث الرواة من اهل المدينة عن اسلام  
عمر بن الخطاب حين اسلم

اس کے بعد ابن ہشام نے موصوف کے اسلام لانے کی وہ روایت نقل کی ہے جو کہ کے راویوں کو منقول و مذکور ہے۔

اس کے بعد ابن ہشام نے موصوف کے اسلام لانے کی وہ روایت نقل کی ہے جو کہ کے راویوں کو منقول و مذکور ہے۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن نجیح مکی نے اپنے اصحاب عطاء و مجاہد و اعظمی روایات ان اسلام عمرؓ کے واقعہ کے متعلق ان کے علم و دانستہ میں واقعہ گزرا جیسا کہ خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں ایام جاہلیت میں اسلام کا سخت مخالف اور شراب پیو کا سخت عادی تھا خوب پتیا اور پلا یا کرتا تھا۔ اور مکانات آل عمر بن عبید بن عمران الخزومی کے قریب ہماری شراب نوشی کی ایک صحبت گاہ قائم تھی جہاں بہت سے جوانان قریش جمع ہو کر تہمتے میں ایک دن کچھ رگے

حدثني عبد الله بن أبي نجيح مكي عن اصحاب عطاء  
ومجاهد واعظمي روى ذلك ان اسلام عمر فيما نقله  
به عنه انه كان يقول كنت عند الاسلام مباحدا  
وكنت صاحب الخمر في الجاهلية اجمعها واشرب بها  
وكان لنا مجلس نجتمع فيه رجال من قريش بالجوار  
عند الدودال عمر بن عبید بن عمران الخزومي قال  
فخرجت ليلة اريد حلسا في اولئك في مجلسهم ذلك



قال فجئتہم فلما اجد فیہ منہم احدا قال فقلت لو انی  
 جئت فلا تاخہاروا کان بکۃ بیع الخمر لعلی اجد عندہ خمرًا  
 فاخرب منہا قال فخرجت فجئتہ فلما اجدہ قال فقلت  
 لو انی جئت الکعبۃ فطعت بہا سبعاً و سبعین قال  
 فجئت المسجد اری ان اطوف بالکعبۃ فاذا رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ والہ وسلم قائم یصلی وکان اذا صلی ال  
 الشام وجعل الکعبۃ بینہ و بین الشام وکان مصلًا  
 بین الرکنین الرکن الاسود والرکن الیمانی قال فقلت  
 حین رایتہ واللہ لو انی اسمعت من تحتہ لایلت  
 حتی اسمع ما یقول فقلت لئن دنوت منه اسمع  
 منہ لاسر و عندہ فجئت من قبل الحجر فدخلت تحت ثیابہا  
 فجعلت اثنی وریلا و رسول اللہ صلوات اللہ علیہ  
 یقرء القرآن حتی قمت فقبلتہ مستقبلہ ما بینی و بین  
 اثباب الکعبۃ قال لما سمعت القرآن رقی لہ قلبی و کنت  
 و دخلنی الاسلام فلما نزل قائمہا فی مکانی ذلک حتی  
 قصہ رسول اللہ صلوات اللہ علیہ ثم انصرف وکان اذا  
 انصرف خرج علی دار ابن ابی حنین وکانت طریقہ حتی  
 یجیز علی المسعی ثم لیلک بن دار عباس بن عبد المطلب  
 و بین دار زہر بن عبد عوف الزہوی ثم علی دار لا  
 خنس بن شریق حتی یدخل بنبہ و بین مسکنہ صلی اللہ  
 علیہ و آلہ و سلم فی دار الرقطاء الی کانت بیدی  
 معویہ بن ابی سفیان قال عمر رضی اللہ عنہ فتبعہ  
 حتی اذا دخل دار عباس ودار ابن ازہر اذ رکعہ فلما  
 سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم یصلی  
 انی انما التبعہ لا و ذیہ ففهمنی ثم قال ماجاء بک بالخطا

اس جگہ گاہ میں چلب جانے کی غرض سے گیا لیکن یہاں پہنچ کر میں نے کسی کو بھی  
 نہ پایا یہ تنہائی دیکھ کر میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید یہ لوگ  
 غلام خمار بیفروش کی دوکان پر گئے ہوں گے جو مکہ میں شراب بنانی اور پوتے  
 کیلئے مشہور تھا۔ خیال کر کے میں وہاں چلا اور یہ بھی ارادہ کر لیا کہ اسی  
 سے شراب لے کر پی دوں گا لیکن اتفاق سے وہ بھی نہ ملا۔ اب مایوس ہو کر کچھ  
 گھر لوٹنے کا ارادہ کر لیا اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی خیال آیا کہ خانہ کعبہ کا  
 طواف رشتہ دار با شرف باہر کرتے چلیں۔ یہ ارادہ کر کے میں داخل مسجد  
 ہوا میں نے جو میں طواف شروع کیا دیکھا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 کمرے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ شام کی طرف مڑنے کے ہوئے نماز ادا کر رہے  
 ہیں اور خانہ کعبہ آپ کے اوجرت شام کے درمیان واقع ہے اور اس وقت  
 آپ کا مصطفیٰ رکن اسود اور رکن یمانی کے فیما بین قائم ہے اب کو دیکھ کر  
 میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کاش ہم آج رات کو آپ کی زبان و آن خیر و  
 کوشن لیتے جن کو ہم اور لوگوں کی زبانی سنا کرتے ہیں لیکن اسکے ساتھ  
 ہی یہ خیال آیا کہ آپ کی تلاوت کو بغیر قریب گئے کیسے سن سکتا ہوں  
 یہ سنگین مقام چہرے ہوتا ہوا آپ کے قریب آگیا اور ٹہل ٹہل کر آپ کو  
 سننے لگا۔ آپ اسی طرح نماز میں قائم رہ کر تلاوت قرآن مجید پڑھتے رہے پھر  
 آپ کے آگے جا کر اس طرح گرا ہوا گیا کہ مجھ میں اور آپ میں سواے لباس  
 کعبہ اور کوئی شے حامل نہیں تھی۔ پس میں نے جو میں آپ کی زبان  
 سے قرآن کی سماعت کی فوراً میرے قلب میں رقت پیدا ہو گئی اور میں  
 بیباختہ رونے لگا۔ اور اس وقت سے شہسہ سلام میرے دل میں  
 جلوہ افروز ہوا میں کچھ ایسا متاثر ہوا کہ جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا کھڑا  
 رہ گیا اور وہاں سے ورتا ہلا۔ یہاں تک کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 اپنی نماز تمام کی اور پھر آپ وہاں سے چلے پھر آپ ابن ابی حنین کے طرف سے  
 دار عباس بن عبد المطلب اور دار ابن ازہر بن عبد عوف الزہری کو درمیان  
 ہو کر پھر دار خنس بن شریق سے گزر کر اپنے مکان میں داخل ہوئے اور ان

هذه الساعة قال قلت جئت لاومن بالله وبرسوله  
وبها جاء من عند الله قال محمد رسول الله صلى الله  
عليه وآله وسلم فخر قال قد هدك الله يا عمر ثم مسح  
صدره ووعا لي بالثبات ثم انصرف عن رسول الله  
ودخل رسول الله صلعم بنيه قال ابن اسحق والله  
اعلم اتي ذلك-

دنوں آپ کا قیام دار الرضا میں تھا۔ جو بعدہ معاویہ بن ابوسفیان کے  
قبضہ میں آگیا تھا حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں آپ کے پیچھے پیچھے  
چلا۔ اور دار عباس بن عبدالمطلب اور دار ابن ازہر کے درمیان آپ سے  
ملاتی ہوا۔ آنحضرت صلعم کو میرے آنے کی آہٹ مل گئی اور مجھ کو دیکھ کر  
آپ کو یہ خیال گذرا کہ میں آپ کی ایذا ہی کے ارادے سے پیچھے پیچھے  
آتا ہوں آپ نے مجھے آنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا کہ اولیٰ پھر خطاب

تم اس وقت میرے ساتھ کمپن آتے ہو۔ میں نے بیاختہ عرض کی کہ خدا پر۔ اس کے رسول پر اور اس شے پر جو نازل فرمائی گئی ہے ایمان لانے  
کی نیت سے آتا ہوں یہ سنکر آنحضرت صلعم نے خدا کی حمد کی۔ اور پھر مجھے ارشاد کیا۔ اے عمر! خدا تمہیں ہدایت کی۔ پھر آپ نے میری سینہ پر  
اپنا دست مبارک رکھ کر میرے ثبات ایمان کے لئے دعا فرمائی۔ اسکے بعد میں آنحضرت صلعم کی خدمت سے رخصت ہوا۔ اور آپ  
اپنے مکان پر تشریف لے گئے۔

یہ دونوں روایتیں لکھ کر ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اندنوں روایتوں میں کون صحیح الواقعہ ہے میں نہیں کہ

ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ مصر

اس روایت میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ بہ مقابلہ سابق روایت کے اس امر کا  
تایادہ منظر ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام لانے میں اپنی سعی و کوشش سے کام لیا۔ اور باوجود اپنی قدیم اور عظیم مخالفت اسلام  
قدرت کی طرف سے جب آپ کی ہدایت کے انتظام کئے گئے تو دوم بھر میں انکی دشمنانہ مخالفت و دشمنانہ موافقت ہو گئی اور پھر  
کہ جس سے یہ کوسوں دور رہنا چاہتے تھے صورت دیکھنے کے بھی روا دار نہ تھے اوس کے پاس خود دوڑے چلے آئے۔ اور خود خود  
کہنے لگے اشہدان لا اہ الا اللہ و اشہدان محمد رسول اللہ یہ تعلیم و تلقین کے بعد بھی اہل ہدایت قدرت کا کام ہی رہا اب وہ نفسی  
الامارات بالسموم کا مارا صحرا بی رہا اپنے نفس کی برائی اور سوت تک دور نہیں کر سکتے تا دقتیکہ پروردگار علم اس امر پر ہم پر حم نہ کرے۔ آغاز خود  
سینہ ہم قرآن مجید سورہ یوسف۔

حضرت ابیطالب اور قریش کی آخری وفد کفار قریش اور مشرکین کعبہ کی قسموں میں سوائے ناکامی کے کچھ اور نہیں تھا  
حالانکہ وہ اسلام کو اس وقت تک بالکل لاوجود سمجھتے تھے اور انکا مغرورانہ خیال یہ تھا کہ اسکے تھوڑے بہت موجود و وجود کو  
ناہو کر نابالکل دانکے اختیار میں ہے۔ جسوقت چاہیں گے اسکو کالعدم کر دیں گے۔ لیکن اسکے خلاف میں انکی پے و پی ناکامیاں  
نے انکو چونکا دیا تھا کہ اسلام اپنی بمقداری میں بھی اتنی قوت اور پاداری رکھتا ہے کہ انکی کمزرت اور جمعیت ان کے  
خلاف کچھ بھی نہ کر سکی۔ ممتازین قریش کا تشریح حلقہ گروش اسلام ہونا۔ بخاشی کے پاس سے وفد کا محروم دبا یوس واپس آنا۔  
حضرت حمزہ اور حضرت عمرؓ کا اسلام لانا۔ اسلام کی کامیابی اور انکی ناکامی کے مشاہدے تھے جبکہ وہ خود انکوں سے

دیکھ چکے تھے اس بنا پر پھر قریش نے اپنی فحاشی صمدانہ تدابیر میں استمالت کا طریقہ اختیار کیا۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود گفتگو کر کے اور حضرت ابیطالب کے ذریعہ سے فہمائش کرا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باز رکھنے کی سعی و کوشش شروع کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشائتہ گفتگو کرنے سے پہلے اپنی تدبیر کی سلسلہ عجبانی حضرت ابی طالب سے آغاز کی جان پہچان میں جس تفصیل و ترتیب سے اپنی ہیرت میں ان واقعات کو بیان کیا ہو یا کسی وہ سب سے مورخ اور سیرت نگار نے نہیں جمع کرنا ہے۔ اس بنا پر ہم نازل میں انہیں کی تفصیل و ترتیب کو سلسلہ وار نقل کرتے ہیں۔

فخر مشوا الی ابی طالب ان لك سناوش فادمنر لنا هینا  
وانا قد استهتناك من ابن اخيك فلم تنه عنا وانا والله  
لافصیر علی هذا من شتم ابائنا و نستفیہ احلامنا  
عیب الهتنا حتی تكفه عنا و تنازلہ و ایاك فی ذلك حتی  
یهلك احد الفريقین او كما قالوا لله ثم انصر فواعنه  
فعظم علی طالب فراق قومه وعد او قهر و لم یطیب  
نفسا بالاسلام رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم  
لهو ولا خذلانه ان قریشا حین قالوا لابی طالب هذه  
المقالة بعث الی رسول الله صلواته قد بد العمة وانه  
خاذله فابن علی و علی نفسك ولا تحملنی من الامر مالا  
الحیق قال فظن رسول الله صلواته عامر والله لو وضعوا  
الشمس فی یمینی والضمیر فی یساری علی ان اتروا هذه  
الامر حتی یظهر الله او اهلك فیہ ما تركه قال ثم  
استعبر رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فلی قوام  
خلما و لی ناداه ابو طالب فقال اقبل یا بن اخي قال  
فاقبل علیه رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فقال  
اذ هب یا بن اخي فقال ما احببت فوالله لا اسلك  
بشئ ابدا ص ۹۰

اگر قریش ملک پھر حضرت ابی طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے ای ابو طالب ہم لوگوں کے آگے آپ کی بڑی عظمت اور قدر و منزلت ہو اور ہم سب ملک آپ کو پاس یہ عرض کرنے آئے ہیں کہ آپ اپنے بھتیجے کو منع کریں اور اگر آپ انہیں منع نہ کریں تو ہمارے آپ کو باؤ کر رہے ہیں کہ اب ہم لوگوں میں اپنی بزرگوں کے حق میں براستے بیوقوف بنائے ہمارے۔ اور اپنے مسبودوں کے عیب کو بیان اعلان سننے کے ذرا بھی تاب نہیں ہے۔ آپ انہیں چپ رہنے کی ہدایت کریں ورنہ ہم انہیں جان سے مار ڈالیں گے اور آپ اکیلے ہلوگوں کا کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ یہ لکھو وہ لوگ تو چلے گئے اور ابیطالب کو اپنی قوم کی عداوت اور فحاشی بھی گراں معلوم ہوتی تھی اور اس طرح جناب رسولی اہلکم ان لوگوں کے کہنے کے موافق ترک تبلیغ اسلام کو گنا بھی گوارا نہیں تھا۔ آخر کا جب یہ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ تو ابیطالب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ ای جان عم۔ ابھی ابھی تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسا ایسا کہتے تھے (ان لوگوں کی باتوں کو دہرایا) تو میری خیال میں تمہیں میری اور اپنی جان کا بھی خیال کرنا چاہیے مجھ پر شاہانہ وادب کر مجھے نہ اٹھ سکے یہ نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ چچا کی توجہ میری طرف سے کم ہوگئی۔ قریش کی تہدید و ترہیب سے وہ مجھے چھڑ دینگے اور اپنی شاہ نہ کریں گے اور میری حمایت و اعانت سے دست بردار ہو جائیں گے چچا کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ چچا۔ اگر یہ لوگ آفتاب کو میری آہنے

ہاتھ پر لارکھیں اور آفتاب کو بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اپنے کام سے نہ ہٹوں گا اور نہ خلیفہ کے حکم سے ایک حرف بھی کم و بیش کروں گا۔ خواہ وہ لوگ مجھے اس کام میں ہلاک کر ڈالیں۔ اتنا فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عبرت و حسرت کی ایسی حالت طاری ہوئی کہ آپ آبدیدہ ہو گئے اور وہاں سے اٹھ کر روانہ ہو گئے حضرت ابیطالب نے آپ کو جتنا ہوا دیکھ کر آوارہی اور واپس بلایا۔ جناب رسولی اہلکم چچا کی آواز سن کر واپس آئے تو ابیطالب

کہا جاوے جو تم کرتے ہو وہ کرو۔ اور جو تم کہتے ہو وہ کوہین متبک زندہ ہوں۔ کوئی تم پر دسترس نہیں پاسکتا۔

قریش نے۔ ابیطالب سے اپنے معروضہ کے اثر کا دو چار روز تک انتظار دیکھا لیکن اپنی توقع کے خلاف تبلیغ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی مستعدی اور سرگرمی دیکھی آئینہ کی نہیں آئی تھی۔ تو ان لوگوں کی بار بھی اپنی محرومی کا یقین ہو گیا۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ قلبی تعلقات ابیطالب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دست برداری پر اس وقت تک تباہ نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم محمد کے برابر عزیز یا اون سے زیادہ عظیم معاوضہ ابیطالب کے آگے پیش نہ کرینگے۔ یہ جو نیر کر کے ایک دوسری وفد عمارہ بن ولید بن المغیرہ کو ساتھ لیکر ایک نئی فرمایش کرینگے لئے ابی طالب کے پاس حاضر ہوئے۔ پوری کیفیت ابن ہشام کے الفاظ میں ملاحظہ ہو

لشرا قریشا حین عرفنا ان ابوطالب قد ابی خذلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم واسلامہ واجماع لفراقہم فی ذلک وعداوتہم مشوا علیہ جہارۃ بن الولید المغیرہ فقالوا لہ فیما بلغنی یا ابا طالب ہذا عمار بن الولید اشد فتی فی قریش واجملہ فخذہ فذلک عقلہ وانصرہ واتخذہ ولدا فہو لک واسلم الینا ابن اخیک ہذا الذی قد خالف دینک و دین اباک و فرق جماعۃ قومک و سفہ احلامہم فنقتلہ فانما ہو رجل برجل قال و اللہ لبس ما نسو منی انعطونی ابنکم الخذوہ لکم واعطیکم اپنی تقتلونہ ہذا واللہ فلا یكون ابدا قال فقال المطعم ابن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی واللہ یا ابا طالب لقد انصفت قومک و جہدا علی التخاصمہ ما تارہہ فما ارالہ شریدا ان یقتل منہم شیا فقال ابوطالب للمطعم واللہ ما انصفونی ولکنک قد اجمعت خذلانی و مظاہرۃ القوم علی فاصنع ما بذلت

جبکہ کفار قریش نے یقین کر لیا کہ ابی طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دست بردار ہوئے اور ہمارے لفرقہ جماعت و عداوت کا کوئی خیال نہ کرینگے تو وہ لوگ یکجا پھر جمع ہو کر عمارہ بن ولید بن المغیرہ کو اپنی ہمارہ لیکر ان کی پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ لڑکا جو تمام قریش میں خوشحال اور خوشحال ہے حاضر آپ اسکو اپنی تنہیت میں قبول فرمائیں اسکی تعلیم و تادیب کریں نصرت و حمایت کریں۔ یہ آپ ہی کا ہو کر رہیگا اور اسکی جگہ اپنے بھتیجے کو جو آپ کے بزرگوں کے دین کا مخالف ہو اور آپ کی قومی حیثیت میں تفرقہ ڈالنا ہے اور آپ کے دشمنان قوم کو بیوقوف بنانا ہے ہو کر والہ کر دین کہ ہم اسکو مارا جائے اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ ایک آدمی کے عوض میں ہم دوسرا آدمی ہم حاضر کر چکے ہیں یہ سن کر حضرت ابیطالب نے کہا کہ تم لوگوں کو کچھ عجیبی بیوی خواہش ظاہر کی ہے تم مجھ کو اپنا فرزند اس لئے دیتے ہو کہ میں اسکی تار و نیم سے پرورش کروں اور اسکے معاوضہ میں اپنا جگر مذمتیں دیدوں کہ تم اسے جا کر قتل کر دو۔ خدا کی قسم یہ تمہاری ایسی فرمایش ہے جو مجھ سے کہی نہیں ہو سکتی۔ ابوطالب کا یہ جواب سن کر مطعم ابن عدی بن نوفل بولا کہ ابوطالب تمہاری قوم نے ہاتھ انصاف کی کہی ہے۔ اور ادون لکرو ہاتھ سے جسے تم چاہو رہے ہو اپنی غلصہ پہاڑی ہے اور مدعا یہ ہو کہ

تمہارے خلاف میں کسی امر کے اقدام کے لئے سبقت کرنا والے نہ تیرا لئے جائیں۔ ابوطالب نے جواب دیا کہ خدا کی قسم کسی قوم کے لوگوں نے انصاف کی بات نہیں کہی۔ بلکہ تمام لوگوں نے میرے سب سے پہلے جانے اور مجھے مقابلہ و مظاہرہ کرنے پر اتفاق کر لیا ہے۔ بہتر جو وہ سوچے ہیں کریں اس وفد کا نتیجہ سب سے زیادہ قریش کے مقاصد کے خلاف نکلا۔ اور آج تک جو توڑی بہت توقع ہم قومیت اور ہم نسبت کے



خیال پر لگی تھی وہ بالتمام جاتی رہی حضرت ابوطالب کو جواب صاف سے اذکون یقین ہو گیا کہ اذکون کی استدعا کو قبول کر لیا حضرت ابیطالب کے لئے قطعی ناممکن ہے مطعم بن عدی نے ابوطالب کو جواب میں قوم کی طرف سے جو ترہائی کی اوس نے صاف صاف لفظوں میں ظاہر کر دیا کہ انکا رکیجالت میں ابیطالب کے ساتھ قوم بھی مقابلہ و معارضہ کے لئے بالکل تیار ہے۔ ان واقعات سے بآسانی اندازہ کر لیا جاسکتا ہے کہ قریش کس حد تک جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل و ہلاکت پر اور اسلام کی تباہی و غارت پر آمادہ اور مستعد تھے اذکون سرگرمی اور پرجوشی بے خودی کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی کہ اس عالم خود فراموشی میں اوتھوں نے ایک ایسی مخفی فطرت انسانی استدعا حضرت ابیطالب کی خدمت میں پیش کی تھی کہ انسان کیا کوئی حیوان بھی قبول نہیں کر سکتا تھا حضرت ابی طالب نے جو جواب دیا وہ اسی اصول فطرت کے خلاف ہو سکی بنا پر نبی تھا۔ لیکن وہ کو عقل ایسے بے خود تھے کہ اسکا ذرا بھی احساس نہ کر سکے مطعم بن عدی بھی جو جہلائے قریش میں معتدل و متوازن مشہور تھا۔ اس سے اثر پذیر نہ ہو سکا اور وہ بخلاف اسکے کہ نبین سے صلح و آشتی کے طریقہ و عنوان پر اکرے۔ عداوت اور آئندہ محاربت کا اظہار کرنے لگا۔ لیکن حضرت ابیطالب کی خدمات ملی اور تعلقات قلبی اور ان کے استقلال اور غم بالغرم نے اپنے نزدیک حیات و نصرت سے جو زیادہ ترقیم ابوطالب کے خاص ہے مشہور تھا ہاتھ نہ اٹھایا اور انکی کثرت یعنی قلت انکو قبول و مالدار سی اور اپنی ناداری و عیالدار سی کی ذرا پروا نہ کی۔ اور انکی ایسی ناممکن اعمال آئیں واستعا کا ایسا مسکت اور دندان شکن جواب دیا کہ انکی حال و آئندہ کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں اور وہ قطعی یوں ہو کر چلا گئے قریش اور آنحضرت صلعم سے یہ بختان قریش اپنی اس کوشش میں بھی ناکامیاب رہے تو انکی جہالت نے ایک بالمشافہ گفتگو دوسرے انداز کی مغویانہ تدبیر کی طرف انکی راہبری کی ابیطالب کی طرف سے قطعی یوں ہو کر اوتھوں نے بالنفس النفیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے مطالبات پیش کئے ابن ہشام نے پوری تفصیل کیا ہے اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے۔ اور صاحب رحمۃ للعالمین نے نہایت متانت و وضاحت سے اسکا تمام و کمال ترجمہ کیا ہے ہم خوف طوالت ابن ہشام کی اصل عبارت کی نقل کو زیادہ ضرورت سمجھتے ہیں اور رحمۃ للعالمین کی نقل ترجمہ کو اپنا اظہار مدعا کے لئے ضروری سمجھ کر ذیل میں لکھ دیتے ہیں۔

قریش مکہ نے مشورۃ کی کہ محمد صلعم کو قوم کے سامنے بلا کر سمجھانا چاہیے اس مشورۃ کے بعد اوتھوں نے بنی سلم کو پاس کھلا بھیجا کہ کل ہر داران قوم آپ سے کچھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں اور کعبہ بن حبیب بن بنی سلم خوش خوش وہاں گئے کیونکہ آپ کو انکے ایمان لانے کی ٹہنی آرزو تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں جا کر بیٹھے تو اوتھوں نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا۔

اے محمد صلعم ہم نے تجھے بات کرنے کے بلایا ہے۔ خدا کی قسم ہم نہیں جانتے کہ کوئی شخص قوم پرستی مشکلات لایا ہو جب قدر تم نے اپنی قوم پر ڈال رکھی ہیں۔ کوئی بُرائی ایسی نہیں ہے جو تمہاری جہ سے ہم پر نہ آچکی ہو۔ اب تم یہ بتلاؤ کہ اگر تم نے اس نئے دین سے مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم ابھی تمہارے لئے مال جمع کر دیں کہ اتنا ہم میں سے کسی کے پاس روپیہ نہ رکھ

اور اگر شرف و عزت کے خواستگار ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنالیں اور اگر تم حکومت و سلطنت کے طالب ہو تو تمہیں اپنا بادشاہ مقرر کر لیں۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہیں جو چیز دیکھائی دیتی ہے وہ کوئی جن ہے جو تم پر غالب آگیا ہے تو ہم لوہے اور لوہگوں کے لئے اپنا مال صرف کرین کہ تم تندرست ہو جاؤ۔ یا قوم کے نزدیک معذور سمجھے جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ کہا۔ وہ میری حالت کے ذرا بھی مطابق نہیں ہے جو تعلیم لیکر میں آیا ہوں وہ مطلب سوال ال کیلئے ہے نہ صلب شرف یا حصول سلطنت کے واسطے ہی۔ بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے تمہارے طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے جو تمہاری کتاب و کتاب اتاری ہے۔ مجھے اپنا بشر و نذیر بنا دیا ہے میں نے اپنے پیغام تکمیل کو پہنچا دیے ہیں اور تمہیں نجاتی بھجوا دیا ہے اگر تم میری تعلیمات کو قبول کر لو گے تب وہ تمہارے لئے دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے اور اگر رد کرو گے تو میں اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا کہ وہ میرے لئے اور تمہارے لئے کیا حکم بھیجتا ہے۔

قریش نے کہا اچھا محمد (صلعم) اگر تم ہماری باتوں کو نہیں مانتے تو ایک اور بات سن لو تم کو معلوم ہے ہلوگ کس سختی سے دن کاٹ رہے ہیں مال ہمارے پاس بہت کم ہے اور گدراں بھی سب زیادہ تنگ ہے۔ اب تم خدا سے یہ سوال کرو کہ ان پہاڑوں کو ہمارے سامنے سے ہٹا دے تاکہ ہمارا شہر مکہ میں مل جائے نیز ہمارے لئے ایسی نهریں جاری کر دے جیسی شام و عراق میں جاری ہیں۔ نیز ہمارے باپ و دادا کو زندہ کر دے۔ ان زندہ ہونے والوں میں قحطی بن کلاب بھی ضرور ہوں گی۔ کیونکہ وہ ہمارے سردار تھے۔ اور بیچ بولا کرتے تھے۔ ہم ان سے تیری نسبت پوچھ لیں گے۔ اور اگر انہوں نے تیری باتوں کو بیچ مان لیا اور تو نے ہمارے دوسرے سوالوں کو بھی پورا کر دیا۔ تب ہم بھی تجھے سچا مان لیں گے۔ اور ان بچے کے ہاں خدا کے ہاں تیرا بھی کوئی درجہ ہو اور اس نے فی الحقیقت تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ تو کہہ رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ان کاموں کے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ میں تو اس تعلیم کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور میں نے خدا کے وہ پیغامات تمہیں سنائے ہیں اگر تم اس تعلیم کو قبول کر لو گے تو یہ تمہارے دنیا و آخرت کے لئے سرمایہ ہے اور اگر رد کرو گے تو میں خدا کے حکم کا انتظار کروں گا۔ جو کچھ اس سے میرا متا رافیصلہ کرنا ہوگا۔ فرمائے گا۔

قریش نے کہا کہ اچھا اگر تم ہمارے لئے کچھ نہیں کرتے تو خود اپنے لئے خدا سے حسب ذیل سوال کرو۔

- (۱) خدا ایک فرشتے کو تمہارے ساتھ مقرر کر دے جو یہ کہتا رہے کہ یہ شخص سچا ہے اور ہر کچھ بھی تیری مخالفت سے منع کر دے۔
- (۲) تم اپنے لئے یہ بھی سوال کرو کہ بلغ جائیں۔ بڑے بڑے محل بن جائیں۔ خزائن میں سونا چاندی جمع ہو جائے جسکی تمہیں ضرورت بھی ہے۔ اب تک تو تم خود بازار میں جا کر اپنی معاش تلاش کرتے ہو۔ ایسا ہو جانے کے بعد ہم تمہاری شرف و فضیلت کی پہچان حاصل کرینگے اور تجھے خدا کا رسول سمجھ لیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ایسا نہ کروں گا اور اپنے خدا سے ایسا سوال کروں گا۔ اور ان باتوں کے لئے میں مبعوث نہیں کیا گیا ہوں۔ مجھے تو اللہ نے بشر و نذیر بنایا ہے۔ تم مان لو تو تمہارے لئے ذخیرہ داریں ہے۔ زمین صبر کروں گا۔ اور خدا کے فیصلہ کا منتظر رہوں گا۔

قریش نے کہا۔ اچھا تم آسمان کا کواکب اور کریم پروردگار کو کیونکہ تمہارا زعم یہ ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے جب تک تم ایسا نہ کرو گے ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ خدا کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے تو تمہارے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔

قریش نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو بتلاؤ کہ تمہارے خدا نے تمہیں پہلے سے یہ نہ بتلادیا کہ ہم تمہیں بلائیں گے ایسے ایسے سوالات پیش کرینگے یہ چیزیں طلب کرینگے۔ ہماری باتوں کا یہ جواب ہے۔ اور خدا کا نشانہ ایسا کرنے کا ہے چونکہ تمہارے خدا نے ایسا نہیں کیا۔ اسلئے ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ تم نے تیری نسبت سنا ہے وہ صحیح ہے کہ یا مہین ایک شخص رہتا ہے جس کا نام رحمن ہے وہی تجھے ایسی باتیں سکھاتا ہے۔ ہم تو رحمن کی بھی ایمان نہ لائیں گے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بھی سمجھو۔ آج ہم نے اپنے سب غدرات تمہیں سنا دیے۔ اب ہم آخر میں تم سے یہ بھی بقسیہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم تجھے اس تقدیم کی اشاعت کبھی نہ کرنے دینگے یہاں تک کہ ہم سب مر جائیں۔ یا تم مر جاؤ۔

یہاں تک بات پہنچی تھی کہ انہیں سے ایک شخص بول اٹھا کہ تم ملائکہ کی پرورش کرنے میں جو غور و بات (خدا کی عبادت) میں دوسرا بولا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تمہاری باتوں کا یقین نہ کرینگے جب تک کہ خدا اور فرشتے ہمارے سامنے نہ آجائیں۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آخری بات سن کر اٹھ کھڑے ہو گئے۔ اور آپ کے ساتھ عبداللہ بن ابوامیہ مغیرہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ آپ کا بھوپن زاد بھائی۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ اوس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھو تمہاری قوم نے اپنے لئے کچھ چیزوں کو تم سے چاہا وہ بھی تم نے نہ مانا پھر انھوں نے چاہا کہ تم خود اپنے لئے ایسی علامات کا اظہار کرو جس سے تمہاری قدر و منزلت کا ثبوت ہو سکتا ہو اسلئے بھی تم نے قبول نہیں کیا۔ پھر انھوں نے اپنے لئے تھوڑا سا وہ مذاج بھی چاہا جس کا خوف تم دلایا کرتے ہو۔ تم نے اس کا بھی اقرار نہ کیا۔ اب میں بھی تمہیں کچھ ایسا نہ لاؤں گا۔ ہاں اگر تم میرے سامنے آسمان پر زینہ لگا کر چڑھ جاؤ اور پھر میرے سامنے زمین سے نیچے اتر آؤ اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں اور وہ تمہاری شہادت بھی دیں۔ تب میں ایمان لا سکتا ہوں۔ اور اگر ایسا ہو بھی گیا تو میں تب بھی تم پر ایمان نہ لاؤں گا۔ حمۃ العلین ص ۱۵ بحوالہ ابن ہشام ص ۱۰۱ جلد اول۔

قریش کے ان مکالمات نے ثابت کر دیا کہ کوہ بنیان قریش منصب رسالت کو انسان کے مصنوعات سمجھے ہوئے تھے اور اغراض و مقاصد دنیاوی کے اجراء و حصول کا ذریعہ و وسیلہ یقین کرتے تھے۔ ان کے سنگین قلب اور بے جس اوراک اثر پذیری کی قابلیت و صلاحیت سے بالکل خالی تھے۔ وہ زبان رسالت سے اپنے ان تمام توہمات کی حرفا حرفا تردید و تغلیظ سن چکے تھے اور اپنی ہی قوم و قبیلہ میں ان سعادتمندوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے جو بلا خیال و گمان ان توہمات باطلہ کے تبلیغ اسلام کو ان تمام اغراض نفسانی سے پاک و صاف یقین کر کے اوپر ایمان لا چکے تھے۔ المامات قرآنی اور احکامات ربانی کو شکر و سبکی پاک اور سچی بشارتوں کو اپنے لئے دین و دنیا کی رفاہ و فلاح کا ذخیرہ سمجھ کر طاعت خدا اور اطاعت

رسول کا قلاوہ اپنی گردنوں میں ڈال چکے تھے۔ وہ ایمان لانے کے وقت نہ رسول اللہ صلم سے کسی معجزہ یا کرامت کی اظہار کے خواہان ہوئے اور نہ خدا سے اپنے لئے یا اپنے رسول ص کے لئے دولت و ثروت کے خواستگار۔ صرف ان کے قلب کی صفائی اور توفیق الہی اور انکی راہنمائی کے لئے کافی تھی۔ ان کے قلوب روشن عقول سلیم اور فہم و ادراک کی صلاحیت نے قرآن مجید کا الہام اور رسالت کی تعلیمات سے کامل طور پر حصول ایمان اور قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔ بخلاف ان کے ان محرومان قوم و وطن کی جہالت و ضلالت نے انکی طبیعتوں سے تعلیمات الہی کی تفہیم و ادراک کی تمام قوتیں سلب کر لی تھیں اور انکی ظاہر و باطن اس قدر ٹھوس و لا یفہمون بھاوا و اذان لا یسمعون بھاوا و اعین لا یبصرون بھاوا ان کے دل غمہ گردان سے ادراک نہیں کر سکتے تھے کان بھر گمراہی سے سن نہیں سکتے تھے کہیں کتھوتوں سے دیکھ نہیں سکتے تھے، کامصداق بنا کر جہاں لا یعقل کا مجسمہ تیار کر دیا تھا۔ ہاں عقبات و مینیات کے یہ نیم وحشی انسان اپنے گمراہانہ خیالات میں خدا کے بھیجے ہوئے رسول برحق کو ایک ملکی اور قومی شعبہ گریبا سا حرکت زیادہ نہیں سمجھتے تھے۔ اور رسالت و نبوت کے مقدس مقدار کو اپنی جہالت و ضلالت کو معیار پر آزمانا چاہتے تھے اس لیے خدا کے رسول برحق سے ظلم بندی اور شعبہ بازی کی نسبت عجیب و غریب متفسرات پونچھا کرتے تھے چنانچہ ان کے اس طویل طویل مکالمہ میں بھی انھیں لغویات کا ذکر ہے اور کچھ بھی نہیں۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک کر کے ان کے جاہلانہ سوالات کا جس ثبات اور سنجیدگی سے جواب دیا کہ وہ آپ کی صداقت رسالت کا کافی اور واضح ثبوت لیکن باوجود اسکے کہ اس وضاحت و صفائی سے تعلیم اسلام کے اغراض و مقاصد ان کے ذہن نشین کر دیے گئے۔ تبلا دیے گئے اور سمجھا دیے گئے تاہم وہ بد بختان ازلی اور محرومان ابدی نہ سمجھنے والے تھے نہ سمجھے صرف یہی امر رسالت کے کمال اور ادن جاہلون کے نقص فطرت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

قریش اور بنی ہاشم سے ترک موالات  
مشرکین قریش اور کفار مکہ کی یہ ترکیب بھی کارگر نہ ہوئی۔ اب ان کے دماغ اور اوکی قوت تخیل میں کوئی دوسری تدبیر باقی نہیں رہی جسکو وہ از سر نو تعلیم کا تحریری معاہدہ

اسلام کے امتناع کی ضرورت سے عملی صورت میں لائیں۔ آخر خنک کر رسول اللہ صلم کی ایذا رسانی قتل و ہلاکت۔ غریب مسلمانوں پر ظلم و ستم جاری رکھے جانے کی قدیم ترکیب نکالی۔ یہ کوئی نئی تجویز نہیں تھی۔ یہ تو وہی ترکیب تھی جسکو وہ سالہا سال سے اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کے متعلق جاری اور قائم رکھے تھے۔ ہاں آئین یہ فرق البتہ ہوا کہ پہلے یہ سید مرتضیٰ اور توقف کے ساتھ ظاہر کی جاتی تھی اور اب براہِ راست اور زیادہ شدت اور سختی کے ساتھ۔

ان واقعات کے متورے دنوں بعد مخالفت اسلام اور عداوت حضرت سید الانام کو کفار قریش نے ایک نئی صورت میں دکھلایا جس کی طرف معلم ابن عدی اپنی تقریر میں حضرت ابی طالب سے اشارہ کر چکا تھا اور وہ بزرگ بنی ہاشم ان کے ممانہ اغراض و مدعا کو بخوبی سمجھ کر انکو جواب بھی دے چکا تھا۔ اور ان کے تمام آئندہ مظالم کو نہایت استقلال و پاداری سے برداشت کر نیکی لئے تیار اور آمادہ ہو چکا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔



## ابن ہشام اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

فلما مات قریش ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قد نزلوا بلدا اصابوا به امانا وقرارا وان النجاشي قد منع من لجااء اليه منهم وان عمر قد اسلم فكان هو وحمزه بن عبد المطلب مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وجمعوا للاسلام يفتشوا في قبائل اجتمعوا واثنوا وان يكتبا لكتابتها يتعاقدون فيه علي من بني هاشم وبنو عبد المطلب علي ان لا ينكحوا اليهم ولا ينكحهم ولا يبيعوهم شيئا ولا يبتاعوا منهم فلما اجتمعوا لذلك كتبوا في صحيفة شرفا هدا واثقا ووثقا علي ذلك ثم علقوا الصحيفة في جوف الحكة فوكدها علي انفسهم وكان كاتب الصحيفة منصور بن عكرمة بن عامر جلد اول ص ۱۲۲

جب قریش نے دیکھ لیا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک حبشہ میں جا کر مقابلہ بیان کے امن و امان سے رہنے لگے اور شاہ حبشہ نے بھی (نجاشی) قریش کی درخواست کو نہیں سنا جو اس سے کی گئی تھی حضرت عمر بھی اسلام لا چکے اور حضرت حمزہ بھی مشرف بایمان ہوئے اور فاطمہ اور مصعبیت رسول پر فائز ہو چکے اور اسلام دیگر اقوام و قبائل میں بھی پھیل گیا۔ تو تمام قریش ہر ایک جگہ جمع ہوئے اور سب نے ملکر باتفاق اس مضمون کا ایک معاہدہ لکھا جس کے رو سے ان لوگوں نے تمام بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سے اپنے تمام تعلقات اس شرط کے ساتھ ترک کر دیے کہ کوئی شخص ان کے ساتھ نکاح کرے گا اور زندہ ان کے ساتھ نکاح کرے گا یا ان کے ساتھ کوئی چیز بیچی جائے گی اور ان سے کوئی چیز خریدی جائے گی اس مضمون کا معاہدہ لکھ کر اور اس پر ہمیشہ عمل کرنے کی عہد پیمان حلفی بکرا اس تحریر کو وسط کعبہ میں ادسکی عظمت و اہمیت قائم رکھنے کی غرض سے لٹکا دیا اس معاہدہ کا منصور بن عکریم بن عامر نے لکھا تھا۔

امام قسطلانی شایخ بخاری اور محدث شیرازی نے اس معاہدہ میں اتنی عبارت مشروطہ کا اور اضافہ فرمایا ہے کہ یہ عہد نامہ اپنے تمام شرائط کے ساتھ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک بنی ہاشم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیے جانے کی غرض سے قوم کے حوالہ نہ کریں۔ مواہب لدنیہ قسطلانی اور روضۃ الاحباب محدث شیرازی جلد اول مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۳۷ اس میں کوئی کلام نہیں کہ کفار قریش اور مشرکین مکہ نے بنی ہاشم کے تباہ و برباد کرنے کی یہ آخری تدبیر سوچنی تھی۔ جو ان کی زندگی کے لئے لانا تھا تکلیف دہ اور ضرر رسان تھی اور ایسے بھی شک نہیں کہ اس تجویز و ترکیب سے ان کا مدعا یہی تھا کہ بنی ہاشم ضروریات روزمرہ کے نہ ملنے کی وجہ سے تنگ و عاجز آکر یا تو قریش کے آگے اپنی اطاعت و متابعت کی گردنیں ڈالیں گے۔ اسلام اور باقی اسلام علیہ السلام کی حمایت و رفاقت سے دست بردار ہو جائیں گے۔ یا مکہ سے خارج البلد ہو جائیں گے اور پھر خوف و ہراس سے مکہ کے پاس آنے کا خیال ہی نہ کریں گے ورنہ حانون میں ان کا مقصد حاصل تھا۔

## شعب ابی طالب کی سالہ قیام

(یکم محرم ۱۰ سال نبوت)

کہا اپنی ترکیب میں تھے اور قدرت اپنی قبیر میں۔ ابن ہشام اس کے آگے لکھتے ہیں۔

جب قریش نے یہ فیصلہ کیا تو تمام بنی ہاشم اور بنی مطلب حضرت

فلما فعلت ذلك قریش النجاشي بنی هاشم و

بنوالمطلب الی ابی طالب بن عبدالمطلب قد خلوا  
معه فی شعبه فاجتمعوا الیه ونحج من بنی ہاشم  
ابولہب الی قریش فظاہرہم

ابی طالب کے پاس جمع ہوئے اور آپ اذن لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر  
اپنے شعب میں جو شعب ابی طالب مشہور تھا چلے آئے۔ اور بنو ہاشم  
سے صرف ابولہب قریش کے ساتھ رہ گیا۔

شعب ابی طالب اصلاً پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان بنی ہاشم کا موروثی تھا۔  
حقیقت میں حضرت ابی طالب کا جبرہ سکوت اور ایسے سخت منظم کے مقابلہ میں انکی ضابطہ خاموشی انکی بہت و  
استقلال کی عظیم النظم مثال قائم کرتی ہے۔ ورنہ اسے اشارہ پر خون کے دریا بننے لگتے۔ لیکن یہ امور جان  
رسول کی حفاظت اور دین اسلام کی اجراء و اقامت کے لئے جب قدر ضرر رسان تھے اور کو وہ پورے طور سے جانتے  
تھے اور حقیقت میں نشاء قدرت اور مقتضائے مصلحت بھی یہی تھا جیسا کہ بہت جلد نتیجہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

باتعلق جمہور تاریخ: حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور انکی تمام خاندان نے شعب ابی طالب میں کامل  
تین برس تک جن مصیبت و مشیت میں دن کاٹے اور راتیں گزاریں اور انکی بیان دشوار ہے۔ اور کیونکر نہ ہو۔ کھانا پینا بند  
آنا جانا ترک۔ خرید و فروخت موقوف شعب سے قدم باہر نکالنا دشوار یہ ترک موالات کا ہر کوئی جی جس دوام کی پوری  
نرا تھی غریب محصورین چہنیں خورد سال بچے اور شکستہ با عورتیں بھی شامل تھیں۔ ایسا وقت الگا تھا کہ وانہ وانہ کو محتاج  
تھے اتنی مجال تو تھی ہی نہیں کہ شہر میں جا کر ضروریات روزمرہ کی چیزیں لائیں اور اگر حرات کر کے جائیں بھی تو دتیا کوئی؟  
اس مجبوری سے محاصرین کو تلاش آذوقہ کے لئے اطراف مکہ میں دور دور تک بکلیا پڑتا تھا اور صبح سے شام تک ان  
غریبوں کو المصیب المصیب جو کچھ مل جاتا تھا۔ وہ رات کو گھر میں لاکر دن بھر کے بھوکے بال بچوں کو کھانا ہوتا تھا  
علامہ ابو جعفر اسکافی جو علامہ ابن الحدید شراح نہج البلاغۃ کے استاد اور شیخ تھے لکھتے ہیں۔

ملاش آذوقہ کی خدمت ان ایام میں خاص کر حضرت علی مرتضیٰ کے سپرد تھی یہ علی الصباح شعب کنگر  
حوالی مکہ کی آبادیوں میں دور دور تک بکلیا جاتے تھے اور وہاں سے جو گھیمون اور کھجوریں جو کچھ میسر آتا  
اپنی پشت پر رکھ کر لاتے تھے وہ بھی کہیں یہ چیزیں ملنی تھیں اور کہیں نہیں۔ کیونکہ ظالمان قریش مکہ  
کی بیرونی آبادیوں میں جا کر بیع کرتے تھے۔ اسلئے علی اکثر فاقہ گذر رہے تھے۔ اور شدت گرسلی و تشنگی ہو  
گرفتاران مصیبت کی غریب جانیں نہ ہونٹھوں تک آپچھوچی تھیں۔

علامہ ابن القیہم اپنی کتاب زاد المعاد جلد اول ص ۲۹۹ میں لکھتے ہیں۔ کہ بنی ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس زور سے  
روتے تھے کہ اونکو رونے کی آوازیں گھائی کے باہر تک سنائی دیتی تھیں۔ امام قسطلانی شراح بخاری کا بیان ہے کہ بنی ہاشم  
کے بچوں کے رونے کی آوازیں رات کے شائے میں تمام شہر میں سنائی دیتی تھی اور سنگدل و بیرحم قریش سنتے تھے اور ہنس کر کہتے تھے  
اور انواع و اقسام کے طعن و تشنیع کیا کرتے تھے شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں تین برس تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کیا

ایسا سخت گذرا کہ طلع زمام درخت کے پتے کھا کھا کر بسر کرتے تھے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۴۹  
قریش کی ایسی سخت قدغن تھی اور ایسی شدید روک تھام۔ ان مصیبت زدوں میں سے جو شخص چھپا کر تلاش رزق میں  
باہر نکل جاتا تھا اور سورہ اتفاق سے قریش اسے دیکھ پاتے تھے تو سخت تعذیر ہو پچاتے تھے۔ موسم حج میں بیرونی قبائل سے اگر  
یہ لوگ خرید و فروخت کی کوشش کرتے تھے تو یہ ظلمہ وقت نہایت سختی سے انھیں منع کرتے تھے اور باز رکھتے تھے۔  
تکلیفیں تو اتنی تھیں اور مصیبتیں ایسی اور عامی و مددگار ایک بھی نہیں لیکن صد آفرین ہے اور منطوق میں کے صبر سکوت  
پر ہزار احسن ہے ان محصورین کے استقلال و پاداری پر اگر کسی شخص چھپن دو چار دن کے لئے ایسی مصیبتیں ٹپرجاتیں تو وہ  
گھبر کر یا تو جان وے ڈالتا یا ظلمہ وقت کی اطاعت کر لیتا۔ ان غریبوں پر تو اس آفت و مصیبت میں پورے یمن برس گزر گئے۔  
لیکن انکے پاس استقامت میں ذرا بھی جنبش نہ تھی۔ وہ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی حمایت و رفاقت پر یقین اور خلعت قاد  
و توانا کی نصرت و امداد پر توکل کئے ہوئے خموش بیٹھے رہے۔ اور ان تمام مصائب کو۔ رضا بقضائے و تسلیم لائے کہ کہہ کر چھل گئے  
اور شکایت کیسی اور گلہ کیسا۔ کسی فرد واحد نے مومنہ سے اُف بھی نہ کی۔

مصورین کی ہمت و استقلال کی تو کیفیت تھی۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض تبلیغ میں انہماک و  
محویت کی یہ حالت تھی کہ باوجود ان تمام شدائد کے۔ آپ محاصرہ کی موجودہ ضیق النفسی کی عالم میں بھی ہدایت و ارشاد سے باز نہ آئے  
بلکہ عزت و انزوا کی یہ خاص صحبتوں میں آپ کو اس کی ادکاری کا بہتر موقع مل گیا۔ بتدایان اسلام رات کے پردے میں نجاشی  
کی آنکھیں بچا کر اور چھپ چھپا کر خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس معلم ربانی سے تعلیم ایمانی حاصل کرتے تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں  
و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدعواقبہ  
لیلًا و نھاؤا سرا و جھاؤا منادیا باسرا للہ  
جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح و شام منحنی اور عمدانہ  
طور پر امر خدا کی طرف قوم کی دعوت کیا کرتے تھے۔

## سورة سخت سے مخلصی

(سلسلہ سال نبوت)

کامل تین برسوں کے گزر جانے کے بعد بھی چاہے سنگدل اور بیرحم مشرکین قریش کی شرمگاریاں دہی ٹپرن ہوں یا اونچی جورو جفا  
اور ظلم و ایذا میں ذرا بھی کمی آئی ہو۔ نہیں وہ منجاملات میں دیسے کی ویسے ہی سخت و شدید تھے شعب ابیطالب کے آفت دیدہ  
اور مصیبت رسیدہ مصورین کی کلیف و شدت کا خیال کر کے مکہ کے وہ معتدل مزاج لوگ جنگوانگی مصیبتوں کا کیتقد رسا  
ہو چلا تھا اور نبی ہاشم اور نبی عبدالمطلب سے قرابت اور رشتہ مندی کا بھی واسطہ تھا کبھی کبھی تحائف کبھی کوئی کھانے پینے  
کی چیزیں نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ مخفی طور پر پہنچا دیتے تھے لیکن ساتھ ہی اسکے قریش دیکھ پاتے تو فوراً  
لیجانے والے سے چھین کر اسے کھا جاتے تھے۔ یا اپنے گھر لے جاتے تھے اور نہیں تو اسے ضایع اور نقصان کر دیتے تھے

غرض ہر حال میں اس چیز کو غریب محصورین تک پہنچنے نہ دیتے تھے۔

چنانچہ ابن ہشام ان میں سے اخیر واقعہ کی کیفیت لکھتے ہیں۔

فأقاموا على فلتك سنين أو ثلاثا حتى جهدوا إلى أن يصل  
اليهم شي لا يسألوا مستغنيا به من إيراد حله قهر من قريش  
وقد كان أبو جهل بن هشام فيما يذكر من لقي حكيم بن  
خزام بن خويلد بن أسد معه غلام يحمل طعام يريده  
عنه خديجة بنت خويلد وهي عند رسول الله صلى  
ومعه بالشعب فتعلق به وقال أتدع حب بالطعام إلى  
بنی هاشم والله لا أبرح أنت وطعامك حتى أفصلك  
بلكة فجاء أبو البختري بن هشام بن الحرث بن أسد فقال  
مالات وله فقال لحمل الطعام إلى بنی هاشم فقال أبو البختري  
طعام كان لعنته عنده بعثت إليه فتملعه ان  
يايتها بطعامها خيل سبيل الرجل قال فإني أبو جهل  
نلا احد ههنا من احبه فاخذ أبو البختري لحي بعير  
فخرب به به فشقته ووطئه وطاء شديداً اس ۱۲۳

جب بنی ہاشم پر اس قید و مصیبت میں دو برس یا تین برس گزر گئے کہ  
ان کو قریب و رشتہ مند لوگ کچھ اونکو بائیں بھیجنا چاہتے تھے تو نہایت خفیہ  
طور پر بڑی احتیاط سے یہ سچوتے چنانچہ ایک بار کا ذکر ہے کہ ابو جہل نے حکیم بن خزام  
بن خویلد بن اسد کو مع اونکو غلام کے دیکھا جس کے سر پر وہ کچھ از قس طعام کو اونکو  
اپنی عذمت خدیجہ کے واسطے جو جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے  
میں تشریف رکھتی تھیں۔ لئے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر ابو جہل ان کو لپیٹ کر  
اور کہنے لگا تو بنی ہاشم کے لئے کمانا لئے جاتا ہے۔ میں تجھے کسی نہ جانی دوں گا  
اور تمام مکہ میں فضیحت کے بغیر تجھے پھوڑوں گا۔ اس آئینہ میں ابو البختری  
بن ہشام بن حرث بن اسد لگیا اور اس نے ابو جہل سے پوچھا کہ تم میں اور  
اس میں کیا قصید پیش ہے ابو جہل نے جواباً کہا دیکھتے ہو یہ بنی ہاشم کیلئے کھانا  
لیے جاتا ہے۔ ابو البختری بولا تو کیا ہوا اسکی عذمت اونکو گون رہی ہاشم کے  
ساتھ ہے وہ اس کے لئے کھانا لئے جاتا ہے کہ اسکو پہنچا دی۔ تو تمکو  
کیا ایسی پڑی ہے کہ تم اسکی راہ روکتے ہو آدمی کی راہ چھوڑ دو اور اسکو

جانے دو ابو جہل نے انکار کیا اور راستہ نہیں دیا بلکہ اپنے دو فریقوں میں سے ایک کو پکارا اس زیر دستی کو دیکھ کر ابو البختری کو بھی غصہ آگیا ایک  
اونٹ کی پڑی پڑی تھی اٹھائی اور ابو جہل کے سر پر اس سے ایک ضرب شدید لگائی۔

یہ ہیں قدرت کے انتظام اور مشیت کے احکام۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ کفار اپنی ترکیب میں تھے اور قدرت اپنی تدبیر  
میں تین برس پہلے دنیا نے کفار قریش کی آمادگی اور مستعدی کا وہ عالم بھی دیکھا تھا جس ہماہمی سے یہ معاہدہ لکھا گیا تھا کہ بنی  
آبیزان کیا گیا تھا اس کے شرائط پر قائم رہنے کے لئے فردا فردا ہمیں کمانی گئیں تھیں حلف اٹھائے گئے تھے۔ اور آج جبروت قدرت  
کا یہ نظارہ اور جلوہ آرائی بھی پیش نظر ہے کہ باوجودیکہ وہ معاہدہ کعبہ میں ابھی تک ٹھک رہا ہے۔ مگر اس کے لکھنے والے۔ اسکی ادا  
شرائط پر عین قسمن کمانے والے اس بی رحمانہ اور ظالمانہ تحریک کی حقیقت کو سمجھ کر آپس میں ایک دوسرے کو ظالم اور جابر کہہ رہے  
ہیں جن امور کو طبعی ممنوع کر چکے تھے اسکی اجراء تعمیل کو اپنے ہی دست و زبان سے جاری کر رہے ہیں ابو البختری سا دشمن رسول  
ابو جہل کے ایسے اپنی قدیم رفیق اور رئیس قوم کو اس امر کی مخالفت کے لئے ہڈیوں سے مارتا ہے اور مجرم ٹھاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ  
جن زبانوں سے اس تحریر کی تجویز کی گئی تھی اور تمہیں کہا میں گئیں تھیں انہیں زبانوں سے یہ غلط معطل اور مفسدہ انگیز ٹھہرا لگیا۔



یہ کرشمہ قدرت نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ ابن ہشام جلد اول ص ۳۰ میں مندرج ہے شبلی صاحب نے اسکا خلاصہ لکھا ہے اسکی مفصلہ ذیل نقل کو ہم اپنی مدعا کے بیان کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

متصل تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام آل ہاشم نے یہ بیتین حبشین بالآخر دشمنوں ہی کو رحم ملے اور خود انھیں کی طرف سے ان معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی ہشام مخزومی خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ میں ممتاز تھا۔ وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیج کر باتیں ایک دن وہ زبیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے گیا اور کہا کیوں زبیر۔ تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو۔ ہر قسم کا لطف اوتھاؤ۔ اور تمہارے ماموں (ابی طالب) کو ایک دانہ نصیب زبیر نے کہا۔ کیا کروں تمہارا ہون۔ ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو میں اس ظالمانہ معاہدے کو ابھی بچا کر چھینک دوں ہشام کہا میں موجود ہوں۔ دونوں ملکر مطعم بن عدی کے پاس گئے بختری (ابو البختری) ابن ہشام اور زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا دوسرے دن سب ملکر حرم میں گئے۔ زبیر نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا اے اہل مکہ یہ کیا القاف ہے لوگ آؤ! سے اسبر کرین اور بنی ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہو۔ خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کرو یا جائے گا میں باز نہ آؤں گا ابو جہل برابر سے بولا ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ زمعہ نے کہا تو جھوٹا کہتا ہے جب یہ لکھا گیا تھا اسوقت بھی ہم راضی نہیں تھے غرض طعم نے ہاتھ بڑھا کر دتا ویز چاک کر ڈالی دے خوب شدا سباب خود بینی شکست۔

مطعم ابن عدی۔ عدی ابن قیس۔ زمعہ ابن اسود حضرت ام سلمہ کے پہلے شوہر (ابو البختری اور زبیر جتیا ربانہ کے بنو ہاشم کے پاس گئے۔ اور انکو درہ سے نکال لائے۔

قدرت کا یہ عجیب نظارہ تھا خدا کی شان یہی لوگ جنہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ صلیب بنی ہاشم محمد صلعم کو قتل کر دینے کے لئے ہمیں جواز نہ کر دینگے اس معاہدے سے انحراف ناممکن ہے۔ آج وہی لوگ اسی معاہدے کو اپنے ہاتھوں سے چاک کر کے محمد صلعم کو تمام بنی ہاشم کے ساتھ اپنی تلواروں کے سایہ میں لیکر وہ کوہ سے گھرتے بغفلت تمام ہو چکے دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اسلام کی حقانیت۔ اور بانی اسلام علیہ السلام کی روحانیت کے اور کیا ثبوت ہو سکتے ہیں اللہ صل علی محمد وآل محمد۔

مغزوین قریش اور مشرکین مکہ نے بناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بی اختیار بیعت اور بیعتی دے یاری کے اظہار کی غرض خاص سے۔ آپ کو۔ آپ کے تمام خاندان کے ساتھ وہ کوہ میں محصور کر رکھا تھا۔ یہ تجویز بظاہر انسانی تھی زبیر تو ضرور تھی

لے کمال افسوس ہے کہ کفار قریش کو ان محصورین بنی ہاشم پر بالآخر ایسا رحم آیا کہ خود چھڑا کر گھر ہو چکا دیا لیکن سلسلہ ہجری میں آج سے تقریباً ۳۷ برس بعد انھیں کی اولاد و احفاد کو جو اسوقت مسلمان ہو چکے تھے اور صاحب ایمان کہلاتے تھے ارض کر بلا کے محصور بنی ہاشم

پر جبین سبط رسول الثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام بھی داخل تھے۔ ذرا بھی رحم نہ آیا اور انکی ہزاروں کی تعداد میں کسی فرد واحد کو خدا و رسول کے نام پر اتنا ترس نہ آیا کہ تین دن کی بھوک پیاس میں اس قیامت کے محاصرے سے نکل کر انکے گھر تک پہنچا دیا اس مقام پر کہنا پڑا ہو

ع چچ کافر نہ کند انچہ مسلمان کردند۔ المولف عفی عنہ۔

لیکن حقیقتاً و حسیانہ مظالم تھے اور حیوانی تغیر۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے برحق پیغمبر تھے۔ اور خدا کی نیابت میں اسکا کیا ان کفار و مشرکین کو پہنچا تے تھے۔ یہی مشرکین کے جاہلانہ اور گمراہانہ اغراض و مقاصد کے خلاف ہوتا تھا۔ اس لئے وہ آپ کے مخالف تھے اور اسی مخالفت کی بنا پر آپ کو وہ مین پہنچا دیے جانے۔ اور آپ کے خاندان بھر سے ترک تعلقات کئے جائیں کی ایسی ہر جانہ اور ظالمانہ نرا تجویز کی تھی جس سے صرف آپ کی ذاتی تحقیر و توہین منظور تھی لیکن ان کو عقلوں کی اس غلط اور گمراہانہ تجویز و ترکیب کا نتیجہ قدرت کی حسن تدبیر سے طور پر پیدا ہوا وہ دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور پوری تفصیل سے اوپر بیان ہو چکا ہے۔

معراج | اب قدرت الہی کے لئے اپنے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیر و توہین کے ازالہ کئی کا سامان اعلان بھی ضروری تھا۔ اور عادت الہی بھی ہمیشہ سے یوں جاری ہے کہ انبیاء و مرسلین کے گروہ مخصوصین میں۔ بلا و مصیبت کے بعد ان کے مراتب و مدارج میں نمایاں اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس لئے بروایت ابن سعد خداوند عالم نے شعب ابیطالب کی مصیبت سے مخلصی کے بعد۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رتبہ معراج جہانی عطا فرما کر آپ کی خاص مرتبہ افزائی فرمائی اور اتون رات کرشمہ قدرت نے آپ کو براۃ العین تمام ملکوت سموات کی سیر کرائی۔ جسکی خبر آریہ وانی ہدایہ۔

سُبْحَانَ الَّذِي أَمْرِي بِجَبَلٍ كَلِمَاتٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ  
إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَرَكْنَا لَهُ لَنَزِيلِهِ مِنْ  
أَيْلَافٍ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ آغاز سورہ بنی اسرائیل ج ۱۵

وہ خدا (عجز و رماندگی کے عیب سے) پاک ہے جو اپنے بندہ (محمد) کو راتوں رات مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لیگیا جسکی گرد گرد ہم نے (دنیا و دین) کی برکتیں دی رکھی ہیں (ایمن او کو جانے سے مقصود یہ تھا) کہ ہم انکو اپنی (قدرت) کے نمونے کی سیر کرائیں اور انکو بعض اسرار غیب معلوم ہوں (در نہ اہل سننے والا دیکھنے والا یعنی غیب دان) وہی خدا ہے۔ ترجمہ شمس العلماء حافظ ندوی احمد صاحب

سے پورے طور پر ہویدا و آشکار ہے۔

واقعہ معراج کے تیس سال میں اختلاف ہے لیکن علی الاکثر محدثین و مورخین نے سن نبوت پر اتفاق کیا ہے اور فیصلی صاحب نے ابن سعد ہی کے فتویٰ پر اعتبار فرمایا ہے ابتدا سے لیکر اسوقت تک علماء و حکماء اسلام میں یہ واقعہ تاریخی حیثیت سے زیادہ بحث معقول و منقول کی صورت میں دکھلایا گیا ہے جانہین سے خوب خوب طبع آزمائیاں اور خامہ فرسائیاں ہوئی ہیں اسکی پوری حقیقت اپنے حد ثقل کے مطابق تو ہم اس سلسلہ کی پانچویں جلد میں پوری تفصیل سے لکھیں گے۔ ان شاء اللہ المستعان۔ لیکن تمہیداً حسب ذیل اشارہ کر دینا ضروری اور مناسب مقام ہے۔

قدرت الہی کو جب اس کے تمام صفات و تصرفات کے ساتھ ہم اور ہمارے علماء و حکماء تسلیم کر چکے ہیں اور اس سے بھی زیادہ ناممکنات کو مشاہدہ عینی اور بدہیات یقینی کے برابر مان چکے ہیں تو پھر حیرت قدرت کے اُس سہل اور آسان مظاہر کو مشکل و دشوار اور خارج از امکان کیسے کہہ سکتے ہیں۔ سید احمد خان مرحوم کو اس مسئلہ میں خاص طور پر تامل رہا ہے اور انہوں نے بڑے شد و مد اور رد و کد سے خطبات احمدیہ میں معراج کی تمام روایات مندرجہ کتب اسلامیہ کی تردید و تکذیب فرمائی ہے

گویا معراج جسمانی کے تمام دلائل و براہین کو غلط ٹھیکر اہل المؤمنین حضرت عائشہ اور امیر معاویہ کی مرویات پر اپنا فتاویٰ قائم کیا ہو اور اس واقعہ کو ایک خواب کے سپانہ پر محمولاً سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں مرویات اعتبار رکروہ سید صاحب صدیثون کے اصول تنقید کے مطابق مراہیل اور موقوف الاسناد و احادیث ثابت ہوتی ہیں کیونکہ وقت وقوع اسکا نہ سال نبوت ثابت ہوتا ہے جسکو سید صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ تو پھر اسوقت حضرت عائشہ شرف زوجیت میں آئی گمان تھیں۔ غالباً جناب صدیق اکبرؐ خیر کج بقید حیات تھیں۔ اس لئے انکا بیان کیسے صحیح اور قابل اعتبار ہو گا۔ یہی حالت معاویہ صاحب کی ہے وہ شاید اگر پیدا ہو چکے بھی ہوں تو وہ وہ پیتے ہوں گے! اسلئے قابل الروایات نہیں۔ اور اصول تنقید احادیث کی روش تو شہ سہری تک جب تک یہ اسلام سے مشرف نہ ہوئے کسی مسلمان کے آگے قابل الروایات ہو بھی نہیں سکتے۔ اسلئے علاوہ قاعدہ تنقید کے مطابق یہ دونوں حضرات اگر موجود بھی ہوں اور قابل الروایت بھی ہوں تاہم شریک واقعہ نہیں تھے جو جسم مطہر رسول کو بستر مبارک پر رہنا دیکھ سکے ہوں۔ کیونکہ با اتفاق جمہور واقعہ معراج مکہ معظمہ میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں واقع ہوا۔ ابن اثیر ابن ہشام قسطلانی وغیرہم

تیسرے راوی حسن بصری ہیں جو صحابی بھی نہیں۔ تابعی ہیں۔ اور یقیناً اسوقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اس لئے ثابت ہو گیا کہ ان حضرات میں سے کوئی صاحب شریک واقعہ نہیں تو ایسے بنا پر کسی کا بیان نہ قابل اندراج ہو سکتا ہے نہ لایقی احتجاج۔ سید صاحب اپنا خام اصول طبعی کے مطابق اپنی عقل و ادراک سے پہلے ہر واقعہ میں حکما عقل کی نقل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ بھی حکما سے یونان کے خشک فلسفہ و حکمت پر سب سے بڑی غلط فہمی جو تحقیقات و دینیات میں آپ کو واقع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ ہر اسلامی واقعہ کو یورپین علما و حکما کے اصول تالیف کے مطابق اوتارنا چاہتے ہیں اور تمام مرویات قدیمہ اسلام کو مندرجات کتب قدیمہ کے موافق تلاش کرتے ہیں اسی وجہ سے آپ نے بہت سی مرویات اسلامی کی تکذیب و تلعین و محض بنیاد پر کردی ہے کہ مرویات تورات اسکے مخالف ہیں۔ جیسا کہ فریج اسحق اور حقیقت محمد الاسود اور خود باشند گ پرستی طریقہ عبادت اولاد البرہم۔

ہم کہتے ہیں کہ سید صاحب مرحوم نے بڑی غلطی کی کہ اس واقعہ معراج کی حقیقت کو بھی اپنے دستور و عادت کے مطابق تورات میں نہ دیکھ لیا۔ کہ اوسین انبیاء کو حصول معراج کی کیا صورت بتلائی گئی ہو سفر نکوین میں حضرت یعقوبؑ کی معراج اور سفر تاراج میں حضرت سلیمانؑ کی معراج۔ آسمان پر نہ لگا کر بتلائی گئی ہے نہیں معلوم کمان قدیم الامی مرویات پر ہمارے سید صاحب مرحوم کون سی دلیل قوی رکھتے تھے۔

ہم اپنی تمہید میں معراج کے متعلق صرف اتنی ہی بیان کو اس مقام پر کافی سمجھتے ہیں۔ حکما و علما و اسلام میں یہ بحث مسئلہ ہمیشہ معرکہ الارار رہا ہے۔ امام بانی امام غزالی محقق طوسی اور ملا عبد اللہ الزرق لاہی وغیرہم نے بڑی بڑی معقولی بحث اس موضوع پر کی ہیں۔ اور ہر قرنیہ سے معراج جسمانی اور اسکی معقولیت کے تمام مشاہدات کو عین امکان ثابت کیا ملا خط

معراج القدس مضامین عالیہ۔ تجزیہ اور گوہر مراد لیکن ان تمام حضرات کے بیانات و اکتشافات سے زیادہ سہل اور عام فہم مضامین میں شاہ فی اللہ صاحب محدث و ہادی نے معراج کے تمام مقاصد و مشاہد کو بتلایا ہے اور سمجھایا ہے اور انکی خاص عبارت مع ترجمہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

وَأَسْرَى بِهِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى ثُمَّ إِلَى السَّمَاءِ الْمُنْتَهَى وَالْإِلَهَ مَا شَاءَ اللَّهُ وَكُلَّ ذَلِكَ يَجِدُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَاللَّهُ وَسُورَتِي الْبَقَّةَ وَلَكِنْ ذَلِكَ فِي مَوْطِنٍ هُوَ بَرَزَجٌ بَيْنَ الْمَثَالِ وَالشَّهَادَةِ جَامِعٌ الْأَحْكَامَ فَطَهَّرَ عَلَى الْجَسَدِ أَحْكَامَ الرُّوحِ وَتَمَثَّلَ الرُّوحُ وَالْمَعَانِي الرُّوحِيَّةُ الْأَجْسَادُ أَوْلَادُكَ بَانَ لِكُلِّ وَاقِعَةٍ مِنْ تِلْكَ الْوَقَائِعِ تَعْبِيرٌ۔

وَأَمَّا رُكُوبُ الْبَرَقِ فَحَقِيقَةُ اسْتَوَاءِ نَفْسِهِ النُّطْقِيَّةِ عَلَى السَّهْلِ الَّتِي هِيَ الْكَمَالُ الْحَيَوَانِي فَاسْتَوَى رَاكِبًا عَلَى الْبَرَقِ كَمَا غَلَبَتْ أَحْكَامُ نَفْسِهِ النُّطْقِيَّةِ عَلَى الْبَهْمِيَّةِ وَتَسَلَّطَ عَلَيْهَا۔

وَأَمَّا مَرَاتِلُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى فَلَا تَهْمَلُ ظُهُورَ شَعَائِرِ اللَّهِ وَمَتَلَقَ هَمَمَ الْمَلَأَةِ الْأَعْلَى وَمَطْمَحَ انْظَارِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَكَانَتْ كَوْعَةً عَلَى الْمَلَكُوتِ وَأَمَّا مَلَاقَاتُهُ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ وَمُفَاخَرَتُهُ مَعَهُمْ فَحَقِيقَتُهُمَا اجْتِمَاعُهُمْ مِنْ حَيْثُ اسْتَبَانَ طُهُورُ خُطْبَةِ الْقُدُسِ وَظُهُورُ مَا اخْتَصَّ بِهِ مِنْ بَيْنِهِمْ مِنْ وَجْهِ الْكَمَالِ۔

وَأَمَّا رُقْبَتُهُ إِلَى السَّمَوَاتِ سَعَاءَ بَعْدَ سَعَاءٍ فَحَقِيقَةُ الْإِسْلَاحِ إِلَى مَسْتَوَى الرَّحْمَنِ مِنْزِلُهُ بَعْدَ مَنْزِلِهِ وَمَعْرِفَةُ حَالِ الْمَلَائِكَةِ الْمُؤَكَّلَةِ بِهَا وَمِنْ يَحْتَقِبُهُمْ مِنْ أَفْضَلِ الْبَشَرِ وَالتَّدْبِيرِ الَّذِي أَوْحَاهُ

بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد اقصیٰ تک پھر سدرۃ المنتہیٰ تک اور جہان تک کہ خدا نے چاہا سیکرائی گئی۔ یہ سب کچھ جسم کے ساتھ بیلاری میں تھا لیکن سمجھ رہے تھے کہ یہ ایک مقام ہے جو عالم مثال اور شہادت کے درمیان واقع ہے۔ اور ہر دو عالم مذکورہ کے احکام کا جامع ہے جسم پر اس عالم میں روح کو احکام ظاہر ہوئے اور روح و معانی نے جسم قبول کر کے تمثیل اختیار کی اس لئے ان تمام واقعات میں ہر ایک واقعہ کے واسطے ایک خاص معنی ہے اور تعبیر۔

براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ نفس نامطہ نشتمہ پر جو کمال حیوانی ہے غالب آجائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر وہی نبوی سے سوار ہوئے جس طرح آپ کے نفس انسانی کے احکام قوت سمیعیہ پر غالب اور تسلط ہیں۔

مسجد اقصیٰ تک کی سیر اس لیے ہے کہ وہ شعائر الہیہ کے ظہور کا محل ہے ملا اعلیٰ کی تمہین اس سے متعلق ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام کی نگاہوں کی نظر گاہ ہے۔ گویا وہ ملکوت کا ایک قبہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام سے ملاقات اور معاشرت کی حقیقت یہ ہے کہ خطیرۃ القدس سے جو انکو اجتماعی ربط و ضبط حاصل ہو اور اجتماعی امور کا نہایت کمالیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام جگہ ظہور ہو۔

آسمانوں پر کیے یا دیگرے چڑھنے کی حقیقت یہ ہے کہ درجہ بدرجہ تعلقات طبعی سے کل کڑ ستوی (جائے استقرار) زمین کی طرف جانا ہے نیز اون فرشتوں کی حالت سے معرفت حاصل ہونا۔ آنحضرت صلعم اور آپ کی اس بزرگان قوم کے فریب تر رہنے پر امور ہیں۔ نیز تدبیر کلیہ کی نشا



اللہ فیہا والاختصاص الذی یحصل فیہا  
وَأَمَّا بُكَاءُ مُوسَى فَلَيْسَ بِجَسَدٍ وَلَكِنْ مِثَالُ الْفَقْدِ  
عَمُومِ الدَّعْوَةِ وَبَقَاءِ كِمَالِ لَوْ يَحْصِلُ بِمَا هُوَ فِي وَجْهِهِ  
وَأَمَّا سِدْرُ الْمُنْتَهَى فَشَجَرَةُ الْكُونِ وَتَرْتِيبُ بَعْضِهَا  
عَلَى بَعْضٍ وَالْجَمَاعَةُ فِي تَدْبِيرِ وَاحِدٍ كَالْجَمَاعِ الشَّجَرَةِ  
فِي الْغَارِيَةِ وَالنَّامِيَةِ وَنَحْوِهَا لَوْ تَمَثَّلُ حَيَوَانَاتُ  
التَّدْبِيرِ الْجَمَلِ الْأَجْمَالِ الشَّبِيهِ السِّيَاسَةِ الْكُلِّ  
أَفْرَادَهُ وَأَنَّمَا اشْتَبَهَ الْأَشْيَاءُ الشَّجَرَةَ دُونَ الْحَيَوَانِ  
فَإِنَّ الْحَيَوَانَاتِ فِيهِ قُوَى تَفْضِيلِيَّةٌ وَكَأَرَادَةٍ فِيهِ أَسْبَحُ مِنْ  
سُنَنِ الطَّبِيعِيَّةِ -

وَأَمَّا الْأَنْهَارُ فِي أَسْلَافِهَا فَأَفْضَلُ فِي الْمَلَكُوتِ  
خُذُوا الشَّهَادَةَ وَحَيَوَةً وَأَمْنًا فَلِذَلِكَ تَعَيَّنَ هَذَا  
بَعْضُ الْأُمُورِ النَّافِعَةِ وَالشَّهَادَةِ كَالْبَيْتِ وَ  
الْقُرْآنِ -

وَأَمَّا الْأَنْوَارُ الَّتِي فَشَلَتْهَا قُدْرَاتُ الْهِمَّةِ وَ  
تَدْبِيرَاتُ رَحْمَانِهِ فَلَعَلَّتْ فِي الشَّهَادَةِ حَيْثُمَا اسْتَعَلَّتْ  
لَهَا - وَأَمَّا الْبَيْتُ الْمُحْتَمِلُ خَقِيقَةُ الْجَمَلِ إِلَّا لَهِيَ الَّذِي  
يَتَوَجَّهُ إِلَيْهِ سَجْدَاتُ الْبَشَرِ وَتَضَرَّعَاتُهَا يَمَثُلُ بَيْتًا  
عَلَى خُذْوِهَا عِنْدَ هَرَمِ الْكَعْبَةِ وَبَيْتِ الْمَقْدَسِ  
وَأَمِنْ خَمْسِ صَلَوَاتِ بِلْسَانِ الْفُجُورِ لَا فَخْشٍ  
بِالْحَبْتِ الثَّوَابِ - ثُمَّ وَضَحَ اللَّهُ مَرَادَهُ تَدْبِيرًا لِيَعْلَمَ  
أَنَّ الْحَجَّ مَدْفُوعٌ أَنَّ النِّعْمَةَ كَامِلَةٌ وَتَمَثَّلُ هَذَا  
الْمَعْنَى مُسْتَدًّا إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنَّهُ  
أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ وَمُعَالَجَةُ الْأُمَّةِ وَمَعْرِفَةُ لِسَانِهَا

اور ان امور کی دریافت جن پر بلا کلمہ مقرر ہیں عرش مسابقت کیا کہتے ہیں  
گریہ موسیٰ واضح ہو کہ گریہ موسیٰ سے حد کا اظہار و نہیں بلکہ اظہار  
اس امر کا ہے کہ ان کی رسالت تمام دنیا کے لئے عام نہ تھی اور یہ کمال باقی  
جو موسیٰ کو ملا نہیں تھا سدرۃ المنتہی - درخت عالم ہے کہ ایک جو دوسری  
جو پرت تر تب اور پر سب کے سب مدبر و احد کے اندر جمع ہیں جیسا کہ درخت کا  
غذا و نمونہ بھی حال ہے - واضح ہو کہ کسی حیوان پر اس کی تمثیل نہیں کی گئی  
وہ تبیر کلیہ انبیا جو سیاست کلیہ سے مشابہت رکھتی ہے وہ بھی مفہوم انبیا  
بہت سے مشابہت اس کی درخت میں پائی جاتی ہے کہ ایک ہی تنہا مختلف قسم  
کی شاخیں - والیان اور پتے ہوتے ہیں اور غذا و نمونہ بلکہ تسخیر میں ہیں اور  
جنوں میں یہ مشابہت پائی کہ انسان میں قوامی تفصیلیہ بھی ہیں اور وہ  
الذہ بھی کہتے ہیں اور یہ سن طبعیہ سے زیادہ صریح ہیں -

دریا آسمانی کی اہل نہا کی رحمت فالصبر - جو عالم ملکات میں عالم  
شہادت کے محاذی موجود ہے نیز حیات و نمونہ بھی اسی میں داخل ہوا  
ظاہر عذاب نافذ مثل نیل و فرات وغیرہ کا تعین فرمایا گیا ہے -

الانوار الہیات - رہتہ مع انوار جنوں نے اس کو باپ لیا وہ تہذیبات رحمانی اور برہان  
برائی ہیں جو عالم طور میں جلوہ گستر اور نوریز ہیں - جہانک میں عالم میں ان کا مستند و پائے کا  
بیت المعمور کی حقیقت وہ تجلی ہے جس کی طرف بندگان خدا کی دعا  
اور تہجد و دعا کا رخ ہوتا ہے اور وہ خانہ کعبہ بیت المقدس کے محاذ میں جیسا کہ  
لوگوں کا ان ہر دو کو باہم اعتقاد ہے - ایک گھر کی تمثیل لئے ہوئے ہے  
پانچ وقتوں کی نماز کا تقریر بھی زبان تجویزی سے بجا ہو لیکن  
ثواب کے اعتبار سے یہ پانچ بیچ اس کے برابر ہیں - گویا خداوند عالم نے  
آہستہ آہستہ یہ سمجھایا ہے کہ ثواب تو (۵ کے برابر) کامل ہو اور ہر مرجع میں  
ادھا دیا گیا ہے - یہ مطلب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سند سے تمثیل کیا گیا  
ہو کیونکہ جناب مدوح بہت سے انبیا علیہ السلام سے امت کی اصلاح

درستی اور اصول سیاست اور شناخت و معرفت امت میں پڑے ہوئے ہیں -

شاہ صاحب کی مرقومہ بالا عبارت کو مشاہدات معراج کی اصلی حقیقت سمجھ کر ہم نے نہیں لکھا ہے بلکہ اس کی نقل سے ہمارا مدعا ہی خاص یہ ہے کہ حکمت و فلسفہ کے موجودہ زمانہ ارتداد میں جو معراج جسمانی کے محال ہونے کی متعلق دعویٰ کئی جاتے ہیں ان کو قریب العقول والا مکان ثابت کر دین دراز معراج کے مشاہدات غیبیات قدرت کو ایسے نازک اسرار ربانی میں خجکا تحمل الفاظ انسانی نہیں کر سکتا صاحب رحمۃ العالمین نے خاتمہ بحث پر جو عبارت حاشیہ لکھی ہے ہم اس سے پورا اتفاق کرتے ہیں انہیں نقل کر کے کچھ معراج کو تمام کر دیتے ہیں اور یہاں اس قدر بیان کو کافی سمجھتے ہیں۔ صاحب رحمۃ العالمین کہتے ہیں۔

علامہ ابن الیقیم کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و امام حسن بصری سے مروی ہے کہ اسرار روح مبارک کو ہوا تھا اور جسم مبارک اپنی جگہ سے محفوظ نہیں ہوا تھا۔ علامہ موصوف زابن الیقیم کہتے ہیں کہ اسرار روحی اور خواب میں بہت فرق ہے۔ اسرار روحی سے مراد تو یہی ہے کہ روح مبارک کو ان جملہ مہات کی سیرکرائی گئی۔ اور خواب میں یہ بات نہیں ہوتی۔ یہ درجہ اتم اکمل۔ اشرف اللہ اعلیٰ ہے۔ علماء کے ایک گروہ کا قول ہے کہ اسرار بدن اور روح کے ساتھ تھا۔ زاد المعاد ابن الیقیم صفحہ ۳۰۱۔

واضح ہو کہ روح حبدی کا انکار آج کل کے فلسفہ خشک کے اعتبار پر فضول ہے کیونکہ جس قاور مطلق نے اجرام سماویہ کے بھاری بھکم اجماع کو تمام رکھا ہے اور عین خلا میں اس کو قائم کیا ہے وہ جسم انسان کے جرم صغیر کو خلا میں لیجانے کی بھی ضرورت قدرت رکھتا ہے۔ آج کل لو کہیں OXYGEN کی طاقت سے ہوائی جہاز اور اون جہازوں کے اندر آدمی براہ راست ہیں۔ اس لئے خداوند کریم کا اپنے نبی کریم کو سواری برق جو البرق سے مشتق اور الکٹریسی (ELECTRICITY) کی طاقت مخفیہ کی جانب اشارہ کن ہے ملکوت السموات کی سیر کرنا کچھ بھی مستبعد نہیں۔ رحمۃ اللعالمین ۶۶

براق اور معراج کی گویا تمام بحث کو میر وحید صاحب مرحوم لکھنوی نے اپنے ایک مصرعہ میں لکھ کر تمام کر دیا ہے۔ جو براق کی صفت میں فرمایا گیا ہے۔ کہنے کو براق اصل میں طاق کی کشش تھی۔

وجوب نماز پنجگانہ | معراج سے واپسی کے بعد امت اسلامیہ پر پانچ وقتوں کی نماز واجب کی گئی۔ وجوب نماز کے تعین کی نسبت علماء دین میں اختلاف ہے۔ بیکار کا اختلاف ہے تحقیق کی جاتی ہے تو یہ اختلاف اصل بنانے کے وجوب میں یا اس کے تعین اوقات میں نہیں ہے رکعات کی نسبت اختلاف ہے۔ ورنہ اصل دو کوئی نماز فجر اور عصر کی تو بعثت کے وقت ہی سے واجب کر دی گئی تھی۔ اور ترکیب نماز بھی ناموس الہی نے اسی وقت تعلیم کر دی تھی۔ جبوقت وہ وحی الہی لیکر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

اگر اوروں علماء کے اقوال راجعہ رکھا جائے تو مطلقاً جب نماز کا واقعہ ہوا جنک کھنڈ لے آئے۔ تو سارا روبرا

وہاں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا مرنے مرنے لا الہ الا اللہ کہ جسے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں۔ ابو جہل اور ابن امیہ نے کہا کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے بالآخر ابو طالب نے کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر فزا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کروں گا جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ فرماوے۔

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرنے وقت ابیطالب کے ہوتھم ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے جو اس وقت کا فرستے کان لگا کر سنا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا ابو طالب وہی کہہ رہے ہیں۔ اس بنا پر ابو طالب کے اسلام میں اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی یہ روایت عمداً صحیح مانی جاتی ہے اسلئے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں۔ لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت قابل حجت نہیں کہ آخر اسی سبب ہیں۔ جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہیں تھے۔ اسی بنا پر علامہ عینی ذرا اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ابن اسحاق کے سلسلہ میں عباس ابن عبد اللہ ابن محمد اور عبد اللہ ابن عباس میں اور وہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی بیان بھی رہ گیا ہے اس بنا پر وہ دونوں روایتوں کے درجہ استناد میں چندان فرق نہیں۔

ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو جان نثار بیان کیں اوس سے کون اکا کر سکتا ہے وہ اپنے بزرگوشون ملک کو آپ کے لئے نثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت میں ہم عرب کو اپنا دشمن بنایا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اٹھائے شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب دوانہ بندھا۔ کیا یہ محبت یہ جوش یہ جان نثاریاں سب ضایع ہا یمنگی۔

ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے نہایت محبت تھی ایک دفعہ وہ بیمار پڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لئے گئے تو اونھوں نے کہا کہ بھتیجے جس خدا نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس کو دعائیں مانگا کہ مجھ کو اچھا کر دے۔ آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا خدا تیرا کھانا مانگا ہے آپ نے فرمایا اگر آپ بھی خدا کا کھانا مانتے تو وہ بھی آپ کا کھانا مانے سیرۃ النبوی ج ۱ ص ۱۸۲

چونکہ شعلی صاحب نجات ابیطالب کے متوقع اور ان کی با ایمان ہونیکے موید ہیں اس لئے ہم کو حضرت ابیطالب کے ایمان لائیکے متعلق بحث کرنا منظور نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے صاحب ایمان ہونیکے ثبوت میں متعدد کتابیں ہم سے صد ہا برس پیشتر تیار ہو چکی ہیں۔ اور خود سواد اعظم کے اکابر علماء و محدثین نے اس مسئلہ میں اپنے مخالفین کی تمام غلط فہمیوں کی مدلل اور مفصل طور پر تردید کر دی ہے کہ اب اس میں کسی کو غرور و کلام کی ذرا بھی گنجائش باقی نہیں ہے علامہ سیوطی کے خاص دور سالون کے علاوہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ خصوصاً ایسی حالت میں جب ان کی استعداد استرخا کو خلاف انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت و نفاقت سوا ہاتھ نہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ شعب کے سہ سالہ صاحب شہادت بنی بوڑھی جان پر پاداشت کر لئے نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ شعلی صاحب کی یہ غلط بیانی صرف نبی امیہ کی مدد رسانی تھی اور فضائل نبی ہاشم سے روگردانی۔ اللہ باقی من کل فانی۔ المؤلف صفی عنہ

عمدة المطالب - محمد بن طلحہ الشافعی - مطالب الرسول اور توضیح الدلائل - محمد بن یوسف اور استی المطالب فی نجات ابطال  
مفتی احمد بن زینی دحلان متولی مسجد الحرام - مکہ معظمہ - جو امام الحرمین سید محمد بن رسول الشہید علامہ بزرگنجی کی کتاب کا خلاصہ  
ہے یہ تمام تصنیفات و تالیفات اسی موضوع خاص پر مرتب ہو چکی ہیں۔

لیکن باوجود اسکے کہ شبلی صاحب نے اپنی تذکرہ بالا راے میں مؤلفین مرقوم الصدر کی تائید کی ہے مگر تاہم آپ کا طرز  
بیان پھر بہم کا مبہم ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپ کی ابہام کی ابھی صفائی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی قدیم کو تہ قلمی کی شکایت ہے  
شکایت بھی نہیں۔ کیونکہ یہ آپ کی عادت ہے خصوصاً بنی ہاشم کے حالات میں اور انسان عادت کو مجبور ہو کر کہ وہ طبیعت  
الثانیہ ہو جاتی ہے۔

بہر حال شبلی صاحب نے بہت بڑی فرہ گداشت یہ کی کہ حضرت ابطال کی اس وصیت کی نقل کی طرف توجہ  
نہیں کی جو انھوں نے تمام اکابر قریش کے مجمع میں اپنے بستہ مرگ پر اپنے فریسیہ بالکل قریب بین کی تھی اور جسکو قریب  
قریب تمام علماء و محدثین اور مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ اس کے نقل و مطالعہ سے آپ کو ان کے ایمان و اسلام کا پورا پورا  
لگ جاتا۔ ہم امام بزرگنجی کی عبارت و الفاظ میں اسکو سب ذیل نقل کر دیتے ہیں۔

یا معشر قریش انکم صفوة الله من خلقه وقلب العرب فیکو  
السید المتاع و فیکم المقدام الشجاع و الواسع الباع و اعلموا  
انکم لتکون العرب فی المآثر نصیباً الا اخر زعموه و لا ضفا  
الا ادرکموه فاکم بذلت علی الناس الفضيلة و لکم به  
الوسيلة و الناس لکم حرب و علی حربکم الب وانی  
ادصیکم بنعظیم هذه البندیة یعنی الکعبة فان  
فہما مرضات للرب و قواما للمعاش و ثباتا للوطاة  
وصلوا ارحامکم فان فی صلہ المرحم منشاء ای  
فسحة فی الاجل و زیادة فی العدد و اتوکوا البغی و  
العقوب ففیهما هلکت القرون قبلکم اجیبوا الداعی  
واعطوا السائل فان فیهما اشرف الحیات و المہیات و  
علیکم مصدق الحدیث و اداء الامانة فان فیہما محبة فی  
الخاص و مکرمة فی العام و اوصیکم بمعتمد خیرا فان  
الامین فی قریش و الصدیق فی العرب و هو الجامع

اور گرد و قریش تم خلیفہ قاتہ خدایں برگزیدہ ہو۔ اور عرب کے دل ہو سرور اقا  
اتباع۔ اور دلاور فراخ سینہ تم میں سے ہوتے ہیں تم بتائے ہو کہ  
عرب کی خوبیاں میں سے کوئی ایسا حصہ نہیں چھوڑا کہ جو تم نے نہ جمع  
کر لیا ہو اور کوئی ایسی فضیلت نہیں باقی رہی جو تم کو نہ مل گئی ہو  
سبب سے تم لوگوں پر فضیلت رکھتے ہو اور لوگ تمہارا وسیلہ و ہڈی ہو  
ہیں۔ لوگ تمہارے لئے ترسے والے اور تمہارے آلات حرب ہیں میں  
تمہیں اس مکان یعنی کعبہ کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ کہیں  
پروردگار عالم کی خوشنودی۔ روزی کا سہارا اور سامان کی درستی  
ہے اور جسکو رحم اختیار کرو کہ کیونکہ صلہ رحم میں کشائش ہے اپنی عمر  
کی زیادتی اور نسل کی کثرت۔ بنیادت اور نافرمانی کو ترک کرو کہ ان دونوں  
کے سبب تم سے پہلے بہت سے قرن (قومیں) ہلاک ہو چکے۔ (نہایت)  
کے دعوت کرنے والے کی سنو اور سائل کی حاجت پوری کر دینا کہ  
ان دونوں میں شرف حیات و ممات ہی اور تمہیں سچ بولنا اور ایمان کا اظہار  
لازم ہے کیونکہ ان دونوں باتوں کو سبک خواہ سے محبت نہوتی ہو اور عمر میں  
عزت اور میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت تمکو وصیت کرتا ہوں کہ



کل ما اوصیتکم به وقد جاء بامر قبلة الجنان وانكره اللہ  
مخافۃ الشان وایم اللہ کافی انظر الى صمالك العرب  
واهل الاطراف والمستضعفين من الناس ولا اجالو  
دعوتہ وصدق اکلہ وعظمو امرہ فخاص بهم في غم  
الموت فصار روضاً قریش وصنادیدها اذنا باو  
دورها خرابا وفعفاءها اربابا اذا اعظمهم عليه  
اخرجهم اليه وابدلهم منه اخطاهم عنده قد محضته  
العرب ودادها واعصته قيادها يا ماض قریش  
كونا لله ولاة ونحزبه حماة وفي رواية دونكم وابن  
ابیکم کو نواله ولاة ونحزبه حماة واللہ لا یسلک احد  
سبیلہ الا بشد اولی اخذ احد محمدیہ الاسعد ولو کان  
لفنی مدة ولا جلی تاخیر لکن غفت عنه الخ اخر  
ولد فعت عنه الذواهی وقال لهم ورة لن تنالوا  
بخیر ما سمعتم من محمد واتبعتهم امره فاطبعوه

توبند و

وہ امین قریش ہے اور صدیق عرب اور جن باتوں کی میں نے تمہیں وصیت  
کی ہو وہ ان تمام اوصاف کا جامع ہے وہ ایسا امیر آیا ہے جسے دل  
تو قبول کرتا ہے مگر زبان بخوف طعن انکار کرتی ہے۔ خدا کی قسم میں کو یا عرب  
فقیروں قرب و جوار کے باشندوں اور کمزور لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ انہوں  
نے اوسکی منادی قبول کر لی ہے۔ ان لوگوں نے اس کے کلام کو بے حق مان لیا  
ہو اور اس کے حکم کو بزرگ سمجھ لیا ہو اور وہ انکو لیکر موت کے جہنوز میں  
کو ڈھک رہا ہے اور وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار  
سب اونی درجہ کے ہو گئے ہیں ان کے مکان تک برباد ہو گئے ہیں اور  
جزیرہ دست محمد زبردست ہو گئے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو فحل و  
بزرگ سمجھتے تھے وہ اس کے محتاج بن گئے ہیں اور جو اوس کو دور و قریب  
آگے ہیں ابواب بادینے اسکی خالص دوستی اختیار کر لی ہو اور اپنی  
آپ کو اس کے اختیار میں دیدیا ہے۔ اگر وہ قریش اس کے دوست بن جاؤ  
اور اس کے گروہ کے حامی بن جاؤ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تمہیں اور  
تمہارے بھائیوں کو لازم ہے کہ اوسکی دوست بن جاؤ اور اس کے گروہ کو حامی  
ہو جاؤ اور تم بخدا کوئی ایسا نہیں ہو جو اسکی راہ چلے اور نیکی نہ پا کر اور اسکا

ہر قبول کرے اور سفید ہو جائے اور اگر میری زندگی میں کچھ دیر لگتی اور میری عمر کچھ اور ہوتی تو میں ہر قسم کی کالیف و مصائب و شدائد کو اوس سے  
دور کرتا۔ اور ایک بار قریش سے یہ بھی کہا کہ جب تک تم محمدؐ کی سنتے رہو گے اور اوس کے احکام کی پیروی کئے جاؤ گے تمہارے لئے بہتری  
ہی بہتری رہے گی۔ لہذا اوسکی اطاعت کرو کہ رشتہ ہو جاؤ۔ منقولاً عن قاضی ذہبی و حلان من کتاب السننی المطالب ص ۱۷۱

حضرت ابیطالب کے یہ الفاظ وصیت ہیں جو صاف بتلا رہے ہیں کہ انکا کہنے والا۔ ان کا اور اگر تمہارا۔ اوسوقت کے مسلمانوں  
سے محبت عقیدت اور حمایت اسلام میں اگر تیرے نہیں تھا تو کسی طرح کم بھی نہیں تھا۔

اب ہم حسب الوردہ شبلی صاحب کی مبہم عبارت اور دو حمل فیصلہ کا انکشاف کرتے ہیں۔

خبریت ہے کہ شبلی صاحب نے اپنے اس ابہام فی الکلام کی وجہ خود لکھ دی ہے۔ لکھتے ہیں کہ۔ اس بنا پر روایت بخاری اور  
ابن ہشام کے اختلافات و کلام ابوطالب کے اسلام میں اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے

اس لئے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں

اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ ایمان ابوطالب کے قائل ضرور ہیں لیکن بخاری صاحب کے خوف سے اقرار و اعلان

نہیں کر سکتے۔ تو سوال یہ ہے کہ پھر آپ کے اس بیان سے ایک تحقیق کے طالب کو کیا فائدہ ہو چکا۔ اور وہ کمان تک اصل حقیقت معلوم کر سکا؟ آپ کی آخری رائے دیکھ کر وہ اتنا کھدکھاتا ہے کہ آپ مودین اسلام ابو طالب کے ہجیال ہیں لیکن آپ خود محقق ہیں۔ جانتے ہیں کہ طالبان تحقیق کو کسی شخص خاص کی ذاتی رائے کے معلوم کرنے سے نسکین نہیں ہوتی تاوقتیکہ وہ اپنے دعائے تحقیق کی حقیقت اور اصلیت کو مع ان کے تمام اسباب و علل کے پورے طور سے نہ سمجھ لیں کہ آپ کی دُورخی رائے اور اسکی اہمیت اور سکو معلوم ہو گئی۔ جو اندونوں روایتوں پر مبنی ہے۔ ایک مسلم و بخاری کی روایت پر جو ایمان ابریطالب کے مخالف ہے۔ دوسری سیرت ابن اسحاق کی روایت پر جو ایمان ابی طالب کی سولیہ اور ثابت ہے۔

آپ نے ان متضاد روایات کو جمع کر کے کوئی فیصلہ کن رائے تو دہی نہیں۔ وہی ترجیح بخاری والا قدیم سلیط کر دیا۔ جس کا عنوان ایسے ہی مقامات کی ضرورت خاص کے لحاظ سے آپ نے اپنے دیباچہ کتاب ہی سے آغاز کیا تھا اور ہم نے بھی آپ کے دیباچہ کے تبصرہ میں مشہور ہی سے آپ کے اس منطوقہ مقدم ہوشیاری اور قلم کاری کا مفصل اور مدلل طریقہ سے انکشاف حقیقت کر دیا ہے۔

کیونکہ صاحب۔ ایک ایسا شخص بہتر مرگ پر رہا ہے جو آپ کے نزدیک مسلمان ہو نہیں اس کے اعتراف اور احباب اسکو آخری بار ہمیشہ کے لئے خصت کر کے ضرورت سے اس کے پاس جمع ہیں۔ یا ہم گفتگو ہو رہی ہے تو اس واقعہ اور اس کے ایسے تمام واقعات کو سیرت و تاریخ کے موضوع سے تعلق ہو گا۔ یا آپ کی حدیث و اصول کی کتابوں سے؟ اور ان تمام واقعات شخصی یا عمومی کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے آپ سیرت و تاریخ کا مطالعہ فرمائیں گے۔ یا حدیث و تفسیر کی مایفیات کو دیکھیں گے۔ کبھی کوئی شخص سیرت و تاریخ کے ہوتے ہوئے ان امور کی اطلاع و علم کے لئے حدیث و تفسیر کی کتابوں کو نہیں دیکھے گا۔ یہی تو آپ کی غرض خاص ہے کہ آپ نے ان خصوصیات سیرت و تاریخ کی تحقیق کو حدیث ہی کی کتابوں میں اور خصوصاً بخاری و مسلم میں دیکھنے اور اعتبار کرنے کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔ اس لئے اصول تحقیق کی بنیادیں واقعہ کی نسبت سیرت ابن اسحاق کی روایت پر اعتبار کیا جائیگا اور اس کے مقابلہ میں بخاری و مسلم کی روایات پر کوئی توجہ نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ سیرت ابن اسحاق بخاری و مسلم سے اتنی قدیم ہے کہ اس کی تدوین کے وقت علم الحدیث کا نام بھی نہیں تھا۔ بخاری و مسلم کجا۔

اب اصول تنقید سے بھی دیکھتے تو ابن اسحاق کی روایت میں کوئی نقص نہیں پایا جاتا۔ آپ خود لکھتے ہیں عباس بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عباس۔ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی بیان بھی رہ گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں رہا ہے۔ کیونکہ ابن اسحاق نے عباس بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عباس کے بعد لکھا ہے عن بعض اہلہ اپنے گھروالوں میں سے کسی کی زبانی؛ ممکن ہے کہ عباس ابن عبد اللہ کو وقت پر نام نہ یاد رہا ہو تو جب عن بعض اہلہ موجود ہو تو ایک راوی دوسرا موجود ہو۔ سلسلہ منقطع کیسے ہوا اور بیچ کا راوی رہ کیسے گیا؟ ایسی مثالیں آپ علی الاکثر تمام حدیثوں کے سلسلہ رواۃ میں پائیں گے۔ چنانچہ ابن سعد تو اکثر اپنی اسناد کی نقل قبل بعض اہل العلم سے شروع کر دیتے ہیں اور برابر ان کی روایتیں نقل ہوتی ہیں۔

عباس ابن عبد اللہ کی نسبت اب وضع حدیث کا گمان کر ہی نہیں سکتے کیونکہ خود لکھ چکے ہیں کہ عبد اللہ بن عباس اور عباس

بن عبد اللہ دو نو ثقہ ہیں۔ اس بنا پر آپ کو تسلیم کر لینا ہو گا کہ عباس ابن عبد اللہ نے اپنے بعض عزیز کا حوالہ دیدیا ہے اور نام نہیں بتلایا با صرف اس وجہ سے کہ اس وقت ان کو نام نہیں یاد رہا۔ پھر جب آپ کا معتبر و معتمد علیہ شخص یہ کہتا ہی کہ میں نے اپنے عزیز خاص سے سنا ہے اور صرف نام نہیں لیتا ہے تو کیا اس کا یہ بیان آپ کے نزدیک قابل اعتبار ہو گا؟ پھر جب آپ کی طرف سے دیکھے جان کو قابل استر و اد نہیں ٹھہر سکتے تو آپ کا عن بعض اہلہ کی موجودگی میں یہ بید ہر گ کہینا کہ سچ کا ایک راوی رہ گیا ہو کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ ضرور قابل تسلیم ہو گا کہ عباس بن عبد اللہ نے اپنے ایک عزیز سے اور اس نے عبد اللہ بن عباس سے در او ضمن نے اپنے پیر زبیر کو اور عباس ابن عبد المطلب سے سنا ہی حقیقت کی نظر سے دیکھتے تو ابن آحق کی روایت اول سے آخر تک متصل اور مسلسل اور کہیں سے بھی منقطع اور موقوف نہیں۔

اب اس کے مقابلہ میں بخاری اور مسلم کی روایت اور ان کی حقیقت سبھی صاحب خود و معتبرانہ طور پر تحریر فرماتے ہیں کہ بخاری کی یہ روایت جناب قابل احتجاج نہیں کہ اس راوی ابو مسیب ہے جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابو طالب کی وفات کی وقت موجود نہیں تھے۔ اسی بنا پر علامہ بخاری نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ جب اس روایت کی حقیقت حال اور نسبت رجال سے آپ واقف ہو چکے تھے اور اسکے ساتھ ہی ابن اسحاق کی روایت کے تعلق یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اسکے راوی بخاری مسلم و بخاری کے ثقہ ہیں اور یہ بطور مرفوع متصل مروی ہوئی ہے۔ تو پھر آپ نے صاف صاف نکتہ نہیں کیا کہ جو حدیث کیوں نہ کر دیا اور بتلادیا کہ ایمان ابی طالب کے مسئلہ میں اختلاف بیکار ہے۔ ابن اسحاق کی روایت سے ان کا ایمان لازماً حقیقی ہو رہا ہے۔ یہ کہہ کر کہ ابن اسحاق کی روایت کے متعلق آپ اپنا پورا اطمینان کر چکے ہیں۔ ایک در بیان کے راوی بخاری کا جو گمان لایا گیا تھا وہ بھی غلط تھا۔ راوی موجود ہے۔ مگر راوی اول کو اس کے نام کی جگہ اس کی خصوصیت یاد ہو کہ وہ اسکے گھر والے میں سے تھے تو اس روایت کا یہ اتنا ناقص بھی جاتا رہا۔ ان تمام دلائل سے ابن آحق کی روایت عقلاً و نقلاً بالکل صحیح اور فی الواقع ہے۔

لیکن با اینہما ایک عین کی اور ادھیں بھی بخاری کی قلمکاری نے اسلام کے ہر واقعہ کی حقیقت ہی بدل دی ہے اور آپ حضرات نے عقیدہ تمنا نہ طور پر یہ تمسید اسلاف کے زیر اثر ہو کر اور مؤلف و متحرک کے علمی و فاضل کے خلاف اور بخاری کی تائید و توثیق میں دفتر کے و فرسیا کر ڈالے۔ ابھی ابھی دعوت قریش کے واقعہ میں محض استخفاف فضائل علی کی غرض سے بخاری نے جیسی جیسی قلمکاریاں و کلامی ہیں ان کی پوری حقیقت کا صفحہ گذشتہ کو عبارات زیریں حاشیہ میں پورا الکشاف کر دیا گیا ہے۔ اس واقعہ میں بھی جہاں تک حقیقت کی نظر ڈالی جاتی ہے حضرات مسلم و بخاری کی قلمکاری ہی ثابت ہوتی ہے۔

انما لکھ کر اب ہم اس بحث کے دوسرے پہلو کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم بخاری اور مسلم صاحب کی مرویات پر اعتبار کریں تو ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ان روایات میں حضرت امیہ ابی طالب نے کن الفاظ میں انکار ایمان کیا ہے تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری و مسلم نے ابو طالب کے اس کلمہ کو کہ میں عبد المطلب کے

دین پر قرا ہوں۔ انکا ایمان سمجھا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلم و بخاری حضرت عبدالمطلب کے ایمان کے بھی قائل نہیں ہیں اور انکا کافر مرنابھی (نعوذ باللہ) صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ اوندونو علما کا یہ قول جمہور علماء و محدثین کی مختار متفقہ سے بالکل مخالف ہے شرح زرقلنی میں حضرت عبدالمطلب کے ایمان قضا کرنے کی بڑی طبعانی بحث صفحہ ۱۹۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۲۹ پر تمام ہو ہے اور توجہ بحث میں حضرت عبدالمطلب کہ تمام عمر دین ضعیف پر ثابت اور مسلک توحید پر قائم بتلایا ہے اور خاتمہ بحث پر اکثر محدثین و معقین کے اقوال سے واقعہ اسی البقیل اور نہایت اہم الاثر ہے۔ کہ تعلق آپ کو صاحب کرامات تسلیم کیا ہے اور ذہبلی صاحب نے بھی دیباچہ میں مفصلہ ذیل واقعہ کو اس کے سوا نہ دیکھتے ہوتے ہیں تو ان فرمایا ہے۔

ابن ندیم نے لکھا کہ میں نے امون الرشید کے اہل بیت میں ایک و نامہ بزرگ بھی پتی جو عبدالمطلب ابن ہاشم (آنحضرت صلیم کے جد امجد) کے ہات کی لکھی تھی۔ اوسکے الفاظ یہ تھے۔

|                                 |  |
|---------------------------------|--|
| حق عبدالمطلب بن ہاشم۔           | عبدالمطلب بن ہاشم کا بیٹا ہے وہ یہ واقعہ فلان ابن  |
| علی فلان بن فلان الحدیثی من اہل | فلان تیری پر ہے۔ جو صنعا میں ایک کیم علاقہ میں شہر |
| وزل صنعا علیہ الف۔              | افضل کا رہنے والا ہے۔ یہ پاندی کے ہزار درم ہیں جب  |
| کیلا بالحدیدہ و مٹی۔            | طلب کیا جائے گا وہ ادا کر دے گا۔ خدا اور اس کے دو  |
| سہد اللہ والماء کان             | فرشتے گواہ ہیں۔                                    |

جب شبلی صاحب کے ان اعترافات اور مذکورہ بالا علماء و محدثین کی مذکورہ بالا تحقیقات سے حضرت عبدالمطلب کا دین و بیعت اور مسلک توحید ثابت ہوتا ہے اور انھیں مسالک پر اوٹھون سے نہایت رعایت فرمائی۔ تو اب ابی طالب کا انتقال فرماتے وقت یہ اقرار کرنا چیکو نہ صاحب صحیحین مسلم و بخاری لکھتے ہیں کہ میں دین عبدالمطلب پر قرا ہوں کیسے (نعوذ باللہ) اور کافر سربل کی دلیل ہو سکتا ہے کیونکہ دین عبدالمطلب جب دین ضعیف اور شیعہ توحید ثابت ہو چکا اور یہی اس کے ثبوت ایمان کیلئے کافی تسلیم کر لیا گیا۔ تو پھر دین و ایمان اربط البین جو باقر اور ان کے عین دین و ایمان عبدالمطلب کسی کو کیا غدر و کلام ہو سکتا ہے ہم اس سے زیادہ بحث نہیں لکھیں گے تحقیق فرید کے لئے عمدۃ المطالب۔ مطالب السؤل۔ اسی المطالب بالیقینات

لحمہ اس موقع پر شبلی صاحب کو انکی سدرہ بالا بحث پر کچھ کارادی رہ گیا ہی یاد دلالتیں کہ راوی رہا نہیں۔ ذکر موجود ہے نام نہیں یاد رہا۔ جیسا کہ ابن ندیم کو پوری عبارت و ستاویر (سہین ٹوٹ) یاد رہی لیکن قرض گیرندہ کا نام یاد نہیں رہا۔ تو کیا اس سے دستاویز کا وجود ہی غائب کرو یا جائے گا۔ علی الاکثر کتابوں میں محدثین کا یہی دستور پایا جاتا ہے ابن ندیم نے بھی وہی قدیم طریقہ نقل اختیار کیا ہے اور اس دستاویز میں قرض لینے والے کا نام چونکہ ہو گیا ہے اسلئے فلان بن فلان لکھا لیکن ماہم حمیری کا لفظ لکھ کر دسکی قومیت بتلا دی۔ اسی طرح ابن اسحاق کے راوی کو اپنے اوس عزیز کا نام وقت پر یاد نہ رہا مگر شخصیت اور خصوصیت ضرور یاد تھی۔ اس لئے بعض اہل لکھدیا تو کیا یاد کیا بخاری صاحب تو اکثر نقل جارحیت میں فلان بن فلان اور کذا و کذا کی اشارت سے برابر کام لیتے ہیں۔ المولف عفی عنہ



امام سبکی قرطبی شمرانی اور علامہ شبلی اور امام سیوطی کے رسالجات کی طرف جو نجات ابائی کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع خاص پر لکھے گئے ہیں۔ رجوع کرنا چاہیئے۔

بعد ابطال رسول اللہ کے مصائب ان دونوں پر درپے صدقات نے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیدار و آواز نہ رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر اور گلیاں تھا۔ حضرت ابی طالب کے ایسا مری اور سرپرست سر سے اٹھ گیا لیکن بدخواہ۔ بیدار و آواز ظالم کفار قریش کی دلی مداخلت برائیں تمنا میں پوری ہوئیں۔ اب نہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پہلویت حضرت نجمہ الکبریٰ (سلام اللہ علیہا) کی ایسی ہر دو غم میں ہر وقت کی شریک و رفیق بی بی باقی ہے۔ جو ترو و فکر اور رنج و غم میں آپ کو تسکین و تسفی دے اور نہ سرچہ حضرت ابی طالب کے ایسا غم بزرگوار اور پرستار قائم رہتا جو ظالمین کے اور دشمن قریش کے ملک حملوں سے آپ کو بچائے اور حضرت و حمایت غزائی۔ انکی انھیں خصوصیات کی رعایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ کی جگہ یتیم ابی طالب کے لقب خاص سے مشہور تھے۔ ان کے اٹھ جانے سے مخالفین کو آپ کی ایذا رسانی کی عملی تربیوں میں پوری آزادی مل گئی۔ اور اب انکو مائل و محفل کی کوئی ضرورت یا مجبوری باقی نہیں رہی۔ اس وقت تک انکو جو کچھ تامل ہوتا تھا وہ صرف حضرت ابی طالب کی غفلت اور ذاتی وجاہت کے سبب سے جبکہ وہ اپنی وفد کی پیش کرنے کی ہر موقع میں اپنی تقریروں کیسا تھا معترفانہ طور پر ظاہر کر چکے تھے۔ اب وہ نہیں رہے تو یہ مجبوری بھی نہیں رہی۔ اور اب وہ کمال آزادی و بیباکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا دہی اور تکلیف رسانی میں مگرم اور مستعد ہو گئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکہ میں رہنا دشوار ہو گیا۔ آپ انکی اس دلیری اور جرات کے سبب کو خوب جانتے تھے۔ اس وقت جناب ابی طالب کی شفقت و مرحمت مریدانہ کو یاد فرما کر اکثر اشرار و فرما کر فرماتے

يا عظمى ما اسخ ما وجدت فقدك  
اے عم بزرگوار آپ کے بعد جو مجھ پر نیوالی تھی کیسی جلد بڑی اسنی ابی طالب ص ۶۲

مطبوعہ دہلی۔

جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مصائب و شدائد متواترہ سے ایسے متاسف اور متاثر ہوئے تھے کہ آپ نے ان غم و مصائب کی خاص رعایت سے اس سال کا نام عام الحزن رکھا تھا۔ جو آج تک اسلام کی کتب یا تاریخ و حدیث میں منقول و مذکور چلا آتا ہے۔ شبلی صاحب رقمطراز ہیں

ابی طالب اور عذیبہ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کلباس تھا۔ اب وہ نہایت بی رحمی و بیباکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ راہ میں جا رہے تھے کہ ایک شقی نے اگر فرق مبارک پر خاک ڈالی اسی حالت میں آپ گھر میں تشویش لائے۔ آپ کی سا جنراوی نے دیکھا تو پانی لیکر آئیں۔ سر و ہوتی عین لہجہ و جوش محبت و درونی جلتی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ جان پدر رو و نہیں۔ خدا میرے باپ کو بچائے گا۔ طبری و ابن ہشام۔

سفر طائف اور رسول اللہ  
مسلم کی مصیبتیں

باوجود اسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متواتر صدقات پیش آئے مخالفین قریش اور منافقین مکہ نے گھر میں رہنا دشوار کروایا انکے ہر وقت کے ظلم و ستم سے بچنا دشوار ہو گیا۔ نہ جای ماندن پارتین

کی نوبت پہنچ گئی۔ مگر با این ہمہ جس منصب عظیم کے لئے آنحضرت صلعم منجانب اللہ مبعوث فرمائے گئے تھے جس عمدہ جلیل کی تبلیغ و تعلیم کے لئے بہترین تعلیم پر ہامور کئے گئے تھے اسکے انجام دہی اور اداکاری میں سر مو فرق نہ آیا۔

اتنے خزن و ملال اور ایسے اضطراب و انتشار کے عالم میں بھی آنحضرت صلعم کو ہمہ اُسی کی فکر تھی اور اسی کا خیال یہ تو ظاہر تھا کہ مکہ معظمہ میں رکھو دعوت اسلام میں مخالفت قریش کی وجہ خاص سے حقدار و شواریان اور مشکلیں پیش آتی تھیں اب وہ اس قدر شدید اور ناقابلِ برداشت ہو گئی تھیں کہ گویا آنحضرت صلعم کو مکہ میں رکھا اپنے امور میں آئندہ کامیابی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی اس بنا پر غم و رقتا کہ اب نیرنجات میں خود تشریف لے جا کر بالذات نفس النفس اسکے لئے کوشش فرماتے۔ اس تجویز میں سب سے پہلے آپ طائف میں تشریف لے گئے۔ یہی صاحبِ سفر طائف کے حالات مفصلہ ذیل عبارت میں لکھتے ہیں۔

اہل مکہ سے تو قطعی ناامید ہی تھی۔ اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں دعوت اسلام فرمائیں۔ طائف میں بڑے بڑے امرا اور صاحب اثر رہتے تھے۔ ان میں عمیر کا خاندان میں القباہل تھا یہ تین بھائی تھے۔ عبدیالہیل مسعود اور حنیب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انک پاس گئے۔ اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے جواب دے وہ نہایت عبرت انگیز تھے۔ ایک نے کہا کہ اگر تجھ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ (غضبت) چاک کر رہا ہے۔ دوسرے نے کہا کیا تجھ کو پیغمبری کے لئے میرے سوا اور کوئی نہیں ملتا تھا۔ تیسرے نے کہا میں بہر حال تجھے بات نہیں کر سکتا۔ تو اگر سچی تو تجھے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے۔ اور اگر جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل ہی نہیں۔

ان بدبختوں نے اسی پر کٹھا نہیں کی۔ طائف کے بازار یوں کو ابھار دیا کہ آپ کی مہنسی اور امین۔ شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ یہ مجمع دور و درو یہ صف باندھ کر کھڑا ہوا۔ جب آپ اور ہر سے نکلے تو آپ کے باؤں پر پتھر مارنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ کی جوتیاں خون میں بہر گئیں جب آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھما کر کھڑا کر دیتے جب آپ پہر چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے اور ساتھ ساتھ تالیاں بجاتے جاتے۔ آخر آپ نے ایک باغ میں انگور کی ٹیوں میں پناہ لی۔ یہ باغ عقبہ بن جحہ کا تھا جو باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا اس نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو اپنے غلام کے ہاتھ جکنا م مار کر لے لیا۔ انگور کا خوشہ ایک کشتی میں لگا کر بھیجا۔ اس سفر میں زید بن حارثہ بھی ساتھ تھے۔ سیرۃ النبی ص ۸۳

بیان میں انصاف شہابی صاحب کو اس قدر پسند ہے کہ وہ عبارت واقعات میں اس کی مناسبت و خیر مناسبت کا دل بھی خیال نہیں فرماتے۔ اسوجہ سے کہ قومی کا موجودہ شعرا آپ کے بیان میں ابہام پیدا کر دیتا ہو۔ اسکے علاوہ نقل و ترجمہ میں بھی آپ اپنے اصلی ماخذ سے اس قدر ترجمہ کرتے ہیں جب قدر اپنے مفید مطلب پاتے ہیں۔ باقی نادر و۔ حالانکہ آپ کے اسی قلمزور حتمہ روایت سے ارشاد رسالت کے ردحانی آثار ثابت ہوتے تھے۔ یقیناً ریسانِ ثقیف کے جواب میں بسائے رسالت سے جو ارشاد کیا گیا وہ بالکل مرفوع القلم فرما دیا گیا۔ حالانکہ طبری میں جو آپ کا مستند ماخذ ہے۔ آنحضرت صلعم کا یہ خوش اخلاقانہ جواب اس عبارت میں لکھا ہوا موجود ہے۔

وقد يأس من خير ثقيف وقد قال لهما فيما ذكر لي  
اذ فعلتم ما فعلتموا واكموا وكره رسول الله  
صلعم ان يبلغ قومه عنه فيذئروهم ذلك  
عليه من ۱۲ جرس

جب آپ رسول اللہ کی ہدایت کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تو آپ نے  
اون سے کہا کہ اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنی خیالات اپنے  
ہی پاس رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات دوسروں کے ہتھوڑا بن جائیں۔  
سبب بن جائیں۔

ایسے درد انگیز مصائب اور ٹھکانوں میں مجبور ہوں اور رحمت عالم نے بارگاہ اعدیت میں اپنی مصیبت کے اظہار اور عطائے رحمت و استغفار  
علیٰ المصائب کی غرض خاص سے جو دعا فرمائی ہے اس کے حرف عرف سے عدا کی جبروت و جلال اور آپ کی شان عبودیت اور تواضع و  
آکساری ہو یا آشکار ہے افسوس ہے کہ شبلی صاحب کے اختصار نے رسالت کے اس معیار کو بھی عام نگاہوں سے پوشیدہ  
رکھا۔ حالانکہ آپ کے یمون مافذ۔ مواجب لذنیہ۔ طبری اور ابن ہشام میں موجود وہی ہم زبان اندس کے ان دعائیہ فقرات کو ابن ہشام  
کے الفاظ میں سب ذیل لکھتے ہیں۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخموں سے چور۔ چلنے سے مجبور ہو کر عقبہ ابن ربیعہ کے باغ میں بیٹھ گئے تھوڑی  
دیر دم لے کر کچھ اطمینان ہوا تو یہ دعا فرمائی۔

اللهم اني اشد ضعف قوتي وقلة جلاتي وهواني  
على الناس يا ارحم الراحمين انت رب المستضعفين و  
انت رباني من مكنتني الى العبد شيئا مني اولى عذو ملكته  
امري ان لو يكن علي غضب فلا ابالي ولكن عافيتك هي  
اوسع لي اعود بنور وجهك الذي شرفك له الطلقات  
وصلح امر الدنيا والاخرة من ان ينزل بي غضبك او يحل  
علي سخطك لك العيتي حنة ترضي لاهول ولا قوة الا بك

انہی اپنی کمزوری بے سروسامانی اور لوگوں کے تحقیر کرنے کی نسبت  
میں تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ  
رحم کر دینا لاہی۔ اور وہ ماندہ عاجزون کا مالک ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے  
مجھے اب کس کے سپرد کیا جاتا ہے یا کیا بیگانہ ترش رو کہہ دیا اوس  
دشمن کے حوالہ کیا جاتا ہے جو کام پر قابو رکھتا ہے بلکہ جب مجھ پر  
نہیں تو مجھے اوسکی مراد کچھ نہیں کیونکہ تیری عافیت میرے لئے زیادہ  
زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات سے پناہ مانگتا ہوں جس سے سب

تاہیکیان روشن ہو جاتی ہیں اور دین و دنیا کے کام درست ہو جاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اور تیرے یا تیری نارضا مندی مجھ پر وارد ہو۔ عجیب  
تیرنی کرنا مندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔ طبری ۱۰۱ ص  
ایک عیسائی کا اقرار رسالت | اب شملی صاحب کے اوس قلم و حصہ روایت کو اس کے اصل مافذ سے لکھتے ہیں جس میں عقبہ  
بن ربیعہ کا آپ کی خدمت میں اپنے غلام عداس نامی کے ہات خوشہ انگور کا تحفہ بھیجا۔ عداس کا جو مذہب عیسائی تھا آپ کو صبر تحمل  
اور اخلاق پاکیزہ کا شاہدہ کر کے آپ کی رسالت کا اقرار کرنا۔ اور شرف باسلام ہونا تفصیل سے درج ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کی اختصار  
پسندی آپ کی کوتاہی۔ کتنے مفید مطالب و مقاصد کو۔ باوجودیکہ اصلی مافذ میں مرقوم ہیں قلمزد کر دیتی ہے۔ طبری اور ابن ہشام  
اس واقعہ کو مفصل ذیل عبارت میں لکھتے ہیں۔

فلما رای ابناربعه علیه وشیهه ما لقی تحکمت له حمها  
 قد عوالله غلاما نصرانیا یقال له عداس فقال له خذ  
 تحطامن هذا العنب وضعه فی ذلک الطیق ثم اذهب  
 به الی ذلک الرجل فقل له یا کل منه ففعل عداس ثم  
 اقبل به حتی وضعه بین یدی رسول الله صلعم فلما  
 وضع رسول الله صلعم یدیه قال بسم الله ثم اکل فخطب  
 عداس الی وجهه ثم قال والله ان هذا الکلام ما  
 بقوله اهل هذه البلاد قال له رسول الله صلعم ومن  
 اهل ای البلاد انت یا عداس وما دینک قال انا نصرانی  
 فلما رجل من اهل ینبوی فقال له رسول الله صلعم  
 امن قریة الرجل الصالح یونس بن متى قال له وایا یدیه  
 ما یونس بن متى قال رسول الله صلعم ذلک اخی کان بیتی  
 وانا بیتی ذاکب عداس علی رسول الله صلعم یقبل راسه  
 ویدیه ورجلیه قال یقول ابناربعه احد علماء  
 زما غلامک فقد افسده علیک فلما جاء هذا عداس  
 قال له ولیت یا عداس مالک تقبل راس هذا الرجل ویدیه  
 وقد میه قال یا سیدی ما فی الارض خیر من هذا الرجل  
 لقد خیرونی بامر لا یعمله الا نبی الله فقال زلیمت یا  
 عداس لا یصر فلتک عن دینک فان دینک خیر من دینک  
 طبری ص ۱۷۰ ج ۱

تیرا دین تو اس کے دین سے خود بہتر ہے۔

جب عقبہ و شیبہ سپران بربعہ نے آپ کا (آنحضرت صلعم) یہ حال دیکھا تو حیران ہو کر  
 اپنی غلام نصرانی مارن نامی کو بلایا اور کہا کہ انکو رکھا ایک خوشہ کشنی میں لگا کر اس  
 شخص کو دی آ غلام حکم کے مطابق خوشہ انکو رکھ کشنی میں لگا کر ان شخص  
 صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کے سامنے رکھ دیا آپ نے انکو دین  
 درست مقرر کیا اور زبان مبارک سے پہلے بسم اللہ فرمایا پھر انکو رکھانے  
 شروع کر دیے۔ عداس نے نہایت حیرت سے جواب رسالت صلعم کی طرف دیکھا  
 اور پہلے تو ایسا کلام ہے کہ بیان کے باشندے ایسا کبھی نہیں کیا کرتے  
 نبی صلعم نے پوچھا۔ عداس تم کہاں کے باشندے ایسا کبھی نہیں کیا کرتے  
 عداس نے جواب دیا میں ینبوی کا رہنے والا اور عیسائی مذہب کا آدمی ہوں  
 آنحضرت صلعم نے فرمایا تم مرد صالح یونس بن متى کے شہر کے رہنے والے تھے  
 عداس نے کہا آپ انھیں کیا جانیں رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا جان  
 دہ تو میرے بھائی ہیں بن بھی بنی اللہ ہوں اور وہ بھی بنی اللہ تھے۔ عداس  
 نے سختی رسول اللہ صلعم کے قدم پر گر پڑا اور اسنے آپ کے فرق منظر اور دست  
 پائے مبارک کے پے و پے بوسے کئے۔ عقبہ اور شیبہ دو سیر غلام کی اس  
 حیرت انگیز معیشت کو دیکھ کر اپنے دل میں کہنے لگے کہ تو غلام تو ہاں مگر  
 گیا اتنی میں عداس لوٹ کر گیا۔ تو اس سے کہنے لگے کہ مجھ سے کچھ کہنا ہو گیا  
 تھا کہ بلا سبب اس شخص کے ہاتھ پاؤں چوسنے لگا۔ عداس بولا جعفر و اللہ  
 شخص سے بہتر آج کوئی دوسرا شخص رملے زمین پر نہیں جاسے مجھے وہ خبر  
 بتلائی ہے کہ جو سوا نبی اللہ کوئی دوسرا شخص کبھی نہیں بتلا سکتا۔ دونوں نے  
 ملکر عداس کو زور سے ڈانٹا اور کہا کہ خبردار کہیں اس کے پیچھے اپنا دین نہ چھوڑ دے

رسالت کے ارشاد و ہدایت کا اتنا عظیم الشان معتبر اور پراثر واقعہ اور شبلی صاحب کے ایسے محقق کے قلم سے قلمزد کر دیا جائے  
 تعجب ہے تعجب پر تعجب تو یہ ہے کہ سیرۃ النبی کی تالیف میں زیادہ تر عیسائیت ہی سے استلال کیا گیا ہے اور ہر ایسے مقام میں  
 عیسائیت کی خام اور ناقص تعلیم کے مقابلہ میں اسلام کی کامل اور موثقیقین و ہدایت کے واقعات دکھائے گئے ہیں۔ لیکن  
 یہ واقعہ جو ہر قرینہ اور عنوان سے قابل استلال تھا کیونکہ قلم انداز کر دیا گیا ہے اس کا ظاہری سبب سوائے مولف کے عدم تفحص واقعات



اور کوثر قمری کے انداز خاص کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

ہم اس سہیلے اسلام لانے والے عیسائی کے حالات کو خاتمہ تک پہنچا دینا ضرورت اور مناسبت مقام و دنوں اعتبار سے منفیہ بنتے ہیں۔ زرقانی اس کا آل خیابان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

اوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھک گیا آپ کے فرق مطر اور دست و پاؤ مبارک کے برے لئے اور اسلام لایا۔ خدا تعالیٰ اوس سے راضی ہو سیرۃ النبی کے مصنف علامہ ابن عقبہ النعمانی لکھتے ہیں کہ عداس نے اسلام لانے کے وقت اقرار کیا کہ آپ خدا کے بندے اور رسول ہیں۔

فأجاب عداس على يد يده وراسه ودخله يقبلها  
باسم رسول الله عنده وهو محدود في الصحابة وفي  
سيرة النعماني (ابن عقبه النعماني) انه قال اشهد  
انك عبد الله ورسوله

امام سہیلی کی روضہ الانف میں عداس کا آئندہ حال یوں لکھا ہے۔

عداس کا حال یہ ہے کہ غزوہ بدر میں شریک ہونے کے لئے اوس کے دونوں آقا  
عقبہ و شہید پران ربیعہ آمادہ ہوئے تو اسکو بھی ہمراہ چلنے کا حکم دیا۔ اُس نے  
کہا کہ آپ لوگ اوس شخص سے جنگ کر نیکی لے جاتے ہیں جسکو میں آپ کے  
اصحابہ باغ میں دیکھ چکا ہوں قسم خدا کی اوسکو ہمارا تو ہلا ہی نہیں سکتے  
عقبہ و شہید نے جواب دیا کہ جو تجھ پر اسے اپنی زبان سے تجھ پر اجادہ کر دیا ہے تو اسی صاحبہ بن لکھا ہے کہ

ذكر واثق عداس لما اراد سيداه الخروج الى بدر  
امر به بالخروج معهما فقال اقاتل ذلالت الرجل الذي  
رايت مجاثلكما تريدان والله ما تقوم له الجبال  
فقال له ويحك باعداس سمعت بلسانه وفي الاصل  
فيل قتل عداس ببدر وقيل راجع ومات

عداس جنگ میں مارا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد زندہ رہا اور اپنی موت سے مرا

انسوس ہے کہ جب شبلی صاحب سلسلہ بیان میں ایسے ایسے ضروری واقعات کو قلم انداز فرما دیں تو پھر آپ کے سلسلہ  
کلام کو تمام اور تفصیل بیان کو کیسے کامل کہا جائیگا۔ یہ تو غیر مربوط۔ ناسلسل اور غیر مکمل طریقہ تحریر ثابت ہوگا۔

سفر طائف اور زید بن حارثہ | شبلی صاحب نے زید کے حالات میں صرف اتنا لکھا کہ اس سفر میں بھی شریک  
رہے۔ اس سے زائد کچھ نہ لکھا۔ ہم آپ کی اس کمی کو پورا کئے دیتے ہیں۔

کی رفاقت

اس مقام پر (طائف میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عطف فرمانے کے عین موقع پر کفاروں نے اتنے پتھر برسائے  
کہ آپ پر ٹک کے صدے سے بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ زید بن حارثہ نے آپ کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا اور آبادی سے باہر لے گئے  
موجودہ پرانی کے چھینٹے دیے تو ہوش آیا۔ رحمۃ اللعالمین ص ۵۰

قیام طائف کی نسبت کچھ بھی شبلی صاحب نہیں لکھتے اور نہ اوس کے ایام و وقت وقوع بتلاتے ہیں ابن اسعد دس روز کی  
مدت بتلاتے ہیں۔ اور راہ شوال کا عشرہ آخر دسویں تاریخ سے لیکر تیسویں تک (سلسلہ ثبوت قرار دیتے ہیں۔ اونکے الفاظ میں ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کی طرف تشریف لے گئے اس سفر  
میں وہ زید بن حارثہ بھی شریک تھے۔ شوال کا مہینہ تھا اور عشرہ آخر دسویں

فخرج الى الطائف ومعه زيد بن حارثه وخلت في ليل  
يقين من شوال سنة عشر من حين نبوت رسول الله صلعم

فاقام بالطائف عشرة ايام

بین قیام فرمایا۔

تین مہینے کے ایام نبوت کا دسواں سال تھا۔ آپ نے دس روز تک طائف

کسی واقعہ کی نسبت تعین وقت اور تعداد ایام کا نہ لکھا۔ مولف کے لئے اور خاص کر اس مولف کے لئے جو تاریخی واقعات کی تدوین کرتا ہو یا سیرت کے حالات کی ترتیب دیتا ہو۔ نہایت شکایت کے قابل ہے اور اصول تالیف سے اس کی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ متقدمین سے زیادہ متاخرین اس کے پابند ہیں لیکن شبلی صاحب اس کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

سفر طائف کے متعلق شبلی صاحب نے دو عیسائی مؤلفین کی مختلف رائیں دکھائی ہیں وہ ضروری الذکر ہیں اور حسب ذیل لکھی جاتی ہیں۔

کیا عجیب بات ہے کہ ایک ہی واقعہ دو مختلف نگاہوں کو کس طرح مختلف نظر آتا ہے مگر کوس نے (غزوہ بابل) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کو سو تدبیریں داخل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ طائف مکہ سے بالکل قریب اور ان کے پیرائے تھا اور وہاں رودساں مکہ کے باغ تھے جسکی وجہ سے انکی آمد و رفت ہوتی تھی۔ جب مکہ کے تمام رؤسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھے تو طائف کے لوگوں سے کیا امید ہو سکتی تھی لیکن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روزِ اعتقاد اور اعتماد علی نفس تھا کہ باوجود تمام ناکامیوں کے وہ تنہا ایک مخالف شہر میں بیچوت چلے گئے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کیا الفضل ہاشمیت بلہ بالاعداء۔

کس قدر عبرتناک ہے کہ شبلی صاحب سرورِ عالم کی جدید تصدیق کو تو اس سرگرمی سے تائید اسلام میں نقل فرماتے ہیں اور عدائے رضی اللہ عنہ کی قدیم شہادت ایمان اور تہمتیں اسلام کو باوجودیکہ اہل مائدون میں تفصیل سے درج ہے مرفوع القلم کرتے ہیں۔

سفر طائف میں گونہا ہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناکامیابی ہوئی اور جو نیکو افعال کے ہاتھوں بخت تریزہ مصائب و شداد اٹھانے ہوئے۔ لیکن باہمہ گزشتہ اور غور سے دیکھا جائے تو ہدایات و ارشاد کی تباہی کو دشمنیں بیکار نہیں کیا۔ کین استغیر متحمل ظلم و جفا اور ستم و اہذا پر اس جگر واری اور پاداری سے عبیر و سکوت اختیار کرنے نے ظالمین کفار اور شرکین قریش کے دل میں آپ کے استقلال فی تبلیغ الرسالت اور استقرار فی تعلیم الالہات کے ثبوت النفس کا بھر کر دیے اور وہ سمجھ گئے کہ آپ کو اپنے فرائض منصبی کی اداکاریوں کے مقابلہ میں نہ جان جائے گی پرواہ ہے اور نہ ستائے جائیگی فکر۔

طائف سے واپس ہوتے ہوئے کسی شخص کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میں اون لوگوں کی تباہی و بربادی کے لئے کیوں بدعا کروں۔ اگر یہ لوگ خدا پر یان نہیں لائے تو کیا ہوا۔ امید ہے کہ آمینہ انکی نسلیں ضرور خدائے یکتا پر ایمان لانے والی ثابت ہونگی۔ رحمۃ العالمین ص ۵۰ بحوالہ صحیح مسلم عن ام المؤمنین حضرت عائشہ۔ یہ ہر رحمت العالمین ہونکی شان اور یہی سید المرسلین ہونکی دلیل۔ یہ تو اس سفر کے ظاہری اثر تھے جو فی الحقیقت کے قلوب پر چکے۔

تھے اب ان کو ترمیزوں نے ہدایت و ارشاد رسالت کے روحانی اثر کو بھی حد اس کے واقعہ سے براۃ العین مشاہدہ کر لیا کہ وہ بلا تحریک غیب زبان مبارک سے دو لفظوں کا جملہ بسم اللہ سُکرا سقدر متاثر ہو کہ دم کے دم میں کہاں تو تپا عیسائی تھا۔ پکا مسلمان ہو گیا۔ اور خوف و ہراس و بے وسواس بلند آواز سے اشد تک عبدہ و رسولہ لکھ کر آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے لگا۔ ہذا افضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

طائف سے مکہ میں واپس ہونیکے | جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغی خدمات مکہ ہی تک منحصر نہیں تھے یا طائف وقت و شوار بیان۔

اٹھائے اور ادن پر کہاں استقلال صبر فرمایا گیا۔ روزین دن طالیف سے نخلہ میں چلے آئے دو چار روز یہاں بھی قیام رہا پھر وہاں سے حرامین تشریف لائے یہاں پہونچ کر تیس گیارہ ان طالیف کی طرح کھانا مکہ سے بھی آیا۔ اسانی کا خوف آیا کیونکہ اصلاً دو گونہ ایک تھے اور انکی امامت و جاہت کے زیر اثر وہاں کے تمام باشندے تھے۔ اس بنا پر آپ کی اندیشہ تھا کہ مراجعت مکہ کے وقت مشرکین قریش بھی وہی منظر پیش کریں۔ جو طالمین طالیف و س روز پیشتر پیش کر چکے ہیں۔ موجودہ قرآن و اسباب بھی اس شہدہ والا رہے تھے کیونکہ آپ کے معاونین و معتمدین سے مکہ خالی ہو چکا تھا۔ جناب خدیجہ الکبریٰ اوٹھ چکی تھیں حضرت زوطاب انتقال فرما چکے تھے۔ اور غول شبلی صاحب اب ان لوگوں کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ باقی رہی مختلف مسلمان کی جماعت جیسے گو حضرت حمزہ اور حضرت عمرؓ کے لیے لوگ بھی ضرور تھے مگر ان میں سے ایک بھی کفار کے بڑھتی ہوئی قوت کی مدافعت پر قادر نہ تھے انھیں قرآن کو دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام حراسے جیسا کہ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں مطعم بن عذر کے پاس پیغام بیجا کہ ”اگر تم مجھے اپنی حمایت میں لینے کا وعدہ کر دو میں مکہ میں آنے کا قصد کروں“ مطعم نے آپ کا پیغام سننے ہی قبول کر لیا کیونکہ عرب کا قدیم دستور تھا کہ وہ دشمن سے دشمن کی بھی درخواست اعانت و نصرت کو نامنظور نہیں کرتے تھے بھیر اُس وقت مطعم بن عدی نے اپنے بیٹوں کو سامنے بلا کر حکم دیا کہ مسلح ہو کر حرم محترم میں چلے جاؤ۔ محمد صلعم آتے ہیں۔ نہروار کوئی فرد واحد انکی غراحم نہ ہونے پائے۔ بیٹے تو باپ کا حکم پا کر جبہ میں گئے۔ اور اسی اثنا میں رسول اللہ صلعم شہر میں داخل ہوئے تو مطعم بن عدی اپنے ناقہ پر سوار ہو کر آپ کے ہمراہ ہولیا۔ اور باوازلہ بلند پکار پکار کر کہنے لگا کہ میں نے محمد صلعم کو اپنی حمایت و ضمانت میں لیا ہے اور میں انکا حامی ہوں۔ کوئی شخص بھی آپ سے غراحم نہوا۔ آپ باطمینان تمام غرامان خرامان خانہ کعبہ میں تشریف لائے۔ طواف کیا۔ نماز پڑھی۔ پھر دو تشریف لائے امام قسطلانی اور ابن سعد کا بیان ہے کہ مطعم اور اس کے بیٹے آپ کے تلواروں کے سایہ میں لائے اور گھر تک پہونچ گئے۔

یہ ہے جبروت لائقا مہیہ کی قدرت اور شہیت اکہیہ کی ندرت کہ اوس نے مخالفین و معاونین سے اس وقت وہ خدمت کرائی جو معتقدین و مویدین کے خاص فرائض تھے۔ ان اللہ بالغ امورہ و هو علی کل شیء قدير۔

مختلف مواقع پر قبائل عرب | عذبت و سیر کی تمام کتابیں بتلاتی ہیں کہ مکہ میں واپسی کے بعد بھی تبلیغ اسلام کا سلسلہ مکہ میں رکھ کر دوسروں کی نجات میں جا کر ہمیشہ جاری اور قائم رکھا جاتا تھا۔

میں اسلام کی تبلیغ

قبائل کے علاوہ ان تمام مقامات پر حجاز عرب میں سالانہ میلے اور تجارت کی بڑی بڑی منڈیاں لگتی تھیں اور وہاں عرب کے قدیم تمدن کے مطابق ملک کے بڑے بڑے امراء، رؤساء شعرا اور فصیح جمع ہو کر اپنی فصاحت و بلاغت کی کمالات دکھلاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ اسلام اور ہدایت عام کی ضرورت خاص سے وہاں خود تشریف لیجاتے تھے۔ اور مقیم ہو کر بزرگان خدا کو خدا کے احکام پہنچاتے تھے۔ طبری اور ابن ہشام ان میلوں اور منڈیوں میں سے خاص طور پر عکاظ، مجنہ اور ذوالحجاء کا نام لکھا ہے۔ اور قبائل عرب میں بنو عامر، محارب، قازہ، غسان، مرہ، حنیفہ، یسلم، عبس بنو نصر، کنذہ، کلب، حارث، بن کعب، غدرہ اور حضارہ کے نام بتلائے ہیں۔

ان تمام قبائل کے پاس آپ بالنفس النفس تشریف لیجاتے تھے۔ اور قبول اسلام کی دعوت فرماتے تھے لیکن بد بخت ابولہب بھی سداغ لگا کر ہر مقام پر اور ہر قبیلہ میں آپ سے پہلے یا آپ کے ہمراہ پہنچ جاتا تھا اور جب آپ کسی جگہ میں موعظت فرماتے تھے تو یہ بخت آپ کے ساتھ ہی تفر کر جاتا اور نعوذ باللہ کہ تم لوگ انکی باتوں کو ہر گز نہ مانو اور نہ ان کی کسی قول و عمل پر اعتبار کرتا۔ یہ تو بت ہوئی دین عرب سے بگڑتے ہو گئے ہیں اور ہمیشہ جوڑ بولنے کے عادی ہو گئے ہیں۔

ہم ان قبائل میں سے چند قبائل کے واقعات طبری اور ابن ہشام سے خلاصہ کر کے ذیل میں لکھتے ہیں۔  
قبیلہ بنو حنیفہ۔ یہ قبیلہ یامہ میں آباد تھا۔ عرب کا مشہور ورسوہ کذاب جس نے جنات و گمراہی کے زعم میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اسی قبیلہ کا سردار تھا۔

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ تشریف لیگے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ہمراہ تھے مفروقؓ سردار قبیلہ تھا حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ مسلم کی معر فی کرائی اور کہا تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سنا ہے وہ آپ ہی ہیں مفروقؓ نے آنحضرتؐ مسلم کی طرف رنج کر کے پونچھا۔ برادر قریش۔ آپ کیا یقین کرتے ہیں اور کیا یقین فرماتے ہیں ارشاد فرمایا۔ خدا ایک ہے اور میں اوس کا پیغمبر ہوں پھر یہ آیتیں سنائیں۔

قل تعالوا اقل ما حرم ربکم علیکم ان لا تشربوا کواہ  
شیئا والوالدین احسانا ولا تقتلوا اولادکم من املا  
نہن نررقکم وایاہم ولا تقر بوالفواحش ما ظہر  
منہا وما بطن ولا تقتلوا النفس التي حرم  
اللہ الا بالحق ذلکم وصاکم بہ لعلکم تعقلون  
ہیں کہ تم ان پر حکم کرلو۔

۱۔ پیغمبر کہہ دو میں تمہیں سناؤں کہ خدا نے کیا چیزیں حرام کی ہیں کہ  
خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو والدین کا حق خدمت ادا کرو اور  
اپنے بچوں کو اولاد کی وجہ سے نہ قتل کرو البتہ تم کو اور انکو دونوں کو  
روزی دینے فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ  
اور آدمی کی جان جسکو خدا نے حرام کیا ہے ہلاک نہ کرو یہی خدا کی وصیتیں

اس قبیلہ کے حقیقتاً تین رئیس تھے مفروقؓ قحشی اور ہانی بن قبصیہ اور وہ سب کے سب آپ کی تشریف آوری کے موقع پر موجود تھے۔ ان لوگوں نے زبان مبارک سے ان آیات قرآنی کو سن کر صراے احسنیت بلند کی لیکن جب اقوال اسلام کا



وقت آیا تو ان الفاظ میں اپنی مجبوری ظاہر کی کہ مدت کا خاندانی دین دفعتاً چھوڑ دینا زور و اعتقاد ہی کا الزام لائے گا اسکے علاوہ ہمارا قبیلہ کسے فارس کے زیر اثر ہے۔ اور جانیہیں سے حال میں معاہدہ ہو چکا ہے کہ شاہ ایران کے بعد ہر لوگ کسی دوسرے حاکم یا فرمانروا کے زیر اثر نہ آئیں گے۔ یہ کلام سن کر نہایت تمنات اور خاموشی سے آنحضرت صلعم نے اذکی حقیقت بیانی کی تحسین کی اور فرمایا تو یہ۔ خیر خدا کا دین ہے تو خدا کی آپ۔ ذکر لگا۔ روض الانف سبیلی باسنا و قاسم بن ثابت۔

قبیلہ بنو عامر کے پاس تشریف لے گئے اور انکو موغظت فرمائے گئے۔ تو اثنائے تقریر میں فراس نامی ایک شخص اوس قبیلہ کا آپ کے مدد اور حسن بیان کو منکر دو سرے لوگوں سے کہنے لگا کہ اگر شخص مجھکو ہاتھ آجائے تو میں اسکے ذریعہ سے تمام عرب کو اپنے زیر اثر کر لوں۔ یہ کہہ کر خباب بنو آخذ اصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوا اور پوچھنے لگا کہ یہ تو بتلائیے کہ اگر ہم سب آپ کا ساتھ دیں اور آپ اپنے تمام مخالفین پر غالب آجائیں تو کیا آپ کے بعد آپ کی بیست ہیکول سکتی ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ نندگی بات ہے اور خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ چاہے تو سکتا ہے اوس نے کہا۔ وہ۔ واہ آج تو ہم اپنے سینے قدر اندازان عرب کے سامنے بروہ بنائیں اور حکومت دوسرے لے اذین۔ ہمیں غرض نہیں۔

قبیلہ کثرہ میں تشریف لے گئے۔ سردار قبیلہ کا نام تلح تھا۔ موغظت فرمائی لیکن کسی کو بھی قبول اسلام کی توفیق نہ ہوئی۔

قبیلہ بنی عبد الدار میں پہنچے تو ارشاد کیا کہ تمہارے برابر اعلیٰ کا نام عبداللہ تھا۔ تم لوگ بھی آسم یا سمنی ہو جاؤ تو تمہارے دین و دنیا کے لئے بہتر ہوگا لیکن کوئی بھی شہواتین ہوا۔

قبیلہ بنو عقیف کی کیفیت اور بیان ہو چکی ہے۔ تمام ارباب تاریخ و حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ ان تمام قبائل میں سب بدتر طریق پر اسی قبیلہ نے آپ کا انکار کیا۔ مگر سبحان اللہ۔ اس خلق مجسم نے سوائے کلمہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کے دوسرا کوئی کلمہ زبان مبارک سے نہ نکالو۔

اگرچہ ان تمام قبائل میں تبلیغ اسلام کی متواتر کوشش فرمائی گئی اور ہر فرد ان کو دین الہی کی بشارت پہنچائی گئی۔ لیکن بظاہر کہیں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ ان تمام قبیلوں کے دورے میں بدبخت ابولہب ساتھ ساتھ ہوتا تھا اور رور و درر ہر جمع میں اذہر و قہر آپ کی تقریر کی تردید کرتا جاتا تھا۔ اور اوسکے متوایانہ بیان کے مطابق قبائل اہل قبائل اوس کی سنت تھیں اور ملت تھیں۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد و ہدایت کو ذرا خیال میں نہ لاتے تھے اس لئے کفار قریش کو یہ چاہتا تھا کہ وہ ان حالتوں کو دیکھ کر مخالفت اسلام کی طرف سے خموش رہ جائے اور سمجھ لیتے کہ ابولہب کی مفسدہ انگیزہ ہیں سے۔ اسلام کا دائرہ تبلیغ۔ دوزخ و زندگ ہو جانا ہے اور بیرونجات میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھاتا۔

طائف سے واپسی پر کفار قریش ایسے کیا تھے کہ پیغمبر اسلام کی طرف سے ایک دم کے لئے بھی خموش رہتے۔ ہم اوپر رسول اللہ کی مصیبتیں بیان کر چکے ہیں کہ مطعم بن عدی کی ضمانت و حمایت میں طائف سے لوٹ کر آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ ورنہ کسی شخص خاص کی حمایت و ضمانت بغیر آپ مکہ میں اپنے داخلہ کو خطر سمجھتے تھے قریش کی مخالفت اس حد تک

ہونچی ہوئی تھی۔ انکی اس دلیری اور جرأت کا باعث صرف ابیطالب کے ایسے حامی اور مربی کا رسول اللہ صلعم کے سر سے اوٹھ جانا تھا۔ شبلی صاحب نے تفصیل سے اسوقت کے حالات کو لکھا ہے۔ ہم انھیں کی نقل عبارت پر اکتفا کرتے ہیں۔

قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت مخالفت کی اور چاہا کہ آپ کو اس قدر ستائیں کہ آپ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔ موافق سے جو کفار آپ کے ہمسایہ تھے وہ ابو جہل۔ ابولکب۔ اسود بن عبدغوث۔ ابی بن منیر۔ امیہ بن خلف۔ عقیبہ بن الحجاج۔ عقبہ بن معیط۔ حکم بن ابی العاص تھے اور یہی سب سے بڑے آپ کے دشمن تھے۔ (ابن سعد طبقات ج ۱ ص ۱۳۴) یہ لوگ آپ کی راہ میں کانٹے بچھاتے تھے نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے۔ سجدے میں آپ کی گردن پر اوجھری لاکر ڈالتے تھے گٹھے میں چادر ڈال کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک میں بدھیان پڑ جاتین آپ کی روحانی قوت اثر کو دیکھ کر لوگ بھاؤ کر گرتے۔ دعویٰ نبوت کو سن کر مجنون کہتے۔ باہر نکلتے تو شہر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھا کر چلتے (مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۰۳) نماز جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن۔ قرآن کے بھیجنے والے (خلاف) اور قرآن کے لانے والے رسول کو گالیوں دیتے (بخاری ج ۱ ص ۴۸۶)

ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ دوسرے قریش بھی موجود تھے۔ ابو جہل نے کھاکاش اسوقت کوئی جاتا۔ اور اونٹ کی اوجھہ نجاست سمیت اوٹھا لاتا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سجدے میں جاتے تو اونٹ کی گردن پر ڈالتا۔ عقبہ ابن معیط نے کناہ خدمت میں انجام دیتا ہوں۔ چنانچہ اوجھہ لاکر آپ کی گردن پر ڈالتا۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے گرے پڑتے تھے کسی نے جاکر حضرت فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کو خبر کی۔ وہ اگرچہ اسوقت بدایخ چہرہ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں۔ اور اوجھہ کو ہٹا کر عقبہ کو بڑا جھلاکھا اور بد دعائیں دین۔ بخاری باب الطہارت و معنی علم و زرقانی جلد اول ص ۲۹۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کہیں کسی مجمع میں دعوت اسلام کا دغظ فرماتے تھے تو ابولکب۔ آپ کے ساتھ رہتا تھا بار برس کتنا جاتا تھا کہ یہ جھوٹ کہتا ہے۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب میں اسلام نہیں لایا تھا کہ آنحضرت صلعم بازار ذوالحجۃ میں گئے اور مجمع میں گھسکر لوگوں سے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو۔ ابو جہل آپ پر خاک پھینکتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اسکے فریب میں نہ آنا۔ یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ لات و غری کی پریش چھوڑو (مسند امام احمد ج ۱ ص ۴۳)

طاہفت میں کفار نے آپ کو جو اذیتیں پہنچائیں ان کا بیان آگے آئے گا۔

ایک دفعہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھتے تھے عقبہ نے آپ کی گردن میں چادر لپیٹ کر منایت زور سے کھینچی اتفاقاً حضرت ابو بکرؓ اور آپ کا شانہ پکڑ کر عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا۔ اور کہا ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے ۱۵

۱۵ افسوس ہے قبلی صاحب نے ایک ایک کر کے قریش کے تمام چھوٹے بڑے مظالم کو بیان کر دیا۔ مگر مشرکین کی دعوت کو اس قدر بیکار و اڑکھوڑا بھی نہیں لکھا جتنی پوری تفصیل قرآن مجید آیہ اِنَّا لَنُفِثَنَّكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ کی تفسیر میں اور سورہ اِنَّا لَنُفِثَنَّكَ الْکُفَّارِ کی شان نزول میں مناسبت و مفاہمت کے ساتھ مرقوم ہے۔ اگر آپ نے کسی ماذر خاص سے مدد فرمائی تو ہم معمولاً آپ کی کمی کو پورا کئے دیتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ آپ کے بچے تھوڑا سا لاد کو رکھنے میں سب کے سب جان بحق تسلیم ہو گئے اور کوئی لاد نہیں باقی رہی تو کفار جو ہر وقت ہر قسم کی عیب جوئی کیا کرتے تھے۔

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی میں نہایت سرگرم تھے اور امداد اسی شغل میں رہتے تھے ان کے نام جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھے ہیں حسب ذیل ہیں۔ ابوہبیل۔ ابولعب۔ اسود بن عبدغوث۔ حارث بن قیس بن عدی۔ ولید بن مغیرہ۔ امیہ۔ ابی بن خلف۔ ابوقیس بن فاکہ بن المغیرہ۔ عاص بن وائل۔ نضر بن حارث مہنہ بن الحجاج۔ قیس بن ابی امیہ۔ سائب بن یقی۔ اسود بن الاس۔ عاص بن سعید بن العاص۔ عاص بن ہاشم عقبہ بن معیط ابن الاسدی ہندی حکم ابن العاص اور عدی بن حمران یہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمسایہ اور ان میں سے اکثر صاحب جاہ و اقتدار تھے۔

مصائب پر رسول اللہ کا صبر ایسا جو کچھ ہوا نہایت دور انگیز اور حسرت نغیر تھا لیکن تعجب انگیز نہ تھا۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ نامانوس اجنبی صدائیں غیبت سے سن لی گئی ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو سبکیڑوں برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا کرنا پڑا۔ یونان و یونانی شایستگی کا معلم اول ہے۔ تاہم اس کے حکمت کدہ میں بقدر اوزہر کا پالہ بنیا پڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دار درسن کا منظر پیش آیا۔ اس بنا پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلہ واقعات کی غیر معمولی گہری نہ تھی لیکن غور طلب یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا کیا؟ سقراط پالہ پیکر بنا ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک قیامت طوفان کی استعا کی اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس چالیس شخصوں کی مختصر جماعت پیدا کر کے یہ وایت نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے۔ لیکن سب درکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرض ان سب سے بالاتر تھا۔

خباب بن الارت نے قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ان کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے۔ آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ فرمایا گیا تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سر پر آریے چلا دیے جاتے تھے اور چڑوا لے جاتے تھے تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا۔ یہاں تک کہ شتر سوار صنعت حضرت تکم سفر کر گیا۔ اور اس کو سوائے خدا کے اور کسی کا ڈنہ ہو گا۔ کیا یہ پیشین گوئی حریف بحر پوری نہیں ہوئی؟ سقراط پالہ بنی جلد اول ضرور پوری ہوئی۔ اور پوری حقیقت اور واقعیت کے ساتھ پوری ہوئی۔ دنیا اور اہل دنیا نے دیکھ لیا کہ آپ کے زبانہ حیات ہی میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بشارت ایزوی کو کامل کر دکھایا۔ زبان رسالت اس پیشین گوئی کے متعلق اور وائے طوطی کے مطابق بالکل حیران قدرت ثابت ہو گئی۔ اب بھی مخالفین تعصب و نفسانیت سے تصدیق اسلام و بانی اسلام علیہ السلام کی نسبت غدر و کلام کر رہے ہیں تو ان کا رہبریات کے سوا اور کیا کہا جاوے۔ اور برہیات سے انکار کرنا تو انسان لایعقل سے زیادہ نہیں سمجھا جاسکتا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۸ دیکھو اور جس میں عاص بن وائل اور عقبہ ابن معیط الاموی اور ابو سفیان بن حرب کے نام خصوصیت کے ساتھ بتلائے جاتے ہیں۔ اس امر خاص کے لئے آپ کو اتر کھنے لگے۔ کیونکہ محاورہ عرب میں لاولد کو تعزیراً اتر کھانے تھے۔ انکی تعزیر کو سبک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر محزون و ملول خاطر ہوئے۔ خدا نے ان شایستگی کو بشارت پہنچائی اور حقیقت کی دائمی مثال دکھائی کہ آج روئے زمین پر پیغمبر کی اولاد اور ان کے نام لیا سید و پیشوا رہیں اور نبو امیہ و نبو سم کی کوئی یادگار باقی نہیں رہے گی۔ نبو سم و عاصی و اتر کھانے کا۔ الموالف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شبلی صاحب نے اپنے اس سوال کے جواب میں کہ انبیاء و مرسلین سابقین کے مقابلہ میں سرور عالم نے کیا کیا ہے صرف حضرت نوحؑ اور جناب عیسیٰؑ کے استقلال کی مثال دکھائی ہے۔ حالانکہ مدعا کے تحت سے ان کے حالات کو مناسبت نہیں کیونکہ مدعا و مسئلہ بیان تو ایسی مثال چاہتا ہے کہ رنج و اذیت و ظلم و جفا کے مقابلہ میں سوائے صبر و رضا کے شکوہ و بددعا نہ کی جائے۔ حالانکہ حضرت نوحؑ نے اپنی امت کے مظلوم سے تنگ آکر بددعا کی قرآن مجید میں اس کے یہ الفاظ ہیں۔

وَقَالَ نوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا ۖ وَأَنْتَ أَعْلَمُ الْغُيُوبِ ۚ إِنَّكَ تَكُونُ لَنَا نَازِعًا ۖ وَإِنَّا لَنَازِعُونَكَ أَيُّهَا رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ

اور جو نے ان کو فرمایا کہ (اے خدا) میں کوئی تنہا نہ رہوں گا اور تو ہی ان کے غیب کی خبر دانتا ہے۔ (نوحؑ) اے خدا! تو ہمارے لیے نازع ہو گا اور ہم تو تو کو نازع ہوں گے۔

اب دیکھئے ظالمین امت کے ان مظلوم سے تنگ آکر ایسے موقعوں پر ہمارے سرور عالم روحانہ القہر نے کیا ارشاد فرمایا جو ظالمین جو آپؐ پر ظلم و ستم کئے گئے اور جیسے اور جتنے مصائب اٹھائے گئے وہ اعظم ترین مصائب ہیں۔ انسان کیسے بالکل ناقابل برداشت لیکن ان ظالمین کی تمسک کاریوں اور فیر کرداریوں کے جواب میں کہا تو یہ کہ میں ان لوگوں کی تباہی و بربادی کے لئے کیوں بددعا کروں۔ صرف اس لئے کہ ہمارے کہنے سے یہ ایمان نہیں لائے۔ اے اللہ! یہ ایمان تمہیں لائے، تو کیا ہوا یقین ہے کہ انکی آئندہ نسلیں ضرور ناپائیدار ہوں گی۔ جو صحیح علم باسناد حضرت عابرنہ جلد خبشہ

حضرت نوحؑ کو اپنی امت نامتناہی آئینہ سلیمین میں برابر کا فریبی کا فریبی کا اندیشہ ہے۔ بخلاف ان کے سید المرسلینؐ کا نام۔ کو مشرکین قریش کے اعتقاد و اسلاف کے موصدین نکلنے پھینک کا مل ہے۔ اسی لئے حضرت نوحؑ ہاتھ اٹھا کر بددعا کرتے ہیں اور جناب محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم والہذا سر ہم کا کر صبر فرما جاتے ہیں۔ اسی سے ہر شخص باساقی سمجھ لے گا کہ حضرت نوحؑ کا صبر استقلال۔ تسلیہ قلب اور سکینہ اسی ثمر ہوا تھا یا ہمارے سرور عالم کا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال بھی ناقص ہے۔ صلیب پر چڑھتے چڑھتے۔ جناب عیسیٰ بن مریمؑ کے لہماؤ معجز نما سے یہ فقرے نکل ہی پڑے۔ اے عیسیٰ! اے عیسیٰ! اے عیسیٰ! میرے خدا تو نے بھی مجھے چھوڑ دیا یہ فقرات آج تک انجیل کے تمام مطبوعہ اور مرقوم نسخوں میں مرقوم ہیں۔ لیکن ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُحد کی لڑائی میں سخت مجروح ہو کر دندان مبارک کے ٹوٹ جانے اور پی ر خون بھی سنے کی وجہ سے ایک گدھے میں گر کر بھی ظالمین قریش کے ان مظلوم و شائد کا کوئی غلوہ یا گلہ نہیں کیا۔ صرف کہا تو یہ رب اھد قومی فیا تھم لا یعلمون پر دروگاری قومی کو ہدایت فرما کہ وہ نہیں جانتے ہیں۔

مرقومہ بالا حضرت عیسیٰ کے فقرات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاسے استقلال بھی حبش میں آگئے لیکن رسولؐ عربی صلعم کے استقامت و ثبات میں سروسو کی نہیں آئی۔ دعا کی بددعا نہ کی۔ جو کلمات ارشاد فرمائے وہ ہدایت کے جانے کے فقرات و عائدہ ہی ثابت ہوتے ہیں۔

شبلی صاحب نے غور نہیں کیا۔ اور نہ تفحص حالات فرمایا۔ نوحؑ اور عیسیٰ علیہما السلام پر موقوف نہیں۔ انبیاء سابقین



علیہم السلام کے مقدس دائرے میں جملہ حضرات کو قرب قریب ایسے ہی غمگیں پیش آئے ہیں اور ان بندگواروں نے محض شہرت کے تقاضے سے مختلف موقعوں پر اس طرح لہجائے شکایت کھولے ہیں لیکن سرور عالم نے ان امور میں ہمیشہ سے احتیاط نظر رکھی اور سخت سے سخت مصیبتوں کے وقت میں بھی ہوا سے صبر و سکوت کے حرف شکایت زبان مبارک سے نہ نکالے اور آپ کے اس علم و وقار اور صبر و استقامت نے آپ کے خلق محبم اور رحمت عالم ہونیکے پوری شان دکھلا دی۔

## مدینہ منورہ اور قبل النصار

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا جَعَلَ حَيْثُ سَمَّيْنَاهُ

خدا ہی اپنی رسالت کی جائے ودیعت کا بہتر جاننے والا ہے

شجرہ طیبہ رسالت کی نشوونما اور نگاشان مکہ سے ہوئی لیکن تیرہ برسوں کے بعد یہ نخل مقدس نخلستان مدینہ منورہ میں منتقل ہو کر آباد ہوا۔ وادی فارانہ اور رسالت کی نخلی گاہ تو ضرور تھا مگر اوسکی جلوہ فرمائی کا ابدی مرکز شہر کی خاک پڑھی۔ توحید کی تعلیم مکہ سے ضرور آغا ہوئی مگر تیرہ برسوں کی شبانہ روز کوششوں کے بعد مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت سے زیادہ تیار نہ ہو سکی اسلام کی دعوت پر عام صلے بیک اہل شہر ہی کی خوش قسمتی کے ساتھ مخصوص تھی۔

مدینہ کا اصلی نام شہر تھا بنی نضیر نامی کس قبیلہ نے اس شہر کو اپنے نام سے آباد کیا تھا جیسا کہ جلد اول میں بیان ہو چکا ہے۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کے وقت سے اس کا نام مدینہ النبی ہو گیا اور فی الحال کثرت استعمال سے مدینہ ہو کر رہ گیا۔ جلد اول میں بیان ہو چکا ہے کہ بخت نصر کے وقت میں بیت المقدس کی تباہی و بربادی کے وقت قوم یہود پریشان و گمشدہ ہو کر دور دراز اقطاع عالم میں باکریا گزین ہوئی انھیں ایام میں یہودیوں کے اکثر قبائل اس طرف آکر آباد ہوئے اور رفتہ رفتہ انکی نسلوں نے اس تمام علاقے کو اپنے زیر اثر کر لیا۔ اور وہاں کے اصلی اور قدیم باشندوں کی حکومت بھی حاصل کی انھوں نے اپنے زور اقتدار سے قرب و جوار میں اپنے چھوٹے چھوٹے قلعہ بھی بنائے۔ انکی امارت و اقتدار کا اثر جو اہل شہر پر ہوا وہی القرنی تھا اور ارض خیمہ ترک پھیل گیا۔

انصار کی تحقیق خاص میں شبلی صاحب رقمطراز ہیں :-

انصار اصل میں یمن کے رہنے والے تھے اور فحطان (جرہم اولیٰ) کی اولاد سے تھے۔ یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جبکہ سیل عرم کہتے ہیں تو یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ میں آباد ہو گئے۔ یہ دو بھائی تھے۔ اوس اور خزرج۔ تمام انصار انھیں دوہ سے ہیں۔ یہ خاندان جب شہر میں آیا تو یہود و نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے۔ اس پاس کے تمام مصافحات اوکے قبضہ تھے۔ اور دولت و مال سے مالا مال تھے۔ چونکہ آل و اولاد کی کثرت سے بیس کس قبیلہ بن گئے تھے اسلئے دور دور تک بستی بسالی نہیں۔ انصار کچھ زمانہ تک الگ رہے لیکن انکا زور و اثر دیکھ کر بالآخر ان کے حلیف بن گئے ایک مدت تک یہ حالت قائم رہی۔

رہی۔ لیکن اب انصار کا خاندان بھی پھیلتا جاتا تھا۔ اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا۔ یہود نے پیش پیشی کے لحاظ سے ان سے معاہدہ توڑ ڈالا۔ یہودیوں میں ایک تیس فطیون پیدا ہوا جو نہایت عیاش اور بیکار تھا۔ اوسنے یہ حکم دیا کہ جو وہ شہرہ لڑکی یا بی بی جاوے پہلے اسکے شبہات ان پیش میں آئے۔ یہود نے اسکو گوارا کر لیا تھا۔ لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو انھوں نے سربازی کی۔ اس زمانہ میں انصار کے سردار ایک شخص مالک ابن عجلان تھا۔ اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک ابن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گزری۔ مالک کو غیرت آئی اور اٹھ کر گھر میں آیا اور بہن کو سخت ملامت کی۔ اوس نے کہا ہاں لیکن کل جو ہوگا اس سے بھی بڑا کبر ہے دوسرے دن سب دوست و سوتو جب مالک کی بہن دو وطن نیکو فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زمانے کپڑے پہن کر سہیلیوں کے ساتھ گیا اور فطیون کو قتل کر کے شام کو بھاگ گیا۔ یہاں عنانیوں کی حکومت تھی اور جو حکمران تھا اس نے یہ حالات سنے تو ایک فوج لگان لیکر آیا اور اوس و خررج کے رو سا کو بلوا کر انکو غلامت اور بے دیے پھر دیا۔ یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے قتل کر دیا یہود کا زور اب ٹوٹ گیا اور انصار نے نئے سرے قوت حاصل کی بول

اد کا انوفاز صہودی۔

انصار نے مدینہ اور حویلیے مدینہ میں کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعہ بنائے اوس اور خررج ایک مدت تک باہم متحد رہے لیکن پھر عرب کی فطرت کے مطابق خانہ جنگی شروع ہو گئیں۔ اور سخت خونریزی لڑائی ہوئی سب سے آخر لڑائی میں جس کو بعثت کہتے ہیں اس نے دوسرے معرکہ لڑا کہ دونوں خاندانوں کے تمام نامور لڑکے مر گئے انصار اب اس قدر ضعیف ہو گئے کہ انھوں نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہمارے عقیق بنایجئے لیکن ابو جہل نے معاملہ ہم پر ہم کر دیا۔ انصار کو بت پرست تھے۔ مہاجر یہود سے میل جول تھا اس لئے نبوت اور کتب آسمانی سے گوش آتے تھے۔ یہود سے گوارا ایک گونہ رقابت رکھتے تھے۔ لیکن ان کے فضل و کمال علمی کے معترف تھے۔

یہود نے مدینہ میں جو علمی مدارس قائم کئے تھے جنکو بیت المدارس کہتے تھے (بخاری وغیرہ میں بھی یہی نام مذکور ہیں) ان میں تورات کی تعلیم ہوتی تھی اس سے ان یہود کے علمی تفوق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ انصار میں جبکی اولاد بڑھ نہیں رہی تھی وہ منت ماننا تھا کہ بچہ زندہ رہے گا تو یہودی بنایا جائیگا۔ یہودی عموماً یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر ابھی اور آئیوا ہے۔ اس بنا پر سب سے پہلا شخص جو اسلام سے مشرف ہوا قبیلہ انصار میں ہوید بن صامت نامی ایک شخص بہت بڑا شاعر و شجاع و دلیر مشہور تھا علمی فضل و کمال میں اپنی شہرت رکھتا تھا کہ اپنے قوم قبیلہ میں ہمیشہ کامل کے لقب سے خاص طور پر پکارا جاتا تھا شبلی صاحب کہتے ہیں کہ اوسکو امثال لقمان کا نسخہ ہاتھ آگیا تھا جبکو وہ کتاب آسمانی سمجھتا تھا۔ وہ ایک دفعہ حج کو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوس کے حالات سنے تو خود اوس کے پاس تشریف لیگے اوس نے امثال لقمان پڑھ کر سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اس سے بہتر چیز ہے یہ لکھ کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔ سو یہ نے تحسین کی اگر وہ مدینہ واپس اگر جنگ بعثت میں مارا گیا لیکن اسلام کا معتقد ہو چکا تھا۔

شبلی صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح ہے اور فی الواقع کہ سوید کے میلان اسلام کا اثر انصار پر پڑ چکا تھا اور انہیں کوئی کلام نہیں کہ قرآن اور واقعات بالاتفاق ثابت کرتے ہیں کہ انصار کے وسیع دائرے میں اسلام کی تحریک سوید سے آغاز ہوئی۔ سوید کے بعد سی قبیلہ بن ایک دوسرا سید پیدا ہوا جس کا نام ایاس بن معاذ ہے یہ بزرگ گویا تحریک اسلام کے مؤید ثانی تھے۔

## عقبہ اولیٰ میں انصار مدینہ کی ہجرت

ایاس کے وفات میں شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ اوس و خزرج کے معرکوں میں اوس کو جب شکست ہوئی تو اوس کے عمائد قریش کے پاس گئے کہ خزرج کے مقابلہ میں اوس کو سیف بنائیں۔ اس سفارت میں ایاس بن معاذ بھی داخل تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کا آنا معلوم ہوا تو آپ اوس کے پاس تشریف لے گئے۔ اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ اس نے ساتھیوں سے کہا کہ ذاتی قسم تم جس غرض سے آئے ہو۔ یہ کام اوس سے بہتر ہے۔ لیکن قافلہ سالار یعنی ابوالجوشن نے لنگران اٹھا کر اوس کے موندہ پر مارا اور کہا کہ ہم اس کام کے لئے نہیں آئے ہیں۔ اس کے بعد نبات کا معرکہ پیش آیا اور ایاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ مرتے وقت ان کی زبان سے تکبیر جاری تھی۔

شبلی صاحب نے اپنی عجلت دہی اور کوتاہ فہمی کے اصول پر ایاس کی تعلیم اسلام کے متعلق صرف تہذیب قرآن بتلائی ہے یعنی جب آنحضرت صلعم نے اس موقع پر قریش کی جماعت کے سامنے جس میں ایاس بھی شامل تھا صرف قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں اور وہی ایاس بن معاذ کی ہدایت کے لئے کافی ہو گئے۔ حالانکہ تاریخ طبری کی عبارت جو آپ کا ماخذ اصلی ہے وہ صاف صاف لفظوں میں بتا رہی ہے کہ اصول اسلام کے پورے عقائد ایاس اور انصار کی جماعت کے سامنے پیش کئے گئے تھے اور ان کی طرف سے دعوت فرمائی گئی تھی طبری کے الفاظ یہ ہیں۔

قال انما رسول الله صلعم بعثني الى الهبا د ادعوهم الى الله  
ولا يشركوا به شيئا وانزل على الكتاب خبر ذكر لهم  
الاسلام وتلا عليهم القرآن ص ۱۲۰-۹

جب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم انصار کو بلاؤ جو میں خدا کا رسول ہوں اور تم کو ان کی طرف سے دعوت دینا ہے اور ان کو بتاؤ کہ خدا کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ بندہ گان خدا کے لئے کی طرف بلاؤں۔ خدا کی بات کر۔ اور ان کو اور کافر کی مانند نہ بناؤ۔ اور مجھے کتاب نازل ہوئی ہے۔

بجرب نے اصول اسلام بتلائے اور قرآن پڑھ سنایا۔ ص ۱۲۰-۹

لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تشریف ایسا ناگیا تھا کہ خوف کفار و انیساء مشرکین کے خیال و لحاظ سے کمال حرم و احتیاط کے ساتھ ان کی میں رہی ہیں۔ شہر میں چھوٹے چھوٹے گھرانے اور دینی دیوبندی آدمیوں کی آمد و رفت موقوف ہو گئی۔ تو آپ شہر سے باہر نکلا اور قبائل انصار ساکنین مدینہ سے ان کی قبیلوں پر لے اور ان کو ہمارے ایک گھائی میں لے گئے اور وہاں تبلیغ اسلام کی تحریک پیش کی اس کو اس جماعت کا نام ہجرت عقبہ رکھا گیا۔ عربی میں عقبہ ہجرت کی گھاٹی کو کہتے ہیں۔

المؤلف عفی عنہ

اسی طرح انصار دینہ کے اس اور ان مسلم کے خاتمہ کو بھی آپ نے قطع و بریک کے ساتھ لکھا ہے۔ اور اختصار پسندی کے اصول پر صرف اتنا لکھا ہے کہ مرتے وقت ایس کے زبان پر کبیر جاری تھی۔ حالانکہ آپ کا اصلی ماخذ بتلار ہا ہے کہ صرف تکبیر (اللہ اکبر) ہی نہیں بلکہ تہلیل (لا الہ الا اللہ) و محمد رسول اللہ اور تہلیل (سبحان اللہ) اور تحمید (الحمد للہ) کی صاف صدائیں جاری تھیں۔

طبری ص ۱۲۰۵ مطبوعہ جرمن۔

خدمت تبلیغ کے طریقہ اداکاری میں یوں ہونا چاہیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایام حج میں مختلف قبائل عرب کے پاس جا کر قبول اسلام کی ہایت فرماتے تھے۔ اور ترک ویت پرستی سے بچنے اور ضلالتوں سے بچنے کی تعلیم دیتے تھے۔ اس سال یعنی رجب سنہ نبوی میں آپ متحدہ قبائل کے پاس آئے۔ انھیں آپ کے پاس جہان اب سجدہ عقبہ واقع ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چند اشخاص نظر آئے۔ جن میں سے ایک ہے۔ آپ نے ان سے پہلے ان کے نام و نسب و بانی کے پھر انہیں دعوت اسلام دی۔ اصول ایمان بتلائے۔ اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں اور ان سعادتمندوں پر الفاظ باری نے ایسے روحانی اثر دکھائے کہ بے خود ہو کر ایک لے۔ دوسرے کی طرف دیکھا اور شوق اسلام کے تقاضہ سے کہنے لگے کہ دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مفاخرت و شرفیابی میں قبائل ہو۔ تم پر سجدہ حق ایجاب میں۔ یہ گھر حاضرین انصار نے بیک وقت دیکھا کہ اسلام قبول کیا۔

مولوی شبلی صاحب نے خواہ مخواہ بیان ہی مختصر نویسی سے کام لیا۔ حالانکہ یہ مقامات خاص تفصیل کے ہیں۔ ہر مقام پر قرآن مجید اور ارشاد و رسالت کے روحانی جذبات کو کسی غلبہ کی قبولیت اسلام کے ثبوت میں پیش کر دینا کام نہیں ہوتا خصوصاً جنہیں اسلام کے لئے دلیل و محبت نہیں ہوتا تحقیق کا متلاشی قبیلہ خزرج کی ان سعادت مندوں کے لئے جلد ایمان لانے کا سبب و حقیقت ضرور تلاش کر لیا۔ اور آپ سے وجہ و اسباب دریافت کر لیا۔ آپ کچھ نہیں جانتے اور نہ بتلاتے ہیں کیا جواب دیں گے۔ حالانکہ آپ کے ماخذ اصلی میں صاف صاف موجود ہے۔ لیکن آپ کی خود غرضانہ کوتاہی و غفلت رقی سب کو الفاظ کے جاتی ہیں۔ اور صاف صاف بتلاتی ہے کہ انصار کی خصوصیات آپ کے نزدیک قابل ذکر نہیں۔ مہاجرین البتہ اونہیں بھی مخصوصین حضرت کے حالات قابل اندراج ہیں جنکی تفصیل و بیان میں آپ نے پوری توجہ اور وسعت نظری سے کام لیا ہے۔ جب یہ انداز تالیف اور شان تصنیف ہے تو آپ سے ماخذ اصلی کے صحیح نقل و ترجمہ کی کیا امید کی جاسکتی ہے بحال۔ اب ہم تاریخ طبری کی اصلی عبارت سے اس واقعہ کی پوری حقیقت ذیل میں لکھ کر بتا دیتے ہیں کہ ان سعادتمندانہ انصار نے کیوں اتنی عجلت کے ساتھ اسلام سے شرفیابی حاصل کی۔ طبری کے تفصیلی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

جب خزرج کے ان لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاقات کی تو پوچھا کہ آپ کون حضرت ہیں وہ بولے ہم قبیلہ خزرج کا آدمی ہیں دریافت فرمایا کہ آپ لوگ قوم یہود کے تابع اور زیر اثر ہیں جواب دیا

قال لما لقيهم رسول الله صلعم قال لهم من انتم قالوا نفر من الخزرج قال امن موالي اليهود قالوا بلى قال فجلسوا معه قد اعياهم الى الله عز وجل



وعرض علیہم الاسلام وتلا علیہم القرآن قال وکان  
 متماضیا لہم فی الاسلام ان یمہدوا کافرا مہم  
 ببلا دہم وکانوا اهل کتاب وعلو کافرا اهل شرک  
 واصحاب فسق طوفان وکانوا قد عتروہم ببلا دہم  
 فکانوا اذا کان بلیتہم فی قالوا الہم ان نبی الا ان مشی  
 قد اهل زمانہ متبعہ ونفتلکرمہ قبل عاد وارم فلما  
 کلم رسول اللہ اطمئت النفر وعاہر الی اللہ قال بعضہم  
 لبعض قلعن والکھ انہ النبی الذی توعد کھربہ یہود  
 فلا یسبقتکم الیہ فاجابوہ فیما دعاہم الیہ بان صدقہ  
 وقبلوا منہ ما عرض علیہم من الاسلام وقالوا لہ انا قد  
 ترکنا قومنا ولا اقوام بلیتہم من العداۃ والمشرک  
 بلیتہم وعسی اللہ ان یجمعہم بلیت وینقذہم علیہم  
 فندعواہم الی امرک وقرین علیہم الذی اجبت الیہ  
 من ہذا الدین فان یجمعہم اللہ علیہ فلا حرج  
 اعترفت طبری ص ۱۲۱

ہاں۔ ارشاد ہوا کہ اچھا آپ لوگ تمہاری دیر کے لئے بیٹھ جائیں مجھ کو  
 آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ وہ لوگ بیٹھ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 اونکو خدا سے عزوجل کی طرف بلایا اور دین اسلام بتلایا اور قرآن مجید  
 تلاوت فرمایا اور آپ کے اس طرز عمل سے اونکے دلوں میں پورا اثر  
 ہوا کیونکہ یہود جو اونکے ساتھ اونکے شہر میں بستے تھے وہ اہل کتاب  
 بھی تھے اور صاحب علم وادراک بھی اور انصار اسوقت تک مشرک  
 تھے اور بت پرست۔ اور اس بنا پر انصار شہر کے یہودیوں کی بڑی  
 عزت کرتے تھے۔ اور یہود اکثر کھاتے تھے کہ ایک پیغمبر آئے گا جس سے  
 اور اونکے گھر کا زمانہ قریب ہے لوگ اسکی متابعت کریں گے اور ملو گوں کو  
 شمل قوم عاد وادام کے غارت و قتل کریں گے۔ انا علم تو انہیں پہلے  
 ہی سے تھا اب اسوقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو ہوئی اور دین  
 خدا کی دعوت و گہنی قبولیت کے اثر سے ایک دوسرے کی طرف  
 دیکھنے لگا اور کہنے لگا خدا کی قسم یقین کریں کہ یہ پیغمبر وہی ہے جس کا ذکر  
 دو عہد یہود تھے کر چکے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اس امر میں وہ تم سے سبقت  
 لے جائیں۔ پہر یک زبان ہو کر سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کی

اور جو یہود متعلق دین اسلام تھے گئے وہ سب منظور کر لئے۔ اور آپ کے سامنے سب نے متفق لفظ ہو کر اقرار کیا کہ ہم لوگوں نے  
 اسوقت سے اپنے شعار قومی کو ترک کیا۔ اور آج سے کبھی شر و فساد کی طرف سبقت نہ کریں گے۔ اور خدا تعالیٰ آپ کی برکت سے ہم  
 لوگوں میں باہمی اتفاق پیدا کر دے اور جب ہم بیان سے اپنی قوم کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو آپ کے احکام ہمارے خدا کے طرف اپنے  
 ہم قوم لوگوں کو دعوت دینگے اور وہ تمام اصول اسلام جو آپ نے ہمیں تعلیم دیے ہیں اور ہم نے قبول کر لیے ہیں انہیں بتلایں گے  
 بیان تک کہ خدا تعالیٰ اور ملو گوں کو قبول اسلام کی توفیق دے اور وہ اسے قبول کر لیں اور آپ یقین کر لیں کہ اب ہلو گوں کے  
 نزدیک کوئی شخص آپ سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی خبر اور آپ کے اوصاف کی اطلاع قبیلہ انصاریت  
 کو یہود کے ذریعہ سے معلوم ہو چکی تھی اور یہی وجہ خاص اور سبب اصلی تھا کہ انہوں نے آپ کی زبان مبارک سے ہدایت و  
 ارشاد کے الفاظ سن کر اور یہود کے بیان کردہ صفات کے بالکل مطابق پا کر پیاسا ختم کیا انہا النبی الذی توعد کھربہ یہود  
 یہ تو وہی نبی ہے جس کا وعدہ یہود تھے کر چکے ہیں۔ ہم نے طبری کی پوری عبارت بھی لکھی اور اس کا ترجمہ بھی صرف اس لئے کیا کہ اسکی نہ لکھتے

جو ابہا نامی صاحب کے بیان میں رہ گیا ہے اور جو آگے چل کر بہت سے اوہام و مفاسد کا باعث ہوتا ہوا صاف ہو جائے۔  
بہ سعادۃ تندران انصار شمار میں چھوٹے اور قوم خزرج کے قبیلہ بنی نجار سے تھے شعبلی صاحب نے ان کے نام حسب ذیل بتلائے ہیں۔

(۱) ابوالشیم بن نہمان (۲) اسعد بن زرارہ (۳) عوف بن حرث (۴) رافع بن مالک بن عجلان (۵) اس وقت تک جتنا قرآن اتر چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں کو عنایت فرمایا۔ یہ بزرگ جنگ احد میں شہید ہوئے۔  
(۵) قطیبہ بن عامر (جنگ یمامہ زمانہ خلافت شہید ہوئے) جابر بن عبد اللہ (۶) بہت کبیر السن ہوئے۔ احادیث کثیرہ کے راوی ہیں واقعہ کربلا کے بعد تک زندہ رہے) اور قبر مطہر حضرت امام حسین علیہ السلام کے اولیٰ ترین

یہ پانچ قسمت انصار و دولت ایمان سے مشرف ہو کر بہت عینہ میں واپس گئی تو انھوں نے اہل دین کے سامنے سب سے گرانمایہ تحفہ اور بیش بہا ہدیہ پیش کیا وہ دین اسلام کی دعوت تھی۔ انھوں نے اس تحریک کو اس انداز سے آغاز کیا جس انداز سے وہ علماء یہود کی زبانی سن چکے تھے کہ ایک نبی آنے والا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور دین اسلام کو قبول کر لینے کے سارے واقعات سنانے کی بعد کہنے لگے کہ وہ نبی جس کا تمام عالم کو انتظار تھا آگیا۔ ہماری آنکھوں نے اس کا دیدار کیا اور ہمارے کانوں نے اس کے پاک کلام سنے اور اوس سنہ ہجو ہمیشہ زندہ رہنے والے خدائے ملاویہ: دنیا کی زندگی اور موت اب ہمارے سامنے بالکل آچھ رہی ہے۔ اسلام کے ان تبلیغین اولین کی اشارت کا یہ اثر ہوا کہ حقوڑے دنوں کے بعد قوم انصار کا کوئی گھراؤ یا سنی نہیں چھوڑا تب ہمیں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہ ہوتا ہو۔ اسی سال کے آخرین یہ نتیجہ نکلا کہ قوم انصار کے بارہ بزرگوار مکہ میں آکر شرف باسلام ہوئے تفصیل حسب ذیل ہے۔

## عقبہ ثانی کی بیعت

(۱۲ سالہ نبوت)

۱۲ سالہ نبوت کے ایام حج میں مفصلہ ذیل قوم انصار کے بزرگوار مکہ میں آئے۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت بابرکت میں حاضر ہو کر سعادت اسلام اور دولت ایمان سے بردہ اندوز ہوئے۔ ان کے نام نامی یہ ہیں۔

(۱) ابوامامہ (۲) عوف بن الحارث (۳) رافع بن مالک (۴) طبقہ بن عامر (۵) عقبہ بن عامر (۶) معاذ بن حرث (۷) ذکوان بن عبد قیس (۸) خالد بن مخدر (۹) عبادہ بن صامت (۱۰) عباس بن عبادہ (۱۱) ابوالشیم (۱۲) عویم بن ساعدہ  
حسب ذیل شرائط پر اصول اسلام کے مطابق یہ حضرات جناب حتمی مرتبت علیہ السلام کے دست حق پرست پر شرفیاب بیعت ہوئے۔

(۱) ہم خدائے واحد کی عبادت کیا کریں گے اور اس کی ذات واحد میں کسی کو اور کائنات میں نہ بنائیں گے۔

(۲) ہم چوری اور زنا نہیں کریں گے۔

(۳) ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔

(۴) ہم کسی پر جھوٹی ہمت نہیں لگائیں گے اور نہ کسی کی چٹلی اور غیبت کیا کریں گے۔

(۵) ہم کسی امر معروف میں معصیت نہیں کریں گے۔

(۶) ہم ہمیشہ احکام رسالت کی تصدیق کیا کریں گے اور ہمیشہ مطیع و فرمانبردار رہیں گے۔

جب ان لوگوں نے خدمت رسالت میں خلوص میں عقیدت شرائط بالا پر عہد پیمان شرعیہ کر لیا تو ان سے بطور موغلت ارشاد فرمایا گیا۔

فَارَوْفِدُوا فَلَكَ الْجَنَّةَ وَإِنْ غَشِيَتْكُمْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ  
فَاخْذُوا حِجَّتَهُ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَإِنْ سَلَوْتُمْ  
عَلَيْهِ اتَّيَّعَ الْقِيَامَةَ فَاذْكُرُوا لِلَّهِ أَنْ شَاءَ عَذَّبَكُمْ  
وَإِنْ شَاءَ غَفَلَ عَنْكُمْ

اگر تم لوگوں نے ان شرائط کو پورا کیا۔ تو تم ہمت بریں کے مستحق ہو گے اور اگر  
ان میں سے کسی چیز کی بھی فرو گذاشت کی تو قابل مواخذہ ہو گے اور اس کے  
لئے دنیا میں تم پر صدہ و شہرعیہ جاری ہونگے۔ اور وہ کفارہ ہیں۔ اور اگر  
تم نے اپنے گناہوں کو چھپائے رکھا تو پھر قیامت تک تم پر اسکا مواخذہ

باقی رہ جائیگا۔ اور پھر خداے تبارک و تعالیٰ کو اختیار ہوگا۔ چاہے وہ تم پر عذاب کرے چاہے بخش دے۔

**مصعب ابن عمیر کی تبلیغی خدمات** آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے خلوص و عقیدت سے مدینہ میں تبلیغ اسلام

کی وسعت اور کامیابی کا پورا یقین کر لیا۔ اور ان عقیدتمندوں نے اپنے اور اپنی باقی ماندہ قوم و قبائل کی تعلیم و ہدایت کی غرض سے  
آنحضرت مسلم کی خدمت میں یہ استدعا پیش کی کہ کوئی مبلغ اور محکم اسلام ان کے ہمارا کر دیا جائے۔ اس بنا پر آپ نے مصعب بن  
عمیر کو جو ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور آپ کے قریبی رشتہ دار تھے اور سابقین اسلام کے ممتازین میں داخل تھے۔ احکام  
اسلام سکھانے اور اصول دین بتانے کی غرض سے ان کے ساتھ بھیج دیا۔

ابتداءً مصعب بن عمیر بہت خوشحال تھے اور نہایت آرام پسند۔ مکہ میں انکی سواری جلوس کے ساتھ نکلا کرتی تھی۔ یہ گھوڑے  
پر وار ہوتے تھے اور آگے پیچھے مسلح غلاموں کے دستے رہا کرتے تھے جس پر ہمیشہ بیش قیمت لباس ہوتا تھا معمولی لباس میں کسی  
نے انکو کبھی نہ دیکھا۔ لیکن جب اسلام سے مشرف ہوئے تو ان تمام ظاہری اور فانی خالشات کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ پھر تو  
انکی یہ حالت ہو گئی کہ تب مدینہ میں خدمت تبلیغ پر مامور ہو کر آئے تو تمام گلیوں کو بچوں میں صرف ایک کمل کا ٹکڑا کر کے لے گئے  
اور دوسرا ٹکڑا کاغذ پر ڈالے دین حق کی منادی کیا کرتے تھے۔ اسلام میں اصلی زاہد اور حقیقی مجاہد کی ہی شان ہے۔

مصعب مدینہ میں تبلیغ اسلام کی منصب پر مقرر ہو کر آئے تو اس بن زرارہ کے بیان مقیم ہوئے۔ اہل مدینہ نے بڑے  
اعزاز و اکرام سے انکو اپنا مہمان کیا۔ اور شہر خالص اسلام کے تقاضہ سے انکی خدمت کو اپنا شرف یقین کرنے لگا۔ مصعب نے  
جس متعدی اور سرگرمی سے تبلیغ اسلام اور تعلیم ایمان کے فرائض خاص مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں ادا کئے وہ اپنی آپ مثال

ثابت ہوتے ہیں۔ انکی تبلیغ اتنے وسیع پیمانے پر مشہور ہوئی کہ مدینہ کے تمام لوگ انکو المقری و محکم کے لقب سے پکارنے لگے۔ تاریخ ابن ہشام اور طبری میں انکی خدمات تبلیغ کی نسبت لکھا ہے۔

ایک دن مصعب اور اسعد بن زرارہ مدینہ کے مشہور و معروف کنوین بیر مروق پر بیٹھے ہوئے یہ غور کر رہے تھے کہ بنی ظفر اور بنی عبدالاشہل کو دائرہ اسلام میں لاینگی کیا ترکیب کی جاوے۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حصیر ان دونوں قبیلوں کے سردار تھے۔ یہ دونوں ابھی تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔ اور تا وقتیکہ یہ دونوں شرفیاب اسلام نہولیں انکی ماتحتی اور زیر اثر قبائل کا اسلام لاتا دشوار تھا۔ انکے اس مشورے اور باہمانہ گفتگو کی خبر سعد بن معاذ اور اسید بن حصیر کو پہنچی معلوم ہو گئی تو سعد فوراً اوٹھے اور اسید کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ تم کس خواب غفلت میں آلودہ ہو۔ قوم کی قوم قبیلہ کا قبیلہ ہاتھ سے کلا جا رہا ہے۔ مصعب بن عمیر جو کہ سے سے دین کا مبلغ بن گیا ہے۔ وہ اور اسکے ساتھ اسعد و نو ملکر ہمارے قبیلہ کے ساڈھ لوگوں کو بھکار رہے ہیں تمہیں چاہیے کہ فوراً جا کر نہایت سختی سے منع کرو اور صاف لفظوں میں تباہ کید تمام ان سے کہدو کہ وہ دونوں آج سے ہمارے حملہ میں قدم نہ بھین جور نہ اچھانہ ہوگا۔ سعد بن زرارہ میرا خالہ زاد بھائی ہے تم جانتے ہو کہ میری و راسی فہمائش پر خانہ جنگی شروع ہو جائیگی۔ اسید نے کہا کوئی مضائقہ نہیں میں تمہا جا کر اس قضیہ کا خود فیصلہ کئے آتا ہوں یہ کہا اور ہتھیار باندھ لئے۔ اور اسید یہ بیر مرق کی طرف روانہ ہو گئے اسعد دور سے اسید بن حصیر کو آنا دیکھ کر مصعب بن عمیر سے کہنے لگا کہ دیکھو یہ قبیلہ کا سردار آ رہا ہے خدا کرے وہ تمہاری بات مان جائے۔ مصعب بولے اگر وہ آگیا اور زرارہ بھی بیٹھ گیا اور اس نے میری باتوں کو صرف سن لیا تو پھر وہ میرے قابو میں آجائے گا۔ اتنے میں اسید بھی اچھوٹا اور اسید نے پہلے کھڑے ہو کر اسعد و مصعب کو خوب صلواتیں سنائیں۔ پھر کہا تم لوگ ہمارے قبیلہ کے کم عقل لوگوں میں احمق بنانے کے لئے آئے ہو مصعب نے نہایت نرمی اور سنجیدگی سے جواب میں کہا کہ آپ جب آگئے ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ بھی جائیں۔ اور میری غرض و استدعا سن لیں اور مطیع طبع ہو تو مان لیں ورنہ اسکو میرے پاس چھوڑ دیں۔ اسید نے کہا۔ خیر کہو۔ اس میں حرج ہی کیا ہے میں تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اسید بیٹھ گیا۔ اور مصعب نے نہایت متانت اور وضاحت سے پہلے اونکا اصول اخلاق و ایمان بتلائے پھر قرآن مجید کے چند آیات پڑھ کر سنائے۔ اسید انکی تمام باتوں کو پورے الطینان اور خموشی کے ساتھ سنتا رہا۔ جب وہ اپنے کلام کو ختم کر چکا تو اسید وہ اسید ہی نہیں بٹھا فوراً مصعب سے کہنے لگا کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ جب کوئی شخص پہلے پہلے تمہارا دین قبول کرتا ہے تو تم کس ترکیب سے اسکو اپنے دین میں لے آتے ہو۔ مصعب نے کہا کچھ نہیں اسے غسل کراتے ہیں۔ پاک و پاکیزہ کپڑے پہناتے ہیں ہر کلمہ شہادت پڑھا کر دو رکعت نماز نوافل پڑھا دیتے ہیں۔ اسید سکر اٹھا فوراً غسل کیا کپڑے دھوئے اور مصعب کے پاس آپہوٹا۔ مصعب نے کلمہ پڑھا کر دو رکعت نماز پڑھا دی۔ جب اسید اس طرح مشرف باسلام ہو چکا تو مصعب سے کہنے لگا کہ ابھی میرے پیچھے ایک شخص اور ہے۔ میں اسے بھی ابھی جا کر تمہارے پاس بھیج دیتا ہوں۔ یاد رکھو۔ اگر تم نے اسے مسلمان بنالیا تو مدینہ بھر میں



پھر کوئی فرد واحد تمہارا مخالفت نہ ہے گا۔ انا مکہ اسید ہوں اور تمہارا سعد کے پاس پہنچا سعد نے اوسکو آتا دیکھ کر فوراً اوسکے موجودہ تغیر کو پہچان لیا اور چلا کر کہنے لگا۔ اسید جس ننگ میں تم یہاں سے گئے تھے وہ رنگ تمہارے چہرے پر باقی نہیں رہا۔ کہو خیر تو ہے۔ اسید کہنے لگے اوندو کو تو میں نے بطور خوب بھجوا دیا ہے اور اوس سے اقرار لے لیا ہے کہ وہ ہمارے منشاء و مشورت کے بغیر کوئی کام نہیں کریں گے۔ مگر وہاں تو ایک دوسرا قصہ پیش ہو گیا۔ بنو حارثہ ایک بار گئی وہاں پہنچ گئی اور وہ تمہارا مخالفت کی بنا پر تمہارے خالہ زاد بھائی۔ سعد بن زرارہ کے قتل کر دینے پر بالکل آمادہ اور طیار کھڑے ہیں۔ جلاؤ اور بھائی کی جلد نہرو۔ یہ سن کر اب سعد بن معاذ بوٹھرنے یا کوئی بات کرنے کا وقت کہن تھا نہایت عجلت سے اٹھا اور سناٹا ہو کر بڑی شہرت سے موقع پر روانہ ہوا۔ مگر چلتے چلتے اسید ابن حقیق سے اتنا ضرور کہتا گیا کہ افسوس ہے کہ یہ تم سے کوئی کام پورا نہ ہوا

سعد بن معاذ جب یہاں پہنچے تو کچھ بھی نہ تھا۔ مصعب بن عمیر اور سعد بن زرارہ اطمینان سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اب سعد کو اسید کی اس حکمت عملی کی ترکیب معلوم ہو گئی۔ اور اوس نے سمجھ لیا کہ اسید کو صرف میرا یہاں بھیج دینا مقصود تھا اور کچھ نہیں یہ سوچ کر وہ اوندو تو آدمیوں کے قریب آکر کھڑا ہو گیا اور اسید کی طرح دونوں کو برا بھلا کہنے لگا اور آخر کلام میں اسعد سے تہدید ایہ بھی کہا کہ اگر تو ہمارے تمہارے درمیان خرابی و عنید و ارمی کا واسطہ نہ تو اتنا تمہارے مجال نہ ہو کہ تم ہمارے محلہ میں قدم دہرتے۔ اسعد نے آہستہ مصعب سے کہا کہ یہ قبیلہ کے پاس رئیس ہیں۔ اگر تم نے انکو قابو میں کر لیا تو پھر سارا مدینہ تمہارا مطیع ہے مصعب نے کہا انشاء اللہ۔

مصعب رؤسائے انصار کا فراہان تو ہو ہی گیا تھا۔ سعد کے ساتھ بھی اوس نے اپنی گفتگو کا وہی انداز رکھا جو اسید کے ساتھ رکھا تھا۔ نہایت آہستگی اور نرمی سے کھا کہ آیتے بیٹھ جاتے جو میں عرض کرتا ہوں اوسے سن لیجئے۔ اگر مطیع خاطر ہو تو خیر ورنہ مجھے کوئی اصلاح نہیں۔ سعد نے بھی اسید کی طرح کہا کیا مضائقہ ہے۔ یہ کہا اور بیٹھ گیا مصعب نے اوسی طرح اپنی تقریر کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے اسلام کی خوبیاں پھر اصول تبتلائے اور اسکے بعد قرآن مجید کی آیتیں تلاوت فرمائیں مصعب کی تقریریں معاذ کی ساری حرارت ٹھنڈی تھی نتیجہ وہی ہوا جو اسید کا۔ یہ بھی اوسٹھے نہائے دھوئے کپڑے بدلے اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے ہذا فضل اللہ یوتیہ من یشار

سعد بن معاذ اسید سے زیادہ پر جوش اور سرگرم اٹھئے مصعب سے رخصت ہو کر جب اپنے قبیلہ کے پاس آئے تو اونھوں نے تمام قبیلہ کے لوگوں کو اپنے پاس بلایا اور اوس کے سامنے صاف صاف لفظوں میں اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا اور اوس سے کہا کہ میں تو اسلام لا چکا۔ اب تم اپنی کہو۔ تمام قبیلہ نے کہا کہ تم ہمارے سردار ہو۔ ہر امر میں تمہاری راے ہماری رائے سے بہتر اور اعلیٰ ہے سعد بن معاذ بوٹھے تعلیمات و اشارات سے کام نہیں چلتا میں تو اب تا دقتیکہ تم مشرف باسلام نہ ہو جاؤ کسی ایک مرد یا عورت سے بات کرنا بھی اپنے لئے حرام جانتا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا

یہ موجود نہ تھے وہ صبح سے شام تک آتے رہے اور اسلام لاتے رہے رات کی نماز کے بعد جب قبیلہ کا جائزہ لیا گیا تو قبیلہ بنی عبدالمطلب میں ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں پایا جو اسلام نہ لایا چکا ہو۔

افسوس ہے کہ عربی مآخذوں نے انصاریہ کے اس خلوص اور جذبہ فی الاسلام میں صفحوں کے صفحے بہر دئے ہیں لیکن شہابی صاحب کے اختصار نے انکی بڑی ہوشیاری اور کفایت شعاری سے صرف دو تین سطروں میں تمام کر دیا ہے۔ لیکن باریہمہ اتنا لکھ کر ضرور اقرار کر دیا ہے کہ مدینہ سے قبائک تمام اسلام پھیل گیا۔ صرف خطبہ وائل اور واقف کے چند قبائل باقی رہ گئے۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۲۹

## انصار اور رسول اللہ کو ہجرت مدینہ کی دعوت

اخلاص مندان انصاریہ بہت دوحصلہ کی اتنی افزائش ہوئی کہ سال آئندہ انھوں نے اپنے عقیدت مندوں کے پچھتے آدمیوں کی ایک وفد تیار کی اور انکو بسرکردگی مصعب ابن عمیر و سہم حج میں حجاج مدینہ کے ساتھ اس غرض خاص سے بھیجا کہ وہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں تشریف لایا کی خاص طور پر دعوت دیں۔

عقیدت مندان انصاریہ کی یہ وفادار و جہد میں نصیب اور اسامہ و عورتیں بھی شامل تھیں۔ حجاج مدینہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے یہاں پر لکھ آئے ہیں کہ ظلم و خوف کفار سے اسلام لانا گویا جان سے ہاتھ دھونا تھا اس بنا پر بڑے حزم و احتیاط اور پوری رازداری اور ہوشیاری سے کام لینا ہوتا تھا۔ اور یہ تمام امور اتنے مخفی طو سے کئے جاتے تھے کہ سوائے خاص عقیدت مندان اسلام کے کسی اور کو ان امور کی کانوں خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔

چونکہ شہابی صاحب نے ان معاملات کے اخفا و رازداری کی اہمیت کو اپنے مفید مطلب نہیں سمجھا ہے اس لئے بیعت ہائے عقبہ کے ان مخفی اور رازدارانہ طریقہ کے اظہار و اندراج کو حسب العادت مرفوع القلم فرما دیا ہے لیکن ہم اسکے انکشاف حقیقت کو موجودہ اور آئندہ واقعات ہجرت کے لئے نہایت ضروری اور مفید سمجھتے ہیں اس لئے تاریخ طبری کی مفصلہ ذیل عبارت سے اسکی پوری کیفیت درج کرتے ہیں۔

مصعب بن عمیر اور انصار مسلمین کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور ان جماعت مسلمین کے ہمراہ مدینہ کے مشرکین بھی تھے جو حج کے قصد سے مکہ میں آئے تھے یہ لوگ مکہ میں آئے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا وعدہ لیا اور اپنے گیارہویں تاریخ (اوسط ایام تشریق) ان کو ان سے لینے کا وعدہ فرمایا اور آپ روز و تاریخ کو مشیت ایزدی نے اپنے پیغمبر کے اہل کرامت و نصرت اور اسلام کی افزونی عزت و منزلت کے لئے قرار دیا تھا کہ اب کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ

نشان مصعب بن عمیر رجع الی مکة و خرج من خرج من الانصار المسلمین الی الموسم الحج مع حجاج قومهم من اهل الشریکۃ قلنا مکة فواعدوا رسول الله صلعم العقبہ من اوسط ایام التشریق حین اراد الله جبروا اراد من کرامته والنصر لنبیہ صلعم ولا غرار الاسلام و اهلہ و اذلال المشرک و اهلہ قال الکعب

فلما فرغنا من الحج وكانت الليلة التي واعدنا رسول الله  
صلعم ومعا عبد الله بن عمرو وابو الجابر واخبرناه وكنا نكتم  
معنا من المشركين من قومنا امرنا نكلمناه وقتلنا له يا ابا  
جابر لك ميل من ساء امتا وشريف من اشر قبلاواتنا  
نرغب بك عما انت فيه ان تكون خطيبا بالتارعدا فخرجنا  
الى الاسلام واخبرناه بجميع اد رسول الله صلى الله عليه  
والله وسلم انا العقبه قال فاسلم معنا العقبه وكان  
تقريبا فينا تلك الليلة مع قومنا في رجالنا حتى مضى الليل  
الليل خرجنا من رجالنا مع اد رسول الله صلعم فنسئل  
مستخفين نسئل القلاء حتى اجتمعنا في الشعب عند  
العقبه ونحن سبعون رجلا ومعهم امرأتان من نساءهم  
نسيبة بنت كعب ام عماره وهما بنت عمر بن عبد  
فاجتمعنا بها الشعب نتظروا رسول الله صلى الله عليه  
والله وسلم حتى جاءنا ومعه عبد عباس بن عبد المطلب

طبری جو من ص ۱۲۲

مناسک حج سے فارغ ہو چکے تو وہی رات تھی جس رات کو آنحضرت صلعم نے ہبلوگوں کو مشرف اسلام فرمائے گا و عدہ کیا تھا اور ہبلوگوں کے ساتھ عبداللہ ابن عمر جبکی کنیت ابو جابر تھی۔ وہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن ہم نے ان کو احرام کی خبر دی تھی اور ہبلوگ اس امر کو مشرکین سے جو ہمارے ساتھ آئے تھے چھپانے تھے اور بڑی احتیاط سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ لیکن ابو جابر سے ہم نے خاص طور پر اسکو کہہ دیا کہ اسے ابو جابر تم ہمارے سردار اور شرف قوم۔ قبیلہ ہو۔ اور ہبلوگوں کو انہیں کہ ہم آنوریت میں بلو جھنم کا بندھن درمیان با ہونے دین۔ مگر ہم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ اسی دن کو وہ کی طرف آج رسول اللہ علم نے تشریف لائے اور بیعت اسلام سے مشرف فرمائے گا و عدہ کیا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ابو جابر سلمان ہو گئے اور ہمارے نقیب مقرر ہوئے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اس لنگو کے بعد ہبلوگ رات کو سو رہے اور جب بین بصرہ رات چلی گئی۔ تو ہم لوگ اپنی تیام گاہ سے اٹھے اور ایک ایک شخص نہایت سبستگی کے ساتھ پاؤں و ہا دبا کر مثل پرندہ قطار کے ٹپس گھٹائی کی طرف چلا۔ اور اسی طرح ہم سب لوگ جمع ہوئے اسوقت ہم لوگ دو غور تین حکاکر مجبوراً منشتہ آدمی تھے غورتوں میں ایک کا نام نسیتہ نیت کعب اور کنیت ام غمارہ تھی اور دوسری کا نام اسمانیت عمر بن عدی۔ ہبلوگ اس پہاڑ کے دھما

ظہری کی اس عبارت سے ثابت کر دیا کہ یہ امور کس رازداری اور پوشیداری سے عمل میں لائے جاتے تھے اور سوائے ان معتمدین و معتبرین خاص کے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعتبار ہوتا تھا۔ بالایمان لانے والوں کو اپنے جنہاں اجاب پر اعتماد و اطمینان کئی ہوتا تھا سوائے ان کے اور کسی سے اشارت یا کنایت ان امور کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔

اسی کے ساتھ حضرت عباس کی شرکت و ہمراہی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ معدودے چند حضرات بنی ہاشم جو اس وقت تک بظاہر اسلام نہیں لائے تھے لیکن قربت اور گانگی کو فطرتی اور حقیقی تعلقات کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک مقابلہ دیگر مسلمانوں کے زیادہ معتاد اور مشرب تھے۔ اسی لئے ان کو ایسی سخت رازداری کے اوقات میں ان کے افلاص و اتحاد پر پورا اعتماد کر کے ان کو اپنا رفیق و ہمراہ بنایا گیا۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلعم کے احباب خاص کی گزشتہ فہرست میں حضرت عباسؓ کی ایک سی بی ہاشم کا نام نہیں دیا۔ اور محض بیرونی اشخاص کو احباب خاص میں داخل کر دیا ہے جس پر ہم مفصل بحث کر چکے ہیں۔

اب ہم ان واقعات کو شبلی صاحب کی زبانی ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

اگلے سال بہتر شخص جمع کے زمانے میں آئے اور اپنے ساتھیوں سے دعوت پرست تھے، پھر ہر مقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس موقع پر حضرت عباس بھی جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ انھوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا کہ اگر وہ خرزج۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ انکے سینہ سپر رہے اب وہ تمہاری آپ جانا چاہتے ہیں اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر روزہ ابھی سے جواب دہ ہو۔ یہ آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا ہم لوگ تلوار کی گود میں بی بی ہیں۔ وہ اسی قدر کٹ پائے تھے کہ ابوالشیم نے بات کاٹ کر کہا یا رسول اللہ صلعم۔ ہم سے اور یہ دو سے تعلقات میں بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے ایسا تو نہ ہو کہ جب آپ کو قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ہم کو چھوڑ کر یمن چلے جائیں۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ آنحضرت ص نے تین باتوں پر انصار سے بیعت لی یقین۔ ترک۔ چوری۔ زنا قتل اور لاد اور فقر کے مرتکب نہ ہونگے اور یہی بات جو رسول اکرمین گے اس سے سترابی بکری لگے۔

جب انصار بیعت کر رہے تھے تو اعراب بن زہرہ نے کھڑے ہو کر کہا بھائیو یہ بھی خبر ہے کہ گویا جبریت کر رہے ہو یہ عرب و عجم اور جن و انس سے اعلان جنگ ہے۔ سب نے کہا ہاں ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔  
مفصلہ ذیل بارہ اشخاص جو نقیب انتخاب کئے گئے یسیر القیامی تھے ان کا اسلام قبول کرنا تمام اسلام کا قبول کرنا تھا۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ شرط صحیح بخاری کی روایت ہے۔ یہ کہ یمن میں فکر ہے کہ عقیقہ اولیٰ کے شرائط میں۔ اخیر بیعت اس بات پر لگی کہ انصار آپ کی جان کی حفاظت کریں گے، شبلی صاحب کی نظر اگر وسیع ہوتی تو آپ یہ تقریریں تفصیل نہ دیکھ کر تے اور سمجھ لیتے کہ منع عن الشرب والسرقة والافشاء والاعتناء عن قتل اللاد والادلاء وغیر ذلک۔ یہ تمام شرائط اسلام کے ابتدائی اصول ہیں جن میں ان کا قرار پر بیعت میں حصہ شریک لیا گیا ہے فتح مکہ کی اخیر بیعت میں بھی بیعت کر نیوالوں سے یہی قرار لے گئے تھے۔ اس بنا پر یہ اصول پر بیعت کے شرائط مخصوصہ نے ساتھ عام طور سے منکر ہیں اس لئے بخاری نے عقبہ ناخبرین بھی ان کو لکھ دیا۔ اور اہل سبیت نے اس خیال سے کہ بیعت اولیٰ کے ذکر میں ان کو لکھ چکے ہیں۔ ان کو تو نہ لکھا مگر مخصوص شرط کو اس غرض سے قلمبند کر دیا کہ ان کا ذکر اور پر نہیں کیا گیا تھا شبلی صاحب یمن سے فن تاریخ و سیرت اور فن حدیث کے اصول مختلف کو سمجھ لیں۔

لیکن بخاری کے شرط اخیر کہ رسول اللہ صلعم جو ابھی بات کہیں گے اس سے سترابی نہ کریں گے اس کا البتہ کسی تاریخ و سیر کے مؤلف نے نہیں کہا ہو۔ اور سجدہ میں نہیں تاکہ خدا کا رسول ابھی باتوں کو چھوڑ کر کبھی بری باتوں کو بھی بتلاتا ہو جو صریح نقیض شان رسالت ہے اس قسم کی بیعت مشروط اور اطاعت مخصوصہ تو حکم عام اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے بالکل مخالف ہے۔ فافہم قدیر  
المؤلف



- (۱) اسید بن حضیر جنگ بعاث میں انھیں کے باپ اوس کے سردار تھے۔
- (۲) ابوالشیم بن نہان۔
- (۳) سعد بن خثیمہ جنگ بدر میں شہید ہوئے۔
- (۴) اسعد بن زرارة اکاذرو پر ہو چکا ہے یہ امام نماز تھے۔
- (۵) سعد بن الربیع جنگ اودینہ میں قدیم رسالت پر جان دیکر شہید ہوئے۔
- (۶) عبد اللہ بن رواحہ مشہور شاعر ہیں جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔
- (۷) سعد بن عبادہ معزز اور مشہور صحابی ہیں سقیفہ بنی ساعدہ میں انھیں نے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔
- (۸) منذر بن عمر جنگ بدر میں شہید ہوئے۔
- (۹) ہزار بن معرور بیعت عقبہ میں انصار کی طرف سے انھیں نے تقریر کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل انتقال کر گئے۔

- (۱۰) عبد اللہ بن عمر جنگ احد میں شہید ہوئے۔
- (۱۱) عبادہ بن صامت مشہور صحابی ہیں ان سے اکثر حدیثیں مروی ہیں۔
- (۱۲) رافع بن مالک جنگ احد میں شہید ہوئے۔

یہ بارہ شخص جو نقیب انتخاب کئے گئے تھے یس القباہل تھے انکا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا صبح کو مکہ میں اس بیعت کی خبر پہنچی قریش انصار کے پاس آئے اور شکایت کی۔ انصار کے ساتھ جو بت پرست تھے اونکو اس بیعت کی خبر نہ تھی اونہوں نے تکتہ بیک کی کہ اگر ایسا ہوتا تو ہم سے کیونکر چھپ سکتا تھا۔

سعد بن عبادہ پر قریش کے مظالم

نبی صاحب کی کوتاہی کا کوئی علاج نہیں۔ حالانکہ اس سے سلسلہ واقعات میں اسقاط و ابہام واقع ہو جاتے ہیں جو شان تالیف اور تدوین مؤلف کے مخالف ہے۔ آپ نے اوپر تین حالات لکھے۔ مابعد کے تمام واقعات مرفوع القلم فرما دیئے معمولی دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ مسلمین انصار پر سکے بعد کوئی سختی یا تشدد نہیں گذرا وہ ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے گھر چلے گئے اور قریش نے بھی بت پرستان مایہ سے استفسار کرنے کے بعد ان لوگوں سے کچھ مواخذہ نہیں کیا اور قطعی دست بردار ہو گئے۔ حالانکہ یہ سراسر خلاف حقیقت ہے ظلمہ قریش نے مشرکین پر یہ کہے بیانات لینے کے بعد بھی انصار کی طرف سے اپنی تلاش و سرانجام رسانی کا سلسلہ موقوف نہیں کیا اور مسلمین انصار سے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ جن میں ایک سعد بن عبادہ تھے ان پر جو مظالم ہوئے وہ بہت جلد بیان ہوتے ہیں۔

افسوس ہے کہ ان قابل الذکر واقعات کو جو انصار کے سلسلہ حالات کے جزو و افراد ضروری الذکر تھے صرف اسلئے قلم زد کرنے گئے کہ نبی صاحب کے خود غرضانہ موضوع تالیف کے اصول خاص میں انصار کے اخبار و اذکار قابل استحفاظ و استند کار

نہیں خصوصاً سعد بن عبادہ جو بقول شبلی صاحب اول عویدہ رثاقت ہوئے تھے اور ایسی ناقابل عفو جرم کے مجرم تھے۔  
سعد بن عبادہ کی داستان مصیبت ابن ہشام کی زبانی حسب ذیل ہے۔

وخرجوا في طلب القوم فادركوا سعد بن عبادة باذ اخرو  
المذمر بن عمار خابني ساعده ابن كعب ابن الخزرج وكان  
كان نقيما فاما المذمر فاجبر القوم فاما سعد فاخذوه  
فوطئوا يديه الى عنقه بلسع رحله ثم اقبولوه حتى  
ادخلوه بركة يضربونه ويخربونه بحجة وكان فامة عركته  
قال - اسعد اني لفي ايام يهرق اطامع على نض من قريش  
فيهم رجل وضي ابيض شعث حلو من التوبال قال  
سعد بن عبادة قلت في نفسي لا ان بات عند احد من  
القوم خير فعند هذا اخلا دنا متي دفع يدك نلكني بكة  
شد يدك قال قلت في نفسي لا والله ما عندهم بعد هذا  
من خير قال فوالله اني اريد يهرق لسيدي مني اذا اذا  
اريد لي رجل ممن كان معهم قال وميتك ما بينك وبين  
احد من قريش جوار ولا محمد قال قلت بل والله لقد  
اجبر لبيد بن مطعم تجارة ولمعه من اداد ظلمهم  
مبلادي وللمرت بن حبيب ايضا قال ويحك فاهتف  
باسم الرجلين واذا كس ما بينك وبينهما قال وفعلت  
خرج ذلك الرجل اليهما فوجدهما في المسجد عند الكعبة فقال  
لهم ان رجلا من الخزرج الان يضرب بالابطاح نصف بكمما  
بذكران بنيه وميتكما جوار قالوا ومن هو قال سعد بن  
عبادة قال صدق والله ان كان ليحيد لنا ايجارنا ويمنهم ان  
نظلموا ببلد قال فجاء مخلصا سعدا من ايد يهرق فاطلق

ص ۱۵۵

یہ ثابت قدم شخص شرب کو چھڑ گیا۔

قریش کو دن کانے کے بعد کچھ ہنگامی معلوم ہوئی وہ اہل شرب کی تلاش میں نکلے۔  
لیکن ان کو قافلہ صبح ہی روانہ ہو چکا تھا قریش نے سعد بن عبادہ اور منذر بن عمر  
کو وہاں پایا۔ منذر تو ہنگامی نکلا اور ان کے ہاتھ نہ آیا مگر سعد بن عبادہ کو انھوں نے  
بکڑ لیا اور کئی سواری کے اونٹ کا بٹا کھول کر اس کی ٹانگ پر باندھ لیا۔ اس کے منہ میں لاکڑیاں بھین  
دیتے تھے۔ ان کے سر کے لمبے لمبے بالوں کو کھینچ پھرتے تھے۔ یہ سعد بن عبادہ  
وہی ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے نفیہ اسلام مقرر فرمایا تھا یہ اپنا واقعہ آپ  
بیان کرتے ہیں ان کے کہنے میں کہ جب قریش مجھے مار رہے تھے تو ایک سرخ سیف اور  
شیریں شامل شخص میرے پاس سے گذرا اور میرے دیکھ کر میرے دل میں خیال ہوا کہ اگر  
اس قوم میں سے کسی شخص سے میری بدنامی ہو سکتی ہو تو وہ یہی ہو گا لیکن جب وہ میرے  
پاس آیا تو اس نے میرے مونہ پر بڑے زور سے طمانچہ لگایا۔ اس وقت مجھے یقین آ گیا  
کہ ان لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو جس کی فیر کی امید کجائے۔ ان میں ایک شخص اور  
آیا اس نے میرے نال پر زور کیا اور کہا کہ قریش میں سے کسی کے ساتھ تجھ کو  
شناسائی اور ربط نہیں ہے اور کسی شخص سے بھی تجھے بیان عہد و پیمان نہیں سبب  
کے ساتھ ان جبیل بن مطعم اور حشر بن حرب جو عبدمنات کے پوتے ہیں۔ وہ تجھ کے لئے  
میرے پیمان پر ایسا کر رہے ہیں میرے ان کے شناسائی بھی ہے اور عہد و پیمان بھی  
میں نے ان کے ساتھ کیا ہے ان کی حفاظت کی ہے اور اس شخص نے کہا پھر ان میں  
دو قواد میوں کی ڈھائی کیوں نہیں دیتا اور ان کو اپنی نصرت و حمایت کے لئے کیوں  
نہیں بلاتا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا پھر وہی شخص ان کو نوٹے پاس لگا اور کہا  
کہ قبیلہ خزرج کا ایک آدمی گرفتار ہو کر مارا گیا اور غریب تمہارے نام  
لیکھ کر رہا ہے۔ ان دونوں نے پوچھا وہ کون ہے اور اس کا کیا نام ہے اس نے  
بتلایا کہ وہ سعد بن عبادہ نام بتلاتا ہے۔ وہ دونوں بولے ہاں ہاں اس کا ہم  
دونوں آدمیوں پر احسان ہی پھر وہ موقع پر پہنچے اور مجسمہ کو چھڑا دیا۔ اور

صاحب رحمۃ اللہ امین اس واقعہ کے متعلق ذیل کی عبارت حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

سید بن عبادہ کے حال سے کیا نتیجہ نکلتا ہے کیا سبق ملتا ہے؟ یہی کہ اسلام کے ساتھ ہی خدا کی طرف سے آزمائش شروع ہو جاتی ہے۔ جھوک پیاس کی آزمائش۔ قوم و ملک کی عداوت کی آزمائش۔ ضرر جسمانی اور نقصان مال کی آزمائش وغیرہ اور جب کوئی شخص ان آزمائشوں میں پورا اترتا ہے تب وہ خدا کے اوس ابدی وعدے کا مستحق ٹھہر جاتا ہے جو قرآن و انجیل و تورات میں مبین سے کیا گیا ہے کہ اسکی دنیا بھی عمدہ ہوگی اور آخرت بھی عمدہ ہوگی۔ (مختصر از کتاب رحمۃ اللہ امین ص ۷۶)

مرفوعہ بالا عبارت سے ہر شخص باسانی مجبور لے سکتا ہے کہ ایک مولف نے اس واقعہ کو زیادہ ضرورت سمجھ کر مرفوعہ لکھا ہے اس کے خلاف وہ دوسرے محقق نے اسکی نقل تفصیل کو ضروری ذکر سمجھا اس شرح و بسط سے قلمبند کیا ہے ظاہر ہے کہ مولف اول کی رائے اسکے مرفوعہ القلم کر دینے کی نسبت ضرور اسکی اپنی ذاتی اغراض پر مبنی تھی اور مولف آخر نے بغیر کسی ذاتی اغراض و مطالب کے۔ صرف اسلام کی صداقت اور متقدمین اسلام کے استقبالیہ دست قیامت کے اظہار مدعا کو پیش نظر رکھ کر اس واقعہ کو اپنی تصریح کے ساتھ لکھ دیا ہے اگر تنہا شبلی صاحب نے اس پر اعتنا نہ فرمائی تو کیا سید بن عبادہ کے اسلامی خدمات اسلام کی تمام کتابوں میں محفوظ ہیں اور ان شاء اللہ ابداً باقی قائم و برقرار رہیں گے

صحیابہ کو ہجرت مدینہ کی اجازت

شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

مدینہ کو اسلام میں پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیابہ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں مگر قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کر دی رفتہ رفتہ اکثر صحیابہ چلے گئے۔ صرف آنحضرت صلعم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے۔ جو لوگ مغلی سے مجبور تھے وہ مدت تک نہ جا سکے یہ آیت مبینہ کی شان میں ہے۔

وَالْمُسْتَضْعِفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمُ أَهْلُهَا

شبلی صاحب صریح خاص خاص موقع پر کوہ قلمی کے دلدادہ ہیں اسی طرح خاص خاص حضرات کے گرویدہ بھی ہیں انکے ذکر اخبار میں آپ کا کلام بیان بہت ہی وسیع البیان ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس واقعہ اور اس سے پہلے کے واقعہ میں خاص کردہ حضرات اور انکے خدمات میں جن سے آپ کو کم تعلق ہے۔ اس لئے سرے سے یہ واقعات ہی فرو بیان سے خارج کر دیے گئے لیکن ایک آزاد مولف اور خاص کر ایسے محقق کو جو بلاد اسطہ و تعلق آزادی سے صرف اسلام کے واقعات کی ترتیب دینا ہے اس تخصیص و تنقید اور قطع و برید کی ضرورت نہیں شبلی صاحب کے خلاف مولوی سید سلیمان صاحب مولف رحمۃ اللہ امین نے ان واقعات کو مفصلہ ذیل عبارت میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

عقبہ ثانیہ کی ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اون مسلمانوں کو جو مکہ سے ابھی باہر نہیں گئے تھے لیکن

اب جن پائے ظلم و ستم ہونے لگے تھے کہ پیارا وطن انکے لئے آگ کا بھاری بن گیا تھا۔ شرب چلے جانے کی اجازت دیدی۔ ان ایمان والوں کو گھر بار، خویش و اقارب۔ باپ بھائی اور زن و فرزند کے چھوڑنے کا کوئی غم نہ تھا بلکہ خوشی یہ تھی کہ شرب جا کر ضلے و صدمہ لاشرب کی عبادت پوری آزادی سے کریں گے۔ ان ہجرت کرنے والوں اور گھر چھوڑنے والوں کو قریش مکہ کی سخت فراحت کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔

صہب رومی پر ظالم | صہب رومی رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار نے انھیں آگیا اور کہا صہب جب تو مکہ میں آیا تھا تو مغلس قلاش تھا۔ یہاں شیر کو قونے ہزار ہا کدائے۔ تاج یہاں سے جاتا ہے اور چاہے یہاں سے سب مال و زر لے کر چلا جائے۔ تو ایسا کہی ہونے کا نہیں۔ صہب نے کہا اچھا۔ اگر میں سب سال و متاع تمہیں دیدن تب تو مجھے ہلنے دو گے۔ قریش بولے ہاں۔ حضرت صہب نے سارا مال اور سب وقت دیدیا اور وامن جہاں کو مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ جناب رسولی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا صہب نے اس سو سے دین نفع کثیر کمایا۔ بحوالہ ابن ہشام ص ۱۶۰

حضرت ام سلمہ کنتی بن کثیر سے شہر ابو سلمہ نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ مجھے اونٹ پر بٹھلایا میری گود میں بیٹھ کر سلمہ تھا۔ جب ہم چلے تو بنو نضیر نے اگر ابو سلمہ کو گھیر دیا۔ کہا تو جاسکتا ہے مگر ہمارے لڑکے کو نہیں لیا سکتا۔ اب بنو اسد بھی گئے اونھوں نے ابو سلمہ سے کہا کہ تو جاسکتا ہے۔ مگر بچہ کو جو ہمارے قید سے ہے تو نہیں چلے جاسکتا۔ غرض اونھوں نے ابو سلمہ سے اونٹ کی ہمارے کر اونٹ بٹھلا دیا۔ بنو الاسد تو گود کے بچہ کو مان کی گود سے چھین کر لے گئے اور بنو نضیر ام سلمہ کو لے آئے۔ ابو سلمہ جو دین کے لئے ہجرت کو قرض سمجھتی تھی زن اور بچہ کے بغیر مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ ام سلمہ روز شام کو اس جگہ پہنچ جاتیں جہاں وہ بچہ اور شہر ہوتے آگ کی گئیں تھیں۔ گھنٹن روو ہو کر واپس آئیں۔ ایک سال تک اسی طرح روتے چلائے گئے۔ آخر انکے چچا زاد بھائی کو رنم آیا۔ اور ہر دو قبائل سے کہہ سن کر ام سلمہ کو اجازت و لوا دی کہ اپنے شہر کے پاس چلی جائیں۔ بچہ بھی اونکو واپس دیدیا گیا۔ یہ تنہا مدینہ چلی گئیں۔ ابن ہشام ۱۶۵

ہشام بن عاص اور عیاش پر ظالم | حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ عیاش اور ہشام بھی میرے ساتھ مکہ سے مدینہ چلے عیاش تو روانگی کے وقت جائے مقررہ پر پہنچ گئے مگر ہشام کی بابت کفار کو خبر لگ گئی۔ انکو قریش نے قید کر لیا عیاش مدینہ جا پہنچے کہ ابو جہل سے اپنے برادر حرث کے مدینہ پہنچا۔ عیاش اسکے چچے بھائی تھے۔ اور تمیون کی ماں ایک تھی۔ ابو جہل اور حرث نے کہا کہ تمہارا بعد والدہ کی بری حالت ہو رہی ہے۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ عیاش کا مونہہ دیکھنے تک نہ سر میں لگھی کہ وہ نکی اندھا بین بہیوں کی اس لئے بھائی تم چلو اور ماں کو تسکین دیکر چلے آنا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا عیاش مجھے تو یہ فریب معلوم ہوتا ہے تمہاری ماں کے سر میں اگر چون پڑ گئی تو وہ آپ کنگھی کر لگی۔ اور اگر مکہ کی دھوپ سنو را بھی خبری تو وہ خود ہی ساہو میں بیٹھ جائے گی۔ میری تو یہ رائے ہے کہ تمہیں جانا نہیں چاہیے۔ عیاش بولے نہیں میں والدہ کی قسم پوری کر کے واپس آ جاؤ گا۔ عمر فاروقؓ نے کہا اگر اچھا یہی رائے ہے تو میرا ناقہ لیتے جاؤ بہت تیز رفتار ہے اگر راستہ میں تمہیں کہیں بھی ان سے شہدہ گزرتو تم اس ناقہ پر نہایت آسانی



سے انکی گرفت سے بچ کر آسکو گے۔ عیاش نے ناقہ لے لیا یہ تنہا چل کھڑے ہوئے ایک روز راہ میں مکہ کے قریب ابو جہل نے کہا ہمارا اونٹ تو تمہارا ہے۔ ناقہ کے ساتھ چلتے چلتے ٹھک گیا بہتر ہے کہ تم مجھے اپنے ساتھ سوار کرو۔ عیاش بولا بہتر جب عیاش نے ناقہ بٹھلایا تو دونوں صاحبوں نے اسے پکڑ لیا مشکین کس لین اور اسی طرح مکہ میں داخل ہوئے۔ یہ دونوں بڑے فخر سے کہتے تھے کہ دیکھو یہ تو فون کو دین سزا دیا کرتے ہیں۔ اب انکو بھی ہشام بن عاص کے ساتھ قید کر دیا۔ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچے تو حضور کی تمنا پوری کرنے کے لئے ولید بن مغیرہ مکہ میں آئے۔ زندان خانہ سے دو نو کو شب بیاشب نکال کر لے گئے۔ ابن ہشام ان واقعات سے مہاجرین سابقین کے مصائب و شداید جو حکم خدا و رسول کی بجا آوری میں ان مظلومین کو ظلمہ وقت کے ہاتھوں اٹھانے ہوئے تفصیل کے ساتھ ثابت ہو گئے۔ کیا ان میں سے ایک بھی شبلی صاحب کے لئے قابل ذکر نہیں تھا۔

## ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ بِالْهَجْرَةِ

سالہ سال نبوت سلمہ حبشی

یہ واقعہ تمام تر بخاری صاحب کی مضمون آخری اور شبلی صاحب کی قلم آرائی کا نمونہ ہے اور اگر زیادہ تحقیق کی جائے تو علماء و محدثین سواد اعظم کے طبایع کا کامل ذکر جنکے مواد و اجزاء کی ترتیب و تجميع تو خلافت راشدہ کے وقت ہی کا آغاز ہوئی تھی لیکن امیر معاویہ کی دوران حکومت میں انکے فرمان شاہی کے ذریعوں سے ان تمام موضوعات کا اصل عقائد میں داخل ہونا اور ارکان اسلام تسلیم کیا جانا۔ تمام قلم و اسلامی بین مشہر اور ناقد کیا گیا۔ اور آئندہ حکومت امتویہ و عباسیہ نے اسکو استقرار حکومت کا سب سے بڑا ضروری اور مستحکم ذریعہ یقین کر کے اس اہمیت کے ساتھ جاری کر لیا کہ یہ موضوعات اور موضوعات حقیقی واقعات اور اصلی حالات پر بقت لے گئے۔ لیکن باوجود اتنے طول و طویل انتظام و اہتمام حکومت کے اسکی حقیقت اور اصلیت زمانہ سے نہ مٹنے والی تھی نہ مٹی تفصیل قریب آتی ہے۔ چونکہ ہمارے اس روایت کا تنقیدانہ طریقہ سے انکشاف حقیقت کرنا ہے اسلئے ہم شبلی صاحب کی پوری عبارت حسب ذیل نقل کر دیتے ہیں۔

نبوت کا تیر ہواں سال شروع ہوا۔ اور اکثر صحابہ مدینہ میں پہنچ چکے تو وحی الہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مدینہ کا غم فرمایا یہ داستان نہایت پُر اثر ہے۔ اور اس سبب سے امام بخاری نے بھی باوجود اختصار پسندی نے اسکو خوب پھیلا لکھا ہے اور حضرت عائشہ کی زبانی لکھا ہے۔ حضرت عائشہؓ کو اس وقت چھ سات برس کی تھیں لیکن انکا بیان درحقیقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان ہے کہ انھیں سے سنا ہوگا اور ابتداء سے واقعہ میں خود بھی موجود تھیں۔ میری تمہیدی عبارت بیان کے قوت میں شبلی صاحب کا مرقعہ بالا عنوان کہ یہ پُر اثر داستان ہے امام بخاری صاحب نے باوجود اختصار پسندی کے اسکو

تھیں۔ قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور انکا اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس بنا پر انھوں نے دارالندوہ میں خود الشوریٰ تھا اجلاس عام کیا۔ ہر قبیلہ کے رؤساء یعنی عقبہ۔ ابوسفیان۔ معکم۔ نصر بن حارث بن کلدہ۔ ابوالبحرہ۔ ابن ہشام۔ بوعیین بن اسود۔ بن مطلب۔ حکیم بن خزام۔ ابو جہل مبنیہ مبنیہ۔ امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ سب شریک تھے۔ ان لوگوں نے مختلف رائے پیش کیں۔ ایک نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پاؤں میں زنجیر ڈال کر مکان میں بند کر دیا جاوے۔ دوسرے نے کہا۔ جلا وطن کر دینا کافی ہے ابو جہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص منتخب ہو اور پورا مجمع ایکٹا ملکر تلواروں سے اوکا خاتمہ کر دے اس صورت میں انکا خون تمام قبائل میں بٹ جاوے گا۔ اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ آخر اسی رائے پر اتفاق عام ہو گیا۔ اور جھٹ پٹے سے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا۔ اہل عرب زمانہ مکان کے اندر گھسنا متیوب سمجھتے تھے اس لئے باہر کھڑے رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریش کو اس وجہ کی عداوت تھی تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس رکھواتا تھا۔ اسوقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں آپ کو قریش کے ارادے کی خبر ملی تھی۔ اس بنا پر جناب امیر کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم آچکا ہے آج میں مدینہ روانہ ہو جاؤں گا تم میرے پانگ پر میری چاد اور ڈھکر سو رہو صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا یہ سخت خطرہ کا موقع تھا۔ جناب امیر کو معلوم ہونیکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین پہنے فاتح فیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا۔

بقیہ عبارت صفحہ گذشتہ خوب سمجھا کر لکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ کافی پہنچلی صاحب خود بتائیں کہ خاص اس واقعہ مختصر نویسی کی جگہوں قبیہ کیوں اختیار کی گئی اور تنبیہ کی جگہ حجت بیانی سے کیران کام دیا گیا وہی ممدورت خاں غواض نعشی۔ الناقل لکھنؤ الاشارہ۔ شملی صاحب ہر پہلو پر خیال فرما چکے ہیں اور حضرت عائشہ کی کم عمری اور عدم صلاحیت نقل حدیث کا کس مزے سے فیصلہ کر دیتے ہیں کہ آنحضرت اور حضرت ابوبکرؓ سے شاہوگا۔ یہ ہوگا۔ کیا معنی معلوم ہوا کہ ان حدیثوں کے سماع میں آپ ہی ایک مشکوک ہیں اور انکے اسماع حدیث کو یقینی طور پر نہیں بلکہ بطریقہ احتمال جانتے ہیں۔ اب دوسری طرف متوجہ ہو جائے اگر بعض محال ایک حقیقت کا طالب ان حدیث کی نسبت حضرت عائشہ کے اسماع کو صحیح بھی یقین کر لے تو اعتراض یہ پیدا ہوگا کہ فصحاء حضرت ابوبکرؓ زبانت کر نیکی لئے مرویات حضرت عائشہؓ کماں تک قابل اعتبار ہو سکتی ہیں کیونکہ آپ خوب جانتے ہیں کہ ہر فرد والے معاملے ہیں۔ حضرت علیؓ کی شہادت و بارہ خلافت میں قابل وثوق نہیں سمجھی گئی اسلئے کہ باپ کا قول بیٹوں کو اثبات حقوق میں قابل اعتبار نہیں ہو سکتا پھر وہی اصول و حدود شہادت یہاں بھی قائم ہونگے اور شہابی صاحب نے تو اس اصول کی اس سختی کے ساتھ پابندی کی ہے کہ ایسی روایتوں کو بلا تعلقات سببی و نسبی۔ صرف ارادت و عقیدت کی کمیجہتی کی وجہ سے ساقط الاعتبار کر دیا ہے۔ چنانچہ ذیل ذکر غزوہ خیبر قطر ابن بطری میں روایت ہے کہ جب خیبر کی قلعہ سے نکلے تو حضرت عمرؓ کے پاؤں نہ ہم سکے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے انکی نسبت خود ہی شکایت کی۔ اس روایت کو بطری نے جس سلسلہ سے روایت کی ہے اس کے راوی عوفؓ ہیں انکو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے لیکن مندرجہ انکی روایت بیان کرتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ وہ رافضی اور شیطان تھا۔ یہ لفظ بہت سخت ہے لیکن انکی شہادت سب کو تسلیم ہے اور گوشیدہ

ہجرت سے دو تین پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو پہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی۔ اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ کچھ مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹا دو۔ بولے کہ یہاں آپ کے حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بتیابی سے کہا میرا باپ آپ پر فدا ہو کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا ارشاد ہوا۔ ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لئے پانچ مہینہ سے دو اہمیان بھول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کر رکھی تھیں۔ عرض کی کہ ان میں سے ایک آپ پسند فرمائیں محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا ارشاد ہوا۔ اچھا مگر بقیہ حضرت ابوبکرؓ نے مجبوراً قبول کیا۔ حضرت عائشہؓ اس وقت کس شخص۔ انکی بڑی بہن اسماءؓ کی جو عبداللہ بن زبیرؓ کی بہن تھیں۔ غفر کا سامان کیا۔ دو تین دن کا ناشتہ دان میں رکھا۔ نطاق جس کو عورتیں گھر سے بیٹھتی ہیں بھاگے اوس سے ناشتہ دان کا مونہہ باندھا۔ یہ وہ شرف تھا جسکی وجہ سے آج تک انگوڑات الناطقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ کفار نے جب آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گزر گئی تو قدرت نے انکو بھیج کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے۔ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہتے نہیں دیتے حضرت ابوبکرؓ سے پہلے قرارداد ہو چکی تھی وہ دن صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں پوشیدہ ہو گئے یہ غار آج بھی موجود ہے اور اوس گاہ خلافت ہے حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ جو نو خیز جوان تھے شب کو غار میں ساتھ سوئے صبح مونہہ اندھیرے شہر میں چلے جائے اور پتہ لگائے کہ قریش کیا مشورہ کر رہے ہیں؟ جو کچھ خبر ملتی شام کو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرنے۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام کچھ رات گئے کہ بیان چلا کر آیا۔ آپ اور حضرت ابی بکرؓ ان کا دودھ پی لیتے تین دن تک صرف یہی غذا تھی لیکن ابن شام نے کہا ہے کہ روزانہ شام کو آسمان دھڑکے کھانا پکا کر غار میں پہنچا آتین تھیں۔ اسید طرح نین راتیں غار میں گزریں۔ بحوالہ بخاری باب البھرت و مزید حالات منقول من باب مناقب المنہاجین۔

صبح کو قریش کی آنکھیں کھل گئیں تو پلنگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بجائے جناب امیرِ مکتے نظر ملے۔ انکو کھڑا اور حرم میں لہجہ کرتھوڑی دیر مجبوس رکھا اور چھوڑ دیا۔ پھر آنحضرت صلعم کی تلاش میں نکلے۔ وہ بوڑھے ڈھونڈنے غار کے دہانہ تک آگئے۔ آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ غمزدہ ہوئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ اب دشمن اس قدر قریب آگئے ہیں کہ اگر اپنے قدم پر انکی نظر جائے تو ہکو دیکھ لیں گے۔ آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا اے نبی خدا ہمارے ساتھ ہے۔

بقیہ عبارت صفحہ گذشتہ۔ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے شیعوہ کی زبان سے اس کا کیا رتبہ رسیجا نا ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۳۵۶

ابن سبئی صاحب کے اختصار کردہ ۱۵۰ اصول تنقید کے اور نیز اس مختار سلف قدیم کے حضرت عاشرؓ کی یہ تمام مرویات نہ کبھی قابل التفات ہو سکتی ہیں اور نہ لائق اعتبار حقیقت شناس اور انصاف پسند تو ان پر خود پسندی بردگی ان مپت کے اصول ترین پر عمل پیرا ہو کر ان تمام واقعات مرویات کو موضوعات کا طومار بنھیں گے جیسا غریب ظاہر ہوتا ہے۔ المؤلف عفی عنہ

بھر حال چوتھے دن۔ آپ غار سے نکلے عبد اللہ بن ابی قحط ایک کافر جو پہلے اعتماد تھا رہنمائی کے لئے اجرت پر مقرر کیا گیا وہ آگے راستہ بتاتا جاتا تھا۔ ایک دن رات برابر چلے گئے۔ دوسرے دن وہ پہر کے وقت وہ پہنچت ہو گئی تو حضرت ابو بکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ میں آرام فرمالین۔ چاروں طرف نظر ڈالی۔ ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ سواری سے اتر کر زمین جھسٹاری۔ پھر اپنی چادر بچھائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آرام فرمایا تو آتش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لایمٹن۔ پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چارہ ہاتھ تھا۔ اس سے کہا ایک بکری کا تھن گروہ غار سے صاف کرائے۔ پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دیا۔ دودھ کے برتن پر کڑا لپیٹ دیا کہ گروہ نہ پڑنے پائے۔ دودھ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے اور مٹھوڑا سا پانی یاد کر پیش کیا۔ آپ نے پیکر فرمایا کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا۔ آفتاب اب ڈھل چکا تھا۔ اسلئے آپ وہاں سے روانہ ہوئے یہ پوری تفصیل حرف ہجرت صحیح بخاری باب مناقب المهاجرین میں ہے ہم نے تمام جزئیات اس لئے نقل کئے ہیں کہ اس سے حضرت ابو بکرؓ کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

سراقہ کا قصہ اقریش نے اشتہار دیا تھا کہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ابو بکرؓ کو گرفتار کر لائے گا اس کو ایک خون بہا کے برابر (یعنی سوا دینٹ) انعام دیا جاوے گا۔ سراقہ بن جشم نے سنا تو انعام کی امید میں نکلے عین اوسن لت میں کہ آپ روانہ ہو رہے تھے اس نے آپ کو دیکھ لیا۔ اور گھوڑا دوڑا کر قریب آگیا لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی وہ گر پڑا۔ ترش سے قال کے تیر نکالے کہ حمل کرنا چاہئے یا نہیں۔ جواب میں نہیں نکلا لیکن سوا دینٹوں کا۔ ان بھامعا وضو ایسا نہ تھا کہ میری بات مان لی جاوے۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے بڑھا۔ ابکی بار گھوڑے کے پاؤں گھٹن تک زمین میں دبھس گئے گھوڑے کو اور تر پڑا۔ اور پھر قال بکھی۔ اب بھی وہی جواب تھا۔ لیکن بکر تجربہ سے اس کی ہمت پست کر دی اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آتا رہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا۔ اور درخواست کی کہ تمہیں امن کی تحریک لکھ دیجئے۔ حضرت ابو بکرؓ کے غلام غامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا۔

عبارت حاشیہ زمین ہے۔ (سراقہ بعد میں اسلام لائے۔ اور حب ایران فتح ہوا اور کسری کے زیورات لوٹ میں آئے تو حضرت عمرؓ نے انھیں کو وہ زیورات ہنسا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا۔

انفا حاشیہ زمین سے۔ (صحیح بخاری باب الہجرت النبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی میں بھی ودات و قلم ساتھ رہتا تھا۔

حسن اتفاق سے ہے کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا مال لیکر آ رہے تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں چند کپڑے پیش کئے۔ جو اس بے سرو سامان میں غنیمت تھے۔ (سیرۃ النبوی جلد اول از صفحہ ۱۹۶ تا صفحہ ۲۰۰)

### بخاری کی مرویات حجت کی حقیقت کا انکشاف

سبلی صاحب تو امام بخاری کے ترجمان ہیں ۱۵۰۰۰ حدیثیں اوستاد ازل گفت ہاں می گویم لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ سبلی صاحب



نے تمام رطب دیا جس کو کچھ بھی صحیح بخاری میں ذخیرہ پایا اکھا کر دیا۔ اتنا تو ضرور ہے کہ بمقابلہ ادن لغویات و حشوبات کو جو طبری و یحییٰ و یسلی اور سمودی وغیرہم نے انبار کیے ہیں۔ یہ طومار کم ہے لیکن تاہم تحقیق کا طالب جب ہجرت کی حقیقت۔ اسکی اصلی ضرورت کے وقت وقوع کی موجودہ حالت کفار قریش کی بے انتہا مخالفت قتل رسول اللہ پر انکی مشورت اور اسکے اقدام کی صورت اور جان رسول کی خدا کی طرف سے رازدارانہ محافظت وغیرہ ان تمام اسباب و علل اور چاروں طرف کے حالات و واقعات پر غماز نظر ڈالتا ہے۔ اس کے ساتھ بخاری کی ان مرویات کو ان سے ملتا ہے تو یہ داستان کی داستان کو قبول شبلی صاحب کتنی ہی پلٹراؤ کیسی ہی لطیف نہ ہو بالکل واقعہ کے خلاف مصلحت کے برعکس مناسبت وقتی کی منافی ثابت ہوتی ہے تفصیل اگر آتی ہے بخاری کے دونوں باب کے باب الحجۃ النبوی باب المناقب المہاجرین ہر خبریات کی تفصیل کو جبکہ شبلی صاحب نے بلفظ نقل فرمانے کا اعتراف فرمایا ہے۔ پڑھ جائیے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات ہجرت تین ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی صدیقیت اور صحابیت۔ حمایت اور رفاقت۔ خدایات اور رسول پر احسانات کے رنگارنگ مرقعوں کا فینسی الہم تیار کیا گیا ہے۔ جب اس طلسمی مرقع میں جناب رسالت آب صلعم کے پیکر نورانی کی زیارت کی جاتی ہے تو اوپر ہر خیر ابوبکرؓ کے احسان و امان کی زیاری اور انکی مشورت و ہدایت کی متابعت کا رنگ ایک طرف افشائے راز خداوندی اور مصلحت و مناسبت وقتی سے خلاف درزی کا گلاشت پڑا ہوا دوسری طرف صاف صاف نظر آتا ہے۔

بخاری صاحب توفضائل و مناقب حضرت ابوبکرؓ کی مضمون آفرین مضمون میں اور شبلی صاحب افکی ریزہ چینون میں اتنے محو ہو گئے کہ حقیقت نویسی سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھا۔ واقعہ تو تاریخ اسلام کا اتنا بڑا عظیم الشان ہی لیکن آپ حضرات کے بیان میں نہ کہیں اسکے سال و ماہ وقوع کا پتا ملتا ہے اور نہ تاریخ و روز وقوع کا نشان پایا جاتا ہے اگر صحیح بخاری سیرت و تاریخ کے موضوع کی کتاب نہ تھی تو سیرۃ النبوی جلد اول تو ضرور اس صنف خاص کی تصنیف تھی۔ اس میں اسکی عدم موجودگی شبلی صاحب کے ایسے فاضل محقق کے لئے کیسی شرمناک فروگزاشت قرار پاتی ہے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اس موقع پر آپ نے بخاری صاحب کی بالکل ترجمانی فرمائی ہے۔ جو صاحبان تحقیق کی نگاہوں میں تقلید غلط سے بھی فروتر ہے۔ اسی بنا پر آپ نے جو بخاری میں لکھی پایا ہے۔ عربی سے اردو میں نقل و ترجمہ کر دیا۔ دریافت حقیقت اور تلاش اصلیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس موقع پر شبلی صاحب نے حقیقتاً اپنی تالیف کی وقعت اور ولوفت ہونے کی حیثیت اور بھی گرا دی ہے۔ آپ کے دیباچہ کے عنوان اور انکی تحریری شان کو پڑھا جاوے اور اس موقع کے انداز تالیف اور طرز بیان سے ملایا جائے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں تحریروں کا کتنے والا ایک ہی شخص ہے۔

لیکن ہر امر کے لئے ایک سبب خاص ہوتا ہے۔ شبلی صاحب کی اس فروگزاشت کا سبب خاص بھی وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے کہ امام بخاری کی متابعت اور تقلید اسلاف کی مطابقت میں محو ہو کر آپ اپنی مولفانہ اور محققانہ شان و حقیقت بھی بھول گئے۔ اور سیرت و تاریخ کی کتاب لکھتے ہوئے اتنے بڑے عظیم واقعہ کی تعیین ماہ و سال کو ترک

فرما گئے۔ حالانکہ تمہیدی عبارت میں صحابہ کو حکم ہجرت دیے جانے کے موقع پر اٹھا لکھ چکے تھے کہ نبوت کا تیرہواں سال شروع سال تھا۔ ص ۱۹۶۔

لیکن اس المہاجرین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص ہجرت کی تفصیل کرتے وقت آپ کو نہ دن کا خیال نہ ماہ و سال کا۔ اگر ماہ و تاریخ و روز نہیں لکھا تھا تو صرف اسی عبارت مندرجہ کا اعادہ کر دیا ہوتا کہ نبوت کا تیرہواں سال شروع تھا۔ یہ تمام اسباب و علل بتلا رہے ہیں کہ آپ کو واقعیت کے ساتھ لچسی نہیں ہے بلکہ آپ کسی خاص امر کی طرف اسکے متعلق زیادہ متوجہ ہیں۔

بھیر حل شبلی صاحب کو بخاری صاحب کی نقل و ترجمانی کو ناسپہے اور کم کو سیرت و تاریخ کے موضوع پر اپنی تالیف کو ترتیب دینا ہے اس لئے اس واقعہ کی تفصیل سے پہلے ہم اسکے وقوع کی تین ماہ و سال کو ضروری سمجھتے ہیں اور لکھ کر بتلا دیتے ہیں کہ دنیا سے اسلام میں ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم شان واقعہ چھ بیسویں تاریخ ماہ صفر کا دن تمام ہو کر پانچشنبہ سال نبوت مطابق ۱۲ ستمبر ۶۱۰ء میں ظہور پذیر ہوا۔ بخاری صاحب ۵ ہجری ورق کہ یہ گشت مدعا اینجا ست۔ تمہیداً اتنا لکھ کر ہم اصل واقعات کے انکشاف حقیقت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور امام بخاری کی مضمون تراشی اور شبلی صاحب کی نقاشی کی اعلیت مفضلہ ذیل عبارت تنقیدی میں دکھلاتے ہیں۔

واقعہ شب ہجرت حقیقتاً سر عظیم تھا۔ شبلی صاحب اور ان کے اسلاف قدیم نے عقبہ کی دونوں سمتوں کے واقعات کو برے حزم و احتیاط اور کمال ہوشیاری اور رازداری سے قیاس کیا جانا لکھا ہے۔ مگر واقعہ ہجرت کو جو اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور ان دونوں واقعات کے صرف دو مہینوں بعد ظہور پذیر ہوتا ہے ایسا عام گویا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاجرہ و احتیاط کس و ناکس سے اتنے بڑے راز الہی کو افشا کر گئے پھر نے ہیں۔ حالانکہ صورت حال بتلا رہی ہے کہ انصار مدینہ کی سبیت کرنے کی خبر پا کر حبیب اللہ پر بیان ہو چکا ہے کہ قریش کی مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کمین زیادہ بڑھ گئی تھی۔ تو کیا معمولی عقل و دماغ والا شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسا مدبر و حکیم الہی اور خدا کا راز دار و امین۔ جو تمام دنیا کے لوگوں سے بہتر موقع شناس اور مصلحت اندیش ہو وہ اس طرح اتنے بڑے اور ضروری راز الہی کو عام طور سے فاش کر دے کہ قبل از ترول حکم ہجرت۔ بروایت چار روز اور بروایت مہینوں پیشتر اپنے راز سے لوگوں کو آگاہ کر دے۔ اس بنا پر قبل و بعد حکم ہجرت اس سر عظیم الہی کافشا کر دنیا ذات مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صریح اتہام ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے گھر اگر ہجرت کے | اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت دو پہر کے وقت حضرت ابو بکرؓ کے یہاں تشریف لائے اور متعلق مشورت اور استفسار | اس واقعہ کی اطلاع دی۔ ابو بکرؓ نے کہا کہ کو بھی ساتھ لےجی آپ نے منظور کر لیا۔ لیکن افسوس بخاری صاحب کی یہ روایت اس قدر خلاف واقعیت واقع ہوئی تھی کہ آخر ابن جریر عسقلانی شارح بخاری کے ایسے موید و مقلد بخاری نے بھی اس واقعہ کو بالتمام خلاف واقع اور ساقط از اعتبار سمجھا۔ اذکی عبارت حسب ذیل ہے۔

صاحب کی یہ روایت اس قدر خلاف واقعیت واقع ہوئی تھی کہ آخر ابن جریر عسقلانی شارح بخاری کے ایسے موید و مقلد بخاری نے بھی اس واقعہ کو بالتمام خلاف واقع اور ساقط از اعتبار سمجھا۔ اذکی عبارت حسب ذیل ہے۔

ابن عباسؓ کی دوسری روایت زیادہ مناسب واقعہ ہے اس مقام سے جبکہ امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے عمرؓ مہین سے روایت کی ہے کہ بعد تشریف بری جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ستر کین حضرت علیؓ پر پتھر برساکرتے یہ سمجھ کر کہ رسول اللہ لیٹے ہوئے ہیں کہ اتنے میں حضرت ابو بکر آئے اور جناب امیر کو احضرت سمجھ کر کہا یا رسول اللہ تو حضرت علیؓ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تشریف لے گئے تم بھی جا کر مل جاؤ ابو بکرؓ اور دوسرے

ہوئے اور حضرت کے ساتھ داخل غار ہوئے۔ المحدث اور اصل ہاسکی تہذیب اور نسائی میں ہے۔

اب بخاری صاحب موجود ہیں جو تلامذہ بنی صاحب بن جابر اور ثناء فرماتے ہیں کہ اس روایت ترمذی و نسائی کے ساتھ آپ حضرات کی داستان طرازی اور افسانہ سازی کیا ہوئی کیونکہ آپ حضرات نے حقیقت و اصلیت واقعہ کے خلاف صرف اپنے معتقدانہ اصول کی بنا پر جن قصص و حکایات کے عنوان باندھے تھے اور پھر ان سے شاخ و شاخ مضامین تراشے تھے۔ وہ اصلاً و عقلاً کچھ بھی نہیں تھے۔ کیونکہ ابن حجر شراح بخاری کی مرقومہ بالا عبارت سے صاف طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے حقیقتاً نہ حضرت ابوبکرؓ کو کسی قسم کی اطلاع دی تھی اور نہ ان سے صلاح و مشورت کی تھی۔ کیونکہ روفاً حکم ہجرت آجانے کے بعد آپ کو ان امور کے لئے وقت کھانا تھا۔ جیسا کہ بہت جلد سلسلہ بیان سے آئندہ معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ حکم ہجرت پاتے ہی آنحضرت صلعم فوراً غار کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ آپ کی تشریف لے جانے کے بعد محض بطریق معمول آئے۔ اور جناب امیر کو جو آنحضرت علی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہنر چادر اور ہے ہوئے لیٹے تھے۔ رسول اللہ صبح اور یا رسول اللہ کبیر پکا۔ جناب امیر انکی غلط فہمی کو سمجھ گئے۔ فرمایا جناب رسالت مآب صلعم تو بیرمبیون کی طرف تشریف لے گئے اگر تمہیں خواہش ہو تو جاؤ۔ جب آخر وقت تک آنحضرت صلعم کی نقل و حرکت کی کوئی خبر و اطلاع حضرت ابوبکرؓ کو نہ ملے اس روایت سے ثابت نہیں ہوتی ہے تو آنحضرت صلعم کا انکے گھر جانا۔ مشورہ فرمانا۔ وغیرہ وغیرہ تمام مکالمات اور انتظامات جو کتابوں میں منقول ہیں۔ رسول اللہ صلعم پر صریح اتمام نہیں تو اور کیا۔ دہا اب اس امر کا ثبوت کہ حضرت ابوبکرؓ کی عدم اطلاع کی یہ حالت جو ابن حجر کے اس روایت سے ثابت ہوتی ہے وہ صرف ابن حجر بطریق منفرد لکھی ہے۔ یا اور محدثین و مورخین نے بھی بطور تواتر اپنی اپنی تصنیفات میں ورنہ کیا ہے اسکے متعلق مفصلہ ذیل اسناد و ملاحظہ ہوں۔

لیکن پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ابن حجر نے موجودہ روایت کو امام احمد بن حنبل اور امام حاکم کے اسناد سے لکھا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اندرون امام ابن حداثہ نے اس واقعہ کو مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے اور اصل عبارت حدیث کو صحیحین ترمذی و نسائی سے مستخرج و منقبطر تیار کیا ہے اس بنا پر یہ روایت امام ترمذی، امام نسائی، بیہقہ کتب صحاح اور امام احمد بن حنبل اور امام حاکم مجبوعۃ بابائے حنفیہ کی تصانیف میں موجود ہے کیونکہ یہ روایت امام ترمذی، امام نسائی، بیہقہ کتب صحاح اور امام احمد بن حنبل اور امام حاکم مجبوعۃ بابائے حنفیہ کی تصانیف میں موجود ہے





ابا بکر ان علیا فسلہ عن نبی اللہ فاخبرہ انہ لحن بالغای  
من قوم وقال ان کان لک فیہ حاجۃ فالحقہ فخرج  
ابو بکر مسرعا فلحق نبی اللہ فی الطریق فسمع رسول اللہ  
جس ابی بکر فی ظلمۃ اللیل فغضب من المشرکین فامر  
رسول اللہ المشی فانہ طع قال تعلم ففعلوا بما امر  
فلکذہ ما واصل السعی فغاف ابو بکر ان لیشق علی رسول  
اللہ فوضع صوتہ وکلمہ تعوفہ رسول اللہ صلعم فقام  
انما ما نطقا ورجل رسول اللہ لستہ ما حثہ انھی  
الی الفار الصبح تا یخرج طبری ص ۴۴ مصر  
کہ ابو بکر بھی آگئے اور ساتھ ساتھ چلے اور رسول اللہ صلعم کے پاؤں سے خون جاری تھا یہاں تک کہ صبح ہوتے فارنگ پہنچے طبری جلد دوم  
اصل واقعہ تو یہ ہے جسکی اصلی صورت بدل کر مصنوعات و موضوعات کے رنگارنگ نقاب چڑھائے گئے ہیں۔ اور ان  
رنگ آمیزوں کی وجہ سے بخاری صاحب کی مرویات کو تاریخ و سیرت کے مندرجات پر ترجیح دی گئی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بخاری  
صاحب کو حقیقت واقعہ کے استحفاظ سے زیادہ استحکام عقائد کی ضرورت تھی۔ جسکے لئے وہ خود دار تھے بخلاف انکے ایک  
سیرت نویس اور تاریخ نگار کی نظر واقعہ کی اصلیت اور حقیقت پر رہے گی۔ وہ کسی واقعہ کی تفصیل و بیان میں حفظان عقائد  
وغیرہ کا پابند نہیں تو پر مویہ ان بخاری کی تئناؤن کے خلاف طبری کی روایت و عبارت میں ان افسانہ سازوں کا کمان نشان لگا  
اسلئے ضرور تھا کہ حدیثوں کی مرویات کو تاریخوں کے واقعات پر ترجیح و مجاہدے لیکن مشکل یہ پڑی کہ حدیثوں میں اور خصوصاً  
صحیحین ترمذی و نسائی میں بھی یہ روایتیں موجود ہیں۔ اس مجبوری سے صحیح بخاری کو جملہ صحاح پر ترجیح دینی ضرور ہو گئی اب  
جب اتنی متواتر شہادتوں سے واقعہ ہجرت کی اصل حقیقت معلوم ہو گئی تو ہر شخص باسانی سمجھ لے گا کہ امام بخاری نے اصل  
واقعہ کو چھپایا اور اسکی جگہ ایسی روایت بنائی جو نہ نقلاً ثابت ہو سکتی ہے اور نہ عقلاً۔  
نقل کی حقیقت تو نقل ہو چکی اب عقل کی یہ صورت ہے کہ کوئی معمولی عقل و فہم والا شخص بھی نہیں یقین کر سکتا کہ ایسے وقت  
میں جو آنحضرت صلعم پر انتہائے مصیبت کا تھا کہ ایک طرف ظلم کفار سے خود تنگ تھے۔ دوسری طرف یہ سامان پیش نظر تھے  
کہ آپ کے قتل کئے جانکی تمام کربین تیار ہو چکی تھیں۔ پانچ قبیلوں کے بے رحم قاتل منتخب ہو چکے تھے دولت را کا محاصرہ  
ہو چکا تھا کہ ہجرت کا حکم ہو چکا۔ ایسے تنگ وقت پر خوف عالم اور قیامت نیز موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسکی  
فرصت کمان تھی کہ حضرت یہ سب سامان کولے ابو بکر کے گھر جاتے اور اطمینان سے سفر ہجرت کے متعلق مشورہ فرماتے۔  
اب وقت کی تنگی کا ثبوت تفسیر معالم التنزیل کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

دوسری روایت امام طبرانی کی ہے اسما بنت عیسٰی سے۔ اس میں یون بیان ہے کہ حضرت نے ابوبکرؓ سے جواباً یہ ارشاد کیا کہ ہم تقبیت لے سکتے ہیں۔ ابوبکرؓ نے کہا اگر چاہئے تو قیمت دیدیجئے۔

امام واقدی کا قول ہے کہ قیمت آٹھ سو دینار ہوئے اور یہ وہی انٹہنی ہے جس کا نام قصویٰ ہے۔ نعم بنی قشیر سے جو آنحضرتؐ صلعم کے بعد تک زندہ رہی۔ لیکن ابن اسحاق بتلاتے ہیں کہ وہ ناقہ جذعاً تھا جو اہل بنی ہاشم سے تھا۔ امام ابن جبان کا بھی یہی مختار ہے۔

شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی اسکے متعلق ماریج النبوة میں لکھتے ہیں

حضرت ابوبکرؓ کے دو اونٹ تھے جنکو انھوں نے چار سو درم پر اور بڑے آٹھ سو درم پر خریدا تھا اور چار مہینوں تک چارہ وغیرہ کدلا کر خوب تیار کر کے اپنے پاس رکھ دیا تھا۔ اس موقع پر دونوں کو آنحضرتؐ صلعم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں انھیں قیمت دیکر القبتہ قبول کر سکتا ہوں پس نو سو درم پر آنحضرتؐ صلعم نے انکو حضرت ابوبکرؓ سے خرید لیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ سے باوجود انکی رسوخیت اور اعتماد سابقہ اتحاد و اتفاق اموال وغیرہ کو بلا قیمت نہیں لیا۔ خرید لینے میں حکمت یہ تھی کہ جناب رسولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ خدا کی راہ میں کسی شخص کی استمداد و استعانت قبول کریں چنانچہ آہ دانی ہدایہ اپنے پردہ کار کی عبادت میں کسی کو اپنا مشہد کرنا تھا اور اسکی طرف خاص اشارہ موجود ہے۔

ابوبکرؓ یا دو شتر لو کہ بچار صد درم و در روایتے بشتمند درم خریدہ و در مدت چار ماہ آنرا علف دادہ فریہ ساختہ نگاہ داشتہ بود و در پیش آوردہ تا یکے را آنحضرتؐ قبول فرمایہ۔ فرمود قبول کردم الا بشرطیکہ اتباع پس بہمصد درم آن ناقہ را از ابوبکرؓ خرید۔ و اما انکہ حکمت در خریدن ناقہ از ابوبکرؓ صدیق باوجود نہایت صدق و ادعائے اتحاد و سابقہ اتفاق ابوبکرؓ صدیق اموال کثیر را بر آنحضرتؐ صلعم آن بود کہ نجاست کہ در راہ خدا استمداد و استعانت از کسی جوید۔ چنانچہ خلاصہ اشارہ آیہ لَا تُقْسِرُ لَتَّ عِبَادَہٗ رَیْبَہٗ اَحَدًا اَنَّا مُرَّاۃ۔

مدارج النبوة جلد دوم ص ۴۴

محدث دہلوی کی مرقومہ بالا عبارت سے اس واقعہ میں جناب رسولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرکت فی العبادت میں اسد حرم و احتیاط ثابت ہوا اور اس بنا پر شاہ عبدالحق صاحب آیہ قرآنی سے اس عمل رسولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطابقت فرما کر صدائے احتجاج و استدلال بلند فرمائیں۔ بخلاف انکے بخاری صاحب اور انکے ایسے مدح سرا بیان حضرت ابوبکرؓ خاص اقوال و افعال رسولؐ صلعم سے حضرت ابوبکرؓ کی ان امور عبادت میں شرکت ثابت کرنے کے لئے ایٹری چوٹی کا زور لگانا میں۔ اور اپنے موضوعات و مصنوعات کے سر فلک طوفان اٹھائیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ خالص توحید کی تعلیم کے متعلق معلم ارمام علیہ السلام نے ہر بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے امور میں بھی شرک کے تمام شعبوں سے بچنے اور اعتقاد کامل رکھنے کا جس تاکید کے ساتھ حکم فرمایا ہے وہ جمہور کا مسلمہ ہے اس اصول مسلمہ کے خلاف نفوذ بائسہ و نفیس قدسی برکت خود اپنی اس خالص عبادت میں کیسی دوسرے کی شرکت کو گوارا

فرما سکتا ہے۔ جو اسکی شان رسالت کے نقیض اور اسکی تعلیم و ہدایت کے خلاف واقع ہوا۔ افسوس ہے کہ عقیدتمندان حضرت ابو بکر نے ان موضوعات کی ترکیب و ترتیب کیوقت حقیقت رسالت کو پیش نظر نہیں رکھا اور اس کے وقار و عظمت کو قابل اعتبار نہ سمجھا۔ بخاری کی غلط نگاری سے بہان رسالت کی نقیض و منافی اتنی باتیں معلوم ہوئیں۔ وہاں ایک امر مفید بھی ثابت ہو گیا اور یہ بھی کرشمہ قدرت جو کہ بخاری نے ایسی روایت لکھ دی جس سے ہمیشہ کے لئے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابو بکر کے بار احسان سے سبکدوشی مل گئی۔ اگر وہ منظر عقیدت حضرت ابو بکر و اسے قیمت کی شرط اپنے طرہ موضوعات میں نہ لکھتے تو ان کا کوئی کہا کرتا اور ان کا صاف صاف لفظوں میں اس شرط کو لکھ دیتا تمام خالص مسلمانوں کی منت گذاری کا باعث ہے۔ اسکے اندراج سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استغناء توکل صبر و رضا۔ جو خاص اوصاف رسالت تھے پورے طور پر معلوم اور ثابت ہو گیا کہ آپ باوجود اس مصیبت کے کہ گھر سے بے یار و مددگار اور بلا ساز و سامان نکلے۔ مگر تاہم یہ سیطرہ گوارا فرما کر کہ کسی کا اونٹ بلا قیمت یا مستعار لے کر خدا کی راہ میں دو قدم بھی راستہ طے کیا جاوے۔

جس رسول برحق نے اپنے عم نامدار (ابیطالب) کے بار احسان کو بھی (حضرت علی) کو اپنی تربیت و پرورش میں لے کر اپنے ذمہ باقی رکھنا جائز نہ رکھا۔ حالانکہ وہ حقیقت وہ کوئی بار نہ تھا۔ بلکہ باپ کے بعد چچا کے فرائض میں داخل تھا۔ بہلا وہ ایسے شخص کا کیونکر اسان قبول کر لے سکتا تھا جو خود اپنی قوم اور قبیلہ میں کوئی امتیاز خاص نہیں رکھتا تھا۔ جس رسول غیور نے (ابی سلول) کے ایک کرہ کا احسان جو آپ کے ایک عم نامدار (حضرت عباس) کے ساتھ کیا گیا تھا اپنے ذمہ باقی نہ رکھا اور اس شخص معطل کو اپنے پیرہن کا کفن دیکر اوتار پھینکا۔ وہ ایک محض غیر متمیز شخص کا احسان اور خصوصاً خدا کے خاص کاموں کے متعلق کیسے گوارا کر سکتا تھا۔

بہر حال جب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی کے ایسے عالم فاضل اور محقق کامل کو اسکا اقرار ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چاہا کہ خدا کی راہ میں کسی کی امداد و اعانت کو قبول کریں۔ اسلئے حضرت ابو بکر سے بلا قیمت ناقہ نہ لیا تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطیب خاطر حضرت ابو بکرؓ کو اپنے ساتھ نہ لیا کیونکہ ساتھ لے کر کسی غیر فارغین جانا یقیناً لا تشترک بعبادۃ ربہ آحاداً کا منافی ہے۔ کیونکہ یہ تو الیاس شرک ہے جو ان الشریک لا یفترک امراد ہے۔ کیونکہ جس امر کو خداوند عالم نے ایسے راز میں رکھا کہ سوائے رسول کے اور اسکو بھی عین وقت پر اور کسی کو اس سے آگاہ نہیں کیا اسکی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ امین رسالت نے اس سے الہی کو یون فاش کر دیا ہوگا۔

ان قرائن اور نیز خود بخاری کی روایت کی بدولت اب اس روایت کی موضوعیت واضح ہو گئی۔ کیونکہ جب بلا قیمت کسی کا اونٹ لینا گوارا نہ ہوا اور منافی لا تشترک بعبادۃ ربہ آحاداً سمجھا گیا تو اسی راہ خدا کے کاموں میں کسی دوسرے کو بالائے سر و بالا راہہ ساتھ لینا جو توجہ اور استغراق الی اللہ میں فرق ڈالنے کا باعث ہو۔ بالکل خلاف آیہ مذکورہ ہے اور صریح مخالف عقل اور منافی حقیقت ہے۔ حیث کہ اس مخالف عمل کا عامل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک بتلائی جاتی ہے۔

بخاری صاحب کی قلم کاریوں کی کن کن اوٹوں کی تعریف کی جائے۔ آپ کی موزونیت بیان کی۔ یا مناسبت مقام اور حقیقت کلام کی۔ اسی اوٹ والے قصہ میں انکسین بند کر کے یہ عبارت لکھنے کو تو لکھ گئے۔ وتلف داخلین کا متاعندہ ورق السمرۃ وهو الخطار بعد اشھر یعنی حضرت ابوبکر نے اپنے دونوں اونٹوں کو چار مہینوں تک بول کے پستھلائے۔

سب کو جانے دیجئے ایک ابن حجر نے جن سے بڑھ کر بخاری کا معتقد و موید ہونا و شوار ہے انکے اس حکم میں تین اعتراض وارد کئے ہیں اول یہ کہ ورق سمرہ کی شرح زہری لڑکی تھی۔ خط بخاری نے اسکو بھی جڑ و روایت بنا کر داخل حدیث اور سند صحیح کر دیا۔ حالانکہ یہ خاص الخاص زہری کا قول ہے۔ نہ حضرت عائشہ اور نہ عروہ اصل راویان حدیث کا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ چار مہینہ کی مدت بیان کی کہ چار مہینوں تک اونٹ کو چارہ کھاتے رہے وقد نقلت فی اول الباب ان بین العقبة الثانية و هجرة ثلثه شهرين و بعض شهرين علی التمریز علیہ بابین مذکورہ چکا ہے کہ عقبہ ثانیہ ہجرت آنحضرت معلوم ہے صرف دو مہینوں یا ایک مہینہ بنا بعض مدت ہوئی پھر بخاری صاحب کے یہ چار مہینے کہاں سے آگئے۔

اسی طرح خریداری شرمین ایک نکتہ بھی سب سے زیادہ لطیف ہو اور قابل دید شاہ عبدالحی صاحب کی اوپر عبارت لکھی گئی ہے حسین یہ عبارت صاف صاف موجود ہے۔ ابوبکرؓ را دو شتر بود کہ چار سو درم و در روایتی بہشتی قصد درم خریدہ چہا ماہ آنرا غلف دادہ ہر دورا پیرا و ردہ تا یکے را آنحضرت قبول فرماید فرمود قبول کروم و لیکن پیشہ طاعتیاع پس بہ نہصد درم آن ناقہ را از ابوبکر خرید۔ اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ ان اونٹوں کی اصلی قیمت ایک روایت سے چار سو درم اور دوسری روایت سے آٹھ سو درم۔ اب تا یکے را آنحضرت قبول فرماید۔ کی عبارت نے صاف کر دیا کہ ایک ناقہ کی خریداری کی گئی اور یہی حضرت ابوبکرؓ کی خواہش بھی تھی۔ اور ضرورت و مناسبت وقت بھی یہی بتلاتی ہے۔ غرض کہ مسلم ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک ناقہ خرید لیکن۔ بہ نہصد درم آن ناقہ را از ابوبکر خرید۔ کی تصریح نے ثابت کر دیا کہ نو سو درم پودہ ناقہ خرید گیا۔ اب دیکھئے اگر چار سو درم والی روایت صحیح ہے حسین منقول ہے کہ چار سو مین دونوں ناقے خریدے گئے تھے اور انہیں کا ایک ناقہ رسول اللہؐ کے ہاتھ نو سو روپیہ پر بیچا گیا تو گویا چو گنی قیمت سے بھی زیادہ ملی گئی۔ اور اگر آٹھ سو درم والی روایت پر اعتبار کیا جائے تو ایک ناقہ کی اصلی قیمت چار سو درم ہوتی ہے اور رسول اللہ صلعم سے چار سو کے بدلے نو سو پورے گنوائے گئے۔

اور اگر کوئی عقل سے خالی یہ کہے کہ نہیں دونوں ناقوں کی خریداری کی گئی تھی۔ حالانکہ ایسا دعویٰ سراسر عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے لیکن بغرض حال اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم سے تسلیم بھی کر لیں کہ اس محسن عالم نے دونوں ناقے خریدے۔ ایک اپنے لئے رکھا اور ایک حضرت ابوبکرؓ کو دیدیا۔ تاہم حضرت ابوبکرؓ کا اوپر ہی اوپر سو روپیہ کا نفع پا جانا ثابت ہوتا ہے اور سواری المقت

کہا حضرت ابوبکرؓ کے اس خلوص عقیدت اور محبت رسولؐ کا یہی تقاضہ تھا کہ ایسی مصیبت میں بھی رعایت و مروت کی جگہ رسول اللہ صلعم سے نفع کا لین دین کیا جائے۔ کیا حسن رفاقت ہو اور کیسی اچھی صدیقیت۔



اب اس تمام نقاشی اور انسانی تراشی کا خلاصہ حقیقت بھی ملاحظہ فرمایا جائے۔ امام جلال الدین السیوطی تفسیر  
بیشور جلد دوم صفحہ ۲۴۴ میں لکھتے ہیں۔

فمکت ہوا ابو بکر فی الغار ثلثة ايام یختلف الیہم  
بالطعام عامر بن فہیرہ وعلیؓ یجہزہم فاشترؤا ثلثۃ  
ابا غیر من اهل البصرین واستاجر لہم دلیلاً فلما کان  
بعض اللیل من اللیلۃ الثالثۃ اتاہم علیؓ بالابل واللیل  
ویرکب رسول اللہؐ ویرکب ابو بکر اخری فتوجہوا نحو  
المدینۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر تین روز تک غار میں ٹھہرے رہے اور عامر بن  
فہیرہ ان کے لئے کھانا لانا اور علیؓ اس کے کھانے کا سامان کرنے رہے پس آپ نے (علیؓ کی)  
تین اونٹ بصرین کے لونٹوں میں خرید کر ایک راہ ہنکو اجرت پر مقرر کیا جب تیسری  
رات کا کچھ جھگڑا تو حضرت علیؓ اونٹ اور راہبر کو ساتھ لائے ایک اونٹ پر  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایک اونٹ پر ابوبکر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روانہ ہو گئے۔

۵۔ اسی سا آرزو کہ خاک شدہ مرقومہ بالا روایت نے دوسرے سے بخاری صاحب کی تمام تمنادوں کا خون اور انکو  
نیرنگ معنوں کو بالکل دگرگون کر دیا حقیقت کا انکشاف اور تمام موضوعات و مصنوعات کا مطلع صاف ہو گیا تاہم  
کا پر وہ اٹھتے ہی حقیقت میں نکلا ہوں نے۔ یکہ لیا کہ جس طرح نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل از ہجرت حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے۔ نہ  
مشورت ہوئی نہ اونکو ساتھ لیا۔ اسی طرح نہ اونٹ پیش کئے گئے۔ نہ خریدے گئے اور نہ کوئی راہنما مقرر کیا گیا اور نہ راہ وغیرہ  
حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے ہمراہ کیا گیا۔ ان تمام ضروریات سفر کا انتظام اسی نفس قدسی کے سپرد کئے گئے جو خدا کے آگے راز دار  
قدرت ثابت ہو چکا تھا اور جسکی امانت و حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان اور اسکی حفاظت کی اصلی ترکیب اور ہجرت کا راز  
سپرد کیا گیا تھا۔ اور اسی نے تنہا ہو کر بالفضل النفس شہنشاہ رسالت کے استخفاط جان کے ساتھ آپ کے آرام سفر کے بھی  
تمام انتظام درست فرمائے اور وقت موعودہ پر اونکو آپ کی خدمت میں پہنچا دیا اور جو فرق قدیم شعب ابی طالب کے درمیان رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آپ و طعام کا انتظام کرتا رہا دیکھو رسالہ نقیب ابو جعفر سکا فی ادبی غار ثور میں بھی آپ کو آب و  
غذا بھیجا تا رہا۔ جناب رسالت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؓ مرتضیٰ علیہ السجۃ والثناء کو صرف اپنی جان کا قدیم بنا کو تھوڑے ہی  
چل گئے تھے بلکہ اس راز و قدرت اور قیہ رسالت کو اپنی اور اسکی حفاظت جان کا یقین دلا کر اور اپنے تمام امور متعلقہ ادا کئے  
امانت و اموال اہالیان نگہ حفاظت پر یوگین عصمت۔ زاد و راحلہ سفر غرض جملہ سامان و ضروریات کی فراہمی و درستی  
کے انتظام جو الے اور سپرد فرمائے گئے تھے۔ اس بنا پر جو کچھ جناب علیؓ مرتضیٰ نے انجام دیا وہ حرف ہجرت حکم رسول اللہ تھا  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ملاحظہ ہوتا رہے بخاری جلد دوم کی مفصلاً ذیل عبارت۔

واری علیؓ بطعام واستاجر دلیلاً کئی بطریق  
المدینۃ واشترؤا راحلۃ فخر مضمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانب غار روانہ ہوئے تو حضرت علیؓ مرتضیٰ  
سے ارشاد فرمایا کہ ہر کھانا بھیج کر دے اور ایک راہ ہنکو اجرت پر مقرر کرنا جو بھیجو تیرے

کی راہ پر لے چلے۔ اور ایک سواہی پہلے لے کر بنی نابتہ کے لوگوں کو روک دیا۔

اور خدائے کا فرزند ہوا کر دیا۔

واعلیٰ اللہ ابصار الذین کانوا یصدونہ عندہ وخرج

علیہم رسول اللہ صلحہ طبری جلد دوم ص ۱۳۲ مطبوعہ مصر

اب تو واقعہ ہجرت کے دن تمام طواریک موضوعات کا پورا انکشاف ہو گیا جو حقیقتاً عہد معاویہ کے مصنوعات ہیں جو امیر صاحب کی شاہی فرامین اور سلطنت کے حکم آئین کے ذریعے سے تیار و مرتب کئے گئے تھے۔ اور جنکی ترتیب و تدوین میں خزانہ کے خزانے لٹائے گئے تھے بخاری پر مختصر نہیں سواد اعظم کے تمام علمائے سلف تقلید عقاید کے پیچھے پڑے انھیں موضوعات کے ریزہ بہین ہیں۔ چونکہ ان مرویات موضوعہ میں۔ درجات و خدمات حضرت علی مرتضیٰ کا استیصال یا کم سے کم ان کے مماثل واقعات کا بیان کرنا معاویہ کے ذریعہ سے ہر راوی کا فرض اولین تھا۔ (دیکھو کتاب الاصلات امام الخوارج) یعنی اس بنا پر واقعہ ہجرت کے متعلق جتنی مرویات صحیح طور پر حضرت علی مرتضیٰ کے خدمات و درجات کا اظہار کرتی تھیں وہ بالکل و تر اصل و نقل سے کالعدم کر کے اوسکے مماثل موجودہ موضوعات تیار کر دیے گئے اور معاویہ سلطنتوں نے اپنے استحقاق سلطنت کی ضرورت سے انھیں کے ابراہیم نقل میں برابر یا نہیں بھی کین اور تاکید میں بھی لیکن استحقاق حقوق کے اتنے انتظام کے بعد بھی حقیقت کے نواز راصلیت کے جوہر نہ چھپنے والے تھے نہ چھپے حقیقت حال اکثر کتب معتبرین اوسوقت سے لے کر اسوقت تک برابر نقل و اندراج ہوتی آئی ہے اور ہوتی رہے گی۔ یہی سکہ ہمارے حوالہ ندرجہ بالا سے ثابت ہو چکا۔

مسئلہ زیر بحث میں ہم اس سے زیادہ اپنا وقت لڑنگان کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ابھی تو ہجرت کے ان موضوعات کے کتنے میدان ٹپے ہیں جنکے خس و خاشاک اپنے مقام پر صاف کئے جائیں گے۔ واقعات ہجرت کے اولین مرویات کی تنقید کو تمام کر کے ہم اپنے آئینہ بیان کی تفصیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

فرش رسول پر علیؑ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر کے ہمراہ غار میں کچھ رات رہے داخل ہوئے جناب رسول خدا کا استقلال صلحہ کے متعلق یہ کہنا کہ آپ پر کوئی اضطرابی عالم طاری تھا بالکل منافی شان رسالت ہے اسلئے کہ وحی الہی کے ذریعہ سے آپ کو آپ کے استخفاف جان کا یقین کامل دلا دیا گیا تھا پھر یقین کے بعد اس کے متعلق تاہل و ترزلزل ذات رسول سے بالکل ناممکن الوقوع ہے۔ اس بنا پر جو مرویات ان امور کا اظہار کرتی ہیں وہ عام اس سے کہیسی ہی صحیح سے صحیح حدیث کی کتاب میں نہوں ہرگز اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔

الغرض۔ آپ حضرت ابوبکر کے ہمراہ غار میں تشریف لائے اور خدا کا نام لیکر اور اسکی تنہا حمایت و رفاقت پر تکیہ کر کے بیٹھ گئے۔ صبح ہو گئی طلبہ وقت جو سرشام سے خانہ رسالت کا محاصرہ کئے تھے ایکبار ہی خوابگاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ٹوٹ پڑے۔ اپنی کینفر کرداروں کی تعمیل کے شوق میں سوئی والے کے مونہ سے جسے وہ یقیناً رسول اللہ سمجھے ہوئے تھے۔ بدائے سبز کا گوشہ ہٹایا تو مصطفیٰ کی جانچس مصطفیٰ سوتا ملا۔ اس مشاہدہ کے بعد کفار کی قسمیں

حیرت و حسرت اور ناکامی کے سوا تھا ہی کیا۔ شرم و خجالت مٹانے کی غرض سے حضرت علی مرتضیٰ سے پوچھا این صاحب! ہمارے صاحب (آقا) کہاں گئے۔ جواب ملا۔

قال لا ادری اور قد بآکنت علیہ طبری ۱۲۳۲۔ میں نہیں جانتا کیا تم انکو میرے پردے کرتے تھے جو پوچھتی ہو۔

صحیح نسائی میں ہے کہ حضرت علیؑ پر تیر چلائے گئے۔ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا مندرجہ بالا جواب شکر کفار نے انکو گرفتار کر لیا۔ اور خانہ کعبہ میں تھوڑی دیر تک بٹھلائے رکھ کر چھوڑ دیا۔ طبری ص ۱۲۳۲

یہ تمام روایتیں اگرچہ مختلف الفاظ و عبارت میں مذکور ہیں لیکن مدعا سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی حضرت علیؑ کی پادری استقلال اور کمال رازداری کا اظہار۔ عام اس سے کہ آپ پر کیسی ہی اور کتنی ہی تکلیف جسمانی نہ پہنچائی گئی ہو لیکن تاہم اس حقیقی جان نثار اور سچے رازدار نے رسولؐ کا نشان نہ بتلایا نہ بتلایا۔ بلکہ انکے سوال کرنے پر ایسا مسکت جواب ارشاد فرمایا کہ اوتنوں میں پھر کسی ایک کو بھی بار دیگر تحریک و تعرض کی مطلق جرأت نہیں ہوئی۔ یہ ہے اس مجاہد فی سبیل اللہ کے کمال استقلال کی عظیم النظیر مثال۔

انبیاء سابقین اور اہل ایمان کے حالات پر عبور رکھنے والے حضرات جناب عیسیٰ ابن مریمؑ کی گرفتاری والی روایت میں انکے حواری یہود کے کردار و اطوار سے پوری اطلاع رکھتے ہیں۔ جسے مخفی تیس روپیوں کی لالچ میں ہرگز دشمنوں کی خوشنوا جماعت کو آپ کے قیام اور اس مقام کا پورا نشان بتلادیا جہاں آپ ان خوشنواروں کے خوف سے حکم خدا کے مطابق پوشیدہ تھے۔ کیا کوئی عیسائی محمدؐ رصلعم کے اس جان نثار حواری کے اس استقلال و رازداری کی مثال جو ایہ عیسیٰ میں پیدا کر سکتا ہو؟ یہود اپرخص نہیں۔ ہم نے تو سمعقون اور فطرس کی جان نثاری اور استقامت و پادری کی حقیقت بھی دکھلا کر پوری اور مفصل بحث کے ساتھ سراج المبین فی تاریخ الامیر المومنین جلد اول میں قلمبند کر دی ہے۔ جو ان مقاصد کے موضوع خاص پر لکھی گئی ہے۔

بہر حال۔ بالاتفاق جمہور جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاروں دن تک غار ثور میں مقیم رہے۔ اور حبیب بیان ہو چکا ہے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام سب الحکم چاروں دن بلرباب و طعام نہایت رازداری اور ہوشیاری سے پہنچاتے رہے چاروں گزر جانے کے بعد حسب امدایت سواری کہ اونٹ اور راہبر بھی وقت مقررہ پر بھیجا گیا۔ ان حالات کے متعلق ہم جناب رسولؐ کی اصلہم کے ہجرت فرمانے اور غار ثور تک صحیح و سلامت پہنچ جانے تک کے تمام حالات بیان کر چکے۔ اب ہم اس سے آئندہ کہ واقعات شبلی صاحب کی زبانی ذیل میں لکھتے ہیں۔

غار میں حضرت ابوبکرؓ صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو آنحضرتؐ صلم کی جگہ پلنگ پر جناب امیرؓ تھے ظالموں نے آپ کو پکڑا کی گریہ و زاری اور جرم میں لپیٹ کر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور پھر پھرتا دیا۔ پھر آنحضرتؐ کی تلاش میں نکلے۔ وہ ہونڈتے دھونڈتے غار کے موہتہ تک آگئے۔ آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ غم و غم ہوئے اور آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ اب دشمن

اس قدر قریب آگئے کہ اگر اپنے قدم پر اونکی نظر پڑ جائے تو ہمو دیکھ لیں گے۔ آپ نے فرمایا لا تھزن  
ان اللہ معنا۔ گھبراؤ نہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

تعجب ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو بلو جو واسکے کہ ہجرت کے متعلق اتنے قبل سے قہر کی اطلاع و حقیقت معلوم تھی اور  
بشارت نبویہ کے مطابق اس کا بھی یقین ہو چکا تھا کہ مدبر قدرت نے استخفا جان کی غرض خاص سے یہ تدبیر اختیار کی ہے  
اور اس طریقہ سے آپ حقیقی طور پر ظلم و جفا سے کفار سے بالکل محفوظ و مصون رہیں گے۔ لیکن تاہم یہ اضطراب و بے قراری یا گمراہی یا  
انہی طاری تھی معلوم ہوتا ہے کہ تاثر و یقینیت پر عناصر شریعت ضرورت سے تلید غالب تھی۔ بخلاف آپ کے اوس جان نثار  
شدائی اور وفادار فدائی کے حال یہ غور کیا جاوے جو فرشتہ رسول پر کفار کی خونخوار تلافی کے نیچے خموش لڑا ہوا شام و صبح تک  
آرام سے سو رہا۔ حالانکہ ان سے زیادہ اوسکی جان خطرہ میں تھی۔ اور اوس طوفانی و صید میں ایک لمحہ کے لئے بھی ہیرا نہ ہوا۔  
حالانکہ واقعات یہ بتا رہے ہیں کہ حضرت علیؓ کی طرح بقول شبلی صاحب حضرت ابوبکرؓ کو بھی ہجرت کے تمام واقعات معلوم  
لیکن حضرت ابوبکرؓ بے قرار ہو جاتے ہیں اور ایسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلانے اور چپ کرانے کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ مگر  
حضرت علیؓ باوجود اتنے خطرہ میں بھی نہ بے قرار ہوتے ہیں اور نہ بے قرار۔ نہ آپ پر حسرت و یاس کا اثر ہوتا ہے اور نہ اضطراب  
والتمہاب کا احساس حقیقت شناس محققین اسی ایک واقعہ سے دونوں بزرگوں کے استقلال ثبات اور پادار  
کے فرق ماہ الاقیار معلوم کر لے سکتے ہیں۔

تنقیداً انا عرض کر کے ہم پھر اپنے اصل بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مولوی شبلی صاحبؒ کی لکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ اور رسول اللہؐ جو تھے دن آپ غار سے نکلے۔ بلالؓ بن رباحؓ ایک کافر جس پر اعتقاد تھا کہ وہ ہمارے کھیلے  
اسلم کی خدمت

اجرت پر مقرر کر لیا گیا تھا۔ وہ آگے آگے رستہ بتاتا جاتا تھا۔ ایک دن رات برابر چلے گئے  
دوسرے دن دوپہر کے وقت وہ پہنچ گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہؐ  
صلی اللہ علیہ وسلم سایہ میں آرام فرمائیں چاروں طرف نظر ڈالی ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔  
سواری سے اتر کر زمین جھاڑی پہر اپنی چاد بچھائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا تو بلالؓ  
میں نکلے کہ کہیں کچھ کمانیکو مل جائے تو انہیں پاس ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔  
اوس سے کہا کہ ایک بکری کا تھن گرد و عنار سے صاف کروے۔ پھر اس کے ہاتھ صاف  
کرا کے اور دودھ دھوایا۔ برتن کے موتمہ پر کھڑکیٹ دیا کہ گریو نہ پڑنے پائے دودھ لیکر  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا آپ نے پی کر فرمایا کیا ابھی  
چلنے کا وقت نہیں آیا۔ سیرۃ ابنی ح۔ ا۔

اس روایت کو حضرت ابوبکرؓ کی سیرت میں لکھنا زیادہ مناسب تھا۔ لیکن شبلی صاحب نے اپنی ضرورت خاص کی سیرۃ رسولؐ



صلعم بن اسکو ضم کر دیا لیکن افسوس ہے کہ صرف بخاری کے تنہا اسناد سے کام لیا۔ اور تاریخ و سیرت کے کسی مافذ کو نہ دیکھا جنہیں کہیں اس کا نام و نشان نہیں ہے۔ یہی وہ ضرورت اور مناسبت خاص ہے جسکی وہ سے آغاز مقدمہ ہی سے صحیح بخاری کی روایات کو تمام دنیا پر ترجیح دی گئی ہے۔ حالانکہ اسکی سربا موضوعیت کی حقیقت تنقید بخاری جلد چارم ص ۴۷ میں بلا خطہ المختصر و نیائے تاریخ و سیرت میں لول تو اس روایت کا نام و نشان نہیں ہے۔ اگر کتب حدیث میں حسن عقیدت کی بنا پر اس کا وہ تسلیم ہی کیا جاوے تو حضرت ابو بکرؓ کے یہ حالات خامانہ حقوق خدمت کی انجام دہی سے آگے نہیں بڑھتے اور یہ موصوت الیہ کا اس وقت فرض اولین تھا باقی رہا دوسرے والوں کے ہاتھوں کا وہاں الینا اور برتن کے موتمہ پر کسرا بند ہونا جن سے آپ نے حضرت ابو بکرؓ کی صفائی طبیعت پر خاص طور سے استدلال فرمایا ہے تو یہ عموماً صاحب تہذیب و شعور کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ یہ کوئی ایسی اعجاز و روزگار یا خلاف فطرہ بات نہ تھی جسے آپ خرق عادت سمجھا اس خصوصیت کے ساتھ اس تفصیل کے ساتھ لکھنے پر تیار ہو گئے۔ اس سے کہیں زیادہ مناسب مقام وہ روایت تھی جو قریب قریب تمام حدیث سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مندرج ہے۔ صاحب رحمۃ العالمین امام ابن قیم کے اسناد سے لکھتے ہیں۔

و اتفقوا علیہ تمسب | غار سے نکال کر پہلے ہی دن اس مبارک قافلہ پر پیغمبر ابو بکرؓ اور انہما کا گذر خیمہ ام مہاجر پر ہوا یہ عورت قوم خزاعہ سے تھی۔ مسافروں کی خبر گیری اور انکی اجتماع کے لئے مشہور تھی۔ سربراہ پانی پلایا کرتی تھی اور مسافر وہاں ٹھہر کر سستیا کرتے تھے۔ یہاں پہنچ کر پڑھیا سے پوچھا کہ اس کے پاس کوئی پیکر مانے کی ہے۔ وہ بولی نہیں بلکہ کوئی شے موجود ہوتی تو دریافت کر لے سوتے پہلے میں نہ حاضر کر دیتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری بندھی دیکھی۔ پوچھا یہ بکری کیوں بندھی ام مہاجر نے کہا کہ ضرور ہے۔ لیوڑ کے ساتھ تھیں چل سکتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اجازت ہے ہم اسے دوہ لیں۔ ام مہاجر نے جواب دیا اگر حضورؐ کو دودھ معلوم ہوتا ہے تو وہ لیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لبم اللہ کہہ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا۔ برتن مانگا وہ ایسا بگیا کہ چھلکے لگا۔ یہ دودھ آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھیوںؓ نے پی لیا دوسری دفعہ بکری کو دو باگیا اور یہ بھی پی لیا تیسری دفعہ پھر برتن بگیا اور وہ ام مہاجر کے چوڑے دو باگیا اور آگے کو روانہ ہوئے کچھ دیر کے بعد مہاجر کا شوہر یا خیمہ میں دودھ کا بھرتن لیکر حیران ہوا کہ کیا ہو گیا۔ ام مہاجر نے کہا ایک تبرک شخص بیان آیا تھا اور یہ دودھ اسی کے قدم کا نتیجہ ہے۔ وہ بولا۔ یہ تو وہی صاحب قریش ہے جسکی مجھے تلاش تھی اچھا تم ذرا اسکی توصیف اعلیٰ تو بیان کرو۔ ام مہاجر نے نہایت مفصل طور پر آپ کا حلیہ بیان کیا۔ تو اسکا شوہر شکر بولا کہ یہ تو ضرور صاحب قریش ہے۔ میں جا کر اس سے ضرور ملو گا۔

کہ سے باہر کے بدوی لوگ غیر مسلم قبائل میں آنحضرتؐ کو صاحب قریش کہتے تھے۔ رحمۃ العالمین ص ۸۸-۸۹۔  
شبلی صاحب نے ایسی مفصل روایت کی موجودگی میں ایک ایسے واقعہ کو قلمبند فرمایا جو اصلاً موضوع اور فعلاً خلاف موضوع ہے۔ نہ جس سے شان رسالت کا کوئی وقار قائم ہوتا ہے اور نہ کوئی اقتدار۔ اسناد کے اعتبار سے ام مہاجر کی روایت اتنی مشہور اور متواتر ہے کہ تاریخ و سیرت کی کتابوں سے لیکر حدیث و تفسیر تک کی کتابوں میں مندرج ہے۔ اور خود شبلی صاحب کی اعتبار کردہ

تاریخ و حدیث کے قدیم ماخذوں میں کم پیش طریقہ سے مذکور دستور ہے۔ ظہری۔ ابن سعد۔ زرقانی۔ تاریخ الخمیس۔ ربیع الابرار وغیرہ  
تمام کتابوں میں مرقوم ہے۔

ابدا یہ امر کہ ایسے مشہور واقعہ کو شبلی صاحب نے کیا سمجھ کر مرفوع القلم فرمایا۔ اسکی عارف و جہد ہی آپ کی یور و پین معنف کی  
تقدید اور اپنی موجودہ تالیف کو کسی نہ کسی طرح فلسفہ تاریخ سے مشہور کئے جانیکا اُمید تھی۔ اس واقعہ میں چونکہ رسالت کے  
ماثر روحانیت معلوم ہوتے ہیں۔ اس بنا پر آپ کے قدیم ماہمہ نے کہ یور و پین مضمین۔ آپ کے مضامین پر خلاف عقل ہونیکا  
اعتراض کرینگے آپ کے فکر کو روک لیا۔ دوسری وجہ یہ بھی کہ کسی خاص بزرگ کے کوئی تخصیصی حالات اس روایت سے  
نہیں ظاہر ہوتے تھے جن کے اندراج حالات سے آپ کو شغف خاص حاصل ہے اور جسکی اشاعت و اقامت کی بنا پر اس طرز  
خاص کی سیرۃ النبی مرتب کرنیکی آپ کو ضرورت لاحق ہوئی ہے۔

امام ابن القیم نے تو اتنی ہی تفصیل پر اس روایت کو ختم کر دیا ہے۔ لیکن تامل و تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ رحمہ  
نے بھی اس طولانی واقعہ کے آئری حصہ کو کسی غرض خاص سے مرفوع القلم فرما دیا ہے۔ ہم انکے مندرجہ حصہ کو تاریخ الخمیس کی  
عبادت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

روى الرعشى في ربيع الابرار عن هند بنت الجونذ  
رسول الله صلعم خيمه خاتمة ام معبد فقام من روفاته  
مذعابا فغسل يديه ثم تمضمض وفتح في عوججه الى  
جانب الخيمه واصمعا وهي كاعظم دوحه وجاءت  
بشر كاعظم ما يكون في لون الورس ورائحة العنبر وطعم  
الشهد ما اكل منها جامع الا شيع ولا ظمان الا روى  
ولا سقيم الا روى ولا اكل من وسمتها بعير ولا شاة الا  
دثر لبنها فكن السيمها المباركة ونبتا نابرا البواوي  
من لستقى بها ديتزود منها حتى اصبحا ذات يوم وقد  
لسا قطنهم صاوه غمر من قها ففر عنار عا الا فر رسول  
الله صلعم ثم انما بعد ثلاثين سنة اصبحت ذات  
شوك من اسقلها الى اعلاها ولسا قطنهم صاوه ذهبت  
نضرتها قها شعرنا الا بقتل امير المؤمنين علي فماتت  
بذلك وكنا نتفق بورقها ثم اصبحنا واذا بها وقد تبع

علامہ رعشی صاحب تفسیر کشف الابرار میں مندرجہ روایت  
کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ پر اترے، تو حضرت کچھ بڑا  
کرنیکے یور پر ملے ہوئے اور بانی طلب کیے ہاتھوں نے اور کچھ کی اور گوشہ خیمہ  
کی طرف ہوں کہ ایک خیمہ سا درخت تھا مصیبت نے اپنی گلی کا پانی اسی پر  
سجھک دیا۔ دوسرے روز وہ ایک فطیمہ انسان درخت ہو گیا اور نہایت بڑے بڑے  
پھل اس میں لگے۔ جو کچھ کھاتے تھے اس میں خوشنواں لگھاس جاتی اور کھاتے  
کہ کام میں آتی ہوا اس سے فبر کی خوشنواں آتی ہوا اس کو فرما کر شہ کے ہوا تھا  
جسے عجب کا کہا لبتا تو میری بوتا تھا اور پیاسا میرا ہوا تھا۔ اور یہاں شفا پاتا  
اور اگر لڑتے یا کبری اوکی تھی کمالی تو ان کے دودھ کثرت سے ہوتا۔ ہم لوگ  
اوس کو سباز کہتے تھے۔ اطراف و جوانب سے لوگ آتے اور اس سے شفا پاتے  
اور تبرک سمجھ کر لے جاتے۔ ایک روز صبح کو سباز کہ گیا دیکھتے ہیں کہ اس کے بچوں گئے  
لگے اور اس کے پتے چھوٹے ہوئے لگے۔ اس حالت سے ہمارے گون کو بڑا خوف معلوم ہوا  
کہ ان میں خبر صحت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہوئی۔ ایک تیس میں کیا دیکھتے ہیں کہ  
بڑے ڈان تک نہیں گئے لگے گئی ہیں اور پھر سباز گئے اور اس کی تازگی کی

من ساقھادم عبیط وقد ذیل وراقہ فبینا نحن فرعون مہمنا اتنے میں خبر شہادت امیر المومنین علیؑ اسی۔ پھر اس کے بعد اس درخت نے  
 بن انا فاخبر مقل الحشین بن علی ولیست الشجرۃ علی افر  
 دولت وذهبیت والعجب کیف لم یشتہر امر هذه الشجرۃ  
 کہا اشتہر امر المناۃ فی قصۃ ہی اعلی القصص  
 جلد اول ص ۳۷۷

اس درخت کا قلعہ کون نہ مشہور ہوا۔ حالانکہ بکری والے قصہ سے یہ بہتر قصہ تھا۔

ہم نے اس روایت کی پوری حقیقت لکھ دی ہے طالبان تحقیق بہ آسانی سمجھ لیں گے کہ اس کے نقل و استخراج میں اپنا اپنے  
 مطلب کے مطابق علمائے نامین دستِ جہن نے کس وجہ تک تلخیص اور قطع و برید کر کے اپنے مؤلفانہ تدبیر کی شان کو قائم  
 رکھا ہے اکثر نے تو اس کو سرے سے ذکر کے قابل ہی نہیں سمجھا بعض جو اس کو اس کی اہمیت کی بنا پر قابل ذکر سمجھے وہ صرف  
 کرامت رسولِ علم تک اس کو لکھ کر رہ گئے۔ جیسے ابن القیم وغیرہ۔ انھیں میں اکثر ایسے منصف مزاج اور عدالت پسند  
 بھی نکل آئے جنھوں نے تقلید اسلاف اور تائید عقائد کی پابندی سے قطع نظر کر کے اس کو لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً لکھ دیا  
 ہے۔ جیسا علامہ زعفرانی صاحب تفسیر کشاف اور علامہ حسین دیار بکری صاحب تاریخ الخمیس۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ ان علماء و محدثین کو بالآخر اس روایت کے پورے نقل کر دینے میں کون سی وقت اور کون سی  
 مجبوری سدا رہ تھی؟ وہ یہ بالکل ظاہر ہے اور سبب بالکل صاف۔ اور وہ یہ ہے کہ آخر حصہ روایت سے اہلبیت علیہم السلام  
 کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ موجودہ عقاید کے سراسر مخالف تھی کہ اس کی نقل کیا دے یا بیان کر کے اعلان کیا جائے  
 اس لئے اس حصہ حدیث کو نسبتاً منسکھ کر دینا ہی بہتر تھا۔ کیونکہ کوشش تو یہ ہے کہ واقعہ ہجرت تمام دفتر کے ہیر و اکیلے حضرت  
 ابو بکرؓ ہی ثابت ہوں اور کوئی دوسرا نہیں۔ لیکن افسوس سوچنے والے یہ نہ سوچنے (اور سمجھنے والے یہ نہ سمجھنے کہ اس کے  
 استحقاق سے صرف اہلبیت علیہم السلام کے فضائل ہی نہیں پوشیدہ ہوتے بلکہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ  
 وآلہ وسلم کی بہت بڑی کرامت بھی تو صفحہ روزگار سے مٹی جاتی ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ فضیلت اہلبیت  
 اصلاً ہے کیا؟ فضیلت و کرامت رسول صلعم کا ایک خیر۔

اس روایت کے استحقاق پر اتنا تعجب نہیں ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری صاحب نے تو اپنی  
 صحیح میں قریش رسول اللہ صلعم پر حضرت علی مرتضیٰؑ کے سونے والے واقعہ کو بھی جو تمام اہل اسلام کا مسلمہ ہے نہ لکھا  
 اور اس پر بھی ان کی کتاب صحیح کی صحیح ہے۔ بخاری کے خیال و تدبیر کے ایسے خیال والے ناقلین حدیث اور مؤلفین  
 اخبار حسب موجود ہوں تب علامہ زعفرانی کی یہ تعجبانہ شکایت کا کہ ایسی روایت جو اعلیٰ قصص ہے اور بکری کی  
 روایت سے زیادہ مہتمم با نشان اور ضروری البیان ہی کیونکہ نہ مرقوم لکھی۔ کیا جواب دیا جاوے۔ لیکن بات یہ ہے

جیسا کہ ہم برابر اپنے سلسلہ بیان میں دکھاتے آئے ہیں کہ حقیقت اور اصلیت کسی کے مٹائے مٹی ہے اور کسی کے چھپائے چھپی ہے۔ ابن القیم اور ابن کے ہم خیال علما و محدثین کی ایک جماعت نے اپنی ضرورت خاص سے چھپایا۔ مگر پھر اسکی حقیقت انھیں کی جماعت میں سے علامہ مخدوم شمس۔ امام مستطانی اور زرقانی وغیرہم کے ایسے لوگوں کو پہنچ لانی جنہوں نے اسکو صرف تمام و کمال لکھا ہی نہیں بلکہ اسکے چھپانے والے اور نہ لکھنے والوں کو عدم تدین کا پردہ بھی نامشور کر دیا۔ قاعبتوایا اولی الابصار۔

بہر حال جب امام بخاری اور علامہ ابن القیم کے ایسے استادان و تعاون فن نے اس حدیث کو نہیں لکھا تو غریب شبلی صاحب کس شمار و قطار میں ہیں۔ جو اس کی نقل پر جرات کرتے۔ اس بنیاد و کی سیرت بھی اس واقعہ کی صورت حال سے بالکل غالی ہے۔

سراقہ بن شعبر کا قصہ | اس کے آگے شبلی صاحب قریطہ میں قریش نے اشتہار دیا تھا کہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اور اسکو ایک خون بہانے برابر (یعنی سواونٹ) انعام دیا جائیگا۔ سراقہ ابن شعم نے سنا تو انعام کی امید پر نکلے عین اس حالت میں کہ آپ (غار سے) اردانہ ہو رہے تھے اس نے آپکو دیکھ لیا اور گھوڑا دڑا کر قریب آگیا لیکن گھوڑے ٹھوکر کھائی وہ گڑبڑا۔ قریش سے فال کے تیز کالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں تجا نہیں لگا لیکن سواونٹوں کا گرانہما معاوضہ ایسا تھا کہ تیرکی بات مان لی جائے دو بارہ گھوڑے۔ پروردگار اود آگے بڑھا ابکی گھوڑے کے دونوں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے گھوڑے سے اوتر پڑا اور پھر فال دیکھی۔ اب بھی وہ جواب تھا لیکن بکری نتیجہ نے اسکی ہمت پست کر دی اور یقین ہو گیا کہ کچھ اور آثار ہیں۔ آنحضرت صلعم کے پاس آکر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا اور دینہ است کی کہ مجھکو امن کی تحریر لکھ دیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا۔ بحوالہ صحیح بخاری۔

شبلی صاحب چونکہ اپنی تاریخ میں بالکل صحیح بخاری کی ترجمانی کرتے ہیں اور علم تاریخ میں بخاری مبلغ معلومات معلوم اس لئے ایک تاریخ نویس اور سیرت نگار کو نہ اونکی تقلید کی ضرورت تھا اور نہ تنقید کی حاجت۔ لیکن حقیقت شناس اشخاص آپ کے اقرار کردہ خبریات کے بجانب ارادہ اور نحو و غرضانہ اضافات کو فوراً پہچان لے گا۔ کیونکہ آپ اپنی حاشیہ و الی عبارت میں خود لکھا اقرار کر چکے ہیں کہ یہ پوری تفصیل حرف ہجرت صحیح بخاری باب مناقب المهاجرین میں ہے ہم نے تمام خبریات اس لئے نقل کیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی میں بھی قلم و دست ساتھ رہتا تھا۔

آپ امام بخاری کے اعتبار پر اور وہ اپنے حفظان عقائد کی بنیاد پر آنحضرت صلعم کی گرفتاری کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کو اشتہار گرفتاری میں خواہ مخواہ داخل کر لیں تو اسکے آپ اور وہ خاصکر جوابدہ ہیں لیکن تاریخ و سیرت پر نظر کیونکر والا۔



جب کسی تاریخ و سیر میں حضرت ابوبکر کا نام نہیں پائے گا۔ وہ آپ کی ان جزئیات بخاری کی نقل کی حقیقت ضرورت کو کماحقہ سمجھ جائے گا۔

اسی طرح عامر بن فہیرہ کا ایسے عالم اضطراب میں کہ جب لباس تک جسم پر بھاری ہو رہا تھا ووات قلم ساتھ رکھتا۔ اور امن نامہ لکھ دینے کی حقیقت ہے۔ جبکہ صرف آپ ہی کے ایسا الشا پر دار قابل نقل و اندراج سمجھے گا۔ دوسرا نہیں۔ اسلئے کہ تاریخ و سیر کی کتابوں میں جو ان واقعات کے حقیقی موضوع پر لکھی گئی ہیں سراقہ کا واقعہ وہیں تک مندرج ہے جہاں تک کہ وہ مشاہیر کرامت کے بعد تو ہونا ثابت کرتا ہے اور اسکے بعد کچھ ہی نہیں۔ یہ امام بخاری صاحب کی وہی جزئیات ہیں جنکے ذکر و نقل کے مفید مطلب ہونے کی بنا پر آپ کو انکے اندراج کی بڑی ضرورت ہے۔ اور انھیں بنیاد پر مخصوصہ کی بنا پر آپ نے تمام دنیا کی کتابوں پر صحیح بخاری کی روایات کو ترجیح دی ہے اور اپنی کتاب کے عنوان ہی سے اسکا سامان باندھا۔

عامر بن فہیرہ کی حقیقت حال | اسی طرح عامر بن فہیرہ کو حضرت ابوبکر کا صرف غلام لکھا یا ہے اور ان سے انکی دیگر تعلقات کو نہ بتلایا۔ یہ بھی مولفانہ ترین کے خلاف ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ عامر اصلاً حضرت ابوبکر کی ملکیت میں تھے اور یہ اکیلے ہی انکی ملکیت میں نہ تھے۔ بلکہ انکی مان بھی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مان کی ملکیت آگے چلکر زوجیت کے مرتبہ پر پہنچ گئی اور انکی ملکیت نے اہنیت اور تعینت کی صورت اختیار کی۔ اور پھر ان تعلقات قربت کی رعایت سے آزاد بھی کر دیے گئے تو اتنے تغیرات کے بعد ملکیت کا دعویٰ باقی کمان رہا۔ تاریخ طبری کی مفصلہ ذیل عبارت انکی حقیقت حال پر پوری روشنی ڈالتی ہے۔

وکان عامر بن فہیرہ مولد امن مولدی الاندلس کان  
الطفیل بن عبد اللہ بن سنجرة وهو ابو الحارث بن  
الطفیل وکان اخا عائشة بنت ابی بکر و عبد الرحمن  
بن ابی بکر لا مھما فاسلوا عامر بن فہیرہ وهو مملوک  
لھم فاشتدوا ابو بکر فاعتقه وکان حسن الاسلام  
مرومہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عامر کی مان کسی وجہ سے انکو لے کر مکہ میں آئیں۔ حضرت ابوبکر نے انکی مان کو انکے ساتھ خرید لیا۔ مان کے ساتھ عقد نہ لیا۔ انکے بطن سے آپ کے ہاں حضرت عائشہ اور عبد الرحمن پیدا ہوئے۔ عامر بن فہیرہ اس اثنا میں مشرف باسلام ہوئے۔ تو حضرت ابوبکر نے انکو خدا کی راہ میں آزاد کر دیا۔ شبلی صاحب کو لازم تھا کہ علاقہ ملکیت تک عامر کی معرفت کو نہ تمام کر دیتے۔ بلکہ واقفیت عام کے لئے ضروری تھا کہ مفصلہ بالا واسطہ قرابت کو بھی بتلادیتے مرومہ بالا مضامین تنقیدی کو تمام کر کے ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجائے ہیں۔

عامر بن فہیرہ اصلاً قبیلہ ازو کے آدمی تھے۔ ابو طفیل بن عبد اللہ بن سنجرة کے بیٹے تھے۔ انکی کنیت ابو الحارث تھی یہ حضرت عائشہ بنت ابی بکر اور عبد الرحمن بن ابی بکر کے بھائی تھے کیونکہ ان سب کی مان ایک تھیں جب سلمان ہوئے تو حضرت ابوبکر نے انکو خرید فرمایا۔ پھر آزاد کر دیا۔ ان کا اسلام مستحسن شمار ہوتا ہے۔

ص ۱۳۳۶

سفر مدینہ کی منزل میں لڑنے کا واقعہ اور بیان ہو چکا ہے۔ رسیدہ بود و بالے دے بخیر گذشت سرائے کو قلاوہ عقیدت گردن میں ڈال کر لڑنے کو واپس گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی طرف روانہ ہوئے طبری۔ ابن سعد نے مکہ سے لیکر مدینہ تک اور تمام منزلوں کو نام بنام گنوا دیا ہے جہاں جہاں آپ نے دوران سفر میں قیام فرمایا تھا۔ اس وقت عرب کے فکلی نقشہ میں اونکا نام و نشان ہی نہیں لیکن صرف اونکا نام لکھ دیا عقیدت مندوں کی دلچسپی کے لئے کافی ہوگا۔ ابن سعد نے ان منزلوں کے نام بتلائے ہیں خزار شنبہ لکڑی۔ القف۔ درجہ۔ مرج۔ حرا۔ اذخر۔ رانغ (یہ تمام آج بھی حجاج کے راستہ پر آتا ہے یہاں آپ نے مغرب کی نماز پڑھی تھی) واسلم۔ غنائیمہ۔ خاخہ۔ عرج۔ حدوت۔ رکوہ۔ عقیق۔ جنتا۔

## مدینہ میں نزول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سدا و تمندان انصار مدینہ میں تشریف آوری کی خبر پانچ تھے۔ صبح سے شام تک روزانہ قدم سمیت لڑے۔ مہم کا اثر ظاہر ہوا تھا اور ہر روز کی ناکامی عالم انتظار کو مدد و انتشا ترک بڑھ رہی تھی عقیدت مندوں کی جماعت بیرون شہر جا کر روزانہ چشمہ پرانہ رستی تھی اور واپس آتی تھی۔ ایک دن زیادہ وقت انتظار کر کے متعین کا گروہ واپس آ رہا تھا کہ یکایک ایک یہودی نے اپنے قلعہ کی بلندی سے دیکھا اور اندازہ سے شان رسالت پہچان کر آواز دی۔ اہل عرب اہم جس بزرگ کے استقبال کو روز آتے ہو۔ دیکھو وہ آگیا۔ اس آواز کا قانون میں آتا تھا کہ عقیدت مندوں کے لغو تکبیر سے شہر کا شہر گونج اٹھا۔

انصار کے پر جوش اور اخلاص مند قبیلے پہلے سے بھی زیادہ سرگرم عقیدت ہو کر بڑی طہاریوں کے ساتھ لباسات فخر و پہنے اور بتیار جسموں پر پہنے اپنے مقدس مہمان حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسم استقبال کے لئے نکلے انکے من عقیدت کی توفیق حالت تھی اور ہر مدینہ کے بالائی حصہ پر جو اصل شہر سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جسے عالیہ اور قبہ بھی کہتے ہیں انصار کے بہت سے ممتاز اور غریز خاندان آباد تھے۔ ان خاندانوں میں عمر ابن عوف کا خاندان سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ جسکے رئیس القبیلہ کلثوم ابن الدم تھے۔

بنابین نزول رسالت قبائین مہکوب رسالت اٹھوین ربیع الاولیٰ ۳۱ سنہ نبوت یا ۳۱ سنہ ہجرت روزہ شنبہ مطابق ۲۳ ستمبر ۶۱۰ء کو پہونچا۔ عقیدت مند ان قبائے شرف ناصیہ سانی حاصل کرنے کے بعد مفارعت دعوت و مہمانی کی عزت افزائی کے لئے بھی درخواست کی۔ بطیب خاطر منظور فرمائی گئی۔ اور کلثوم ابن الدم کے مہمان ہوئے۔ خاص انکی عزت افزائی کا یہ سبب تھا کہ صحابہ مہاجرین۔ جو آپ سے پہلے مکہ سے نکل آئے تھے وہ سب کے سب اس وقت تک انھیں کے مہمان تھے جنہیں ابو عبیدہ مقداد۔ نجباب۔ سہیل۔ صفوان۔ عیاض۔ عبداللہ بن مخزوم۔ سوہب ابن سعد۔ معمر بن ابی سرح اور عیمر بن عوف وغیرہم شامل تھے کلثوم ابن الدم کے مکان میں قیام فرمانے کے متعلق تو گویا تمام تاریخوں کا اتفاق ہے اور شبلی صاحب نے بھی اسی کو اپنا مختار قرار دیا ہے۔ لیکن طبری۔ ابن ہشام اور ابن سعد کی مرویات سے ثابت ہوتا ہے کہ کلثوم کے مکان میں نجباب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف آب و طعام اور خواب و آرام فرماتے تھے ارشاد و ہدایت اور دیگر تعلیم و بینات وغیرہ کی صحبت میں سعد بن خثیمہ کے مکان میں منعقد ہوا کرتی تھیں جو کلثوم بن الدہم کے مکان سے ملا ہوا تھا کلثوم کے مکان میں جگہ تنگ تھی اور سعد کا مکان بہت کثادہ تھا۔ اور ان کے اہل و عیال بھی نہیں تھے۔ اس سعد محض تنہا رہتے تھے۔ مدینہ اور قرب و جوار کے لوگ جوق جوق ہر وقت زیارت کے لئے حاضر رہتے تھے۔ اور بار بار یہ خدمت ہوا کرتے تھے۔ ہر وقت مخلصین کا ہجوم تھا اور معتقدین کا ازدحام اسی لئے سعد بن خثیمہ کا مکان دربار رسالت کے لئے تجویز کیا گیا تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں۔

جب آپ کلثوم بن دہم کے مکان سے باہر ہوئے تو آپ نے لوگوں کی خدمت کے مکان میں مجلس منعقد کی کیونکہ سعد بن خثیمہ صاحب عیال نہیں تھے اور اصحاب مہاجرین بھی یہیں مقیم تھے (ان کے ساتھ بھی عیال نہیں تھے۔ اس لئے اس مکان کو منزل الغریب کہتے تھے۔

انما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا خرج من منزل کلثوم بن ہذال جلس للناس فی دار سعد بن خثیمہ وذلك انہ کان غریبا لا اهل له وکان منزل الغریب من اصحاب رسول اللہ صلعم من المهاجرین

فمن ہذا لك من ۱۷۷

عربی میں عرب اور سکوتے ہیں جس کے عیال نہیں ہوتے۔

در بار رسالت ہر وقت مخلصین کی کثرت سے بھرا رہتا تھا۔ باری باری سے عقیدت مند شرفیاب زیارت ہوتے تھے کلمات ہدایت و ارشاد سنتے تھے۔ صداقت و حقیقت بیانی سے متاثر ہو کر اسلام کی دولت اور ایمان کی نعمت پاتے تھے عطاۃ الہی کا شکر نعمت ادا کرتے تھے۔ اور رسول خدا صلعم پر سلام و درود بھیج کر رخصت ہو جاتے تھے۔ ہر روز کیا۔ ہر وقت یہی عالم پیش نظر رکھتے تھے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ سعد بن خثیمہ کے مکان میں جو عامۃ المساکین کے مجمع عام میں تقریر فرمائی گئی اس کے آخری فقرات یہ تھے۔

ایہا الناس۔ اسلام کی اشاعت کرو۔ محتاج و مساکین کو کھلاؤ و صلہ رحمی کی لاد۔ نمازین پڑھا کرو حالانکہ اور لوگ لامرقت تک پڑے سوتے رہیں اور ان نیک اعمال کے آخر میں سلامتی کے ساتھ بہشت برین میں داخل

یا ایہا الناس افشوا الاسلام و اطعموا الطعام و صلوا الاحیاء و صلوا والناس نیام و ادخلوا الجنة بالسلام

ہو جاؤ۔ طبقات ابن سعد ۵/۱۵۹۔ ج ۱

قبائین حضرت علی مرتضیٰ کا درود قبائین جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشر لائے تین روز گزرے تھے کہ حضرت علی مرتضیٰ ہی مکہ سے پایادہ چکر خدمت بابرکت میں حاضر ہو گئے۔ زرقانی اس صحابہ و مجاہد فی سبیل اللہ کی وہ حالت جس صورت میں وہ خدمت رسول میں حاضر ہوا ہے۔ اس طرح کہتے ہیں۔

وکان علی لیسیر باللیل و یختفی بالنہار وقد نعبت وداہ

سیدہ زینب علیہا السلام

فَسَمِعَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَدَعَا لَهُ بِالْإِشْفَاءِ  
فَبَرَأَتْهُ فِي الْحَالِ وَمَا اسْتَكْبَاهَا بَدَ الْيَوْمِ قَطْرًا مِمَّنْ ۚ  
جب حاضر خدمت ہوئے تو تکلیف پیادہ پائی سے آپ کے دونوں پاؤں  
ازخمی ہو گئے تھے آنحضرت صلعم نے آپ کا یہ حال مشاہدہ فرما کر آپ کے پاؤں کو  
دست مبارک سے چھو کر خدا سے دعائے شفا کی۔ آپ کے پاؤں اچھے ہو گئے اور پھر آپ کو مطلق شکایت نہیں ہوئی  
واقعات ہجرت کے متعلق جناب امیر علیہ السلام کی حبشی خدمت میں وہ اپنی آپ نظیر ثابت ہوتی ہیں۔ مکہ سے  
مدینہ تک کی پیادہ پائی بھی صاف صاف اپنی ندرت اور کیا تائی تبارہی ہے۔  
قبائین قشرف آہی کے تین دن بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو تبک  
مسجد قبا کے نام سے مشہور ہو کر صدائے مومنین ہے۔

سبلی صاحب نے قیام قبا کے حالات میں انہیں سے کسی واقعہ کو نہ لکھا۔ آپ کی عجلت رومی بہت سے ضروری اور  
قابل النظر واقعات تاریخ کو مرفوع القلم فرمائی چلی جاتی ہے۔ اگر آپ کی تقلید و قاسی میں دو چار کتابیں اس انداز طریقہ کی  
اور لکھی گئیں تو امید ہے کہ سیرۃ الرسول اور تاریخ اسلام کے بہت سے واقعات نیست و نابود ہو جائیں گے۔  
قبا کے ایام قیام میں علمائے اختلافات کیا ہے لیکن تاریخ و سیرت کا زیادہ تر اس قول پر اعتبار ہے کہ جناب رسول خدا  
صلعم نے چودہ دن تک مقام قبا میں قیام فرمایا اور جمعہ کے دن بائیسویں ربیع الاول کو مدینہ کی طرف نہضت فرمائی قبیلہ بنی نضیر  
کے پاس پہنچے تھے کہ نماز جمعہ کا وقت آگیا۔ مرکب رکھ دیا گیا اور وہیں نبی سلیم کے ساتھ نماز جمعہ ادا فرمائی گئی۔ جماعت میں تنویر  
آدمی شریک تھے۔ تمام تاریخ و سیرت کا اس اتفاق ہے کہ بلا واسطہ اسلامی میں یہ پہلا جمعہ ہے جو پڑھا گیا اور پہلا خطبہ ہے جو نماز جمعہ  
میں بیان فرمایا گیا۔ ہم تاریخ طبری سے اس مقدم خطبہ کی پوری عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فی اول جمعة جمعہا بالمدینۃ فی بنی سالف بنی نضیر

الحمد لله - احمدہ واستعینہ واستغفرہ واشتہد بہ و

اوسم بہ ولا اکفرہ - واعادی من یکفرہ واشہدان لا اله

الا الله وحده ولا شریک لہ وان تمھن اعبداہ ورسولہ

اس سلہ بالھدی والنور والوعظۃ علی فترۃ من الرسل

عقلۃ من العلم وضلال من الناس وانقطاع من الزمان

ودق من الساعۃ وقرب من الاجل من یطعم الله ورجل

نقد رسل ومن یصمھا فقد تموی وقطر وضل صلا

بعید - و اوصیکم بتقوی الله فانیہ و اوصی بہ المسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلا خطبہ جو مدینہ

پہنچ کر نبی سالم بن عوف کے قبیلہ میں پڑھا گیا

محدثانہ خدا کے لئے ہے میں اوسکی حمد کرتا ہوں مدینہ میں اور ہدایت اُسکی

پہنچتا ہوں۔ میرا ایمان اوسی پر ہے۔ میں اوسکی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی

اکر نہوا ہوں سے عداوت رکھتا ہوں۔ میری شہادت ہے کہ خدا کے سوا کوئی

عبادت کو لائق نہیں وہ کیا ہوا اسکا کوئی شریک نہیں محمد اسکا بندہ ہے

رسول اوسی نے محمد کو ہدایت۔ نور اور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانہ بھیجا ہے

جبکہ رسول کو کوئی رسول دنیا میں نہیں آیا تھا۔ علم گمٹ گیا۔ گمراہی بڑھ گئی وہ

آخری زمانہ میں قیامت کے قریب اور موت کی نزدیکی کے وقت بھیجا گیا ہوں

کوئی خدا اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی راہِ راست اور سچا ہے ان کا کوئی



المسلم یخضعہ علی الاخوة وان یامرہ بالتقوی اللہ فاحذر  
ما حذرکم اللہ من نفسه ولا افضل من ذلك نصیحة فی  
افضل من ذلك ذکر وان تقوی اللہ من عمل علی وجل  
مخافة من ربہ عون صدق علی ما تبغون من امر الاخوة  
من یصلح الذی بنیہ وبنی اللہ من امر فی السر والعلانیۃ  
لا یؤی بد لك الا وجه اللہ لیکن له ذکر فی عاجل امرہ  
وذاخر فی ما بعد الموت حین یتقرر المرء الی ما قدم وما  
کان سوی ذلك یؤذون بینہ وبنیہا الذی یتبذل او  
یتعذر لکم اللہ نفسک فاللہ سرف بالعباد والذی صدق  
قوله والجزء عدہ لا خلف لذلك فانه یقول عز وجل  
ما یبدل القول الذی واما انا بظلالہ للعبد فاقوالہ  
فی عاجل امرکم واجلہ فی السر والعلانیۃ فانه من یتق  
اللہ یکفر عنہ میثاقہ و یعظم له اجر او من یتق اللہ  
فقد فاز فوزا عظیما وان تقوی اللہ یوقی مقادہ ویوقی  
مقوتہ ویوقی شیطانہ وان تقوی اللہ یدبض الوجہ  
ورض الرب ویرفع الدرجات خذوا حظکم ولا تفروا  
فی جنب اللہ قد علمکم اللہ کتابہ ونهی لکم سبیلہ  
لیعلم الذین صدقوا ویعلم الذین کذبوا فاحسنوا كما حس  
اللہ الیکم وعادوا اعداء اللہ وجاہدوا فی اللہ حتی  
تجہادہ صوا حذبا کر وستماکم المسلمین لیهلک من ہلک  
من ہدیۃ ویحیی من حی عن ہدیۃ ولا قوۃ الا باللہ فاکثر  
ذکر اللہ واعلموا الما بعد الیوم فانه من یصلح ما بینہ و  
بین اللہ یکفر اللہ ما بینہ وبنی الناس ذلك بان  
اللہ یقضی علی الناس ولا یقضون علیہ ویسلک من  
الناس ولا یملکون منه اللہ اکبر ولا قوۃ الا باللہ  
العلی العظیم

وہ جھٹک گیا اور درجہ سے گر گیا اور سخت گمراہی میں پھنس گیا ہے مسلمانوں! میں تمہیں اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں بہترین وصیت جو مسلمانانِ مسلمان کو کر سکتا ہے یہ ہے کہ اسے آخرت کے لئے آمادہ کرے اور اللہ سے تقویٰ کرے۔ لوگو جن باتوں سے خدا نے تمہیں پرہیز کرنا سکھایا ہے ان سے بچو اور اس پر کڑی نکتہ داری نصیحت ہو اور ان کوئی ذکر ہے یا ذکر کتبہ امور آخرت کے بارے میں اس شخص کے لئے جو خدا سے ذکر کام کر رہا ہے تقویٰ بہترین مددگار ثابت ہوگا اور جب کوئی شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ خفیہ و ظاہر میں درست کر لے گا اور ایسا کہہ دے گا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں تو ایسا کرنا اس کے لئے دنیا میں ذکر اور موت کے بعد ذخیرہ بن جائیگا لیکن اگر کوئی نہیں کرتا تو اس کا کلاس آیت میں ہے انسان پسند کرے گا اور اس کے اعمال اس سے کہ دور ہی رکھے جاویں۔ خدا کو اپنے طرف سے ڈراتا ہے اور خدا تو اپنے بند پر نہایت مہربان ہے اور جس شخص نے خدا کے حکم کو سچ جانا اور اس کے وعدہ کو پورا کیا تو اس کی بات یہ ارشاد ہی ہے ہاں بات نہیں بدلتی اور ہم پر ناپسندیدہ نہیں ظلم نہیں کرتے مسلمانو! اپنے موجودہ اور آئندہ ظاہر و خفیہ کاموں میں اللہ سے تقویٰ کو پیش نظر رکھو کیونکہ تقویٰ واللہ کی بیان چھوڑ دی جاتی ہیں اور اجر بڑھا دیا جاتا ہے تقویٰ واسلہ وہ ہیں جو بہت بڑی عداوت کو ہونچ جائیں گے یہ تقویٰ ہی ہے جو اللہ کی نیرازی سبب اور غصہ کو دور کرتی ہے یہ تقویٰ ہی ہے جو چہرہ کو درخشاں پروردگار کو خوشنود اور درجہ کو بلند کر دیتا ہے۔ مسلمانو! نعمت الہی میں اپنا حصہ لیں لیکن حقوق الہی میں غور و گزاشت نہ کرو۔ خدا نے اسی لئے تم کو اپنی کتاب سکھائی اور اپنا لاسہ دکھایا ہے کہ راستوں اور کاؤ بن کو الگ الگ کر دیا جائے لوگو خدا تمہارے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا ہے تم بھی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرو اور خدا کے دشمن ہیں انہیں دشمن سمجھو اور اللہ کے رستہ میں پوری ہمت اور توجہ کی کوشش کرو۔ اس سے تم کو بگڑی ہو جائیگا اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ ہلاک نہ ہو اور اللہ بھی روشن دلائل پر ہلاک ہو اور زندہ رہے والا بھی روشن دلائل پر زندگی کرے

کرساویہ سب اس کی مدد سے نکلے۔ لوگو! اللہ کا ذکر کرو اور آئندہ زندگی کے لئے عمل کرو کیونکہ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ درست کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملوں کو درست کر دیتا ہے۔ ہاں خدا بندہ پر حکم چلاتا ہے لیکن اس پر کسی کا حکم نہیں چلا سکتا۔ بندوں کا مالک ہے اور بندوں کا پرکھنے والا سب سے بڑا ہے۔ اور چھوٹکی کی طاقت اسی عظمت والے سے ملتی ہے۔

مدینہ دہل | بنی سلیم کی قیام گاہ سے مدینہ کتنا دور ہی تھا۔ جمعہ کی جماعت و خطبہ سے فراغت فرما کر مکتوب رسالت نعمت قرآن اور شہر کے جنوبی جانب سے سلطان رسالت کا نزول اجلال ہوا داخلہ شاندار ضرور تھا۔ لیکن یہ شان و نیلوی ساز و سامان اور شائشی طریقہ و عنوان سے بالکل معارضی۔ تاہم اتنی سادگی اور سنجیدگی کے ساتھ بھی ایسی پرہیزگاریت و جلال تھی کہ بڑے بڑے جگہ داروں کے دل سطوت و عظمت سے ہلے جاتے تھے۔ پیغمبر اسلام اپنے ناقہ قصویٰ پر سوار تھے اور مہاجرین سابقین صحابہ کبار اور اعرام و الفہار بڑے غریب اور سلیقے سے صفین باندھے پیچھے پیچھے کبیرون کے نعرے مارتے ہوئے خراپان خراپان چلے آتے تھے۔ شایقین اور منتظرین کے رجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر مقام دروازہ پر پڑے جوان اور بچے۔ عورتیں اور لڑکیاں جملہ میٹھا شوق زیارت میں گھروں سے قیاب ہو کر نکل پڑی تھیں اور بہت دن دیدہ انتظار بیکرا آمد کی منتظر تھیں تھیں۔ اور کبیرون کے نعرے شکر یہ بھی ویسی ہی کبیرون کی پرچوش آوازیں بلند کرتی تھیں یہاں تک کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر میں بغیر خوبی داخل ہو گئے۔ داخلہ رسالت کی اس عظمت و جلال کو دیکھ کر کتب سابقہ کی بشارت کے جاننے والوں کو یقین ہو گیا کہ بے شک یہ وہی مقدس نبی گواہ ہے جسکی آمد آمد کی خوشخبری جبقوق نبی نے ان الفاظ میں پہنچائی ہے۔

اللہ جنوب سے اور وہ جو مقدس ہے کوہ قارآن سے آیا۔ اوسکی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین

اوسکی حمد سے مہمور ہو گئی۔ (حقوق نبی کی کتاب۔ باب ۳۔ دس ۳)

جنوب سے آنے کی ندرت اور قارآن سے آنے کی خصوصیت صاف صاف بتا رہی ہے کہ یہ نبی موعود جسکی بشارت مرقومہ بالا آیت میں درج ہے سو آئے پیغمبر عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرا ہونہیں سکتا۔

انصار کی وہ لڑکیاں جو گام میں براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر بیت لاپھکی تھیں یا اسکے بعد مصعب ابن عمیر کی تبلیغ و تعلیم سے مشرف باسلام ہوئی تھیں۔ ذیل کے اشعار میں ترانہ سنج تھیں۔

|                          |                                  |                           |  |
|--------------------------|----------------------------------|---------------------------|--|
| اشراق البدر علینا        | من ثنیاات الوہد اع               | واجب الشکر علینا          | ما داعی اللہ داع                             |
| ہم چپ اند نکل آیا ہے     | کوہ دواع کی گھاٹیوں سے           | ہم پر خدا کا شکر واجب ہے  | جبکہ دعا مانگنے والو دعا مانگیں              |
| انھا المبعوث فینا        | جدت بالامرا المطاع               | لحن جو اس من نبی البشار   | یا حبذا محمد! من جاد                         |
| انھوں کی طرف سے آپ مبعوث | ہو کر انبیا کے احکام کے ساتھ آجا | ہم بنی بشار کی لڑکیاں ہیں | محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کیسے چچو ہمارے |

معصوم اور صغیر السن لڑکیوں کی ترانہ سنجی سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ انکی طرف نگاہ شفقت اٹھا کر ارشاد فرمایا گیا۔ کیا حقیقتاً تم مجھے چاہتی ہو سب نے عرض کی۔ جی ہاں ارشاد ہوا تو یاد رکھو۔ میں بھی تمہیں دل سے چاہتا ہوں۔

حضرت ابویوب انصاری کو کبہ رسالت جب اس مقام پر پہنچا جہاں مسجد نبوی موجود ہے۔ اسی مقام سے ملا ہوا حضرت ابویوب کے گھر میں قیام انصاری کا مکان تھا یہ قبیلہ بنی نجار سے تھے شایقین کے ہجوم اور متعقدین کے ازدحام سے یہاں قدم رکھنے کے لئے جگہ نہیں تھی۔ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمانی کی شرفیابی کے لئے گراڑتا تھا۔ لیکن بقولے ہذا فضل اللہ یوتیہ من لیساء یہ خدا کا فضل ہے جسکو چاہے وہ عطا فرمائے۔ ابویوب انصاری کو اس شرف مخصوص کے عطا ہونے کی نسبت علماء صحابہ نے مختلف ذرائع اور اسباب بتلائے ہیں۔

اکثر یہ کہتے ہیں کہ تصفیہ کے لئے قعر والا گلیا اور انھیں کے نام کلا۔ اکثر کا یہ قول ہے کہ چونکہ شخص اپنے گھر میں اوتارنے کا مستحق تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ناقہ کو چھوڑ دو وہ خدا کی طرف سے مامور ہے چنانچہ ناقہ حضرت ابویوب انصاری کے مکان کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ اس بنا پر آپ نے انہیں کے گھر پر قیام فرمایا لیکن صحیح مسلم باب الحجرت میں ہے کہ جب لوگوں میں آپ کی میزبانی کے متعلق اختلاف ہوا تو آپ نے کہا کہ میں بنی نجار کے ہاں اترؤں گا جو نبی عبدالمطلب کے مامور ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمداً ایسا کیا تھا۔ حضرت ابویوب اسی خاندان کے تھے امام بخاری نے تاریخ صغیر میں تصریح کی ہے کہ ابویوب کے گھر اترنا اسی قرابت کی وجہ سے تھا۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲۰۳

حضرت ابویوب انصاری نے جس خلوص و عقیدت سے اپنے مقدس مہمان کی خدمت کی ہے وہ اپنی آپ شمال ثابت ہوتی ہے۔ تاریخ ابن ہشام میں ہے۔

ابویوب ناقل ہیں کہ جب جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں مقیم ہوئے تو میں ایک بالادخانہ پر قرارنا چاہا لیکن آپ نے معتقدین کے خیال سے نیچے ہی کے حصہ میں قیامت فرمائی۔ آخر کار میں بھی مجبور ہو گیا۔ اتفاق سورت کے وقت پانی کا برتن ٹوٹ گیا۔ ہم میان بی بی خوراء اٹھئے۔ اور صرف ایک ہی لحاف ہم لوگوں کے پاس اڑھتے کو تھا اور سکو پانی پر ڈال کر بالکل پانی خد کر لیا اس خیال کہ پانی نیچے ٹپک کر ایدائے رسول کا باعث ہو۔ ابویوب بیان کرتے ہیں کہ ہم دونوں وقت کہا نا آپ کے لئے تیار کر کے خدمت میں حاضر کر لے تھے اور جو کچھ بیچ رہا تھا اسکو ہم میان بی بی تیرگا کہا لیتے تھے اور زمین و برکت کے خیال سے جہاں جہاں آپ کے دست مبارک کا نشان معلوم ہوتا تھا وہاں وہاں ہم دونوں اپنا ہاتھ کمانے میں ڈالتے تھے۔

ابن ہشام۔ ص ۱۷۶

قال ابو یوب لما نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی بیتی نزل فی السفلی وانا وام ایوب فی العلوی فقلت یا نبی اللہ بانی انت وافی انی لا کفرہ واعظون اکون فوقک وتکون تحتی فاطہرات تلک فی العلوی ونزل من فکون فی السفلی فقال یا ابویوب ان ارفق بنا ویمین یفشتا لمان تکون فی السفلی بعیت قال فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفلیہ وکنا فوقہ فی المسکن فلقد انکسر حب لنا فید ماء فقیمت انا وام ایوب بقطیفہ لنا مالنا لمان غیرھا فطشفت بہا الماء فمخوفان یقطر علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شی فیؤذیہ قال وکنا نضع لہ العشاء ثم نبعث الیہ فاذا اراد علینا فضلہ فیمیت انا وام ایوب موضع یدہ فاکلنا منه نبتغی بذلک البرکۃ

## مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں تشریف آوسی کے بعد سب سے پہلا کام جو جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغاز فرمایا اور ایک مسجد کی تعمیر تھی۔ سات مہینہ تک ایک انصار کے افتادہ مکان میں جو کسی وقتیں مالک مکان کو جالوزوں کو رہنے کی جگہ تھی نماز جماعت ہوا کرتی تھی لیکن یہ مقام عقیدت مندوں کے مصالکے اور بندوں کی عبادت کے لئے کسی طریقہ سے موزوں نہیں تھا حضرت ابوالیوب انصاری کے مکان سے ملی ہوئی انصار کی ایک زمین تھی جو بہت زمانہ سے افتادہ پڑی ہوئی تھی اوسمیں کچھ پرانی قبریں تھیں اور کچھ بچور کے دفن تھے۔ اوسکی زمین سوائے کچھ رسکدائے جا۔ نے کے اور کسی کام میں نہیں آتی تھی شہنشاہ رسالت نے اسی قطعہ زمین کو مسجود عالم ہونے کے لئے منتخب فرمایا۔ انصار کے ممتازین بلائے گئے اور ان سے مدعا بیان کیا گیا۔ وہ فوراً بلا قیمت و معاوضہ نذر کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ نے باقیمت لینے سے انکار کیا۔ چونکہ پہلے معلوم ہوا تھا کہ اس کے مال مالک قبیلہ انصار کے پوتیم بچے ہیں لہذا ان دونوں تیمیوں کو بلا پایا گیا وہ دونوں بچے ارنذون معاویہ عفران کی تولیت میں تھے جب یہ دونوں لڑکے حاضر خدمت ہوئے اور ان سے زمین کے لئے ارشاد کیا گیا تو انھوں نے بھی وہی جواب دیا جو انکوں کی معاذ پیتے خدمت کر چکے تھے لیکن جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقیمت لینے سے قطعی انکار کر دیا۔ بالآخر قیمت عدل طر پائی اور حضرت ابوالیوب انصاری نے اپنے سرمایہ سے وہ قیمت طے کر دی۔ سیدۃ النبیؐ جو اب صحیح بخاری یعنی شرح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۷ ہرنذانی حضرت عمار بن یاسرؓ احب زمین کا معاملہ مصالحت و مسابقت تمام ہو گیا تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک کے اعلیٰ خدمات مسجد کی بنیاد ڈالی اور معمولی فرد و رن کی طرح کام کرنے لگے شہنشاہ عالم کی یہ عملی شان دیکھ کر بیکسی مسلمان کو اتنی

تاب کمان تھی کہ وہ اس سعادت سے بہرہ اندوز نہ ہو۔ تمامی صحابہ ہما ترین اور انصار معتقدین جن میں بڑے بڑے رؤسا و دولت مندان قبائل بھی شامل تھے پھوڑے اور کھال بیکر و مور و بلخ کی طرح ٹوٹ پڑے۔ اور مٹی بکھودنے اور بھینکنے کا کام کرنے لگے کیسی خاص عقیدت اور کامل ارادت کا منظر تھا جن ناز پروردہ جہوں پر عباہائے ترین ہوتی تھیں۔ وہ گرد و غبار سے اٹے تھے جن سروازن کے سروں پر عمامائے قیمتی دیکھے جاتے تھے اون پر مٹی کو ڈھیلے ایک پردہ و تین تین رکٹے ہوئے تھے اور وہ نہایت مفاخرت سے اس ادنیٰ خدمت کو سعادت عظمیٰ سمجھ کر لطیف خاطر انجام دے رہے تھے یہ کیا تھا! اونکی جمشال عقیدت اور لا جواب خلوع و نیت اس خدمت میں حضرت عمار بن یاسرؓ سب سے زیادہ ممتاز تسلیم کئے گئے ہیں۔ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

ذکر سفیان بن عیینہ عن ذکر یاسر عن الشعبي أول من بنى المسجد اعمار بن یاسر  
سفیان بن عیینہ عن ذکر یاسر عن الشعبي أول من بنى المسجد اعمار بن یاسر

ہم اس بزرگوار کی خیانت جسکی نقل کو شبلی صاحب نے عمدۃ القریہ ذکر کیا ہے۔ امام قسطلانی شارح بخاری اور علامہ زرقانی مفصلہ ذیل عبادت مقدہ سے نقل کرتے ہیں۔

وكان المسلمون يحلون لبنه لبنه وكان عمار بن یاسر یسفل لبنین لبنه عنده ولبنه عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم  
تمام مسلمان ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار بن یاسرؓ دو اینٹ ایک اپنے حصہ کی اور ایک جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے



السلام بعد منحه ظمرو ونقص التراب عنه للناس اجرا  
ولك اجران واخرنا دل من الدنيا ضربا لبين وتقتلك  
الغنة الباغية وروى البخاري في بعض نسخة ومسلم  
الترمذي وغيرهم مرفوعا ورجحوا قتلته الغنة الباغية  
يدعوهم الى الجنة ويدل النار - زرقانی ص ۲۴۱

ہونگے - زرقانی ص ۲۴۱

اس بشارت نبویہ کے مضمون سعادت کی توجہ میں علامہ زرقانی کی حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

(لأنه عليه السلام ابتداء فقل توبعنا الهدى الصوابه)  
في العمل ويقول هذا البيت لعبد الله بن رواحة  
الله ان لا اجرا لآخره فاحذر على ان تصاد للمهاجرة  
وقال علي بن ابي طالب لا يستوي من يمر بالمساجد بلدا  
فيها قائما وقاعا ومن يرى عن التراب حائذا قال  
علي ذلك مطايع كما هو عادة الجماعة اجتمعوا على  
عمل وليس ذلك طعنا وعند البيهقي عن الحسن المثنى  
عليه السلام مسجد اعانه اصحابه وهو معهم يتناول اللبن حتى  
اغبر صدرا وكان عثمان بن مظعون رجلا متعلما فيما في فضل  
عن توبة فاذا وضعها نقض كره ونظر الى توبه فان اض  
شي من التراب نقضه فنظر اليه علي بن ابي طالب ان نشد  
يقول لا فستوى الخ فسمعها عباس  
ابن ياسر بن عبد الله بن جابر بن عبد الله بن جابر بن عبد الله بن جابر  
بابن سبيد لا عرف بن تميم ومعه حديد فقال  
اولا عترتي بها وجهك فسمعه صلى الله عليه واله  
سلم فغضب ثم قالوا له يا سائرنا قد غضبك  
وتخاف ان ينزل فينا قرآن فقال ارضينا كما غضب  
فقال يا رسول الله صلى الله عليه واله وسلم مالي ولا  
صالحك قال صلح مالك ولهم قال يودون قتلي يحلون

ان کی پیچیدہ پر دست مبارک رکھ کر اور گرد و غبار حجاز کر ارشاد فرمایا کہ سب کے  
ایک ثواب ہے اور تمہارے لئے دو ثواب ہیں اور دنیا میں میری آخری غلڈو  
ہوگا۔ اور بخاری نے اپنے بعض نسخوں میں امام مسلم ترمذی وغیرہ نے بائنا مرفوع  
لکھا ہے کہ آپ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا تھا کہ تجھ کو فرقہ باغی قتل کیجے اور ان  
حالیہ کو تو انجین جنت کی طرف بلاتا ہوگا اور وہ لوگ تجھے دوزخ کی طرف بلاتے

بنائے مسجد میں پہلی اینٹ اٹھانے کے ابتداء انبیا السلام علیہ السلام  
نے اپنی دست مبارک کی اس لٹکی اور بن کیے تحریک و ترغیب کا باعث ہوئے  
آپ اینٹ اٹھانے کے وقت عبد اللہ بن رواحہ کا یہ شعر پڑھتے تھے  
پروردگار تو مہاجر انصار پر رحم فرما اور اجر آخرت جو اہل حبشہ (عہدیت)  
فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ حضرت علی نے یہ شعر نظم کر کے پڑھا اور کافری ہنس کر  
جو مسجد بنائے اس ارادے سے کہ اس میں کربے بیٹھے عمل خیر بجالائے اور  
خاک کی طرف اپنا میدان خاطر رکھو۔ جناب علی مرتضیٰ نے یہ اشعار بالکل اس  
غرض خاص سے پڑھے تھے جیسا کہ عام دستور ہے کہ کام کرتے وقت دل تنگی  
کے لئے شعر پڑھتے جاتے ہیں اس سوجھ بوجھ کی کسی شخص کی نہیں تھی یہ بھی  
حسن بھری کے اسناد سے کہتے ہیں کہ جناب سالتاب مسلم نے مسجد کی تعمیر شروع  
کی تو تمام صحابہ نے آپ کی اعانت کی اور سب بیٹھ بیٹھے وغیرہ ڈھونڈنے لگے اسوجھ  
سے ان کے سینے خاک سے آلودہ ہو گئے ایک صحابی عثمان بن مظعون نامی  
نفاست پس بزرگ تھے کسی مٹی اٹھانے والے سے مٹی یا گار گار پڑا اور وہ ان کی طرف  
میں بہر گیا انھوں نے اپنے کپڑوں کی طرف نظر کی اس خیال سے کہ مٹی سے کپڑے  
آلودہ تو نہیں ہو گئے جناب علی مرتضیٰ نے ان کی طرف نظر نہائی اور شعر مذکورہ بالا  
پڑھا۔ حضرت عمار یا سرنے اس شعر کو یاد کر لیا اور پڑھنے لگے عثمان بن مظعون کو  
برا لگا اور انھوں نے علامہ سے کہا کہ میں تمہاری تعریف کو خوب سمجھتا ہوں اور کہتا  
ہوں اس وقت ایک لوبہ کا عصا تھا سو دیکھا کہ عمار یا سرنے کہنے لگے کہ اگر تم

لَبَنَةً لَبَنَةً وَتَحْمِلُونَ عَلَى لَبَتَيْنِ فَاخْذُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مِيدَةً وَطَافَ بِهِ الْمَسْجِدَ وَ  
 جَعَلَ يَسْمَعُ وَفَرَقَهُ وَيَقُولُ يَا بَنَ سَمِيَّةُ لَيْسُوا  
 بِالْكَذِبِينَ لَيْسُوا بِالْكَذِبِينَ يَقْتُلُونَكَ تَقْتُلُكَ الْهَمَّةُ الْبَاغِيَةُ  
 نَرْوَقَانِ ج ۱ ص ۲۲۲

اپنی تعریف کو نہ چھوڑو گے تو میں اسے تمہارے موٹھ پر دے مار دوں گا۔ جناب  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن لیا سخت برہم ہوئے۔ یہ دیکھ کر  
 لوگ عمار سے کہنے لگے کہ دیکھ آنحضرت صم سے خفا ہو گئے قریب ہے کہ  
 تمہاری شان میں کوئی قرآن کی آیت نازل ہو عمار نے جواب دیا کوئی  
 مصافحہ نہیں۔ میں آپ کے غصہ پر بھی ماضی ہوں یہ نہ کر عمار نے  
 پکار کر عرض کی یا رسول اللہ آپ کے اصحاب میرے پیچھے چلے گئے ہیں ارشاد ہوا کیسے؟ عرض کی یہ تلے ہوئے ہیں کہ مجھے مار دو الیں آپ تو ایک  
 ایک اینٹ اوٹھاتے ہیں اور بھیدو دو اینٹیں لا دو دیتے ہیں یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمار کا ہاتھ تھام لیا بنیاد مسی کا کھانا  
 کرایا۔ اپنے ہاتھوں سے اُلی گرد چھاری ارشاد فرمایا: یا بن سَمِيَّةُ یہ لوگ تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ تم کو تو ایک فرقہ باغی قتل کریگا۔

اسی کا خلاصہ تاریخ ابن ہشام میں ان الفاظ کے ساتھ درج ہے۔

فَاخْذُ هَا ارْشَادَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَمَّا بَنَ بِأَمْرِهِ  
 بِرَجُلَيْنِ هَا خَلَمَا أَكْثَرُونَ رَجُلٌ مِنْ اصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُمَا يَعْزِضُ بِهِ وَقَالَ  
 رَجُلٌ مِنْهُمْ يَا بَنَ سَمِيَّةُ وَاللَّهِ اِنِّي لَا رَأْيِي سَاعِزُ  
 هَذَا الْعَصَا لَا تَفُكُ قَالَ وَفِي يَدِهِ عَصَا قَالَ فَغَضِبَ  
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا لَهُمْ  
 وَلِيعْمَارٍ يَدْعُوهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوهُمْ إِلَى النَّارِ اِنَّ عِمَارَةَ  
 الْجَلْدَةِ مَا بَيْنَ عَيْنِي وَاقْفِي فَاِذَا بَلَغَ ذَلِكَ مِنَ الرَّجُلِ  
 فَلَمْ يَسْتَيْقِ فَاجْتَنَبُوهُ ص ۱۶۱ ج ۱ مطبوعہ مصر۔

عمار بن یاسر نے ان اشعار علی بن ابی طالب کو یاد کر لیا اور اس کو پڑھتے  
 لگے۔ اصحاب رسول اللہ صلعم میں سے اکثر لوگوں کو یہ اشعار سکھ چلے ہو کہ  
 عمار ہم پر تعریض کرتے ہیں ان میں سے ایک شخص بول اوٹھا کہ اے بن سَمِيَّةُ  
 قسم خدا کی میں تمہارے اس تعریض کو سمجھتا ہوں اور اس کا جواب یہ کہ یہ  
 عصا تمہاری ناک پر دے مار دوں اور سوقت او سکے ہاتھ میں عصا موجود تھا  
 جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر بہت خفا ہوئے اور لوگوں سے کہنے  
 لگے کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے پھر عمار سے ارشاد فرمایا کہ تم کو جنت کی طرف  
 بلاؤ گے اور یہ تمہیں دوزخ کی طرف بلالیں گے تحقیق کہ عمار بن یاسر میری  
 آنکھوں اور میری ناک کے درمیان کی جلد ہے۔ جب آپ کا یہ ارشاد لوگوں کو

سننا تو پھر کسی نے سبقت نہیں کی اور سب نے اجتناب اختیار کیا۔

**محدث شیرازی کے متعلق موضوعہ الاحباب میں یہ عبارت قلمبند کرتے ہیں۔**

عمار بن یاسر نے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کا یہ رجز یاد کر لیا اینٹ اوٹھاتے تھے  
 اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ عمار بن یاسر نے ایک شخص بیٹھا تھا اور کہا  
 نہیں کرتا تھا اس نے خیال کیا کہ عمار ہم پر تعریض کرتے ہیں اُنکو  
 غصہ آیا۔ او سکے ہاتھ میں او سوقت عصا موجود تھا عصا دھڑا  
 عمار سے کہنے لگے۔ جب رہو نہیں تو اسی عصا سے تمہاری ناک

عمار بن یاسر میں رجز یاد گرفت از زبان علی مرتضیٰ کرم اللہ  
 وجہہ و خشت می کشید و میخواند یکے از صحابہ نہشت بود کار  
 نمیکرد و پنداشت کہ عمار تعریض بوسے میکند بغضب رفت  
 و عصائے در دست داشت گفت اے عمار خاموش مشو  
 والا ترا با این عصا بزم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نشیند

کہ ان مرد با عماران سخن گفت فرمود عمار ہر دو دیدہ من است بچیں  
تو خدا و از دن و در صحیح بخاری مروی است کہ یاران در نزد  
خشت میکشیدند یک یک و عمار دو دو خشت بر میداشت  
و روایت آنکہ یک خشت از قبل خود یک از قبل پیغمبر صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم و آنسرور خاک از سر او پاک میکرد و میفرمود و  
یا عمار ثقلمۃ الفلۃ الباغیۃ بدعوہ الی الجنة و الی  
الی اذا و فقال عمار اعدوا ذبا للہ من الفتن ردتہ الاحباب  
مطبوعہ مکتبہ جلد اول صفحہ ۲۰۱

جناب عمار یا سر کی تفصیل احوال سے چونکہ شبلی صاحب کے عقاید کی غلط فہمیں کا انکشاف ہوا تھا اسلئے اسے دفتر جمعی  
سمجھا قلم اٹھاؤ و یاد کیا۔ نہیں معلوم اس موقع پر بخاری صاحب کی تقلید سے کیوں دست برداری اختیار کی گئی حضرت  
ابوبکرؓ کے حالات میں تو بخاری صاحب کی ہر خبر بیات کی نقل قلمبند کی تھی لیکن یہ واقعہ باوجودیکہ اوس صحیح بخاری میں  
ایک سے زیادہ مقام پر موجود ہے کیوں نہیں لکھا گیا۔ آخر اس کا کوئی سبب ہے؟ وہی ہے جو اوپر ہم لکھ چکے ہیں  
ازواج مطہرات کے لئے حضرت عمار بن یاسر کی تفصیل خدمات کو ختم کر کے ہم اپنے آئندہ سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں۔  
مکانات کی تعمیر مسجد نبویؐ کا کام اسی سرگرمی اور استعداد سے برابر جاری رہا۔ سات مہینوں میں مسجد اور ازواج  
مطہرات کے مکانات تیار ہو گئے۔ مسجد نبویؐ اور حرم مصطفویؐ کی عمارتیں۔ ان کی ساخت اور ان کی شکل و صورت عمارت  
کے اعتبار سے کیسی تھی ہم اوسکو شبلی صاحب کے الفاظ میں حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔  
یہ مسجد فرم کے تکلفات سے بری اور اسنام کی ساوگی کی تصویر تھی۔ یعنی کچی اینٹوں کی دیواریں برگ خرم کے چھپر  
کچھ پر کے ستون تھے۔ قیام بیت المقدس کی طرف رکھا گیا لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف بدل گیا تو شمالی جانب ایک  
در ازہ نیا قائم کر دیا گیا فرش چونکہ بالکل خام تھا بارش میں کنپڑ ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ صحابہ نماز کے لئے آئے تو کنکریاں لپٹی  
آئے اور اپنی اپنی نشست گاہ پر بچا لیں۔ آنحضرت صلوٰۃ علیہ وسلم نے پس فرمایا اور سنگریزوں کا فرش بنوا دیا۔  
مسجد کے سر پر ایک سقف چبوترہ تھا جو صدفہ کہلاتا تھا۔ یہ اون لوگوں کے لیے تھا جو اسلام لائے تھے اور  
گھر بار نہیں رکھتے تھے۔

مسجد نبویؐ جب تیار ہو گئی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات کے لئے مکانات بنوائے اور سوقت  
تک حضرت سودہ اور حضرت عائشہؓ کا ح میں آچکی تھیں اسلئے وہی حجرے بنے جب اور ازواج آنی گئیں تو اور مکانات بنے  
گئے یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے ان میں سے پانچ کچھ کی ٹیٹوں سے بنے تھے جو حجرے اینٹوں کے تھے ان کے اندرونی حجرے

بھی بیٹوں کے تھے ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہ - ام حبیبہ - زینب - جو پر یہ یموتہ اور زینب بنت جحش کے مکانات شاہی جانب تھے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ اور سہوہ مقابل جانب تھیں۔

یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سرکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال و ہودیتی تھیں۔ یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لائے تھے چھت اتنی اپنی تھی کہ آدمی کھڑے ہو کر چھت چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمرل کا پردہ لٹا رہتا تھا۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم سایہ میں جو انصار رہتے تھے اون میں سعد بن عبادہ سعد بن معاذ عمارہ بن خرم اور ابوالیوب رئیس اور دو لقمند تھے۔ یہ لوگ آنحضرت معلّم کی خدمت میں دودھ بھیج دیا کرتے تھے اور اسی پر آپ کبیر کرتے تھے سعد بن عبادہ نے الترام کیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہان سے ایک بڑا باد یہ بھیج کرتے تھے جس میں کبھی سالن بھی دودھ اور کبھی گھی ہوا کرتا تھا۔ سیرۃ النبی ص ۲۰۰

ایجاد اذان | مسجد نبوی نبی تیار ہو گئی۔ اور پانچون وقتوں کی نمازین جماعت سے پڑھی جانے لگیں۔ لیکن چونکہ اعلان نماز کا وقت تک کوئی باقاعدہ انتظام نہیں تھا اس لئے لوگ آگے پیچھے آیا کرتے تھے جو جس وقت آگیا اوس نے نماز پڑھ لی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جماعت کی نماز پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم ہوتی تھی اور فوادہ نماز پڑھنے والے کثیر التعداد ہوتے تھے۔ اسلام نے چونکہ عبادت الہی کے تمام سنجیدہ طریقوں میں اجتماع و اتحاد کے اصول کو مد نظر رکھا ہے اسلئے یہ تفریق ویرانگی طبع رستہ کی ناپسندیدگی کا باعث ہوئی تمام مسلمانوں کو اس بنا پر مسجد میں بیک وقت آنے اور بیک بار باجماعت نماز پڑھنے کے سہل اور عام پسند طریقہ اعلان وقت جاری فرمانے کی تجویز فرمائی گئی۔ جو پہلے ہی سے ایمائے مشیت اور متشار قدرت ثابت ہو چکا تھا اور جس نشانے قدرت کا نفاذ و اجراء امت مسجد کی تکمیل تک رکھا ہوا تھا اس نیا پڑکایہ دن حضرت بلال کو بلایا گیا۔ اذان کے ارکان تعلیم کئے گئے اور ارشاد فرمایا گیا کہ آج سے ہر نماز کے وقت اسی طرح نماز کا اعلان کیا جاوے کہ پہلے اواز سن کر نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد میں چلا آئے اتفاق سے عبداللہ بن زید صحابی اوس وقت بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے عرض کی کہ چند روز قبل میں نے خواب میں بھی یہی طریقہ اذان دیکھا ہے۔ اُسی دن سے اذان کا طریقہ جو حقیقتاً وقت نماز کا اصلی اعلان ہے جاری اور قائم ہو گیا۔

واقعات شاہی ہر اور حقیقت اس قدر۔ اب آگے چل کر اس ساوے واقعہ میں حبیبی حبیبی رنگ آمیز بیان کی گئیں وہ شبلی صاحب کے الفاظ میں حسب ذیل بیان کی جاتی ہیں۔

اس وقت تک کسی خاص علامت نمونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ آگے پیچھے آتے اور جو جس وقت آتا نماز پڑھ لیتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کئے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لادیں لیکن اس میں رحمت تھی۔ صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ لوگوں نے مختلف رائیں دین کسی نے کہا نماز کو وقت مسجد پر ایک علم



کھڑا کر دیا جائے لوگ دیکھ کر آتے جاہلین گے آپ نے یہ طریقہ بھی ناپسند فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں اعلان نماز کے جو طریقہ ہیں وہ بھی عرض کئے گئے۔ لیکن آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند کی اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دین۔ اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی۔ دوسرے دن میں پانچ مرتبہ دعوت اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔ صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زید نے پیش کی تھی۔ جو اونٹوں نے خواب میں دیکھی تھی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی خواب میں توارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے بخاری میں صاف یقین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزیں پیش کی گئیں لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی اور آپ نے اسی کے موافق حضرت بلالؓ کو بلال کر اذان کا حکم دیا۔ خواب کا ذکر نہیں۔ سیرۃ النبی ص ۲۰۴

واقعت تو اتنی ہی تھی جسکو ہم ابتدائے لکھنؤ کھلا چکے۔ اب شبلی صاحب اور بخاری صاحب اپنی اپنی ضرورت ہاؤ خاص سے اس واقعہ کو جس شکل و انداز میں چاہیں بدل دیں۔ لیکن حقیقت شناس حضرات ان قلم کار یوں کو خوب جانتے ہیں۔ بہر طور یکہ خواہی جامہ می پوشش نہ من انداز قدر موزون شناسم۔ ابھی ابھی واقعہ ہجرت میں عیسیٰ قلم کار بیان کی گئیں ہیں اور انکی حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا گیا ہے۔ ان میں اگر حضرت ابو بکرؓ کے حضرات کا یہ کہنا کہ ضرورت لاحق تھی تو اس واقعہ میں حضرت عمرؓ کی اصابت رائے کی بنیاد رکھنی تھی اور تقلید اسلاف اور استغناء عقاید کے اعتبار سے ان امور کی ابتدا آغاز اسلام کے انھیں واقعات سے نہایت ضروری تھی۔ نہیں تو ان خصوصیات کی قدامت میں نقص واقع ہوتا۔ یہی وہ ضرورتیں تھیں جنہوں نے ان واقعات میں ان موضوعات و مصنوعات کے دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے ہیں۔ واقعات ہجرت میں حضرت ابو بکرؓ کے حضرات داخل کئے ہیں اور واقعات اذان میں حضرت عمرؓ کی خصوصیات شامل کر دیے گئے ہیں حالانکہ حقیقت کی تلاش کی جائے تو معلوم ہو جائے کہ ان خارجی مداخلت کو حقیقت و واقعیت سے کوئی واسطہ نہیں۔

شبلی صاحب کی رفتار تحقیق تو بخاری صاحب تک ختم ہے اور حقیقتاً سوائے امام بخاری کے نہ انکے لئے کوئی وسیلہ ہے اور نہ کوئی حیلہ۔ اسوجہ سے عنوان کتاب ہی سے انکا دامن تنہا لگایا ہے۔ اور بیان ہی صاف صاف لفظوں میں لکھ دیا گیا ہے جب اس اعتراف کے ساتھ کہ صحاح کی اور کتابوں نے بخاری کے خلاف اس واقعہ کو بیان کیا ہے یہ حکم نہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ بخاری کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی تو آپ سے حقیقت نگاری اور صداقت بیانی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے اب نہیں معلوم کہ اس موقع پر دونوں مختلف روایات کے رجال و رواۃ کی تنقید سے کیوں کام نہیں لیا گیا کہ دونوں کے ضعف و استحکام کی حقیقت کھل جاتی لیکن شبلی صاحب ایسے کیا ہیں جو اس مقام تحقیق رجال سے کام لیں گے وہ تو اپنی اور بخاری صاحب کی ظاہری شہرت اور نمائشی جامعیت سے عوام کو مرعوب بنانا چاہتے ہیں لیکن حقیقت میں اور اصل واقعہ و تفکار حضرت عمرؓ نہ ان ترکیبوں سے اثر پذیر ہوئے ہیں۔ اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اس واقعہ کی حقیقت کا کامل انکشاف علامہ احمد بن حنبلؓ قسطلانی۔ شارح بخاری مشرف نے اپنے کتاب مواہب لدنیہ میں بڑی فراخ حوصلگی سے کر دیا ہے ہم انہیں صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زید نے پیش کی تھی جو اونٹوں نے خواب میں دیکھی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ

کو بھی خواب میں توارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی تا

مفصلہ ذیل عبارت کو نقل کرتے ہیں۔

وكان الناس كما في السيرة وغيرها لما اجتمعوا الى  
الصلوة لحنين مواقيتها من غير دعوة واخرج  
ابن سعد في الطبقات من مراسيل سعد بن المسيب  
ان بلال كان ينادي للصلوة الصلوة جامعة  
وشاور صلى الله عليه وآله وسلم اصحابه فيما يجتمعون  
للاصلاة وذلك فيما قبل في السنة الثانية فقال بعضهم  
نافوس كناؤس النضاري وقال اخرون بوق كبوق  
اليهود وقال بعضهم بل نوقد ناراً وترفعوا فاذا راها  
الناس اقبلوا الى الصلوة وراى عبد الله بن زيد  
ثقله بن عبد ربه في منامه رجلاً فعلمه الاذان و  
الاقامة فلما اصبح الى النبي صلى الله عليه وآله  
سأله عما عند ابن داود وفي رواية معاذ بن جبل  
عند الامام احمد قال يا رسول الله صافى رايت  
فيما يري المذاشر ولوقلت اني لو اكن ناسماً  
لصدقت فاستقبل القبلة فقال الله  
اكبر مشئى مشئى حتى فرغ من الاذان الحديث  
فقال ففقت مع بلال فحبلت اليه عليه يودن فلا سمع  
بذلك عمر بن الخطاب رضي الله عنه وهو في بيته فخرج  
يخبر دراهمه بقول والذي بئسك بالحق يا رسول الله صلى  
الله عليه وآله وسلم لقد رايت مثل ما راى ووقع  
في الاوسط للطبراني ان ابا بكر ايضاً راى الاذان وفي

بسیا کہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے لوگ بغیر اذان کے بقصد نماز نماز کے وقت  
جمع ہو جایا کرتے تھے اور ابن سعد نے طبقات میں مراسیل سعید بن مسیب سے  
لکھا ہے کہ بلال صرف نماز کے وقت الصلوٰۃ جامعہ کی نداء بلند کرتے تھے  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اذان کی نسبت صحابہ سے مشورہ کی کہ کس طریقہ سے  
لوگ نماز کے واسطے جمع ہو جائیں یہ واقعہ شہ جری کا بتلایا جاتا ہے تو بعضوں  
نے نافوس بی فو کی جیسا کہ نصاریٰ نافوس بجاتے ہیں تجویز پیش کی اور  
سے آخر لوگوں بوق بوق بجاتے کی جیسا کہ یہودی بجاتے ہیں بعضوں نے کہا نہیں  
بلکہ نماز کے وقت آگ روشن کر دی جائے کہ لوگ اسے دیکھ کر مسجد میں جمع ہوں  
عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ انصاری نے خواب میں دیکھا کہ ایک نرگ  
نے انکو اذان و اقامت کی تعلیم کی اور صبح ہوئی (روز مشورت اذان) تو  
انحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو دیکھا بتلایا کیا اور امام احمد بن  
حنبل کے نزدیک معاذ بن جبل نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے بھی خواب  
کی حالت میں جیسا کہ سیرت میں لکھا ہے دیکھتے ہیں یہی دیکھا ہے اور اگر کوئی شخص  
کہ تم اس وقت سوتے نہیں تھے تو ایسا کہنے والا بھی سچ کہتا ہو گا کہ میں نے  
ایک شخص کو بستر پر پڑے ہوئے دیکھا پس وہ قبلہ رو کھڑا ہوا اور اس نے  
اللہ اکبر کہا پھر اس طرح تمام ارکان اذان و اقامت کہے اور اذان تمام ہوئی  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمنا یہ خواب سچ ہے ان شاء اللہ جہا بلال  
کے ساتھ کھڑے ہو۔ لوگوں نے کہا جس نے خواب اذان دیکھا ہے اسی سے  
اذان کھلائی جائے آپ نے فرمایا بلال کی آواز بلند تر ہے معاذ کا بیان ہے کہ  
میں بلال کے ساتھ کھڑا تھا اور اذان کہنے لگا میری صدا سے اذان کو حضرت  
عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منکلیہ پگھڑے بیعت تمام و کمال مسرت

لہ قال السیوطی یتھرمین هذا ان یعمل علی الحالۃ التي احدثی اجاب الاحوال ویشاہدون ما یشاہدون ویسمعون ما یسمعون  
والصحابہ رؤس اباب الاحوال امام سیرت کتب میں کہ اس سے ظاہر ہے کہ ناقلین خواب پر وہ حالت طاری تھی جو ابواب مال پر طاری ہوتی ہے اور وہ اس  
حالت میں جو دیکھتا ہے دیکھتا ہے سنتے ہیں اور سوا ابواب احوال کے اس رئیس میں المؤلف عفی عنہ۔

الوسیط للعزالی راہ بصعۃ عشر جلا وعبادۃ الجلی  
فی شرح المتنبیۃ اربعۃ عشر فی سیرۃ المغلطائی انی  
راہ سبعۃ من الانصار فقال الحافظ الفضل بن حجر  
فی فتح الباری لا یثبت شی من ذلك الا لعبد اللہ  
بن زید وقصۃ عمر جاء فی بعض الطرق۔

زر قنفی شرح سواہب لدنیہ ص ۴۵۴

اس حالت خاص میں داخل مسجد ہوئے کہ اونکی رودار میں کچھ بچے چلے  
تھی جناب رسول خدا صلعم سے عرض کی کہ قسم اوس خدا کی جس نے آپ کو حق  
کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے بھی خواب میں ایسا ہی دیکھا ہے اور  
طبرانی کی معجم اوسط میں مروی ہے کہ حضرت ابو بکر نے بھی خواب میں ایسا ہی دیکھا  
تھا اور علامہ غزالی کی اسناد سے بسطین ہے کہ دس آدمیوں سے زیادہ  
لوگوں نے ایسے ہی خواب دیکھے تھے اور علامہ حلی شرح تنبیہ میں

لکھتے ہیں کہ ۱۰ چودہ آدمی ایسے ہی خواب کے مدعی ہوئے ہیں اور سیرۃ مغلطائی میں ہے کہ انصار سے سات آدمیوں نے اس کا دعویٰ  
کیا اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق میں صرف عبداللہ بن زید کی روایت ثابت ہے اور حضرت عمرؓ کا قصہ بعض طرق میں آیا ہے۔  
سواہب لدنیہ غزالی کی مقدمہ بالا عبارت نے حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا اور سواہب عبداللہ بن زید کے خواب کو  
محض اتالیقی طور پر واقع ہوا تھا سب کو بے اصل ثابت کر دیا۔ حضرت عمرؓ کی ماضیت کو جسے بخاری صاحب نے خواہ مخواہ عبداللہ  
بن زید کے واقعہ پر ترجیح دینی چاہی ہے۔ اوسکی حقیقت: حیثیت بھی خود انھیں کے شارح حافظ ابن حجر کی عبارت ہو ظاہر ہو گئی  
جسکی نسبت وہ صرف یہ لکھ کر کہ بعض طرق میں انکے خواب کا بھی ذکر آگیا ہے اور کوئی وزن و اہمیت نہیں دیتے۔

بخاری صاحب کی طرح طبرانی صاحب نے بھی معجم اوسط میں حضرت ابو بکر کے شامل کر دینے کی بھی کوشش کی تھی۔  
کیونکہ اونکی خوش عقیدگی کی نظر فاضل و مفضول کی دلیل اور وقوع خلافت کی ترتیب کی طرف منطف ہوئی تھی۔ ان  
حقیر تمندانہ اضافات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سلسلہ ادخال فی بدالاذان میں پھر تو یہاں تک ترقی ہوئی کہ صرف انصار میں معاذ  
سے لیکر ہجرت امام غزالی دس آدمیوں سے زیادہ اور بروایت علامہ حلی چودہ آدمی اسکے شرف اولیت کے مدعی ہوئے امور  
تخصیص کو خواہ مخواہ معمول کے اصول پر تمیم کے طریقہ میں داخل کرنے سے یہی مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

جانبداروں کے ان طومار ناپید اکٹار کو اکٹھا کر کے آخر کار امام ابن حجر کو فتح الباری میں لکھ دینا پڑا۔

ولا یثبت شی من ذلك الا لعبد اللہ بن زید | اسوای عبداللہ بن زید اور کسی کیلئے بھی ان میں سے کوئی شے ثابت نہیں ہوئی  
اب فرمائیے شبلی صاحب کا یہ حکمانہ فیصلہ کہ بتقابلہ روایت بخاری اور کسی کی روایت قابل اعتبار نہیں کہان گیا۔

جب بنات خاص شارح بخاری اصل روایت بخاری کی مجہولیت اس زور و شور سے ثابت کر رہے ہیں اور حضرت عمرؓ  
کے قصہ کے بارے میں لکھتے ہیں تو اتنا کہ بعض طرق میں اس کا ذکر آیا ہے۔

جو صورت حال حضرت عمرؓ کی داستان خواب کی معاذ کی زبانی مسند امام ابن جنبل کے اسناد سے لکھی گئی ہے  
وہ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ اگر بغرض محال انکا قصہ خواب بھی صحیح مان لیا جاوے تو مٹھے بعد از جنگ کی صورت لکھا  
کیونکہ عبداللہ بن زید اور معاذ دونوں کے بعد اگر یہ اپنا خواب دہراتے ہیں۔ اس صورت میں شبلی صاحب کا یہ دعویٰ کہ واقعہ

حضرت عمر بالکل صحیح ہے کہ وہ صحیح بخاری میں داخل ہے اور شایع بخاری امام قسطلانی کا یہ آخر فیصلہ کہ سوائے عبداللہ بن عمر کے خواب کے اور کسی کے خواب دیکھنے کا واقعہ ثابت ہی نہیں محققین و مصنفین زبانہ کی نگاہوں سے اب پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ وہ حضرات خود ہی تسلیم کر لیں کہ اس کے قول میں حقیقت ہے اور کس کی رائے میں جانبدارانہ اضافات کا ذخیرہ ہے۔

ان تمام اضافات کا جو اصل مدعا ہے یہ ہم اپنی تہمدی عبارت میں اوپر لکھ چکے ہیں۔ یہ سب اصول عقائد کے استحکام کی غلط کوششوں کے نتیجے ہیں جنکی ابتداء ایجاد اذان کے متعلق حضرت عمرؓ کے اوصاف اضافی سے کی گئی ہے اور آگے چل کر اس مداخلت میں اتنی ترقی کی گئی ہے کہ لغو باللہ نزول ہو چکی کو بھی آپؐ کی مشورت اور تجویز و رائے پر حصول و موقوف ٹھہرایا گیا ہے جبکہ ہم اس کے خاص مقام پر تفصیل سے بیان کرینگے۔

اب اس بحث کے متعلق ہم کو حکم اذان کی اصل حقیقت دکھلا دینی باقی ہے وہ علامہ زرقانی کی زبانی حسب ذیل ہے

فی قوله عليه السلام انهما التوابع شرعي حكوا الاذان  
عليها وهل كان ذلك عن جحي من الله ام لا  
بانه صلى الله عليه وآله وسلم قد اراد ليلة الاذان  
فروى الزبيري مسنده عن علي بن ابي طالب قال  
لما اراد الله ان يعلم رسوله الاذان جاءه جبريل  
بداية يقال له البراق فركبها حتى اتى الحجاب الذي يلي  
الرحمن فيبما هو كذلك اذ خرج ملك من الحجاب فقال  
باجبريل من هذا قال والذي بعثت في الحق بالحق  
اني لا قرب الخلق مكانا وان هذا الملك ما لائمه منذ  
خلقت قبل ساعتى هذه فقال الملك الله اكبر فقبل  
من وراء الحجاب صدق عبدى اننا اكبر انا اكبر ذكر  
الاذان وقال السهيلي وهذا اقوى من الوحي قلنا  
تأخرنا عن الاذان الى المدينة واراد اعلام الناس  
بوقت الصلوة تلبث الوحي حتى رآه عبد الله بن زيد  
التي فاقعت ما رآه صلعم فلذلك قال انهما التوابع  
الحق ان شاء الله

زرقانی ج ۱ ص ۳۵۵

جناب رسول خدا صلعم کے اس حکم کی شرح میں کہ آپؐ نے عبداللہ بن عمرؓ کا  
سند آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ خواب صحیح ہے۔ یہ بتلایا گیا ہے کہ آپؐ اس حکم کو بنا  
اذان قائم ہوئی ہو اگر یہ بیان بدرجہ وحی ہے تو واجب الادان ہوگا اگر نہیں  
تو اذان واجب نہیں ہو سکتی۔ اس کے وجوب کے متعلق امام بزار نے اپنی سند  
حضرت علی بن ابیطالبؓ سے یہ روایت کی ہے کہ جب خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ ہوا کہ  
اپنی رسول صلعم کو اذان کا طریقہ بتلائے تو حضرت جبریلؑ براق لیکر آئے اور صبح  
کی رات کو آپؐ کو حجاب قدس تک لے گئے وہاں آپؐ ایک فرشتہ کو دیکر حضرت  
جبریلؑ کو پہچانے کہ یہ کون ہے جبریلؑ نے جواب دیا یہ مجھے زیادہ مقرب الہی ہے  
اور قسم اس خدائی جس کو آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے اپنی وقت  
خلقت سے آج تک سوائے اس وقت کو اسکو نہیں دیکھا ہے یہ سنکر اس ملک نے  
کہا اللہ اکبر اللہ اکبر حجاب قدس سے فوراً آواز پیدا ہوئی کہ یہ میرا بندہ ہے کشتا  
میں اکبر ہوں میں اکبر ہوں اسی طرح اس فرشتہ نے تمام اذان کو ارکان ختم کے  
اور ہر بار حجاب قدس سے ندا کے تصدیق و اجابت پیدا ہوئی۔ امام سیوطی نے  
روضۃ الانف کے بیان کے پہلے ترکیب اذان کا بذریعہ وحی نازل ہونا یا  
توی الانوار کو لیکن حکم اسکا قیام مدینہ تک اوٹھا رکھا گیا یعنی اس وقت تک  
اسکا اجر الموتی رہا۔ یہ بیان اکبر تمام اہل اسلام کو وقت نماز سے اطلاع ہوتی



بارہی فرمایا گیا۔ یہاں تک کہ عبداللہ نے خواب میں دیکھا اور کاپ سے بیان کیا اور اسی بنا پر آپ نے اونکی خواب کی تصدیق فرمائی اور ارشاد کیا تھا کہ خواب برحق اور سچا ہے۔

ایک قوم بازار عبادت سے مسلسل طور پر متبدلے اذان کی حقیقت کا انکشاف ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ مثل نماز و وضو کے اذان کی تعلیم بھی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدریہ وحی پہونچانی گئی تھی۔ لیکن کسی کی رائے و مشورت کو دخل نہیں تھا لیکن آپ نے جیسا کہ امام سیوطی لکھتے ہیں۔ ماحصول اطمینان اعلان حکم اذان کو مناسب وقت اور مصلحت نہ سمجھاتا یا نہ کہ قیام مدینہ میں جمعہ مسجد نبوی کی تکمیل کے بعد آپ نے اس کے نفاذ و اجرا کو ضروری سمجھا کہ جس پر اسے اسکا ذکر فرمایا ہر شخص نے اپنی مقدار عقل و مطابقت جواب دیا۔ انھیں جواب دینے والوں میں عبداللہ بن زید نے اپنے خواب کا بھی ذکر کیا جو حسن اتفاق سے تعلیم وحی کو موافق تھا اس لئے اور انکے خواب کی تصدیق فرمائی گئی۔ اسی دن سے حکم وحی کے مطابق حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا گیا جو اس وقت تک جاری ہے۔

علماء محدثین کی جانب لاریون اور طرح طرح کی قلم کار یوں نے اسکو کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک اسکل اذان سے واقف نہ تھے یہ تو بالکل صحابہ کی مشورت و تعلیم تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان کی ترکیب اور اسکے اجرا کی ضرورت بتلائی۔ ہم اپنے دیباچہ کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ رسالت صحابیت اور خلافت کا ایک مقدمہ تھا کیا گیا ہے اور اس سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ یہ تمام موضوعات انھیں عطاء کے بنیادی پتھر ہیں جو ابتداء سے رسالت کے ساتھ ساتھ

کہے جاتے ہیں۔

شیخ علی صاحب نے باوجود اتنی وسیع النظری کے روحن الاف امام سیوطی کی اس عبارت کو جسے وہ اپنے دیباچہ میں تبریز سیرت تھیر چکے ہیں کہ یوں نہ لکھا حقیقت یہ ہے کہ شبلی صاحب کو اسکے استنباط و نقل میں یکبارہ دو مجبوریاں پیش آئیں۔ اول تو یہ کہ اس کا اندراج ان تمام موضوعات کی حقیقت کا انکشاف کر دیتا دوسری یہ کہ چونکہ اس تفصیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معارف روحانیت کا ذکر تھا۔ اسکی نقل آپ کے فلسفہ تاریخ کے موضوع کے خلاف واقع ہوتی تھی اس بنا پر دو طور پر اس کا مرقع اقل کر دینا آپ کیلئے ضروری تھا۔ لیکن با اینہم شبلی صاحب کو اسکا خیال نہ آیا کہ وہ سیرۃ النبی لکھ رہے ہیں کسی علمی آدمی کی سوانح عمری نہیں اسلئے اسکے حالات و واقعات میں علی الاکثر روحانیت کا اظہار اور روحانیت کا اقرار کے بغیر نہیں کام چل سکتا چونکہ واقعات مذکورہ بالانے ابتداء اذان کو تعلیم روحانیت ہی کے ذریعہ سے ثابت کر دیا ہے اسلئے یہی روحانیت عین فلسفہ اذان ہے اور وہی اسکی تاریخ کا فلسفہ یقین کیا جائیگا۔

مہاجرین و انصار کے میلان مہاجرین جس صیبت اور پریشانی میں کہ سے نکل کر مدینہ پہونچے تھے وہ ظاہر ہے۔ وہ غریب اپنی صیفہ اخوت جانوں کے سوا کچھ بھی اپنے ہمراہ نہیں لائے تھے۔ جو کچھ بھی رہا یہ تھا وہ گھر جو لائے تھے کھانا تربیش سے جان بچا کر چلے آئے یہی تمام دنیا کی دولت تھی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مہاجرین حقیقتاً کوئی بہت بڑی خوشحال اور متمتع قوم تو تھی ہی نہیں علی الاکثر انہیں مفلوک الحال ستھاندار۔ مگر با اینہم انہیں بعض مہتمل بھی تھے اور خوشحال بھی لیکن مگر

ہجرت کرتے وقت اونپر ایسی بے بسی کا عالم طاری تھا کہ وہ ہیکل بنی دو گوش ٹھہرے کھل کر در قریش سے جان بچا کر مدینہ پہلے آئے کے سوا اور سوقت کچھ بھی نہ کر سکے۔ اس لئے جب وہ مدینہ میں پہنچے تو اون کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انصار کی فیاضی اور مہمان نوازی اونکی تمام ضرورتوں کی کفیل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری تکنتیں یا چالیس مہاجرین آپ کے تھے اور سب کے سب ریمان انصار کے مہمان تھے اور اس کشادہ دلی اور فراخ جہلگی کے ساتھ انصار اونکی خدمت کرتے تھے کہ ان غریب الوطنوں کو گھر کا لطف آتا تھا۔

جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تشریف آوری کے وقت جب ان حضرات کو دیکھا تو اونکو مکہ سے زیادہ یہاں خوشحال پایا لیکن با اینہم سب سے زیادہ عالم نے اتحاد دینی اور اتفاق ایمانی کے اصول سے اس صیافت و مہمانی کو تقویٰ انسانی کے مضبوط رشتہ وحدت و یکجہتی میں منسلک فرمادیا۔

ابن ہشام اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ عقد موافقہ کا انتظام آنحضرت نے تعمیر مسجد کے بعد فرمایا اور انس بن مالک کے مکان میں مہاجرین و انصار کو جمع فرما کر ماہانہ اخوت کا صیفہ جاری فرمایا۔ ابن ہشام نے ان لوگوں کی طویل اور پریل فہرست لکھی ہے۔ شبلی صاحب نے اس کا خلاصہ کر کے مشاہیر مہاجرین و انصار کے نام لکھتے ہیں ہم انھیں کے مفصلہ ذیل خلاصہ انتخاب کو نقل کر دیتے ہیں

| نام مہاجر       | نام انصار          |
|-----------------|--------------------|
| حضرت عمرؓ       | خارجہ بن زید       |
| ابو عبیدہ حبشہؓ | اوس بن ثابتؓ       |
| مصعب بن عمیرؓ   | سلامہ بن قیسؓ      |
| ابو ذر غفاریؓ   | حذیفہ بن یمانؓ     |
| حضرت بلالؓ      | ابو درداءؓ         |
| سعید بن زیدؓ    | ابو حذیفہ بن عقیلؓ |
| عتبان بن مالکؓ  |                    |
| سعد بن معاذؓ    |                    |
| منذر بن عسکرؓ   |                    |
| ابو ریحہؓ       |                    |
| ابی بن کعبؓ     |                    |

موافقات کا رشتہ ظاہر ایک عارضی ضرورت کے لئے قائم کیا گیا تھا کہ بے خانمان مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلام کی تکمیل کا سامان تھا۔ سیرۃ النبیؐ

شبلی صاحب نے حسب العادت جب اسکی تفصیل بخاری شریف میں نہیں پائی تو بالآخر مجبور ہو کر تاریخ ابن ہشام کے انتخاب پر عمل پیرا ہوئے۔ اور کیونکہ یہ نوے بتاریخ و سیر کے خاص موضوع پر کتاب لکھ رہے تھے۔ اگر اسوقت تقلید بخاری مد نظر رکھتے تھے۔ تو تاریخی حیثیت سے ایک عظیم الشان واقعہ اسلامی کا سراپا سقوط ہوتا تھا۔ اس مجبوری سے تھوڑی دیر کے لئے صحیح بخاری بند کر دی گئی۔ یہیں معلوم مولوی صاحب کا وہ اصول کہ سیر و تاریخ کی کتابوں پر مرویات حدیث

اور احادیث میں مرویات صحاح کو اور صحاح میں مرویات بخاری کو ترجیح حاصل ہے۔ اور حکم کو آپ نے بڑے طمطراق سے دیباچہ کتاب میں لکھا ہے۔ اور تمام کتاب میں اسی عمل پر مدد پر کار فرما ہوئے ہیں۔ اس وقت کمان گیا۔ اور کیا ہوا؟ مانا کہ صحیح بخاری میں نہیں تھا اور صحاح سے لکھا ہوتا۔ اور اگر اپنے اچھا و کڑوا اصول ترجیح پر اصرار تھا تو اس واقعہ کو لکھا ہی نہ ہوتا۔ اس لئے کہ بخاری شریف میں نہیں تھا یہ ائمہ تخریر تو موافقانہ ہی اعتباری اور وضعی کی شان کے بالکل خلاف ہے۔

مگر زمین۔ باوجود اسکے کہ اپنے اصول مقررہ سے خلاف ورزی اختیار فرمائی گئی۔ لیکن تاہم تعلیم و تعلیق بخاری کا دامن باقی ہے نہ چھوڑا اور عام اس سے کما حقہ نقل انتخاب میں بھی اصل عبارت کے نقل ماخذین تخریف ہوتی ہو یا صرف تالیس۔ جس قصہ کا اس موقع خاص پر اسقاط و اخلاف منظور خاطر تیار کر دی دیا گیا۔ وہ کیا تھا؟ اسقاط ذکر علیؑ تا بیخ ابن ہشام سے آپ کی نقل کروہ انتخابی فرست دیکھ لی جائے حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کا نام نامی خصوصاً اور سائر بنی حاکم کے اسمائے گرامی ہونا کہیں بھی پائے نہیں جاتے۔ ملاحظہ ہو جلد اول ص ۲۱۱

کیا عقد موافقہ ہے انتظام میں یہ حضرات سستی فرمادے گئے تھے یا فی الحقیقت آپ کی طرح ابن ہشام نے بھی انکا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کی تحقیق میں جب ابن ہشام کی اصلی عبارت دیکھی جاتی ہے تو انکی فرست میں سرنیزہ بنین زیر گوارہ بن کے اسمائے مقرب لکھے پائے جاتے ہیں۔ ہم عبرت ناظرین کے لئے ابن ہشام کی اصلی عبارت ذیل میں لکھتے دیتے ہیں۔

جناب رسالتنا علیؑ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت صحابہ میں مہاجرین انصاری کے درمیان عقد موافقہ کی تنظیم کا ارادہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے خبر کا حکم آیا ہے اور اگر توفیق یافتہ جو میں سمجھتی ہوں۔ اسی بات کو من جو مجھے کہی گئی ہو کہ میں تم لوگوں کے درمیان صیغہ اخوت جاری کروں اور تم لوگوں کو بھائی بھائی بنا دوں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؑ بن ابیطالبؑ کو ہاتھ تھام لیا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین۔ امام المقتدین اور رسول رب العالمین تھے اور بندہ دن میں کوئی شخص سوا حضرت علیؑ بن ابیطالبؑ کے رسول اللہ کا نظیر اور مثال فی القدر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس بنا پر یہ دونوں بزرگوار بھائی بھائی بنے اور حضرت حمزہ جو اسد اللہ اور اسد رسول کے لقب مخصوص سے ملقب تھے۔ جناب رسول خدا کے عم ناما بھائی تھے زید بن حارثہ کو ساتھ جو آپ کو غلام تھے بھائی بنے چنانچہ جنگ اُحہ میں زخمی ہو کر قریب وفات حضرت

اُختری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن اصحابہ  
من المهاجرین و الانصار فقال فیما یبلغنا و یغوث  
یا اللہ ان نقول علیہ ما لم یقول تاخر فی اللہ اتون  
اتون فی شرا حدیث بید علی بن ابی طالب فقال هذا  
امی فکان رسول اللہ سید المرسلین و امام المقتدین  
و امام العلمین الذی لیس له خصم ولا  
ظہیر من العباد و علی بن ابی طالب اخو بن و کا  
حمزہ بن عبد المطلب اسد اللہ و اسد رسول و عم  
رسول اللہ صلعم و زید بن حارثہ مولی رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سائر اخوین و الیہ اوی  
حمزہ یوم احد حین حضر القتال ان حدث  
به حادث الموت و جعفر بن ابی طالب و جناب

الطیار فی الجنة ومعاذ بن حیل اخو ابی سلمہ اخو بن  
قال ابن ہشام وكان جعفر بن ابی طالب یومئذ  
غامیا یارض الحاشد

تاریخ ابن ہشام جلد اول صفحہ

۱۸۹ مطبوعہ بولاق مصر

حمزہ ہی کو وصیت فرمائی تھی اور جعفر بن ابی طالب جن کا لقب  
ذوالجناحین (دو بازو والے) اور طیار فی الجنة (مشت بن اور نیوالے)  
تھا ساؤن جبل - انصار - کے - جو بنی سلمہ کے بھائی ہوتے تھے  
بھائی بنائے گئے۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب وقت  
تک مکہ صحت میں مقیم تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جعفر طیار کا سالہ بھی اس موقع پر ایسا ہی تھا۔ جیسا حضرت عثمان کے غائبانہ  
میں حجیت فنوان کے عقد کا واقعہ بتلایا جاتا ہے۔

ان تمام واقعات دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ شہابی صاحب بخاری صاحب کے ساتھ ساتھ قرمہ اور قلم اٹھا  
رہے ہیں اور جو عثمان کہ دیا چاہے کتاب سے اٹھایا گیا ہے اسکی شرط تقلید و متابعت جرقا حرقا اور لفظا لفظا اور فرما  
رہے ہیں اور وہ کیا ہے؟ استحقاق ختم النسخ نبی ہاشم عموما اور اسقاط و انذف فضائل علی حذو صا سبقت فی الاسلام  
کے ابتدائی حالات میں جو بخاری صاحب نے غلہ کاریاں کیں اور آپ نے جن جن پہلوؤں سے اوکل جانہ بندی  
کے حقوق اور فرمائے وہ اوپر بیان ہو چکے۔ دعوت قریش کی حقیقت حال کو بخاری صاحب نے جن جن اقلام کے مختلف  
فیہ الفاظ و عبارات کے ساتھ ضابطہ بحث کر دیا اور کسی طرح خلیفتی و وزیری فیکر کے الفاظ کو متن صریح میں لکھنا گوارا  
فرمایا اور آپ نے بھی اسکو آئنا و صدقنا لکھ کر حرف بحرف نقل کر ڈالا اسکی بھی مفصل اور مکمل تنقید اور پر قلم بند ہو چکی ہے  
ابھی ابھی واقعہ ہجرت میں فرشتہ رسول پر حضرت علی کے سونے کی عظیم الشان اور متفق علیہ واقعہ کو بخاری صاحب نے قطعاً  
مرفوع القلم فرما دیا اور کہیں اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ لیکن چونکہ بخاری کی یہ سی صریح حق پوشی تھی کہ آپ بھی اسکے  
اقلام پر حیرات نہ کر سکے۔ مجبوراً آپ کو لکھنا ہی پڑا اگر آپ اسی ایک واقعہ پر غائر نظر ڈالتے تو آپ کو بخاری کی متعارف  
کا پورا اندازہ ہو جاتا۔ لیکن آپ کو خود منظور نہ تھا۔

ان تمام واقعات کے بعد عقد موافقات کا مرقومہ بالا واقعہ ہے بخاری صاحب ایسے کیا تھے جو ٹھنڈے دل  
حضرت علی کی ان خصوصیات کو لکھتے لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ واقعہ چونکہ اسلام کی تاریخ اتحاد کا نہایت  
عظیم الشان اور قابل الذکر واقعہ تھا اور اسکے حذف و اسقاط سے ابتداء اسلام کے اکثر واقعات غیر سلسل اور نامکمل  
رہ جائے اس مجبوری سے آپ نے عارضی طور پر تقلید بخاری سے دست برداری اختیار کی اور تاریخ ابن ہشام کو اس  
واقعہ کو لکھا۔ لیکن تاہم اصل مدعا کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور فضائل و خصائص علی کی عبارت خاص کو باوجودیکہ ماخذ اصلی میں موجود  
تھا محال ہی ہوا جیسا کہ مفصل طور پر اوپر بیان ہو چکا اس سے بڑھ کر مؤلف کے لئے کونسا شرمناک واقعہ ہو سکتا ہے



استغفر اللہ ربی۔

اگر شبلی صاحب ابھی تک اس واقعہ کو صرف ایک تاریخی واقعہ سمجھیں اور اس کے استخراج و استنباط کو ورثہ مفسرین کا مختار نہیں یقین کرتے تو ہم ذیل میں صرف ادنیٰ علماء محدثین اور ادنیٰ کتابوں کے نام لکھ دیتے ہیں جنہوں نے اس واقعہ کو بطریق حدیث مندرج فرمایا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے مناقب میں امام نسائی نے خصائص میں امام ابی شیبہ نے مسند میں امام حاکم نے مستدرک میں۔ امام عبد البر نے استیعاب میں۔ طبرانی نے معجم میں امام سیوطی نے جمع الجوامع میں امام افطنی نے مسند میں ملا علی قلی نے کنز العمال میں فقیر ابو الحسن معازلی نے مناقب میں اور امام دہلوی اور امام ابن مردودہ نے اپنی اپنی مناقب میں اس واقعہ کی تفصیل مختلف الفاظ و عبارت کے ساتھ قلمبند فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو ارجح المطالب فی عد مناقب علی ابن ابی طالب مولفہ خواجہ عبید اللہ امرتسری مطبوعہ لاہور ص ۴۸۵

اپنی تنقیدی عبارت کو تمام کر کے اب ہم شبلی صاحب کے بقیہ مضامین کو جو انصار مدینہ کی فیاضی، عالی ہمتی خلوص و محبت اور حقوق اخوت کے صاف و شفاف آئینے ہیں۔ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

مہاجرین و انصار یہ رشتہ اخوت بھائی چارہ۔ یا (BROTHERHOOD) بالکل حقیقی رشتہ بن گیا۔ کوئی انصاری کے باہمانہ سلوک فرما تھا تو اس کی جانکاد و مال مہاجر کو متا تھا اور بھائی بند محروم رہتے تھے (بجوالہ صحیح بخاری کتاب الفقیہ) یہ اس زمانہ الہی کی تمیل تھی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ  
وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آذَوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ  
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ سُوْرَةُ انفال رکوع آخر۔  
جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جان و مال سے  
جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان لوگوں کو پناہ دی اور ان کی مدد  
کی یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔

جنگ بدر کے بعد حبیب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اوتھری۔  
وَأُولَئِكَ أَوْلِيَاءُ كَبَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ  
ارباب درانت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔  
اوسوقت سے یہ قاعدہ جاتا رہا۔ چنانچہ کتب تفسیر و حدیث میں یہ تصریح مذکور ہے۔

۳۔ ہجری میں بنو نضیر جب جلاوطن ہوئے اور انکی زمین اور نخلستان قبضہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ مہاجرین ناوار ہیں اگر تمہاری مرضی ہو تو تم نے مقبوضات تمنا و نہیں کو دیدے جائیں۔ اور تم انکے اپنے نخلستان واپس لے لو۔ انصار نے عرض کی کہ نہیں ہمارے نخلستان ہمارے بھائیوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیجئے اور نہ بھی اونہیں کو عنایت فرما دیجئے۔ بجوالفتح البلدان مطبوعہ یوٹپ ص ۲۲۰

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ماز کرے گی لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین نے کیا کیا، سعد بن الربیع نے جب

عبدالرحمن بن عوف کو ایک ایک چیز کا جائزہ دیکر نصف لے لینی کی درخواست کی تو انھوں نے کہا کہ خدایہ سب آپ کو مبارک کرے۔ مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے۔ انھوں نے سوق قنیقاع کا جو مشہور بازار تھا جا کر راستہ بتا دیا۔ انھوں نے کچھ گھسی کچھ پیس خریدے اور شام تک خرید و فروخت کی۔ چند روز میں اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی (صحیح بخاری میں یہ واقعہ دو مختلف موقعوں پر مذکور ہے)۔ رفتہ رفتہ انکی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے ان کا اس تجارت سات سات اونٹوں پر لکڑا آتا تھا اور حبشہ میں پہنچنا تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔ اصحاب فی سوغۃ انصار بعض صحابہ نے دوکانیں کھولیں۔ حضرت ابو بکرؓ کا مکان مسخ میں تھا۔ جہاں وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے (ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۰) حضرت عثمان بن عفان جو قنیقاع کے بازار میں کھجور کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے (مسند امام احمد بن حنبل) حضرت عمرؓ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے اور شاید اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی اور صحابہ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ پر جب لوگوں نے کثرت روایت پر اعتراض کیا اور صحابہ کو اقل روایت نہیں کرتے تو انھوں نے کہا اس میں کیا قصور۔ اور لوگ بازار میں تجارت کرتے تھے اور میں رات دن بارگاہ نبوت میں حاضر رہتا تھا۔

پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے نخلستان نے یہ انصار کو واپس کر دیے۔ صحیح مسلم باب الجہاد میں ہے۔  
 (ت رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم لما فرغ من قتال أهل  
 خیبر وانصرف الى المدينة رد المهاجرين الى الانصار  
 منا الجھد التي كانوا منوهم من ثمارهم۔  
 انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کے عہدہ جو نخلستان کی صورت میں تھے واپس کر دیے۔

مہاجرین کے لئے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھروں کے آس پاس جو اقامت دہ زمینیں تھیں انکو ویدین اور خیلے پاس زمینیں تھیں انھوں نے اپنے مسکونہ مکانات ویدیلے سب سے پہلے حارثہ بن نعمانؓ کی اپنی زمین پیش کی۔ بنو ہرہ۔ مسیح بنوی کے عقب میں آباد ہوئے۔ عبدالرحمن بن عوف نے یہاں ایک قلعہ (حکوگہ) بنایا زیادہ سوزن ہو گا) بنوایا حضرت زبیر بن العوام کو ایک وسیع زمین ہاتھ آئی۔ حضرت عثمانؓ معقود عبداللہ کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو میں زمینیں دیں (بہم البدان ذکر بدین) انصار نے مہاجرین کی ہمائی کا جو حق ادا کیا دنیا کی تاریخ میں اسکی نظیر نہیں ملتی مگر جب فتح ہوا تو انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ میں اسکو انصار میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں انھوں نے عرض کی کہ پہلے ہمارے بھائیوں (مہاجروں) کو اتنی ہی زمین عنایت فرمائیے تب ہم بھی لینا منظور کریں گے صحیح بخاری باب ضائل انصار۔

ایک دفعہ ایک فاقہ زد شخص انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا کہ سخت بھوکا ہوں آپ نے گھر میں دریافت کیا کچھ کھانے کو ہے۔ جواب آیا صرف پانی ہے۔ آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کوئی ہے جو ان کو اپنا مہار

بنائے۔ ابو طلحہ نے عرض کی میں حاضر ہوں غرض کہ وہ اپنے گھر لوٹا گئے۔ لیکن وہاں بھی برکت تھی۔ بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانا موجود ہے۔ انھوں نے بیوی سے کہا چراغ بجھا دو اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لا کر رکھ دو۔ بیویوں ساتھ کھانے پر بیٹھی۔ میان بیوی بھوکے بیٹھے رہے اور اسی طرح خالی ہاتھ چلا تے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں اسی واقعہ کے بارے میں یہ آیت اور تری ہے۔

وَيُخَوِّدُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَكُلَّ كَيْفٍ يَبْتَغُونَ ﴿١٠٠﴾ اَلْاَوْ دُن پُر خوتنگی ہوتا ہم اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔  
 [اصحاب صفہ] انصار و مہاجرین کی عام جماعت مسکین میں اہل صفہ بھی داخل ہیں یعنی صاحب ان کی حقیقت یوں لکھتے ہیں۔

صفہ۔ اسلامی لغت کا ایک متداول لفظ ہے۔ گویا اسکی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہیں۔ صفہ سائبان کہتے ہیں یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبوی کے ایک کنارے پر چید سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا جہاں پر اکثر مشاغل دینی کے ساتھ ہر شرم کے کاروبار یعنی تجارت و زراعت بھی کرتے تھے۔ لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی۔ ان لوگوں کے بال بچہ نہ تھے اور حبی شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے کل آتے تھے۔ انہیں سے ایک ٹولی تو دن کو جنگل سے لکڑیاں لا کر اور ان کو بیچ کر اپنے بھائیوں کے لئے کچھ کھانا مہیا کر لیتی۔ یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کہ اسی چبوترہ (صفہ پر) پڑھتے۔ حضرت ابو ہریرہ بھی انھیں لوگوں میں تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس چاد اور تہمد و دون چیزیں کبھی ایک ساتھ مہیا نہ ہو سکیں۔ چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے تھے کہ پاؤں تک انک آتی تھی اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور چھپتے میں لگا دیتے۔ جو ٹپک ٹپک کر گرتی اور یہ اوٹھا اوٹھا کر کھاتی کبھی دو دن کھانے کو نہ ملتا تھا اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھتے یہ لوگ اکثر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے باہر کے لوگ آتے انکو دیکھتے تو سمجھتے کہ یہ دیوانے ہیں (جو الصبح نرغزی باب معیشۃ النبی ص)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کہیں سے کوئی صدقہ کا کھانا آتا تو مسلمہ اون کے پاس بھیج دیتے اور حبی دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے اور انکے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکو مہاجرین و انصار پر یکم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دودو کو اپنے ساتھ لیجائے۔ اور انکو کھانا کھلائے۔ حضرت سعد بن عبادہ نہایت فیاض اور دودو لے کر آتے تھے وہ کبھی کبھی انشی انشی مہاتون کو

۱۰۰ غلی صاحب نے اس مضمون میں مہاجرین کو انصار کی احسان مندوں سے بکدوش کر نیکی جی کوشش کی مگر بالآخر یکجا ثابت ہوئی۔ آیہ مبارکہ قرآنی نے اشارہ انصار ہی کا پہلہ بھاری کر دکھایا آپ کا یہ حفظا مقدم اور پیش بندی یقیناً منجبت ترجیح مہاجر علی انصار کو قوت دینا کیلئے عمل میں لائی گئی تھی اور

اپنے ساتھ لیجا کرتے تھے۔ بحوالہ زرقانی ذکر اصحاب کثیف مسجد نبی سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۱۵

یوحنا مینہ | مورخین عرب کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہودی مسلمان ہو گئے تھے اور اس تقریب سے عرب میں آئے تھے کہ نبی علیہ السلام نے انکو قوم عمالہ سے جنگ عائد کی تھی لیکن تاریخ قرآن سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی یہود کو تمام دنیا میں پھیلے لیکن انھوں نے کہیں اپنے نام نہیں بدلے۔ آج بھی جہاں میں اسرائیلی ہی نام رکھتے ہیں بخلاف اسکے عرب کے یہودوں کے نام نفسیر قنطع۔ عرب حارث وغیرہ ہوتے تھے جو خالص عربی نام ہیں یہود عموماً بزدل اور دنی الطبع ہوتے ہیں چنانچہ حب حضرت موسیٰ نے ان سے لڑائی کو کہا تو بولے۔

اِذْ هَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَانْبِلَا اَنَا هُمْنَا قَاعِدُونَ | تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور ہم بین بیٹھیں رہیں گے۔

بخلاف انکے عرب کے یہودی نہایت دلیہ شجاع اور بہادر تھے۔ ان قرآن عقلی کے علاوہ ایک بڑے مورخ (مورخ) نے صاف تصریح کی ہے کہ قرظہ اور نفسیر عرب تھے جو یہودی بن گئے تھے۔

شُرکاء انت وقعدۃ بنی نضیر وھم محمد من جذام | یہودی نفسیر کا واقعہ ہوا قبیلہ جذام کا ایک خاندان تھا لیکن  
اَلَا اَنْھُمْ قُرَیْظٌ وَکَذٰلَکَ قُرَیْظٌ | یہودی ہو گیا تھا۔ اسی طرح قرظہ بھی۔

مورخ سودی نے بھی کتاب الاثراف والیتیقہ میں ایک روایت لکھی ہے کہ یہ جذام کے قبیلہ سے تھے کسی زمانہ میں عمالہ سے اور انکی بت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت موسیٰ پر ایمان لائے اور شام سے نقل مکان کر کے حجاز میں چلے آئے مسٹر مارگولوس نے یہود کے متعلق تفصیل سے محققانہ بحث کی ہے۔ انکا بیان اسے یہ ہے اور غالباً صحیح ہے کہ یہود ان مدینہ و بیرونجات کی بڑی آبادی میں ایک دو خاندان اصلی یہودی بھی تھے۔ عرب جو یہود ہونے لگے وہ بھی انھیں میں شامل ہوتے گئے۔

خاص مدینہ اور اس کے اطراف میں یہود کے تین قبیلے تھے بنو قنطع۔ بنو نفسیر اور بنو قرظہ ان لوگوں نے مضبوط برج اور قلعہ بنارکھے تھے۔ انصار کے جو قبیلے تھے اوس اور خنزیج۔ انین باہم جو آخرہ کرکہ ہوا تھا (جنگ بعاث) اوس انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا۔ یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ انصار باہم کبھی متحد نہ ہونے پائیں۔ ان اسباب کی بنا پر حب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ یہود اور مسلمانوں کے تعلقات واضح اور مضبوط ہو جائیں۔ آپ نے انصار اور یہود کو بلا کر حسب ذیل شرط پر ایک معاہدہ لکھوایا جسکو دونوں فریق نے منظور کیا یہ معاہدہ ابن ہشام میں پورا لکھا ہے اوس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے اب بھی قائم رہے گا۔

(۲) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

(۳) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

مسلمانان اور یہودان

مدینہ میں باہمانہ معاہدہ



(۴) یہودی یا مسلمان کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے فریق کی مدد کرے گا۔

(۵) کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

(۶) مدینہ پر کوئی حملہ ہو گا تو دونوں فریق شریک یکدگر ہوں گے۔

(۷) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہو گا۔ لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ رہے گی۔

یہودیوں کا اس معاہدہ پر بطور ظاہر اقرار و دستخط ہو گیا۔ لیکن ان کے اس اقرار و اعتراف کو ان کے قلب و باطن سے کوئی تعلق نہیں تھا جیسا کہ بہت جاں نابت ہو رہا ہے۔

اسلام سے | حقیقت حال یہ ہے کہ جب سے خدا کے نبی برحق حضرت موسیٰ علی نبینا و آلہ و علیہ السلام نے اپنے وعظ میں یہودیوں کا متفر | کو یہ بشارت پہنچائی تھی کہ خدا موسیٰ کے بہائیوں میں سے موسیٰ عیسیٰ بنی پیدا کرے گا اور سوقت سے یہودیہ

امید کئے ہوئے تھے۔ اور اسی امید پر مدینہ میں ٹہیرے ہوئے تھے کہ بنی اسماعیل میں پیدا ہونے والا نبی ۳۲ یہود کے اوبارہ قومی کو دوزخ کر نوا لے گا۔ انکی گذشتہ شان و شوکت - حکومت و سلطنت کو دوبارہ زندہ کرنے والا ہو گا۔ اور جب سے یہود

کو شام سے نکال کر دولت و غلامی کے گڑھوں میں ڈال دیا گیا تھا۔ اسی وقت سے بنی موعود کے ظہور پر انکی آنکھیں اور بھی زیادہ لگی ہوئی تھیں۔ اب اسماعیلی بنی کا مدینہ میں تشریف لانا سن کر یہودی بہت خوش ہوئے تھے۔ یہ حالت کسی

نہ کسی طرح جنگ بدر تک قائم رہی۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ یہ تو مسیح کو راستہ باز ٹھیرانا انکی تعلیم کو سچی بتانا مسیح پر ایمان لانے کو اسلام کا ضروری اور جزو لا ینفک قرار دیتا اور انکی بزرگی کو کے یہودیوں کو انصاف سے ملزم ٹھیراتا ہے

تو اس وقت سے سب یہودی بنی صلح کے دشمن ہو گئے۔

مسلمانوں سے | عیسائی بھی خال خال مدینہ اور اسکے مضافات میں آباد تھے۔ مجموعی حیثیت سے عیسائی نہ شمار میں یہودیوں | عیسائیوں کی نظر | کے برابر تھے اور نہ مال و اقتدار میں ان کے مقابل تھے لیکن تاہم ملک کی آبادی انکی تعداد افراد سے خالی

بھی نہیں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور فرماتے اور مدینہ میں تشریف لانے سے یہ بھی پہلے بہت خوش اور مطمئن ہوئے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علی نبینا و آلہ و علیہ السلام اپنے سب سے آخری و عظیم ایک بشارت

دینے والے کے آئین کی خبر دے گئے تھے جو دنیا کے ساتھ ہمیشہ رہے گا اور انکی رسالت آخر اور ہمیشہ دنیا میں قائم رہے گی اور جو دنیا کو سب چیزیں سکھلائیگا اور تمام عیسائیوں کو اسی کے حکم پر چلنے کی تاکید فرمائی تھی۔ اسلئے عیسائی بھی

اس نبی کا انتظار کر رہے تھے جو یہود سے ان کے ظلموں کا بدلہ لینے والا عیسائیوں کو جلال بخشے والا مسیح کی صداقت ظاہر کرنے والا ہو گا۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ بنی صلح نے عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل اہمیت و عظمت کا فائدہ

رہبانیت اور یورپ کے ابی اقتدار کا رڈ کیا تو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہو گئے رحمة العلمین میں ۹۵ | ڈاکٹر ڈریپر DR DRAPPER نے اپنی کتاب موسومہ مذہب و سائنس میں جسکا ترجمہ مولوی ظفر علی خان - بی۔ اے - نے کیا ہے لکھا ہے

نبی صائب نے جو معاہدہ کی عبارت ابن ہشام کی اصلی عبارت سے خلاصہ کر کے لکھی ہے وہ بالکل سہمہ دہ گئی ہے اسلئے اسکا انکشاف ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔ اس بنی پر ہم ابن ہشام کی اصلی عبارت سے ذیل میں انتخابہ کے تمام شرائط کو حسب ذیل قلمبند کرتے ہیں۔

(۱) ھذا کتاب من محمد النبی صلعم بین المومنین

والمسلمین من قریب و یثرب من تبعہم فلیحییہم

و جاهد معہم

(۲) انھم امة واحدة

(۳) ان یھود بنی عوف امة مع المومنین۔

(۴) وان یدینہم لیسر علی من حارب اھل ھذہ

الصھیفة

(۵) وان یدینہم النصح و الصیحة و البودون الاخر

(۶) وان الیھود ینفقون مع المومنین ماداموا

مھاس بین۔

(۷) وان بطانة یھود کا نفسہم۔

(۸) وانہ یاتھم امرء لحلیفة۔

(۹) وان المضر للمظالم

(۱۰) وان یثرب حوام جوفھا لا اھل ھذہ الصھیفة

(۱۱) وان المجار کا النفس غیر مضار ولا اضر۔

(۱۲) وانہ ما کان بین اھل ھذہ الصھیفة

من حدث او اشج یا ریحاف فسادہ خان مردہ

الی اللہ عزوجل والی محمد النبی صلی اللہ

علیہ والہ وسلم ابن ہشام جلد اول مطبوعہ بولاق مصر ۱۸۷۰ء

یہ تحریر ہے محمد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانب سے مسلمانوں کے درمیان

جو قریش یا یثرب کے باشندے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو مسلمانوں

کے ساتھ متحد اور کاروبار میں ان کے شامل ہیں۔

(۲) یہ سب لوگ ایک ہی قوم سمجھے جائیں گے۔

(۳) بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم شمار ہونگے

(۴) جو کوئی ان معاہدہ قوموں کے ساتھ جنگ کرے گا مسلمان معاہدہ

والوں کی نصرت کرے گا۔

(۵) مسلمانوں کے تعلقات معاہدہ قوموں کے ساتھ خیر خواہی

خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہونگے۔ ہزاروں گناہ کے نہ تو گناہ

(۶) یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایام جنگ میں مصارف جنگ دیں گے

(۷) یہودیوں کے حقوق جائیداد قوموں کے حقوق کے برابر ہو جائیں گے

(۸) کوئی شخص اپنے معاہدہ قوم کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہیں کرے گا۔

(۹) مظلوم کی ہمیشہ مدد کی جائے گی۔

(۱۰) مدینہ کو اندر گشت و خون کرنا مسلمانوں کی رسم و سب لوگوں پر حرام ہوگا

(۱۱) ہمسایہ تو میں بھی معاہدہ قوم کی ایسی بھی جائیں گی۔ اور جبکہ

وہ ضرر رسان اور عامل گناہ نہ ثابت ہوں۔

(۱۲) معاہدہ والی قوموں کے اندر اگر کوئی ایسی بات یا جھگڑا پیدا

ہو جائے گا جس میں آئندہ فساد کا خوف ہوگا۔ تو اس امر کا فیصلہ خدا سے

بزرگ و بزرگوار کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کیا جائے گا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کہ عیسائی مذہب ابتدا میں سالہا سال تک تین اصول کی تعلیم کرتا رہا۔ حق اللہ یعنی انسان کو چاہیے کہ خدا کی بزرگی و برتری کی

تعلیم کرے۔ حق الذات یعنی انسان کو چاہیے کہ ذاتی طور پر نیک رہے حق العباد یعنی ازم ہے کہ انسان اپنے انہاسے جنس کے ساتھ بھلائی کرے

اسکے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ اون ترسیمات کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے جو عیسائی مذہب میں آگے چلے گئے وہ ذاتی تمیز و تشخیص سے پیدا

ہوئے ہیں اور آج تک قائم ہیں اول ترلیٹن کی تحریر مرقومہ تسلیم و کیا جائیے جو اوس نے قیصر سید و توبرس کے زمانہ میں جبکہ یہودیوں کو ہر طرح کی

راس المنافقین

عبداللہ بن ابی سلول

مدینہ کے حالات کا اندازہ کرنے کے لئے ناظرین کو راس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کے حالات

پر بھی عمل طور پر نظر ڈال لینی ضرور ہے۔ یہودان مدینہ کے سوا مدینہ میں ایک ممتاز اور بااثر شخص بھی

تھا اوس دخرزج کے قبیلوں پر اس کا پورا عرب تھا اور اسکو پوری توقع تھی کہ ان طاقتور قبیلوں کے مدد سے مدینہ کی سب

اعلیٰ طاقت میں ہی بن جاؤنگا جب اوس نے دیکھا کہ اوس دخرزج مسلمان ہو رہے ہیں تو خود بھی (بعد از جنگ بدر)

نظامہ مسلمانوں سے مل گیا لیکن جب اوس نے دیکھا کہ یہودی بنی صلمہ کے خلاف ہو گئے ہیں تو اوس نے چاہا کہ یہودیوں

پر بھی اس کا اثر ناکم ہے اور مسلمان ہو جائیو اسے قبائل بھی بدستور سابق اسکے زیر اثر رہیں۔ اس لئے اوس نے یہ رویہ اختیار

کیا کہ مسلمانوں میں بیچیکہ اونسے اپنی رفاقت کا اقرار کرتا اور دیگر اقوام کے سامنے اونسے ساتھ اپنے اتحاد و رفاقت و صداقت

کا دعویٰ کیا کرتا تھا اور چونکہ فی الحقیقت اسلام کو وہ اپنی آرزوؤں کا پالاکنڈہ جتنا تھا اس لئے جب موقع ملا تو مسلمانوں

کی ضرر رسانی سے دریغ نہ کرتا۔ اسلام میں اوسکے گروہ کا نام منافقین تھا اور وہ راس المنافقین کے نام سے مشہور تھا۔

مدینہ کی یہ حالت تھی۔ اور اوس سے ظاہر ہے کہ اسلام کی دعوت اور مسنادی کے لئے اس جگہ بھی بہت سی شواہد

کا سامنا تھا ایک منصف اور غور پسند طبیعت فیصلہ کر سکتی ہے کہ ان سب مواقع پر غالب آجانا اسلام کی صداقت کی

عمدہ دلیل ہے۔ اشاعت اسلام میں جو کامیابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں بمقابلہ مکہ معظمہ ہوئی اسکا ذکر قرآن

نے پہلی ہی سے بطور تشبیہ گوی فرمادیا تھا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ اچھا پھر سے پہلے سے بہتر ہوگا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ظلم ہو رہے تھے۔ بمقام رد مقلبت کی تھی۔ اس تحریر میں تبلیث کا ذکر نہیں ہے دگو یا مسئلہ تبلیث تین سو صدی عیسوی

تک عیسائیوں کے عقاید میں داخل نہیں تھا۔ یہ تیسری صدی کی عموماً اور کونسل نیس کی خصوصاً مصنوعات ثابت ہوتا ہے اور کفار

کا تو رد پایا جاتا ہے عیسائیوں کے عقائد میں مسئلہ کفارہ کی حقیقت یہ ہے کہ اونسکے عقائد میں حضرت عیسیٰ کی شہادت اور انکی امت کو تمام

اعمال کا کفارہ ہو گئی۔ اور اب امت سے کسی برے شے اعمال کی ضرورت باقی نہیں کہونکہ اونسکے الفاظ یہ ہیں۔ خدا نے انسان کو اعمال

حسنہ و سیئہ کے لحاظ سے جزا و سزا مقرر کی ہے جو نیک ہوں گے اور نیکین لذت جادوانی عطا فرمائے گا اور جو بد ہو گئے اور نیکین ابدی شکنجوں میں

جھونک دیگا۔ ڈاکٹر مذکور نے پھر لکھا ہے قبصر عظیمین کے عہد میں عیسائیت میں بت پرستی شال ہو گئی اور پاروین کی پہلی کونسل اوسی کی صدارت

میں ۳۲۵ء میں قائم ہوئی پھر کونسلوں کے انعقاد کی رسم پڑ گئی۔ ہر ایک کونسل مذہب اور اعتقاد میں نئی نئی ترمیمات و اصلاحات عمل میں لانی

لگی اس لیے ہم نے جو متن میں لفظ عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل درج کیا وہ بالکل صحیح ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بنی صلمہ نے جن مسائل

میں اصلاح فرمائی تھی آہستہ آہستہ جزاً جزاً مختلف طور پر عیسائیوں کے مختلف فرقوں نے بھی ان اصلاحات کو قبول کر لیا ہے اور اپنی مذہب

کا جزو بنالیا ہے اگرچہ وہ اب تک اپنا اس پر محسن رسول اللہ صلمہ کے شکر گزار نہیں بنے مثلاً عیسائیوں کا فرقہ بونٹیرین وہ مسیح کو ابن اللہ

نہیں تسلیم کرتا۔ پراٹیسٹنٹ فرقہ اسلام کے عہد عیسائیوں میں پیدا ہوا جو یہاں نیت اور پوپ کے الٹی اقتدار کا سخت منکر ہے

سہ ہجری کے ہجرت کا پہلا سال تمام ہو گیا۔ اس سال کے تمام مشہور اور قابل الذکر واقعات پوری تفصیل سے اوپر بیان متفرق واقعات ہو چکے۔ متفرق واقعات جو اپنی خاص اہمیت اور نیز تاریخی حیثیت سے ذکر کے قابل ہیں وہ یہ ہیں۔

دور سیان انصار کثوم بن ہرم اس سال انصار میں سے دو نہایت معزز شخصوں نے جو مقررین خاص میں سے تھے وفات اور سعد بن زرارہ کی وفات۔ پانی کثوم بن الہدم اور سعد بن زرارہ کثوم۔ وہ شخص ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جب یہاں تشریف لائے تو انھیں کے مکان میں ٹہرے اکثر بڑے بڑے صحابہ بھی انھی کے گھر اور بڑے تھے۔

سعد بن زرارہ اور ان چھ شخصوں میں سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مکہ میں جا کر آنحضرت معلّم کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی روایت کے مطابق ان چھ شخصوں میں سے جس نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ یہی سعد تھے۔ یہ خبر بھی انھیں کو حاصل ہے کہ مکہ مدینہ میں اگر سب سے پہلے انھیں نے جہد کی نماز قائم کی۔ چونکہ یہ قبیلہ بنی نجار کے نقیب تھے اس لئے ان کی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت معلّم سے درخواست کی کہ ان کی جگہ کوئی شخص اس منصب پر بحال کیا جاوے۔ چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہوگا تو اور دن کو رشک ہوگا۔ اس لئے آنحضرت معلّم نے ارشاد فرمایا کہ میں خود تمہارا نقیب ہوں۔ چونکہ آپ کا نام مال اسی قبیلہ میں تھا اس لئے اور قبائل کو رشک اور مناقست کا موقع نہیں تھا۔

اسعد کی وفات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت مدد ہوا۔ منافقین اور یہود نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلعم اگر پیغمبر ہوتے تو ان کو یہ مدد نہ پہنچتا۔ آپ نے سنا تو فرمایا لا املک لنفسی ولا لصاحبی من اللہ تبارک و تعالیٰ میں اپنے ساتھیوں کے لئے خدا کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ طبرسی ۱۲۶۱

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عین اسی زمانہ میں دو بڑے رئیس ان کفر نے بھی وفات پائی۔ خالد بن ولید کے باپ ولید بن النضر اور عمر عاص کے باپ عاص بن وائل التہمی نے۔

اسی زمانہ میں عبداللہ بن زبیر بھی پیدا ہوئے۔ اور تاریخ طبری کے مطابق مختار بن ابو عبیدہ ثقفی اور زیاد بن سمیہ (جس کو آگے چلکر امیر معاویہ نے سیاسی ضرورت سے زیاد بن ابوسفیان بنالیا) بھی پیدا ہوئے۔

اب تک نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں۔ اب تکرر عصر اور عشاء میں چار چار ہو گئیں لیکن سفر کے لئے اب بھی

وہی رہیں

## ۲۔ سہ ہجری

تو قبل قبیلہ ہجرت کا دوسرا سال شروع ہوا۔ اس سال تاریخ اسلامی میں دو عظیم الشان واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ شعبان ۳۔ ایک سمت قبلہ تبدیل ہوا دوسرے یہ کہ مخالفین اسلام نے اسلام کے استیصال اور مسلمانوں کے

قتل عام کرنے کیلئے علانیہ تلواریں نکال لیں اور مسلمانوں کو ان کی بدعت اور اپنی جان و مال اور اہل و عیال کی حفاظت خود اختیاری میں ان کی خوشنوازیوں کا جواب دینا پڑا۔



تعریف قبلہ اور اسکی تعیین و تبدیل کے متعلق مولوی شبلی صاحب نے نہایت قابلانہ اور محققانہ تفصیل و تصریح قلمبند فرمائی ہے ہم اوسکی مفصلہ ذیل نقل کو اپنے مدعا کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

ہر گروہ اور ہر مذہب کے لئے ایک امتیازی شعار ہوتا ہے جسکے بغیر اس قوم کی مستقل ہستی نہیں قائم رہ سکتی اسلام نے یہ شعار قبلہ نماز قرار دیا جو اصل مقصد کے علاوہ اور بہت سے حکم و اسرار کا جامع ہے۔ اسلام کا خاص نمایاں و صفت مسامحات عام جمہوریت اور توحید عمل ہے یعنی تمام مسلمان یکساں اور حتیٰ الجہتہ نظر آئیں۔ مذہب اسلام کا رکن اعظم نماز ہے جس سے ہر روز پانچ وقت کا دم پڑتا ہے۔ نماز کی اصلی صورت یہ ہے کہ جمعیت اور افراد کثیر کے ساتھ ادا کی جائے لیکن اس طرح کہ ہزاروں اور لاکھوں اشخاص کی متفرق ہستیاں مٹ کر ایک ہستی بن جائے اسی بنیاد پر نماز جماعت میں ایک امام ہوتا ہے کہ مقتدیوں کی ایک ایک حرکت اور اسکے اشاروں سے دابہ نہ ہوتی ہے اس لئے ضرور ہے کہ سب کا مرجع عمل بھی ایک نظر اُسے یہی اصل ہے جسکی بنیاد نماز کے لئے ایک خاص قبلہ قرار پایا اور اس شعار کا دائرہ اس قدر وسیع کیا گیا کہ اس قبلہ کی طرف رخ کرنا ہی کفر کے دائرے سے نکل آتا ہے۔

اب صرف یہ بحث باقی رہی کہ قبلہ کس سمت قرار دیا جاوے۔ یہودی اور عیسائی بیت المقدس کو قبلہ سمجھتے تھے کیونکہ اونکی قومی اور مذہبی ہستی۔ بیت المقدس سے دابہ نہ تھی لیکن ابراہیمؑ بت شکن کے جانشین کے لئے صرف کعبہ قبلہ ہو سکتا تھا جو اس موجد اعظم کی یادگار اور نمونہ خالص کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک مکہ میں تھے۔ وہ ضرور تین ایک ساتھ درپیش تھیں۔ ملت ابراہیمیؑ کی تاسیس و تجدید کے لحاظ سے کعبہ کی طرف رخ کرنے کی ضرورت تھی لیکن شکل یہ تھی کہ قبلہ کی جو اصل غرض تھی یعنی امتیاز و اختصاص وہ نہیں حاصل ہوتی تھی۔ کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے۔ اس بنیاد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیمؑ پر نماز پڑھتے تھے جس کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا۔ اسطرح دونوں قبیلہ سامنے آجاتے تھے مدینہ میں دو گروہ آباد تھے۔ مشرکین جن کا قبلہ کعبہ تھا اور اہل کتاب جو بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرتے تھے شک کے مقابلہ میں یہودیت اور نصاریت دونوں کو ترجیح تھی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مدت یعنی تقریباً سولہ مہینوں تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی لیکن جب مدینہ میں اسلام زیادہ پھیل گیا تو اب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اہل قبلہ کو چھوڑ کر دوسری طرف رخ کیا جاتا۔ اس بنیاد پر آیت اتری اور دفعتاً قبلہ بدل گیا۔

قَوْلِ وَجْهَكَ مُطَوَّرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ كُنَّا  
كُنَّا نَدْعُوهُ فَوَلَّوْا وُجُوهَكُمْ مَشْرِقًا

تحویل قبلہ نے یہودیوں کو سخت برہم کر دیا اونکو مشرکین کے مقابلہ میں مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا۔ اور اسلام سے پہلے مشرکین بھی اونکے مذہبی امتیاز کے معترف تھے یہاں تک کہ (جیسا کہ ابو داؤد میں روایت ہے) حنیلوگون کی اولاد زندہ نہیں

رہتی تھی۔ وہ بتین مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہے گا تو ہم لوگوں کو یہودی بنائیں گے۔ اسلام نے اس کے مذہبی اغراض کو صدمہ پہنچایا تاہم چونکہ اب تک اسلام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا اس لئے وہ فخر کرتے تھے کہ اسلام بھی انھیں کے قبلہ کی طرف رخ کرتا ہے۔ جب اسلام نے قبلہ بھی بدل دیا تو ان کی ناراضی اور برہمی کا پیا لہ بس نہ ہو گیا اور انھوں نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ باتیں ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہیں اسی لئے قبلہ بھی مخالفت کے ارادے سے بدل دیا ہے دووے اور ضعیف الایمان مسلمانوں کو بھی یہ بات کھٹکتی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہیں اور اس سے بے استقلال اور زلیل اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔ اس بنا پر قبلہ کی اصلیت اور ضرورت اور تحویل قبلہ کے متعلق چند آیتیں اور ترین جن سے یہ

مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ امِيتَ النَّاسِ مَا وَلَهُمْ مِنْ قَبْلِهِ  
الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهَا قُلُوبُ الْمُشْرِكِ وَالْمُغْرِبِ  
جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا اِلٰهًا لِّنَعْلَمَ مَنْ  
يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةٌ اِلَّا عَلَى  
الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ

سُفَهَاءُ یہ اغراض کرنے کے کہ مسلمانوں کا جو قبلہ تھا اس سے ان کا کس نے پھر دیا کہ وہ کہ مشرق و مغرب سب خدا ہی کا ہے تیرا جو پہلے قبلہ تھا (کعبہ) اور جو ہم نے پھر قبلہ کر دیا تو اس کی یہ وجہ یہ کہ یہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کا ہر کون ہے۔ اور پیچھے پھر جانوروں والا کون ہے اور بے شبہ یہ قبلہ ثابت کران اور ناگوار ہے بھڑا دن لوگوں کے جن کو خدا نے ہدایت کی ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ  
وَلَكِنَّ الْبِرَّ اِمْنٌ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ  
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيِّنَ وَاَنْ تَاْتِ الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي  
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّجَابِ

پھر کچھ رخ کرنا ثواب کی بات نہیں ثواب تو یہ ہے کہ آدمی خدا پر قیامت پر ملا کہ پر خدا کی کتابوں پر پیغمبروں پر ایمان لائے اور خدا کی محبت میں غریبوں کو یتیموں کو مسکینوں کو مسافروں کو یتیموں کو اور اپنے غلاموں کو اپنی دولت دے ڈالے۔

ان آیتوں میں پہلے خدا نے یہ بتلایا کہ قبلہ خود کوئی مقصد بالذات چیز نہیں۔ خدا کی عبادت کے لئے پورب بچیم بزرگین خدا پر حاکم ہے۔ ہر سمت ہے ہر طرف ہے پھر قبلہ کی تعیین کی ضرورت بتلائی کہ وہ اختصاصی شعار ہے اور اصلی اور نمائشی مسلمانوں کو الگ کر دیتا ہے۔ بہت سے یہودی بھی جو منافقانہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ نماز میں بھی شرکت کرتے تھے یہ اسلام کے مارا ستن تھے۔ لیکن جب قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ سے بدل گیا تو اتفاق کارا ز فاش ہو گیا۔ کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ جو چیز اس کی قومیت۔ مذہب بلکہ اس کی ہستی کی بنیاد ہے (یعنی بیت المقدس) اس سے اس کا رشتہ ٹوٹ جائے پھر خدا نے اس نکتہ کو زیادہ واضح کر دیا کہ کسی خاص قبلہ کی طرف رخ کرنا اصلی ثواب نہیں۔ بلکہ ثواب و حقیقت ایمان اور اعمال صالحہ کا نام ہے سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۲۱۹ شبہی صاحب نے قبلہ کی فلسفی نو تفصیل سے لکھ دی لیکن اس کی تاریخی حقیقت اور کیفیت کا نام تک

نہیں لیا۔ آپ کی مرقومہ بالا عبارت کو پڑھ کر ہر شخص قبلہ کی تعریف حقیقت اور ضرورت کو ضرور سمجھ جائیگا لیکن اسکے متعلق کہ سولہ سترہ مہینوں تک قبلہ ایک رخ رہا کہ دوسرے رخ پر کیسے بدلا۔ کمان بدلا۔ اور کس وقت و کس حالت میں بدلا یہ کچھ بھی معلوم نہ کر سکے گا۔ حالانکہ آپ جب تاریخ و سیرت کے موضوع پر اپنی تصنیف مرتب کر رہے تھے تو آپ کا فرض اولین تھا کہ اسکے مقام وقوع وقت وقوع حالت اور صورت وقوع کو بھی اوستی تنظیم و ترتیب واقعات کے سلسلہ سے بیان فرمادیتے جس ترتیب و سلسلہ سے اور واقعات قلمبند فرمائے گئے ہیں اور ترتیب سیرت و تاریخ کے اعتبار سے جب تک یہ کمی پوری نہ فرمائی جائیگی۔ اسلامی قبلہ کی تحویل و تسوین کی نسبت آپ کی موجودہ تحریر یا کافی اور غیر مکمل طبع الی جائے گی۔

اب ہم آپ کی فرمودہ شدہ امور متعلق تحویل قبلہ کی تفصیلی کیفیت ذیل میں لکھ دیتے ہیں۔ ابن ہشام اور طبری اسکے سال و ماہ و روز وقوع کی نسبت لکھتے ہیں۔

صفت القبلة يوم الثلاثاء في شعبان على رآ  
ثمانية عشر شهرا من مقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم  
المدينة وعن ابن سعد للنصف شعبان

تبدل کی تحویل شعبان کے مہینہ میں منگل کے دن۔ مدینہ میں آنحضرت  
صلعم کی تشریف آوری کا اٹھارہ مہینے بعد واقع ہوئی اور ابن سعد  
کے موافق ۵ شعبان تھی۔

تحویل قبلہ کی صورت۔ حالت اور کیفیت ہم مواہب لدنیہ تاریخ مدینہ اور شمس زرقانی سے ذیل میں نقل کرتے ہیں  
تاریخ مدینہ امام نور الدین مہمودی کے فارسی ترجمہ کی اصلی عبارت حسب ذیل ہے۔

ارجح آنت کہ تحویل قبلہ در مسجد قبلتین بودہ منقول است  
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود کہ زیارت کروم  
امام بشیر اور بنی سلیم پس او برائے ما و برائے ایشان کہ ہمارا  
بودند طعام درست دادہ۔ و وقت ظہر و آمد آنحضرت  
صلعم با اصحاب خود در موضع مسجد قبلتین نماز ظہر میگرداد  
و چون دو رکعت نماز کروا مورشہ کہ رو بکعبہ کند۔ پس آنحضرت  
صلعم روئے مبارک خود سوئے کعبہ گردانیدہ۔ بہین قبلہ  
است کہ خدا تعالیٰ میفرماید فلتولینک قبلۃ ترضیہا

قول مرجع ہی ہے کہ تحویل قبلہ کا واقعہ مسجد قبلتین میں واقع ہوا منقول ہے کہ  
جناب رسول خدا صلعم محمد بنی سلیم میں ام بشیر کے گھر صیافت میں مع صحابہ کے  
تشریف رکھتے تھے۔ وہیں آپ کو ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے صحابہ  
کے ساتھ اس طعام پر جہان مسجد قبلتین ایک موجود ہے نماز پڑھتی شروع  
کی دو رکعت نماز پڑھ چکے تھے کہ حالت نماز ہی میں تبدیل قبلہ کا حکم  
نازل ہو گیا اور اسی وقت آپ نے اپنا روئے مبارک کعبہ کی طرف  
پھیر دیا۔ جبکہ خدا فرماتا ہے کہ میں تجھ کو اس قبلہ کی طرف پیش کرتا  
ہوں۔ پس سے تو راضی تھا۔

ترجمہ تاریخ مدینہ امام مہمودی فارسی (قلمی) زرقانی مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۸۵۔ محدث شمزاری نے بھی ردۃ الاحباب  
بن باخلاف الفا تا ہی صورت واقعہ بتلانی ہے۔ ردۃ الاحباب جلد اول مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۱۱

اسی موقع مبارک پر مسجد قبلتین کی عمارت آج تک اپنی تقدیس و تخصیص کو متاثر ہی ہے۔ تحویل واقعہ کی اصلی

واقعیات اور حقیقی صورت و کیفیت یہی تھی جو اوپر بیان کی گئی۔

## سلسلہ غزوات

سلسلہ غزوات | شبلی صاحب نے اس عنوان سے غزوات کی تفصیل سے پہلے ایک طویل مضمون لکھا ہے جو اپنے مطالب و مقاصد کے اعتبار سے تفصیل غزوات کی تمہید ہے لیکن بعض مقامات میں ناتمام اور بعض مقامات میں آپ کے بہانات استدلال سہم رہ گئے ہیں۔ اپنے اس نقص کو شبلی صاحب ابتدا ہی سے خود سمجھ گئی ہیں چنانچہ اس عنوان کے آغاز ہی سے عاشقِ مہربان بہ مندرجہ عبارت قلبین فرماتے ہیں۔

غزوات کا سلسلہ جن اسباب سے واقع ہوا اور جس قسم کے واقعات پیش آئے ان کے لئے ہم نے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے کیونکہ وہ ضمنی طریقہ سے ادائیج ہو سکتے لیکن یہ عنوان اچھی طرح سے اور سوقت ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ تمام واقعات سرسری نظر سے گزر جائیں۔ اس لئے ہم نے اسکو تمام غزوات کے بعد لکھا ہے ناظرین ابھی سے اسکا خیال رکھیں صفحہ ۲۲۰

یہ کوئی ترکیب ہے اور کوئی ترکیب تالیف۔ بیان تو بیان ہے اور مآعاد و کامل جلدوں کے پڑھ جانے کو تہجیم میں آئیگا۔ واقعات تو سلسلہ بیان میں ایک مقام پر جمع کر دیئے گئے اور لکھ دیئے گئے ہیں لیکن ان کے اسباب و علل اور توجہات و توضیحات وقوع کتاب کی دوسری اور تیسری جلدوں کے مطالعہ پر موقوف کر دی گئیں ہیں۔ شاید شبلی صاحب نے اپنی تالیفات کے لئے یہ انداز خاص اختیار فرمایا ہو۔ لیکن اسوقت تک سیرت و تاریخ کی جتنی۔ عربی۔ فارسی اور اردو کی کتابیں میر پیش نظر ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ ترتیب پائی نہیں جاتی عارضی طور پر کسی بیرونی معنی میں کی کتاب وقتی یا ضرورت امتحانی کے حال ہو جانے سے اگر کسی کتاب کے سلسلہ عنوان میں کوئی مفصل واقع ہو گیا ہو۔ تو یہ بات ہے لیکن کسی مصنف نے اپنی تصنیف میں یہ انداز ترتیب نہیں قائم رکھا ہے کہ ایک ہی عنوان و مضمون کو ایک مقام ناقص یا کامل یا سہم چھوڑ کر اسکی تکمیل۔ توجہ اور دیگر انکشافات دوسرے یا تیسرے حصہ میں قلمبند کئے گئے ہوں۔ یہ تاریخ دوسرے کے واقعات نہ ہوئے بوستان خیال کے فسادات ہوئے کہ پہلی جلد میں ایک حصہ کا آغاز ہے تو دوسری میں تشبیہ۔ دوسری اور چوتھی جلد میں کہیں جا کر توجہ معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی اس شان بیان میں بھی امام بخاری صاحب کی تقلید نہیں چھوڑی ہے اور انکی صحیح بھی تمام تراسی ترتیب و ترکیب غلط سے بھری پڑی ہے۔ ایک باب میں ایک حدیث کچھ حصہ تک بیان کر دی گئی ہے پھر دوسرے تیسرے یا چوتھے باب فصل میں جا کر اس کے باقی ماندہ حصہ کا اندراج کیا گیا ہے۔

بہر حال اتنا تمہیداً لکھ کر ہم شبلی صاحب کی بے ترتیبی و ترکیبی کی آئندہ صورت حال پیش کرتے ہیں۔ یہ عبادت



معذرت لکھ کر آپ اپنے حوزان تمہید کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

کیا عجیب بات ہے ارباب سیر مغازی کی داستان جب قدر و ارزش اور بلند آہنگی سے بیان کر سقین یورپ  
اوسى قدر و سکو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہمار چاہتا ہے کہ یہ داستان اور پھیلتی جائے۔ کیونکہ اوسکو اسلام کے  
جو رستم کا جو موقع آ رہا ہے اس کے نقش و نگار کے لیے۔ لہو کے چند قطرے نہیں بلکہ چشمائے خون درکار ہیں۔  
یورپ کے تمام مورخین نے سیرت نبوی کو اس انداز میں لکھا ہے کہ وہ لڑائی کا ایک مسلسل سلسلہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ  
زبردستی مسلمان بنائے جائیں۔

مولوی علی صاحب کے انتشار تحریر اور اضطراب ترتیب مضامین کی باسلی وجہ کھل گئی۔ یہی آپ کا قدیم عارضہ توہم  
یورپین مصنفین سے آپ کی تحریف و معریت اور ان کے مطالبات و اعتراضات کے جوابات مستلزم طریقہ سے پیش کرتے  
ہیں آپ کا عجز و ضعف اور آپ کی پرازدازی اور سرافگندگی جو ہم تمام ایسے مقامات پر دکھلاتے اور بتلاتے چلے آتے ہیں  
یہاں بھی عارض حال ہو گیا۔ آپ کا اضطراب آپ کی پراگندگی اسی سے ظاہر ہے کہ عیسائی مصنفین کے یہ اعتراضات  
آغاز مدعا سے آپ کے دل میں کھٹک رہے تھے۔ ان کی تردید کوچہ تمہید میں جتنا بیان کی گئی پھر تشفی خود نہ ہوئی تو عاشرہ  
میں عبارت معذرت لکھ کر آئندہ تسکین کا یقین دلایا گیا۔ پھر خدا کر کے جنگ بدر کے صاف صاف اور سیدہ سادے  
(بقول آپ کے) حالات لکھ کر مخالفین کو اسلام کی جہاد کی گویا اصلی شان اور حقیقی عملی صورت دکھلائی گئی ہے۔ لیکن  
افسوس پھر بھی آپ کو اپنے بیان سے اطمینان نہ ہو سکا تو غزوہ بدر پر ایک تبصرہ لکھا۔ اب خدا جانے اسکے بعد بھی آپ کو  
اپنے بیان سے پوری تسکین ہوئی یا نہیں اللہ اعلم۔

اسنے اضطراب کا باعث کیا تھا وہی معریت اور استدلال کا غلط طریقہ جو اس موقع پر بھی حسب العادت  
اوسى زور و شور سے اٹھایا گیا ہے جیسے اور مقامات پر اور زور و زلف بضعیف می ریزو۔ مرویات سیرت کو تنہا مخالفین کے ان تمام  
اعتراضات کا باعث ہر ممکن و ناممکن طریقہ سے ٹھیرایا گیا ہے جنہوں نے غزوات اسلامی کو جنگ دفاعی ثابت کر کے ساتھ  
عموماً جنگ بدر کے متعلق خصوصاً یہ لکھ دیا ہے کہ اس غزوہ کی غرض حاصل فخر و شرف کا لوٹ لینا تھا جو بائیس ابوسفیان اسباب  
تجارت بچکر ملک شام سے واپس آ رہا تھا۔

اہل سیرت و تابع نے متفقاً اگر ایسا کیا تو بڑی غلطی کی لیکن ہم نے آپ کے استدلال کی تفصیل سے نتیجہ نکالا ہے  
کہ اس غلطی میں اگر واقعی غلطی ہے تو اکیلے سیرت والے ہی ملزم نہیں ہیں۔ بلکہ آپ ہی کے اقوال و اعتراف کے مطابق امام  
بخاری بھی اس جرم کے مجرم ثابت ہوتے ہیں۔ آپ خود خاتمہ بحث میں۔ ص ۲۶۵۔ پر رقمطراز ہیں۔

گو اب یہ امر قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ غزوہ بدر کا سبب کاروان تجارت پر حملہ کرنا تھا۔ تاہم اس گروہ کا کوئی ضرور ہے  
کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام ارباب سیرت نے متفقاً کون غلطی کی اور صحیح بخاری وغیرہ میں تصریحات

کیون پائی جاتی ہیں کہ بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی۔

جب خود صحیح بخاری وغیرہ میں بقول آپ کے یہ تصریحات موجود ہیں۔ گو اونکی وجہ آئندہ چلکر آپ جو نہ ثابت کریں  
لیکن سیرت کے علاوہ۔ حدیثوں کی کتابوں میں اور علی الخصوص صحاح کی کتابوں میں بھی اوسکا وجود قائم ہے تو ایک  
تحقیق کنندہ ضرور کہہ گیا کہ اب اہل سیرت کی اکیلے اس الزام کا منہ نہ دے گا کہ آپ کو کوئی حق باقی نہیں رہا  
اب سببلی صاحب کا وہ طومار بیان کہ پیرہ میں مصنفین کے تمام اعتراضات والزامات کے باعث اکیلے اہل سیرت  
میں کمان ثابت ہو سکا۔ سیاہ کرنے کو صفحے کے صفحے سے ہر ڈولے گئے۔ اور آخر میں ان طومار کی بنا پر جو فیصلہ کیا گیا وہ  
صاف صاف بتلا رہا ہے کہ اہل حقیقت کے سمجھنے میں تفریق اہل سیرت و احادیث کو غلط فہمی واقع ہو گئی ہے جس طرح  
ارباب سیرت اصل مقصود تک نہیں پہنچے اسی طرح اہل احادیث بھی اسکی اصل تفہیم نہ کر سکے۔ اسی کے ساتھ آپ کی عبارت  
فیصلہ سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اس غلط فہمی کی ابتدا اور اصل اباب تا یسخر و حدیث ہی سے نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ اسکا آغاز  
حقیقتاً صحابہ ہی کے خاص زمانہ سے ہوا ہے اور وہی حضرات جو ان واقعات کے اصل راوی ہیں وہی اسکے اصل باعث  
نہ خود سمجھ سکے نہ دوسروں کو سمجھا سکے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ ارباب سیرت ہوں یا اصحاب حدیث و تفسیر سب کے سب  
علوم صحابہ کے رتبہ میں ہیں پھر جب انھیں حضرات نے کسی امر کے سمجھنے میں ابتدا غلطی کی تو اُن کے سامعین  
و ناقلین سے اوسکی جوابدہی کیسے لی جاسکتی ہے۔ ہمارے اس بیان پر سبلی صاحب کے مفصلہ ذیل الفاظ فیصلہ  
خود شاہد ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اصول جنگ کے موافق اکثر غزوات میں یہ ظاہر نہیں کیا جاتا تھا کہ ہر جانب اور کس غرض سے جانا  
مقصود ہے صحیح بخاری غزوہ تبوک میں حضرت کعب بن مالک کا جو مشہور صحابی ہیں اُنکا قول نقل کیا ہے۔  
ولم یکن رسول اللہ صلعم یرید غزواً الا ان یخبرنا علی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے  
وڑے بغیر ہوا  
تھے تو کسی اور موقع کا توہ یہ فرماتے تھے۔

تو یہ کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہیں کہ آپ اے موقع پر مجھ اور محمل المؤمنین الفاظ استعمال فرماتے تھے۔  
گو میرے نزدیک یہ کلمہ اس معنی میں صحیح نہیں، تاہم واقعات کے استقصا سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بعض موقعوں  
پر واقعہ اس طرح مبہم رکھا جاتا تھا کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں سعد بن ضمرہ کو یہ پہلے  
ہی معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ نہیں بلکہ فوج کا مقابلہ ہے۔ بخلاف انکے صحیح بخاری میں انھی کعب بن مالک کا قول منقول  
ہے کہ بدر میں صرف قافلہ سے تعرض کرنا مقصود تھا۔ دیباچہ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ راوی صحابہ بھی داخل ہیں  
بہت سے موقعوں پر جو واقعہ بیان کرتا ہے وہ حقیقت میں واقعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اوسکا اپنا استنباط ہوتا ہے یعنی  
اوس نے اسکو ایسا ہی سمجھا ہے۔ بدر میں بھی یہی صورت پیش آئی۔ اور اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ صحابہ نے

مختلف قیاس کئے۔ اور جو قیاس مذاق عام کے مناسب تھا۔ وہی بھیل گیا۔ سیرۃ النبی نتیجہ غزوہ بدر جلد اول ص ۲۶۶  
 اتنی سی بات کے لئے ہمارے شبلی صاحب نے اپنی کتاب کے چوالیس (۲۲۲ صفحہ ۲۲۶) صفحات لکھ  
 ڈالے۔ اگر آغاز ہی میں اسکا اظہار کر دیا ہوتا تو اس طومار بیکار کی ضرورت نہیں تھی۔ ہر شخص یہ سمجھ کر مطمئن ہو جاتا کہ  
 بعض صحابہ کو جو اس کے اصل راوی ہیں۔ اس کے اصلی سبب کے بیان کرنے میں غلط فہمی واقع ہو گئی ہے اور یہ اس کے  
 قیاس کی غلطی ہے۔ اور اسی کے ساتھ وہ یہ بھی دیکھ کر اطمینان کامل کر لیتا کہ انھیں صحابہ کے طبقہ میں ایسے لوگ بھی ہیں  
 جو اس کے حقیقی اسباب و علل کو بخوبی جانتے ہیں اور وہی امر بتاتے ہیں جو اس واقعہ میں حقیقتاً تدبیر قدرت اور تجویز  
 رسالت کا عین مقصود تھا۔ چنانچہ آپ شبلی صاحب (خود کہتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے سندین۔ ابن ابی شیبہ نے منصف میں۔ ابن جریر نے طبری تاریخ میں اور بیہقی نے  
 دلائل میں روایت کی ہے اور اسکو صحیح لکھا ہے۔ اور اس کے راوی معمر بن ہشیر واسد المد الغالب علی بن  
 ابیطالب ہیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ مدینہ میں آئے تو وہاں کے پھل کھانے  
 کو لے۔ جو ہمارے موافق مزاج نہ تھے۔ اس لئے ہم لوگ بیمار پڑ گئے آخر  
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کو پہنچا کرتے تھے جب ہمارے خیر علیؑ کے شکر کریں  
 ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو چلے۔ بدر ایک کنوئین کا نام ہے جہاں ہم سرسبز  
 سے پہلے پہنچ گئے۔

عن علیؑ قال لما قد منا المدينة اصبنا قمارها  
 فاحتبونا واصابنا بھل وعلو کان النبی صلعم  
 قشعر عن بدر فلما بلغنا ان المشركين قد قبلوا  
 اسلحہ رسول اللہ صلعم الی بدر و بدر  
 بئر فصبنا المشركين الیھا

اس میں صاف تصریح ہے کہ مشرکین کے حملہ کی خبر سن کر آپؐ تلے تھے اور بدر پر اگر قیام فرمایا تھا اس پوری  
 حدیث میں ابوسفیان کے قافلہ تجارت کا ذکر تک نہیں ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۵۸  
 اس پلپر جو مور آپؐ نے نتیجہ میں دکھلائے ہیں وہ اگر آپؐ اس بحث کے مقدمہ میں دکھلا دیے ہوتے تو اتنی  
 طوالت کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی یہ آپؐ کی سبب کا ثبوت ہوئی۔ اور اگر کچھ مفید کار ثبات بھی ہوئی تو صرف اہل  
 اسلام کے لئے جو حضرات ناقیلین یعنی صحابہ اولین کے غلط استنباط اور پھر انھیں حضرات میں بعض بزرگواروں کے صحیح انگشتان  
 سے صحیح واقعات پر کہ اس امر کی حقیقت سے پورے مطمئن ہو گئے لیکن فحی لعین و معتز ضیلین سلام کی تسکین و تشفی تو اس جواب  
 استدلالی سے مطلق نہیں ہوئی کیونکہ وہ آپؐ کی روایت اولین یا آخرین کے غلط استنباط اور غیر صحیح قیاسات کو جواب دہ  
 نہیں۔ وہ تو آپؐ کی کتاب اور آپؐ ہی کی مرویات سے اپنا استدلال پیش کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ آپؐ کی کون کون  
 صحیح ہے اور کون غلط ہے وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ آپؐ کا کون راوی صحیح قیاس و استنباط کرتا ہو اور کون غلط ہے  
 ہم برابر دکھاتے اور بتاتے آتے ہیں کہ فحی لعین اسلام کے مقابلہ میں شبلی صاحب کا یہ طریقہ استدلال کہ ہماری

یہ روایت صحیح ہے اور وہ غلط یہ کتاب مستند ہے۔ وہ غیر مستند۔ ہمارا یہ راوی صحیح قیاس استنباط کرتا ہے اور وہ غلط قیاس استنباط کرتا ہے۔ مخالف کے لئے کبھی حجت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بجائے اس کے اور لوگ انہیں کے احکام و عمل کی مثالیں لیوے زیر بحث کے متعلق انہیں کی کتابوں سے دکھلائی چاہیں اور انہیں کے اقوال و احکام سے ان کو معقول کرنا چاہئے۔ سو جس ہے کہ اگر اس بحث کو ہم بین سے ابھی شروع کر دینگے تو ہمارے سلسلہ بیان میں ذکر قبل از وقت کا نقص پیدا ہو جائیگا اور پھر میرے تمہیدی مضامین بھی شبلی صاحب کی طویل تمہید کے مراد بن جائیں گے۔ اس لئے ہم مخالفین کے جواب میں انبیاء سے سابقین کے احکام و عمل فی الجہاد کی چند مثالیں ذیل میں لکھے دیتے ہیں اس لئے کہ معترضین کا سارا اعتراض ان امور کی نسبت جیسا کہ آپ لکھتے ہیں یہ ہے کہ اشاعت اسلام کو بزور شمشیر ظالمانہ اور جابرانہ طریقہ سے دکھلائیں۔ تو اصل مقصود معترضین کا ہمارے احکام اور عمل فی الجہاد کی شدت اور سختی کا اظہار ہے ہماری مفصلہ ذیل مثالیں قرآن اور احادیث قرآن علیہ السلام کے احکام و عمل فی الجہاد اور ان امور میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علی نبینا و آلہ علیہما السلام کے احکام و عمل فی الجہاد کے باہمی فرق مابہ الامتیاز کو بخوبی متباددینگی اور وہ یہ ہیں۔

سورۃ نصاریٰ کے حکم و عمل | توریت کی کتاب الاعداد باب ۳۱۔ آیت ۱۔ ۴۵ میں مرقوم ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے بنی اسرائیل نے مریان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا۔ ان کی مویشی بھڑیکری اور مال و اسباب کو لوٹ لیا ان کے پانچ بادشاہوں کو قتل کر ڈالا۔ اور ان کے سارے شہروں کو جنہیں وہ رہتے تھے نواد کی سب قلعوں کو جلا کر بھونک دیا۔ پھر موسیٰ بنی اسرائیل پر چھا ہوا اور ان سے کہنے لگا کہ کیا اب تک تم نے سب عورتوں (اسیر شدہ کو) جیتا رکھا ہے۔ تم ان کے بچوں کو جتنے بھی ہوں ایک ایک کر کے قتل کر ڈالو اور ہر ایک ایسی عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہو چکی ہو اس کو جان بھر مار ڈالو لیکن ان میں وہ لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں ہوں ان کو اپنے (مصرف کے) لئے زندہ رکھو۔

فی الجہاد کی مثالیں

یہ تو توریت کے حکم اور عمل فی الجہاد کی مثال کا صوف ایک نمونہ تھا جو دکھلا دیا گیا۔ اب حضرت عیسیٰ کا خاص حکم جہاد

انجیل مقدس میں تبلیغ دین کے متعلق خاص انہیں کی زبانی ملاحظہ ہو۔

انجیل متی۔ باب ۱۰۔ آیت ۳۴ میں مندرج ہے۔

اے بنی اسرائیل۔ یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح لانے آیا ہوں۔ صلح کرنے نہیں

آیا بلکہ تباہ و برباد لانے کو آیا ہوں۔

پھر اپنے آخر و غلطیوں سے ارشاد ہوتا ہے۔ انجیل متی باب ۲۷



کھڑوں اور لتوں اور نقدی کے بدلے ہتھیار خرید کر مسلح ہو جاتے جاؤ۔

ان احکام و عملیات کی موجودگی میں جنگی کثیر السعد و مثالین ہمارے سپیش نظر ہیں اور شکوہ ہم اپنے اپنے مقامات مناسبت  
لکھیں گے کوئی مخالف اسلام ہو۔ یسوی یا عیسائی۔ ہمارے رسول برحق۔ رحمت مطلق کے احکام و عمل فی الجہاد کی مثالوں پر  
جہاد کے مقابلہ میں اذیت نہیں رحمت۔ انتقام نہیں عین انعام ثابت ہوتے ہیں۔ مومنہ نہیں کہوں سکتے وہ اپنی انصاف  
کی زبان سے کہیں اور تبارک و تعالیٰ جو حضرت موسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام نے کفار کے ساتھ جہاد میں اختیار کیا اور  
مخلوبین کے ساتھ انتقام لینے کے لئے جو احکام بنی اسرائیل کو پہنچائے کیا اس امر کی تصدیق نہیں کرتے کہ مذہب  
موسوی بڑا شریف و پاکیزہ ہے بطور احتجاج ان کو تبارک و تعالیٰ دیتے ہیں کہ اگر وہ ان مثالوں پر تعصب و نفسانیت سے نہیں  
عدالت و دیانت سے غور کریں گے تو ان کو حضرت موسیٰ کے اس عمل و حکم و شریعت کا اعتراف کرنا پڑے گا اور اسی اقرار و اعتراف کو سچا  
اور کوا سلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے نرم اور مترجمانہ طریقہ اجتہاد پر جو نہایت صفائی کے ساتھ ہر معرکہ جنگ  
میں بالکل مافحانہ ثابت ہوتے چلے آئے ہیں نہ جارحانہ محاصرانہ کسی قسم کے اعتراض کا کوئی حق باقی نہیں رہے گا۔  
یہ تو حضرت موسیٰ کو عمل جہاد کی مثال تھی اس طرح عیسائی معتزین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرقومہ بالا احکام کو نظر  
انصاف سے دیکھا کرتے ہیں کہ آپ کے اس حکم سے جو تبلیغ دین کے ابتداء ہی میں فرمایا گیا تھا کہ میں تم میں صلح کرانے نہیں  
آیا بلکہ تلوار چلاؤں آیا ہوں۔ کیا یہ اس حکم سے یقینی طور پر مستفاد نہیں ہوتا کہ اگر حضرت عیسیٰ کو ضرورت تبلیغ دین اور  
تاسیس ملک و قوم کی غرض سے کافروں اور دین الہی کے منکروں کے مقابلہ میں جہاد کا موقع ملتا تو وہ کس شدت اور  
سختی کے ساتھ تلوار چلا دیتے۔ کیا کوئی شخص بعد اسکے کہ آپ خود فرما چکے ہیں مجھے صلح کی امید نہ رکھو۔ میں روئے زمین  
پر صلح کرانے نہیں آیا۔ پھر آپ کی ذات مقدس سے ان خود بالشد بندگان الہی کے طبقہ عام میں امن و امان یا صلح طلبانہ  
کی کون تو توقع کر سکتا تھا؟ بخلاف ان احکام کے سید المرسلین رحمۃ اللہ علیہم کی تبلیغ دین کے واقعات کو آغاز سے دیکھو  
پڑھو اور غور کرو تو ثابت ہوتا ہے کہ جس دین کی تبلیغ کی آپ ابتداء فرماتے ہیں اس کا نام ہی اسلام ہے جسکے معنی  
سلامتی عام ہے۔ اور مسلم کی حقیقی تعریف یہی ہے ومن استسلم من بیداء ولسانہ مسلمان واصل وہی ہو جسکے  
دست و زبان سے لوگ صحیح و سلامت رہیں۔

ہم ہمارے دیگر احتجاج کے طور پر تمام عیسائی مورخین اور یورپین محققین سے استفسار کرتے ہیں کہ کیا وہ اسلام کی  
کسی معتبر یا غیر معتبر کتاب سے ثابت کر سکتے ہیں کہ فاتحین اسلام نے کسی معرکہ میں اپنے مخلوبین کے اہل و عیال کے  
ساتھ ایسے ظالمانہ اور جارحانہ برتاؤ کئے ہیں جیسے بنی اسرائیل نے اہل میان کے بال بچوں کے ساتھ اختیار کئے۔ اور

۵۔ یہود نصاریٰ از ان احکام توبت و انجیل کی شدت سختی کو جن معیون میں نہ لیں اور انکی جو مایوسیاں نہ فہم کریں۔ انکے لئے اہل اسلام  
جوابہ نہیں ہو سکتے لیکن مسلمانوں کے عقائد میں یہ احکام ہمیشہ مشاقت و دشمنی تھے۔ جو ان کفار ان قوم اور دشمنان الہی کی کفر و ایمان اور

جب تک وہ ایسی مثالیں کتب اسلام سے زمانہ رسول میں عمل فی الجہاد کی نہیں دکھلاتے اور نہ کتنا اور اتنا پڑ لگا کہ جہاد میں حضرت موسیٰ کے طرز عمل سے پیغمبر عرب کے مسالک ترجیح۔ رعایات اور انسانی ہمدردی پر زیادہ اور بدرجہ اولیٰ مبنی تھے ایسی صورت حال میں معتصرین کے تمام اعتراضات خود انہیں کے اسلاف کی حرکات و عملیات پر عاید حال ہونے ہیں اور اسلام کا دامن ان تمام الزامات سے بالکل پاک و صاف ہے۔

بیان تک تو ہم نے شبلی صاحب کی غیر مفید تمہید کی تنقید لکھی۔ اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ شبلی صاحب غزوات رسول کے اسباب و علل فہم کرتے ہیں۔ اور اپنے اس مدعا کی تصریح و تفصیل میں اصل مقصد اتنا دور جا پڑے ہیں۔ جیسا کہ مرقومہ بالا بحث سے ظاہر ہوا۔ لیکن وقوع غزوات کی جو ضرورتیں اور محرکات ہیں ان کی کئی کئی ہیں وہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہیں اور وہی اسلامی تاریخ و حدیث کی کتابوں میں بھی مرقوم ہیں۔

لیکن تاہم ان توجہات کی تصریحات میں نقص رہ گیا ہے کہ ان تمام غزوات و سرایات۔ حملات قریش کو تحس و تماش اور غزوات یمن کے واقعات پر محمول فرمائے گئے ہیں حالانکہ علی الاکثر انہیں ایسے غزوات پائے جاتے ہیں

بقیہ حاشیہ گزشتہ اور بدکاریوں کی صورت سنہ میں اوپر نازل ہوئے ۵۰ الفضاں کیا گیا مکافات نہیں۔ حضرت موسیٰ کو جن کفار کے ساتھ اس سختی سے جہاد کا حکم نازل ہوا وہ اپنی شامت اعمالیوں سے ایسے ہی بدکار ہو گئے اور ان کی بدکاریاں بھی ایسی ہی درجہ انتہا پر پہنچی ہوئی ہو گئی کہ خدا نے ان کو بھی جو ابتداء آفرینش عالم کو اس وقت تک کافروں کو نزول عذاب میں برابر ہمت دیا رہا جیسا کہ اہم سابقہ کے واقعات اور سوئحات سے ثابت ہو سکتی ہیں۔ ان کے اب اس قوم کی بدکاری اور کفر و داری اور اس اہم الراحمین کے نزدیک ذرا بھی رحم و رعایت کے قابل نہیں تھے اور حقیقتاً ان کی نسل کا باقی رکنا ہی دنیا میں بدگمان الہی کے لئے ہزاروں مفسد کا یقینی باعث تھا۔ اسی وجہ سے اس صورت عمل فی الجہاد میں ان کے کامل استیصال کا علی الاعلان فرمان دیدیا گیا۔ جو تنظیم و یقین۔ تاسیس قوم و ملک اور ترتیب اخلاق و تہذیب۔ غرض ہر طریقہ اور فریضہ بالکل صحیح اور جائز تھا بالکل اس طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم کا وہ ارشاد جو ادرکھا گیا ہے اس موقع۔ ضرورت اور اس ناشناختہ قوم یہود کی صفات اور تفاوت پورا مطابق ہو جاتا ہے جن لوگوں نے کتب سابقہ میں حضرت عیسیٰ اور یہود کے حالات پڑھے ہیں وہ بخوبی واقف ہیں کہ اس گمراہ اور ناشناختہ قوم یہود نے ایک دن بھی آپ کے ارشاد و تعلیم کو توجہ اور التفات کے کاٹوں سے نہ سنا۔ آخر کار عیسائیوں کے عقائد کے مطابق آپ کو صلیب کر دیا۔ ایسی کافر کیش اور خونخوار قوم کی بدکاریوں کے مقابلہ میں آپ کا یہ ارشاد ان کی تباہی و بربادی کی بالکل سچی اور مطابق واقع پیشین گوئی ہے۔ جو دو صدی بعد عیسوی سے لیکر تیسری اور چوتھی صدی عیسوی تک طرطولین۔ قسطنطنین اور سلاطین انطاکیہ عیسائی حکمرانوں کی خونخوار تلواروں سے اس قوم کے تمام لوگوں کو اوٹھانا پڑا۔ اس بنا پر جو اس نبی برحق نے فرمادیا وہ اس خونخوار اور کفار قوم کے لئے آگیا۔

المولف سید اولاد حیدر

جو اقوام و قبائل گرد و نواح سے اسلام کے ساتھ شریک معاہدہ ہونے کی غرض خاص سے اختیار فرمائے گئے تھے۔ ان امور کی توضیح و تفتیح کے لئے جب تک پھر اس مقدس عہد نامہ کی بعض خاص شرائط کی نہ تفصیل کی جائے۔ جسکو ہم اوپر لکھ چکے ہیں تب تک ان امور کی حقیقت کا پورا انکشاف و شواہد ہے۔ اس لئے ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں اس مبارک عہد نامہ کی بعض شرائط کی تفصیل حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

پہلے اس مقدس معاہدہ کی ایک شرط خاص بھی تھی و ان الجار کا النفس غیر مضاد ولا الشہر ہمسایہ تو میں بھی معاہدہ تو میں کے برابر بھی جائیں گی تا وہ قبیلہ اپنے لئے ضرر نہ ہو اور خدا کی گنگنا نہ ثابت ہوں۔ اس شرط کی بنا پر ضرورت تھا کہ ان سے بھی داخل معاہدہ ہونے کے لئے سلسلہ خیابانی کی جائے۔ ایک تو امن و امان اور صلح و آشتی کے عام انتظام کے استحکام کی ضرورت سے اور دوسری قریش کی خاصانہ فریب دہی و سازش سے محفوظ رکھنے کی مصلحت سے گرد و پیش کی قوموں کو اس معاہدے میں شریک کر لینا نہایت ضروری تھا۔ اسکی تعمیل تکمیل میں اتنی اہمیت تھی کہ ان میں سے اکثر نمودار اور ممتاز قبائل کے پاس خدا کا پیغمبر حق یا النفس النفیس صلح عام کے پیغام لیکر گیا اور ان میں سے جو اتنی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ انکی تعمیل کے لئے بھی بھیج دیے جاتے تھے۔ اسی تخصیص عملی کی بنا پر ارباب سیرت و حدیث نے۔ رسول اللہ صلعم کی موجودگی والے واقعات کو اپنی اصطلاح خاص میں غزوات کے نام سے لکھا ہے اور جن میں آپ موجود نہ تھے۔ انکو سردا کیا۔ ہم اپنے موجودہ بیان میں صرف غزوہ کی تفصیل شمال کی ضرورت سے مندرج کرتے ہیں۔

غزوات میں بالاتفاق تاریخ وحدیث غزوہ دوان یا غزوہ ابوا۔ جو اسی کا دوسرا نام ہے۔ پہلا غزوہ رسولی بتلایا گیا ہے۔

غزوہ دوان قبیلہ بنی حمزہ بن کعب بن عبد مناف موضع دوان میں مقیم تھا۔ دوان۔ جحفہ سے ایک دن کی راہ پر واقع ہے۔ عنبرہ ابو۔ مقام ابواہان سے کم و بیش آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے جہاں آپ کی والدہ ماجدہ علیہ کرمہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کا مزار مقدس ہے اور مدینہ منورہ بیان سے اتنی میل ہے۔ یہاں بنی حمزہ اور بنو فزیرہ کے قبائل قریب ہی قریب مختلف قطعات رگیان میں آباد تھے۔ اس بنا پر ان دونوں قبیلوں کی بیکار شرکت ضروری تھی۔ اسی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالنفس النفیس مدینہ سے معدومے چند اصحاب کے ہمراہ اتنی میل تک کی زحمت سفر گواہان وائی دوان میں پہنچے۔ قبائل سے ملے اور معاہدے کے متعلق گفتگو کی چونکہ تمام باتیں صفائی اور سچائی کے ساتھ کی گئیں اس لئے دونوں قبائل سہارے معاہدے پر فوراً راضی ہو گئے۔ دونوں قومین کے سردار و حکمران عمر بن مخشرہ القری نے معاہدہ لکھا کر اپنے اور اپنی تمام قوم و قبیلہ کی طرف سے دستخط کروے۔ اس معاہدے کے الفاظ یہ تھے۔

یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے بنو حمزہ کو لئے۔ ان لوگوں کا جان و مال محفوظ رکھنا جو شخص ان پر حملہ کرے یا ان کے مقابلہ میں انکی مدد کرے یا انکی بھڑا دے صورت کے کہ یہ لوگ نہایت مقابلہ میں نہیں اور پیغمبر حب انکو مدد کے لئے بلائیں گے تو یہ فوراً

هذا کتاب من محمد رسول الله لبي حمزة انهم امنوا على الموالهم وانفسهم وان لهم النصر على من اعداهم ان يحاربوا في ذنوبهم ما بل غير صورته وان النبي لا ادعاهم

پلے آئیں گے۔ زرقانی جو اردن والے مسیحی ص ۴۴

لنصرہ اجابہ۔

غزوہ بواط انھیں کے ایسا بواط کے کوہستانی قبائل کے ساتھ بھی معاہدہ کیا گیا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خاص ۱۲ ربیع الاولیٰ مسیحی کو ادن کے مرکزی مقام رضویٰ تک تشریف لے گئے۔ ان اطراف میں قبائل جہنی آباد تھے اور ان کے تمام سرداران قوم کو جمع کر کے شرائط و فوائد عہد نامہ سمجھائے اور ان کو بھی شریک معاہدہ فرمایا گیا۔

غزوہ جہادی آخر مسیحی بن بنو مدیج کے قبیلہ کو شریک معاہدہ کر لیا گیا۔ اسکی تفصیل کیفیت یہ ہے مدینہ کے قریب ذوالعشیرہ جو ان کے تمام قبائل بن بنو مدیج کا قبیلہ امتیاز خاص رکھتا تھا۔ وہ کثیر العدد بھی تھے۔ اور خوشحال و صاحب بدو بھی۔ ذوالعشیرہ کا ان کا مقام سکونت تھا جو مینوئع اور مدینہ کے درمیان واقع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متارین صحابہ کے ساتھ خود تشریف لے گئے سرداران قوم کو جمع کر کے جب ان کو اس معاہدہ کے فوائد و منافع سمجھائے تو یہ لوگ بھی فوراً آپ کے ساتھ اس معاہدے میں شریک ہو گئے۔

اسی مقام میں حضرت علی مرتضیٰ کی کنیت ابو تراب قرار پائی۔ امام قسطلانی۔ زرقانی اور ابن ہشام کنیت ابو تراب قرار پائی۔ و طبری اور اباب حدیث و تاریخ باتفاق خود اس کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں۔

محمد بن یزید بن محمد بن خشیم الطحاذی عن محمد بن کعب القرظی عن محمد بن خشیم ابو یزید عن عمار بن یاسر قال كنت انا وعلی بن ابی طالب رفيقین فی غزوہ العشیرہ فلما نزلہا رسول اللہ صلعم و اقام بھا دأینا انا و سابی مدیج یعملون فی عین لہم و فی نخل فقال علی بن ابیطالب یا ابا البیقظان هل الت فی ان ناتی ہکلاء القوم فنظر کیف یعملون قال قلت ان شئت قال فجئنا ہم فنظروا الی عملہم ساعۃ ثم غننا النوم فانطلقت انا وعلی حتی اضبطعنا فی الصور من النخل و فی قبا من التراب فتمنا فواللہ ما اھبنا الا رسول اللہ صلعم کما برحبہ و قد ترمنا من تلك الوقاء التي تمنایہ فی مؤید قال رسول صلعم لعلی بن ابی طالب قویا باقرب لما یوی علیہ من التراب ثم قال لا احد تکما یا شقی الناس رجلین قلنا بلی یا رسول اللہ قال اجمروا الذی

محمد بن کعب قرظی سے اور وہ ابو یزید سے اور وہ عمار بن یاسر سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار نے کہا کہ ہم اور حضرت علی بن ابیطالب غزوہ ذوالعشیرہ میں ساتھ تھے حسب خیال ہو کر صلعم بیان تشریف لائے اور ہم ہوتے تو ہلوگوں نے وہاں بنی مدیج کو لوگوں کو اپنی چشمہ کی نخلستان میں کام کرتے ہوئے دیکھا تو علی ابن ابیطالب نے مجھے کہا کہ اے ابو بیقظان کنیت عمار بن یاسر کیا تم یہ دیکھنا نہیں چاہتے کہ یہ لوگ کس طرح اپنی نخلستان میں کام کر رہے ہیں میں نے کہا ہاں میں ضرور دیکھنا چاہتا ہوں یہ کنگرہم دونوں آدمی اون لوگوں تک گئے اور تھوڑی دیر تک اونکو کانٹوں کے پتوں پہ بڑھ کر کھڑے ہوئے تو ہم لوگ وہاں سے واپس آئے اور ایک درخت نیچے تنگی زمین پر بیٹ گئے اور سو گئے اور پھر اتنی دیر تک سوئے رہے کہ آنحضرت صلعم نے اکر اور اپنے پائے مبارک سے ٹھکرا کر ہم دونوں کو جگایا اور ہم لوگوں کے جسم سے گرد و غبار جو بھر گیا اتنا دور فرمایا۔ پھر ہم دونوں کو جگایا کہہ کر ارشاد کیا کہ تم چاہتے ہو ہم تم دونوں کو دنیا کے خوشی ترین مردم کے حال سے آگاہ کریں۔ ہم نے عرض کی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا دنیا میں



حضرت ابراہیمؑ والذی بصرہ متبع علی علی ہذا و وضعہ علی  
ملی قریہ حتی یصل منها ہذا و اخذہ لکھیتہ۔

ابن ہشام جابر دوم۔ مصر ص ۶

و شخص شہر قرین بن ایک تو اسیر خود جوناہ صلیح۔ قبائل گندلہ اور علی کی طرف  
خطاب کر کے وہ شخص وہ ہے اعلیٰ جو تم پر غلبہ کرے گا اور یہ  
کس کو آپ نے حضرت علی علیہ السلام کے سر پر پٹہ لگا کر

وضع ضرب کو تبا دیا۔ پھر قریش مبارک ہاتھوں سے تمام گرفتار یا کہ تمہاری ریش بھی حضرت کے خون سے رنگیں ہو جائے گی۔

یورپ کے متعصبین مونیمن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف اس تنظیم و تاسیس ملک و قوم کو انصاف  
کی ٹھنڈی نگاہوں سے دیکھیں تو وہ بلا تحریک خود یقین کر لیں گے کہ جس مقدس زبرگوار کو وہ تلوار سے دین پھیلانے کے لیے طریم  
ٹھہراتے ہیں۔ وہ تو اپنی ابتدا سے تبلیغ سے بندگان الہی میں امن و امان اور صلح و امانی کے خود جا کر انتظام کر رہا ہے۔

یہاں تو حرمہ للعلیین روئے زمین پر بندگان الہی کو تباہی و بربادی سے بچانے۔ ان کو عام صلح و آرام کی راہوں پر لگانے  
لئے بالنفس النفس دور دراز سفر کی زمین اڑھا کر یہ انتظام اہتمام کر رہا تھا۔ وہاں یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ آپ کے جان و ایمان  
کے مخالف کفار قریش کن خیالوں میں تھے اور کیا سامان کر رہے تھے۔

قریش کی مکہ و اندلس قریش | تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یمن اوسوت جب آپ نواح مدینہ میں امن و امان عام کرنا انتظام  
قائم کر رہے تھے۔ قبائل کی خانہ جنگیاں رشب و روز کی خونریزی میں موقوف فرما رہے تھے۔ ملک و قوم میں رفع فساد و السلام  
کر رہے تھے اوسوقت مکہ اور دور دور تک اطراف و جوانب میں کفار قریش معاہدہ اتحاد و اتفاق کے عوض میں نفاق و فساد  
امن عام اور صلح و آرام کی جگہ مخالفت اسلام اور مسلمانوں کے قتل عام کی آگ پھیلا رہے تھے۔ ان کی تمام مغویانہ اشتعال و  
تحریکات کافر اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کی طرف تھا۔ حالانکہ اسلام کامل چودہ برس تک ان کے سخت ترین مظالم و غیر  
استقامت سے برواشت کر کے ان سے تین سو سال کی مسافت پر دور کرنا گزین ہوا تھا۔ جان و مال کے قوم کے لوگ  
نہ ان کا ملک و دیار تھا اور نہ ان سے کوئی کاروبار تھا لیکن اس لیے تعلق اور بے سوکاری پر بھی کفار مکہ اور مشرکین قریش کے دلوں سے  
اسلام کی مخالفت کا کاٹا نہیں نکلتا تھا۔ مخالفت اسلام تو ان اشقیائے انبی کے دلوں سے لگی تھی اور وہ سب کے سب  
ہر وقت اسلام کے مقابلے کی فکر میں ہیں بہترین مصروف رہتے تھے قریش اس معاندہ مقدسہ کے انتظام کو سن کر پہلے سے بھی  
زیادہ چلچل پام ہو گئے۔ اور مکہ سے مکہ کر مدینہ تک کے تقریباً تمام قبائل و عشائر اسلام کے خلاف اپنی مفسدہ انگریزوں کے  
جہل پھیلانے لگے۔

عبداللہ بن ابی سلول | قریش نے سب سے پہلے یہودان مدینہ کو ایک طرف اور بھارتنا چاہا۔ دوسری طرف عبداللہ بن ابی سلول  
کے ذریعہ سے انصار کے مسلمان قبیلوں میں نفاق پھیلانے کی کوشش کی یہودان مدینہ کی سازش سے چونکہ قبیلہ  
انصار کی نا اتفاقی استحکام اسلام کے لئے زیادہ مضرت ثابت ہوئی تھی اس لئے ہم سب سے پہلے عبداللہ بن ابی سلول  
کی سازش کے حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

سوا و تمدان انصار میں جو آتش و خورج کی نسل کے نامور یادگار تھے۔ عبداللہ بن ابی سلول وہ بدبخت تھا جو اپنے چند

یہ قسمت ہمارے یوں کے ساتھ ابھی تک ہوت اسلام سے محروم تھا۔ حقیقت میں شخص بڑی چال باز اور جبار تھا اور انتہا اور بے رحمی کا  
 فتنہ پرواز۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ اپنی چالاکوں اور فریب باز یوں کی بدولت انصار کے تمام قبیلہ کو ایک گونہ اپنے قابو میں  
 کر لیا تھا۔ اور اس کا یہ اثر کچھ انصار ہی کے قبیلوں تک محدود نہیں تھا بلکہ عام باشندگان مدینہ بھی اس کے اثر سے خالی نہیں تھے  
 جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اس کو اپنی ذمی اثری اور ذمی اقتداری پر پوری امید تھی کہ  
 اس سے جو خرچ اندرون قبیلوں کی قوت واحد ایک دن میری ہی ذات میں جمع ہو جائیگی۔ اور اس کے تمام قوت و اقتدار کا مرکز کبھی  
 یہی ہی ذات تسلیم کی جائیگی۔ یا پھر مدینہ کی بعض مزیات سے اس کے عروج و اقبال کی یہاں تک حالت پہنچی ہوگی معلوم ہے  
 ہے کہ جس سال مدینہ میں نزول اسلام ہوا اسی سال انصار کے دونوں قبیلوں میں اس کے سوا اور قبیلہ مقرر کرنے کا نیکو بہت  
 بڑی مجلس ہونے والی تھی لیکن اسے بے آرزو دکھنا شروع۔ اسلام کے متبرک کے آگے اس کی تمام تمناؤں کا خاتمہ ہو گیا جب  
 اسے دیکھا کہ اس خیریت کے تمام افراد قبیلہ ہی مفاخرت اور حسن عقیدت سے شرف باسلام ہو رہے ہیں اور اب ان میں  
 سے کوئی بھی اس کی طرف نگاہ توجہ نہیں کرتا۔ تو کوئی لڑا ہوا اسلام کا مطیع بن گیا اور اس میں رہا کہ اگر قبائل انصار سے میرا اثر جانا  
 رہا تو قبائل یہود پر بھی دیا ہی اثر پاتی ہے اور یہ وہ ہے اسلام کی اطاعت، بالکل خلاف اُمید ہے اس لئے نصف کیا بلکہ زائد  
 حصہ آہوئی۔ بینکی حکومت میرے قبضہ اختیار و اقتدار سے کبھی جانے والی نہیں ہے مگر تو توڑی دونوں کے بعد جب یہ وہ بھی  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ صلح میں شریک ہو گئے تو اس کی یہی سہی امید بھی جانی رہی اور وہ دونوں  
 طرف سے مایوس ہو گیا۔

ان متواتر نا کامیوں اور مایوسیوں کے بعد بھی وہ اپنی چالوں سے باز نہ آیا۔ وہ بڑی چالاک کی سوا اس اسلام کا ہتھیال  
 ہم کلام بنارہا۔ اس لئے کہ اس ظاہری اتفاق سے مسلمانوں اور یہودیوں میں اس کا اعتبار بن رہا ہے گا لیکن جب موقع پاتا  
 تھا تو یہودیوں اور دیگر قبیلہ والوں کو اسلام کے خلاف اور بھارتا کرتا تھا قریش کو عبداللہ بن ابی سلول کے اس رویہ کی خبر  
 ملی تو وہ تو ان ذرائع پر ہمیشہ گوش برآواز تھے۔ اور اپنی تمام فالغانہ اور منویانہ ترکیبوں کا اسی کو اپنا آلہ بنایا۔ اور مدینہ  
 میں یہودیوں سے پہلے اسی کو منعمون ذیل کا خط لکھا۔

تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں تھیرا لیا ہے۔ اب تمہارا فریضہ یہ ہے  
 کہ تم ہماری طرف سے ہو کر اس سے لڑو اور اگر اس پر قدرت نہیں رکھتے تو اپنے  
 شہر اور اپنے قبیلہ سے اس کو باہر نکال دو۔ ورنہ مجھ کو کہ قریش نے اکٹھا

انکہ اویتم صاحبنا وانا نفسم باللہ لنقاتلنہ او  
 نخرجہ منہ اولستین الیکو باجمنا حنہ نقتل مقاتلکم  
 نستیع نساکم۔ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۴ باب التفسیر

ہو کر تم کھالی ہے کہ ہم سب مل کر تمہارے شہر اور تمہارے قبائل پر حملہ کر دیں گے۔ تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو  
 اپنے قبضہ میں لائیں گے۔

یوانہ راہوئے بس است۔ اتنی اشتعال پر عبداللہ بن ابی چراغ پا ہو گیا۔ اور اپنے ہمارے یوں کے ساتھ فوراً مسلمانوں کی

عارف و تباہی اور کشت خون پر آمادہ ہو گیا۔ آئین کوئی کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدائے انتظام امن عام کے لئے یہ مفسدہ انگیزی کس حد تک مضرت راجح ہوتی۔ مگر مصلح عالم نے فوراً اصلاح کر لی۔ وہ خلقِ مجسم یہ خبر پا کر فوراً بالانفس انفس عبداللہ بن ابی کے پاس چلا آیا۔ اور اسکو سمجھایا اور فمائش کے طور پر نہایت متانت سے ارشاد فرمایا کہ کیا تم خود اپنے بھائیوں اور بیویوں لائے اور انکے خون کے گرنے پر آمادہ ہو کیا یہ خبر سچ ہے کہ تم ان سے لڑو گے؟ حقیقت کے یہ دو خیلے کافی تھے۔ عبداللہ اصل مدعا کو سمجھ گیا اور پھر قریش کے خط کی طرف ذرا بھی متوجہ نہ ہوا۔

یہ بین رسالت کے حقیقی اور ردِ عالمی تاثر جنہوں نے چشمِ زون میں قریش کے فریب اور عبداللہ بن ابی کے ارادوں کو بالکل بے اثر کر دیا۔ اگر تباہی میں عبداللہ اس مفسدہ انگیزی سے باز رکھا جاتا تو جانیبن سے تلواریں کھینچ کر اسلام آج ہی تمام ہو جاتا۔

اسوۃ عبداللہ بن ابی سلول نے بظاہر اسلام سے اپنی صفائی کر لی۔ لیکن اس کے دل میں اسلام کی طرف سے کئی لگی کی لگی رہی۔ غزوہ بدر سے چند روز پیشتر قبیلہ بنو الحارث میں تشریف لے جانے کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت رسولؐ کی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیرت برقرار ہو کر مدو سے چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلے۔ رستہ میں ایک مقام پر عبداللہ بن ابی۔ اپنے گروہ منافقین کے ساتھ جن میں یہودان مدینہ بھی داخل تھے۔ اور بعض مسلمان بھی شامل تھے بیٹھنا تھا آپ کی سواری اس کے پاس سے ہو کر گذری۔ تو اس نے بنظرِ کراہت اپنے مومنہ پر کپڑا ڈال لیا۔ حقارت کے طعنے آمیز لہجہ میں کہا۔ محمد! کہو نہ اور! آنحضرت صلعم نے فوراً سواری روک لی۔ مجمع کو سلام کیا۔ اس کے بعد قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر انہیں عبداللہ کو اور بھی برا معلوم ہوا۔ کہنے لگا اسے شخص مجھے یہ ہرگز پسند نہیں۔ اگر تمہارا کلام سچ ہی ہو تو اسکو ہمارے مجلس میں نہ پڑھا کر۔ اس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ ہاں جو کوئی تمہارے پاس جائے اسے تم البتہ سنایا کرو آپ کو ہر یہود ان کا اس منافق کے ان حقارت آمیز کلام پر سخت طیش آگیا۔ فوراً سب کے سب دست بقبضہ ہو گئے۔ لیکن رحمتِ عالم نے خلقِ مجسم کی پوری شان دکھلا دی اور فوراً جانیبن میں صفائی کر دی۔ بخاری باب السلام علی جماعت جنہا المسلمون الکافر۔

یہودیوں سے قریش جب عبداللہ بن سلول سے مخالفت اسلام کی ترکیب چلتی نظر نہ آئی۔ تو قریش نے خفیہ طور پر یہودان کی خفیہ سازش مدینہ سے اپنی سازشوں کی ریشہ دوانیاں آغاز کیں اور اس میں انہیں کامیابی ہوئی۔ جیسا کہ ماسلاما یہود سے آئندہ معلوم ہو گا۔ یہ عمدہ شکن اور غدار قوم حضرت موسیٰ ؑ کے وقت ہی سے عمدہ شکنی اور خلاف وعدگی مکاری اور جھلساری کے لئے ہر نام چلی آتی ہے۔ ان لوگوں سے ان اقسام کی کارروائی اور بیوفائی خلاف امید نہیں ہو سکتی۔

مسلمانوں کو وہی کفار قریش جب یہودان مدینہ کو اپنے دام میں لالچکے تو انکی غماصانہ پرجوشی اور خصوصاً اس سازش میں انکی کامیابی۔ اپنے راز کو چھپانہ سکی۔ انہوں نے بڑے زوروں میں اپنے مقوم و قبیلہ مہاجرین سے کہلا بھیجا کہ کہیں تم انصار مدینہ کے بل بوتے پر نہ مغرور ہو جانا۔ اور یہ نہ سمجھنا کہ تم مکہ سے جان بچا کر صاف نکل آئے ہیں۔ ہم مدینہ ہی میں آکر

مسا را نام و نشان مٹا دالین گئے۔ جزۃ العالین ص ۱۰۰ ج ۱

اس پیغام انتقام کو پاکر اہل اسلام خسرو و املاہ اون کی طرف سے پہلے سے زیادہ ہوشیار ہو گئے۔

حملات قریش کے خطرے، یہودیوں سے ساز باز کے شرکین قریش نے اپنی مغرور انگیزہ کو عملی صورت میں لے آئی کی یہ ترکیب اور معاہدہ قوموں کی فطرت نکالی کہ سو سو پچاس پچاس آدمیوں کی مختلف ٹکڑیاں بنانا کر اون قبائل پر چھاپ مارنے لڑنے

اور اون کے جان و مال کو غارت کرنے کے لئے روانہ کرنی شروع کر دیں جو اسلام کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو چکے تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ان خونریز حملات کی خبر ملی تو آپ نے مشائخ و ائمہ مدہ کے مطابق اون تمام قبائل کی حفاظت و حمایت جان و مال کی غرض خاص سے صحابہ کی جہوٹی جہوٹی جماعتیں بنا کر روانہ کیں جس کی صواب نے

ان تمام سرایا کی تفصیل بطور اجمال ایک ہی مقام پر کر دی ہے۔ اس لئے کہ آپ غزوات و سرایات کی داستان کو بلند آہنگی

اور وسیع البیان سے سننا نہیں چاہتے اور وہ اس خاص سبب سے کہ یورپ اس کو طرے شوق سے سنتا ہے۔

(دیکھو ترمذیہ سلسلہ غزوات سیرت النبی ص ۲۰ جلد اول)

لیکن اسلام بادل و رومن آپ سے یورپ : اون دونوں سے بزبان حال کہتا ہے۔

دوست ان غمزدہ دل خوش ہیں آون تو کہون چہ سینے والا کوئی پہلو میں بھٹا لون تو کہون

غزوات رسول کی طرح سرایا کی تفصیل حقیقت بھی سیرت و تاریخ کی تمام اسلامی کتابوں میں درج ہے اور

سرایا کے حالات و واقعات علیحدہ علیحدہ تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں لیکن شبلی صاحب اس کی تفصیل کرنا نہیں چاہتے

اس لئے ہم بھی اونہیں کے قدم قدم چلتے ہیں اور اجمالاً جو کچھ ان سرایا کے متعلق تحریر فرمایا گیا ہے اسی کو حرف بحرف

ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ابوہ کی مہم سے پہلے جو صفر سیرت میں واقع ہوا ہے۔ اور جس میں آپ نے خود شرکت فرمائی ہے۔ اور آپ

سیرت میں مہم کا ذکر کیا ہے۔ جنکو ان کی زبان (اصطلاح) میں سیرت کہتے ہیں۔ سیرت حمزہ ۲ سیرت عبیدہ

بن الحارث اور سیرت سعد بن وقاص۔ لیکن انہیں سے کسی مہم میں کوئی کشت و خون نہیں ہوا۔ یا بیچ بچاؤ ہو گیا۔

باجیکر نکل آئے سیرۃ النبی ص ۲۲۹ ج ۱

لیکن قریش کی سفاک شریر اور بیباک قوم ایسی کیا تھی جو اس روک تھام اور بیچ بچاؤ کے معاملات کو اپنے خیال میں

لائی۔ اونکی سفلگی از لوی اور بیباکی۔ اونکی خونخواری اور مردم آزاری۔ ویسی ہی کی ویسی ہی بنی رہی استیصال اسلام کا

جنوں اور مسلمانوں کا قتل عام اور بیگناہ خون اونکی گزروں پر سوار تھا اور وہ اپنی ان بدستیتوں اور بدکاریوں کے نشہ

میں اندھے بنے ہوئے اور برابر بڑھتے ہیئے بدینہ کی طرف چلے آ رہے تھے۔ جن سے کہہ اور مکہ سے عقبہ تک گویا بدینہ تک

کی نصف راہ میں جتنے قوم و قبیلے آباد تھے سب کو اپنا مطیع و مشرک بنا لئے۔ اتنی دور میں گروہ نواح کے یہود



ایسے قبائل جو اسلام کی مخالفت پر سیرج راہنی نہ ہو سکے اور محض غیر جانبدارانہ طریقہ پر قائم رہے وہ بھی ان کے دست نظر سے نہ چھوٹے جب ان پر بادشاہ نے کا کوئی پہلو نہ ملا تو ان غریبوں کی راہیں مسدود کر دیں اس لیے کہ وہ اہل مدینہ کو آلودہ وقت نہ رکھ سکیں۔ ان کے یہ ظالمانہ نہروست ایک مدت تک قائم رہے اور فتح مکہ کے بعد ان کے راستے ٹھکے چنانچہ جب سندہ ہجری میں ہجرت سے بنی عبدالغیس کی سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی تو ان لوگوں نے آنحضرت صلعم سے عرض کی مضر کے قبائل جو ہماری راہوں میں حائل ہیں ہم کو آپ کی خدمت تک نہیں آنے دیتے۔ اس لئے ہم صرف ایام حج میں جب کہ عموماً انرا بیان موقوف ہو جاتی ہیں شرف زیارت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ایام میں حصول زیارت سے ہم مجبور ہیں

بخاری۔ ذکر وفد عبدالغیس

ظالمان قریش کی انہیں انتظامات سے اونکی تسنائی مخالفت کا پورا اندازہ کر لیا جاسکتا ہے۔ ان ظالمانہ انتظاموں کو درست کر کے وہ یہودیوں کی سازش اور اس غدار قوم کی مضبوطی پر اتنے جری ہو گئے کہ اونکی غارتگر جماعت مدینہ کے قریب پہونچ کر قرانی اور غارتگری کے مفادات برپا کرنے لگی۔

کرزین جابر القری | ربیع الاول سندہ ہجری میں انہیں قرآن قریش میں سے ایک غارتگر جس کا نام کرزین جابر القری تھا کا مدینہ پر حملہ اپنے جتھے کے ساتھ بڑا ہوا اور اس سندہ بہرین لوٹ مار کرتا ہوا نجدستان مدینہ تک پہونچ گیا اور باشندگان مدینہ کی موشیان جو باہر میدانوں میں ٹھٹی چر رہی تھیں دوٹ کر دیگیا۔ اور نجدستان مدینہ میں آگ جلا کر بہت سے اشجار شتر کو خاک سپاہ کر دیا۔ چونکہ اہل مدینہ کو اس غارتگر کے یوں آجانے اور چاہا پہ مارنے کا ذرا بھی پہلے سے خیال و احساس نہ تھا۔ اس لئے وہ اپنی غنیمت کے ساتھ صاف نکل گیا۔ گو یہ مدینہ والوں کو اپنی جرأت و دلیری اور طاقت دکھلا گیا کہ ہم ایسے ہیں کہ تین سو میل کا دھارا کر کے تمہارے گھروں تک پہونچ سکتے ہیں۔ اور تم کو کان خبر بھی نہیں ہو سکتی۔ تاریخ و احادیث کا اس پر اتفاق ہے کہ کفار قریش کی ان مفسدہ انگیزوں سے عموماً ادو کرزین جابر القری کے موجودہ مفسدات کے مشاہدات سے خصوصاً بائبلندگان مدینہ پر سخت اضطراب و انتشار کا عالم طاری ہوا اور ہر شخص اپنے جان و مال کو سخت خوف و خطر سے میں سمجھتا تھا۔ یہود ان مدینہ کے عذارانہ انداز اور عبداللہ بن ابی سلول میں المناہقین کے حکمرانانہ اطوار اس سے زائد اور سخت تر مصائب کے آئندہ نزول کا یقین والا رہتے تھے۔

مدینہ میں مخالفت قریش | مکہ سے مدینہ میں ظالمان قریش کی تاخت و تاراجی اور حملات و غارات کی روزانہ خبریں آ رہی تھیں۔ کے خون اور اندیشے اسکے پھیلائیے والے قریش ہی تھے۔ جو اہل مدینہ کو مفسدہ الحال پریشان اور مرعوب کر لینے کے خیال سے۔ یہود اور عبداللہ بن ابی سلول کی معرفت اسکو مدینہ میں مشہور کر آتے تھے۔ فطرتاً ہر شخص ان خبروں کو سن کر اپنی جان و مال۔ اور حفاظت اہل و عیال کے متعلق فکر مند ہو جاتا تھا۔ بالذات عبدالغیس جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

یہ حال ہو رہا تھا کہ راتوں کو بیٹھے بیٹھے کاٹ دیتے تھے۔ اور تمام صبحا بہ ہتھیار باندھے صبح کو شام کو تو عموماً صبح سنانی بن مرقوم تھا

کان رسول اللہ صلعم اول ما قدم اللہ دینہ  
لیسہد من اللیل .

انساب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ من شریف الیہ تو  
راتوں کو جاگ کر بکا کر رہتے تھے۔

صحیح البخاری باب اہل مدین ہے کہ انہیں ایام میں آپ نے ایک بار صبحا بہ سے غم اظہر فرمایا آج کی رات کو  
کوئی اچھا آدمی پھرہ دیتا۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص نے ہتھیار لگا کر یہ قدرت رات بھر انجام دی۔

امام حاکم مستدرک میں ان ایام کی پر آشوبی ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

عن ابی بن کعب قال لما قدم رسول اللہ صلعم  
بمدینۃ وادھموا لہ نصار ومنتھم العرب عن قوت  
واحک وکانوا یبقون الی بالسلح ولا یغضبون  
الاقیہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صبحا بہ جب مدینہ من آئے اور انصار نے  
ان کو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ ہو کر ان سے لڑنے کو آمادہ  
ہو گیا صبحا بہ سے شام تک ہتھیار باندھے رہتے تھے اور ہتھیار  
باندھے سوئے بھی تھے۔

ابو جہل کی قیامت کی چال  
عبداللہ بن جحش کا بیجا استہمال  
عمر بن عبد اللہ نضری کا قتل

واقعات مرقوم سے مدینہ کی پر آشوبی اور عالم اضطراب کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس

اثنائیں ابو جہل کی ایک دوسری چال چلا اور حقیقتاً قیامت کی چال چلا

جنگ بدر کے وقوع سے دو مہینے پیشتر اس نے مکہ میں یہ مشہور کر دیا کہ قریش کا قافلہ تجارت جو

بسرگردگی ابوسفیان بن حرب اپنا مال بچکے اور قیمت میں زرد مال کثیر لے کر شام سے واپس آیا ہوا ہے مسلمان چھاپا بیٹے اور لڑائی لگے  
ہیں گے۔ یہ خبر بالکل غلط تھی اور شریعت اسلام کے مطابق سخت گناہ لیکن سوا اتفاق سے اتنی جلد موثر ہوئی کہ ان ہاشمی  
کا سے مدینہ تک تمام مخالفت قبائل میں اسلام کی مخالفت میں تلاوین کچھنے لگیں۔

یہ تو معلوم ہے کہ قریش کیا سارے عرب کی کائنات تجارت تھی جس میں مجبوراً تمام قوم و قبیلے کے لوگ شریک تھے  
اور یہی ان کے اذوقہ ازرب اوقات کا تنہا ذریعہ تھا۔ اسکی نسبت ایسی تباہی و بربادی کی خبر لاکر کوئی قریش یا ان کا ہم عہد  
اور بھائی اپنے گھر میں کبھی خاموش بیٹھ سکتا تھا؟

ایک نہ شد و شد یہ بھی اتفاق کی بات۔ یہ سنگامہ تو ابھی تو برپا ہی تھا کہ عبداللہ بن جحش سے بیعت نامے  
بشریت ایک بیجا مبادرت ہو گئی۔ اسکی تفصیل ہم شبلی صاحب کی زبانی حسب ذیل نقل کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب شہ ہجری میں مدینہ اور وقت جب غارت کاروان کی خبر مشہور تھی  
عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان ایک شانہ تھا

سہ شبلی صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ عبداللہ بن جحش جنگی سرکاری میں قتل واقع ہوا حضرت حمزہؓ کے بھانجے اور آنحضرت صلعم کے  
مامون زاد بھائی تھے۔ تامل یعنی واقعہ عبداللہ حضرت عمرؓ کی خلافت تک زندہ رہی جو اہل طہغات ابن سعدؓ، افسوس ہے کہ شبلی صاحب کو وجود  
اتنی دعویٰ عقیدت کے خاندان ربیعہ اتنی سزا دینا کہ انہی پر یہی قریبوں کی بھی نہیں جانتے چھوٹی کڑکے کو مامور کا بیٹا بتلاتے ہیں! المؤلف

کی مسافرت پر واقع ہے۔ آپ نے عبداللہ کو ایک خط و بکر روانہ کیا اور فرمایا کہ دو دن کے بعد اسکو کھولنا عبداللہ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ مقام نخد میں قیام کرو۔ اور صرف قریش کے حالات کا بیان گاؤ اور تمکو اطلاع دو۔ اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لئے آئے تھے سامنے سے نکلے عبداللہ نے اون پر حملہ کر دیا۔ اونہیں سے ایک شخص عمر بن عبداللہ انحضری مارا گیا وہ شخص گرفتار ہوئے۔ اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔ عبداللہ نے مدینہ میں آکر یہ واقعہ بیان کیا اور غنیمت کی چیزیں بھی پیش کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے تمکو یہ اجازت نہیں دی تھی غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار فرمایا۔ صحابہ نے عبداللہ سے نہایت برہم ہو کر کہا۔

صنعتہم العتوم رواہ وقالتم فی الشہو الحرام | تم نے تو وہ کام کیا جسکا تمکو حکم نہیں دیا گیا تھا اور تم ماہ حرام میں  
ولہم قتلوا بقتال۔ طبری ص ۱۲۵ | لڑے حالانکہ اس مہینے (رجب) میں تمکو قتل کا حکم نہیں تھا۔

جو لوگ گرفتار قتل ہوئے وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے عمر بن انحضری جو مقتول ہوا وہ عبداللہ انحضری کا بیٹا تھا اور وہ حرب ابن امیہ (امیر مہادہ کا دادا) کا حلیف تھا۔ عرب کے قریش کا رئیس اعظم تھا اور عبدالمطلب کے بعد ریاست عام اسی کو حاصل ہوئی تھی۔ جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان و نوفل و نون مغیرہ کے پوتے تھے مغیرہ و لیل کا باپ حضرت خالد کا دادا۔ اور حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس تھا۔ اس بنا پر واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا۔ معرکہ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ ہے۔ عروہ بن زبیر حضرت عائشہ کے بھائی تھے اور بخون نے تشریح حال کی ہے کہ عروہ بدر اور تمام ثرا بیان جو قریش سے پیش آئیں سب کا سبب یہی انحضری کا قتل ہے۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔

وكان الذي ۵ اتج واقعة بدر وسائر الحروب التي | جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اور رد تمام ثرا بیان جو آنحضرت صلی  
كانت بين رسول الله صلعم وبين مشركي | اور مشرکین قریش کے درمیان پڑی ہیں جیسا کہ عروہ بن زبیر ابن العوام  
قریش فيما قال عروہ بن زبیر بن العوام ما كان من قتل | کا قول ہے سب کا سبب یہی ایک تھا کہ واقعہ یہی ہے کہ انحضری کو قتل  
واقد بن عبد الله القمي غموز الخضر ص ۱۱۸۷ | کر دیا تھا

مردم کو بالاجبارت سے کفار کہہ کا مینہ پر اس تیزی اور بھرتی سے حملہ آور ہونا۔ اور جنگ بدر کا وقوع اور اسکے تمام اسباب و علل پورے طور سے معلوم ہو گئے اور اسکے ساتھ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عبداللہ بن جحش سے خلاف حکم ایک بیجا جرات واقع ہو گئی۔ اسی لئے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلکہ تمام صحابہ نے بیکبار دو الزاموں کے لئے اونکو ملزم ٹھہرایا ایک تو خلاف حکم و ہدایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قافلہ قریش سے لڑنا۔ اونکو قتل و غارت کرنا۔ دوسرے ماہ مبارک رجب میں جنگ کرنا۔ جو نہ تھا شرع اسلام ہی کے خلاف تھا بلکہ عرب کے قدیم دستور کے بھی مخالف تھا۔ مخالفین اسلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سرائیکی نسبت یہ الزام لگاتے ہیں کہ صحابہ کو اونکے ذریعہ سے قرأتی کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس طریقہ جبر و تشدد سے گروہ فواج کے قبائل کو بڑبڑاتے مسلمان بنایا جاتا تھا۔

وہ ابن واقعات کو انصاف کی آنکھوں سے دیکھیں پھر میں اور غور کریں کہ حقیقت حال اگر ایسے ہی تھے جیسا تم کہتے ہو تو پھر عبداللہ بن جرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عتاب فرمانے اور مال غنیمت واپس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بلکہ عبداللہ نے تو عین آپ کے ارعاد و رنشاہ کے مطابق کام کیا تھا۔ زبرد توین جرح کی جگہ تو اونکی پیٹھ ٹھونکنی چاہتی تھی اور صیہ کو بھی کیا ہو گیا تھا کہ عبداللہ کی اس عمدہ کارگزاری کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے اور ایسے کار گزار شخص کو ملزم اور قصور وار ٹھہرانے لگے۔

جنگ بدر کا مدعا حملہ قریش کی ہلاکت  
یہ طحی اللہ من ابو قصیر الاطلاق۔ معتبر نہیں یورپ اصل حقیقت تک پہنچتے نہیں مرویات  
حق نہ کاروان تجارت کی غارت  
غیر مقید اور مقید کی شناخت۔ واقعت اور اصلیت کی معرفت کا شور اٹایا تو رکتو

نہیں۔ صرف تعصب و ہنس کی اقدار اور مخالفت اسلام کے مدعا کو پیش نظر رکھ کر بلا وسواس و مائل تعرض کا ایک پہلو کمال لیتے ہیں اور دوسرا اپنی تحقیق بعد کا نمونہ بنا کر دینا بھروسہ ایک ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں۔ انھیں لغویات کے ایسا خاص معرکہ بدر کے متعلق عیسائی متنبسین نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اصل مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو سفیان والے قافلہ کو لوٹنا تھا۔ جو ملک شام سے مال تجارت بچکا رہا تھا۔ لغو و باطل۔ اسی ارادہ سے آپ مسلمانوں کے ساتھ کلکر مقام بدر پر مقیم ہوئے تھے کیونکہ وہیں سے شام جانے کا راستہ پہاڑوں کی تنگ گھاٹیوں سے ہو کر نکلتا ہے لیکن چونکہ آپ کے ارادوں کی خبر قریش کو ہو چکی تھی اس لیے ابوہل بھی اپنے قافلہ کی حفاظت کے لئے ایک فوج جواریا کر کے مکہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ چونکہ قبل اسکے کہ ابو سفیان اپنا کاروان لے کر بدر میں پہنچا تو ابوہل اپنا لشکر لیکر وہاں پہنچ گیا اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اتفاقی طور پر یہ تھا بلکہ و متقالمہ کی مجبوری واقع ہو گئی۔

عیسائیوں کا یہ اعتراض اور اسکے تمام قرآن و اسباب جو انھوں نے اکٹھے کئے ہیں بالکل غلط اور بے اصل ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ہی مائذون سے اسکے اسنادوں کو ملے ہیں۔ اور ہماری حدیث و تاریخ و دونوں قسم کی کتابوں میں یہ مرویات موجود ہیں۔ چنانچہ طبری میں یہ واقعہ بابت الفاء مرقوم ہے۔

قَالَ الْمُسْلِمُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَذِهِ عِيرُ قُرَيْشٍ فِيهَا أَمْوَالُهُمْ فَأَخْرِجُوا إِلَيْهَا لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَفْلِكُمْ هَا خَالِدُ بْنُ الْوَثِيلِ فَخَفَّ بَعْضُهُمْ وَثَقَلَ بَعْضُهُمْ وَذَلِكَ أَنَّهُمْ لَمْ يَخْلُقُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَمْرِ حَرَا

لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو سفیان کا شام سے روانہ ہوا تو مسلمانوں کو بلا کر فرمایا کہ قریش کا کاروان شام سے آ رہا ہے بس میں اونکا مال چور شاید خدا تمکو اس میں غنیمت دلوادے۔ لوگ آمادہ ہو گئے اور بعضوں نے پہلو تھپی کی کیونکہ وہ سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ثرائی تو پیش آئیگی نہیں طبری ص ۱۲۹

یہ تو تاریخ کی روایت ہوئی۔ اس طرح حدیث کی بھی بعض مرویات ہیں چنانچہ صحیح بخاری۔ باب غزوہ تبوک میں عبداللہ بن کعب صحابی کی یہ روایت منقول ہے۔

عن عبد الله بن كعب لما تخلف عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

عبداللہ بن کعب اپنے باپ کعب کا قول بیان کرتے ہیں کہ میں



فی غزوۃ غزاھا الا غزوۃ بتوکل غیر انی کنت تخلفت  
فی تنوۃ بدر ولہذا قیل احد تخلف عنھا النماخرج  
النبی صلعم یرید عیر قریش حتی جمع اللہ بینہم  
وبینہ غیر مصداق  
یا کاسہ مقابل کردیا۔

رکعت (جناب رسول خدا صلعم کو چھڑ کر کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا نیز  
غزوہ تبوک کے۔ اور ہاں غزوہ بدر میں بھی شریک نہ تھا بلکہ جو آہن  
شریک نہ ہوا اس پر کچھ غائب نہیں ہوا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم  
قریش کے قافلہ کے لئے نکلے تھے لیکن خدا نے دونوں فریق کو

یہی مرویات معترضین کے باعث اعتراض ہیں اور سرمایہ نادر۔ ہم کو ان کی مرویات اسلامی سے انکار نہیں۔  
بلکہ اقرار ہے۔ یہ ضرورتاً صحیح وحدیث اسلامی کی مرویات ہیں اور صحیحہ کے منقولات۔ لیکن ہم اپنا اعتبار نہیں کرتے اس لئے  
کہ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ ان مرویات کے راویوں کو ان کے بیان میں سخت غلط فہمی واقع ہوئی ہے انھوں نے دیکھا ہے  
رسول کو اپنے قیاس کے موافق سمجھا اور دوسروں کو سمجھایا جو بالکل حقیقت اصلیت اور واقعیت سے خدات تھا جیسا  
ہم پوری تفصیل سے اپنی مندرجہ بالا عبارت میں ہی میں لکھ چکے ہیں معترضین کو اتنی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ وہ علم  
اس سے کہ کسی ہی خلاف واقع خلاف عقل اور خلاف مناسبت و مصلحت نہ ہو۔ جب کوئی اسلامی روایت اپنے مفید  
مطلب پائین گئے اسی کو آئہ استدلال بنالین گئے۔ انھوں نے طبری اور بخاری ہماری دو مشہور اور قدیم  
مذہبوں سے اپنے اعتراض کی تائید میں دو روایتیں نقل کر دی ہیں۔ مگر مصداق آنکہ سے چشم بداندیش کہ بکندہ باد  
انکو اسی طبری اور بخاری میں اس بحث کے متعلق مفہوم ذیل مرویات نظر نہ آئیں۔

عن علی بن ابی طالب فلما لحنان المشرکین قد  
اقبلوا مار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
غمدقنا المشرکین الیہا الذی

حضرت علی بن ابیطالب سے منقول ہے کہ جب ہلو نہر علی کہ  
مشرکین آ رہے ہیں تو حضرت رسول خدا صلعم بدر کی طرف چلے۔ اور  
ایک کنوین کا نام ہے۔ جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہنچ گئے۔

معترضین کی آنکھوں میں اگر کچھ بھی حقیقت بینی اور واقعہ شناسی کی بصارت ہوتی تو وہ اسی تاریخ میں قزو  
بالا عبارت کو پڑھ کر یقین کر لیتے کہ جنگ بدر کا اصلی باعث کیا تھا۔ شام سے آتے ہوئے قافلہ قریش کا لوٹنا تھا۔ یا مکہ سے  
قریش کی آتی ہوئی حملہ آور فوج سے واقفانہ مقابلہ کرنا تھا۔ کیونکہ اس روایت کا اصل راوی وہ بزرگ ہے جو بقول  
شعبل صاحب کے معرکہ بدر کا ہیرو ہے۔ پھر وہ اپنے چشم دید واقعات میں کہیں کاروان ابوسفیان کی تاراجی کا شکار  
دکنا یا ذکر بھی نہیں کرتا۔ تو ایسے مقدمہ راوی معتبر شخص کے چشم دید بیانات کے مقابلہ میں کسی دوسرے ایسے شخص کے  
بیان کو جو شریک واقف نہیں تھا۔ ترجیح دینا۔ نا فہم معترضین ہی کا کام ہوگا۔ ذی فہم محققین تو کبھی اسکے  
پاس بھی نہیں جائیں گے۔

بھرا دی تاریخ طبری میں بذیل واقعہ عبداللہ بن جہش۔ جسے ہم اوپر بھی لکھ آئے ہیں مرقوم ہے۔

وكان الذي هاج وقعة بدر وسائر الحرب التي كانت  
بين رسول الله صلعم وبين مشركي قريش فيما قبل  
عمر بن زبیر ما كان من قتل واقد بن عبد الله عمر  
بن الحضرمی۔

اور جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اور وہ تمام لڑائیاں چھیڑ دین جو حضرت  
صلعم اور مشرکین بن پیش آئیں سب کا سبب ہی تھا کہ واقد بن عبد  
تمیمی نے عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا تھا۔

پھر اسی طبری کی قیسی سند بھی ملاحظہ ہو۔ عبد السم بن پیش کے واقعہ میں عمرو بن زبیر کے جس قول کا حوالہ دیا گیا ہے  
اس کی تفصیل میں علامہ طبری کے یہ الفاظ ہیں۔

وكانت تلك الواقعة هاجت الحرب بين رسول الله  
صلعم وبين قريش اول ما احاط به بعض من بعض  
الحرب وذلك قبل خروج ابو سفيان واصحابه الى  
النصارى طرى ۱۲۸۵ مطبوعہ جیز

اسی واقعہ نے آنحضرت صلعم اور قریش کے درمیان جنگ برکاء کی  
متی اور سب سے پہلا واقعہ تھا جس میں ایک فریق نے دوسرے کو  
صدمہ پہنچایا اور یہ لڑائی ابوسفیان کی روانگی شام سے پہلے وقوع  
میں آئی تھی۔

طبری کی اس روایت میں صاف طور پر تصریح موجود ہے کہ جنگ بدر شام سے ابوسفیان کے قافلہ کی روانگی سے  
پہلے واقع ہو چکی تھی۔ تو اب معترضین پیش بیان دیگر بیان ہو کر اپنے اعتراضات کی مقدار حقیقت کو تو دیکھ لیں کہ ان کا اعتراض  
معیار صحت و صداقت پر کمان تک صیح اور ترسے ہیں۔ وہ ہمارے بس مآخذ طبری سے اور اس کی صرف ایک روایت  
سے اپنی تعریض کی تائید پیش کرتے ہیں اسی مآخذ سے اس کی متعدد اور متواتر ایک نہیں تین تین تردیدیں ہم نے  
پیش کر دیں۔ ان اسناد و استدلال کو دیکھ کر کیا کوئی صحیح و مانع اور عظیم نقل رکھنے والا شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ  
عیسائیوں کے اس اعتراض میں کوئی اصلیت ہے۔

اب رہا یہ امر کہ طبری نے ایسے مختلف فیہ اقوال کیوں جمع کئے۔ اس کی حقیقت اور اس کی اصل وجہ ہم ڈاکٹر  
سید احمد حسن کے الفاظ میں حسب ذیل نقل کئے دیتے ہیں۔ جو ہمارے مآخذ بیان اور معترض کے  
اطمینان کے لئے کافی ہو گا۔ سید مرحوم خطبات احمدیہ کے دیباچہ میں۔ اسلامی کتب تاریخ و حدیث کو شتم و بھت  
پر تبصرہ فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

مذہب کی تمام سچی اور جھوٹی روایتیں اور صحیح و موضوع حدیثوں کے مختلف مجموعے ہیں جن میں صحیح اور غلط مشتبہ  
اور درست و سچی اور جھوٹی روایتوں کا امتیاز نہیں۔ اور جو کتابیں زیادہ قدیم ہیں ان میں اس قسم کا اختلاط اور زیادہ  
ہے۔ قدیم مصنفوں اور اگلے زمانہ کے مورخوں کی تصنیفات سے زیادہ غرض یہ تھی کہ ہر ایک قسم کی روایتوں اور اقوال  
کو جو ان کے زمانہ میں پھیل رہی تھیں ایک جگہ جمع کر دیں اور اس بات کی تحقیقات اور تصحیح کہ کون سی ان میں بالکل صحیح  
ہے اور کون سی غلط۔ اور کس میں زیادتی ہوئی ہے یا کمی۔ اور کس میں اصل مضمون سمجھو میں اور واقعہ بیان کرنے میں غلط

فہمی واقع ہوئی ہے۔ آئندہ وقت یا آئندہ نسلوں پر منحصر کھین۔ مگر افسوس ہے کہ پہلی نسلوں نے جو ضل اس کے کہ تحقیقات مطلوب کرتے سے اپنے بزرگوں کے مقاصد کی تکمیل کرتے۔ انھیں کتابوں کو اپنی تصنیفات جدید کا ماخذ بنایا اور اس لئے ان پہلی صنفوں کی تصنیفوں میں بھی وہی نقص باقی رہ گیا جو ان قدیم صنفوں کی تصنیفوں میں تھا۔ ویسا جب خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور ص ۱۱۔

حقیقتاً ہمارے قدیم ماخذ ہر قسم واقعات کے مجموعے ہیں صحت واقعات کے مقررہ اصول و قواعد کے مطابق ان کے معانیہ اور موازنہ کی ضرورت ہے۔ صاحبان تحقیق معیار مقررہ کے موافق ان کی صحت کی جب پوری تصدیق و توثیق پالیتے ہیں تو ان کی نقل و استنباط پر قلم اٹھاتے ہیں لیکن معترضین کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کو تو اپنے تعصب و تعنائیت کا کام چلتا کرنا ہے۔ عیسائی معترضین کے اعتراض کی یہی کیفیت اور حالت ہے جو بیان کی گئی۔

باقی رہا صحیح بخاری میں خافکہ ابوسفیان کے قصداً راجی والی روایت کا موجود ہونا۔ جس کے راوی کعب صحابی بدری ہیں اس کے جواب۔ ابھی ابھی ہم اوپر دے چکے ہیں اور تو ان بحث میں بیان کوائے ہیں کہ یہ صحابہ کی صرف غلط فہمی ہے۔ جو ان کے غلط قیاس پر محمول ہے حقیقتاً چونکہ وہ جنگ بدر میں خود شریک نہ تھے۔ جبکہ اسی روایت میں وہ خود اقرار کرتے ہیں اس لیے وہ جنگ بدر کے اصلی اسباب اور حضرت رسولؐ و آلہ وسلم کے ارشاد و ارادہ کی حقیقت اور اصلیت کو نہ سمجھ سکے۔ اس بنا پر انھوں نے ذاتی طور پر جنگ بدر کا جو کچھ مقصد سمجھا تھا وہی دوسرے کو بھی سمجھایا لیکن کعب کی اس نقل و استنباط کی تردید حضرت علی مرتضیٰؑ کے قول و ارشاد سے جو خلاف کعب کے اس جنگ میں شریک تھے اور شریک بھی کیسے شریک غالب تھے۔ پورے طور سے ہو گئی ہے جو صاف صاف لفظوں میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے مکہ کی حملہ آوری کی خبر پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کی طرف ہنضت فرمائی آپ کے اس بیان میں ابوسفیان کے کاروان کا نہ ذکر ہے اور نہ نام و نشان۔ اس لیے جناب امیرؑ کے ایسے شریک و امیر جنگ کے جہنم وید بیان کے مقابلہ میں کعب کے غائب از موقع بیان کو کوئی نہ قابل التفات سمجھ سکتا ہے نہ لائق اعتبار اس بنا پر صحیح بخاری کی یہ روایت صرف نقل ہی نقل سمجھی جائے گی۔ اور اصل میں کچھ بھی نہیں۔

ان واقعات تاریخی اور مرویات احادیث سے اعلیٰ تر شہادت قرآنی ہے جس کے بیان و ارشاد کے آگے بخاری ہوں یا طبری۔ جس بھر بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ خدائے تبارک و تعالیٰ جنگ بدر کے اسباب و وقوع کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

|  |  |
|--|--|
| کَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَكُمُ الْبَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ وَإِذْ يُدْعَوْنَ | اے پیغمبرؐ صبر و تحمل کو تیرے خدائے مہربان سے حق پر پھلا مسلمانوں کا ایک گروہ اس سے پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ لوگ حق کے ظاہر ہونے پر بھی تجھے |
| حَقِّ يَاتٍ يَرْجُوا كَرْتَهُمْ۔ لَوْ يَسْمَعُونَ كَلِمًا مِنْكَ يَتَحَدَّثُونَ بِهَا يَوْمَئِذٍ   | حق بات پر جھگڑا کرتے تھے۔ گو یا موت کی طرف ہنکارتے جارہے ہیں جبکہ  |

لَمْ يَأْتِ الْبَنِيَّانِ إِلَّا بِفَتْنٍ أَفْهًا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنْ  
غُبِرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونَ لَكُمْ وَبَرِيدًا إِنَّ اللَّهَ مُخَيَّرُ  
الْحَقِّ بِحِكْمَاتِهِ وَبِقُطْعٍ وَإِذَا لَكُمْ فَتْنٌ

کی جڑ کاٹ دے۔

خدا تم سے یہ وعدہ کرنا تھا کہ دو جہات عتوں میں سے کوئی جہت نہ ٹکڑا  
آئے گی اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے خیزش والی جماعت نہ ٹکڑا آجائے  
اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتوں سے قائم کر دے۔ اور کافروں

آیہ مرقومہ بالا اس وقت کی پوری حالت تیار ہی ہے۔ اس وقت مدینہ میں دو نون خبریں زور سے گرم تھیں۔ قافلہ  
بوسفیان کی آمد کی بھی اور مدینہ میں ابوجہل کے حملہ کی بھی مسلمانوں کی جماعت میں اس وقت دو مختلف خیال ورا کے  
لوگ تھے پہلی قسم کے وہ لوگ تھے جو قریش کی قرآنہ تاخت و تاراجی اور کرز بن جابر الغدیری کی عین مدینہ میں آکر غلٹان  
انصار کی غارتگری سے سخت متاثر ہو کر قریش کے راہ تجارت جو بدر کے قریب ہو کر شام کو جاتی تھی قطعی بند کر دینا چاہتے  
تھے۔ چنانچہ سعد بن معاذ مکہ میں جا کر قریش کے موخر پر اپنے اس ارادہ کو کہہ بھی آئے تھے (بخاری باب المنازی)  
اور اپنے اس ارادے کی بنا پر قافلہ بوسفیان کی واپسی شام کے موقع پر راہ روک دی جانے کی صلاح دیتے تھے اور  
یون قریش کی تاخت و تاراجی کا کھلے جھگڑا دینا چاہتے تھے اور اہل اسلام کی قلیل جماعت اور افراد کفار کی کثیر تعداد کے  
اعتبار پر قریش سے جنگ و مقابلہ میں خود بھی رکتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی روکنے کی خواہش کرتے  
تھے۔ چنانچہ آیت مرقومہ بالا میں انھیں لوگوں کے حالات کی تصریح ہے۔

دوسری جماعت کے اہل اسلام دو نون امور کے اختیار میں بالکل خاموش تھے۔ اور وہ ان امور کو قطعاً  
رمضائے الہی اور منشاء حضرت رسالت پناہی پر چھوڑے ہوئے تھے۔ اس خاموش جماعت سے تو خداے سبحان تعالیٰ کو  
کسی خطاب کی مطلق ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ وہ تو اطيعوا اللہ واطيعوا الرسول کے اصول پر پورے طور سے عمل پیرا تھے  
جو کہ خطاب تھا وہ جماعت اول سے جو جنگ و قتال کی دہشت و ہیبت سے کانپے جا رہے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ  
قافلہ چمک لیا جاوے جو آسانی سے مع مال و متاع کے ہاتھ آجائے اور جدال و قتال کی مصیبتوں سے سامنا نہ ہو۔  
لیکن مشیت کو یہ منظور نہ تھا۔ منشاء قدرت حبیب کہ الفاظ قرآنی ثابت کر رہے ہیں یہ تھا کہ مقابلہ و مقابلہ سے ایک بار حق و باطل  
کا فیصلہ کر دیا جائے اور پھر اس صفائی کے ساتھ کہ گویا کفر اپنے بیج و بن سے مستاصل ہو جائے۔ اسی بنا پر یہاں رسالت  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت اول کی صلاح و راے کو ہمیشہ سنا مگر چونکہ خلاف مصلحت خداوندی تھا کبھی اوپر  
عمل نہ فرمایا۔ بلکہ نہایت خرم و احتیاط سے خاموشی اختیار فرمائی اور مدینہ میں مکہ سے قریش کے آنے والے حملہ آور لشکر کا منتظر  
کرتے رہے جب وہ قریب آگئی تو باوجود اپنی قلیل جماعت کے آپ ان کے مقابلہ کو کل کھڑے ہوئے۔ جیسا کہ تاریخ طبری  
کی عبارت سے حضرت علی مرتضیٰ کی زبانی اور لکھ چکا گیا ہے۔

اصلاً اور حقیقتاً۔ جیسا کہ ہم اسی طبری کی سند سے عروہ بن زبیر کی زبانی اور لکھ آئے ہیں جنگ بدر قافلہ بوسفیان



کی روانگی شام سے پہلے وقوع بین آپ کی تھی۔

ہم نے مرفورہ بالا بحث میں معتبر حین کے اون تمام مغویانہ تعویض اور مفسدانہ تشبیہ کی کامل تنقید و تردید کر دی ہے اور خاص کر اذہین باخداہن کی اس سے جنگ و خون نے بری مگر بیون سے اپنی تعریضات کی تائید میں پیش کی تھیں و کھلا دیا ہے کہ اونکی پیش کردہ روایات محققین کے نزدیک بالکل بے اصل اور ناقابل اعتبار ہیں جس پر اذہین نے اپنے ادبہات و مفادات کے یہ سرنگھلک طوفان اٹھا رکھے ہیں۔ اور دنیا کی نگاہوں کے سامنے اسلام کے انوار حقیقت پر اپنی عالمگیر ظلمات قلبی کا پردہ ڈال رکھا ہے۔

جنگ بدر کے اصلی اس بحث کو پوری تفصیل سے لکھ کر اب ہم جنگ بدر کے واقعات کی تفصیل و بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں

اسباب جنگ میں اور پر بیان ہو چکا ہے کہ عمر بن عبداللہ خضرمی کا اتفاقہ طور پر عبداللہ بن جحش کے ہمراہ واقعہ بن عبداللہ المہمی کے ہاتھ سے مقتول کے جانے نے تمام قریش کو جوش انتقام اور مسلمانوں کے قتل عام پر پیرا لگاتے کر دیا۔ اہل عرب میں مقتول کا انتقام جسوہ اپنی زبان میں شمار کرتے ہیں اون کے تمام خرافات سے اعلیٰ تر تھا اور اون کے واجبات میں سے کسی امر واجب میں اتنی اہمیت اور عظمت نہیں تھی جتنی قاتل سے مقتول کا بدلہ اور عجز و عین میں یہ اتنا قدیم دستور تھا کہ زمانہ کے تصرفات قانون معاشرت کے تغیرات اور حکومت و سلطنت کے اختیارات اسکے متعلق کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ پیدا کر سکے اور نہ انہیں کبھی اصلاح و ترمیم کی جرات کر سکے۔ ایام عرب کے قدیم معرکے اونکی قیامت خیز اور جواہر ساز لڑائیاں ہیں میں قبیلے کے قبیلے اور قوموں کی قومیں صفوں و روزگار سے نسبت و نابود ہو گئیں شاہد صلوق ہیں شبلی صاحب اسکی اہمیت ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

عرب کا خاصہ قومی تھا کہ جب کسی قبیلہ کا کوئی کسی طریقہ سے کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو ایک سخت ہنگامہ کا رزا قائم ہو جاتا تھا۔ دونوں طرف سے ٹڈی دل اوٹھتا تھا۔ اور خون کی ندیاں بہانی تھیں۔ یہ لڑائیاں مدتوں قائم رہتی تھیں قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے تھے۔ تاہم یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا تھا۔ عرب لئے پڑے نہ ہوتے تھے تاہم مقتول کا نام کاغذ پر درج ہو کر خاندان میں ورثہ چلا آتا تھا۔ بچوں کو یہ نام یاد کروایا جاتا تھا کہ بڑے ہو کر خون کا انتقام لیں ہے۔ و احسن اور لیونش کی قیامت خیز لڑائیاں جو چالیس برس قائم رہیں اور جن میں ہزاروں لاکھوں جانیں برباد ہوئیں اسی بنا پر ہوئیں۔ عربی زبان میں اس انتقام کو تار کہتے ہیں۔ یہ عرب کی قومی تاریخ کا سب سے بڑا اہم لفظ ہی۔ سیرۃ

النبی جلد اول ص ۲۶۲

یہ غزوہ بدر کے دفتر کا دیباچہ ہے۔ ممکن تھا کہ اگر خضرمی کا خون عبداللہ بن جحش کی تیز طبعی سے یا غلط فہمی سے نہ واقع ہوتا تو وقوع جنگ بدر میں کچھ توقف ہو جاتا۔ لیکن خضرمی کے قتل نے کفہ کو جوش انتقام میں ایسا پیچھن کر دیا کہ پھر وہ دم بھر کے لئے نہ بیٹھ سکے۔ اس اثنا میں اس غلط افواہ نے جس کا موجب مفسد ابو جہل ثابت ہوا ہے وہ دیکھو جتنے

جیسا کہ ہم اب پر لکھ چکے ہیں۔ کفار قریش کی رفتار مقام کو اور تیز کر دیا۔ وہ ابوجہل کی غلط افواہ تھی۔ جسکو ہم اب پر اسکی قیامت کی چال بتا چکے ہیں۔ اس نے مشہور کر دیا کہ شام سے قافلہ تجارت کی واپسی کا حال سنکر پیغمبر خدا صلعم مسلمانوں کے ہمراہ ادھر حملہ کرینگے اور ابوسفیان کو قافلہ کو مع مال و متاع کے لوٹ لین گے۔

مشرکین قریش کی پر جوشیوں کے لئے حضرمی کا قتل ہی کیا کم تھا۔ اور مسلمانوں کی غارت کی خبر سونے پر سہاگہ کا کام کر گئی۔ اپنی تمام کائنات کی بربادی و تباہی کا حال سنکر غم و غصہ کی حرارت سے اذکے بدن میں لہو و آتش لگا اور وہ بیہوش ہو کر استیصال اسلام اور مسلمانوں کے قتل عام کے لئے ایک بار گھروں سے نکل پڑے شبلی صاحب اس غلط افواہ اور ابوجہل کی اس قیامت کی چال کی ان الفاظ میں پوری تفصیل فرماتے ہیں۔

حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوش و خروش مقام سے بہرہ کر دیا تھا۔ اور اسی سلسلہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں وغیرہ بھی پیش آگئیں۔ (واقعات سرایا) دونوں فریق ایک دوسرے سے پُر حذر رہتے تھے۔ اور جیسا کہ ایسی حالتوں میں عام قاعدہ ہوتا ہے۔ غلط خبریں خواہ مخواہ مشہور ہو کر پھیل جاتی ہیں۔ اس آئنا میں ابوسفیان قافلہ تجارت لیکر شام گیا تھا اور ابھی وہ شام ہی میں تھا کہ یہ خبر وہاں مشہور ہو گئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان نے وہیں سے مکہ کو آدمی دوڑایا کہ قریش کو خبر ہو جائے۔ قریش نے لڑائی کی تیاریاں کر دیں۔ مدینہ میں یہ مشہور ہوا کہ قریش ایک جمعیت عظیم لکھ مدینہ آرہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدعت کا قصد کیا اور تبکا واقعہ پیش آیا۔ سیرۃ النبی جلد اول مدبران قدرت اور منتظمان مشیت مسلمانوں کی قلیل جماعت۔ اذکی غبت۔ اذکی نازک موقع اذکی نازک حالت اور دشمنوں کی ناہتہ مخفی لفت اور تمام بیرحمی و شقاوت کا ابھی اندازہ کر رہے تھے۔ اور مسلمانوں کو صبر و رضا اور تحمل و سکوت کا امتحان لے رہے تھے۔ ابھی تک مسلمانوں کو حکم جہاد نہیں آیا تھا۔

نزول حکم جہاد۔ اور اذکی ضرورت مفصلہ ذیل کی توجیحات و تشریحات سے ظاہر ہے۔ مدینہ میں آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے بارہ مہینوں تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا۔ طبری لکھتے ہیں۔

خرج فی صفر غازیہ علی راس عشر شہوان من مقدمۃ المدینۃ | مدینہ میں تشریف لائے بارہ مہینوں کے بعد مدینہ میں آنحضرت صلعم جہاد کیلئے نکلے۔ اتنے دنوں تک حکم جہاد کا انتظار کیا گیا۔ اسی سے ظاہر ہے کہ ان ایام میں اذن جہاد ملنے کی وجہ سے آپ نے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ فیصلہ ایسی حالت میں جب چاروں طرف سے کفار قریش کے خونخوار حملات کی خبریں آرہی تھیں اور گرد و نواح مدینہ تک اذکی دوڑیں پہونچ گئی تھیں۔ کیسے اضطراب و مصیبت بن سبر کی ہوگی جسکی مختصر سی کیفیت ہم اب پر لکھ آئے ہیں اسلام میں دشمنوں پر جارحانہ حملہ کرنے اور سبقت فی القتال کے عمل قطعاً ممنوع کئے گئے تھے۔ اس لئے جیسا کہ صاحب رحمۃ العالمین لکھتے ہیں اسلام کو جنگ جارحانہ (OFFENSIVE) سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا لفظ اسلام کا مادہ سلم ہے جسکے معنی صلح اور فروتنی کے ہیں۔ جو مذہب دنیا میں صلح کا پیغام لے کر آیا ہو جس مذہب کی پیروی

ایسا ہارون کو منکر اور متواضع رہنے کا حکم ہو۔ وہ کیسے بے محابہ کسی پر تلوار لیکر دوڑ جاسکتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے کمال تیرہ برس تک مکہ میں طرح طرح کے ناقابل برداشت مظالم کفار کے ہاتھوں سے سہو غیر تکبرہ غیر لوگ اور غیر مذہب و آئین کے لوگوں میں جا کر پناہ لی۔ لیکن اپنے دشمنوں پر ہاتھ نہ اٹھایا، اسی طرح آخر بار۔ کمال خموشی صبر اور استقامت کے ساتھ اپنے گھر و ملک اپنے مقبوضات کو۔ اپنی جملہ جائداد و کائنات کو مکہ میں چھوڑ کر وامن جہاڑتے ہوئے خالی ہاتھ مدینہ چلے آئے۔ اور بیان اگر سخت افسوس ناواری اور غریب الوطنی اور سید یاری کی حالتوں میں کمال ایک برس تک اُسی خموشی سکوت اور صبر میں بسر کی۔ مگر اب جب دشمنوں کی تلواریں گھروں سے آگئیں اور جان و مال کی تباہی و بربادی کا عین وقت پہنچ گیا اور وہ موقع آگیا اور وہ غیر تحمل ضرورت آپہنچی کہ جنگ کے سوا چارہ ہی نہ تھا۔ اگر اب بھی یہ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دے بیٹھے رہتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مرغیوں کی طرح گھروں کے اندر فرج کر دیے جاتے اور پھٹک پھٹک کر اندر ہی اندر رہ جاتے۔ باہر کی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ انکی جانوں کے خاتمہ سے دنیا کو یہ نقصان ہوتا کہ پھر دوسرے زمین پر خالص توحید کا نام لیا نام لینے کو بھی نہیں تھا حضرت مسیحؑ سناہنے پڑنے تین برس کے و غلا و نصیحت کے بعد جس ضرورت سے مجبور ہو کر اپنے حواریوں کو حکم دیا تھا کہ کپڑوں۔ لتوں اور نقدی کے بدلے۔ ہتھیار خرید کر مسلح ہو جائیں (انجیل متی باب ۲۶) اوسی ضرورت کی وجہ سے خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانوں کی موجودہ حالتوں پر رحم فرما کر انکو بھی چودہ سال تک صبر کرنے اور ظلم برداشت کرتے رہنے کے بعد ان حملہ آور دشمنوں کے ساتھ مدافعت کا مقابلہ کا حکم دیا۔

اب وہ وقت آگیا۔ اور منتقم حقیقی کی نگاہ حقیقت نے دیکھ لیا کہ سینہ مسلمانوں کی گردنیں کھار کی تلواروں کے نیچے آیا چاہتی ہیں۔ تو حکم جہاد کی آیت شہنشاہ رسالت پر۔ ان الفاظ و عبارت میں نازل ہوئی۔

اَذِنَ قَدْ يَنْبَغِي لَكُمْ اَنْ تَقَاتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تَكُوْنُوْنَ رَافِقِيْنَ  
لَقَدْ يَنْبَغِيْ لَكُمْ اَنْ تَقَاتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تَكُوْنُوْنَ رَافِقِيْنَ

لیکن بغیر ان جہاد طبری میں سب سے پہلی جو آیت متعلق جہاد بتلانی گئی ہے وہ یہ ہے۔

فَاتِلُوْا الدِّیْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُعَلِّیْوْنَکُمْ

ان دونوں آیتوں کے علاوہ۔ صاحب رحمت العلیین مرقومہ ذیل آیت کو بھی حکم جہاد میں داخل فرماتے ہیں۔

الَّذِیْنَ اَخْرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْتُمْ تَقُوْنُوْنَ اَرْبَابًا  
الَّذِیْنَ اَخْرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْتُمْ تَقُوْنُوْنَ اَرْبَابًا

جن میں خدا کے نام کا ذکر کثیر ہوتا ہے۔ گراوین جاتیں۔

عیسائی متعصبین۔ حکم جہاد کی اصلی اغراض ضرورتیں اور خاص مجبوریاں جو ان الفاظ ائمہ میں بیان ہوئی ہیں۔ اور جن غیر متحمل حالتوں میں جب کاررواستخوان کا خاص وقت آگیا۔ اسلام کو اپنے جان و مال کی حفاظت اور خود مختار ہونے کی مدافعت میں درستہ بقصد ہونے کا اذن ملا ہے۔ پھر میں سمجھیں اور جو کہ میں اور پھر اپنے مفید اور مغویانہ تعریضات سے مقابلہ کریں تو زیادہ یا دنیا میں کوئی اور شہر طیکہ انصاف پسند حقیقت میں اور واقعہ شناس ہو۔ کہہ سکتا ہے کہ جملہ فی سبیل اللہ کے ان احکام ترجمانہ اور عیسائیوں کے ان اعتراضات مغویانہ میں کوئی مناسبت یا لگاؤ ہے؟

مخالفین کے تمام اعتراضات کا مقصد اس پر ہے کہ اسلام بڑا شیر بھلایا گیا۔ اور قبائل و عشائر عرب پر بلا وجہ حملے کئے گئے۔ اسکی تصریح و تجدید الفاظ قرآنی میں خود موجود ہے کہ جس جنگ کی مسلمانوں کو اجازت دی جاتی ہے وہ خالص مدافعت ہے اور بالکل حفاظت خود اختیارانہ۔ پھر مجبور و زور کا و اجمہ و خیال کیسا پھر یہی الفاظ اس جنگ مدافعت کے اسباب و علل کو بھی نہایت سلفی سے جملہ رہے ہیں کہ مسلمانوں کو محض بے بسی اور سبکی کی ایسی حالتوں میں حکم جہاد دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ملک و وطن قوم و قبیلہ۔ پھر گھر بار سے صرف اس جرم پر کہ وہ بخلاف کفار کے بشمار بتوں کی پرستش سے قطعی انکار۔ اور ایک خدا کی عبادت کا قلبی اقرار کرتے تھے۔ نکال باہر کر دیے گئے تھے۔ اور یمن سومیل کی دور واز مسافت پر جلا وطن کر دیے گئے لیکن اس پر بھی خود مختار ان کفار انکے تعاقب اور انکے قتل و غارت سے باز نہ آئے تھے۔ ان امور کی تفصیل و تصریح کے بعد یہ آیات قرآنی اور الفاظ ربانی صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ اہل اسلام کو جہاد کا حکم تھا کچھ انکے ذاتی منافع و فوائد اور مذہبی ترقی و اشاعت کی غرض خاص سے نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ ان احکام کا اصل مدعا یہ تھا کہ اہل اسلام نے مدینہ میں آکر یہودیوں اور عیسائیوں کے مختلف قوم و قبائل سے انکی حفاظت و حمایت کے جو معاہدہ قائم کئے اور بلا لحاظ اختلاف قومیت و مذہب نہایت کشادہ دلی اور خیر خواہی سے غیر قوم بغیر قبائل اور غیر مذاہب کے اقراء۔ انکی جان و مال اور ان کے اہل و عیال کو ان معاہدہ کی رو سے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا ہے اور انکو انکے تمام امور دینی و قومی میں آزاد اور خود مختار کر دیا ہے ان شرائط معاہدہ کو عملی طور پر نہایت استقلال و استحکام سے پورا کریں جو امن و تمام لوگوں کی راحت و آرام کے اصول پر مبنی تھا اب ایسی حالت میں اگر اہل اسلام کو مقابلہ و مقابلہ دشمن کی جو صورتیں ان نظم امن کے برعکس تھیں اجازت نہ دی جاتی تو وہ ان شرائط معاہدہ کے پورے کرنے سے بالکل مجبور و مسدود رہتے۔ آخر میں نتیجہ یہی نکلتا جیسا کہ خود آیہ قرآنی میں بالتصحیح موجود ہے کہ تمام قبائل و مذاہب کی آزادی بند ہو جاتی۔ عیسائیوں کے گرجوں۔ یہودیوں کے معبدوں۔ ترساؤں کے مندروں اور مسلمانوں کی مسجدوں میں خدا کے نام کی تسبیح و تقدیس کی قلم موقوف ہو جاتی ایسے واضح اور صاف توضیحات و تفسیرات پر بھی متعصبین۔ یورپ اسلامی جہاد کو زور و شیریں تو یہ انکی صریح نفسانیت ہے اور جہالت۔



## غزوہ بدر

(۱۶۔ رمضان المبارک ۱۲ھ - ۱۲ مئی ۶۲۴ء)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ

اے مسلمانوں! خدا نے واقعہ بدر میں ایسے موقع پر تمہاری نصرت و حمایت کی جب تم بالکل کمزور اور ضعیف ہو رہے تھے۔ غزوہ بدر واقعہ بدر کے تمام ابتدائی اسباب پورے طور سے بیان ہو چکے۔ حقیقتاً اسکی ابتدا و سیاق سے سمجھنا چاہیے جسوقت سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح و سلامت مکہ سے مدینہ چلے آئے تھے کفار قریش کو شب بھرت کے خیرخواہانہ انتظام سے خاتمہ اسلام اور قتل جناب سید الانام علیہ السلام کا پورا یقین تھا۔ لیکن تدبیر الہی سے ان بدعتیان ازلی کو جب قدر اپنی کامیابی کی پوری امید تھی اور سید راہیوسی۔ محرومی۔ اور ناکامیابی نصیب ہوئی۔ تعاقب بھی کیا گیا کہ سون تک داوی و صحرا کی خاک ڈالی گئی۔ گرفتاری کے لئے اشتہار انعامی دیے گئے۔ مگر سوائے حسرت و ناکامی کے اب ادنیٰ فائدہ میں کچھ نہ تھا۔ اپنے بے انتہا غم و غصہ کی آگ میں جل چکے تھے۔ گھر بیٹھ رہے۔ اسپر بھی استیصال اسلام کی اور مسلمانوں کے قتل عام کی خلش دل سے نہ گئی۔ مدینہ میں اسلام کا عروج اور مسلمانوں کا اطمینان سکڑ چھین ہو گئے۔ استیصال اسلام کی فکرین کرنے لگے۔ تدبیرین سوچنے لگے۔ مکہ سے مدینہ تک کی قوم و قبائل کو اسلام کے خلاف اونچا اٹھارہ اٹھارہ مدینہ سے کچھ چلتی نظر نہ آئی۔ عبداللہ بن ابی سلول کو مسلمانوں کی مخالفت پر برا لکھتے کیا یہود ان مدینہ سے۔ جو اسلام کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہو چکے تھے۔ سازش پیدا کی۔ اس سے بھی اطمینان نہیں ہوا تو خود سو سو دو سو کی جمعیت سے قتب و جوار کی لینے والی قوموں پر۔ جو اسلام کے معاہدے میں آچکی تھیں تاخت و تاراج کی پھر بالکل قزاقانہ اور خونخوارانہ طریقہ سے نخلستان مدینہ تک چڑھ دوڑے اور مسلمانوں کی بہت سی مویشیاں لوٹ کر لے گئے۔ اور انکے نخلستانوں کو جلا دیا۔

مسلمانوں کو مدینہ میں آئے ہوئے ایک برس سے زائد ہو چکے تھے۔ اس اثنا میں کفار نے مسلمانوں کو خلاف اپنی جاہلانہ اور ظالمانہ چھیڑ چھاڑ اور چابکدستیوں برابر شرع کر دین اور جاری رکھیں لیکن مسلمانوں نے ابھی تک انکے خلاف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا تھا۔ متعصبین یورپ انھیں واقعات اور ابتدائی حالات سے کفار کے مظالم اور مسلمانوں کے ہمسروہ محل کا پورا اندازہ کر لیں۔ پھر اشاعت اسلام کو بڑے رستمیہ قایم ہونے کے ثبوت دینے پر حوصلہ کریں گے۔ کفار قریش اور بدر کا کفار قریش کے اس سلسلہ مخالفت میں جسکی تفصیل کو ہم بطور اجمال بیان کر رہے ہیں ابوسفیان کے اُس سامان جنگ قافلہ تجارت کی تیاری بھی ہے۔ مسلمانوں کی نسبت جسکے ٹوٹنے کو بغول مولوی شبلی صاحب یورپ کے مورخین غزوہ بدر کا اصلی سبب قرار دیتے ہیں۔ یہ کاروان بھی غزوہ بدر یا مسلمانوں کی قطعی استیصال کے سامان فراہم کرنے کی غرض خاص سے مرتب کیا گیا تھا اور شام کی طرف بھیجا گیا تھا۔ باہم کفار میں صلاح و شور سے یہ قرار پایا تھا کہ اس

کاروان سے اب کی بار جو کچھ نفع حاصل کیا جاوے اوسکا ایک حصہ بھی ذاتی مصارف میں نہ اٹھایا جائے سب کا سب مسلمانوں کے ساتھ معرکہ آرائی میں لگا کر ادن کا بیکار خاتمہ کرو یا جاوے۔

اس بنا پر اس کاروان تجارت کا معمولی طور پر سامان نہیں کیا گیا تھا۔ قریش کے تمام رؤسا اور مرابکہ ہر ہر فرد قوم نے اپنے تمام سرمایہ سے اس میں شرکت کی تھی۔ بیان تک کہ خواتین تک کا بچا بچا یا اور چھپا چھپا یا سرمایہ بھی لے سکے غلہ کر دیا گیا۔ شبی صاحب تو اشاروں سے بات کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے اسی ناماز خاص میں اسکی طرف بھی اشارت فرمائی ہے۔ عبارت یہ ہے۔

مسلحہ کے لئے سب سے بڑی ضرورت مصارف جنگ کا بندہ بست تھا۔ اس لئے اب کے موسم میں قریش کا جو کاروان تجارت شام کو روانہ ہوا۔ اس سرد سالان سے روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دیدی۔ نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی جو کاروبار تجارت میں بہت کم حصہ لیتی تھیں۔ انکا بھی ایک ایک فرد اس میں شریک تھا۔ سیرۃ النبی ص۔

ابن سعد جلد دوم صفحہ ۷۷ میں۔ خاص ابوسفیان کی اس کاروان کی کثرت سامان کے متعلق لکھتے ہیں۔  
واللہ جمکۃ میں قریش ولا قریشۃ لہ لشی ولا  
صاعد الا بعث بہ معنا۔  
مکہ میں کسی مرد قریش یا زن قریش کے پاس ایک حصہ بھی ایسا نہیں بچا تھا۔ جو اس نے ہمارے ساتھ نہ کر دیا ہو۔

ابوسفیان کا یہ قول اقرار خود۔ ابکی بار بخلاف دستور قدیم اس کاروان کی اتنی اہمیت کی خاص غرض و غایت کو صاف صاف بتلا رہا ہے کہ قریش کو اپنی تمام دولت و کائنات کو تجارت میں ابکی بار لگا کر اور اتنے نفع کثیر اٹھانے سے کون سی عظیم الشان مہم کو انجام دینا تھا۔ یہ عظیم الشان مہم وہی مسلمانوں کا قتل عام تھا جسکے لئے شورے کر کے باخود یا یہ سامان کے لئے گئے تھے۔

آخر میں ان سامانوں کا نتیجہ بھی کچھ نکلا۔ عدو شد و خسیب۔ اگر خدا خواہد قریش میں سب سے زیادہ خاتمہ اسلام کا متمنی اور متجمل ابو جہل تھا۔ اس لئے اس نے اپنی عجلت کی سو، تدبیری سے۔ یا قریش کی زبوں تقدیری سے کفار قریش اور مشرکین عرب کے دلوں میں اسلام کے خلاف ایک غیر متحمل پر جوشی پیدا کر دینی کی غرض خاص سے یہ غلط افواہ پیدا کر دی کہ مسلمان ابوسفیان والے قافلہ پر واپسی کے وقت مدینہ کے قریب حملہ کریں گے اور لوٹ لیں گے۔ اس غلط افواہ کی ظاہری صورت کے قرآن بھی موجود ہو گئے۔ اس لئے کہ مدینہ کے پاس مقام بدر کے قریب ہی سے شام جانے کا راستہ پہاڑوں کی تنگ گھاٹیوں سے ہو کر نکلتا ہے۔ اس بنا پر کفار نے خود بھی سمجھ لیا اور انکو سمجھا بھی دیا گیا کہ ابوسفیان جب اس مقام پر آئیں گے تو مسلمان اپنی کمینگا ہوں سے۔ جہاں وہ پہلے ہی سے پوشیدہ ہو گئے۔ ایک بار نکل کر انکو لوٹ لینے ابو جہل کی یہ چال قیامت کی چال تھی۔ جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور حقیقتاً اس نے قبائل عرب میں ایک بیانی

کیفیت ضرور پیدا کر دی۔ اور ابو جہل کی غرض و غایت بھی یہی تھی۔ لیکن منشاء نے تدبیر نے اس کے دعائے تدبیر کو اول دیا ابو جہل نے مخالفت اسلام میں اہل عرب کی کثرت تعداد اور اس کے انتہائی جوش و سرگرمی پر اعتبار کر کے بلا انتظار واپسی کا روانہ اور بغیر خیال قراہی سامان جنگ۔ جیسا کہ باخود ہا کی مشورت سے قرار پا چکا تھا ایک نہراہ مسلح جوانوں کی طیار جماعت لیکر جنگ کی تیاری کر دی اور بدر کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اپنی اس غلبت کا سبب یہ بتلایا کہ اس جماعت سے کاروان تجارت کی حفاظت اور حملہ آور مسلمانوں کی مدافعت کی جائیگی جو قریب ہی شام سے واپس ہوتے ہی مسلمانوں کے ہاتھوں میں پھنس جائیں گے۔

اس بنا پر ابو جہل تو اتنی کشتی جمعیت کے ساتھ یثرب میں کہتا ہوا بیت کے قریب پہنچ گیا وہاں لوٹنے والے اور سفر والے دونوں اپنے اپنے مقامات پر جموش بیٹھے رہے مسلمان مدینہ میں اور ابو سفیان شام میں جیسا کہ طبری میں مرقوم ہے۔

وذلك قبل محج ابي سفیان واصحابه الى الشام | (بخاری ج ۱ صفحہ ۱۰۷) ابو سفیان نے مدائن شام سے پہلے واقع ہو چکی تھی۔

کفار قریش تو مسلمانوں کی طرف سے اپنی مخالفت یا اونکے قتل و غارت کے خیال آپ پیدا کر کے اپنی ہماریں آپ کے لئے تھے بخلاف انکے مسلمان اونکے مظالم کا مدینہ میں گھر بیٹھے مشاہدہ کر رہے تھے اور عین کر رہے تھے کہ اونکی ٹہرتی ہوئی شرارتیں ایک نہ ایک دن انکو مدینہ پر حملہ کرنے کے قصد سے ضرور چڑھالائیں گی لیکن مسلمان جموش رہ کر اس وقت تک اشارہ قدرت اور منشاء مشیت کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ جسکے بغیر وہ اپنی ذرا سی جنبش اور حرکت کو گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔

مشاہدات متجاہدہ کے علاوہ وحی مآلی کے ارشادات اپنے پیغمبر برحق کو قریش کے ان ظالمانہ تدبیر و ارادے سے آگاہ کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ طبری کے اسناد سے حضرت علی کا یہ ارشاد کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلو گون سے اکثر چاہ بدر کی نسبت پوچھا کرتے تھے۔ اس امر کا شاہد صادق ہے کہ آپ جنگ بدر کے متعلق قبل از وقوع بدر بے حد وحی مطلع فرمادیے گئے تھے۔ اور لشکر قریش کے بالکل قریب پہنچ جانے تک کسی قسم کی تحریک و سبقت کرنے سے روک دے گئے تھے۔ چنانچہ جمہور مؤرخین و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ لشکر کفار کے بالکل قریب بدر آ جانے کی صحیح خبر پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونکی مدافعت کا ارادہ فرمایا۔ جو حکم قدرت اور تدبیر مشیت کا عین مقصود تھا۔

جنگ بدر کا اعلان | جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لشکر قریش کے قریب بدر پہنچ جانے کی خبر پہنچی اور مبارزان اسلام خبر مل گئی تو آپ نے اون سے مقابلہ و مقابلہ کے متعلق سب سے پہلے جو کام کیا۔ وہ تمام اہل اسلام کے اظہار عقیدت جماعت میں اس قصد و ارادہ جنگ کا اعلان کرنا اور شرکت محاربت پر مسلمانوں کا عام استمراج لینا تھا۔ حکم ہوا اور تمام اہل اسلام حاضر تھے۔ وہ کفار کے مظالم اور اپنے مصائب کو خود جانتے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ بیان کی ضرورت نہیں ہوئی۔ سب نے سماع و اطاعتاً لیکر سر ہائے تسلیم جھکا دیے لیکن اوس

رحمت عالم اور خلق مجسم کا ابھی طینان نہیں ہوا۔ وہ مہاجرین سے نہیں۔ بلکہ اپنے خلق عظیم کے تقاضے جماعت انصار کی زبان و الفاظ میں اپنے اس قصد کی تصدیق و تسلیم کا اقرار کرنا چاہتا تھا۔ اسلئے کہ جو شرائط جنگ کو ان سے معاہدہ لئے گئے تھے وہ مدینہ کے اندر ہی رہ کر اونکو جنگ و مقابلہ کرنے کا پابند بناتے تھے۔ مدینہ سے باہر جا کر جنگ کرنے کے شرائط نہیں تھے اور یہ ظاہر تھا کہ مدینہ سے آٹھ میل کی مسافت پر جا کر اونکو دشمن سے لڑنا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک یہ خلاف معاہدہ واقع ہوتا تھا۔ اسی لئے آپؐ کہہ رہے تھے اور بار بار اونکی طرف رخ کرتے تھے اور اونکے جواب کے منتظر تھے۔ مزاج ان جان نثار اور آداب شناس انصار آنحضرتؐ کے مدعا سے دلی کو سمجھ گئے۔ گروہ انصار سے سعد بن عبادہ۔ ہمد بن عقیقہ بنکر اور ٹٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے اب ہم ان جان نثاران اسلام کی تقریریں پچھلے شبہی صاحب کی زبانی ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

سعد بن عبادہ رئیس  
حضرت کی تقریر  
قسم آپؐ فرمایا میں تو سمجھتا ہوں کہ آپؐ پرین۔ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ بنی اری میں ہے کہ مقداد نے کہا کہ ہم قوم موسیٰ کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپؐ اور آپؐ کا خدا جا کر لڑیں۔ ہم لوگ آپؐ سے اپنے سے بائیں سے سامنے سے پیچھے سے لڑینگے۔ انکی تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا۔ سیرۃ النبی ص ۲۳۱  
شبہی صاحب نے اپنے اسی قدیم داہمہ۔ مشایقین پر روپ کے خوف سے اس واقعہ کو تین قطع و جریہ کے ساتھ مبہم کر کے لکھا ہے وہ محققین کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ایک تو آپؐ کی سمجھنے کے محدثین نے اس تاریخی واقعہ کو جس اختصار کے ساتھ لکھا تھا وہی اسکی تفصیل کے استحقاق کے لئے کافی تھا۔ اور آپؐ کی تائید نے اور بھی ناقص کر دیا۔ یہ اصلی موضوع کے ماخذوں کو چھوڑ دوسرے خارجی ماخذوں سے استنباط و استخراج کر دیا۔ نتیجہ ہے۔ ایک تو یہ غلطی کی دوسرے جان نثاران انصار میں اسل جان نثار سعد بن معاذ کی تقریر کو بالکل تھوڑا کر دیا۔ حالانکہ سعد بن عبادہ کی نسبت تقریر کرنے کا واقعہ ہی محققین کے نزدیک اب تک مشکوک ہے۔ اور سعد بن معاذ کی تقریر پر اتفاق جمہور ہے۔ چنانچہ اسکی تفصیل حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

اب ہم اس واقعہ کی پوری تفصیلی کیفیت طبری اور ابن ہشام سے حسب ذیل نقل کرتے ہیں۔

کان علیہ السلام اخبرهم من قریش فقام ابو بکرؓ | جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام جمعہ سہین کو قریش کی جبر سے مطلع فرمایا تو

لے تعجب ہو کہ ماخذوں میں حضرات صحابہ کا ذکر ہے مگر ان میں سے کسی بزرگ کی تفصیل تقریر نہیں۔ اس ضرورت سے زرقانی کی شرح میں تلاش کی گئی اور میں بھی حضرت ابو بکرؓ کی تقریر کا کوئی ذکر نہیں ملا۔ جان حضرت عمرؓ کی تقریر کے الفاظ دکھائی دیے یا رسول اللہؐ اٹھا قریش وغیرہا واللہ ما ذلت منذ عزت ولا امنت منذ كفرت واللہ لتقاتلناک فما هب لذلک اھبتک واعد لذلک عددک۔ یا رسول اللہؐ یہ قریش اونکی عزت کا معاملہ ہے قریش نے حبیب سے عزت پائی آج تک دلیل نہ ہوئے اور حبیب کا فرہم ہوئے آج تک ایمان لا کر



الصديق فقال واحسن ثم قال عمر بن الخطاب فقال واحسن ثم قال المقداد فقال يا رسول الله امض لما اراك الله ففحن معك والله لا نقول لك كما قالت بنو اسرائيل لموسى اذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون ولكن اذهب انت وربك فقاتلا انا معكما يقاتلون فوالذي بعثك بالحق لو سرت بنا الى برك الغماد لجدنا معك من دونه حتى تبلغه فقال رسول الله صلعم خيرا ومعاله به ثم قال رسول الله صلعم اشيروا على ايها الناس وانها يريد الانصرار وذلك انهم عدوا لنا وانهم حين بايعوا بالعقبه قالوا يا رسول الله صلعم انا براء من ذماك حتى تصل الى ديارنا فاذا وصلت الدينا فاني ذمتنا منكم ما نمنع منه ابدا ولساننا فكان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم يتخوف ان يكون الانصرار فرى عليها فاستقر الاقمن دهمه بلاد يته من عدوه وان ليس عليهم ان يسيرنهم الى عدو من بلادهم فلما طال ذلك رسول الله صلعم قال له سعد بن معاذ والله كائنك مزيدا يا رسول الله قال اجل قال فقد منابك وصدقك وشهدنا ان ما جئت به هو الحق واعطينا على ذلك نكحونا وموثقنا على السمع والطاعة فامض يا رسول الله لما امرت ففحن معك فوالذي بعثك بالحق لو استعصمت بنا هذا لبحر فخصنا فخصنا معك ما تخلف منا رجل واحد ما نكوه ان تلقى بنا بعد

حضرت ابو بکر الصديق کھڑے ہوئے تقریر کی اور انکی تعریف کی گئی پھر حضرت عمر بن الخطاب کھڑے ہوئے تقریر کی اور تعریف کی گئی پھر حضرت مقداد کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ آپکو جو حکم خدا ملا ہے اسکو پہنچا دیں۔ خدا کی قسم ہم آپ کی خدمت میں ہرگز نہیں گریں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا خدا دونوں نے جاؤ۔ ہم یہیں بیٹھے کے بیٹھے رہیں گے لیکن اؤ کو برخلاف ہم تو یہ کہیں گے کہ آپ اور آپکا خدا غنیمت سے لڑیں گے لے لیں گے۔ ہم آپ کو ساتھ چلنے اور اپنے کو تیار رہیں اور اس خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہلو گون بک انصار دے دے اور ان میں سے کسی کو بھی آپ کی کاپ میں برابر ملو اور آپ کو ننگے پائوں کہ آپ کا رادہ پورا ہو۔ یہ منکر جناب سولی اصلہم نے مقداد کو دیکھا خود انکے بعد آپ نے فرمایا ایہا الناس تلوک مجھے اس امر میں مشورہ دو اس کہنے کو آپ کا رو بہ سخن خاص کر انصار کی طرف تھا اور ان میں سے بھی خاص کر انہیں مخصوص میں انصار سے جو پہلے آپ کو بیت عقبہ کر چکے تھے۔ اور انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم ہم سو قوت تک آپ کے ذمہ دار نہیں تھے جب تک آپ ہمارے شہر و وطن میں نہیں آئے تھے۔ اب جب آگئے۔ تب ہم آپ کے بالکل ذمہ دار بن گئے اس بنا پر کہ آپ سوا ان تمام امور کی مدافعت کرینگے جن امور کی ہم اپنے اہل و عیال سے مدافعت کرتے ہیں جناب رسالتہا صلی اللہ علیہ وسلم کو دین یہ خیال نہ تھا کہ ہم اس کے جو امور انصار میں کہیں کہہ سکتے ہیں آپ مدینہ کو اندر دشمن کے علاوہ ہر نیکو وقت مدد کر کے دے دیا ہے اور ایسی حالت میں کہ جب دشمن سے باہر جا کر مقابلہ کی ضرورت ہو تو مدد نہیں۔ جب آنحضرت صلعم نے تقریر میں اسکی طرف اشارہ کیا تو سعد بن معاذ نے اٹھ کر عرض کی کیا اس ارشاد میں ہلو گون کی طرف اشارہ ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ سعد نے عرض کی کہ ہم سب آپ پر ایمان لا چکے۔ آپ کی تصدیق کر چکے اور جو کچھ حضور پر جناب اللہ نازل فرمایا گیا ہو اسکی شمولیت

بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر۔ اپنے انہو لڑکر خدا کی مہبت اور ہر قایم کیجئے اور اس کا وعدہ پورا کیجئے غلصین کی مندرجہ بالا اظہار عقیدت اس تقریر کو جو مہبت و تحقیق کی نگاہوں سے غنی نہیں۔ بخوش عقیدہ محمد بن کا اعجاز ہے حقیقت کچھ بھی نہیں بے گناہ نام داخل کر دیا گیا ہے در نہ واقعیت ہوتی تو اصل فقرہ کے ساتھ ان بزرگوں کی تقریریں بھی ادا تات ماری بنی منکر نقل ہوتیں

المؤلف

وَأَذَانًا لِّلصَّبْرِ فِي الْحَرْبِ صَدَقَ فِي الْمَلَقَاءِ لَعَلَّ اللَّهَ يَرِيَّتْ مَا نَأْتِيهِ عَلَيْهِ عَلَيْكَ فِيمَا عَلِيٌّ كَرَّمَ اللَّهُ فَسُيُولَ اللَّهُ صَلَاحُ بَعْدَ وَنَشْطِهِ ذَلِكَ  
 دس چکے اور آپ کی اطاعت و متابعت کے معاہدے لکھ چکے پھر استغفار کی ضرورت کیا ہے آپ نے جو ارادہ فرمایا ہے اوپر عمل کیجئے یہ تم  
 آپ کی خدمت کو حاضر ہیں۔ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق پر مبعوث فرمایا ہو اگر آپ ہم کو اس دریا میں کود پڑنے کیلئے حکم دیں تو ہم  
 بلا تامل داخل دریا ہو جائیں۔ اور ہم میں سے کوئی شخص بھی آپ کے اس حکم سے نہ خلاف کر سکتا ہے اور نہ انکار کر سکتا ہے۔ اور آپ میدان  
 جنگ میں دیکھ لیں گے کہ ہم جہاں و قتال کی منتی کے وقت کیسا سہو تحمل کرنے میں اور ہم اپنی جان نثار یا نہ دکھلا کر آپ کی آنکھیں  
 ٹھنڈی کرینگے بس خدا کی تائید و برکت کی امیدوں پر آپ تشریف لے چلیں۔ جدہر کا قسمہ فرما چکے ہیں۔ سعد بن معاذ کے یہ کلمات  
 عقیدت نگر آپ بھی سرور ہوئے ابن ہشام جلد دوم ص ۱۳ مصر

اس تقریر کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غم جہاد مستقل کر دیا۔

میدان بدر کی طرف روانگی | بارہویں رمضان المبارک شہر ہجری کو آپ قریب تین سو چودہ آدمیوں کی جمعیت لیکر مدینہ سے باہر نکلے اور ایک  
 میل کی مسافت پر جاوا ابی عقیقہ کے پاس قیام فرمایا۔ یہاں ٹھہر کر اسلام کا جائزہ لیا گیا۔ اور سب کو یہاں جمع ہو کر  
 حکم فرمایا گیا۔ جان نثار ہمارے سرفروشیوں کی پرچوشیوں میں لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے۔

بقیہ عبارت حاشیہ کو لکھ علامہ زرقانی نے حضرت ابو بکرؓ کی تقریر کی نسبت تو کمال شخص کے ہوتا تو کار یہ لکھ دیا ہے لہذا میں ذکر کس یہ نہیں معلوم  
 ہوا آپ نے کیا تقریر کی حضرت عمرؓ نے جو تقریر کی وہ نقل کر کے حقیقت حال دکھلائی گئی۔ اسی زرقانی کی تفسیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ فقہ تقریر  
 شیخین صرف علماء کی خوش عقیدگی کے باعث ہیں کیونکہ امام سیسی نے اس سلسلہ میں کمال بحث کی ہے۔ زرقانی اس کو مفصل ذیل عبارت میں لکھتے ہیں۔  
 قال سيد الناس في يوم الاثر هذا كور عن سعد بن معاذ  
 ولفظه عن انس ان رسول الله صلعم شاور حين  
 بلغه اقبال فتكلم ابو بكر فاعرض منه خبر نكله عمر فاعترض  
 عيون الاثمين سيد الناس لکھتے ہیں کہ یہ کلام جو سعد بن معاذ کی طرف  
 منسوب کیا جاتا ہے وہ حقیقتاً سعد بن معاذ کی زبانی ہو گیا کہ انہوں نے اپنے  
 لفظ میں بیان کیا ہو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو معین کے آنے کی خبر پہنچی تو  
 آپ نے عیسیٰ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور تقریر کی۔ آپ نے کچھ توجہ نہ فرمائی۔ پھر حضرت عمرؓ نے تقریر کی۔ آپ نے کوئی توجہ  
 نہ فرمائی۔

اب واغرض عنہ کے الفاظ و معانی کو۔ روایت مرقومہ بالا کے الفاظ فاحش سے مقابلہ کر کے حقیقت حال خود سمجھ لی جاسکتی ہے  
 جس میں واقعیت تو نام کو بھی نہیں۔ ہاں خوش عقیدگی کے ہاتھوں سے تبرکات کے داخل کئے جانے کی مناسبت ضرور چھلکتی ہے  
 یہ تو اس موقع پر اندرون بزرگوں کی تقریر کی حقیقت حال کا انکشاف کیا گیا۔ اب ہم شبلی صاحب کے اس مختار کی تنقید کرتے  
 ہیں جو آپ نے سعد بن معاذ کی تقریر کی نسبت قائم فرمایا ہے اور اہل مقبرہ سعد بن معاذ کی تقریر کو قطعاً مرفوع القلم کر دیا ہے چنانچہ ہم نے  
 کی عبارت سے علامہ سید الناس کی مرقومہ بالا عبارت کے بقیہ مضامین ذیل میں نقل کر کے شبلی صاحب کے اس مختار کی پوری  
 تنقید کر دیتے ہیں۔

نقام سعد بن عبادۃ فقال ایانا دلہ یا رسول اللہ و | سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کو اس کا نام کیا خطاب کیا ہے

جان بازون کی عقیدت نہ رہی شیون اور سرگرمیوں کا یہ عالم تھا کہ صغیر السن اور غیر مکلف بچے تک شریک جہاد ہونے کی تمنا میں گھردن سے باہر نکل آئے تھے۔ اور جوانوں کی صف میں ملکر کھڑے ہو گئے تھے۔ معائنہ کے وقت ان کو غیر مکلف قرار دے کر واپس جانے کا حکم ہوا۔ ان نو عمر بچوں میں حمیر بن ابی وقاص بھی تھے۔ جب ان کو بھی واپس کا حکم ہوا تو یہ پھوٹ کر رو پڑے۔ آنحضرت معلّم ان کی بیٹابی سے بہت متاثر ہوئے اور بالآخر اجازت دیدی۔ حمیر کے بھائی سعد بن وقاص نے اس کے ساتھ جان نثار اسلام کی گریں تلوار باندھ کر گود میں اٹھالیا۔ اور ساتھ لے لیا۔

بقیہ عبارت حاشیہ۔ والذی نفسی بیدہ لو متنان  
نضربھا اکبادھا الی برك العمد لفعلنا۔ الحدیث القول  
کا بن ابی شیبہ وابن سائد وابن مرقیہ قال الحافظو  
یحسن الجمع بانہ صلعم استشارہ منین الاھلی بالمدینہ  
اول ما بلغہ خیرا بعد ذلک بین من لفظ مسلم شاو  
حین بلغہ اقبال ابوسفیان والثانیۃ لانہ کانہ بعد  
ان تخرج کما فی حدیث الجماعۃ۔ ووقع عند الطبرانی  
ان سعد بن عبادہ قال ذلک بالمدینہ وھذا  
ادلی بالصواب زرقانی ص ۵۵ مصر

کے موقع پر یہ تقریر کی تھی۔ اور یہی صحت سے فریب تر ہے۔

ہم ادھر لکھ آئے ہیں کہ شعبی صاحب نے محض صحیح مسلم کے اعتبار پر اپنے اس مختار کو قلم کیا ہے حالانکہ آپ ہی کے محققین و محدثین سعد بن عبادہ کی اس تقریر پر شکوک ہیں۔ تقریر ہونا یا نہ ہونا تو درکنار۔ یہ حضرات تو سعد بن عبادہ کو شرکاء جنگ ہی میں داخل نہیں کرتے۔ چنانچہ علامہ زرقانی اسکی حقیقت کا حسب ذیل انکشاف فرماتے ہیں۔

واختلف فی شہود سعد بن عبادہ بدھا ولم یذکرہ سنی  
بن عقبہ ولا ابن اسحاق فی البدایین و ذکرہ الواقدی  
المدائنی وابن الکلبی۔ اما الواقدی الحافظ المتروک  
سعد علیہ والمدائنی وثقلہ ابن عیین وقال ابن عدی  
بقوی وابن الکلبی فیہ کلام العیون وفی فتح الباری  
اشارۃ لانہ قال لم یشھد سعد بن عبادہ بدھا وان  
عذ منکم لکونہ ضرب لہ بسجلہ واجزہ وفی عیون بعد

علامین اس امر پر اختلاف ہے کہ سعد بن عبادہ شریک بدر تھے یا نہیں انکو سنی  
عقبہ وابن اسحاق نے شرکاء بدر میں نہیں لکھا ہے۔ لیکن واقدی ابن مدائنی اور  
ابن کلبی نے لکھا ہے۔ واقدی حافظ حدیث تو باوجود شہرت علم کے متروک الحدیث  
اور ابن مدائنی کو اگرچہ ابن عیین نے ثقہ لکھا ہے لیکن ابن عدی قوی الحدیث نہیں  
جانتے۔ ابن کلبی کے بارے میں صاحب عیون نے کلام کیا ہے اور فتح الباری  
نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سعد بن عبادہ معرکہ بدر میں شریک ہی نہیں تھے  
اب وہی یہ بات کہ پیر الکا حصہ کیوں دیا گیا۔ اسکی نسبت عیون الآثار میں اس





آپؐ کے اسلام کے ہمراہ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور روحو و حاکم و متصرف ذات اجڈال میلاد اور ایشیل کی منزلوں کو طے فرماتے ہوئے چشمہ بدر پر پہنچ گئے۔ زرقانی کی تحقیق میں ہر واسیتہ چھتیس<sup>۳۶</sup> اور ہر واسیتہ تیس<sup>۳۷</sup> میل روزانہ کی رفتار کے حساب سے۔ یہ میل کی مسافت گویا دو ڈھائی دنوں میں تمام کر دی گئی۔

جناب رسولؐ اصلی المد علیہ السلام کے داخلہ کی خبر سنکر وہ دن فجر حاضر ہوئے۔ غرض کی کہ غنیم اس وادی کے اس پار تک پہنچ گئے ہیں۔ آپؐ نے آگے بڑھنے کو مصلحت نہ سمجھ کر وہیں قیام فرمایا۔

موقع بدر مدینہ منورہ سے اتنی میل (چالیس کوس) کے فاصلہ پر مغرب و شمال کی طرف شارع عام واقع ہے یہیں ہر پہاڑوں کی گھاٹیوں میں ہو کر شام جانے کا تنگ اور کچ مج راستہ نکلتا ہے۔ مقام بدر قدیم منزل گاہ ہے۔ اس لئے کہ یہاں صاف پانی کے اکثر چشمے جاری ہیں عرب کے مشہور اور قدیم سالانہ میلوں کے مقامات میں بدر بھی شمار کیا جاتا ہے۔ یہاں کے سالانہ میاؤں کے متعلق طبری لکھتے ہیں۔

دکان بدر موسما من مواسم العرب فیجتمع لہرلھا  
سوق کل عام فقیم علیہ ثلثا و تخر الخ و ر و نطعد الطام  
ونسفی الخ و تعرف غنما القیان و تسمع بنا العرب

بقیہ عبارت حاشیہ گذشتہ کما اخرجک ذلک من  
یبتک بالحق وان فیما من المؤمنین لکما یھون و یجادون  
فی الحق تبدل ما تبین کانتا یساقون الی الموت و ھو یظنون  
واذ ھدکم اللہ احدی الطایفتین انھا لکم کؤودون  
ان غیر ذات الشوکه تکون لکم و یؤید اللہ ان ینج الحق  
بکلماتہ و یقطع ذار الکافرین یحق الحق و یبطل الباطل  
و کؤکرہ الکافرون۔

عرب کے مشہور مقامات میں تھا۔ یہاں ہر سال تین دن تک میل لگا رہتا تھا۔ کثرت  
اہل عرب جمع ہوتے تھے، اونٹوں کو بیچ کر کے کھانے پکاتے تھے اور کھانے پکاتے تھے اور کھانے پکاتے تھے  
عرب کی مشہور گائے بانیوالی عورتوں کا گانا بجانا سنتے تھے۔ طبری ص ۱۳۰  
میں طرح اسے پیغمبرؐ پر اذیت دیکھ کر بربرے گرسے (بدر تک) نکال لایا۔ حالانکہ مسلمانوں  
کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا۔ وہ بحدت حق ظاہر ہوئے پیچھے بھی جھک کر آئے۔  
گویا کہ وہ موت کی طرف ہنکائے جاتے ہیں اور وہ اپنی آنکھوں سے اپنی موت کو  
دیکھ رہے ہیں اور جب خدام سے قریش کے قافلہ اور قریش کی فوج میں جو ایک کا  
وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمہارے لئے ہے تم چاہتے ہو کہ بے ترشہ والا گروہ تم کو  
مل جائے (یعنی قافلہ) اور خدا یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت کر دے  
اور باطل کو شکست دے گو گنہگار اس سے بعید رہوں۔

متدعیین اور وہ دیدہ انصاف کہ لو کہ ان آیات قرآنیہ کو صاف الفاظ کا ترجمہ نہیں اور سمجھ نہیں کہ غارت قافلہ کو واقعہ کی بنا پر جواب گ  
اپنی نوبت پر اعتراضات قائم کرتے ہیں وہ قرآن کے ان الفاظ سے کہیں ظاہر نہیں ہوتا۔ قرآن نہ اس کی تصدیق کرتا ہے اور نہ تائید بلکہ مسلمانوں  
میں سے جن لوگوں نے یہ خیال پیدا کیا تھا اور انکو تنبیہ و تادیب کے غرض خاص سے یاد دلانا ہے کہ تمہاری خواہشوں کے خلاف خدا تعالیٰ  
کفار سے کھلے میدان میں مقابلہ کر کے حق کو قائم اور باطل کو مستاصل کرنا چاہتا ہے۔ ان کلمات سے صاف ظاہر ہے کہ بعض مسلمانوں نے یہ خیال  
ضرور پیدا کیا تھا لیکن خدا نے اسے قبول نہ فرمایا۔ اول یہ کہ بعض مسلمانوں کا یہ اپنا خیال و قیاس تھا۔ اسلام انکو لئے جوابہ نہیں ہو سکتا اور  
یہ کہ خدا نے انکو اس تجویز سے اس قدر اذیت کی کہ ان کی چشم نمائی زبانی بھی فرمادی تو پھر خدا تعالیٰ کو ایسے بے اصل اور  
خلاف واقعہ امر سے استدلال کرنا۔ کمال بد عقلی ہے۔ اب رہا یہ کہ ہمارے قدیم حدیث و تاریخ کی تائید کرتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے  
کہ مسلمانوں کے نزدیک کوئی ماخذ قرآن مجید سے زیادہ معتبر نہیں

المؤلف عنی

لشکر اسلام میں یہ تو اور پر بیان ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں کل تین سو تیرا آدمی تھے۔ تعداد تو یہ تھی سامان پر لڑی جانے تو سامان جنگ تین سو تیرا آدمیوں میں سواری کے لئے کل ساٹھ لوٹ تھے اور لشکر بھر میں صرف دو گھوڑے ایک حضرت مقداد کے پاس اور ایک زبیر بن العوام ابی مرثدہ کے پاس۔ انتظام یہ کر لیا گیا تھا کہ باری باری سے کچھ لوگ انٹون پر راہ طہ کرتے تھے اور باقی لوگ پیدل چلتے تھے جب سواری کے لوگ ایک مقررہ حد تک سواری پر چل چکے تھے تو اونٹوں پر چلتے تھے اور خود پیدل چلنے لگتے تھے اور اپنی جگہ پیدل چلنے والوں کو اونٹوں پر سوار کر دیتے تھے اس انتظام میں راحت و مساوت عام کا اندازہ لگانا کتنا گیا تھا کہ جب رسالہ مآب علیؑ وآلہ وسلم کا خاص کرب بھی شرکت سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ صاحب روضۃ الاحباب محدث شیرازی تو صرف حضرت علیؑ کو آپ کا رفیق بتلاتے ہیں لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض منہ لوں پر حضرت صلعم نے زبیر بن جراح اور ابولہبہؓ کو بھی ہمراہ لے لیا تھا نیزہ کی رہنمائی کوئی کلام نہیں۔ لیکن ابولہبہؓ کی شرکت تو بالکل خلاف واقع ہے۔ کیونکہ ابھی بیان ہو چکا ہے کہ ابولہبہؓ تو منزل اول ہی سے بیٹہ کے حصہ زبیرؓ کا حاکم بنا کر اس کو دیے گئے تھے وہ تھے کمان جو شریک راحلہ ہوتے؟

تابع و حدیث کی متفقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول خدا صلعم حسن و خلق اور عدل و تواضع کے اظہار و اقامت سے خود بھی پیدل چلتے تھے۔ اس لئے کہ مسابحات کی تعلیم ہو۔ اور مولیٰ طبیعت والوں کو اپنے پیغمبر کی طرف سے آسانی کا سوچن نہ ہو حضرت علیؑ یا اور جو کوئی ایسے موقع پر ساتھ ہوتا تھا عرض کرتا تھا کہ آپ سوا ہوں میں ہم پیدل چلتے ہیں قوت روحانیہ نبوت کے خاص انوار میں ارشاد ہوتا تھا۔

ما انت الا قوی متنی و ما باغنی عن الا حرمکما  
 تم لوگ مجھے قوی ترین ہمارے اور ہمارے اول و آخر کی مدد و حمایت سے بالکل مستثنیٰ ہوں روضۃ الاحباب محدث شیرازی۔

یہ ارشاد آپ کی نبوت کے اوصاف مخصوصہ کا کامل اظہار کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ پیغمبر تمام قواسم جسمانی اور روحانی میں عام طبقہ انسانی سے خاص طور پر قوی تر اور اعلیٰ تر مخلوق کیا جاتا ہے۔

راحلہ کا تو یہ سامان تھا۔ اسلحات جنگ و آلات حرب و ضرب کی قلت کی بحالت تھی کہ سارے لشکر میں کل چھ شخصوں کے پاس زربین تھیں۔ باقی سب کے سب اسلحات سے بالکل خنکے تھے تین سو تیرا آدمیوں میں سے کل آٹھ آدمیوں کے پاس تلواریں تھیں۔ باقی سب کے پاس یا نیزہ و سنان تھے یا نیزہ و کمان۔ اسی مختصر سامان سے اور اسی مختصر جماعت جان نثاران سے اسلام کو کفار کے اوس عظیم الشان لشکر جبار کا مقابلہ کرنا تھا جو تعداد میں ان سے گونہ گونہ تھا۔ ان کی ایک ہزار آہن پوش پہلوانوں میں سو جبار سواروں کا ہوا لایا تیار تھا۔ جو سر سے پاؤں تک نوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ طلاہ کا کام کرتا ہوا فوج کے آگے آگے چلتا تھا۔ اور معرکہ جنگ میں سابقین لشکر سے بجلی کی طرح کونڈا ہوا غنیم کے سپر گر پڑتا اور دم کے دم میں دشمن کا کام تمام کر دیتا۔ اسلحات کی یہ کثرت تھی کہ ہر شخص دوہری دوہری زربین پہنے تھا سرون پر ایک

خود پر دود و خود کو دیکھتا تھا۔ جو دشمن بہ مخزورہ بکتر و غیرہ۔ فرض جنگی لباس میں وہ کونسا لباس تھا جو ان کے پاس موجود نہ تھا یہی کیفیت آلات حرب و ضرب کی بھی تھی۔ ہر شخص ضرورت سے زائد اپنے بدن پر تیار لگائے تھامن بہر کے جسم پر دود و من لو ہے چڑھائے تھا۔ خوشحالی و ہمتندی۔ فراغت اور اطمینان کا یہ عالم تھا کہ راستہ میں شکار کا پڑور و ساد امر اسے حرب کا شکر لکھ رہا تھا۔ نوٹو دس دس اونٹ روز دس بج گئے جاتے تھے اور ریشہ ریشہ ہو کر تمام فوج میں بٹ جاتے تھے اسی طرح اون کے تمام اسباب تعیش اور سامان آرام و راحت کا اندازہ کر لیتا چاہیے۔

ذیقین مقابل کے ان متوازی حالات کو پڑھ کر نہایت آسانی سے ہر شخص فیصلہ کر لے گا کہ طیاری جنگ کے اعتبار سے کبھی مسلمان کفار کے مساوی نہیں تھے۔ نہ مسلمانوں کے پاس ضرورت جنگ کے موافق اسلحات جنگ تھے نہ آلات حرب۔ نہ راحلہ ہی اتنا تھا نہ سامان مقابلہ۔ مخالف مقابل کے برابر نہ اون کی تعداد ہی تھی نہ شمار۔ نہ پیدل نہ سوار۔ اتنی بڑی بے سامانی سے اتنے بڑے ساز و سامان کے مقابلہ پر طیار تھے عام نگاہوں میں تو اون کی یہ جرأت بھی خود کوشی دکھائی دے گی لیکن حقیقتاً اون کی یہ ظاہری بے سروسامانی اپنے پہلو میں کامل الایمانی کی روحانی قوت رکھتی تھی۔ جو نہ سامانوں کی افزائش سے گھٹ سکتی تھی اور نہ اسلحات و آلات حرب کی برش سے کٹ سکتی تھی۔ اور یہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ اپنی قلیل جماعت سے اتنی بڑی کثیر جماعت غنیمت سے مسلمانوں کا مقابلہ نہیں تھا بلکہ استقرار علی الحق ثبات فی الایمان اور استیصال الباطل کے سلسلہ میں ان کی سرفروشیوں اور جاننازیوں کی پہلی آزمائش اور اولین امتحان ثابت ہوتا ہے۔ جو مدبرین قدرت کی طرف سے آماجگاہ بدر میں لیا گیا۔ اور اس امتحان قدرت کے ہر شعبہ میں کامل ہو کر جان نثاران اسلام نے بتلادیا کہ کامیابی یافتہ و فیروز مندی تعداد و افراد پر منحصر نہیں۔ بلکہ اسکی تحسین و تکمیل زیادہ تر اسے تقارر و استقلال کے کمال اور خدا کی تائید و افضال پر موقوف ہوتی ہے۔

جناب بن منذر کی جس مقام پر شکر اسلام نے قیام کیا تھا وہ جنگ و مقابلہ کی ضرورتوں کے اعتبار سے تجربہ کاران مبارک کی مفید مشورت نگاہوں میں موردوں اور مناسب نہیں معلوم ہوا۔

جناب بن منذر جو بڑے بزرگ و آوازدار ہر کما سے جنگ کے بڑے تجربہ کار تھے اور صحابہ اولین میں داخل تھے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اس موقع پر قیام وحی الہی کی ہدایت سے کیا گیا ہے یا محض تدبیر جنگ کی تجویز سے ارشاد ہوا حکم وحی سے نہیں ہے۔ جناب نے عرض کی مقابلہ کی مصلحتوں کے اعتبار سے تو مناسب یہ ہے کہ بیان سے کچھ اونگے بڑھ کر سامنے والے چشمہ پر قبضہ کر لیا جاوے اور اس پاس کے جتنے کنوئیں ہیں سب بیکار کر دیے جائیں اور وہی مقام شکر کی قیام گاہ اور غنیمت سے رزمگاہ قرار دیا جائے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب بن منذر کی صلاح پر عمل فرمایا۔ بعض مسلمانوں کو یہ موضع قیام نہ آیا اور وہ کنوئیں کے بیکار کئے جانے کو بھی اچھا نہ سمجھے۔ اسلئے مصرف کے لئے صرف ایک چشمہ کے پانی کو تمام ضروریات کے لئے

نا کافی سجدہ قیام گاہ کی زمین کی سختی اور کمی آب کا غور کرنے لگے۔ تاہم اندرونی نے اون کو رفع شکایت کو سامان مہیا کر دیے رات آتی تو کتر سے مینہ بہنے لگا اور خوب ٹھٹھ کر تمام رات برسا کیا تمام رات ایک جنم گھٹنے وہنس جاتے تھے یک لخت جگر تمام ہن ہموار اور سخت ہو گئی مسلمانوں نے کثرت سے جابجا مینہ کا پانی روک کر متعدد غسل بنائے اور نہایت اطمینان و آسانی سے وضو و غسل کی ضروریات عمل میں لانے لگے۔ خدا نے اسباب الاسباب نے اون کے ان اسباب فراغت و اطمینان کے نزول کی خبر اپنے ان الفاظ میں دی ہے۔

وَيُنْزِلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ لَيَطْفِئَهُ كَذِبًا  
طبری ۱۳۰۹ روضۃ الاحباب محدث شیرازی ص ۲۲ طہارت کرو

سفیان قریشی کی گرفتاری | جناب ابن منذر کی تجویز انسانی تبریر ربانی کے مطابق نکلی۔ اور فی الحقیقت شکر اسلام کو آرام و اطمینان کے علاوہ غنیم سے مقابلہ و مقابلہ کی نسبت بھی ذریعہ فتح و کامرانی ثابت ہوئی۔ جیسا کہ سلسلہ بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ منزل اول سے غنیم کی سرخ رسانی کے لئے جو مجر بھیجے گئے تھے اونھوں نے قریش کے واوی کے اوس پارتک آجانے کی اطلاع پہونچائی تھی لیکن اونکا کوئی آدمی اسوقت تک کمین دکھلائی نہیں دیا تھا جس سے اونکی جمعیت سامان و طبکاری کی تفصیل کیفیت معلوم ہوتی۔

اس ضرورت سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اے ابوبکر! اس وقت حکم دیا کہ اوہراؤ و ہرجا کر غنیم کا صحیح تہا لگائیں حکم رسول اللہ پاکر یہ تینوں حضرات حسن اتفاق سے چشمہ بدر پر عین اسوقت پہونچے جب شکر قریش کے سنے پانی لے رہے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھتے ہی وہ سب کے سب بھاگے لیکن ان میں دو شخص گرفتار ہو گئے۔ ایک کا نام اسلم تھا دوسرے کا عیض پہلانی الحجاج کا غلام تھا۔ دوسرا بنی عباس کا۔ یہ لوگ اندرون غلاموں کو گرفتار کر کے خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لے آئے آپ نماز میں مصروف تھے۔ ان لوگوں نے ان دونوں سے نام و نشان پوچھنا شروع کیا۔ اون دونوں نے اپنے صحیح نام بتلائے اور کھا کہ ہم قریش کے غلام ہیں چشمہ بدر سے پانی لینے آئے تھے ان لوگوں نے (بنابر تصدیق) کہا نہیں تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم قریش کے آدمی نہیں ہو بلکہ ابوسفیان کے کاروان والے ہو۔ یہ کلمہ انہیں مارنے لگے۔ دونوں نے مار کے خوف سے کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ اس اثنا میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے اور ان حضرات کو مخاطب ہو کر کہا: عجیب بات ہے۔ جب سچ کہتے ہیں تو تم لوگ انہیں تنبیہ کرتے ہو۔ اور جب جھوٹ کہتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہو۔ یہ حقیقتاً قریش کے غلام ہیں اور پانی لینے آئے تھے۔ پھر انفس انفس ان سے مخاطب ہو کر استفسار حال فرمایا انھوں نے عرض کی ہم قریش کے غلام ہیں کنوین سے پانی لینے آئے تھے کہ آپ کے اصحاب نے گرفتار کر لیا۔ پوچھا گیا قریش کمان میں۔ اونھوں نے جواب دیا کہ اس ٹیلہ کے اوس طرف استفسار ہوا تو ادین کہتے ہیں وہ بولے صحیح تھا تو



میں تیار نہیں کئے لیکن اتنا کہہ سکتے ہیں کہ انکی جمعیت کے کھانے کے لئے ایک دن نواؤنٹ اور دوسرے دن دس اونٹ  
ذبح کئے جاتے ہیں یہ سکرار شاد ہوا کہ قریش کی جمعیت نو سو اور ایک ہزار آدمیوں کے درمیان ہے۔ پھر اون سے پوچھا گیا  
کہ اشرف قریش میں سے کون کون لوگ شکر کے ہمراہ آئے ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا۔ عتبہ بن ربیعہ  
ربیعہ کے بیٹے ابوالجحری۔ حکیم بن خزام۔ حارث بن عامر۔ طمیمہ بن عدی۔ نضیر بن الحارث۔ زمعہ بن الاسود۔ ابو جہل  
اسمہ بن خلف۔ بنہ ابرہہ۔ حجاج کے بیٹے سیل بن عمرو۔ عمر بن عبدود یہ سکر آپ نے اصحاب کی طرف خطاب  
کر کے ارشاد کیا۔

ہذہ مکہ قد الفت الیکم افلا ذککدھا کہنے تم لوگوں کی طرف اپنے بارہا کے بعد کو بھیجا ہے۔ طبری ۱۳۴  
اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قریش کے مقتد و پانی بھرنے والوں میں صرف ہی دو آدمی گرفتار کئے گئے تھے جو خدمت  
رسول میں حاضر کئے گئے۔ باقی بھاگ گئے تھے۔ انھیں بھاگنے والوں میں ایک شخص عجز نامی تھا اس نے جا کر قریش  
سے اپنے ہمراہیوں کی گرفتاری کا سارا واقعہ کہہ دیا۔ قریش مسلمانوں کی طرف سے ایک تو یہ نہیں چلے ہوئے تھے یہ  
خبر سن کر غصہ کی آگ میں اور جل اٹھیں گئے۔ لیکن وقوعہ کو بہت عرصہ ہو چکا تھا۔ مسلمان اسیروں کو اپنی لٹ لگا کر  
میں لیجا چکے تھے۔ اور دریافت حال کر چکے تھے رات کا وقت تھا۔ انھیں وجوہ سے قریش نے مسلمانوں سے  
کسی فوری معاوضہ یا مجاہدہ کا خیال نہ کیا۔ اور نموش رہ گئے۔

یہ امر بھی بیان لکھ کر بیان کر دینا نہایت ضروری ہے کہ اگرچہ چشمہ بدر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور ان لوگوں  
نے جا بجا اسے چشمہ کا پانی روک کر اپنے مصرف کے لئے چھوٹے چھوٹے حوض بنائے تھے۔ تاہم اس رحمت عالم  
نے خدا کے اس فیض روان کو مستکبران خدا کے لئے بھی نہ روکا اور دشمنوں کو بھی دوستوں کی طرح اس سے فیضیاب  
وسیراب ہونے کی اجازت دیدی۔

افسوس ہے جنگ بدر میں مقابلہ کفار رسول اللہ صلعم کی تعلیم تھی لیکن آج سے ساٹھ برس بعد جنگ کربلا  
میں مسلمانوں نے مقابلہ آل اطہار اس تعلیم کی کیا تکمیل کی۔ غافل و ادا اولی الا بصارت  
کفار قریش کی بدینہ کا نتیجہ۔ حکیم بن خزام جو رسائے قریش میں تھے مسلمانوں کے حوض کے پاس آئے بعض صحابہ نے روکنا  
چاہا۔ انحضرت صلعم نے روکنے والوں کو فوراً منع کیا۔ اور حکیم پانی لے کر چلے گئے۔ کسی کی خوش فہمی اور بدینہ چھپ نہیں  
سکتی حکیم بن خزام کی نیت میں بدی نہیں تھی۔ وہ مسلمانوں کی انسانیت ہمدردی اور عام مروت و رعایت کا تمکین  
لیئے آئے تھے۔ اور امتحان لے کر چلے گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد انھیں کے جانب سے ایک بد نیت۔ شریر الخلق اسود بن الاسود مخزومی نامی  
حوض پر آیا یہ شخص اپنی جمعیت سے لکڑیاں لے کر آیا تھا کہ میں جا کر مسلمانوں کے حوض سے پانی بھی لے لوں اور خراب بھی کر آتا ہوں

حوض پر آکر اس نے پانی لیا۔ مسلمان دیکھتے تھے کچھ نہ بولے۔ اب اس شریر الطبع نے پانی پیکر اپنے پیوں سے حوض کی مینڈ کو جو چاروں طرف پانی جمع رہنے کی لئے باندھی گئی تھی توڑنا شروع کر دیا۔ اس لئے کہ پانی سب یہہ جائے اور مسلمانوں کو تکلیف ہو۔

حضرت حمزہؓ اس کی شرارت کو دیکھ رہے تھے۔ تلوار لے کر دوڑے رہے اور اٹھے اور انھیں پر تلوار کھینچ کر قتل پر آمادہ ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ کو ادھر تک مدافعت جواب ضروری ہو گیا اور اس نے تلوار سے ان کے سر پر وار کیا۔ لیکن اس کی تلوار اسے پہلے انھیں کی تلوار۔ اسود کی ٹانگ کاٹ گئی اور وہ حوض کے کنارے گر پڑا۔ حضرت حمزہؓ آوے وہیں چھوڑ کر واپس آئے۔ اب اس شہیر نے اپنا قول پورا کرنے کے لئے قصد کیا کہ حوض میں گر کر اپنے خون سے تمام پانی کو خراب اور ناقابل استعمال کر دے۔ حضرت حمزہؓ اپنے مقام سے اس شریر کے قصد و مدعا کو دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ وہ جو بہن بھسکتے تھکے اپنے اس ارادے سے حوض کے قریب پہنچا رہا ہے اور اس کے سر پر پتے اور اونکے ایک ہاتھ میں یہ دو ٹکڑے تھے۔ ابن ہشام جلد دوم مطبوعہ مصر ص ۱۴

یہ واقعہ خوش خبری اور بدعتی کے خوشگوار و ناگوار نتیجوں کا سچا مرقع ہے۔

میدان بدر میں لشکر اسلام کی صف بندی | سومین رمضان کی رات لشکر اسلام نے میدان جنگ میں کافی۔ جناب رسولؐ نے صلعم نے اسلام کی صف بندی | رات بھر ایک سے ایک نہ لگائی۔ تمام رات عبادت گزار سی اور دعا و زاری میں بسر کر دی صبح کا سبیدار دیکھ کر مصلے سے اٹھے مسلمانوں کو نماز کے لئے اٹھایا صبح کی نماز پڑھا کر جہاد فی سبیل اللہ کے ثواب و عقاب پر ایک پراثر تقریر فرمائی۔ اور لغات الہی کی بشارتیں پہنچا کر مجاہدین اسلام کو پر جوش اور تازہ دم بنایا اور صف بندی کا حکم فرمایا۔

حاکم رسولؐ پاتے ہی دم کے دم میں جان نثاروں کی جماعت میدان کا زار میں سرخروشی کو طیار تھی۔ ترتیب فوج اور درستی صفوں کی طرف آپؐ بالنفس النفیس متوجہ ہوئے۔ دستِ مطہر میں ایک تیر کھٹا اوسی کو اشارہ سے اس سلیقہ اور قرینہ کے ساتھ مجاہدین و انصار کی صفیں درست فرماتے تھے کہ ہر صف کے خط مستقیم ایک شخص کا قدم آگے یا پیچھے بڑھنے نہیں پاتا تھا۔ ہر شخص کو صف سے آگے یا پیچھے ہو جانے کی سخت ممانعت تھی شور و غل غوغا و منگامہ کا عام طور سے لڑائیوں میں دستور ہوتا ہے آپؐ نے جان نثاران اسلام کو اس سے قطعی طور پر ممنوع فرما دیا۔ اور خلاف اسکے مبارزین اسلامی کو غنیم کے مقابلہ میں بالکل غموشی اور سراپا سکوت سے کام لینے کی سخت تاکید و تہدید فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ شور و منگامے سے مقابلہ کے وقت اضطراب بڑھ جاتا ہے اور اطمینان قلب اور تجمع حواس میں فرق آتا ہے۔ اور مقابلہ و مقابلہ کے وقت اطمینان دل اور ثبات ہوش و حواس مردانِ نبوہ کے لئے لازمی ہے۔ غنیم سے مقابلہ یا حریف مقابل سے مقابلہ میں سبقت کرنے اور دشمن پر پہلے ہاتھ اٹھانے کی

پڑی سختی کے ساتھ ہر مجاہد کو فوج و افراد منع فرما دیا گیا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصول جنگ کے مطابق فوجیں مرتب کیں اور اخلاق و تہذیب انسانی کے موافق مبارزین اسلام کو آداب جنگ بتلائے۔ کل مجاہدین و انصار کی موجودہ جمعیت کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔ مجاہدین کا دستہ انصار سے علیحدہ قائم کیا اور مصعب ابن عمیر کو۔ اور بروایت حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام پر دیا۔ بنایا انصار میں قبیلہ اوس و خزرج کے جدا جدا دستہ مرتب فرمائے۔ اوس کے دستہ کا علم بردار جناب بن مسعود کو اور خزرج کے دستہ کا سعد بن معاذ کو علمدار مقرر فرمایا۔

دن نکلتے نکلتے قریش بھی پہاڑ کے اس پار آ گئے۔ مسلمانوں کی جانب از جماعت اوس سے قبل اونکے انتظار میں طیار بھی۔ قریش غزوہ نخوت میں ایسے مدہوش تھے کہ لشکر اسلامی کی نسبت ابھی اونہیں کسی قسم کی خبر و اطلاع نہیں تھی۔ عمیر ابن وہب جمعی ایک پھر تسلیم اور جوان قریش گھوڑے پر سوار ہو کر پڑی تیزی سے مسلمانوں کی صفوں کے قریب آیا اور گھوڑے کو اوہر سے اوہر تک دوڑایا ہوا پھر اپنے لشکر سے جا ملا اور سرداران قریش سے لشکر اسلام کی حالت ان الفاظ میں بیان کی۔

من اوتکی جماعت کو دیکھ آیا۔ ان کے پاس مدینہ کے لئے اونٹ میں خیر موت کا سم قائل لدا ہے۔ اونٹے پاس سوار ہے اونکی تابارون کے اور کوئی بھی اونکی جانوں کا محافظ نگہبان نہیں ہے خدا کی قسم جرات دہشت کے اعتبار سے۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر تم اونکا ایک آدمی قتل کر دو گے تو وہ بھی ضرور تمہارا آدمی قتل کر نیگے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ قرابت و مہمتی کے

قد رایت البلا یا مفضل المنا یا فانیخ یثرب  
تخل الموت النافع قوم لیس منعة ولا ملجاء الا  
سیوفہم واللہ ما رای ان یقتل رجل منهم حتی  
یقتل رجل منکم فاذا اصابوا منکم اعداد ہم  
فما خیر العیش بعد ذلک

لحاظ سے اگر تم باخود ہاڑ کر لیت بھی مرے۔ تو پس مانہ گان کو تمام عمر لطف زندہ کی نہیں ملے گا۔ ابن شہام جلد دوم صفحہ ۱۷  
عمیر ابن وہب جمعی نے لشکر اسلام کی حقیقت اپنے لشکر والوں سے بیان کی صحیح اور فی الواقع تھی یہ ظاہر کہ آدمیوں میں ہر قسم کی طبیعت و خیال کے لوگ ہوتے ہیں۔ صلح پند و جنگجو۔ ہر طبیعت و نرم فراج۔ نیک طینت و بد نفس و غیر ذلک۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ کفار کی اتنی بڑی جمیت ترکیب فراج کے ان مخالف عناصر سے خالی ہوتی۔ ابھی بھی نیک طبیعتی اور بد طبیعتی کے واقعات میں جس نیک نیت قریش کی مثال ہم اوپر لکھ آئے ہیں وہی صامت دل۔ نرم فراج۔ رئیس مکہ حکیم بن خروزمی بن وہب کی اس تقریر سے بہت متاثر ہوا اور اس مقابلہ و مقابلہ کی حقیقت کو کما حقہ سمجھ کر اپنی نیک طبیعتی اور انصاف پسندی کے ارادے سے جانبین میں مصالحت کرادیئے پر آلاہ ہوا یہ خیال کر کے سب سے پہلے حکیم بن خروزمی عتبہ بن ربیعہ کے پاس جو تمام جمعیت قریش کا سید و سردار تھا آیا اور کہنے لگا۔ عتبہ اگر تم چاہو تو آج کو

لہ حقیقت علی کی عمارتی باسناد و تاریخ کامل ابن اثیر اور مناقب ابن احمد۔ ارجح المطالب لاہور صفحہ ۵۵۳

لیکر ہیشہ یک کی نیک نامی آن واحد میں ہمیں دستیاب ہو جائیگی اور وہ ایسی لازوال ہوگی کہ آیندہ کسی پشتون تک تمہاری یادگار ہو جائیگی۔ عتبہ بھی حکیم کے ایسا صلح پسند اور نرم مزاج تھا کہ نہ لگا تم تہا اور ضرورت پڑا وہ حکیم بولے طرفین سے جس پر کشت و خون ہوئی وہاں ہے اسکی حقیقت ہمیں خوب معلوم ہے۔ باپ بیٹے کا بھائی بھائی کا سر کاٹنے پر طیار بنے یہی دیکھ رہے ہو کہ اتنے بڑے عظیم فتنہ و فساد کا اصلی سبب وہی حضرمی کا خون ہے اور وہ حسن اتفاق سے تمہارا ہی حلیف ہے۔ ایسی صورت میں ایک دوسرے کی گروں کاٹنے سے بچنے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ تم اپنے حلیف حضرمی کا خون بھائی اپنی طرف سے دید و قصہ نہ تم ہے۔

عتبہ تھانیک دل اور صاف مزاج حکیم کی بات بھی تھی۔ عدالت اور دیانت سے لگتی ہوئی تھوڑی دیر ہو گئی تھی کہ بعد عتبہ فوراً راضی ہو گیا۔ لیکن شکل یہ تھی کہ ابو جھل کی مشورۃ در صفا مندی بنیر بر ما نظام نامکن تھا اس لئے عتبہ نے حکیم کو ابو جھل کے پاس اپنی طرف سے بھیجا اور اپنی رائے کہلا بھیجی۔ وہ عین کا دشمن اتفاق و صلح کا بہترین ایسا کیا تھا کہ اتفاق و فساد کے سوا کبھی صلح و اتحاد کی تجویزوں کی تائید کرتا حکیم سے عتبہ کا پیام سننے ہی چراغ پا ہو گیا۔ اور عتبہ پر دہر دلی کے آرام لگانے لگا۔ اور سوا اتفاق سے اسکو عتبہ بن ربیعہ کے بدنام کرنے کے لئے یہ شوشہ بھی ہاتھ لگ گیا کہ اسکے بیٹے ابو حذیفہ پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اور مہاجرین اولین کے ہمراہ مدینہ میں آکر ساکن ہو چکے تھے اور اسوقت بھی مسلمان ہی میں جان فرشتی کیلئے سرکھٹ سامنا شاہ تھے اس بنا پر وہ صاف صاف لفظوں میں کہنے لگا کہ عتبہ کی بر ساری بزدلانہ کریمین بیٹے کے جان بچا۔ بیٹے کے لئے ہیں حکیم اسکی بیعت یا نہ کلمات سنکر اس کے پاس سے فوراً واپس آئے اتنے ہی عرصہ میں یہ خبر جمعیت قریش میں پھیل گئی کہ جو نیک نیت اور انصاف پسند تھے وہ عتبہ کی تجویز سے موافق اور ابو جھل کے انکار سے مخالف نکلے۔ اسی بنا پر بنو تہرہ اور ادون کا حلیف قبیلہ و نون شکر قریش کا ساتھ چھوڑ کر اپنے موطن و مسکن کی طرف واپس چلے گئے۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۱۷۔ طبری ص ۱۳۰۰۔

حکیم کے واپس جانے کے بعد ابو جھل نے سوچا کہ شاید عتبہ کی تجویز کا اثر لشکروا لون پر اور زیادہ پھیلے اور وہ مسلمانوں سے ٹرنے میں پہلو تھی کریں تو پیرا ستیصال اسلام اور مسلمانوں کا قتل عام کا ارمان دل کا دل ہی میں رہ جائیگا یہ سوچ کر اسنے فوراً عمر بن عبداللہ حضرمی کے بھائی عامر کو بلا یا اور اس سے کہنے لگا۔ لو سنو! تمہارے خاص حلیف عتبہ صاحب تمہارے بھائی کے قاتلوں سے بجائے اسکے کہ انتقام لین تکو اس کا خون بہا مسلمانوں سے بھی نہیں اپنی طرف سے ادا کر کے مسلمانوں کو جو تمہارے بھائی کے نشینی قاتل ہیں بالکل پاک و صاف چھوڑ دینے والے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ تم فوراً ساری قوم کے سامنے اپنا استغاثہ جسکو مجاورہ عرب میں طلب ثارات کہتے ہیں پیش کرو۔ عامر نے طلب ثارات کے مروجہ دستور کے مطابق اپنا جیب و گریبان چاک کیا۔ عمامہ سر سے اتار ڈالا اور میدان میں نکل کر تمام مجمع کے سامنے۔ وا عمر آہ۔ وا عمر آہ۔ واخاؤ۔ واخاؤ کا غل مچایا۔ آواز کے سننے ہی تمام قریش اسکی حمایت پر



مسند ہو گئے۔

اس اثنا میں حکیم بن خرام بھی لوٹ کر عقبہ کے پاس پہنچے اور ابو جہل کا مفسدانہ جواب اوس سے کہہ دیا۔ عقبہ نے برہم ہوا اور کہنے لگا کہ معرکہ کا رزا گرم ہونے دو۔ ثابت ہو جائیگا۔ شجاعت و دلادری کا تمغا کون پاتا ہے اور کبیت و بدنامی کا ٹیگا کس کے سر لگتا ہے۔

شکر قریش کے حالات بیان تک لکھا کہ اب ہم شکر اسلام کے واقعات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

سیدان جنگ میں عیشہؓ پہلے سید بن سہاؤ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ ہمارے جان بشاران رسول کی طبیعتی مخلوق اس امر کو ارازمین کرتا کہ آپ کیلئے سیدان کی اس تیز و ہو پ میں معمولی سپاہیوں کے ساتھ معرکہ قتال میں کٹر رہیں ہم آپ کے لئے فوراً ایک سائبان یا چھپرہ عیشہؓ تیار کئے دیتے ہیں آپ اوس کے سایہ میں تشرف رکھ کر سرفروشان شکر کی جان بشاریان ملاحظہ فرمائیں۔ اگر خدا نے ہمیں فتیاب کیا تو کوئی بات نہیں اور اگر خدا نخواستہ خائب ہو تو آپ مخالفین کے ہاتھوں سے محفوظ رہ کر فوراً مدینہ پہنچ جائیگے اور باقی ماندہ مسلمانوں سے مل جائیگے جو خلوص و عقیدت میں ہم سے ہرگز کم نہیں ہیں۔ وہ مدینہ میں صرف اس خیال سے پہنچے رہ گئے ہیں کہ انکو اس جنگ کا حقیقی یقین ہی نہ تھا۔ اگر انکو اس امر کا یقین ہوتا کہ آپ جنگ کرینگے تو وہ بھی اسی وقت سے سرکھپ ہمارے رکاب ہوتے۔

جناب رسول خدا صلم نے سعد بن معاذ کی یہ عقیدت مندانہ تقریر سن کر انکو دعائی خیر دی اور عیشہؓ کی تیاری کا حکم دیا۔ دم کے دم میں کچور کی شاخوں اور پتوں سے عیشہؓ طیارہ کروایا گیا اور سعد بن معاذ اپنے چند اعران و انصار کے ساتھ عیشہؓ رسول صلم کی حراست و سپرداری کی غرض خاص سے تنگی تلواریں لے کر دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ مہری ۱۳۱۵ھ۔ ۱۵ مہرم جلد دوم ص ۱۵

عام خضرمی کی صدائے استناتہ نے اپنے لشکر قریش کو چوکا کر مقابلہ پر فوراً آمادہ کروایا۔ میدان جنگ میں پہنچ کر وہ اپنی صفیں درست کرنے لگے۔ اور تھوڑی دیر میں بدر کا میدان قریشیوں کا جنگل ہو گیا۔ خدا کے انتظام کی کس کو خبر۔ کثرت سی پانی برس جانے کو جد سے میدان کا رزار میں جدھر قریش کھڑے تھے۔ وہ کیسے قدر نشیب ہو نیکی وجہ سے وہ قطعہ زمین بالکل کچھ ہو گیا تھا اور دلدل کی صورت ہو رہا تھا جس میں سواروں کے علاوہ پیدل سپاہیوں کو بھی پاؤں جمانا مشکل ہو رہا تھا۔ گھوڑے تو خیر۔ اونٹوں کی توجانوں پر آتی تھی۔ جو قدرت کی طرف سے خاص رگت ان کے لئے پیدا ہو گئے ہیں یہ کچھ۔ دلدل اور پانی کے سیلاب کے لئے۔

قریش کے تجربہ کار اور نیر و آزار سواران شکر نے رزمگاہ کی ان مناسبت کو سمجھا لیکن اب تو خیر و گلو کا وقت آگیا تھا۔ مہلت کمان تھی۔ جو تبدیل مقام کی تدبیر کی جاتی۔ ایک تو وجہ یہ تھی جسکی وجہ سے قریش اسکی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی کثیر التعداد جمیعت کی بنا پر اپنی کامیابی کے اس درجہ متیقن تھے کہ وہ ان اقسام کی چھوٹی چھوٹی و خساریوں کو کچھ خیال میں نہ لائے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ شکر اسلام میں تین عملدار تھے قریش نے بھی تین ہی عملدار مقرر کئے ایک طلحہ بن ابی طلحہ۔ دوسرا ابو غزیر بن عجمہ تمیمہ انصر بن النحرث۔ اس فوری ترتیب کے بعد وہ مقابلہ و قتالہ کے لئے پورے طیار ہو گئے۔

شکر اسلام میں چونکہ سبقت کرنے کی سخت ممانعت تھی اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالنفس النفیس یہ حکم عام دے چکے تھے کہ میرے حکم بنیہ کو اپنی مسلمان دشمن پر ہاتھ نہ اوٹھائے اس بنا پر مسلمانوں کی صفیں دیواروں کی طرح میدان کارزار میں پاؤں جمائے نمودار کھڑی تھیں۔ قریش آج سے کیا مہینوں سے لڑائی کے لئے بھیجیں جو رہے پتھر میدان کارزار کا منظر اسوقت تامل و یہ تھا مقال فوجوں کی کثرت و قلت کے اعتبار سے نہیں یا حسن و نقص ترتیب و آرایش فوج کی نظر سے نہیں بلکہ حق و باطل اور کفر و اسلام کے نقطہ نظر سے ایک طرف ایک خدا کے نام پر پکلی تین سو تیرہ جان قربان ہونے کے لئے سہ کھٹ استدادہ ہیں دوسری طرف لاتعداد بتوں کے لئے ایک ہزار جانیں بھینٹ چرہنے کے واسطے طیارہ میں مصروف قدرت نے اس منظر کی بولسی ہوئی تصویر ان الفاظ میں کھینچ ہے

لَقَدْ جَاءَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتُمَظَ إِذْ مَكَانِلُ  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ

جو لوگ (مجھے) ان میں تمہارے لئے ہمت کی نشانیاں ہیں ایکہ خدا کی راہ میں  
لڑ رہے تھے اور دوسرا خدا کا منکر تھا۔

دروازہ درون کے وہاں دیتے کہے لئے یہ منظر کافی تھا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کسی طریقہ و تدبیر کے خد کے خون سے اپنے دست مبارک کو آلودہ کرنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔ اس خونی منظر سے بے حد متاثر ہو رہے تھے خصوصاً جان نثاران اسلام کی قلت اور منکران خدا کی کثرت مشاہدہ فرما کر آپ بے حد بیتاب ہو جاتے تھے بار بار دست و پا خالق ارض و سما کی طرف اٹھاتے تھے اور نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ فرماتے تھے رب الجن و علہ و انصر عبدہ۔ پروردگار اپنا مدد دے اور اپنے بندے کی نصرت فرما۔ اس عالم خاص کی محویت ایسی ہوتی تھی کہ وہ اسے مبارک دوش اقدس سے اور ہر زمین پر گر پڑتی تھی اور آپ کو مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔ دعا و التجا سے فایز ہوتے تھے تو سجدہ کرنے لگتے تھے اور سجدے سے اٹھتے تھے تو پھر ان الفاظ میں دعا فرمانے لگتے تھے۔

اللهم ان فھلك هذه النعم ابدت من اصل الاسلام  
لا تعبد فی الاصل ابد ا۔

صحابہ حاضرین جن میں شعبلی صاحب حضرت ابو بکر کا نام خصوصیت کے ساتھ بتلائے ہیں آپ کی  
برابر اور متواتر تسکین فرمائی تھی۔ لیکن آپ کو تا وقتیکہ  
تَسْكِينُهُمُ الْجَمِيعَ وَيَكُونُ الدُّعَا  
کی بشارت نہ آئی۔

اس ایشیت کے پاس ہے آپ قلبِ مسلمین کے ساتھ میدانِ گیمروں میں تشریف لائے ہیں اور بازارِ انِ اسلام کو

ان الفاظ میں حکم ہمارا دیا۔

حب تک قریش تم سے بالکل قریب اگر تم پر حملہ نہ کر لیں تم اون پر پلٹتے نہ اٹھانا۔ اور اگر وہ تم سے قریب نہ آئیں اور صرف دور سے تیرے سائیں تو تم بھی ان کو اپنے تیروں سے جواب دینا۔ لیکن ٹھہر ٹھہر کے تیر چلانا۔ اس لئے کہ ایک بار ہی تمہارے تیکش تیر سے خالی نہ ہو جائیں۔

تہ نجران قریش میں اتنی احتیاد اور اتنے توقف و تحمل کی تاب کمان تھی مسلمانوں کی مرتب اور مسلسل فوج تو دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں خون اور آریا غریظہ و غضب سے تمام جسم کا خون اونٹنے لگا۔ ایک دم کے لئے بھی جنگ میں ٹھہر نہ آیا تو وقف کرنا ان کی مردانگی کے خلاف نشان تھا۔

سب سے پہلے قریش نے عام دسترمی کو جس کا بھائی عبداللہ سر عبد اللہ بن جحش میں مارا گیا تھا مسلمانوں کی فوج پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجا۔ وہ غریظہ و غضب میں آئندہ ہی بنا ہوا آیا۔ اور تلو ارنگال کر مسلمانوں پر حملہ کرنے لگا۔ عامر کا سب سے پہلے بھائی کے قصاص میں لشکر اسلام پر حملہ آور ہونا اس امر کے ثبوت کامل ہوئے کیلئے تھا کافی ہے کہ جنگ ہر صرف عبداللہ دسترمی کے خون کی بنا پر واقع ہوئی تھی۔ کاروان کی غارتگری وغیرہ کے داستانیں جو اسکے باب میں بتلائی جاتی ہیں وہ سب غلط اور بے اصل ہیں۔

شعبدی صاحب بخلاف مرویات تاریخ و سیر و احادیث کی جزئیات کی بنا پر لکھتے ہیں کہ مجمع جو حضرت عمرؓ کے خاندان کا قدیم غلام تھا عامر کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا۔

عقبہ بن ربیعہ ابو جہل کے طعنوں سے دل افکار ہو رہا تھا۔ جوش شجاعت میں اپنے بھائی اور بیٹے کو ہرا لے کر میدان کارزار میں پہنچ گیا۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ معرکہ آرا میوں اور زمام و نمود کے موقع پر سرداران قبیلہ اور ممتاز قوم ایک خاص امتیازی نشان دھار کر جاتے تھے اسی کے مطابق عقبہ بن ربیعہ نے امتیاز خاص کے لحاظ سے اپنی زرہ میں آگے کی طرف شتر مرغ کا پر لگالیا تھا۔ میدان جنگ میں آتے ہی مقابل سے اپنا مبارزہ طلب کرنے لگا مسلمانوں کے لشکر سے تین جوانان انصار عموذ و معوذہ پسران حارث اور عبید اللہ بن رواحہ ان کے مقابلہ کو نکلے۔ عقبہ نے عرب کے خاص دستور کے موافق ان سے نام و نسب پوچھا انھوں نے اپنے نام بتلائے اور کہا کہ ہم انصاران مدینہ ہیں عقبہ نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ تمہاری ضرورت نہیں تم واپس جاؤ تم ہمارے کفو نہیں ہم اپنے کفو سے لڑتے ہیں۔

۱۵ ابن ہشام طبری۔ روضۃ الاحباب تاریخ و سیر کی کوئی کتاب عامر سے مجمع کے مقابلہ کی کیفیت نہیں لکھتی۔ زرقانی نے ص ۵۳۵ میں ابن اسحاق و ابن سعد و آل عامر کے مقابلہ اور مجمع کے قتل کو لکھا ہے۔ شعبدی صاحب کے چونکہ مفید مطلب تھا اور حضرت عمرؓ کی نوعی تعلق و خصوصیت پائی جاتی تھی۔ اس لئے آپ نے با تحقیق اسی کو اپنا مختار قرار دیا۔ حالانکہ آپ سے پہلے کتنے قدیم مورخین مولفین ہجرت کی اس پر نگاہیں پڑی ہونگی لیکن کسی نے اس کو قابل نقل و اندراج نہ سمجھا کیونکہ اس لئے کہ اسکے سمجھنے میں راویوں کو غلط فہمی واقع ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ مجمع بال اتفاق جمہور میں

یہ عرب کی خاص شجاعانہ شان شرافت اور تیزا زانہ شجاعت تھی۔ انصار واپس چلے گئے عتبہ نے بروایتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص طور پر پزندادیکر مخاطب کیا کہ ہمارے مقابلہ کو ہمارے کفو داسے بھیجے جائیں۔ آپ کے قاب مبارک پر عتبہ کے اس احتجاج ہتھکڑی کا پورا اثر ہوا اور آپ نے بھی شجاعت ہاشمی کے اقتدار و شعاع خاص سے جیسا طبری و ابن ہشام کے خاص الفاظ بتلا رہے ہیں فوراً پکارا۔

قدم یا حمزہ بن عبد المطلب۔ قہر یا عبدیہ بن الحارث  
بن عبد المطلب۔ قہم یا علی بن ابی طالب قہا قہا قہا  
وودنوا منہم قالوا من انتہ قال عبیدہ عبیدہ قال  
حمزہ حمزہ قال علی علی۔ قالوا لنعہ اکفاه کرام طبری  
حمزہ بن عبد المطلب۔ عبیدہ بن مرث بن عبد المطلب اوٹھو علی  
ابن ابی طالب۔ وٹھو۔ یہ حضرات سب حکم پاکر صریح کے پاس پہنچے تو عبیدہ  
نے نام پوچھے: یہ تھے کما میں عبیدہ ہوں۔ حمزہ تھے کما میں حمزہ ہوں علی  
نے کما میں علی ہوں۔ عتبہ نے کما کہ ہاں تم لوگ البتہ ہمارے بزرگان کفو ہو  
بخلات شبنی صاحب تمام سیرت و تاریخ کے مولفین اور محدثین نے انہیں حضرات کے مقابلہ سے جنگ بدر کی تفصیل  
بیان کو آغاز کیا ہے لیکن شبنی صاحب نے بعض جزیات حدیث پر اعتبار کر کے مجمع غلام حضرت عمرؓ اور عامر کے مقابلہ  
سے بدر کے سلسلہ بیان کو شروع فرمایا ہے جسکی حقیقت کا انکشاف عبارت حاشیہ میں مندرج ہے۔

جناب رسولی! علم نے قریشیوں میں نبی ہاشم کی خصوصیت اسوجہ سے کی کہ مہاجرین قریش کے دل میں یہ  
موزنی خیال و احتمال نہ پیدا ہوا کہ رسول خدا بنی ہاشم کی جانوں کو پہلے خطرے میں ڈالنا گوارا نہیں کرتے اور نہ کویا کر عتبہ کے  
سوال پر قریش مہاجرین سے مقابل بھیجتے ہیں۔ اس بنا پر آپ نے اصول عدالت و مساوت کو رو سے پہلے اپنے اعزہ  
اقارب کو سرفروشی کے لئے میدان جنگ میں بھیج دیا کہ کسی کے دل میں خود غرضی اور غرور کی دور و مندی کا شبہ نہ ہو  
اور ان کے ثبات ایمان اور شجاعت اسلام کا باعث ہو۔ زرقانی ۵۰۲ جلد ۱۔

ایک دوسری وجہ یہ بھی بتلانی جاتی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے سخت و شدید خدمات میں سبقت جب تک

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ میں برکے دن شہید اول میں اس شہید اول کی بنا پر اسکے مبارز اول ہونیکے غلط فہمی واقع ہوئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ  
اول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مبارز اول بھی ہو جیسا کہ فی الواقع ہے۔ مبارزان اول بالفاق جمہور ہی حضرت نبی ہاشم میں۔ انہیں کوئی مارا  
نہیں گیا یہ مار کر لوٹ آؤ حکم تیز انداز میں جو ان کے بعد دیا گیا مجمع کا قصہ تمام تاریخوں میں درج ہے۔ یہ غریب تیز اندازی کرتا تھا ایک تیر لگا اور  
ٹھٹھا اہو گیا۔ یہ واقعہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی طرف کوئی قتل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے یہ شہید اول یا شہید اول جو نیسے مبارز اول نہیں تھے  
اسی وجہ سے مورخ نے ان کے مقابلہ و تلک کا ذکر نہیں کیا۔ اب اسحاق و غیرہ اور ان کے راویوں کو شہید اول ہونے کی بنا پر مبارز اول ہونیکے ہی غلط  
فہمی ہوئی ہے۔ مورخین حقیقت حال سمجھا آج تک اپنی بانیات کو مرفوع القلم کرتے آئے لیکن شبنی صاحب کو اسے اپنا فتار بنانیکے انہیں  
مخصوص ضرورتوں کی وجہ سے مجبوری ہوئی جسکو ہم اوپر لکھ کر بتلا آئے ہیں۔ یہ واقعہ قریش کے دستور قدیم سے بھی خلاف ہے جیسا کہ ابھی بھی  
عتبہ نے انصار کو بوجہ غیر جنسیت کو اس کی دیا ہو پھر کوئی لکھ نہیں کیا جائے کہ علم خضرمی نے مجمع سے جو اسکا اعلام اور نسل قریش سے نہیں ہو کیونکر مقابلہ  
ہونا قبول کر لیا ہوگا۔ المولف عفی عنہ۔



خود اپنی یا اپنے والوں کی طرف سے نہیں دکھلائی جاتی۔ دوسروں کی ہمت کے قدم اٹھنے و شوار معلوم ہوتے تھے۔ بنی ہاشم کو اول مقابلہ پاکر شخص کے کلیجہ ٹپک گئے۔ اور جنتین دونی ہو گئیں اور انھوں نے سمجھ لیا کہ فرائض جہاد اسیے واجب التعمیل ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکی انجام دہی کے لئے سب سے پہلے اپنے ہی اعزہ و اقارب کو پیش کرتے ہیں۔

اور پر بیان ہو چکا ہے کہ شجاعان ہاشمی اپنے مقابل عقبہ بن ربیعہ کو اپنا نام و نسب بتلا چکے تو جانبین سے یوں مقابلہ شروع ہوا کہ عقبہ حضرت حمزہ ؑ سے مقابل ہوا۔ تیسرے عبیہ سے اور لید ابن عقبہ حضرت علی مرتضیٰ ؑ سے مقابل ہوا۔

جانبین سے تلواریں کھینچ گئیں۔ عقبہ کو حضرت حمزہ ؑ نے مار گرایا اور لیدہ حضرت علی کی تلوار سے دم کے دم میں بیدم ہوا لیکن تیسرے نے تیز دستی کر کے عبیہ کے پاؤں پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ زمین پر گر پڑے اور ٹپک گئے ہی حضرت حمزہ ؑ اور حضرت علی نے موقع پر پہونچ کر شیبہ کا خاتمہ کر دیا۔ اور مجروح عبیہ کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر خدمت رسول میں لائے۔

مجروح عبیہ۔ | عقبہ کا زخم کاری تھا اور کثرت سے خون جاری عبیہ نے حاضر خدمت ہوتے ہی تہ زخم کی کیفیت اور شوق شہاد | اور نہ درد و تکلیف کی شکایت عرض کی۔ جمال مبارک پر نظر کرتے ہی پوچھا تو یہ یا رسول اللہ کیا میں

درجہ شہادت پر فائز نہیں ہوا۔ آپ نے اس غافل جان نثار رسالت اور طلبگار شہادت کے جواب میں ارشاد فرمایا تم ضرور فائز شہادت ہوئے۔ زبان رسالت سے یہ بشارت سنی تھی کہ روئے انسرہ اور چہرہ پرمردہ پر اصلی فرست اور

ابدی اطمینان و راحت کے آثار نمودار ہو گئے اور اس کامل الایمان نے بطور یاد دہانی عرض کی۔ یا رسول اللہ انفس ہے کہ اموات ہمارے عم محترم حضرت ابیطالب زندہ ہوئے اگر وہ موجود ہوتے تو اس موقع پر وہ معترفانہ طور پر اقرار

کرتے کہ انکے اس شعر کا جو آپ ہی کی مدح و ثناء میں تصنیف ہوا ہے اصلی مستحق میں ہوں۔

و تسلیم حتی یضرب حوله و نذہل  
عن ابنائنا و حلالا غسل  
ہم محمد کو اوس وقت دشمنوں کے حوالہ کر دینگے جب ہم اذکار گرد کریم جانبین اور  
ہم محمد کیلئے ابنو بیٹوں اور بیبیوں کو کھجول جاتے ہیں طبری ۱۳۱۸

اسلام کے مجروح اول حضرت عبیہ رضی اللہ عنہ کے احوال کو خاتمہ تک یہیں پہونچا دیتا ہوں۔

اور پر بیان ہو چکا ہے کہ ان کا زخم کاری تھا۔ جنگ بدر سے واپسی میں منزل رو جا پر پہونچ کر یہ جان نثار مجاہدانہ انتقال کر گیا۔ اور وہیں یہ شہید راہ خدا مدفون کروایا گیا۔ طبری ص ۱۳۱۸ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷۔

صحیح بخاری باب التفسیرین ہے

عن قیس بن عبادہ قال قال علی انا اول من یجبت  
بین یدی المخصوصۃ یوم القیامۃ قال قیس وفیہم  
نزلت ہذان خصمان اختصموا فی دینہما الخ قال

قیس بن عبادہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت علی ؑ نے کہ میں قیامت کے دن سب سے پہلے اپنا جگر اپنی پیش کردہ گائیس کہتے ہیں کہ یہ آیت کہ  
دو مدعی لڑے اپنے رب کے واسطے اللہ اور لوگوں کی واسطے نازل ہوئی ہے  
جو جنگ بدر میں لڑے اور وہ حضرت حمزہ ؑ علی اور عبیہ رضی اللہ عنہ تھے (موسسین میں)

ہم اللہ بن مہاجر وایوم بلد حمزہ وعلی عبیہ

اور عقبہ۔ شیبہ اور ولید بن عقبہ تھے (کافریں میں)۔

(من المومنین) وعقبہ وشیبہ وولید بن عقبہ  
(من الکافریں)

شبلی صاحب نے اپنی کتاب میں بیان سے سلسلہ جنگ کے واقعات میں اپنی خود غرضانہ ترکیب و ضرورت تالیف سے خواہ مخواہ بدترتیبی پیدا کر دی ہے۔ اور تمام عربی۔ اور فارسی تاریخ و سیرت کی ترتیب مآخذ سے علیحدہ حضرت زبیر بن العوام کی معرکہ آرائی کی تفصیل داستان شروع کر دی ہے۔ حالانکہ طبری۔ ابن ہشام۔ ہوا سبب لدنیہ اور روضۃ الاحباب۔ کسی کتاب میں اس داستان کا نام و نشان نہیں ہے۔ شبلی صاحب کی یہ ترتیب واقعات بھی تاریخ و سیرت کی ترتیب سے بالکل مخالف ہے۔ اور یہ واقعہ بھی ان کے مختار کے خلاف ہے اسی باعث سے قابل ذکر نہیں سمجھا گیا۔ لیکن ہے کہ شبلی صاحب کی جزئیات حدیث سے ہو چکواں آپ ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں اور خواہ مخواہ تاریخ و سیرت کے واقعات۔ مشاہدات میں خلط ملط کر دیتے ہیں۔

ہم چونکہ ان کے بیان کردہ واقعات کو واقعہ تاریخی کے معیار تک پہنچا ہوا نہیں پاتے اس لئے اپنے سلسلہ بیان میں نقل نہیں کرتے ہم اسکی حقیقت کا انکشاف علیحدہ کرینگے۔ شبلی صاحب کی موجودہ ترتیب واقعات و خلاف طبری اور ابن ہشام عربی کی دو قدیم تاریخوں نے عقبہ اور شیبہ کے مارے جانے کے بعد جو ترتیب قائم کی ہے اور سلسلہ بیان اختیار کیا ہے ہم اسی کو اپنا مختار قائم کر کے اپنے کندہ بیان میں نقل کرتے ہیں

ابن ہشام مبارزان بنی ہاشم کے اظہار شجاعت اور عقبہ وغیرہ کے قتل و ہلاکت کے بعد لکھتے ہیں۔

ثم تراحت الناس ودنا بعضهم من بعد وفدامر  
رسول الله صلعم ان لا يهلوا حتى يامروهم وقال  
اكنفكم القوم فانفجواهم عنكم بالنبل ورسول الله  
صلعم في العرش ومعه ابوبكر الصديق جلد دوم

اس کے بعد لوگ آگے بڑھ گئے۔ اور بعض اپنی بعض مقابل سے بالکل متصل پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر جناب رسول خدا صلعم نے حکم فرمایا کہ اب مقابل پر تھے قریب سے حملہ آور نہ ہو۔ بلکہ اون پر کسی قدر فاصلہ سے تیر چلائے۔ یہ حکم فرما کر آپ عرش کی طرف چلے گئے۔ وہاں آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق

یہ فرمان اور یہ انتظام آنحضرت صلعم کے فنون جنگ کے کمال اور انتہا سے حرم و احتیاط کا شاہد کامل ہے حقیقتاً مبارک جنگ کا ایک تجربہ کار اور نبرد آزمایہ سالار غنیم کی کثرت اور اپنی قلت پر نظر کر کے احتیاط و ہوشیاری کو ایسے ہی حکم جاری کرتا ہے۔

دو اسلامی تیر اندازوں کا قتل

ابن ہشام کی ترتیب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی تیر افگنی کے سلسلہ میں مجمع کا قتل واقع ہوا جس کے تفصیلی حالات ہم شہدائے بدر کے ذکر میں لکھیں گے۔ اور یہ ترتیب بالکل قرین قیاس اور فی الواقع معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ عقبہ کی جنگ کے بعد آنحضرت صلعم نے تیر اندازی کا حکم دیا جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہو چکا اسی بنا پر ابن ہشام نے جنگ عقبہ کے بعد ہی قتل مجمع کو لکھا ہے اور انکو شہید اول بتلایا ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ عبیدہ

مجمع سے پہلے زخمی ہو چکے تھے۔ لیکن زندہ تھے۔ اور چار دن کے بعد فوت ہوئے مگر مجمع غریب تو تیر لگنے ہی ٹھنڈا ہو گیا اس لئے وہ شہید اول ضرور ہے۔

ان کی شہادت کے بعد اسی طرح حارث بن سراقہ جو قبیلہ بنی نجار کے ایک مرد الفارسی تھے۔ فخر لشہادت ہوئے دو مسلمانوں کی متواتر شہادت کے واقعات مشاہدہ فرما کر خیاب رسو گشتہ اعلیٰ امد علیہ وآلہ وسلم اپنے عریض سے میدان جنگ میں تشیع لائے اور جات نشانان مہاجرو الفارسی کی سمیت افراتی ان الفاظ میں فرمائی۔

والذی نفس محمدؐ بیدہ لا یقاتلہا لیوم رجل  
فیقتل صابراً محتسباً مقبلاً کامداً برا الا فخلہ  
اللہ فی الجنة ابن شہام ص ۱۷ ج ۲

اس حکم کے بعد مسلمان پھر اپنی صف سے آگے بڑھ کر حریف سے مقابل ہو گئے۔ اور اب چاروں طرف سے مقابلہ و مقابلہ شروع ہو گیا۔ اس وقت تک گو جمع اور خراشہ دو اسلامی مبارز فائز شہادت ہو چکے تھے۔ لیکن کھارون کے مقابلہ میں مسلمانوں ہی کا پلہ بھاری تھا۔ اس لئے کہ ان شہیدان اسلام کے مارے جانے سے پہلے قریش کے ایسے انتہائی اور سرسبز اور وہ سرداران قبیلہ مارے جا چکے تھے جس کی کمی کو جمع اور خراشہ کا قتل کبھی پورا نہیں کر سکتا تھا۔ عقبہ ثنیہ اور ولید کے ایک بار مارے جانے سے کفار کے لشکر میں مسلمانوں کا خوف اور رعب پیدا ہو گیا تھا۔ اس بنا پر جو مسلمان جس کافر کے مقابلہ پر آتا تھا وہ خوف زدہ ہو جاتا تھا۔ چونکہ ہر طرف سے لڑائی شروع ہو گئی تھی اس لئے متعدد مبارزان اسلام جن میں حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو جہلہؓ انصاری کے نام خصوصیت سے لئے جاتے ہیں شہید ہو گئے۔

ابن ہشام و طبری کے مختار کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مبارزان اسلام کو ان الفاظ میں ہدایت خاص دے رکھی تھی۔

قال لا صحابه يومئذ اني قد عرفت ان رجلا من  
بنى هاشم وغيرهم قد خرجوا كرها لا حاجة لهم  
بقاتنا فمن لقي منكرا احدا من بنى هاشم فلا  
يقتله ومن لقي اباجيخري بن هشام بن حوب بن ابي  
فلا يقتله ومن لقي العباس بن عبد المطلب عم رسول  
الله لم يقتله فانه انما اخرج مستكرها ابن هشام

آپ نے تمام صحابہ کو اوس دن یہ حکم دے رکھا تھا کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ بہت سی نبی ہاشم اور دوسرے لوگ بھی قریش کے دباؤ کی وجہ سے آئے ہیں حقیقتاً ان کو ہم سے لڑائی کی حاجت نہیں ہے اس لئے اگر کوئی نبی ہاشم تکو مل جائے تو نہ مارنا اور جس شخص کو ابو النختری بن ہشام بن حرب بن اسد مل جائے تو وہ اس کو بھی نہ مارے اور جس کو حضرت عباس بن عبد المطلب علم رسول اللہ مل جائے تو اس کو بھی نہ مارنا کیونکہ وہ بھی بکر اسیت کفار کے ہمراہ آئے ہیں۔

افسوس ہے شبلی صاحب نے ایسے متفنن علیہ واقعہ کیسے صریح قطع و برید و صریح تلخ لہجے کے ساتھ صرف چند لفظوں میں لاکھ فتم کر دیا ہے۔ اور مستثنیٰ لوگوں میں بنی ہاشم کے ناموں کو جنکے نام سب سے پہلے بتلائے گئے ہیں بالکل موقوف القلم فرما دیا یہ حال لاکھ آپ کے ماضی بھی عربی کی قدیم تاریخین ہیں۔ جو یک زبان ہو کر آغاز ہی میں عام طور سے بنی ہاشم کے مستثنیٰ کر دیئے جانے کو لکھ رہی ہیں مگر آپ ہیں کہ انکے ذکر و نام اپنے جردہ تاریخچی سے نکالے دیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ کن کن کتابوں سے آپ نکالیں گے اور کہاں کہاں سے کاٹیں گے قرآن میں کسی کے مثائے تو ہم سٹین۔

ہم اصلی ماضی کی صحیح عبادت تو لکھ کر رہا ہے۔ لیکن آپ کی عبارت بھی محض عبرت ناظرین کے لحاظ سے ذیل میں نقل کئے دیتے ہیں فاعبہ وایا لولی الابصار۔

آنحضرت صلعم نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں۔ ان لوگوں کے نام بھی آپ نے بتلادے تھے۔ سیرۃ النبئی ص ۲۳۸

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ان مآخذوں کا یہ صحیح ترجمہ ہے۔ آپ کا صرف اتنا لکھ دینا کہ ان کے نام بھی بتلادے گئے تھے صاف بتلادے ہوئے ہیں کہ آپ کسی ضرورت سے ان کا نام بتلانا نہیں چاہتے۔ اور پھر ناظرین کتاب کو اصل مآخذ کا محتاج رکھتے ہیں۔ اصل مقصد تو بتی ہاشم کے ناموں کے استحضار سے ہے تاکہ ان کا استناد و استحصا کسی طریقہ سے معلوم نہ ہونے پائے۔ جب ایک معمولی واقعہ کے بیان میں اس قدر اسقاط و ابہام سے کام لیا گیا تو پھر کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی شعر گفتن چہ ضرور۔ ہاں خوب یاد آیا۔ اس حکم کے بعد والے واقعہ کو جو اسکے ساتھ لازم و ملزوم اور تمام سیرۃ ماریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے بالکل چھوڑ دیا۔ اور اس کے لئے چند الفاظ بھی نہ صرف کئے۔

ابو حنیفہ کی عقیدہ متندانہ غلط فہمی اور اوسپر خجالت و شرمندگی

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوس حکم کو سنکر ابو حنیفہ بن عتبہ جو مسلمان ہو کر  
مہاجرین اولین کے ساتھ ہی مدینہ میں آچکے تھے اور بدر میں موجود تھے جو شیعہ عقیدت میں  
کننے لگے۔ ابن ہشام اس جو شیعہ اور کامل الوفا جوان کے اظہار عقیدت کا واقعہ مفصلہ ذیل الفاظ میں بیان  
کرتے ہیں۔

ابو حذیفہ جو موقع پر موجود تھا یہ حکم سن کر کہنے لگا عجیب بات ہے کہ ہم اپنے  
باپ بھائی اور قبیلہ والوں کو تو مار ڈالیں اور عباس کو چھوڑ دیں۔ خجندہ اگر  
وہ مجھ کو مل گئے تو میں ضرور اپنی تلوار سے اون پر حملہ کر دوں گا۔ جیسا کہ  
اس کلام کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے حضرت عمرؓ سے پکار کر کہا ابا  
حفص حضرت عمر کا بیان ہے کہ یہ پہلا دن تھا کہ آپ نے مجھے میری  
گنیت سے پکارا اور کہا اے عمر کیا رسول اللہؐ کی چچا پر بھی تلوار چلائی جائیگی حضرت

فقال ابو حذيفة انقل ابائنا وابنائنا واخواننا و  
عشيرتنا وفترك العباس والله لمن لقيته لا يحسنه  
السيف قال فنها بلغت رسول الله صلى الله عليه  
والله وسلم فقال لعمر بن الخطاب يا ابا حفص قال  
عمر والله لانه لاول يوم كنا في فيه رسول الله صلعم  
يا ابا حفص اضراب وجه عمر رسول الله صلعم بالسيف



فقال عمر يا رسول الله دعني فلا ضرب عني  
بالسيف فوالله ما فن فكان ابو حذيفة يقول ما لنا  
با هن من تلك الكلمة التي قلت يومئذ ولا ازال  
منها خائفا الا ان تكفرها عني الشهادة فقتل  
اليامه شهيداً ۱۔ طبری ۳۲۲

مترنے کہا یا رسول اللہ۔ ابو حذیفہ نے کلمہ فغان کہا۔ مجھے حکم ہوتا ہے  
اپنی تلوار سے اس کی گردن کاٹ دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کچھ نہ بولے۔ ابو حذیفہ کا بیان ہے کہ میں اپنی تمام عمر اس کلمہ کے کہنے پر تو  
وانابت کرتا رہا۔ اور خدا سے ہمیشہ اس کے کفارے میں طلب شہادت  
کرتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ جنگ ہمارے میں شہید ہوئے

اس واقعہ کی تفصیل یہ تھی۔ جبکہ شہابی صاحب نے قطعاً مرفوع القلم فرما دیا۔ اس انداز تحریر سے صاف ظاہر  
ہوتا ہے کہ آپ اپنے غنیہ طلب مضامین کو صرف لکھتے ہیں اور باقی سب کو الفاظ کر دیتے ہیں۔ یہ مولف کا متدیانہ  
طرز تالیف نہیں ہے بلکہ خود غرضانہ شان بیان ہے اور سخت قابل اعتراض۔

لیکن غور سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ حدیث کے نہ لکھنے میں آپ کی خود غرضی باعث نہیں تھی۔ وہ تو صرف  
حکم استثنائے بنی ہاشم تک محدود رکھی گئی ہے۔ ابو حذیفہ کے استعاط واقعہ کا سبب خاص وہی عیسائی معترضین کا  
خوف تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اہل بنی ہاشم پر ابو حذیفہ کے کلمات توفیق دیکر آپ کے اس حکم پر بغیر عداوت اور  
نامساویانہ رعایات قرابت اور محبت کا عیب لگائیں گے اور شاید آپ ان کے اس اعتراض کا جواب نہ پائیں گے۔  
حالانکہ یہ آپ کا صرف وہم ہی وہم ہے۔ اگر آپ کو معترضین کے جواب کی تلاش ہوئی تو آپ اسی واقعہ ہی کے الفاظ  
و مسانی سے ان کے جواب کو آسانی پالے سکتے تھے۔ اب ہم سے سقے۔

حقیقتاً جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم بالکل اصول عدالت اور مساوات پر مبنی تھا اور اس امر کو  
کہ بنی ہاشم اور دیگر قبائل قریش کفار و مشرکین کے دباؤ سے شریک جنگ نہ بنیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کا اور انکار اور نہ  
صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں جانتے تھے بلکہ خود کفار قریش کو بھی اس کا اقرار و اعتراف تھا۔ جیسا کہ طالب ابن ابی  
طالب کے واقعہ سے جسکو طبری نے پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ اور آپ نے ذکر بنی ہاشم کی ناگوار سی طبع کو باعث  
سے بالکل مرفوع القلم فرما دیا ہے۔ کما حقہ ثابت ہے طبری کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

قد كان بين طالب بن ابي طالب وكان في القوم  
وبين بعض قریش محاربة فوالله لقد  
عرفنا يا بني هاشم وان خرجتم معنا ان هو اكر  
معتمدين فرجع طالب الى مكة فممن رجع

طالب ابن ابی طالب جو قریش کے اس وقت ہمارے تھے اور بعض قریش کے  
اور میان نکرار ہو گئی تو قریشیوں نے کما قسم خدا کی اسے بنی ہاشم ہم  
تم لوگوں کو خوب بچاتے ہیں تم ہمارے ساتھ تو بظاہر نکل آتے ہو لیکن  
تمہاری تمنا میں تمہارے ساتھ ساتھ ہیں۔ یہ سنکر طالب اوس وقت  
مکہ کی طرف واپس چلے گئے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ غیر تمدن جو بنی ہاشم قبل از جنگ شکر قریش سے جدا ہو کر گھر واپس گیا۔ اور چونکہ

یہ واقعہ قبل از جنگ ظہور پذیر ہوا۔ اس بنا پر ثابت ہو گیا کہ کفار قریش کے دل میں بنی ہاشم کی طرف سے یہ ہمیشہ خیال بہن نشین اور وہ ہمیشہ اسکا اظہار و اقرار کرتے تھے۔

لیکن طبری کی مابعد والی روایت سے جبکہ اس نے امام الانساب کلبی کے استناد سے لکھا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عین مقابلہ کے وقت واقع ہوا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ آخروقت تک کفار قریش کو اپنے اس اقرار پر اصرار تھا اور وہ روایت یہ ہے۔

واقا ابن الکلبی فانه قال فيما حدثت عنه شخص طالب بن ابی طالب الی بدر مع المشركين اخرج كوهافلم يوجد في الاسرے ولا في القتلى ولم يرجع الی اهلہ وكان شاعرا و هو الذی یقول۔

یا رب اما یعزون طالب  
فی مقب من هذه المقاب  
فلین المسلوب غیر السالب  
ولین المغلوب غیر الغالب

طبری صفحہ ۱۳۰۸

لیکن ابن کلبی مرقومہ بالا روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ طالب ابن ابی طالب بدر تک ہمراہی مشرکین دیکھ گئے تھے اور تحقیقا وہ بکراہیت ساتھ آئے تھے لیکن بعد جنگ نہ وہ اسیروں میں قید ہو کر آئے اور نہ مقتولین میں پائے گئے اور نہ لوٹ کر گھر گئے اور نہ مرد شاعر بنے اور انکے یہ اشعار مشہور ہیں۔

اے خدا۔ اگر ان لڑائیوں میں سے کسی لڑائی میں  
لوگ طالب سے ٹرین تو تو اسکو قاتلین میں  
نہ مقتولین میں نہ مالین میں نہ مغلوبین میں رکھنا

بشلی صاحب کو کیا پڑی ہے کہ بنی ہاشم کے تفصیل حالات پر توجہ کریں۔ یہ تو آپ کے اصلی مقصود و موضوع کتاب کے خلاف ہے لیکن ہم کو بحیثیت واقعہ نگار تمام حالات و واقعات پر نگاہ ڈالنی ضروری ہے اور خصوصاً وہ واقعات کہ جو واقعات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس نوی ہمت اور صاحب غیرت شجاع بنی ہاشم کا ذکر خصوصاً اس لئے اور قابل ذکر تھا کہ اس غیر تمند کے متعلق سوائے آج تک اسے حالات کے جو اوپر لکھتے گئے دنیا کو اور کوئی حالات معلوم ہی نہ ہو سکے تمام آثار سیرتین اور رجال و تذکرے بالکل خاموش ہیں اور طالب بن ابی طالب کا کوئی حال نہیں لکھتے اور نہ سوائے اشعار بالا کے اس غیور بنی ہاشم کی کوئی یادگار دنیا میں پائی جاتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ لعن قریش کا اس غیر تمند کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ سر بکودہ و محرابوں کر کہیں دور و دراز مقام میں ختم ہو گیا۔

واقعات مرقومہ بالا سے بالخصوص ثابت ہو گیا کہ کفار قریش کو بھی بنی ہاشم کی بکراہیت شرکت و ہمراہی کا اقرار تھا۔ انکی شرکت و رفاقت محض یہی تعلقات کی وجہ سے تھی نہ مخالفت اسلام اور نہ قتل اہل اسلام کی غرض خاص سے تو ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ایسے غیر جانبدار اور غیر سرکار لوگوں کے بھی قتل دینے جائیداد کا حکم عام وینا بالکل ہوائی سعادت تھا

نہ مخالف عدالت اور جب یہ حکم بالکل اصول عدالت اور حقیقت الامری پر مبنی ہے تو اعتراض کیا اور معترض کا خوف کیسا؟ یہ تو اس حکم کے مبنی عدالت ہونیکا ثبوت ہوا اب بقاعدہ مساوت ہونیکا ثبوت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس حکم استثنائین صرف بنی ہاشم ہی کی خصوصیت قائم فرماتے تو معترضین خلاف مساوت ہونیکا غدر کر سکتے تھے لیکن الفاظ حکم میں وغیرہ کھسکے تو خود موجود ہے یعنی علاوہ بنی ہاشم کے مخصوص قریش میں چلا یہیے اشخاص اور بھی موجود ہیں مثلاً بنی صاحب خود بھی لکھ چکے ہیں کہ قریش میں ایسے بھی ہیں بغیر ہاشم تو پھر ثابت ہو گیا کہ اس حکم استثناء و معافی میں بنی ہاشم آپ کی قرابت داری نہیں تھے بلکہ اصول مساوت کی مطابق غیرہ کے قبیلہ خاص میں ایسے غیر جانبدار اور نیک نیت لوگ بھی داخل ہیں جو حقیقتاً مسلمانوں سے لڑنا نہیں چاہتے جیسا کہ ابو البختری کا نام حکم استثنائین میں موجود ہے۔ اور مقرب اسکے واقعہ سے علمی صورت میں یہی بہت جلد معلوم ہوتا ہے۔ ان مشاہدات کی موجودگی میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے احکام عادلانہ اور مساویانہ کو خود غرضانہ تہانا کسی عقل والے کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر جب خود اعتراض کی بے وجودی اور عدم اصلیت کی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے تو اس سے خوف کرنا اور خوف کی وجہ سے تاریخی واقعہ کو عدم وقوع القلم کر دینا مولف کے حد درجہ کا ضعف قلم و ضعف رائے ثابت کرتا ہے۔

ابو البختری کی جاہلانہ فہرت | اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ابو البختری کا نام بھی تبادا یا لگیا تھا اور حکم استثنائین میں یہ بھی داخل تھے اور وحشیانہ حیست | اتفاق وقت سے مجذدین یا دہلوی نے جو انصار مدینہ میں سالم بن عوف کا حلیف تھا۔

ابو البختری کو پالیا۔ دشمن پر حملہ کرنے کے عوض مجذد نے نہایت متانت سے کہا کہ مجھے تمہارے قتل کا حکم نہیں ہے لہذا میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ ابو البختری نے پوچھا اور میرے رفیق زمیلی کو جو میری رفاقت میں بیاتک آیا ہے کیا حکم ہوا ہے۔ مجذد نے کہا زمیلی کو میں نہ چھوڑے گا۔ اسلئے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکیلے تجھی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے یہ سنکر ابو البختری نے نہایت بے پردہائی سے عرب کی جاہلانہ شان شجاعت میں جواب دیا۔

واللہ اذن لا موت انا وھو جمیع الاحداث عن نیکم | قسم بخدا ہم کیا تمام لوگ ایسی صورت میں مرجانا قبول کرینگے کہ کی غور تین کہیں ابو البختری نے اپنی جان کی لالچ میں زسی کو قتل کر دیا | مجذد اسکے یہ احسان قلم و نشان جواب سنکر ابو البختری پر حملہ آور ہوا۔ اور ابو البختری یہ جزیرہ پڑھا ہو مجذد سے مقابل ہوا اور مارا گیا۔

لن یسلم ابن حیرۃ نہ مبد | شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہیں سکتا۔ حتیٰ بموت اونہی سبیلہ | ابن ہشام ص ۱۰۷ ج ۲ | جیت تک نہ مرجائے یا موت کا استہزاء دیکھے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اب لڑائی چاروں طرف شروع ہو گئی تھی اور مبارزان اسلام شکر گنار میں ہر جگہ دھنس پڑے تھے۔ ابو البختری کا اوپر مجذد نے خاتمہ کر دیا اور ہر امیہ بن حلف کی موت گلو گلو ہو گئی۔ اسکی تفصیل یہ ہے۔

امیہ بن خلف کا قتل | عبدالرحمن بن عوف کا اپنا بیان ہے کہ مجھ سے اور امیہ بن خلف سے سامنا ہو گیا امیہ سے اور مجھ سے مکہ ہی میں روعہ ہو چکا تھا کہ اگر وہ مدینہ میں آئیگا اور اسکو کسی مصیبت سے سامنا ہو جائیگا تو میں اسکی جان بچاؤں گا امیہ کے ایسے سخت دشمن اسلام سے تمام خصوصیت اسلام اور مسلمانوں کی اذیت عام کے انتقام لینے کا موقع تو خوب باقی آیا تھا لیکن وعدہ کا خیال ایسا لگا تھا کہ میں اسکی قتل سے باز رہا میں اسوقت تک کثیر التعداد زرہیں مقتولین کفار کی لوٹھا کر جمع کر چکا تھا اور انکو کاندھے پر اٹھاے تھا امیہ نے کہا عبدالرحمن اپنا وعدہ یاد ہے۔ میں نے کہا ہاں یہ لکھ رہا ہوں اسے پہاڑ کے ایک ایسے مقام پر لے آیا جہاں مسلمان اسے نہ دیکھ سکیں۔ اس اثنائیں امیہ کی نظر دوسرے جہنمیت حمزہ پر پڑی۔ اس نے اسوقت اونکو کیوجہ سے پہچانکر مجھے پہچانکر کہہ دیا کہ تمہارے لشکر میں یہ رہنما زمانے بزرگوار کون ہیں میں نے دیکھا کہ حمزہ بن عبدالمطلب ہیں امیہ بولا یہی ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ یہ سب کام بجا رکھے ہیں۔ اثنائے گفتگو میں کہیں بلال حبشی کی نظر امیہ پر پڑ گئی۔ یہ امیہ بن خلف وہی شخص تھا جس نے ہلال کی غریب جان پر اسلام لانے کے ابتدائی زمانے میں انواع اقسام کے مظالم ڈباے تھے۔ ان بجاوہ کی پیچیدہ پراپون برکھیر جلتی دھوپ میں ان سے انکا اسلام پر بھروسہ قرار دیتا تھا اور یہ غریب انکار کے عوض میں احداً احداً کے نعرے لگا تھے۔ اسوقت حضرت بلال کو امیہ کے دیکھتے ہی اسکے تمام مظالم کا خیال آگیا پھر تو انصار کی جماعت کو بلال نے جبین ہو کر ان الفاظ میں لپکارا۔ ہذا اراس الکفر امیہ بن خلف دیکھو یہاں بس کفر امیہ بن خلف یہ کہتا ہے۔ بلال کی پاٹ دار آواز صدائے اذان بنکر تمام مسلمانوں کے کانوں تک پہنچ گئی اور سب کے سب امیہ کی طرف لوٹ پڑے۔

عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی یہ پورش دیکھ کر میں نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا اور امیہ کو چپ زمین پر لٹا کر آپ اس کے اوپر سے لیٹا رہا۔ اس خیال سے کہ امیہ کے بیٹے کو قتل کر کے مسلمان بس کر دیں گے اور امیہ کی آئندہ تلاش سے دست بردار ہو جائیں گے۔ لیکن انصار نے اس کے بیٹے کو قتل کر کے بھی بس نہیں کی اور امیہ کی تلاش نہ چھوڑی آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ میری ٹانگوں کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر امیہ کو باہر کھینچ لائے اور قتل کر ڈالا۔ اسی کشمکش میں میری ٹانگ بھی زخمی ہو گئی۔ اور مدت تک زخم کا نشان باقی رہا۔

عبدالرحمن بن عوف اکثر عند اللہ ذکرہ کہا کرتے تھے کہ انہوں نے امیہ بھی کیا۔ اور میری جمع کی ہوئی لوٹ والی زرہیں بھی چلی گئیں۔ مسلمان اسے بھی لے کر چلتے ہوئے۔ ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۲۰ طبری صفحہ ۱۳۲

شعاعی صاحب نے ترتیب واقعات میں تقدیم و تاخیر ذکر کا خیال نہیں رکھا۔ ابوالبحرہ امیہ بن خلف کے احوال سے پہلے ابو جہل کے حالات کو قلمبند فرمایا ہے۔ حالانکہ ابن ہشام و طبری۔ اوٹو و نون مشرکین کے واقعات کے بعد ابو جہل کے حالات لکھتے ہیں۔

ابو جہل کا قتل | امیہ بن خلف کے بعد ابو جہل کی موت لکھی تھی عجیب اتفاق ہو کہ قتل ابو جہل کے تفصیلی حالات بھی عبدالرحمن



بن عوف ہی سے تمام کتب تاریخ و حدیث میں منقول ہیں۔ عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی صف شکریں کھڑا تھا اور میرے پہلو میں انصار کے دو لڑکے تھے۔ اپنے بھائی عفرار کے بیٹے۔ عوذہ و عوذہ نامی۔ دو ہی جنگجو عقبہ بوجہ انصار ہونیکے مقابلہ سے واپس دے چکا تھا، کھڑے تھے! تنے میں ایک نے میرا دامن کھینچ کر مجھ سے راستہ پوچھا کہ اے چچا۔ آپ ابو جہل کو پہچانتی ہیں میں نے کہا ہاں میں پہچانتا ہوں۔ لیکن تم کو اس سے کیا کام ہے وہ بولا سنتے ہیں کہ اس نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی بڑی اذیتیں پہنچائی ہیں۔ اس لئے میں نے یہ عمدہ کر لیا ہے کہ اگر آج اسے میں نے دیکھ پایا تو پھر اسے کچھ ایسا پڑ جائے گا کہ پھر پورا تو وہی نہیں یا میں ہی نہیں ابھی اسکی بات پوری نہیں ہونے پائی تھی کہ دوسرے بھائی نے بھی میرے کان میں اپنا موندہ لگا کر یہی بات کہی میں ان دونوں لڑکوں کی ہمت و جگر داری پر تعجب کرتا تھا اور بچہ سرور ہوتا تھا۔

ابھی اس گفتگو کو کچھ دیر میں ہوئی تھی کہ ابو جہل اپنے اونٹ پر سوار اور دوسرے آنکلا اور اپنے لشکر کو اوپر سے اونٹ پر معائنہ کرنے لگا میں نے ان دونوں شجاعوں کو دور سے بتلایا کہ تمہارا مطالبہ بھی ہے۔ اونٹ کا اونٹ کہ یہ دونوں چار بار شکر کی طرح اپنے صف سے دھڑک کر اسکی طرف بھاگتے اور دونوں طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے۔ عوذہ نے پوچھے ہیں ایسی کاری ضرب لگانی کہ ابو جہل کی ٹانگ ساق (پچھلی) سے جدا ہو گئی اور سکا بٹیا عکرمہ وہیں تھا اور شعیب پر تلوار لگائی اور شانہ سے اسکا ہاتھ جدا کر دیا۔ لیکن ذرا سا تسمہ لگا رہا۔ لیکن نہ وہ مبارز اسلام اسی حالت میں لڑتا رہا۔ عوذہ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ چھوٹا ہوا ہاتھ میرے حرب و ضرب میں خارج ہوتا تھا۔ اس لئے میں نے اسکو اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر ہاتھ کا وہ تسمہ جو ابھی تک لگا ہوا تھا جدا کر ڈالا اور پھر آزادی سے لڑنے لگا۔ اس آئینہ میں عوذہ نے اپنی تلوار کی غزلوں سے ابو جہل کو مار کر لایا۔ وہ گرنے ہی خاتمہ کے قریب پہنچ گیا۔ رقتی جان باقی تھی۔

یہ دونوں دلیر لڑکے مرے کو کیا مارین سمجھ کر اور اپنے ایسے نمایاں حسن خدمات اور کامیابی کے جوش مسرت میں پر جوش ہو کر فوراً جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال عرض کی دونوں نے ابو جہل کے قاتل ہونیکا فخر یہ دعویٰ کیا۔ آپ نے پوچھا کہ تم دونوں نے اپنی اپنی تلواریں تو ابھی خون سے پاک نہیں کی ہیں یہ دونوں نے عرض کی نہیں۔ ارشاد ہوا لاؤ اپنی اپنی تلواریں دکھلاؤ۔ دونوں نے دکھلائے۔ معائنہ فرمائی گئیں اور کہا گیا۔ تم سچ کہتے ہو۔ تمہیں دونوں ابو جہل کے قاتل ہو۔

شبلی صاحب تو کسی کے واقعہ کو نہ پورا لکھیں گے اور نہ اس کے حال کو خاتمہ تک پہنچائیں گے اس خوف سے کہ ان داستانوں کو طول نہ ہو جائے اور یوروپین مورخین انکو شوق سے منکر اسلام بزرگ مصام والا اعتراض کر بھیجیں۔ شبلی صاحب انکے ذکر سے جو کچھ نہ سمجھیں وہ انکا فخر ہے۔ لیکن ہم ایک واقعہ نگار کی حیثیت سے اپنا فرض ادا نہیں سمجھتے ہیں کہ ہر واقعہ کو پورا اور ہر شخص کے احوال کو اطلاع عام کی غرض خاص سے خاتمہ تک پہنچا دیں اس لئے ہم اندرون مبارک

اسلام۔ عاؤد معوذہ۔ اور اودن کے مقتول ابو جہل کے باقی حالات کو حسب ذیل خاتمہ تک پہنچا دیتے ہیں۔

معوذہ تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت و زیارت سے مشرف ہو کر پھر فوج کفارین آکر لڑنے لگے اور عمر ابن عبدود کے ہاتھ سے مارے گئے۔ عاؤد حضرت عثمان کی خلافت تک زندہ رہے۔ طبری ص ۳۲۰ ابن ہشام جلد دوم ص ۲۱ ابو جہل کے بقیہ حال یہ ہیں۔

یہاں تک بیان ہو چکا ہے کہ عاؤد معوذہ ابو جہل کو سکنا چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ جناب رسول اللہ انہیں اسکے نتیجہ آخر معلوم فرمانے کے مشتاق تھے کیونکہ یہی شریر نفس اصل مایوسہ تھا۔ اس بنا پر آپ نے مسلمانوں کو اسکی تلاش کا حکم دے رکھا تھا جس اتفاق سے عبد اللہ ابن مسعود عین اسی مقام پر پہنچ گئے۔ جہاں ابو جہل پاپا ہوا دم توڑ رہا تھا ابو جہل نے کسی مرد مسلمان پر ظلم نہیں کیا تھا، عبد اللہ بھی اونچیں میں تھے۔ اسکے سینہ پر چڑکھار کیا ابو جہل نے انکو بڑی اوسیتیں پہنچائی تھیں اب اوسکو اس حالت میں پا کر عبد اللہ فوراً اوسکی چھاتی پر بیٹھ گئی۔ ابو جہل نے انکے کمر کو لکڑی پہنچایا بولے عبد اللہ ابن مسعود۔ ابو جہل نے کہا کہ جنگ کا کیا نتیجہ ہوا کس کی فتح ہوئی کس کی شکست عبد اللہ بولے اخذاک اللہ تعالیٰ۔ تاجتھے اس سے زیادہ ذلیل کرے تو تو فرعون سے بھی زیادہ بد بخت ہے اوس نے تو دریا میں غرق ہونے کے وقت بھی اپنے قصور دن کا اقرار کیا تھا اور اودن سے بیزار ہی اختیار کی تھی اور تو اس حالت آخر تک پہنچ کر بھی اپنی شامت و ضلالت سے باز نہیں آتا۔ مرنے پر ہے لیکن میدان جنگ اور فتح و شکست کا ارمان ابھی تک تیرے دل سے لگا ہے ابو جہل یہ طعن آمیز کربا بولا۔

لقد ارتقت مرقی صعباً یا دویعی الغنم | اے بیٹھ۔ چرنے والے لوگ تمہارے ہاتھ قتل ہو کر تیری موت ہی ذلیل ہو گئی  
عبد اللہ نے تلوار نکالی اور اوسکا سر کاٹ لیا۔

لیکن محدث شیرازی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ کی تلوار خراب تھی اور اسکا سر کاٹ نہ سکی تو عبد اللہ نے اوس کی تلوار اوس کی کمر سے کھینچ کر اوس کا سر کاٹ لیا۔ ردۃ الاحباب ص ۲۳۴ لکھتے۔

ابو جہل کا کام تمام کر کے عبد اللہ اوسکا سر لے ہوئے خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اوس کا سر قدم مبارک پر ڈال دیا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوس کے سر کی طرف لنگاہ کی اور فرمایا۔

الحمد لله الذی اخذک باعد واللہ۔ | اوس خدا کا شکر ہے جس نے تیرے ایسے دشمن خدا کو ذلیل و خوار کیا۔

پھر دست مبارک آسمان کی طرف بلند فرما کر ارشاد کیا۔

الحمد لله الذی نصر عبدہ بالخزوعۃ واعقوبہ

| اوس خدا کا شکر ہے جس نے اپنے بندے کی نصرت کی انجو صغیر پر کیا

اپنے دین کو عزت بخشی۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۲۱ طبری ص ۳۲۰ ردۃ الاحباب ص ۲۳۴

ابو جہل کے مرتے ہی حقیقتاً اصلی پایہ بنا دیا اور تمام مفسدین کا مواد شکر کفار کے قدم کیسے دم اوکھڑ گئے۔

مہازران اسلام اور جان نثاران حضرت خیر الانام نے اونکو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لیا۔ کفار کے دل بیٹھ چکے تھے پاؤں اوکھڑ چکے تھے۔ مقابلہ کی طاقت باقی نہیں تھی۔ اول تو ابتداء ہی سے اونکے لشکر میں نہ کوئی ترتیب تھی اور نہ درستی نہ قاعدے سے صفیں درست ہوئی تھیں اور نہ مورچے طیار کئے گئے تھے لشکر تو نہیں تھا آدمیوں کا جنگل تھا ایسی حالت میں لشکر یوں سے سوائے گریز پائی نہ کچھ بن آنے والی تھی اور نہ آخر کار بن آئی۔

نوح کفار کی ابتداء اور اس وقت اونکے انہوہ کثیرین چاروں طرف قتل و گریز کا عام منظر پیش تھا۔ شکرین قریش کے بڑے بزرگ حضرت علی کی شجاعت و دلیرانہ آتما شجاع اور آزمودہ کار مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے جاتے تھے یا قید کئے جاتے تھے یا مقابل کی آنکھ پھا کر بھاگ جاتے تھے مہازران اسلام نے اس آخری حملہ میں تقریباً شتر کفار کو قتل کیا اور ان میں سے قریب نصف کی تعداد کو اکیلے حضرت علی مرتضیٰ نے نہ تیج کیا۔

سیرۃ النبوة کے حوالے سے خواجہ عبد القادر قسری (حالیہ عوایانی) اپنی کتاب ارجح المطالب مطبوعہ لاہور کے صفحہ ۳۱۴ میں لکھتے ہیں۔

اسی طرح حضرت علی ایک کے بعد ایک کو قتل کرتے تھے یہاں تک کہ آپ نے نصف کو قتل کیا اور کل مقتول شتر تھے نصف اور مسلمانوں نے قتل کئے۔ یہی تعداد علامہ کمال الدین علامہ الشافعی نے اپنی کتاب مطالب المسؤل میں اور علامہ محمد بن یوسف اللکھی نے کفایہ المطالبین میں بھی بتلائی ہے۔

شبلی صاحب نے غزوہ بدر کے تفصیلی حالات میں اپنے خاص موضوع تالیف کی ضرورت سے تو کمین بھی حضرت علی مرتضیٰ کے ان محاسن خدمات کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ انکو انکی ان کارگزار یوں اور جان نثار یوں کی بنا پر فاتح بدر یا کم سے کم مہازران اسلام کا سرفراز قرار دیا ہے۔ لیکن پھر بھی حقیقت حقیقت ہی تھی۔ اور اس کا چھپنا یا چھپانا خصوصاً مسلمانوں کے عقائد میں محال قطعی تھا۔ اس لئے ہمارے شبلی صاحب کو خدمات علی کی اس حقیقت اصلیت اور واقعیت کو آخر کار لکھنا ہی ہوا۔ اصل معرکہ آزمائی کے حالات میں تو نہیں ہاں تمہید کے استدلالیہ مضامین میں اس موقع پر چہاں آپ کو خدا کی شان اچھی بخاری کی روایت کو طبری کی روایت سے غلط ثابت کرنی ہوئی اور

شبلی صاحب کی اس موقع پر شان استدلال ضرور قابل لحاظ و خیال ہے دیباچہ کتاب میں بخاری صاحب کا اعتبار و اعتماد و توفیق کو عرض کیا کہ اتنا پہونچا گیا کہ کوئی تاریخ تفسیر اور حدیث دسرت کی کتاب اسکے درجہ استناد تک پہونچنے ہی نہیں۔ اور اسکے ثبوت میں انواع و اقسام کی قلم کاروں سے طو مار طیار کیا گیا، لیکن غزوہ بدر کی تمہید تک پہونچو پہونچو وہ سلسلہ اعتبار و اعتماد اتنا نیچے گرا دیا گیا کہ صحاح سنن اور مسانید و تفاسیر و روایات بھی نہیں خصوصاً ایسی حالت میں جب روایات تاریخ دسرت کو روایات حدیث متعادلین فروتر لکھ چکے تھے خاص بخاری صاحب کو ایسی راوی کی روایت کو جو صحابی سے اور صحابیوں میں بتدی ہو طبری کی تاریخ روایت کو مسترد فرما دیتی ہیں، دیکھو سیرۃ النبوی جلد اول صفحہ ۲۵۷ یہ ہونا جائز و خلاف اصول و بنیاداری کا نتیجہ جس نے آپ کے معیار و معیار اور نیز بخاری صاحب کے مبلغ اعتبار کی حقیقت کھول دی۔ فاعبروا

المولف غفرلہ

عیسائیوں کے اصل اعتراض کو جو بخاری کی اسی روایت سے ماخوذ و مستنبط تھا کا ٹٹا پڑا چونکہ اس روایت طبری کے اصل راوی اتفاق سے حضرت علیؑ تھے اس وقت اور مجبوری سے آپ کو بالآخر لکھنا ہی پڑا۔ کس کے راوی غزوہ بدر کے

ہمیر و (سداۃ الثالب) علی بن ابی طالب بن - سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۵۷

ہم اس مضمون کو کہ جنگ بدر کے ہیرو حضرت علی بن ابی طالبؑ میں خاتمہ جنگ تک اوٹھا رکھتے ہیں جہاں آپ کے فاتح بدر ہونے کے شہود و ثبوت تفصیل سے پیش کیے جاویں گے۔ یہاں ادنیٰ کا قلمبند کرنا ہمارے سلسلہ کلام میں فصل پیدا کرنا لیکن مناسبت مقام اور سلسلہ کلام قائم رکھنے کی غرض خاص سے اس جگہ اخیر میں جس کے حالات ہم بیان کر رہے ہیں حضرت علیؑ کی مبارزت کی نسبت یہ تفصیل کر دینا ضروری ہے کہ آپ نے اس جگہ میں بیکبار و بیک وقت عاص بن سعید بن عاص کو قتل کیا۔ ابن ہشام اپنی تاریخ جلد دوم صفحہ ۲۱ میں عاص کے قتل کی شہادت حضرت عمرؓ کی زبانی لکھتے ہیں۔

عاص کے بعد کفار نے حضرت علیؑ کو اپنے مقام سے پیچھے ہٹانا چاہا اور نوفل ابن خولید بن اسدؓ کے بڑے بھائی پر حملہ آور ہوا یہ نوفل دلاہران قریش میں بڑا مشہور شجاع شخص تھا اور یہ وہی بد بخت تھا جو حضرت صدیق اکبرؑ کی جناب خدیجہ سلامؓ علیہا کا بھائی تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن۔ قریش کے مجمع میں بیٹھ کر بہن کی زبانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بے اہتمام لگایا کرتا تھا اور یہ وہی شرابا لطیع تھا جس کو میدان رزم میں دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے دعا کی تھی کہ مجھ کو اسکے شر سے محفوظ رکھا جائے۔ جناب علی مرتضیٰؑ نے اس کی تیز دیتوں کا پورا جواب دیا اور اپنی شمشیر سے اوس کو مار گرایا۔ نوفل کے بعد مسعود بن مغیرہؓ (خالد بن ولیدؓ کا چچا) مقابل ہوا وہ بھی قتل ہوا۔ مسعود کے بعد ابوالقیس بن النفاکہؓ آئے۔ وہ بھی دو ٹکڑے کیا گیا۔ پھر عبداللہ بن منذرؓ کو موت کہینچ لائی اور وہ بھی مقتول ہوا۔ عبداللہ کے بعد عمار ابن منبہؓ ابن حجاج کی نوبت آئی۔ وہ بھی مقابل ہو کر مارا گیا۔ اوس کے بعد صاحب ابن سائبؓ سامنے آیا وہ بھی سربریدہ زمین پر پڑا۔

اسی طرح خطلہ ابن ابوسفیانؓ اور ابو عمر بن ابوسفیانؓ (امیر معاویہ صاحب کے بڑے بھائی) ابو عبیدہ بن الحارث بن ربیعہ اور عقیل بن نوفلؓ ابن مطلبؓ کے باویگرے آئے گئے اور حضرت علی مرتضیٰؑ کی تیغ آیدار سے قتل ہونے لگے۔ ان مقتولین میں میں خطلہ بن ابوسفیانؓ پر ایسی سخت ضرب لگی تھی کہ اوس کی انگلیں باہر نکل پڑیں تھیں۔ چنانچہ خود حضرت علی مرتضیٰؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ قریش سے مجھ کو سخت تعجب ہوتا ہے کہ جب وہ میری اوس لڑائی کو جو ولید بن عقبہؓ سے واقع ہوئی اور میری اوس ضرب کو جس سے خطلہؓ کی انگلیں نکل پڑیں تھیں دیکھ چکے تھے تو پھر کون کر میرے مقابلہ کی جرأت کرتے تھے! انھار اہل اسلام لکھنؤ ص ۲۹۹ بخاری الصاوقہ وادعی ترجمہ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ص ۳۹۷ وفتۃ الصفا جلد دوم ص ۶۰ بھی تفصیل اربع المطالب صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ لاہور میں باسناد کتاب المطالب السؤل اور کفایت الطالب میں درج ہے۔



ہم نے اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں حضرت علیؑ کے حملہ آخر کی مرقومہ بالا تفصیل کر دی ہے۔ آپ کے ایسے دوسرے مبارکین اسلام کے محاسن خدمات اور شجاعت و ولیری کے واقعات کا بھی علی قدر مراتب اندازہ کر لینا چاہیے۔

معرکہ جنگ کا دوسرا عالم جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ایران کفار کا عبرت لاولی الا بصارت تھا۔ نامبروگان قریش اور مومنان کہ کو مبارزان اسلام ان کے انہوہ کثیرین گرفتار کر رہے تھے اور وہ تہیاء و حال کر اسلام کی فتح اور اپنی شکست کا اقرار کر رہے تھے۔

اب باب تاریخ و سیرت کا بیان ہے کہ مجاہدان اسلام اس وقت بیگبار میں اسلامی خدمات انجام دے رہے تھے جان نثاروں کا ایک گروہ قتل کفار میں مصروف تھا۔ دوسرا طبقہ مشرکین کو گرفتار کر رہا تھا۔ تیسرا دستہ عیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کر رہا تھا۔ اسی دستہ میں سعد بن معاذ بھی تھے۔ ابن ہشام بیان کرتے ہیں۔

وانه صلعم امربا صحابه فشد وفكانت الهزيمة فقتل الله تعالى من قتل من صناديد قريش وآلهم من امري من اشرافهم فلما وضع القوم ايدهم يامرون ورسول الله صلعم في العريش وسعد بن معاذ قالوا على باب العريش الذي فيه رسول الله متوشح السيف في نفر من الانصار هم سون رسول الله صلعم نجافون كوة الورود والود ورا رسول الله صلعم فيما ذكر في في وجه سعد بن معاذ الكراهة لما يصنع الناس فقال له رسول الله صلعم والله لكائنك يا سعد تكوه ما تصنع القوم قال اجل والله يا رسول الله ما كانت اول وقعت او قعها الله باهل الشرك فكان الا تخفان في القتل باهل الشرك احب الي من استبقاء الرجال ج ۲ ص ۸ مطبوعه مصر

آنحضرت صلعم نے صحابہ کو حکم دیا اور انہوں نے جہاد میں شہادت کی کفار کو ہزیمت ہوئی اور خدا تعالیٰ کو جتنے عائد قریش کا قتل منظر تھا اور قتل ہوئے اور جیتے ان کے اشراف قوم کی گرفتاری مقصود تھی اور گرفتار ہوئے جناب رسول خدا صلعم اس وقت اپنے عیشہ بن جبثہ تھے اور سعد بن معاذ اپنی دستہ انصار کے ساتھ تلوار ننگی لئے ہوئے عیشہ کے دروازے پر اس وجہ سے بیرون دی رہے تھے کہ خوف تھا کہ دشمن اوہرہ لوٹ پڑیں۔ ثرائی کا یہ عالم جو میں نے (ابن ہشام نے) اوپر لکھا ہے۔ آنحضرت صلعم اور سعد بن معاذ وہ دونوں کچھ پیش نگاہ تھا۔ اس اثنا میں جناب رسول خدا صلعم نے سعد بن معاذ کے مونہ پر اس عالم کے مشاہدے سے آنکار کر لیا کہ وہ اپنا پسندیدگی نمایان بائے۔ تو استغفار فرمایا کیا سعد کو یہ فعل جو تمہاری قوم کے لوگ کر رہے ہیں۔ اچھے نہیں معلوم ہوتے سہی عیشہ کی صحیح ارشاد ہوتا ہے یہ پہلا موقع تھا کہ مشرکین کو خداوند عالم نے اس بلا و مصیبت میں ڈالا ہے اے مجھے ان سب کے باقی رکھے جانے سے ایک بار ان کا ہاتھ غلام کر دیا جاتا ہی بہت اور خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔

جنا ب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکا جواب سنکر خاموش ہو گئے۔

اس خالص جان نثار کی پر جوشی اور اس کے مقابلہ میں رحمت عالم کی خاموشی انسان کی طبیعت عامہ اور انبیائے علیہم السلام کی

فطرت صالحہ کے فرق مابہ الا تیار کو پورے طور سے ثابت کر رہی ہے۔ سعد بن معاذ اپنی فوج کی کامیابی سے اتنا پر جوش ہو گئے کہ حد انتقام سے گزر کر قتل عام کے درجہ تک پہنچ گئے لیکن اس فتنہ محبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر تو خلافت معمول خلافت عادت اور خلافت طبیعت ان مناظر بشارت اور عوالم فتح و نصرت سے کوئی اثر خاص نمایاں نہیں تھے اپنی خموشی ہزار بار بیکر بخلا رہی ہے کہ کوئی منظر کوئی عالم اور کوئی حالت پیش نظر ہو ہم اپنے اصول اخلاق و حدود و اشتقاق مناسبت موقع اور مصلحت وقت سے سرمو تیار و زمین ہو سکتے۔

شہیدان بدر کی دیرانہ | ہم نے اس وقت تک اپنے سلسلہ بیان میں قریش کے مقتولین کے مارے جانے کی تفصیل اور ہزاران جان نثار بیان | اسلام کی خدایات جو اونھوں نے مقتولین قریش کے قتل میں انجام دی ہیں بیان کی ہیں۔ اب ہم ان سرفروشان اسلام اور جان نثاران حضرت خیر الامام علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں جو جنگ بدر میں فائز شہادت ہوئے اگر ہم اپنے ترتیب بیان میں ان کے محاسن خدایات کی تصریح سے اعراض کریں تو ہمارا تاریخی مرقع ایک رخی تصویر ہو کر رہ جائیگا اور ہمارا یہ طریقہ فرگداشت ہمارے انداز مالیف کا بہت بڑا عیب ٹھہرایا جائے گا۔ اس بنا پر ہم ان فدائیان اسلام کے حالات بھی اوسے تفصیل سے لکھتے ہیں جس تفصیل و تشبیح سے ہم فاتحین اسلام کے حالات اور پر لکھ آئے ہیں۔

مجھکواسکی ذرا پر زانہیں ہے کہ زیری تاریخ اسلامی تاریخ نہیں بلکہ اسلامی جنگ نامہ بنجائیگی اور ہر ہکواسکی مع تمنہیں کہ بقول شعلی صاحب یورورپین میرضین اسکو بڑے شوق سے سین گئے اور ہکواسکا بھی خوف نہیں کہ شعلی صاحب اور ان کے ہم خیال اسکو بے لطفی اور ناتواپی سے سین گئے یا ملاحظہ فرمائیں گے اسی لئے تو سیرۃ النبیؐ میں سوائے جمع کے وہ بھی حضرت عمرؓ کے غلام خاندان ہونے کی خصوصیت خاص ظاہر کرنے کی ضرورت سے اور کسی ایک شہید احد کا بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ شعلی صاحب کے کان مشتاقین یورپ کے کانوں کی طرف لگے تھے اور آپ اس خوف نہ ہراس سے کہ وہ سننے نہ پائیں اور یہ حالات و واقعات و زار نفسی اور بلند آہنگی کے حدود تک نہ پہنچنے پائیں ملاحظہ ہو سلسلہ غزوات سیرۃ النبیؐ صفحہ ۲۲۲ اسی لئے آپ نے ان تمام واقعات کو حد و وجہ کے اختصار تا غیص اور قطع و برید کے ساتھ غیر مکمل اور مبہم لکھ کر تمام کر دیئے ہیں اور شہدائے احد کی جان نثاروں کے بیان میں تو قلم بھی نہیں اٹھایا اور ان کے ذکر حالات سے آپ کا ذکر تاریخی بالکل خالی ہے۔

آپ نے میدان جنگ کا جو مرقع کھینچا ہے وہ تو یورورپین میرضین کے انداز تحریر کے مطابق اور اسکے نقش و نگار میں صرف کفار و ن ہی کے قتل سے چشمہ خون بہا دئے ہیں ملاحظہ ہو سیرۃ النبیؐ ص ۲۲۲ اور اس سبب خون میں صرف غریب جمع کے چند قطرہ خون کی کہیں کہیں جھلک سی نظر آجاتی ہے۔ محققین واقعات اور متلاشین حالات تو آپ کے اس مرقع بیان کو ایک رخی اور بالکل ایک رخی تصویر ٹھہرائیں گے اور حیرت سے نقش بدیوار بن جائیں گے۔

بھیج شہیدان | اتنا تمہیں اعراض کر کے ہم اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ تاریخ و حدیث کا اس اتفاق ہر کو مع خاندان

حضرت عمر کا غلام جس کا کسب قدر ذکر خیر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ مبارزان اسلام کی فروجاں بازی میں خبر اول ہے اور تمام مودعین و محدثین نے شہداء بدر میں اسکو شہید اول قرار دیا ہے۔ ہذا افضل اللہ یوتیمین شہاد۔

حارث بن سراقہ | جمع کے بعد حارث بن سراقہ شہید ہوئے۔ اور بالانفاق شہداء بدر میں یہ شہید ثانی یقین کیے جاتے ہیں۔  
شہادت | اُنکی صورت شہادت زرقانی نے یون بتلائی ہے۔

حارث بن سراقہ (خراشہ) وكان في النظارة اي اللذين  
لخرجوا اعدال فلم يخرجوا اعدال فجاؤا مسهرا غيبا وقع  
في فخرة وقتله صحاءات امله اتم ربيع فقات يادرسو  
الله قد علمت مكان حارثه منى فان يكن في الجنة  
اصبروا واحتسبوا ولا تترى ما اصنع فقال صلعم  
انها ليست بجنة واحدة ولكنها جنان كثيرة والله  
في جنة الفردوس كما في الصحيح وقتله موحدة  
بن العرفه زرقاني ص ۵۳

حارث بن خراشہ شہداء اسلام کی صفوں میں گوم گوم کر دیکھ رہے تھے کہ کون  
شخص شہادہ کے لئے نہیں نکلتا ہے۔ اس اثنا میں ایک تیراڑتا ہوا آکر  
انکے وسطا طعن پر بیٹھا اور یہ جان بھی تسلیم ہو گئے۔ اُنکی غریب مان اقم  
ربیع بہ حال دیکھ کر آنحضرت صلم کی خدمت میں دوڑی آئیں اور عرض  
کرنے لگیں آپ ارشاد فرمادیں اگر حارثہ بہشت میں داخل ہو گیا ہے تو  
پھر میں صبر کر کے خموش رہ جاؤں ورنہ آپ دیکھ لیں گے میں (بہشتوں کے  
ساتھ) کیا کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ بہشت ایک بہشت نہیں ہے  
بلکہ اُس کے متعدد درجے ہیں اور حارثہ اوس درجہ بہشت میں ہے جاکو

جنت الفردوس کہتے ہیں۔ یہ روایت صحیح کی ہے۔ حارثہ کو موحدة بن عرفہ نے قتل کیا۔

عمر بن الجحام کی | جان نثاران اسلام میں عمر بن الجحام بھی قابل الذکر ہیں۔ ابن ہشام ص ۱۸۔ جلد دوم طبری ص ۳۲۲  
شہادت | اور زرقانی ص ۵۳۶ میں انکے حالات اس طرح لکھتے ہیں۔

الله صلى الله عليه وآله وسلم خرج على الناس فخرضهم  
فقاتل والدي نفس محمد بيل لا تقا له يوم رجل  
فقتل صابرا محتسبا مقيلا غير مدبر الا اذ دخله  
الجنة فقال عمون الحمار وفي يده ثمرات ياكلهن  
تبع اخما بلقي وبين ادخل الجنة الا ان يقتلني  
هو لا ثم قذف الثمرات من يده واخذ سيفه  
فقاتل القوم حتى قتل وهو يقول ه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان افغانوں کو اسلام کو قتل پر ایک فرمائی کہ  
اوس غلام کی قسم میں کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان پر جو شخص صبر و تحمل  
اور ضبط و قدامت سے قدم اگے بڑھاتا ہو وہ بھاگنے کے لئے پیچھے ہٹتا ہوا  
قتل کیا جائیگا دو یقینی بہشتیں داخل ہوگا۔ عمر بن حمار جو اس وقت  
اپنے ہاتھوں میں کچورین لئے کھڑا ہوا تھا کہنے لگا۔ واہ واہ۔ اب تو میرے  
دانا بہشت میں کوئی شے حامل نہیں ہو سکتی۔ میں خوش ہوں اب یہ قوم  
مجھے قتل کر ڈالے یہ کھلکھچورین تو اپنے ہاتھ سے پھینک دیں اور تلوار لے کر  
لشکر کفار میں جا پیسے اور یہ خبر پڑنے لگے۔ میں تو اپنے خدا کے پاس بغیر کسی  
قوشہ کو جا ہوں اور میرے پاس کوئی قوشہ نہ رہے تو میری آخرت اور خدا کی رویت  
جہاد کرنے کی مصیبتوں پر صبر کرنے کی ہوائیں ہے غنیمت سے مقابل ہوئے اور

لخصا الى الله بنير نادى الا التقى وعمل الرشاد  
والصبر في الله على الجهاد وكل ناد عرضة المفاذ  
غير التقى والبر والرشاد

وقتلہ خالد ابن الاعلم العقیلی مارے گئے۔ خالد بن اعلم عقیلی نے انکو شہید کیا۔  
 عوف بن حارث انصاری جنگ کی عین گرم بازاری میں جب غزین سے شدید حملات ہو رہے تھے عوف بن حارث انصاری  
 دوسرے شہادت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک بار جوش شجاعت اور فوجوں  
 و عقیدت سے سرشار ہو کر عرض خدمت کرنے لگے۔ طبری انکے الفاظ تقریر یہ لکھتے ہیں۔

یا رسول اللہ صلعم بما یفعلک الودیع من عبدہ قال یا رسول اللہ م بندہ کی کون سی ادھر دور و گار کو خوش کر دیتی ہے ارشاد ہوا  
 غمیدہ فی الحد و حاسر طبر ۳۲۰ دشمنان خدا سے بغیر سلاح جنگ بہنہ برکدست و گریبان ہو جانا۔

مخبر صادق کی زبان صداقت ترجمان و آئینہ مستنسا تھا کہ  
 ففزع درعا کانت علیہ فقد فہا ثم اخذ سبیعة فقا  
 القوم حتی قتل ہری ۳۲۱ اس شہرزل نے سلاح جنگ جو پہنے ہوئے تھا اٹھا کر پارہ پارہ کر ڈالی  
 اور پھینک دی اور تلوار اٹھا کر کفار سے لڑنے لگا۔ بیان تک کہ مارا گیا۔

عمیر ابن ارقاص کس مجاہد عمیر ابن ابوقاص جو کم سن ہونے کے باعث شریک شکر بنین کے جاتے تھے لیکن جناب  
 کی دوسرے شہادت رسالت آج صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکی گدیہ وزاری شکر اجازت دیری تھی۔ میدان جنگ  
 میں باوجود کمسنی کے اظہار شجاعت سے باز نہ رہتے کفار سے لڑے اور مارے گئے۔ امام سیسی کے قول سے عاص بن حمید  
 نے اور علامہ ابن حجر کی روایت سے عمر بن عبدود نے انکو شہید کیا۔ زرقانی ص ۵۳۷

سعد بن خثیمہ اور بشیر بن ان جانبازان اسلام کی فرست بن دو ہزرگان انصار کے نام نامی اور قابل ذکر ہیں۔ ایک سعد بن  
 منذر کی شہادت خثیمہ دوسرے بشیر بن منذر انصاری۔ سعد بن خثیمہ کی عظمت شان علامہ زرقانی کے بیان سے  
 ذیل میں ملاحظہ ہو۔

سعد بن خثیمہ طبقہ نقباء میں تھے۔ عقبہ میں بیعت اسلام لاؤ تھے  
 خود بھی صحابی تھے صحابی کی بیٹے تھے شہید تھے اور شہید کے بیٹے تھے  
 انکو طعیہ بن عدی نے اور بروایت عمر ابن عبدود نے قتل کیا ص ۵۳۵  
 انکے باپ (خثیمہ) احد میں شہید ہوئے۔

ہم نے ان سرور شان اسلام کے جانبازانہ اور قدائیانہ خدمات لکھ کر اپنے سلسلہ بیان سے صرف ایک رخ ہونیکا  
 عیب مٹا دیا۔ اور اپنے ناچیز اور ناقابل قدر بیان میں ان مجاہدان راہ خدا کی کامل الایمانی ثبات و پاداری اور ہمت و  
 جگر داری کی بے نظیر مثالیں دکھلا دیں۔ جو دنیا کے فانی اور مٹ جانے والے کارناموں میں کیا لوح محفوظ رب العباد میں  
 ابداً یاد رکھیں کہ محفوظ رہیں گی ان شارب اللہ۔

جنگ بدر کے پہلی جنگ بدر کے حالات و واقعات ختم ہو گئے۔ فاتحان اسلام فوج کھار کو شکست کامل دیکر آئندہ جہاد



ہیرہ حضرت علی مرتضیٰ بن ابی سیل اللہ کی خدمات کے لئے باقی رہے انکی دلیرانہ اور شجاعانہ حالات اور نیز شہیدانِ ہند کے سرفروشانہ اور جانبازانہ واقعات جو انھوں نے اپنی جانیں دیکر اپنے بعد دنیا میں بہترین یادگار بن چھوڑیں۔ ایک ایک کر کے ہم نے بیان کر دیے۔

محققین ان مہماندینِ اسلامی کے تفصیلی کارناموں کو پیش نظر لکھ کر مجاہدینِ ہند کی خدمات میں موازنہ کریں گے تو بار آور انکو بھی شہابی صاحب کی طرح یہ لکھ کر اقرار کرنا پڑے گا کہ اسلام کی اس عظیم شانِ جنگ کے فاتح (ہیرہ) اس قدر انجالب حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ثابت ہوئے ہیں جنکی فائزہ خدمات کی نسبت امام و ولایتی لکھ کر بتلا چکے ہیں کہ انصرف حتی یفزع علیہ کسی غزوہ سے تا وقتیکہ فتح نہ فرماتے تھے واپس نہ آتے تھے۔ ارجح المطالب طلبوہ لاہور صفحہ ۵۵۲

مقتولینِ ہند کا دفن تفصیل جنگ کو مکمل تک پہنچا کر ہم میدانِ جنگ کے دوسرے واقعات کے بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ قریش کے لشکر گرانے شکستِ کامل اٹھائی اور کئے بڑے بڑے نہرواڑا اور شجاع زادہ قوم و قبائل کے سردار و نمودار مارے گئے کفار کی طرف مقتولین کی تعداد شتر بھٹی اور یقیدین کی تعداد تینتالیس سو مسلمانوں کی طرف چودہ آدمی شہید ہوئے۔ ۶۔ مہاجرین اور انصار مشرکین قریش شکست کے بعد جو پکڑے گئے پکڑے گئے۔ باقی بھاگ گئے۔

غیرم سے جب میدانِ قتال بالکل خالی ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدانِ جنگ میں خود شریف لائے اور سب سے پہلا کام جواب دے کیا وہ جانبین کی مقتولین کی آخر خدمات تھیں۔ ہر شخص رحمتِ عالم کی رحمتی در و مندی کے اصول اور اس خالقِ محسوس کی رتِ قلبی کے اس معمول سے خوب واقف تھا کہ آپ جہاں کہیں کسی میت کو افتادہ پاتے تھے اسکو فوراً زمین میں دفن فرما دیتے تھے میت تو میت استخواناے افتادہ تک کے ساتھ بھی سی عمل کیا جاتا تھا اس بنا پر کیسے ممکن تھا کہ کفار کی طرف والے مقتولین بدرِ اخلاق ہمدردی کے اس فیضانِ عالم سے محروم رکھے جاتے۔

شہداءِ ہند کی چونکہ تعداد بہت قلیل تھی شمار میں کل چودہ تھے۔ ان کی خدمات سے جلد فراغت ہو گئی تو فوراً لشکرِ مشرکین کی طرف توجہ فرمائی گئی چونکہ وہ تعداد میں زیادہ تھے اور سب کو جداجدا دفن کرنے میں وقت بھی زیادہ درکار تھا اور جنگ سے تھکے ہوئے مسلمانوں کو محنت اور مشقت بھی زیادہ کرنی ہوتی۔ اس لئے ایک قریب کے کنوئین میں کفار کی لاشوں کو اکٹھا کر کر دفن کرا دیا گیا۔ اور کنوئین کے موندہ کو پتھر اور مٹی سے بھر کر سطحِ زمین کے برابر کرا دیا گیا صرف امیہ بن خلف کی لاش بگڑ جانے

لے انہوں مسلمانوں نے شہیدانِ ہند کو ساتھ جن بن اسی ہو کر مسلم کے اکٹھا ہجرا بارہ تھے انہیں دیکھا جتنا کفار کی لاشوں کو ساتھ ہر بین کر چکے تھے۔ انکو برہنہ تن اور طعمہ جانور ان بنائے جانے کی جگہ کہ کسی غار میں ڈال دیا جاتا۔ یا دریا قریب تھا اسی میں بھاویا ہوتا۔ لاشیں ہی برسی مدت میں مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کے شجاعِ اخلاق کو ایسا بھلا دیا۔ فاعبروا المولف عفی عنہ

کے باعث اٹھانے کے قابل نہ رہی تھی اس لئے وہیں تہہ زمین کر دی گئی۔

شبلی صاحب کی محبت رقی بہت سے قابل الذکر حالات کو چھیڑتی چلی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ تمام تاریکوں کے مشاہدات متفقہ ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ دفن مشرکین کے ذکر میں ابوہریرہ بن عتبہ کا واقعہ اس کی کامل الایمانی اور راسخ الاعتقاد کی نشان کو دوبالا ثابت کر رہا ہے۔ ابن ہشام نے الفاظ ذیل میں اس کی تفصیل کی ہے۔

ما امر رسول الله صلعم ان يلقوا في القليب اخذ عتبہ بن ربيعة فمحب الى القليب فنظر رسول الله فبا بلغني في وجه ابو حذيفة فاذا هو كئيب قد تغير فقال يا ابا حذيفة لعلك قد دخلت من شان اهلك شيئا او كما قال صلى الله عليه وآله وسلم فقال لا والله يا رسول الله ما شئكت في ابى ولا في عترة مصرعة ولا كنتى اعرف من ابى رايا وحسما وفضلا فكنت ارجو ان يهديه ذلك الى الاسلام فلما ساءت ما اصابه وذكرت ما مات عليه من الكفر بعد الذي كنت ارجو له احزننى ذلك

نداء رسول

الله صلعم

بغير اوقال

له خيرا

من ۲۳

جناب رسول خدا صلعم نے جب مسلمانوں کو حکم دیا کہ مشرکین کی لاشوں کو کنوئین میں لایا کر جمع کریں تو عتبہ بن ربیعہ کی لاش کو لوگ زمین پر پھینچنے لگے تو ابوہریرہ نے کوپا کے لاشے کو اس حال سے لاتے ہوئے دیکھ کر ہلکا ہوا جیسا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اس کے چہرے سے آثار حزن و ملال بچا کر پوچھنے لگے کہ اے ابوہریرہ کیا تم کو اپنے باپ کی طرف سے کچھ دل میں خیال آیا ہے۔ جوہیں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سوال کیا ابوہریرہ نے جوش عقیدت سے جواب میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ص اسم خدا کی اسلام کی طرف سے مجھے جس بھر بھی شک نہیں لیکن مجھے اتنا خیال البتہ ہے کہ میرا باپ صاحب رائے متحمل صاحب ادب و کمال تھا اور اسکے ان صفات سے مجھ کو ہمیشہ امید قوی تھی کہ وہ اسلام کی خوبیوں کو خود سمجھ کر مشرف باسلام ہو جائیگا۔ لیکن خلا امید میں نے دیکھ لیا کہ دولت اسلام سے مشرف نہ ہوئی وہ جسے بالآخر اس کی کیا حالت ہوئی اور یہ اس کے کافر بننے کا نتیجہ ہے۔ یہ سن کر آنحضرت صلعم نے ابوہریرہ کے لئے دعائے خیر کی اور اس کو کلمات خیر سے یاد دوشا دے فرمایا۔

اس کے بعد ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم دفن کافریں پر کھڑے ہوئے اور عبرت انگیز انداز و طریقہ سے گویا مقتولین مشرکین کو مخاطب کر کے یہ کلمات عبرت ارشاد فرمائے۔

يا اهل القليب بشي عشيرة النبي كنتم لنبئكم كذبتوني وصدقني الناس فاخرجتموني واواني الناس وقاتلتموني ونصرني الناس ثم قال وجدتم ما وعدكم ربكم حقا ص ۲۳ جلد دوم طبری ص ۱۲۴

اے اقوام و گان چاہ! تم اپنے نبی کے لئے کیسے بڑے عزیز اور قریب ثابت ہوئے تم نے مجھے جھٹلایا اور غیر لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے گمراہی کا لہجہ دیا اور غیروں نے مجھے پناہ دی تم میرے قتل پر ادا ہوئے غیروں نے میری نصرت و حمایت کی۔ یہ لکھ کر

آپ نے فرمایا تم بالآخر وہ ام لگے جس کا خدا نے تم سے سچا وعدہ فرمایا تھا۔

اسیران بدر کے ساتھ ان امور سے فراغت فرما کر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیدیان قریش کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے وہ ایک ایک کر کے شمار کئے گئے جو ابن ہشام کی تعداد کے موافق تینتالیس تھے جن میں آنحضرتؐ

کے عم محمدؐ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؓ برادر عم زاد عقیل بن ابی طالبؓ اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلبؓ اور ابو العاصؓ شوہر حضرت زینبؓ بھی داخل تھے۔ سروسرست ان لوگوں کا اسوقت کوئی تصفیہ فرما دینا مناسب نہ سمجھا گیا بلحاظ وخیل قرابت و کھیتی۔ تمام اسیروں کو وہ دو چار چار کر کے انصار و مہاجرین کے سپرد کر دیا گیا کہ ہر شخص اپنے ہمراہی قیدی کو اپنی حراست میں راحت و آرام سے رکھے۔

رسولؐ کا حکم کافی تھا۔ اور اسلام کی عام ہمدردی کی تعلیم کا مقتضی بھی یہی تھا۔ جو فاتحین اسلام نے اپنے مقصدین کی راحت رسانی کی خدمات میں اختیار کیا۔ تمام تاریخ و حدیث کی کتابوں کا یہ متفقہ بیان ہے کہ اسوقت کو لیکر جب تک اسیران قریش مدینہ میں مہاجرین و انصاریہ کے پاس رہے صحابہ کا یہ برابر قاعدہ رہا کہ گھر میں جو کھانا پکاتا تھا تو قیدیوں کو کھلا دیا جاتا تھا اور خود کھجوریں کھا کر بیچتے تھے۔ ابو عزیٰز جو مصعب ابن عمیرؓ کے بھائی تھے وہ بھی قیدی ہو گئے تھے اور ایک انصاری صحابی کی حوالگی میں دیے گئے تھے وہ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ بزرگ انصاری جب صبح و شام کھانا لاکر سامنے رکھتے آپ بھی ساتھ بیٹھ جاتے تو روٹی وغیرہ میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیتے اور کھانے لگتے۔ جبکہ اونکے اس حکام اشفاق سے ایسی شرم آتی کہ روٹی کو ہاتھ لگایا نہیں جاتا تھا۔ وہ میری حالت دیکھ کر کہتے کہ میں نے تمہیں روٹی اسلئے دی ہے کہ تم لوگ خورش غلہ کے خوگر ہو۔ بخلاف تمہارے ہم کھجوریں کے عادی ہیں کیونکہ ہمارے علاقہ میں کھجوریں کثرت سے ہوتی ہیں میں انھیں خوشی سے کھا سکتا ہوں اور تم نہیں۔ میں باہم صراحت کر کے روٹیاں انھیں کے ہاتھ میں دیدیتا۔ لیکن وہ سنت و سماعت کر کے پھر مجھے کو داپس کرتے طبری ص ۱۳۳۸

یہ تھی اسلام کی ہمدردی کی تعلیم عام اور علم اسلام علیہ السلام کے احکام و تاکید کی تاثیر۔ اسیران بدر کے معاملہ کے لئے پیش ہوئے تو اکثر کے پاس کپڑے نہیں تھے۔ تھے ہی تو جنگ و پیکار کی کشمکش سے پارہ پارہ ہو کر پہننے کے قابل نہیں رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق عظیم اونکی برہنہ تنی کو کب گوارا کر سکتا تھا۔ صحابہ کو فوراً حکم ہوا انھیں کپڑے پہناؤ تب اپنے ہمراہ لیاؤ۔ فوراً حکم کی تعمیل ہونے لگی اتفاق سے حضرت عباسؓ کا لباس بھی پارہ پارہ ہو گیا تھا اور کسی طرح استعمال کے قابل نہ تھا۔ اکثر صحابی اپنا کرتہ دینے پر طیار ہو گئے لیکن دشواری یہ تھی کہ آپ اس قدر طویل القامت تھے کہ کسی کا کرتہ آپ کے بدن پر ٹھیک نہیں آتا تھا۔ اتفاق سے عبداللہ بن ابی سلولؓ رئیس المنافقین نے اپنا کرتہ منگو کر حضرت عباسؓ کو پہنایا تو بالکل ٹھیک آگیا۔

امام بخاری لکھتے ہیں عہدِ اشد بن ابی سلول کو اپنے کرتہ کا کفن جو عنایت فرمایا گیا تھا وہ اس کے اسی احسان کا معاوضہ تھا۔ بخاری ص ۴۴۲

انھیں قیدیوں میں عرب کا شیریں زبان اور بحر البیان شاعر سہیل ابن عمر بھی شامل تھا۔ یہ شخص تمام عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر اپنی خوش بیانی سے نئی تقریریں کیا کرتا تھا جب یہ شخص سامنے لایا گیا تو حضرت عمر کو طیش آگیا فوراً عرض کی کہ یا رسول اللہ! اس دریدہ دہن کے دونوں نچلے دانت اڑھڑوائے جائیں کہ اسکی آواز عیب دار اور تقریر بیکار ہو جائے۔ اس رحم مجسم نے ارشاد فرمایا اے عمر اگر میں اسکا کوئی عضو گھاڑوں (مثلاً گزنا) تو یاد رکھو اگرچہ میں نبی برحق ہوں اور معصوم لیکن اللہ نے منعم اس کے بدلہ میں میرے اعضا بھی گھاڑ دیگا۔ طبری ص ۱۳۴۴

انھیں سہیل ابن عمر کی نسبت تار بخون نے یہ بھی لکھا کہ بتلادیا ہے کہ یہ حضرت ام المومنین سیدہ کے عزیزوں میں تھے یہ نہ میں جب آئے اور اون محترمہ کی نظر ان پر پڑی اور انکو اس صورت سے دیکھا کہ ہاتھ پاؤں بندھے ہیں تو ایک شجاعانہ انداز میں میساختہ کہہ اٹھیں کہ تم نے پاشکستہ عورتوں کی طرح بیریان توہین لین مگر تم سے یہ نہ ہو سکا کہ مردانہ وار تلوار لیکر میدان جنگ میں کٹ مرتے۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۲۳

تاریخ و سیر کا متفقہ بیان ہے کہ ان تمام انتظاموں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ رات (۱۸) رمضان کی شب) وہیں جبگاہ بدر میں صرف کی۔ طبری کا بیان ہے کہ ان تمام امور انتظام سے فراغت فرما کر جب آپ فرش خواب پر آرام فرمانے لگے تو اپنے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب کے کراہنے کی آواز سنی دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ ہاتھوں کے بند ہونے سے انھیں تکلیف ہے۔ آپ یہ سن کر تھوڑی دیر تک خاموش رہے لیکن قلب مبارک بیچین رہا اور بیچینی سے نیت نہ آئی صحابہ جو خدمت میں حاضر تھے آپ کو بیچین دیکھ کر بے چینی کا سبب پوچھنے لگے تو ارشاد ہوا کہ چچا کی کراہ سونے نہیں دیتی میں نہیں چاہتا کہ محض خصوصیت کی بنا پر اصول عدالت اور معمول مساوت سے تجاوز کروں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس شخص سے جسکی حرارت میں وہ مقید ہیں میری طرف سے کہہ دو کہ رات بھر کے لئے اونکے ہاتھ کھول دے کہ وہ بھی آرام سے سو جائیں اور میں بھی صحابہ فوراً اوسٹھے اور اس مرد انصاری سے کہہ کر حضرت عباس کے ہاتھ کھولوا دیئے۔ ہاتھ کے کھلے ہی حضرت عباس نے بھی نیت سے آنکھیں بند کر لیں اور خواب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سو گئے۔ طبری ص ۱۳۴۱

نزدگاہ بدر سے مراجعت | دوسرے دن نزدگاہ بدر سے کوچ ہوا منزل روحاء میں حج بدر سے واپسی میں آخر منزل اور مدینہ سے مدینہ منورہ میں داخلہ | آئے میں اول منزل تھی۔ پہونچ کر حضرت عبید اللہ بن الحارث بن عبدالمطلب نے انتقال فرمایا جیسا کہ نوچر بیان کیا گیا ہے اس شہید راہ خدا کو وہیں دفن فرمادیا گیا۔ اور یہ بزرگ بسوقت تمام نبی ہاشم میں کبریا تن تھے اور شہادت کے وقت انکا بن چونٹہ برس کئی مہینہ کا بتلایا گیا ہے۔ نورقانی



انکی آخری خدمات سے فارغ ہو کر شکر اسلامی نے کوچ کیا۔ روانگی سے پہلے زید بن حارثہ کو مدینہ منورہ میں فتح اسلام کی اشاعت و اعلان کے لئے روانہ کر دیا گیا تھا یہ عین اس وقت پہنچے جب حضرت رقیہ زوجہ حضرت عثمان کی میت مدفون کی جا رہی تھی۔ اور تمام مسلمان یکجا موجود تھے۔

زید نے جب غزوہ فتح سنایا۔ تو آسامہ نہ وانکے بیٹے کا بیان ہے کہ کسی فرد واحد کو اسلام کی اس عظیم الشان فتح کا یقین نہ آیا۔ کیونکہ وہ شکر اسلام کی قلت تعداد کمی سامان محاربت اور بخلاف انکے قریش کی کثرت فوج اور ساز و سامان کی افراط سے خوب واقف تھے آسامہ کہتے ہیں اور تو اور لوگ تھے مجھ کو خود اپنے باپ کے بیان پر اعتبار نہیں آیا تو میرے پھر دوبارہ ان سے پوچھا کہ کیا آپ سچ بیان کرتے ہیں کہ شتر برداران قریش مارے گئے اور تین تالیس کثرت کفار تھے۔ ہو کر مدینہ آ رہے ہیں اور کل جمع تک داخل شہر ہو جائینگے میرے باپ نے میرے اور تمام حاضرین کے مونہ پر شرعی قسم کھائی۔ تاہم اکثر لوگوں کو احتمال باقی رہا اور وہ یہی کہتے چلے گئے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ روئے الا جابت شیرانی ۲۳۷ دوسرے دن ہو کب رسالت کا شہر میں داخلہ تھا۔ شخص نے فرط مسرت سے جلگہ رات کاٹی۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی تمام اہل اسلام ذریعہ سحری سے فارغ ہو کر دروازے پر پہنچے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے بیرون شہر جمع ہوئے۔ بعض مشائخ چاہے ابی عیینہ تک ایک میل آگے بڑھ گئے۔ دن نکلنے لگتا تو کہہ رسالت جنود اسلام کے ساتھ نمودار ہوا جانہین سے نعرے لگے یہیں پہنچے جب شکر اسلامی فریب آگیا تو متفقین فرود آؤ اقدام بوس رسالت ہوئے اور مجاہدین سے معانقہ و مصافحہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب میں داخل شہر ہوئے۔

یہاں بھی مسلمین شائقین کی وہی کثرت تھی ہر عقیدت مند شرف قدمی سے شرف دارین حاصل کرتا جاتا تھا اور وہ خلق مجسم علی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی قدر مراتب شخص کے اہل عقیدت کے جواب میں اپنی طرف سے انکی تصدیق خلوص و عقیدت فرماتا جاتا تھا۔

تائید غیبی کے | اس اثنا میں دو چار صحابہ آپس میں لکڑی قوعات جنگ کا تفصیلی ذکر کرنے لگے ایک مجاہد اسلام نے اپنی سرگزشت بزم دید و اقبات بیان کر کے کہا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں خود نہیں معلوم ہمارے فتح کیونکر ہوئی۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ فتح و کامیابی ہماری زور و قوت یا سہی و کوشش کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ محض تائید غیبی تھی اور مشیت الہی کی تفویض تھی۔ ثبوت میں ہمارے مشاہدات یعنی موجود ہیں اور وہ یہ ہیں کہ میدان جنگ میں ہم اپنے مقابل پر جب حملہ آور ہوتے تھے تو آپاں انکوں سے دیکھتے تھے کہ قبل اسکے کہ ہم اپنی تلوار سے اسے قتل کریں اسکو مقول پاتے تھے اور اگر کوئی مقابل تاب مقابلہ نہ لکر سامنے سے بھاگ جاتا تھا اور ہمارے کمانہ قارب کرنا ہوتا تھا تو ہمارے پوچھنے سے پہلے ہم اسکو زمین پر مردہ پاتے تھے حالانکہ نہ ہم مقابلہ والے معاملہ میں کسی مارنے والے کو دیکھتے تھے اور نہ تعاقب والے واقعہ میں دشمن کا کوئی قاتل ہمیں دکھائی دیتا تھا۔ اسی طرح کفار کے قید کرتے وقت معاملات پیش آئے جس مفرد کے پکڑنے کے لئے ہم دوڑتے تھے پوچھنے سے پہلے

ہم اوسکو وہاں دست و پا بستہ پاتے تھے اکثر یہ ہوتا تھا کہ ہم اپنے سے دوڑنے اور سہ گونے پہلوانان قریش کو بلا کلف مقید کر لیتے تھے جیسے کوئی اونکے قید کرنے میں جہانی معاونت اور مشارکت کر رہا ہے۔

ان لوگوں کے نقل و بیان کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن رہے تھے۔ آپ ان کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمانے لگے۔ وہ مائیکہ مقررین تھے جو تمہاری نصرت و حمایت کے لئے خدا کے سبب انہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر نازل فرمائے گئے تھے۔ طبری صفحہ ۱۳۳ ابن ہشام جلد دوم ص ۲۳

قرآن مجید ان مشاہدات کا اجمالاً خود ان الفاظ میں شاہد ہے۔

اِذْ يَسْتَفْهِتُونَ رَبَّكَ فَاَسْتَجَابَ لَكَ اَنْتَ اِيَّيْهِمْ كَذُوْ  
بِاَلَيْفٍ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْسِدًا ۝

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرِ يَوْمَ اُتِيتُمْ اَذْكَا۟  
فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُوْنَ

شبلی صاحب نے ان واقعات کو عدم مرفوع القلم فرمادیا۔ کیونکہ یورپین محققین کی تعریف کے خوف سے اور نیز اس خیال سے کہ ان واقعات کے لکھنے سے آپ کی تالیف فلسفہ تاریخی کے معیار سے نیچے اوتر آئے گی۔

افسوس ایک اسلامی مؤلف عیسائی مؤلفین کی تعریف اور عیسائی تالیفات کی عدم تقلید کی دہشت سے کانپا جاتا ہے اور سلف صالحین کی تقلید و اتباع کا قلاوہ اپنی گردن سے اوتارے پھینکتا ہے۔ اور اس بندہ خدا کو ذرا خیال نہیں آتا کہ ان واقعات کے اسقاط و حذف سے عیسائی مؤلفین اور انکی تالیفات کی پوری تقلید تو ہو جاتی ہے لیکن اسی کے ساتھ قرآن مجید کی تکذیب بھی ظاہر ہو جاتی ہے بغیر اللہ۔

اور اگر یہ سبب فاسد نہیں ہے تو پہرہ باوجود اسکے کہ آپ کی تمام قدیم تاریخ۔ سیرت۔ حدیث۔ تفسیر کی کتابوں میں یہ واقعات موجود ہیں اور آپ کا خدا بھی اپنے کلام پاک میں اسکی واقعت اور حقیقت کی تصدیق کرتا ہے اور آپ کا رسول برحق بھی عین موقع پر ان واقعات و مشاہدات کے بیان کرنے والوں کی توثیق فرماتا ہے تو پھر آپ کے لئے ان واقعات کو بیان کرنے سے کون شے مانع آتی ہے؟ کیا آپ یا آپ کی طرف سے کوئی مرد مسلمان آپ کی اس فرودگذشت کیلئے کوئی وجہ معقول اور کوئی غدر قابل قبول پیش کر سکتا ہے۔

شبلی صاحب کی جیلہ القلم کی حقیقت کا ہم تمام ایسے مقامات پر پورا انکشاف کرنے جاتے ہیں اور یہاں بھی ہرکو وہی ضرورت لاحق ہو شبلی صاحب کی تو کمال احتیاط کا ان واقعات کو اصلی کتاب سے نکال پھینکا اور اشارتاً گناہ بھی اسکا ذکر نہیں آئے نہ دیا اسلئے کہ روحانیات کو ذکر نہ کر سکیں آپ کی فلسفانہ تالیف کی کسران ہوئی تھی۔ لیکن اسی روحانیت کی حقیقی قوت کا زبردست ہاتھ ایسا بھی تھا کہ جس آپ ہی کو دست و قلم و آپ کی اسی کتاب میں لکھوایا چھوڑا۔ ملاحظہ ہو سیرت ابنی ملاحول کے صفحہ ۶۴۵ یہ سیرت

تائیم کی گئی ہے۔ غزوہ بدر کا بیان قرآن میں تمام آیات قرآنی جن میں بدر کے حالات مذکور ہیں لکھے گئے ہیں اور ان میں مرقومہ بالا دونوں آیتیں موجود ہیں۔ اس ترتیب سے کہ آیہ لول تو صفحہ ۴۷۶ سطر ۱۳ میں مرقوم ہے اور آیہ دوم صفحہ ۴۷۹ سطر ۱۶ میں مسطور ہے۔

آپ قرآن مجید سے ان روحانی نصرت و حمایت کے شواہد تو نقل کرتے ہیں لیکن ان کو اپنے سلسلہ بیان میں لکھنا نہیں چاہتے گویا (غزوہ بائشہ) انکی اصلیت اور واقعیت آپ پر مشتبہ ہے۔ اس صورت حال کو مشاہدہ کرنے کے بعد کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی سچے اور دیندار مسلمان موافق کی یہ شان تحریر ہے اور عنوان تالیف لاجوں و لاقوۃ

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مقیدین قریش دو دو چار چار کر کے پہلے ہی مہاجر و انصار کی سہرگی و حرارت میں بدیہ گئے تھے یہ صرف وقتی انتظام تھا۔ مدینہ منورہ میں تشریف لا کر مقیدین کے خاطر خواہ انتظام کی طرف توجہ فرمائی گئی۔ انہیں یہ صرف و آدھی عقبہ بن معین اور نضر بن الحارث و اہل مدینہ سے پہلے ہی قتل کر دیے گئے تھے اور ان دونوں شہرہ انفسوں کی علیٰ سزا انکی باعما دیوں کی جزا کے مقابلہ میں کچھ نہیں تھیں انکی نفسہ انگیزان اتنی بڑھ گئی تھیں کہ انکی ناپاک رستیوں سے دنیا کو بہت جلد پاک و صاف کر دینا ہی امن ملک اور امان قوم کے لئے مفید اور ضروری تھا۔

باقی اسیروں کے معاملہ میں صحابہ کا استمراج لیا گیا۔ حضرت ابوبکر نے صلاح دی کہ عرب کے قدیم دستور کے مطابق فدیہ لے کر چھوڑ دیے جائیں۔ حضرت عمر نے نہایت سختی سے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا سب کے سب قتل کر دیے جائیں اس خصوصیت کے ساتھ کہ عباس کو حمزہ اور عقیل کو علیؑ اس طرح ایک عزیز اپنے دوسرے عزیز کہ اپنے ہاتھ سے قتل کر کے یہ ثابت کر دے کہ حصول اسلام کے بعد کفار و مشرکین کے ساتھ کبھی قربت و خصوصیت کی رعایت قابل نہیں ہے۔ حضرت عمر کی رائے استیصال کفر کی بنا پر چونکہ بہت شدید تھی اور اصول اخلاق و مردت سے بہت بعید اس سے انکی رائے سے اتفاق نہیں کیا گیا بلکہ خلاف انکی حضرت ابوبکرؓ کی صلاح کو پسند کر کے مقیدین کو فدیہ لے کر چھوڑ دیے جانے کا حکم دے دیا گیا۔ ملک و قوم کے قدیم دستور و آئین کے مطابق حکم پاتے ہی مقیدین اپنے فدیہ ادا کر کے بلا غدر و دامل رہا ہوئے گئے اور اپنے مقام و مسکن کو واپس ہوتے گئے۔ شکے پاس رقم موجود نہیں تھی انہوں نے اپنے اسوہ کو رقم فدیہ لے کر طلب کیا۔ اور انکی آمد تک یہ لوگ ٹھہرے رہے۔ جو لوگ مقیدین میں بالکل نادار تھے اور کسی طریق سے رقم فدیہ نہیں ادا کر سکتے تھے لیکن پڑھنے لکھنے کی صنعت جانتے تھے ان لوگوں کے لئے یہ حکم خاص نافذ فرمایا گیا کہ یہ صحابہ کو جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے فن کتابت تعلیم کریں اور تعلیم کتابت پوری کر دینے کے بعد وہ رہا کر دیے جائیں انکی یہی خدمت اور نفاذ یہ قرار دی جائیگی۔ اس تجویز سے بہت سے مہاجر و انصار نے غور سے دونوں میں ان لوگوں کے فن کتابت حاصل کر کے لکھنے پڑھنے میں پوری مہارت پیدا کر لی۔ زید بن ثابتؓ وغیرہ انہیں لوگوں میں تھے۔

حضرت عباس کا قبول اسلام انھیں فدیہ دینے والوں میں حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔ یہ بزرگ روسا بنی ہاشم میں جیسے خوشحال تھے وہ شخص کو معلوم تھا ان سے فدیہ لینے کے لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کیا گیا تو ارشاد ہوا کہ ان سے بیکار چار فدیے لے جائیں ایک انکا خاص۔ دوسرا انکے بھتیجے عقیل بن ابیطالب کا تیسرا انکے بھتیجے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کا چوتھے انکے حلیف عبید بن جحدم کا۔ حضرت عباس اس حکم سے عین بخیر ہوئے اور کہا کہ میں تو مسلمان ہوں مجھے فدیہ کیسا۔ ارشاد ہوا قلوب کا حال خدا کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا اسوقت بظاہر آپ کفار کے شریک تھے اور انھیں کے ساتھ اسیر نہ کر لئے ہیں یہ سکر حضرت عباس بولیں اسوقت تو کچھ بھی موجود نہیں ہے کیا تم اسکو گوارا کرو گے کہ تمہارا چچا اپنی ناداری اور تنگدستی کی موجودہ حالت میں دواے فدیہ کیلئے دوسو نکالے آئے دست سوال پھیلانے۔

بناب رسالت اب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ چچا حقیقتاً آپ فضل خدا سے کسی وقت کسی مقام میں نادار نہیں کئے جاسکتے۔ ابھی تو آپ کے پاس ایک رقم تیراویس ہایہ کی ہے جو کہ سے چلتے وقت اقم القنصل کی تحویل میں یہ کمکر بھوانی گئی ہو کہ اگر آپ ڈائی سے واپس نہ آئیں گے تو وہ انکے اور انکے چاروں بیٹوں میں تقسیم کر دیا جائے گی یہ سنتے ہی حضرت عباس کا چہرہ زرد ہو گیا اور اسی ہیبت و ہلال کے خاص عالم میں کہنے لگے محمد و صلعم خدا شاہد ہے کہ میرے پاس راز سے سوائے میرے اور تمہاری چچی کے کوئی دوسرا مطلق واقف نہیں تھا یہ تمہیں کس نے خبر کر دی۔ یہ کمکر اسی حلال و سطور روحانی کی عین حالت میں حضرت عباس بے اختیار لپکا راہٹھے اسمدان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ انکے اقرار شہادت پر مسلمانوں کی موجودہ جماعت میں تکبیر کے متواتر نعرے بلند ہوئے اور تکبیر کی آوازوں سے سارا مدینہ گونج اٹھا

حضرت عباس کے ان حالات کے متعلق اتنا اور اضافہ کیا گیا ہے کہ حضرت عباس نے دوائے فدیہ کے وقت چالیس اوقیہ راقیہ بقدر ایک جو ہ طلا، جو مسلمانوں نے انکی گرفتاری کے وقت لے لیا تھا رقم فدیہ میں محسوب کرنا چاہا۔ مسلمانوں نے مجرا دینے سے انکار کیا۔ آخر کار آنحضرت صلعم کے پاس یہ معاملہ پیش کیا گیا آپ نے حضرت عباس سے کہا کہ وہ رقم خدا کی طرف سے غنیمت میں مسلمانوں کو عطا ہو چکی ہے۔ غناب و حساب فدیہ میں محسوب نہیں ہو سکتی۔ طبری ۱۳۵۴ یہ ہیں رسالت کے عادات اور غیر جانبدارانہ احکام جو ہر طریقہ اور ہر قرینہ سے اصول عدالت اور مساوات پر سمبٹی ہیں۔

ادای فدیہ کا ایک درواگیر اس سے بڑھ کر فدیہ کا ایک اور درواگیر واقعہ ہے اور لکھا جا چکا ہے کہ گرفتارین میں ابو العاص حضرت واقعہ ابو العاص کا اسلام زینب کے شوہر بھی تھے۔ جب انکے جائزہ کی نوبت آئی تو ان کے پاس فدیہ دینے کے لئے کچھ

لے اور نبار تفریح و تہنیت شہلی صاحب قیمتی دس روپیہ



بھی نہیں تھا۔ حضرت زینب مکہ میں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے پاس کھلا بھیجا کہ شوہر کے فدیہ کا انتظام کر کے بھیج دو کہ وہ رہا کر کے گھر واپس کر دیے جائیں۔ حضرت زینب کا بیاہ ہوا تھا تو حضرت خدیجہ نے انکو ایک بار جہیز میں دیا تھا۔ غریب زینب نے وہی بار بھیج دیا۔ جسوقت وہ ہاضور میں پیش کیا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً پہچان لیا۔ جناب خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی صورت اور اس محکم اخلاص و نیاز کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم گئی اور اس مختصر مغلطہ کو یاد کر کے بیاختہ چشم مبارک میں آنسوؤں بڑا آئے۔ اسی عالم خاص میں درد آمیز انداز سے صحابہ سے مخاطب ہو کر ارشاد ہوا۔ اگر تم مناسب سمجھو تو بڑی گومان کی دی ہوئی چیز واپس کر دو۔ سب نے متفق لفظ ہو کر عرض کی کہ غرور واپس کر دو بجائے اور ابوالعاص بھی رہا کر دیے جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

الغرض ابوالعاص رہا ہو کر مکہ آئے حضرت زینب کو مدینہ بھیج دیا۔ اتفاق یہ کہ تل سے تھیں ظالم قریش نے جانے میں قرحمت کی راستہ میں سواری رک دی۔ مبارک زینب ایک ظالم نے انکی محل پر اس رو سے تیرہ مارا کہ حضرت کی دھمک سے انکا محل ساقط ہو گیا لیکن یہ غریب اسی حالت میں ظالمین سے جان بچا کر کسی نہ کسی طرح مدینہ میں پہنچ گئیں۔

ابوالعاص کا وہ باری آدمی تھے کہ سے بغرض تجارت شام چلے گئے وہاں سے مال تجارت بیکڑ پوٹے تو راہ میں پھر مسلمانوں کے ایک سہارے گرفتار کر لیا اور ایک ایک کر کے انکا سارا مال آپس میں تقسیم کر لیا۔ ابوالعاص نے پھر مدینہ میں آکر حضرت زینب کے پاس بناہ لی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر صحابہ سے کہہ کر انکا تمام مال و اسباب انھیں واپس کرا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ متواتر اخلاق و اشتقاق مراحمانہ ابوالعاص کے لئے تازہ یاد نہ ہو گئے۔

ابوالعاص مدینہ سے پھر مکہ میں آئے اور تجارت کے شکر کار کو حساب و کتاب سمجھا کر پھر مدینہ کو واپس ہوئے تو اب علی الاعلان قریش سے کہتے آئے میں ابی بارہ مدینہ سے مکہ میں خاص کر اسی لئے آیا تھا کہ تمہارے حساب و کتاب تمہیں سمجھا دوں اور تمہارے مطالبات صاف کروں تاکہ تم لوگ یہ نہ کہو کہ ہمارے روپیہ کے قحاضہ کے خوف سے ابوالعاص مدینہ میں جا کر مسلمان ہو گیا۔ یہ لکھ مدینہ میں آئے اور حسب الاقرار مشرف باسلام ہو گئے۔ طبری ص ۱۳۸

جواز فدیہ کی معرکہ الآرا احکم فدیہ کے متعلق جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ سے مشورت اور حضرت ابو بکرؓ

یامت حضرت عمرؓ کی مخالفت رائے۔ ہم اور پر لکھ چکے ہیں علماء محدثین نے اور انکے دیکھا ویکھی موفیق اور سیرت کے مؤلفین نے بھی صرف شوری کی اہمیت اور حضرت عمرؓ کی اصابت رائے کی خصوصیت کے ثبوت و شہود قائم کئے جانکی غرض خاص سے اس واقعہ کو خواہ مخواہ ایک معرکہ آثار مسئلہ بنا رکھا ہے اور چونکہ اسکے متعلق قرآن مجید میں دو آیتیں خطاب ہدایت انگیز کما نازہین مرقوم ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مجاہدین اسلام کو استیصال کفار کے مقابلہ میں جو عمل معنی تھا حصول غنیمت اور وصول فدیہ کی طرف جس سے لوٹ دنیا طمع ملے انراض نفسانی موعودہ نہیں

متوجہ ہونا نہیں چاہتا تھا پہلی آیت یہ ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُفِيضَ فِي  
الْأَرْضِ

دوسری آیت یہ ہے۔

كُلًّا كِتَابًا مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَكُمْ فِيهَا أَخَذْتُم  
عَذَابًا عَظِيمًا تَكُونُوا فِيهَا عَذَابًا عَظِيمًا

کسی نبی کو جائز نہیں کہ غنیمت یا چھپی طرح خونریزی کئے ہوئے  
لوگوں کو قیدی بنائے۔

اگر خدا کا نوشتہ پہلے سے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس پر  
عذاب نازل ہوتا پس جو تم نے لوٹا یا کھاؤ کہ تمہاری لئے حلال ہے

ان دونوں آیتوں کے آغاز مفہوم پر غور و تعمق سے نظر فرما کر اور آخر حکم چار کے الفاظ و معانی سے قطع نظر کر کے  
علماء و محدثین نے عموماً اور ائمہین بھی صحیح کے حضرات مولفین نے خصوصاً اصول تھانوی بنیاد پر امر شوری کی غفلت  
اور صحابہ کی اصابت رائے کے اظہار و ثبات کی غرض خاص سے بلا لحاظ و امتیاز شان رسالت اور امتیاز نبوت جیسے جیسے  
موضوعات و مصنوعات میں ذکر کے و قریب کئے ہیں وہ اوتھین کی کتابوں میں دیکھنے کے قابل ہیں اور اپنے صہ درجہ کی فکر  
مال تحیل و نقل و وطن و قیام مندرجہ بالا واقعات شورے یا صحابہ۔ اور اقوال اور رائے صحابہ (حضرت ابوبکر و حضرت  
عمرؓ) کو ان آیتوں کے الفاظ قرآنی سے تطبیق دی ہے۔ وہ حقیقت میں نگاہوں میں ایک مضحکہ انگیز سلی و کوشش  
سے مزید ثابت نہیں ہوتی۔

افسوس ہے کہ ان موضوعات کی تفصیل ہمارے مقاصد تالیف سے بالکل علیحدہ ہے اسلئے اس کی مقتدانہ  
تفصیل سے ہم بیان بالکل مجبور ہیں لیکن چونکہ شبلی صاحب نے بھی تعلیہ اسلاف اور استخفاظ عقاید کے اصول  
اس مسئلہ کو اگرچہ بمقابلہ دیگر محدثین کے نہایت اعتدال و امتیاط سے لکھا ہے اسلئے ہم کو کسی قدر اس کے انکشاف کر دینے  
کی مجبوری ہوئی۔ ہم پہلے شبلی صاحب کی عبارت سیرۃ النبیؐ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد بتقدیرانہ انکشاف  
حقیقت پیش کریں گے۔

عام روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں اگر صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیران جنگ کو معاملہ میں  
کیا کیا جاوے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں خدیہ لیکر چھڑ دیے جائیں لیکن حضرت عمرؓ  
کے نزدیک اسلام کے معاملہ میں دوست و دشمن۔ عزیز و بیگانہ اور قریب و بعید کی تمیز نہ تھی اس لئے انھوں نے یہ رائی  
کہ سب قتل کر دیے جائیں اور ہم میں شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر کی  
رائے پسند کی اور خدیہ لے کر چھڑ دیا۔ اس پر خدا کا عتاب آیا اور یہ آیت اتری۔

اگر خدا کا نوشتہ پہلے سے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس پر  
بڑا عذاب تم پر نازل ہوتا۔

كُلًّا كِتَابًا مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَكُمْ فِيهَا أَخَذْتُم  
عَذَابًا عَظِيمًا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما پر عتاب ربانی شکر و پیر ہے۔

یہ روایت تمام تاریخوں میں مذکور ہے اور احادیث میں بھی موجود ہے لیکن سبب عتاب کے بیان میں اختلاف ہے ترمذی میں جو روایت ہے اس کا ما حاصل یہ ہے کہ اس وقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہیں آئے تھے عرب کے نام دستور کے مطابق صحیح غنیمت میں صرف ہو گئے اسی پر عتاب آیا لیکن چونکہ اسکے متعلق پہلے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا اس لیے یہ جرم معاف کر دیا گیا اور حکم آیا کہ مال غنیمت جو ہاتھ آچکا حلال ہے۔ قرآن مجید میں عتاب کے بعد یہ الفاظ ہیں۔

فَكَوْنُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَكْوًا حَتَّىٰ يَأْتِيَ

جو تم نے لوٹا ہے اب کہو کہ حلال و طیب ہے۔

اس آیت میں تصریح ہے کہ مال جو ہاتھ آیا تھا وہ حلال کر دیا گیا اور وہ مال غنیمت تھا۔ غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونوں سے ثابت ہے کہ عتاب فدیہ لینے یا مال غنیمت کے لوٹنے پر تھا صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں۔

جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپ روئے لگے۔ اور جب حضرت عمرؓ نے سبب گریہ دریافت کیا آپ نے فرمایا۔

ابکی الذی عریض علی اصحاب من اخذھم الفداء

تمہاری بہائیوں نے جو فدیہ لیا اور آپؐ پر خدا کی لعنت پڑی اسی پڑ رہا ہوں۔

غلط فہمی سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ اسیران جنگ کو قتل کیوں نہیں کر ڈالا۔ اسی پر عتاب آیا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ أَمْرًا يُلْحَقُ فِي الْأَرْضِ

کسی نبی کو یہ مناسب نہیں کہ بغیر اجماع طرح خوریزی کو لوگوں کو قید کرے۔

لیکن اس آیت کا صرف یہ ما حاصل ہے کہ میدان جنگ میں جب تک کافی خوریزی نہ ہو چکے قیدی بنانا مناسب نہیں ہے۔ یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اگر خوریزی سے پہلے لوگ گرفتار کر لئے گئے تو لڑائی کے بعد بھی قتل کئے جاسکتے ہیں۔

(سیرۃ النبی جلد اول از صفحہ ۲۴۱-۲۴۲)

شبلی صاحب نے اگرچہ بڑے حزم و احتیاط سے اس بحث کو لکھا ہے لیکن تقلید اسلاف حق تعالیٰ عقاید اور حمایت صحاح سے مجبور تھے تمام اعتراضات مخالفانہ میں سے صرف ایک تعریض کا جواب جو زیادہ تر عیسائی معتزلیوں سے تعلق ہے دیکھے اور وہ بھی اتنے طولانی استدلال کے بعد بھی بناؤ علی الاحتمال رہ گیا اس لیے آپ کی اتنی خاموش فرمائی بالکل بیکار گئی۔

آپ کی اس تفصیل و تصریح سے نہ ان آیات کے اصلی ترجمانہ شان نزول ثابت ہو سکی نہ عتاب خدا کی اصلی جو معلوم ہو سکی اور نہ یہ حقیق ہو سکا کہ اگر یہ امر حقیقاً عتاب تھا تو صرف عوام اہل اسلام جو جاہل مسئلہ تھے وہی تنہا مجرم و ملزم تھے یا (نعم و باد) رسول بھی۔ جو نزول آیت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بیٹھا رہا ہوا بیان کیا جاتا ہے اس سے تو

معلوم ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) وہ بھی ضرور داخل تھا۔ ورنہ اس گریبے سبب اور بے قراری و زاری بلا وجہ کیسی اور کس لئے۔

ہم سے نیچے یہ تمام بیانات متعلق گریبہ رسولؐ سرایا اتھام ہیں۔ پوچھیے کیوں؟ تو جیبہ فوراً آتی ہے اول تو اس آیت وافی ہدایہ کو خواہ مخواہ خطاب عتاب سمجھنا ہی عقل کی خوبی ہے۔ آیت اول میں صرف ہدایت کا خطاب ہے نہ عتاب ہے نہ عتاب ہے۔

ارباب احادیث و تھائیر با صیاب و یارخ تو ابھی اپنے اپنے مقام پر ہیں خود الفاظ قرآنی اسکے قطعی خطاب ہدایت ہونیکے شاہدین اور لوگوں کا کتاب من اللہ کے الفاظ شرعیات میں صاف تصریح موجود ہے کہ یہ فعل جو مجاہدین اسلام سے اس وقت عمل میں آیا ہے وہ پہلے ہی سے منجانب اللہ مقدر ہو چکا تھا۔ ہاں ایسی حالت میں کہ اگر یہ خدا کی طرف سے اونکے لئے نہ مقدر ہوا ہوتا تو وہ البتہ نہ ہوا اور عتاب سمجھے۔ تو اذات الشرطیات المشرؤطہ کے اصول عام کے موافق جب وہ مشروط ہی باقی نہیں رہی تو مشروط بہ کا ذکر ہی کیا۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ صورت حال تھی تو خدا نے اسکا کیوں ذکر کیا۔ جواب یہ ہے چونکہ خداوند کریم کو مال غنیمت کے متعلق دستور قدیم کی تفسیح منظور تھی۔ اور شریعت اسلام میں اموال غنیمت کی نسبت مدارج تحقیق اور مضامین تقسیم کے جداگانہ اصول و قواعد قائم کرنے تھے جنکی پوری تفصیل سورہ انفال میں جو بدر کے بعد ہی فوراً نازل ہوا موجود ہے۔ اس بنا پر رضائے الہی کا یہ مقصد کہ اہل اسلام صرف اموال غنیمت میں نزول حکم الہی تک کا انتظار کر لیتے مگر وہ شراکت سے واقف نہیں تھے۔ اور نہ اونکو اسکی نسبت حکم انہماعی دیا گیا تھا۔ اس لئے وہ اپنے دستور قدیم کے مطابق اس پر تصرف ہو گئے چنانچہ اونکی اسی لاعلمی کی بنا پر انکی اس فروگزاشت کی معافی بھی فرمادی گئی اور اونکے لئے ان اموال غنیمت کا تصرف بھی حلال و طیب فرما دیا گیا۔

چنانچہ امام ترمذی نے جو تصریح کی ہے اور شبلی صاحب نے نقل فرمائی ہے وہ بالکل صحیح اور منافی الواقعہ ہر اون سے مجھے صرف اتنا ہی اختلاف ہے کہ امام موصوف باوجود ان تصریحات معترفانہ کے بھی ابھی تک اس پر کو آیت عتاب سے تعبیر فرماتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے الفاظ تصریحات سے اس کا صرف ارشاد ہدایات ہونا صاف صاف ثابت ہے۔

بہر حال۔ الفاظ قرآنی اور امام ترمذی کی تصریحات (حدیث) دونوں سے ثابت ہو گیا کہ یہ آیت وافی ہدایہ عام اس سے کہ عتاب کے معنیوں میں شمار ہو۔ یا صرف خطاب ہدایت سے تعبیر کیا جاوے۔ اموال غنیمت کے تصرف میں بے احتیاطی و غلبت کرنیکی وجہ سے مسلمانوں کی صرف آگاہی کے لئے نازل فرمایا گیا تھا۔ اس میں تصریح ترمذی صرف غنیمت کا ذکر ہے۔ فدیہ کا کہیں مذکور نہیں لیکن صحیح مسلم نے غنیمت کو ساتھ فدیہ



لینے کو بھی باعث عتاب میں داخل کر لیا ہے اور سخت قہر ہے کہ شبلی صاحب نے محض تقلید اسلاف کی بنا پر ترمذی کے تصرف غنیمت اور سلم کی وصولی فدیہ دونوں کو عتاب الہی کا باعث بتلایا ہے اور لکھا ہے ”غرض ترمذی اور سلم دونوں کے ثابت ہے صفحہ ۲۴۲۔ حالانکہ ترمذی کے جو الفاظ قتل فرمائے گئے ادن میں فدیہ کا ذکر نہیں ہے پھر آپ تصریح فدیہ کو ترمذی کی طرف منسوب کر کے مسلم و ترمذی کی متفقہ تحریر کیسے قرار دیتے ہیں۔ یہ مولف کے لئے کیسی شرمناک جرات ہے آپ مولفانہ تدبیر کے کامل انداز میں صاف صاف لکھ دیتے جیسا اسی صفحہ ۲۴۲ میں اوپر لکھ چکے تھے کہ امام ترمذی تصرف غنیمت کو آیہ عتاب کا باعث بتلاتے ہیں اور صحیح مسلم ایصال فدیہ کو یا غنیمت و فدیہ دونوں کو لیکن آپ کی تحریر نے دونوں محدثین مذکورین کی متفقہ رائے بتلائی ہے اور اس طرح اپنی تحریر کو غلط بحث بنا دیا ہے جو الفاظ قرآنی کے بالکل معارض ہے۔

ہم نہیں سمجھتے کہ بغیر حکم خدا و رسول جسکے لئے صحاح کے دو محدثین (ترمذی و مسلم) بیان کر رہے ہیں کہ کوئی حکم ان امیر کی تصریح کے لئے نہیں آیا تھا۔ چنانچہ اسی ممانعت کی لاعلمی پر انھیں معافی کی بشارت دی گئی تو ایسی حالت میں اس وقت غنیمت کو فدیہ یا فدیہ کو غنیمت میں شمار کرنا محدثین کی خوش فہمی کے سوا اور کیا کہا جائے۔ ان طوابع بیکار سے اصلی غرض تھی شوری کی اہمیت کی۔ اور ضرورت تھی۔ حضرت عمر کی اصابت رائی کی ادویہ ممکن نہیں تھا کہ بغیر حوالہ قرآن و حدیث کے اسکی بنیاد قائم ہو سکے۔ اس ضرورت سے ان دونوں آیتوں کو استنباط و استدلال کا ماتخذ قرار دیا گیا۔ الفاظ میں تو تغیر ناممکن تھا۔ ان معانی میں البتہ سب کچھ ہو سکتا تھا۔ اسلئے معافی میں غنیمت کے ساتھ فدیہ کے معنی بھی پہنا دیے گئے۔ جس سے صرف یہ مقصود تھا کہ امر شوری کی اہمیت اور صحابہ راشدین کی رائوں کی اصابت تو کسی طرح قائم ہو جائے۔

باقی رہی حدیث وہ گھر کی بات تھی۔ روائے کی کمی نہیں۔ محدث کا قیظ الرجال نہیں جتنے موتہ اتنی بات موید حدیث بھی تیار ہو گئی۔ پھر ایک نہیں متعدد۔ باعتبار تعداد کے اسی وقت یہ حدیثیں متواترات کے درجہ تک بھی جڑاؤ لگائیں (ملاحظہ ہو کتاب الفتن امام دائمی۔ مکاتیب خوارزمی مطبوعہ مصر) انھیں موضوعات کا نمونہ بھی صحیح مسلم کی روایت ہے جسے شبلی صاحب نے اپنا مختار بنا کر قتل فرمایا ہے۔ کہ آیہ عتاب بھی اور تراوی اور (غزوہ بائد) رسول مکرر لیا بھی دیا۔ اور اپنی اصابت رائے کے مشاہدے کی غرض خاص سے حضرت عمرؓ کو عین موقع پر پہنچا بھی دیا۔ قہر تو یہ ہے کہ ہماجرین و انصار کے لئے کثیر لوگوں میں سے کسی فرد واحد کو حضرت رسولؐ کی نہ اشکباری کی خبر پہنچی اور نہ انکے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کے گریہ و زاری کی اطلاع۔ مگر صرف حضرت عمرؓ کو اطلاع بھی ہو گئی اور وہ عین وقت میں موقع پر پہنچ بھی گئے۔ گویا خدا نے انھیں بھیج کر دکھلادیا اور خود مختبر صادق کی زبانی اقرار کروایا کہ تم اپنی رائے میں درست و صحیح تھے۔ اور (غزوہ بائد) ہم اور ہماری سب سے پہلی تصدیق کرنیوالے صدیق اکبرؓ بھی۔ غیر صحیح اور نادست

افسوس ان موضوعات نے اقتدار رسالت ہی کو نہیں مٹایا بلکہ الفاظ و معانی قرآن کو بھی بدل ڈال دیا۔ نہ کسی لفظ سے خاص ذات جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نکوئی خطاب معلوم ہوتا ہے اور نہ اشارہ نہ تصریح ہے۔ تبلیغ جو کچھ بھی ہے وہ مسلمانوں سے مال غنیمت کے حصول میں عجلت کرنے کی وجہ سے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ رسول اللہ حصول غنیمت میں شریک تھے اور نہ آپ نے اس کے لئے انہیں کوئی خاص حکم یا حکم پھر رسول اللہ کی نگریہ و زاری کیسی تھی۔ اور اگر یہ امت کے ساتھ ہمدردی کا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمرؓ سے یہ کہنا کہ تمہارے دوستوں نے جو فرمایا۔ اسی پر عتاب اور تڑا اور اسی پر زور ہا ہوں عجیب بہم ہے لغو بلا اللہ۔ رسول اتنا پیغمبر ہے کہ نزول وحی کے صحیح اسباب بھی نہیں بتلا سکتا خدا صاف صاف غنیمت کے لفظ خاص میں صورت مجرم تیار رہا ہے اور معاذ اللہ رسولؐ اس کو اخذ نہ یہ کاسبب بتلا رہا ہے۔

اچھا اگر یہی صحیح ہے تو صحابہ تو دکنار لغو بلا اللہ خود ذات رسولؐ پر یہ اعتراض قائم ہو جاتا ہے کہ فدیہ لینے و انون کی حضرت ابوبکرؓ رائے اگر خطا پر بھی تو رسولؐ نے اسے کیوں قبول کیا۔ اور قبول کرنے کے بعد حکم عمل کیوں دیا؟ اس بات پر رائے دینے والے کا صرف ایک قصور اور معاذا اللہ رسولؐ اللہ کے وقوع نظر ہونے کے اس بنا پر اس خطاب خدا میں عام امت کے ساتھ (نعمو بلا اللہ) رسولؐ بھی بدرجہ اولیٰ شامل ہے اس کو اگر زاری کی جگہ تو یہ وانا بت کرنا چاہتا تھا۔ لیکن آداب و شعائر انبیاءؑ میں اس کے خلاف وہ توبہ و استغفار کی جگہ عام لوگوں کی طرح اضطراب کے عالم خاص میں صرف اشکبار ہو رہا ہے اور زار و قطار رو رہا ہے استغفر اللہ ان لغویات کو حقیقت اور واقعیت سے کیا واسطہ یہ تو تمام تر اہمیت شورے اور اصابت رائے حضرت عمرؓ کے قائم کرنے کی ترکیبیں ایجاد کی گئی تھیں نہ قرآن سے ان موضوعات کی تطبیق ہوتی ہے اور نہ شمار و اوصاف رسالت سے انہ کوئی واسطہ اور سروکار ہے۔

ان تمام خود غرضانہ اور زاعقات اندیشہ خوش اعتقادوں کا نتیجہ کیا ہوا؟ امت اسلام میں بغیر ہونگی علماء اسلام میں ایک خاص فرقہ ایسا پیدا ہو گیا جو نبیؐ کو مخفی اور رسولؐ کو جائز الحظ یقین کرنے لگا اور عصمت انبیاءؑ سے قطعاً منکر ہو گیا۔ ان کے جواب میں اوہ بھی علماء کے جوڑ تیار ہو گئے وہ ان مرویات و لغویات پر اتنا مصر ہو گئے کہ اسی پر کی شان نزول کی بنا پر وحی کو تمام تر حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق اور زنا ثابت کرنے لگے۔ رسالت تو رہی نہیں صحابہ ہی صحابیت کے خلاصہ پر اسلام کا دار و مدار رہ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رئیس المتکلمین امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کو ان علماء و حکماء کے اسلام میں منکر عصمت انبیاءؑ سے کلاء و مناظرے میں جو جو وقتیں پیش آئیں وہ قدم قدم پر انجہ براست۔ ازماست کی تا قابل عبور خلیج حائل کر دیتی تھیں جن حضرات نے ان کی تفسیر کی متعدد جلدوں میں ان مقامات کی سیر کی ہے وہ ان کی دشواریوں کو خوب سمجھتے ہوئے۔ لیکن چونکہ منکرین کا استدلال محض قیاس پر مبنی تھا۔ اور شہود و ثبوت بھی محض ظنی اور متوہمانہ تھے اس لئے امام رازیؒ

اور کئے انوال واستدلال کی معقول ترویج فراوی ہے عجیب لطف یہ ہے کہ منکرین اس آیت غنیمت سے اپنی مخالفت بحث کی ابتلا کی ہے۔ ہم امام فخر الدین رازسی کی اصل عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

انہ تعالیٰ امر للنسی وجميع قومه يوم بدر يقتل  
الكفار وهو قوله فاضربوا الاعناق واضربوا منهم كل  
بنان نظاھن لا من للوجوب قلنا ما یقتلوه بل  
اسروہ کان المعصیۃ

### والجواب

عن الوجوه الذی ذکرہ ثانیاً ان نقول ان الظاہ  
من قوله تعالیٰ فاضربوا فوق الاعناق ان هذا الخطاب  
امما یکن مع الصحابة لا جماع المسلمین علی انہ ما کان  
ماہور ان یباشروا قتل الکفار بنفسہ واذ کان هذا  
الخطاب مختصاً بالصحابة فہم لما ترکوا القتل واقتلوا  
علی الاسر کان الذنب صادراً عنہم لا عن الرسول  
وقل ان الصحابة لما ہزموا الکفار وقتلوا منهم  
جمعا عظیما والکفار قتلوا ذہب الصحابة فلفہم  
وتباعوا من الرسول واسر واولئک الاقوام لم  
یعلو الرسول باقدا مہم علی الاسر فزال هذا السوال  
فان قالوا ھب ان الامر کذلک لکنہم لما حملوا  
ساری الی حضرت فلم لہم یا من بقتلہم امتثالاً  
لقولہ فاضربوا فوق الاعناق قلنا ان قوله  
فاضربوا تکلیف مختص بجال الحرب

بلکہ فیہ سی بنا دیا۔ تو فیصل معصیت ہوا

جواب یہ ہے

خدا کے اس حکم آیہ فاضربوا۔ الآخرہ کے ظاہری معنی سے جو مقصد آخر میں  
نکالا گیا ہو تو سمجھ لیتا چاہیے کہ اس آیت کا اصل خطاب علی الخصوص صحابہ  
کی طرف ہے۔ جو محطوی ہے تمام جماعت مسلمین پر جو بذات خاص قتل  
کفار کی خدشات پر مامور تھے درجہ کہ یہ خطا محض صحابہ کی طرف تھا تب  
اوپر انھوں نے قتل کفار چھوڑ دیا اور ان کی گرفتاری میں مصروف ہو  
تو یہ گناہ ان سے صادر ہوا نہ رسولؐ سے اور جیسا کہ معقول ہوا  
کہ جب کفار کو شکست ہو گئی اور ان کی ایک جماعت کثیر کو قتل بھی  
کر چکے تب صحابہ نے ان کفار کا تعاقب کیا جو گریز کرنے لگے اور ان  
تعاقب میں وہ رسولؐ کے مقام سے بہت دور چلا پڑے اور  
ان لوگوں کو گرفتار کر چکے۔ اور رسولؐ خدا کو ان کی اس گرفتاری کفار  
کا کوئی علم نہیں ہو سکا تو اس بنا پر انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے  
یہ اعتراض تو اسی مقام سے زائل ہو گیا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ جب  
وہ اسیروں کو گرفتار کر کے رسولؐ کی خدمت میں حاضر لائے تو آپؐ  
اوسوقت ان کے قتل کا کیون حکم نہ دیا کہ فاضربوا فوق الاعناق کی حکم

کی تعمیل ہو جاتی۔ تو ہمارا جواب یہ ہے یہ آیہ اور اس کا حکم حالت مقابلہ و مقاتلہ ہی تک مخصوص رکھا گیا تھا۔

اب تو امام رازسی کی مرقومہ بالا عبارت سے معلوم ہو گیا کہ بنیاد صحابیت رکھنے کی تمنا ان میں اصل رسالت کی  
اساس بھی رہی تھی اور صحابہ تو ابھی پیچھے رہے پہلے رسولؐ ہی معتبر ضیق کی زد پر آگیا۔ معتبر ضیق ہی کوئی مخالف قوم نہیں  
عیسائی نہیں یہود نہیں مسلمان ہی ہیں اور مسلمان ہی معمولی نہیں۔ بڑے بڑے محدثین اور علمائے محققین۔ تو اس غلط کوشش

نے کہ صحابہ کی عظمت ان کے مدارج سے زیادہ۔ ان کے اقوال و آراء کی اصابت تجویز رسول سے بڑھ کر و کھدائی جائے اور خواہ مخواہ موضوعات صحاح سے ثابت کی جائے۔ بالآخر وہ فساد برپا کیا کہ علماء محدثین میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور خواہ مخواہ رسول کی عصمت و تقدیس پر اعتراض ہونے لگے اور ایک فرقہ اسلامی میں رسول جائز الخطا قرار دیا گیا۔ امام فخر الدین رازی کی اسی عبارت سے یہ بھی صاف صاف ظاہر ہو گیا کہ اس عتاب کا خطاب مخصوص صحابہ سے ہے اور یحییٰ نے خلاف منشاء سے حکم صادر کیا اور گناہگار ہوئے اور وہی اس عتاب کے مستحق و مستزاد تھے۔ اس عبارت سے صحابیت کی اصل مقدار کا اندازہ بخوبی ہو گیا جب تک کہ حقیقت اور استقرار عظمت کے لئے یہ طومار طیار کے گئے تھے۔

اب ذریعہ کے متعلق بھی خطاب عتاب کی حقیقت امام رازی کے الفاظ میں ملاحظہ کر لیا ہے۔ وہ یہ ہے:

بشر اعراض یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخذ ذریعہ کا حکم دیا حالانکہ ذریعہ لیتا معصیت تھا۔ انہوں نے دین میں شاہدین میں اول تو یہ قول خدا کہ تم حصول دنیا کا ارادہ کرتے تھے۔ اور خدا حصول عقبی کا قصہ رکھتا تھا تمام زمین کا اس پر اجماع ہو کہ عرض دنیا سے مارو فیہ لیتا ہو۔ دوسرا قول الہی یہ ہے کہ اگر سب جناب اللہ پہلے سے تمہارے لئے یہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو چیزیں تم نے لی ہیں ان کے لئے تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے

مستتر ضمیمہ کا یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذریعہ لینے کا حکم دیا اور ذریعہ لیتا حرام تھا یہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ ذریعہ لیتا حرام تھا اور مستتر ضمیمہ کی یہ دلیل کہ لوگ دنیا کی خواہش کرتے تھے اور خدا ان کے لئے ذریعہ و عقبی کا ارادہ کرتا تھا معترضین کے دعوے سے مطابق نہیں ہوتا مطابق نہ ہونے کی دلیل ہیں۔ اول یہ جو کہ اس آیت کو استلال سورہ غرض ہے کہ گرفتار کر لیا ہوا پر اخذ ذریعہ کی وجہ سے عتاب خدا نازل ہو مگر اللہ تعالیٰ تو اس کو ذریعہ لیتا حرام کیسے ثابت ہوا۔ دوسری یہ کہ حضرت ابوبکرؓ اپنی رائے میں پہلی ہی کہ چاہیں کہ اس رقم ذریعہ سے مسلمان لشکر درست کئے جاویں اور اس ذریعہ اسباب ضرورت جملہ میں قوت پہنچائی جائیگی۔ یہ اس بات کی دلیل واضح ہے کہ یہ ذریعہ

الثالث ان النبی ۛ حکم باخذ الفداء وكان اخذ الفداء معصية وبدل عليه وجهان - الاول قوله تعالى تريدون عرض الدنيا والله يريد الآخرة و اجمع المفسرون على ان المراد من عرض الدنيا هو اخذ الفداء والثاني قوله تعالى لو لا كتب من الله سبق لمستكم فيما آخذتم من عند اب عظيم واجمع اعلیٰ ان المراد بقوله اخذتم من ذلك الفداء

الجواب

عما ذكره ثالثا وهو قولهم ان الله عليه السلام امر باخذ الفداء واخذ الفداء محرم فنقول لا نسلم ان باخذ الفداء محرم وانما قوله يريدون عرض الدنيا والله يريد الآخرة هذا لا يدل على قولكم وبينا من وجهين الاول ان المراد بعبارة الآية حصول العتاب على من لا يرغب في اخذ الفداء وذلك لا يدل ان اخذ الفدية محرم مطلقا الثاني انما بابكر قال لا ان تاخذ الفداء لتقوى العسكorie على الجهاد وذلك يدل على انهم انما طلبوا ذلك الفداء لتقوى الله على



الذین دھندہ الایہ نذل علی ذم من طلب لفظ المحض  
عرض الدیہ ولا تعلق لاحد البابین بالثانی وھذان  
الجوابان بایہما ھما الجوابان من تمسککم بقولہ  
لَا کِتَابَ مِنَّا لَکُمْ سَبَقَ لَکُمْ بِکُمْ فَمَا اخَذْتُمْ  
عِندَ آبِی عَظِیمِ

خاص دین میں قوت پہنچانے کی خواہش سے تھا۔ اور یہ (معتصر ضنین کی پیش کردہ)  
آیت دونوں لوگوں کی برائی ظاہر کرتی ہے جو لوگ امیر دنیا کیلئے فدیہ لینا  
چاہتے تھے۔ پس ثابت ہو گیا کہ ان دونوں وجوہ کو جو معتصر ضنین نے  
پیش کیا دین کے لئے فدیہ لینے والوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔  
اور ہمارے بھی دونوں جواب ان کی (معتصر ضنین کی) پیش کردہ

آیت لَکُمَا کِتَابٌ مِّنَ اللّٰہِ کی غلط تصدیق کی تفسیر یہ کہ لے بھی کافی ہیں تفسیر امام فخر الدین رازی جلد اول - جلد اول۔  
آیہ لَوَ ان کِتَابَ الْاٰخِرَہ

امام فخر الدین رازی کی مرقومہ بالا عبارت سے حسب تفصیل ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱) ان دونوں آیات میں خطاب اہل اسلام سے ہے اور بالخصوص ان لوگوں سے جنہوں نے بغرض دنیا مال و  
غنیمت لوٹا اور نہ یہ لیا۔

(۲) خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس آیہ کے خطاب سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

(۳) فدیہ لینا کبھی حرام نہیں کیا گیا۔

(۴) حرمت فدیہ کا قرآن مجید میں کہیں حکم نہیں ہے۔

کیا ہماری اتنی طویلانی بحث متفیدی کے بعد اب بھی کسی محقق کو واقعہ فدیہ کی اصل حقیقت سمجھنی میں تامل  
باقی رہی ہو گی؟ اور کیا اب بھی کوئی شخص شبلی صاحب کی طرح حدیث مسلم یا دیگر محدثین کی مرویات پر اعتبار کر کے غنیمت  
وفدیہ جنگ بدر کو حرام اور حکم رسول خدا کو (غور و باطلہ) خلاف حکم خدا اور باعث عتاب قرار دے گا؟

ان تمام واقعات اور ان دونوں آیات کے معانی و مطالب پر کامل غور و توجہ کے بعد علمائے محققین اور  
محدثین مستندین نے جو حقیقت حال کا انکشاف فرمایا ہے اور اسی کو اپنا مختار متفقہ ٹھہرایا ہے اس کو ہم برفقانی کی مفصلہ  
ذیل عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

روی الترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم باسناد  
صحیح عن علی قال جبرئیل علی السبی صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم یوم بدر فقال خیر اصحابک  
فی الاسری ان شاء والقتل وان شاء الفداء علی  
ان یقتل منهم عامام مقبلہ مثلہم قالوا الفداء  
ویقتل مناصرہ

امام ترمذی۔ امام نسائی۔ ابن حبان اور امام حاکم سند صحیح کے ساتھ  
لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ بدر کے دن حضرت جبرئیلؑ نے  
اگر جناب رسول خدا صلعم سے کہا کہ آپ اپنے اصحاب کو اسیر و فکوا یا کین  
فخار کروں۔ چاہیے وہ ان کو قتل کروں یا چاہیے فدیہ لیکر چھوڑ دوں  
لیکن اس شرط پر کہ جتنے قیدیوں کو وہ قتل کریں گے اسی تعداد میں وہ بھی  
سال آئندہ مارے جائیں گے۔ رسول امیر صلعم نے یہ اصحاب کو کہا تو

اوتھوں نے فدیہ کو قبول کیا اور ہم میں اوتنے (احدین سال آئندہ) مارے گئے۔

انسوس ہے کہ شبلی صاحب کی نظر صرف امام مسلم کی حدیث پر پڑی۔ اور امام ترمذی اور امام نسائی اور امام حاکم اتنے محدثین میں سے کسی کی مرویات پر نگاہ توجہ نہ گئی اور نہ اس وقت جنگ بدر کے اصلی ہیرو اسد اللہ علی ابن ابی طالب کے قول کو دیکھا گیا اور نہ اس پر اعتبار کیا گیا کہ زرقانی کی طرح آپ کو بھی حقیقت حال معلوم ہو جاتی۔

چاہے جتنی دلائل نہ بیان کی جائیں حقیقت اتنی ہی تھی جو ہم خود بیان کر چکے اور امام فخر الدین رازی کے مختار سے اسکی تصدیق و توثیق بھی کر چکے۔ اور وہ اسقدر ہے کہ مسلمانوں نے جنگ بدر کے حصول غنیمت میں غلبت اور بڑا احتیاطی ضرور کی۔ چونکہ شریعت اسلام میں نجافات شرایع اہم سابقہ بضراب غنیمت میں قدرت الہی کو ترسیم و صلاح منظور تھی اور جو بالتفصیل سورہ انفال میں غنیمت نازل فرمائی گئی جسکے لئے مسلمانوں کو انتظار کرنا لازم تھا مگر وہ اس نظام مشیت سے ناواقف تھے اور انکو قبل سے اس کا حکم اتنا عامی بھی نہیں ملا تھا۔ صرف ہدایت آمینہ الفاظ میں انکے جرم کی صورت دکلا دی گئی۔ پھر انھیں الفاظ چشم نمائی کے ساتھ اونکی لاعلمی کی بنا پر اذن کو معافی کی بشارت بھی سنا دی گئی جیسا کہ الفاظ قرآنی سے صاف صاف ظاہر ہے کہ یہ خطاب صرف واقعہ غنیمت سے متعلق تھا نہ فدیہ لینے کے مسئلہ سے۔ معاملات فدیہ کو اس آیت کے اسباب نزول میں شامل کرنا صاف صاف معارض الفاظ و معانی قرآنی ہے۔ اور مخالفت اوصاف و شعار رسالت۔

تقسیم غنائم کے بضراب تفصیلی جو سورہ انفال میں واقعہ بدر کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد نازل ہوئے اصلاً اونکی ابتدا وہی مقومہ بالا آیت قرآنی ہے جسکو خطاب ہدایت کے عوض فرمان عتاب بتلایا جانا ہے اور آیات سورہ انفال اسی ابتدا کی خبریں سورہ انفال کی ان آیتوں کو غور سے پڑھنا چاہیے اور انکے مفہوم و معانی کو سمجھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ تقسیم غنائم میں جو بضراب و مدارج شریعت اسلام میں فی الحال قائم فرمائے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے ایسی لازوال اور بدیہی نعمتیں ہیں جنکی منت گزاری اور سپاسگزاری سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے اسی بنا پر ابن ہشام نے اپنی تاریخ میں گویا پورے سورہ انفال کے اسباب نزول اور اس واقعہ بدر کے متعلق تمام آیات سورہ مذکورہ کی پوری تشریح ایک جدا گانہ باب میں درج کی ہے اور جب غریب کو اپنے بیان کی تائید و تصدیق میں غالباً کسی روایت اور علمائے اسلام کے قول نہیں ملے تو مجبور ہو کر ائمہ اہلبیت ع سے رجوع کی اور حضرت امام باقر علیہ السلام کی یہ حدیث نقل فرمائی۔

مجھے حضرت ابو جعفر محمد باقر ابن علی بن الحسین نے فرمایا کہ فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے اپنی سطوت خاص (نزول ملائکہ) کو میری مدد فرمائی اور میرے لئے تمام بلیغ زمین کو تیار فرمایا۔

قال ابن اسحق حدثني ابو جعفر محمد بن علي بن الحسين قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لم نصات بالربيع وجعلت لي الارض - بمحمد او طهونا او

لہ تعجب فدیہ اکتافات اثریہ اور خود احکام کتب سادہ قدیم و نابت ہی کہ سوا اقصیہ الزمان موسیقی یا ہیکل سلیمان علیہ السلام حجت المقدس کے ماز بڑھتی یا نہ دیکھ

اعطیت جوامع الکلمہ و احلت لی المفامر و لم یحل  
لبنی کان قبلی و اعطیت للشفاعة خمس لربونہن  
بنی قبلی ح ۳۸

قابل عبادت قرار دیدیا۔ اور محکوم ایسی کتاب جامع عنایت فرمائی جو  
تمام کتابوں پر محیط ہے اور میری اُمت کے لئے (اموال غنیمت کو  
حلال فرما دیا۔ اور اپنی عنایت خاص سے میرے قرابتداروں کے

مقرر خمس قائم فرمائے اور یہ وہ عطایا تھے جو میرے قبل کسی نبی کو نہیں دیے گئے تھے۔

اس حدیث کے جس فقرے میں علت غنیمت کا ذکر ہے وہ تو قطعاً اوسى آیه کریمہ فکلوا مما غنمتم حلالاً  
طیباً کے حکم سے مستند ہے اور وہ حکم اس حدیث میں عطایے الہی قرار دیا گیا ہے اور ابن ہشام نے اسی لئے اسکو علت  
غنیمت اور عنایت الہی ہونیکے ثبوت میں بطور استدلال اپنا معیار تصدیق نہیں کیا ہے تو ہر اس آیه کو حکم عتاب سے تعبیر کرنا  
عقل سے خلاف اور روایت و درایت دونوں کے مناقض ثابت ہوتا ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی غور کر لینا نہایت ضروری ہے کہ اس حدیث میں بھی فدیہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے اور کیونکر  
ہو سکتا تھا کیونکہ جن الفاظ قرآنہ سے یہ حدیث اصلاً مستنبط ہے اوس میں فدیہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں۔ پھر خواہ مخواہ  
حفظ ان عقائد تفسیر اسلاف اور مدعائے خاص کی تباہی پر مسئلہ فدیہ کو بھی اس کے مفہوم میں داخل کر دینا مطالب  
معانی قرآن میں صاف صاف تدلیس کرتا ہے حالانکہ اسکے بعد ہی والی آیت میں مدعائے ایصال فدیہ کی حقیقت  
اور سکی علت اور اسکی مصلحت و مناسبت کو صاف صاف لفظوں میں بیان کر دیا گیا ہے تعجب ہے کہ شبلی صاحب  
اس آیت علت فدیہ کو ان آیات قرآنی کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں جنکے نزول کو آپ نے موقع بدر میں بتلایا ہے ملاحظہ  
ہو سیرۃ النبی ۹ ص ۲۶ صفحہ لیکن بحث فدیہ کے موقع پر اس پر دوبارہ نظر نہیں فرمائی جاتی۔ ہم سیرۃ النبی ہی سے اس آیت  
کو معہ ترجمہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ كُلِّ لَنْ فِي أَيِّدِكُمْ مِنَ الْأَمْثَرِ إِنْ يَعْلَمَ  
اَللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَبْرًا يُؤْتِكُمْ حَيْثُ مِمَّا أَحْذَرُكُمْ  
وَيُفْضِلْكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ إِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ  
فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ  
عَلِيمٌ

اے پیغمبر ہمارے ہاتھ میں جو قیدی ہیں اونسے کم دیکھو کہ خدا اگر تمہارے  
دلوں میں کچھ نیکی دیکھے گا تو جو تم سے لیا گیا ہے اوسکے بدلے وہ نیکی عطا کرے گا  
اور تمہیں سعادت کر دے گا وہ بخشش والا مہربان ہے اور اگر یہ قیدی تجھس  
خیانت کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے وہ خدا کے ساتھ خیانت  
کر چکے ہیں اسی لئے تو خدا نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے خدا نا اور باخبر ہے

اس آیه وانی ہدایہ میں الفاظ بما اخذ منکم صاف صاف بتلایا ہے کہ ان میں فدیہ اور غنیمت و دونوں چیزیں مل  
ہیں بخلاف آیه سابقہ کے جس میں منکم کے لفظ سے صرف غنیمت کی تخصیص مذکور ہے۔ اب معاملات فدیہ کی متعلق  
عتاب خداوندی کی جیسی جیسی صورتیں خوش عقیدہ محدثین نے اپنی مصنوعی قلم کاریوں سے تیار کی ہیں وہاں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کرنی (جو طریقہ عبادت ہو جائز نہیں ہوتا) ان مخصوص قطعہات زمین کے اور تمام اقطاع زمین نہ ظاہر تھے نہ قابل عبادت۔ اسلام کی ترویج  
اس کی یہ خاص برکت ہے کہ خدا کا عبادت گزار بندہ جہاں چاہے خدا کی عبادت آزادی سے کر سکتا ہے۔ المؤلف عفی عنہ

ان الفاظ الہیہ کے انداز خطاب سے مقابل کیجائیں۔ تو ہر تحقیق کنندہ کو پورے طور سے معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کی مطالب و مقاصد کو ان احادیث موضوعہ کے مقاصد سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔

خداوند عالم فدیہ لینے کی مصلحت کو خود فدیہ دینے والوں کے لئے مفید ہونیکا صاف صاف اظہار فرما رہا ہے کہ جو تم لوگوں سے اب تک لیا گیا ہے عام اس سے کہ غنیمت ہو یا فدیہ۔ اوسکے بدلے میں وہ تمکو اپنی نیکیاں عطا فرما گا جو تمہارے اون مالمشیا سے کہیں زیادہ گران قدر ہونگی۔ لیکن اس شرط پر کہ اگر تم اب اسوقت سے خدا کے ساتھ اپنے معاملات خوش منیتی کے ساتھ قائم رکھو گے۔

یہ تو خوش منیتی قائم رکھنے کی حالت میں عطا رحمت و نعمت کی شرط کی گئی۔ لیکن خیانت و بددیانتی کی حالت میں بھی اون کے ساتھ جو ہو نیوالا ہو گا۔ اسوقت یوں بتا دیا گیا ہے کہ اے پیغمبر انکی خیانت اور بد منیتی کی حالت میں بھی تم فوراً تبدیل نہو۔ یہ تمہارے ساتھ کیا خدا کے ساتھ بھی پہلی ہی خیانت کر چکے ہیں۔ اسی لئے تو تمہارے قابو میں دے دیے گئے ہیں۔

اس آیت وافی ہدایہ کے الفاظ و خطاب سے جو غنیمت فدیہ و دونوں معاملات کے صدور حکم پر مشتمل ہے عذاب و عذاب کے کمان معنی پیدا ہوئے تو پہلے ایصال فدیہ کے متعلق خوف۔ اضطراب۔ یہاں تک کہ گریہ و زاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لشکبازی حضرت صدیق اکبر کی تفصیل و تصریح میں دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے گئے اور سلف و خلف تک برا بھلا ہوئے۔ جو زیر بحث ہیں۔ لیکن جب ان طومار پر حقیقت کی نظر ڈالی گئی تو اصلیت کچھ بھی نہ معلوم ہوئی۔ صرف اہمیت شوریٰ۔ اصابت رائے صحابہ کی اظہار کی غرض خاص سے جن پر خلافت کی بنیاد قائم کی گئی ہے اس آیت کے خطابات ہدایات و چشم نمائی کو عذاب و عقوبت کے معنیوں میں انکے اسباب نزول کے متعلق طرح طرح کی مرویات موضوعہ بنا بنا کر تیز و تبدیل کیا گیا ہے۔ حالانکہ اہمیت شوریٰ۔ یا اصابت رائے صحابہ نہ جزو اسلام میں داخل ہیں اور نہ نصوص قرآن میں داخل۔

اصابت رائے صحابہ کی جگہ تو قرآن مجید میں متعدد اور متواتر مقامات پر اس کی نقیض اور مخالف تصریحات موجود ہیں جنکا بیان کرنا ہمارے موجودہ موضوع کتاب سے بالکل علیحدہ ہے۔ لیکن اور نہیں تو اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ آپ اسی بحث میں ابھی ابھی امام محمد بن رازی کا قول غماز پرہ چکے ہیں جو صاف صاف لفظوں میں ان آیات کے خطاب و غرض دنیا سے غنیمت و فدیہ لینے کے حرکات کو مخصوص صحابہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اسی واقعہ بدر میں طبری حضرت عبدالرحمن بن عوف (عشرہ مبشرہ) کی نسبت لکھتے ہیں کہ انسی زہیں اکیلے یہ لوٹ چکے تھے کہ امیر بن خلف اس الکفر پر نظر پڑی۔ اور فوراً نہ رہوں سمیت مسلمانوں سے اوس کافر کے بچانیکو تیار ہو گئے بلکہ پہاڑ پر چلے گئے۔ مسلمانوں نے دیکھ لیا موقع پر پہنچ گئے انھوں نے لاکھ چاہا کہ وہ کافر مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ جائے



مگر مسلمانوں نے اُسے مار ہی ڈالا۔ جس پر ہمیشہ کہتے رہے کہ خدا لہاں پر رحم کرے جنگی وجہ سے اُمیہ بھی گیا اور زین بھی گبین جبری ص ۱۳۲ ہم عرض کریں گے کہ مسلمانوں کے خلاف کافر کی امداد کرنا کیا یہ نتیجہ ہے۔

شعبدی صاحب کی غایت خوش عقیدگی تھی عبدالرحمن بن عوف کی اس قابل اعتراض حرکت کو ایسے وعدہ کے اخلاقی اصول پر اس وجہ سے قابل ستائش بتلایا ہے کہ مکہ میں اُمیہ اور ان سے وعدہ ہو چکا تھا کہ اُمیہ کو مدینہ میں اگر اگر کوئی مصیبت سے سامنا ہو گا تو یہ مدد کریں گے۔ یہ اسی کی تعمیل تھی۔ لیکن تعجب یہ کہ حضرت عبدالرحمن کو صحابہ رسول ہو کر اور شعبدی صاحب کو شمس العلماء ہو کر یہ یاد نہ آیا کہ اس وقت عبدالرحمن کو اس کافر کے ساتھ والا وعدہ تو یاد رہا اور قابل تعمیل سمجھا گیا لیکن جہاد فی البدر میں جو خدا اور رسول سے عہد و پیمان کیا گیا ہے وہ اور اس کی تعمیل کچھ بھی یاد نہ رہی۔ آپ کافر کے مارنے پر خدا اور رسول سے عہد و پیمان کر کے میدان جنگ میں تشریف لائے ہیں اور جب وہ سامنے آتا ہے تو نہ خود اسکو مارتے ہیں اور نہ دوسرے مسلمانوں کو مارنے دیتے ہیں بلکہ مسلمانوں سے چھپائے چھپائے پھرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان کافر کو نہ مارنے پائیں۔ یہی خدا اور رسول کے ساتھ آپ کی وعدہ وفا ہے اور یہی آپ کے اقرا ونا مسلمین سلمک وحادی لمن حادبت یا رسول اللہ جس سے آپ صلح کریں گے ہم بھی کریں گے۔ صحابہ میں ہم نے صرف ایک عبدالرحمن بن عوف کی جو اکابر صحابہ باوجود عشرہ مبشرہ کی اصابت لڑائی کے مثال نمونہ کے طور پر دکھلا دی ہے۔ اسی سے صحابیت اور صحابہ کی اصابت رائے کی مقدار حقیقت کا اندازہ کر لیا جائے۔

صحابہ کی اصابت رائے کی مثال حقیقت ہو چکی۔ اب رہی شورے کی اہمیت۔ تو ہم کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ شورے اور اس کے جواز کا حکم قرآن مجید میں آیا ہے لیکن وہ صرف تجویز و تدبیر انسانی کی حدود تک محدود ہے اور تکرار و استظهار رائے و خیالات باہمہ کے مفہوم تک مقصور ہے۔ مقدرات ربانی اپنے نامحدود اور لا انتہائیاں، و اجازت تک بالکل مختار آزاد اور قاطع و مطلق ہے۔ تدبیر قدرت اور تجویز رسالت کے سامنے شورے کی بساط آویس قدر خود نشاآت سے آگے نہیں بڑھتی لوگ اپنی ضرورت اور خوش عقیدگی سے اسکو جتنا بڑھا لیں۔ اسی مقدار حقیقت کی بنا پر علمائے مسلمین اور حکماء و محققین نے شورے کی مقدار اہمیت جتنی قایم کی ہے اور اسکی اصلیت جتنی بتلانی ہے وہ اس کے مفصلہ ذیل اقوال و مختار سے بالتفصیل ثابت ہے امام سطلانی جو اہل بدعت میں لکھتے ہیں۔

قال قتادہ و مقاتل کاندہ سادات العرب اخا لولیشا و  
فی الامر شی علیہم فامر اللہ تعالیٰ انہ علیہ الصلوۃ  
والسلام ان نشاورہم فان ذلک اعطف لہم و اذہب  
لاصغافہم و اطیب لنفوسہم  
اگر کسی امر میں اور امور مشورت نہیں لیجاتی تھی تو اوں پر بہت گراں گذرتا  
تھا اس بنا پر خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلعم کو اوں کو مشورہ کرنے کی اجازت  
دید و خدا تعالیٰ اس حکم سے خاص کر اوں پر کرم کی کلام کی طرف سے

اون کے شکوک رفع ہو جائیں اور ان کے قلوب پاک و صاف ہو جائیں۔“

ہرمان تک تو حکم شوریٰ کی قوجہ و ضرورت معلوم ہوئی۔ آگے مقدار اہمیت ملاحظہ ہو امام قسطلانی اپنی تحریر کے سلسلہ بالا میں لکھتے ہیں۔

اخرج ابن عدی وابیہقی فی شعب الایمان ۴ ابن عباس قال لما نزلت رَسَاوُہُ وَهُوَ قِیْلُ الْاُمُو قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّوْا عَلٰی اَنْتُمْ لَعْنَانِ عَنَّا وَلٰكِنْ جَعَلَهَا اللّٰهُ رَحْمَةً لِّاُمَّتِیْ وَعِنْدَ التِّرْمِذِیِّ الْحَکْمُ مِنْ حَدِیْثِ نَافِعٍ رَفَعَهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّوْا عَلٰی اللّٰهِ وَرَفَعَهُ النَّاسُ كَمَا بَا قَالَهُ الْفَرَّائِضُ۔

ابن عدی اور امام تہقی متفقاً عبد اللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیت شوریٰ نازل ہوئی تو خطاب رسول خدا صلوات اللہ علیہ وسلم نے علامہ فرمادیا کہ خدا اور اس کا رسول دونوں تمہارے شوریٰ سے بالکل مستغنی ہیں یعنی دونوں کو اس کی مطلق احتیاج نہیں لیکن خدا اس حکم میں میری امت کے ساتھ ایک خاص رحمت رکھی ہے اور حکم ترمذی نے حضرت عائشہ سے یہ قول مرفوع کہا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

سے (امر شوریٰ سے) ہر کو حکم و کیوں مدارات و رعایات امت مقصود ہے۔ حسب طرح کہ امت کے لئے فرائض میں بھی رعایت کرنے کا مجھے حکم ملا ہے۔

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں۔

عن الحسن قد علوا اللہ انہ صا دہ الیہم ارسکوا لکی (صحابیہ) مشورت کی ضرورت نہیں لیکن اس کے حکم سے مقصود یہ تھا کہ رسول اللہ کے بعد شوریٰ سنت قرار پایا جائے کیونکہ ذریعہ اطلاعات و وحی منقطع ہو جائے گا۔

شوریٰ کی مقدار و حیثیت صرف اتنی ہے جو مذکور بالا عبارت سے ظاہر ہوئی۔ لیکن اس سمقیداری اور لا وجہی سے موضوعات و مضوعات کے چھنے و فر تیار کئے گئے اور اہمیت شوریٰ اور اصلات راہی صحابہ کی بنا پر جیسے استدلال قائم کئے گئے اور ان سے آخر میں نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا اور اس کی تدبیر قدرت بیکار۔ رسول اور اس کی تجویز رسالت معطل۔ کسی نظام ہو دینی ہو دنیوی۔ بغیر مشورۃ صحابہ ہو ہی نہیں سکتا۔ گویا صحابہ کی مشورۃ تدبیر قدرت اور تجویز رسالت دونوں پر حاوی ہے اور بغور ہاں خدا خدا و رسول دونوں اس کے تابع ہیں پھر دنیا کو ایسے دست بستہ خدا و رسول اور ایسے پاشکستہ مردم کی ضرورت ہی کیا ہے۔

یہ زمین کفار کی شکست اور مسلمانوں کی اسباب ظاہر کے تلاش کرنے والوں اور اصول معمول پر ہمیشہ نظر رکھنے والوں کی کامل فسخ کے وجہ و اسباب

فتح بست تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے۔ آئین کوئی کلام نہیں کہ مسلمانوں کی قلت تعداد۔ بے سرو سامانی اور نا اری بطور ظاہر کی انکی فقیہانی کی امید نہیں دلاتی تھی۔ بخلاف انکے قریش کی کثرت جمعیت سامان جنگ کی افراط انکی خوشحالی اور دولت مندگی۔ انکی کامیابی اور امید افزائی تھی۔ مگر نتیجہ بدعکس ہوا پھر ظاہرین حضرات کو خلاف امید نتیجہ کے مشاہدے سے تعجب کیوں نہ ہو لیکن عرض یہ

کہ ان حضرات کو تعجب کیساتھ دریافت حقیقت کے لئے کچھ غور و قائل بھی کر لیتا چاہیے۔ اور فکر و تعقل بھی تھوڑے سی غور کے بعد انکو اس کے حقیقی سبب کا پتا آپ لگ جائیگا۔

قریش کی شکست کا پہلا اور نمایاں سبب تو یہ تھا کہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے مسئلہ میں اون میں ابتدا ہی سے اختلاف تھا۔ ہم پہلے لکھا آئے ہیں کہ قافلہ بوسفیان پر مسلمانوں کے متعلق لوٹ کا طوفان پھر حضرت عقیل کے قصاص کی اشتعال و دونوں ابو جہل کی چالیں تھیں جنہوں نے قریب قریب تمام عرب کے قوم و قبائل کو اسلام کے خلاف برا لکھ کر دیا لیکن چونکہ ان دونوں منوالہ ترکیبوں میں حقیقت کا نام تک نہ تھا اور جھوٹی پریشانی کے عالم خاص کا یہ مقتضی ثابت ہوتا ہے کہ عین وقت پر اسکی اچھائی اور اعلیٰ کی تائید نہیں ہوتی۔ ہاں تھوڑے دنوں کے بعد اللہ اس کے حسن و قبح کے انداز معلوم ہونے لگتے ہیں اس بنا پر ابو جہل کی ترکیبوں کا پردہ بھی چند دنوں میں فاش ہو گیا۔ پہلی تو مخالفت اسلام پر سب لوگ اکاؤ ہو گئے مگر آگے چل کر دونوں حیوان حقیقت حال کا انکشاف ہوتا گیا۔ ان کے دل ہٹتے گئے اور عیسویں رکتی گئیں۔ ابوسفیان کے قافلہ کی حفاظت یا حضرت عقیل کے قصاص کے خیال سے جو کچھ بھی ہو ابو جہل اتنا بڑا شکر طبار کر کے کہ سے مزید کی طرف چلا۔ اور حجتہ تک پہنچ گیا۔ چونکہ یہاں تک حقیقت حال کسی کو معلوم نہیں ہوئی تھی اسلئے باہم اتفاق و اجماع قائم تھا۔ یہاں (حجۃ) پہنچ کر ہمدان کہ ابن ہشام اور طبری کی روایتیں بتلا رہی ہیں قریش میں اتفاق و یکجہتی باقی رہی اور اتفاق و یکجہتی باقی رہی۔ اسلئے کہ ابوسفیان مسلمانوں کے خوف سے ایک غیر متعارف راہ سے مکہ میں موافق اپنے قافلہ کے پہنچ گیا اور ابو جہل کی فوج کشی کی خبر سن کر اس نے کہ سے آدمی دوڑا اور کہا بھیجی کہ چلے آتے جاؤ۔ اب کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ طبری میں لکھا ہے۔

وَلَمَّا رَأَى ابُو سَفْيَانَ اِنَّهُ فَدَا خَدْرًا رَاسًا  
اَلَى قُرَيْشٍ اِنَّكُمْ خَرَجْتُمْ لَعْنَتِي اَعَدَّكُمْ وَرَجَا لَكُمْ دَامُوا لَكُمْ  
فَقَدْ لَمَّحَا لَهَا اللّٰهُ فَاَرْجَعْنَا نَقَالَ ابُو جَهْلٍ وَاللّٰهُ لَا  
تَرْجِعُ شَرًّا بَدَلًا مِّنْ ۙ ۱۳۰۰

سین اوٹین گئے۔

اب ابوسفیان اپنے قافلہ کو بچا لایا تو اس نے قریش کے پاس رشک  
ابو جہل کھلا دیا کہ تمہارا قافلہ مجھ پر عانت پہنچ گیا اور خدا نے تمہارے  
قافلہ کو تمہارے لوگوں کو اور تمہارے مال و متاع کو بچا لیا ہے اسلئے تم  
واپس آؤ۔ ابو جہل نے یہ پیغام سن کر کہا ہم تو بغیر تمام بدر تک پہنچ چکے

ابو جہل اور ابوسفیان دوسرا ان کفار کا باہمی اختلاف اسے تو میں سے ظاہر ہو گیا۔ ایک کتا ہے فوج کو واپس لاؤ  
حریف سے جنگ و مقابلہ کی ضرورت نہیں رہی۔ دوسرے کو اصرار ہے کہ بغیر غنیمت تک پہنچے ہوئے ہم لوٹنے کے نہیں۔ دو  
نمودار سرداروں کے اس اختلاف کا فوج اور دیگر قوم و قبائل شریکان شکر پر کیا اثر پڑا اس کی حقیقت بھی طبری کے مقدمہ  
ذیل الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

مَقَالَ لَوَاحِشٍ بَنٍ خَرِيقٍ الشَّفَقِ وَكَانَ حَلِيفًا لِّبَنِي ذَهْرٍ  
اِسْ بِاِيَمٍ وَجَوَابٍ كُوَسْكَرٍ اَخْنَسَ بَنٍ ثَرِيقٍ شَفَقٍ جَوْنُزَرٍ وَكَانَ حَلِيفًا تَحَا

وهم بالحفة بابني ذهرة قد نجي الله لكم اموالكم  
وخلص لكم صاحبكم من ذمة بن نوفل وانما انفرقوا  
لتمنعوه وماله فاجعلوا الى جنبها وارجعوا فانه لا  
حاجة لكم في ان تمخروا في غير ضيعة لا ما بقول هذا  
يعني فرجوا فرجعت بنو زهرة مع الاخنس بن خزيمة  
فلم يشهد بدال من هاتين القبيلتين

اور اوقت منزل جحتم میں تھے کئی لگاؤ بنو زہرہ سے آگے آ رہے اور لوگوں کو  
یعنی مخروم بن نوفل کو بچا لیا اور یہ ظاہر ہے کہ تم انہیں لوگوں کی خطا  
کو نکلے تھے تمہارا مقصود مل گیا پس اب ہمیں سے لوٹ چو کہو کہ اب  
ہم مسلمانوں سے لڑنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

یعنی ابو جہل کی باتوں میں نہ پروں چاہتے تمام بنو زہرہ اخنس کے ساتھ ہمیں  
واپس گئے یہی اپنی تحقیق سے لکھتے ہیں کہ ان دونوں قبائل بنو زہرہ

اور ان کے حلیف بنی ثقیف (میں سے کہہ کر) فرود اچھی جنگ بدر میں شریک ہوئے۔

بعض رہائوں میں ہے کہ یہ اختلاف حکیم بن خرام کے مصلحت والے واقعہ کے بعد عین میدان بدر میں واقع ہوا کہیں نہ  
اسکے تصفیہ کا یہ مقام نہیں فرض اتنی ہے کہ ابتدائی سے ان میں مسئلہ جنگ پر اتفاق قائم نہیں رہا تھا۔ اور اسی کی بنا پر دو  
برابر کے قبیلے ٹوٹ کر فوج قریش سے علی رہ ہو گئے۔

قریش کی یہ نا اتفاقی برابر آغا جنگ تک قائم رہی بلکہ مقابلہ کے عین وقت تک اسکی ہی صورت تھی اسکی حقیقت  
تفصیل سے اوپر بیان ہو چکی ہے وہ صاف صاف بتا رہی ہے کہ قریش میں عین مقابلہ کے وقت تک مسئلہ جنگ پر اتفاق  
نہیں تھا اور سوائے ابو جہل اور اس کے ہم خیال لوگوں کے دیگر قبائل قریش کو جنگ و قتال پر اصرار نہیں تھا۔ بلکہ یہ لوگ  
معاہلات کو مصلح و تصفیہ پر تمام کرنا چاہتے تھے۔

بنی ہاشم کی مخالفت بالرائے کو قریش کی نا اتفاقی کے ثبوت میں اسوقت پیش کرنا میرے لئے استدلال کا قوی طریقہ  
نہیں ہے اس لئے کہ اسلام کی طرٹ اذکا میدان فطرتی تھا لیکن تاہم انا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ وہ چار بنی ہاشم جبر و کراہت  
یا مجبوری کی وجہ سے جتنے بھی اور جیسے بھی مشرکین کے ہمراہ تھے وہ سب کے سب جنگ پر زور بھی آمادہ نہیں تھے۔

جب ایک امر عظیم کی تنظیم میں اتنے مخالف اجزاء و عناصر موجود تھے تو اوسکی کامیابی کی ترکیب و ترتیب کیسے درست  
ہو سکتی تھی۔

شبلی صاحب کا یہ لکنا بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ قریش نے صرف اپنی کثرت جمعیت کی ظاہری قوت پر بڑا اعتبار کر لیا  
اور ترتیب و تنظیم فوج کی اندرونی تدبیروں سے بالکل نا عاقبت اندیشانہ طریقہ پر غافل رہے۔ فوج کی صف بندی مورچوں  
کی درستی سوار و پیادوں کی ترتیب اور مقابلہ کر نیکی قواعد و آداب کی تعلیم و ہدایت پر کوئی توجہ نہیں کی۔ یہ اذکا مغرورانہ شان  
کا غافل تھا۔ جس کی صورت یہ دیکھتے ہیں آئی کہ ابو جہل کی ماتحتی قریشیوں کی فوج کوئی باقاعدہ فوج تو نہیں معلوم ہوتی تھی  
بلکہ بقول ادس کے بدر کے سالانہ میلہ کی اچھی خاصی بھڑ تھی۔

مخلاف ان کے مسلمانوں کی طرف اگرچہ تعداد بالکل قلیل تھی مگر سب کے سب شروع سے آخر تک۔ ایک۔ ایک مدعا



اور ایک غرض خاص پر مستعد اور آمادہ تھے اور ایک شخص واحد کے حکم و اشارے پر جان نثاری کے لئے سرکفٹ اٹا دیتے اور کئی صفیں درست۔ حفاظت فوج کے موہجے مرتب اور مقابلہ کر غیوائے ہمیشہ طیار تھے اور ان میں سے ہر ایک آغاز محاربت سے لیکر اپنے وقوع شہادت تک بالکل خاموشی سے کام لیتا تھا اور اگر مقابل کو مار بھی لیتا تھا تاہم خاموشی یا ہرجوشی کی وجہ سے نہ جلا اور ٹھکانا نہ کسی قسم کا شور و غل کرتا تھا۔ کامل عبور و خاموشی سے مارتا تھا یا مارتا تھا۔ اس کامل انتظام کے سامنے وہ لوگ جو آشاکو تعداد میں عام اس سے کہ مقابل سے کہیں زیادہ ہوں جنگ و جدال میں اپنی بے نظمیوں اور بے تربیتیوں کے ساتھ اپنی کامیابی کی کیا امید کر سکتے تھے۔

قریش کا معرورہ نہ تعافل آنا بڑا کہ میدان جنگ میں جاے مقابلہ کی مناسبت کا بھی پہلے سے کچھ خیال نہیں کیا گیا کثرت سے پانی برس جانے کے باعث جس مقام پر قریش کو اپنا لشکر مقابلہ کے لئے لاکھڑا کرنا ہوا۔ وہ بالکل دلدل گئی تھی اور کیتھڑے سے بہ گئی تھی۔ اور کس طرح مقابلہ و مقابلہ کے قابل نہیں تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ وہ اطمینان سے جارحانہ طریقہ پر مقابلہ کر سکے اور نہ مدافعتیہ انداز سے۔

عین مقابلہ کے وقت جب کہ حضرت علی مرتضیٰ سے مروی ہے زور سے ہوا چلنے لگی جس کا رخ شامت کا تازانہ بنکر بالکل قریش ہی کے لشکر کی طرف تھا اور روضۃ الاحباب حضرت خیر زئیؓ ہوا کے جھونکوں نے قریش کے اور بھی ہوش و حواس اڑا دیے اور وہ عاجز آکر مقابلہ کا دلجمعی کے ساتھ کام نہ کر سکے۔

ان تمام موجودہ مخالف اسباب کے علاوہ عتبہ بن ربیعہ شیبہ اور ولید بن عتبہ کے بیکار اور بالکل خلاف قیاس و اعتدال کیے جانے سے تمام لشکر میں ایک غیر متحمل اضطراب و انتشار اس شدت کے ساتھ پھیل گیا کہ پھر آخر وقت تک نہ رفع ہو سکا کوئی سالار و سردار لشکر ایسا مطمئن الحواس نہیں تھا جو فوج کو اس انتشار کے عالم میں تسلی و تسفی دیکر بھر مطمئن اور تازہ دم کر لیتا۔ یہ اضطراب و انتشار بڑھتا ہی چلا گیا۔ اور پھر ابوالجہتمی امیہ بن خلف اور خود ابوہل کے آئندہ قتل کئے جانے سے اتنا بڑا کہ آخر کار شکست کامل کی صورت میں نمایان ہو کر ختم ہو گیا۔

یہ تو مسلمانوں کی فتح و فیروزگی کے ظاہری اسباب تھے جنگ و بیکار ہر شخص آسانی سے فتح اسلامی کے اسباب سمجھ لیگا لیکن ہر امر حقیقت کی نظر ڈالنے والے ان اسباب فتح و فیروزمندی کے فراہمی اور تجميع کے ذرائع اور وسائل کی تلاش کرے گا۔ اور مسلمانوں کی موجودہ قلت۔ ناداری اور بے سرو سامانی کو پیش نظر رکھ کر جب طرفین کے معاملات میں موازنہ قائم کرے گا تو باوجود ان تمام ظاہری اسباب و علل کے بھی اسلامی فتح کی نسبت کدے لگا کہ بدر میں مسلمانوں کی کامرانی محض تائید ربانی کا کام تھا اور اسی کے اس بیان کے ساتھ قرآن بھی ہم زبان ہے۔

خدا نے ایسے وقت پر بدر میں تمہاری مدد کی کہ تم کمزور ہو رہے تھے۔ خدا سے تقویٰ اختیار کرو کہ تم شکر گزار (نہ بے) بن جاؤ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي بَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَهْلُهَا فَلَتَوَّاهُ  
اللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

فتح بدر کی خوشگوار نتائج جنگ بدر کی فتح اسلام کے ارتقاء و وسعت کا سنگ بنیاد تھا اس عظیم الشان فتح نے مدینہ سے لیکر مکہ عرب کے ان تمام قبائل و اقوام کے دلوں میں جو چودہ پندرہ برس سے اسلام کے وجود کو محض لاو جو بھتہ تھے اور اسکی ہستی کو مٹا دینا ہر وقت اپنے آگے چمکیوں کا کام مقین کرتے تھے سطوت و عرب اسلامی کے اثر سے کیکپی ڈال دی۔ وہ مقابل ہو کر اور مقابلہ میں انکی شجاعت و جگر واری ثبات و پاداری دیکھ کر مجاہدین اسلام کا لوہا مان گئے تھے وہ تمام سریر نفس اور فسد انگیز سرداران مشرکین عتبہ بنیہ۔ ولید بن عتبہ۔ امیہ بن خلف ابو جہل۔ خطلمہ بن ابوسفیان اور نوفل بن خویلد اسد و غیرہم جو اشاعت اسلام اور جان رسولؐ روحی فداہ کے دشمن تھے ایک ایک کر کے ختم ہو گئے یوں شان نام کہ پھر نام و نشان تک نہ رہا۔ فتح بدر کے بعد عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین نے بھی رنگ بدلے اگرچہ وہ مادام الحیات اسلام کے حق میں مارا آئیں نہ لیکن فی الحال بطور ظاہر اسلام کا مطیع و متقاد بن گیا۔

فتح بدر کے ناگوار نتائج ان نتائج خوشگوار کے ساتھ فتح بدر کے ناگوار نتائج بھی پیش آئے فتح بدر سے یہودیوں کو امن و امان اموال و جان حفاظت کا رد ہوا اور حراست شہر و دیار کی طرف سے اطمینان کیا ہوگا۔ اسلام کی طرف انکو حسد و تفاق نے گھیر لیا انھوں نے سمجھ لیا کہ اسلام کی موجودہ کامیابی ہمارے اتنے بڑے قدیم و اقدار و اثر کو جو یمنہ اور گرد و نواح کے تمام قبائل و اقوام کے قلوب سے دھو ڈالے گی اور پھر اس علاقہ بھر میں ہمیں کوئی کڑی کو بھی نہ پونجے گا جنگ بدر کے خاتمہ سے یہودیوں کی مخالفت کا آغاز ہوا۔ چنانچہ یہودی کی مخالفت میں عنقریب ہمارے سلسلہ بیان سے ظاہر ہو جائے گا۔

مکہ میں مقتولین بدر کا بدر میں ابو جہل کے مارے جانے سے کفار قریش کی دستار امارت ابوسفیان بن حرب (امیر معاویہ کو پدر گھر گھر یا تم) بزرگوار کے سر پر باندھی گئی۔ اور ابو جہل کے بعد اب یہ استیصال اسلام کے داعی اور قتل حضرت سید الام علیہ السلام کے ساعی بنکر تمام قوم و قبائل کو کامل چھبریں (جنگ بدر سے سلسلہ سے لیکر فتح مکہ شہر چری) تک بڑا لگنے کرنے رہے ابو جہل نے تو چودہ برس تک اسلام پر ہاتھ اٹھانے میں توقف کیا تھا لیکن یہ مخالفت اسلام میں ہاتھ پھرتیلے اور جو خیلے نکلے کہ دو مہینے بھی چین سے نہ بیٹھے اور مقام کرب تک اسلام کے خلاف چڑھ دوڑے اور پھر سال ہی ہجر کے اندر احد کے میدان میں خوب دل کھول کھول کے مسلمانوں کے خون سے دیرا بھاویے جیسا کہ عنقریب تفصیل سے معلوم ہوگا۔

شکست بدر اور اس میں بیکار شدہ تر جوانان و نموداران قریش کے مارے جانے کی خبر مکہ میں پہنچی تو قریش تمام شہر تا مکہ ہنگامہ آہ و زاری نالہ و بیقراری اور فغان و زاری سے تمام گھروں میں کہ اہم چکیا اور عرب کے دستور قدیم کے مطابق تمام قبائل کے مراد و عوین صف ماتم بچا کر اپنے مقتولین کو صبح و شام رونے لگیں باقی ماندہ جوانان قریش فرشتہ گرید بکا کو موقوف کر دیا اسلئے کہ یہ رونادھونا انکے اظہار ضعف اور زوال قوت کا باعث ہوگا۔ اور مسلمان سنگرمناست کرینگے لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اونکا یہ حکم بھی محض جاہلانہ اور سخت ظالمانہ انسان کے جذبات قلبی کے اجر و ظہار کو

روکنا اصل جبر و ظلم ہے۔

خیر۔ رونے کی ممانعت کا حکم عام شکر رونے والوں پر موقوف کر دیا لیکن دل سے رونے اور قلب سے انسو بہانا نہ گیا اور اسے کون روک سکتا تھا۔ طبری اور ابن ہشام نے اس کے متعلق ایک دروازہ لکھ کر بیان کیا ہے جس کو ہم شبلی صاحب کے الفاظ میں سیرۃ النبی سے نقل کرتے ہیں۔

ثرائی جنگ بدر میں اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے اس کا دل اور منڈ آتا تھا۔ لیکن قومی غرت و خیال سے رو نہیں سکتا تھا اتفاق یہ کہ ایک دن کسی طرف سے روئیکہ آواز آئی (اسود سمجھا کہ اب قریش نے روئیکہ کی اجازت دیدی نوکر سے کہا دیکھنا کون روتا ہے؟ کیا روئیکہ کی اجازت ہوئی؟ میرے سینہ میں آگ لگ رہی ہے جی کھو کر روؤں تو تسکین ہو جائے آدمی نے آکر کہا ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے اس کے لئے رو رہی ہے اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے

|  |   |   |   |
|--|---|---|---|
| انیکی ان فیصل لہا بعیر<br>تو ایک اونٹ کے گم ہو جانے پر کیا روئی ہے | و یصنعها من النوم السہود<br>اور تجھ کو نیند نہیں آتی ہے | ولا تکی علی بکرہ لحکن<br>تجھ کو بکرہ پر رونا نہیں آتا | علی بدہا تعاصرت الجدو<br>رہا ہی سچ بھوکہ بدر میں قسمت کی کی |
| فکی ان بکیت علی عقیلی<br>تجھ کو وہ اپنی عقل پر رو                  | حارث پر جو شیر و گن شیر تھے                             | کبر عقیل حارث۔ یقیناً اسود کے بیٹے تھے۔ اصل ابن       |   |

ہشام ج ۲ صفحہ ۲۶ - سیرۃ النبی صفحہ ۲۲۲

بدر کے فائدہ کے ساتھ بدر کی شکست سے پہلے زیادہ اہمیت کا دل ٹوٹ گیا۔ اور آخر کار یہی کوفت اس کا سبب موت قرار پایا ابولہب کا خاتمہ ابن ہشام اور طبری اس کے تعلق و اضطراب پہ سچ و تاب اور غصہ و عقاب کی تمام کیفیتوں کو جو اس بد بخت کی قوم پر ظاہر ہوئیں یقیناً ابورافع کی زبانی بیان کرتے ہیں۔

ابورافع حضرت عباس کے غلام بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عباس کے عیال کے ساتھ خہگ بدر کے موقع پر ہی میں رہ گئے تھے۔ جب بدر میں اسلام کی فتح اور کفار قریش کی دولت و خواری کی خبر آئی تو اس سے ہم لوگوں دال عباس یا بنی ہاشم میں قوت و عظمت آئی۔ ابورافع بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک کبیر السن آدمی تھے۔ اور اس وقت کعبہ کو مقام حرم میں بیٹھے ہوئے عمل اقداح کر رہے تھے اور میرے پاس حضرت عباس کی بی بی ام الفضل بیٹی ہوئیں تھیں اور ہلوگ چکر چاکر اسی خبر کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ اثنین میں ابولہب آیا۔ اور ظاہر ہوا کہ اس طریق سے بیٹھ گیا کہ اس کی بیٹی میری بیٹی سے مل گئی۔ اس اثنین میں کسی نے کہا کہ وہ ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب آ رہے ہیں! یہ سنا کر ابولہب نے جب وہ آئے تو ابولہب نے چہرہ پر ہر گز اطمینان سے تو تفصیلی حالات معلوم ہونگے۔ یہ سنا کر وہ بیٹھ گئے اور تمام لوگ سننے کے لئے کھڑے ہوئے ابولہب نے کہا ہاں میرے بھتیجے بناؤ تو کیا کیا ہوا؟ ابوسفیان جب کا نام سنا تو کہنے لگے۔ چچا کیا کس طرفین سے مقابل ہوتے ہی گویا ہم پر یقیناً ٹوٹ پڑیں نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے جس جس طرح چاہا ہکو قتل کیا اور جس جس طرح چاہا ہکو اسیر کیا۔ اور خالی ختم

مسلمانوں کی طرف عجیب و غریب قسم کے لوگ تھے سفید و نورانی قدر و قامت والے کثرت سے لوگ ابلق گھوڑوں پر سوار آسمان و زمین کے درمیان ہلکودکھائی دیتے تھے۔ خدا کی قسم نہ کوئی اذن تک پہنچ سکتا تھا اور نہ کوئی باز نکور دیکھ سکتا تھا یا ٹھیکر سکتا تھا۔

ہو رافع کا بیان ہے کہ یہ سنکر میں فوراً بول اٹھا کہ خدا کی قسم وہ ملک کتھے میرا اتنا کھنسا تھا کہ ابولسب نے نہایت زور سے میرے مونہ پر طمانچہ مارا اور پھر مجھ کو اٹھا کر زمین پر دسے مارا اور مارنے لگا۔ میں ایک کمزور اور بوڑھا آدمی تھا ابولسب کا کچھ نہ کر سکا۔ یہ دیکھ کر ام الفضل سے ضبط نہ ہو سکا وہ فوراً اٹھیں اور حجر کی لکڑیوں میں سے ایک لکڑی اٹھا کر ابولسب کے سر پر لگائی کہ اوسکا سر پٹ گیا۔ اور کہنے لگیں کہ اوس کا مالک یہاں موجود نہیں ہے اس لئے تم اوپر ظلم و ستم کر رہے ہو۔

ابورافع کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے سات ہی دن بعد ایک دانہ بھکنے کے مرض (زہر باد) میں ابولسب مر گیا۔ جس کم جہان پاک۔ ابن ہشام صفحہ ۲۶ جلد دوم

میسر بن وہب اور واقعہ بدر کو ابھی ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ صفوان بن امیہ حبش کا پامپہ بن خلف بدر بن قتل رسول کا اقرار مارا گیا تھا اور عمیر بن وہب جس کا ایک بیٹا ابھی تک مسلمانوں کے پاس مدینہ میں اسیر تھا بیرون مکہ تنہائی میں بیٹھ کر واقعہ بدر کے متعلق باتیں کرنے لگو۔

دونوں اسلام اور بانی اسلام علیہ وآلہ اسلام کی طرف سے بھرتے بیٹھے تھے عمیر کہنے لگا قریش قصاص بدر کے متعلق جو جو تدبیریں نہ سوچیں اور جیسی جیسی ترکیبیں عمل میں نہ لائیں وہ اپنا کام ہے لیکن میرا کام تو یہ ہے کہ اگر میں قرضاری اور عیال داری کی کٹکٹش میں گرفتار نہ ہوتا تو ابھی مکہ سے اٹھتا۔ مدینہ پہنچتا۔ اور محمد کا کام تمام کر آتا۔ جھگڑا ہی مٹ جاتا پھر کسی کو قتل و قصاص کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ افسوس کہ یہ دونوں ضرورتیں میرے پاؤں کی زنجیریں بنی ہیں صفوان بولا یہ تو کوئی بات نہیں۔ تم جاؤ اور باطنیان اپنا کام کر آؤ۔ میں تمہاری قرضاری اور خرچ خانہ داری دونوں کا ذمہ دار ہوں عمیر کہنے لگا واہ۔ تو اب مجھے کوئی دشواری نہیں ابھی ابھی میں جاتا ہوں اور اپنے ارادے کو خاطر خواہ پورا کرتا ہوں اتنی گفتگو کے بعد دونوں گھروٹ آئے۔

دوسرے دن عمیر نے طیارہ کر دی گھر سے نکلا تلوار پر خوب تیز باز بھڑکھوائی پھر متواتر نہ ہر میں بھجوائی ان طیاروں کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کو روانہ ہوا اور بڑی سرعت کے ساتھ دو منزلہ کرتا ہوا مدینہ طیبہ میں اس وقت پہنچا جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ دروازہ مسجد پر کہ عمیر نے اونٹ بٹھلایا خلتی عادت کے موافق بیٹھنے کے وقت اسکا اونٹ بولا تو صحابہ میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ اسکی طرف متوجہ ہوئے دیکھا تو سچا ناکہ عمیر بن وہب ہے مسلمانوں میں اسکی شہرہ طبعیت سے کون واقف نہیں تھا حضرت عمرؓ نے فوراً فرمایا



رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی کہ عمیر شمشیر برہنہ لئے آ رہا ہے۔ آپ نے کامل استغناء و متانت سے جواب دیا آتا ہے تو آئے دو اتنے میں عمیر شمشیر بربھتا ہی گیا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پونچھا کھو عمیر کیسے آئے۔ عمیر بولا ٹرکے کو دیکھنے چلا آیا۔ ارشاد ہوا۔ پھر شمشیر برہنہ کیوں آئی ہے عمیر نے کیا تو پھر کیا ہوا۔ ہماری اتنی تلوار دن نے بدلا میں آپ کا کیا کر لیا جو میری یہ ایک تلوار کر لیتی آپ نے پھر اصرار فرما کر استفسار کیا سچ کہو۔ شمشیر برہنہ کس قصد و ارادہ سے ساتھ لائے ہو۔ عمیر نے پھر اسی جواب کی تکرار کی۔

اب جناب رسالت اب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم خود مجھے حقیقت حال بیان کرنے پر مجبور کرتے ہو تو لو میں تمہیں تباہ دیتا ہوں کہ تم نے اوصفوان بن امیہ و دون نے بیر بن مکہ میٹھکر میرے قتل پر شورہ کیا ہے اور صفوان نے تمہاری قرضداری اور عیال داری کی ذمہ داری لیکر تم کو میرے قتل کر دینے کے لئے بیان بھیجا ہے سچ کہو عمیر یہ صحیح ہے یا غلط۔ عمیر نے بھی یقین کر دیا تم میرا کچھ نہیں کر سکتے میرا پروردگار میرا محافظ ہے۔

یہ ارشاد کر کے عمیر اپنے آپ میں نہ تھا سکتے میں آگیا۔ خموشی کے عالم میں سر جھکائے دیر تک سوچتا رہا سر اٹھایا تو عرض کی۔ اب مجھے یقین کامل ہو گیا کہ آپ بلاشبہ و شک نبی برحق ہیں۔ آسمانی نبیایات و الہامات اور نزول وحی کے ارشاد و ہدایات کی نسبت آپ کو تھملا دینا میرے لئے آسان تھا لیکن ان معاملات خاص میں جن میں میں یقیناً اور نبات خاص جانتا ہوں کہ سوائے میرے اوصفوان کے۔ کوئی اس واقعہ کو جانتا ہے اور نہ کوئی اسکے موقع پر اس میں شرکت حاضر تھا آپ کا پورا پورا انکشاف حقیقت فرما دینا کیسے جھٹلایا جاسکتا ہے یہ مکہ عمیر نے فوراً کہا اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور اسی وقت مشرف باسلام ہوا۔

عمیر کیا کرنے آیا تھا کیا کر گیا۔ یہی تصرفات قدرت ہیں۔ معرفت قدرت کے حصول کا قوی ذریعہ انسان کے قصد و ارادہ کی تسخیر و تفسیح بھی ہے۔ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔

عَرَفْتُ رَبِّي بِفَيْضِ الْعَزَّائِلِ | میں نے اپنے پروردگار کو اپنے ارادوں کے نہ پورے ہونے سے پہچانا ہے۔

عمیر کے ایسے مخالف اسلام کے اسلام لانے سے عموماً تمام مسلمانوں کو بہت بڑی مسرت ہوئی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے برادر ایمانی کو اپنے ہمراہ لے جاؤ۔ اسلام کے ارکان اور احکام قرآن تعلیم کرو اور ان کے بیٹے کو بھی اسلام لانے کے عوض میں غور رہا کرو صحابہ نے اسی وقت حکم کی تعمیل فرمائی۔

عمیر نے چند دنوں کے بعد عرض کی کہ مجھے مکہ جانے کی اجازت دیجائے اسلئے کہ اب میرا غم بالجرم یہ ہے کہ وہاں جا کر صبر میں اس وقت تک اہل اسلام کو مستحیا کرتا تھا اور آزار پر آزار پہنچاتا رہتا تھا اسی طرح اب مشرکین قریش اور کفار مکہ کو ستاؤں اور ان کو تبلیغ اسلام کے احکام پہنچاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط ثانی کی انجام دہی پر اسکو اجازت دیدی۔ صفوان بن امیہ کہ میں عمیر کی کارروائیوں کا دن رات منتظر رہا کرتا تھا۔ اور قریش سے باتوں باتوں میں اکثر کہتا رہا

کریا تھا کہ دیکھنا وہی ایک روز میں مدینہ کے اندر کیا گل کھلتا ہے کہ نقصانات بدر کے داغ دل سے مٹ جائیں گے صفوں کو تیر مشیت کی کیا خبر۔ وہی چار دنوں کے بعد عیر کی تاپیر کا نتیجہ بالکس ظاہر ہوا۔ اور اس کے مسلمان ہو جانے کی خبر میں پہونچی تو صفوان بدن میں خون نہیں تھا اب عیر بھی وہی چار دن میں کامل مسلمان بن کر اپنے بیٹے کو لئے ہوئے مکہ میں پہونچ گیا۔ صفوان نے غم و غصہ کی حالت سے عیر کی صورت دیکھنی اور آئندہ اس کو کسی قسم کا فائدہ پہونچانے کی قسم لی۔ لیکن اب دولت ایمان کے آگے صفوان کی بیخبری اور ناتوجی کی عیر کو پروا ہی کیا تھی وہ جو وعدہ جناب رسالت آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر آیا تھا بڑے اطمینان و فراغت سے مکہ میں لوٹ کر رہا اور کثیر التعداد و مشرکین کفار کو اپنے بند و غفلت سے ہمیشہ دائرہ اسلام میں لٹا رہا۔ بخیرہ السد احسن الجزاء ابن ہشام جلد دوم ص ۳۲۔

## غزوۃ الکدریہ غزوۃ السویق

(ازی قمرہ ۸۔ ۶ھ)

ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ ابوسفیان قصاص بدر کے لئے بے حد عین ہو رہا تھا اس نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک لشکر کا انتقام نہ لے لیگا۔ یہ غسل جنابت کر لیا۔ نہ کپڑے بدلے گا اور نہ سر میں تیل ڈالے گا اس کا اضطراب قصاص اس کو ایسا بدحواس بنا تھا کہ شکست بدر کے مہینہ ہی بھر کے بعد دو سو شتر سواروں کو ہمراہ لیکر قصاص بدر کے اردی سے یتیم چڑھ وڑا لیکن اب اسلام کے مومنہ پر ایک بار چڑھ وڑا آنا آسان نہیں تھا۔ بکایاب اس کے سامنے آنے میں پہونچنے تک قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔

اس بنا پر ابوسفیان مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر چاہ کدر (قرۃ الکدۃ) پر دستہ ڈالا۔ اسلام کی طرف سے یہودیوں کی سیدی اور بنی نسی کی خبر انکو پہونچ چکی تھی اس لئے اس نے یہودیوں سے پہلے استفسار حالات اور نیز انکو اپنا ہتھیار و ہم آہنگ بنا لینے کی ترکیب سوچی۔ چنانچہ وہ رات کی تاریکی میں چھپ کر مدینہ پہونچا سب سے پہلے جی ابن الخطب کے گہر آریات زیادہ گئی تھی اس کے گھر کے کورٹے بند ہو چکے تھے نہ کھل سکے مجبور ہو کر سلام بن مشکم کے گھر گیا جو یہودان بنی نصیر کا سردار اور تمام یہودیوں کے خزانوں کا امانتدار تھا۔ دروازے پر دستک دی کنڈاڑ کھلے ابوسفیان اندر آیا سلام بن مشکم نے بڑی گرجوشتی سے استقبال کیا۔ بڑے اکرام و احترام سے مہمانی کی عمدہ عمدہ کھانے پکوانے کھانے کے بعد رات بھر خوشی کی صحبت جمی رہی اور اس صحبت میں مشعلہ خاص کے ساتھ اصل بدعا پر گفتگو بھی ہوتی رہی۔ سلام بن مشکم نے ابوسفیان کے تمام مستفسرات کا خاطر خواہ جواب دیا اور اسلام کے متعلق ہر جزئیات کی پوری اطلاع پہونچائی لیکن آخر میں یہ بھی کہہ کر ابھی مقابلہ و مقابلہ کا وقت نہیں ہے تھوڑا وقف کرنا چاہیے۔ ابوسفیان رات بھر سلام بن مشکم کا مہمان رہ کر علی الصباح مدینہ سے روانہ ہوا اور اپنی قیام گاہ پر پہونچ گیا عرب میں اپنے عہد کا پورا کرنا ایسا فرض تھا کہ کسی وقت اور کسی حالت میں چھوڑا نہیں

جاسکتا تھا ابوسفیان چونکہ قصاص بدر کا عہد کر کے چلا تھا اسکو جزوی یا کئی طور پر پورا کر دینا اس کے لئے لازمی تھا اس بنا پر اس نے کدرے لے ہوئے مقام عریض پر حملہ کر دیا۔ عریض میں انصار کے چند قبائل آباد تھے۔ ایک مرد انصاری سمیع بن عمر کو قتل کر دیا اور انصار کے چند مکانات بھی آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیے۔ مویشیوں کے چارون کے انبار میں بھی آگ لگا دی اور انکو بھی بیکار و غنائ کر دیا۔ اور اس طریقہ سے جزوی طور پر اپنے عہد و قسم کو پورا کر دیا۔

سجی صاحب نے صرف عمر بن سعد کا قتل لکھا ہے لیکن ابن ہشام عمر بن سعد کے ساتھ اسکے حلیف کا قتل کیا جانا بھی بتلاتے ہیں اس بنا پر ابوسفیان نے انصار کے دو آدمیوں کا خون ناحق کیا۔ ابن ہشام ج ۲ ص ۶۹۔ اس ظالمانہ اور بزدلانہ حملات کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ ہی اسکو مسلمانوں کا خوف بھی و امنگیں تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کے آنکلی خبر بھی لگ گئی جو واقعی صحیح تھی۔ اس خبر کے پاتے ہی اس کے حواس جاتے رہے اور فوراً لڑنے کی طرف اس تیزی سے جان بچا کر بھاگا کہ راہ میں بوجہ ہلکا کرنے کی غرض اور جلد مسافت طے کرنیکی ضرورت سے ہمراہی رسد کے سامان تمام راہ میں پھینک گیا۔ رسد کے سامان میں اس کے ساتھ صرف ستونہ بند ہے تھے جبکہ عربی میں سونے کتے ہیں اسی کے پھیلے راستہ میں گرتا گیا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ابوسفیان کی تاخت کی خبر ملی تو آپ نے ابوالہبابہ کو مدینہ میں نگران چھوڑ دیا۔ صحابہ کے ساتھ تعاقب کیا اور قرقرۃ الکدرباک تشریف لائے لیکن آپ کی آمد سے پہلے ابوسفیان مکہ کو چل دیا تھا اسلئے آپ کو فوراً واپس ہونا پڑا۔ راستہ میں ابوسفیان کے پھینکے ہوئے تھیلے وہاں پر پڑے پائے گئے اور وہ مسلمانوں نے اٹھائے اس خصوصیت کی وجہ سے اس غزوہ کا نام غزوة السويق مشہور ہوا۔

تزوج جناب ﷺ لولہ خلق علی ما کان لفاطمہ کغوا دام علی نکر علی نہا کے لئے کوئی کھوہ پیدا ہوتا۔

فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا جناب سیدہ فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کا حسن مبارک تزویج کے قابل ہو چکا تھا جناب یاسات آباد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیاہ کی فکر تھی اول تو مدینہ میں تشریف لائے ہی شب و روز کی ترد و تفکر سے اطمینان نہ لے سکی تھی۔ نہین ہوتی تھی۔ دوسری وجہ تاخیر یہ تھی کہ آپ جناب سیدہ فاطمہ کے مسئلہ تزویج کو مشیت الہی کی تجویز پر موقوف تھے اور ہمیشہ اس امر خاص میں حکم الہی کے منتظر رہتے تھے۔ اس اثنا میں اکثر حضرات نے پیام دیے لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی خواستگار ہوئے لیکن آپ نے اندونون حضرات کے معروضات پر اعتنا نہ فرمائی۔

نبی صاحب کے استحقاق و اختصار کے تو یہی خاص مقامات ہیں اسوجہ سے اس واقعہ کی تفصیل میں آپ نے پہلے ہی سے قلم نہ باندھنا شروع کر دیا ہے۔ اول تو اس واقعہ کو ماہر باصر الہی ہونا اشارہ ناگہنا ظاہر ہونے نہیں دیا۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی روایت صرف ابن سعد کے حوالہ سے لکھا اسکا عدم صحت ثابت کرنا

جایا ہے۔ اس غرض خاص سے کہ عوام حضرات شیخین کی خواستگاری والی روایت کو خاص ابن سعد یا زیادہ سے زیادہ اہل سیرت کا محتار جمیع اور اسکو مرویات احادیث نہ یقین کریں۔

ثبوت استدلال میں وجہ عدم صحت یہ بتلائی جاتی ہے کہ علامہ ابن حجر نے ترویج جناب سلیمان کے متعلق اور سب مرویات لکھی ہیں مگر اسکو نہیں لکھا۔

محققین آپ کے اس استدلال کی حقیقت کو خوب جانتے ہیں اور آپ کی اس شان و عنوان استحقاق کو بھی پہچانتے ہیں۔ ابن حجر کس گنتی میں ہیں۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں کو جانیدہ بجے۔ حدیث کی کوئی چھٹی بڑی کتاب انہی نہیں ہے جس میں اندرون امور کی خاص طور پر تصریح موجود نہیں ہے۔ حضرات ابوبکر و عمر کا خواستگار ہونا اور ترویج

جناب سلیمان کا تجویز الی پر موقوف ہونا۔ دونوں امور کی نسبت۔ مناقب امام احمد بن حنبل۔ ذخائر العقبی امام طبری۔ معجم ثلاثہ امام طبرانی۔ تاریخ ابن عساکر۔ کتاب المواقعات ابن السمان۔ مواہب لدنیہ امام قسطلانی۔ مرقۃ المفاتیح

سید علی ہمدانی۔ فردوس الاخبار امام دہلی۔ اسرافیاہ فی تمیز الصحابہ امام جزیری۔ مناقب امام ابوبکر خوارزمی۔ ابن شہان

علامہ ابوالخیر قزوینی حاکمی۔ علامہ عبدالباقی الزرقانی۔ نیایع المودۃ امام سلیمان بنی القندوری۔ مناقب ابن مردودہ

روقتہ الاحباب محدث شیرازی۔ مطالب السؤل امام ابن طلحہ الشافعی۔ کفایت الطالب علامہ ابن یوسف اللخمی الشافعی

اور ارجح المطالب خواجہ عبید اللہ امرتسری نے اپنی اپنی تصنیفات میں بالتفصیل تمام لکھا ہے۔ (ہم نے یہ تفصیل

زرقانی جلد دوم ص ۵۷ نیایع المودۃ فی القرنی امام قندوری ص ۱۴۰ مطبوعہ ممبئی اور ارجح المطالب خواجہ عبید اللہ امرتسری صفحہ

۷۹ مطبوعہ لاہور سے نقل کی ہے۔)

تنبیہ ہے کہ شبلی صاحب کو ایسے متواتر اور کثیر الاسناد واقعہ کی تضعیف پر کیسے جرات ہوئی۔ یہ جرات بھی اسی

ضرورت و مجبوری پر مبنی ہے۔ جو استحقاق حالات بنی ہاشم کے متعلق مدت قایم سے آپ کے لاحق حال ہے اسی

ضرورت نے یہاں بھی حقیقت حال بیان کرنے سے آپ کا قلم روک لیا۔

اتما تمقید اور تمسید الکمر ہم اپنے سلسلہ بیان پر آجائے ہیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے سوالوں کی نامنظوری

کے بعد جناب علی مرتضیٰ نے خواستگاری کی اور وہ بطیب خاطر منظور فرمائی گئی۔ ہم ان واقعات کو اپنی کتاب الزہراء میں

بالتفصیل بیان کر چکے ہیں۔ اسلئے زیادہ تصریح کی ضرورت نہیں۔ صرف زرقانی نے جن مرویات کو صحیح الاسناد

قرار دیکر اس واقعہ کے متعلق مندرج کیا ہے۔ ہم اسی کو ذیل میں نقل کر دیتے ہیں۔

فی حدیث السنۃ عند ابی الخیر الحاکمی وابن عساکر علامہ ابوالخیر حاکمی ابن عساکر اور ابن شاذان السن سے روایت

وابن شاذان خطبہا علی بعد ان خطبہا ابوبکر ثم عمر فقال له علیہ السلام قد امرنی ربی بذلك قال اش

کرتے ہیں کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کی خواستگاری حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے بعد کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ خدا نے بھی مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ السن کہتے ہیں کہ پھر ابوبکر آنحضرت صلی



ثم دعا عليه الصلوة والسلام بعد ايام فقال ادع لي  
ابا بكر وعمر وعثمان وعبد الرحمن وعدة من الانصار  
فلما اجتمعوا واخذوا بحالسهه فقال صلى الله عليه  
والله وسلم

الحمد لله المحمود بنعمته المعبود بقدرته  
المطاع المرهوب من عذابه وسطرته المأخذ له  
في سماك دارضه الذي خلق الخلق بعد ربه وحده  
باحكامه واعزهم بدينه واكرمهم ببنيته محمد صلى  
الله عليه واله وسامح ان الله تبارك وتعالى اسمه  
وتعالي عظمته جعل المصاهرة سببا لاحقا  
امرا مفترضا او شيع ارحام واکرم به الانام فقال  
عز من قال وهو الذي خلق من الماء بشرا فجعله  
نسبا وصهرا فاسر الله بجزى الى قضاءه وقضاوه  
بجزى الى قدره وكل قضاء قدره وكل قدر اجل  
وكل اجل كتاب فبحر الله ما يشاء ويثبت وعنده  
الكتاب

ان الله تعالى امرني ان ازوج فاطمة من علي  
بن ابي طالب فاشهد وان قد زوجته علي اربعائه  
مقال فضله ان ارضى بذلك علي بن ابي طالب ثم  
دعا رسول الله صلى الله عليه واله وسلم بطبق  
يسر ثم قال انتهبوا فانتهبنا ودخل علي فقبضه النبي  
صلى الله عليه واله وسلم في رجه ثم قال ان الله  
عز وجل امرني ان ازواجك فاطمة علي اربعائه مقال  
فضله ارضيت بذلك فقال رضيت بذلك يا رسول الله  
فقال عليه الصلوة والسلام جميع الله شملكما واعز جدكما

نے مجھے بلایا اور ارشاد فرمایا کہ حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور عبد الرحمن  
اور انھیں کی تعداد کے مطابق انصاریین سے لوگوں کو میرے پاس  
بلالاد جب یہ لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے تو آپ نے انکو ساتھ  
ایک مجلس ترتیب دی اور انکو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ  
جمعہ حد ثابت ہو اللہ کے واسطے جو محمود ہے اپنی نعمتوں  
سبب سے اور معبود ہے اپنی قدرت کے سبب قابل اطاعت ہے  
اپنی سطوت و مہبت کے باعث سے لوگ اسکی طرف اس کے عذاب  
کی وجہ سے گزرتے ہیں وہ ایسا ہے جس نے تمام مخلوقات کو  
اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے اور اپنے احکام سے انکو قوت بخیز دی ہے  
اور اپنے دین کے سبب انکو عزت بخشی ہے اور اپنی محبت علی اللہ علیہ السلام  
کے باعث سے انکو بزرگی عطا فرمائی ہے جو تحقیق اسد عزوجل نے  
سرری رشتہ کو نسب تازہ امر واجب حکم ماول اور غیر جامع قرار  
دیا ہے اور اس کے سبب رحمت کو ملایا ہے اور تمام خلق پر اسکو لازم  
گردانے اور فرمایا ہے وہ اللہ ایسا ہے جس نے پانی و انسان کو پیدا کیا  
پس اس کے واسطے نسب اس سرری رشتہ قرار دینے اور میر پروردگار ہر چیز پر  
قادر ہے اور خدا کا حکم اسکی قضا کی طرف جاری ہوتا ہے اور اسکی  
قضا اسکی قریب کی طرف جاری ہوتی ہے اور ہر قضا کے لئے ایک قدر ہی اور ہر  
کے واسطے ایک وقت خاص ہے اور ہر وقت کے لئے ایک حکم خاص  
ہے۔ خدا جو چاہے محکوم سے جو چاہے حکم رکھے اسی کی پاس اصل  
کتاب یعنی لوح محفوظ ہے۔

اما بعد خدای سبحانہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کو علی بن ابی طالب  
کے ساتھ چار سو اسی مقال چاندی کے مہر پر پیادہ دوں بشرطیکہ علی  
اس پر راضی ہوں۔ پھر آپ نے ایک طبق چھوہارے کا بھر اہو اطلب کیا اور  
ارشاد کیا کہ اسکو لوگوں میں ٹٹا دو چنانچہ وہ تمام لوگوں میں ٹٹا دیا گیا۔  
اسی اثنا میں علی آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم ہو کر ان کو

وبارک علیکم ما واخرج منکم اکثرا حلیباً۔ | کیا اور انکو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ جو خدا تعالیٰ نے مکرم یا ہے کہ میں فاطمہ کو تمہارے ساتھ چار سو مثقال چاندی کے سریر پہاڑوں میں تمہیں منظور ہے؟ حضرت علیؑ نے عرض کی منظور ہے۔ یہ سن کر جناب رسولی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تم دونوں میں جمعیت عطا کرے۔ تمہاری معاشرت میں غرت دے۔ اور تم دونوں کو برکت عنایت کرے اور تم دونوں سے اولاد طاہرین مخلوق فرماوے۔

لیکن مناقب احمد بن حنبل اور سند ابو حاتم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخر فقرات و نما سے پہلے اور حضرت علیؑ کے اصحاب فرمانے کے بعد یہ فقرات لکھے ہیں۔

فخران علیا خیرنا جدا شکوا اللہ تعالیٰ | حضرت علیؑ خدا کے سجدہ شک میں ٹھجک گئے۔

زرقانی نے بھی اسکو لکھا ہے۔ مگر تھوڑے فصل کے بعد یہ مجمع حدیث کے وقت تقدیم و تاخیر کی عرف سموترتیباً جو اکثر مؤلفین کو لاحق ہو جاتی ہے۔ اور چند اہل قابل لیا طائیفین زرقانی ج ۲ ص ۴

یہ تو جناب سیدہ کی تزویج کے خاص حالات تھے۔ ارباب سرور یارخ اور اصحاب احادیث نے سامان ہجرت میں مفصلہ ذیل چیزیں لکھ کر بتلائی ہیں۔

ایک چار پائی جو (بان سے بنی ہوئی تھی) سوئی گزی کی دھنڈا لیان (ایک میں کھجور کی پتیان بھری تھیں اور دوسری میں غنچہ خربا کی چھالیں) چار تکیے (دو میں کھجور کی پتیان) (دو میں بھینٹری کے بال ہرے تھے) چاندی کے دو بازو بند بروہانی کی دو چادرین۔ ایک چادر سر سے پاؤں تک نہیں آتی تھی۔ ایک چکی الٹ لٹا۔ ایک کٹورا۔ ایک مشک اور دو مٹی کے گھڑی جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز عشا پڑھ کر حضرت فاطمہ علیہا السلام کو حضرت ام ایمن کے ہمراہ حضرت علیؑ کرم السروجہ کے گھر بھیجا۔

حضرت علیؑ مرتضیٰ اکبرین بضعتہ الرسولؐ کے آنے کے بعد جناب رسولی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لائے ان دونوں حضرات کے ساتھ گھر میں تشریف لاکر جو معاملات ظاہر کئے گئے انکو علامہ زرقانی اور خود سبلی صاحب نعمانی ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت فاطمہ جب نئے گھر میں جا لیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے و روار پر کھڑے ہو کر ان کو مالگا۔ پھر اندر آئے۔ ایک برتن میں پانی منگوا یا دونوں ہاتھ اوس میں ڈالے اور حضرت علیؑ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ کو بلایا اور وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئیں آمین۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔ سیرۃ النبی ص ۶۸ زرقانی ج ۲ ص ۴

واقعات متفرقة | اسی سال سے رمضان کے روزے۔ عید کی نماز۔ اور زکوٰۃ فطر کا حکم آیا۔ اور اسی سال سیدہ ہجری | مسلمانوں نے نماز عید بالجماعت پڑھی

## شبلی صاحب کے سلسلہ بیان میں بدترتیبی

شبلی صاحب کے سلسلہ بیان | شبلی صاحب نے سیرۃ النبی میں محض - اظہار جدت کے نقطہ نظر سے ترتیب واقعات میں بیان میں بے ترتیبی فصل پیدا کر دیا ہے اور تعین اوقات میں تاخیر و تقدیم کا نقص - نزوح جناب فاطمہ کے بعد -

تمام واقعات کو جو اسی سال کے اندر واقع ہوئے - مرفوعہ القلم فرماتے ہیں اور اپنا سلسلہ بیان اور ترتیب تالیف غزوہ احد کے عنوان سے بیکبار آغاز کیا ہے حالانکہ نزوح جناب سیدہ سے لیکر آغاز جنگ تک کے ایام میں بالحق ابن شہام و طبری - غزوات - ذی امر - بحران غزوہ بنی قنیقاع - سریرہ زید بن حارثہ نرے کعب بن الاشرف وغیرہ کے ایسے چوتھے سیم واقعات گذشتہ - اس ہمینہ کے عرصہ میں برابر سلسلہ وار پیش آتے گئے - جنکو متقدمین اور متاخرین مؤلفین نے آج تک اپنی تمام تصنیفات و تالیفات میں اذکی ترتیب وقوع کے موافق قلمبند فرمایا ہے لیکن شبلی صاحب نے نہیں -

آپ نے جو ترتیب اختیار کی ہے - یا تو وہ آپ کی ایجاد خاص ہے - یا پورے ہین صنفین کی تقلید اور تاسی - اور وہ یہ ہے کہ آپ نے غزوات کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا ہے - ایک سلسلہ میں وہ واقعات کی ہیں جو قریش سے پیش آئے اور دوسرے میں وہ غزوات جو یہودیوں کے ساتھ واقع ہوئے - ترتیب معنائیں کی تفہیم نطاہر تو بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ علی الاکثر یہی دونوں مخالف قومیں ہمیشہ اسامہ مقابل ہوتی رہیں - اور انھیں کے ساتھ لگاتار واقعات پیش آتے گئے - چنانچہ واقعات سہ ہجری میں خود تحریر فرمایا گیا ہے -

ارباب سیر کے مطابق غزوہ بنی قنیقاع کا ذکر بھی اسی سال میں ہونا چاہیے تھا لیکن اتصال و تسلسل واقعات کی تباہی پر وہ آئندہ مذکور ہوگا - سیرۃ النبی ص ۲۶۹ ج ۱ -

لیکن عرض یہ ہے کہ اس تقسیم سے واقعات کی تعین میں بہت فصل واقع ہو گیا - مثال کے لئے غزوہ بنی قنیقاع ہی ذکر کو دیکھنا چاہیے - کہ ارباب سیرت کی اس نام کے مطابق آپ تو خود اعتراف فرما چکے ہیں سہ ہجری میں واقع ہوا ہے لیکن آپ نے اسی ترتیب کی مجبوری سے سہ ہجری میں غزوہ احد اور سہ ہجری کے سلسلہ غزوات و سراپا کی تفصیل کے بعد صفحہ ۲۹۵ میں - اس عنوان کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے - سہ ہجری غزوہ بنی قنیقاع -

اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیں کہ سہ ہجری کے تمام واقعات و حالات بیان کر دیے جانے کے بعد آ پھر یہ سہ ہجری کیسا؟ دوسرے تو اس آپ کی نو ایجاد ترتیب کو دیکھ کر ایک مہذبانہ تبسم کر کے رہ جاتے ہیں -

سب سے زیادہ افسوس تو یہ ہے کہ آگے چل کر یہ ترتیب بھی قائم نہیں رکھی گئی - یہود کے معاملات کو با استثناء خیبر ایک جا بیان کر کے پھر جنگ خندق آغاز کر دی گئی ہے جو قریش کے خاص معاملات تھے - اور خندق کے بعد معاملات حدیبیہ تک مسلسل اور مفصل طور پر قریش کے واقعات بیان کئے گئے ہیں - ان سب کے بعد غزوہ خیبر کا ذکر کیا گیا ہے تو پھر نوادی

ارباب سیر کی قدیم ترتیب اختیار کر لگی اور اپنی وہ ترتیب خاص جسکو عدم بیان غزوہ بنی قنیقاع کی وجہ میں یہ لکھ کر دکھلایا گیا تھا کہ اتصال و تسلسل واقعات میں فرق آتا ہے وہی ایک واقعات کی تحریر کے بعد متروک فرمادی گئی۔ حالانکہ اگر ترتیب واقعات میں تبدیلی منظور تھی تو وہ باسانی یوں ہو سکتی تھی کہ سلسلہ ہجری سے لیکر سلسلہ ہجری تک قریش کے ساتھ جتنے واقعات پیش آئے تھے وہ ایک سلسلہ میں بیان کر دیے جاتے۔ اس طرح سلسلہ ہجری سے لیکر سلسلہ ہجری تک یہودیوں کے جو واقعات ظہور پذیر ہوئے تھے۔ وہ دوسرے سلسلہ میں قلمبند کر دیے جاتے۔ تو یہ ترتیب بھی ایک قسم کی صحیح ترتیب تھی اور طرفین کے حالات دو واقعات بھی اپنے اپنے سن وقوع کے ساتھ صحیح طور پر بیان ہو جاتے۔ لیکن کمال افسوس تو یہ ہے کہ آپ دونوں ترتیبوں سے ایک ترتیب بھی قائم نہ کر سکے پہلے تو ارباب سیر کی نقل و تقلید سے اتصال و تسلسل واقعات میں فرق پڑنے کی وجہ دکھا کر انکار فرمادیا گیا لیکن جب آگے چلکر واقعات کے سن وقوع کی تقدیم و تاخیر کے نقائص پر نظر پڑی تو اس ترتیب جدید کی خرابی کا یقین آیا۔ اور فوراً متروک کر دی گئی اور انھیں سیرتوں کی ترتیبی سویتیں اختیار فرمائی گئیں۔ ان تمام بد ترتیبیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی سیرۃ النبی میں نہ قدیم سیرتوں کی پوری ترتیب باقی رہی اور نہ آپ کی جدید ترکیب خاص جو کچھ رہی۔ وہ غلط محبت کی صورت

باقی رہے ہم اور ہماری موجودہ ترتیب۔ تو یہی ہے جو تمام ارباب سیرۃ و تاریخ کی قدیم ترتیب ہے اس لئے کہ ہم سیرت کے موضوع پر تاریخی حالات دو واقعات لکھ رہے ہیں۔ ہمارے استنباط و استخراج انھیں ماضیوں سے ہونے چاہئیں۔ ممکن تھا کہ ہم انہیں کوئی ترتیب ایسی پیدا کرتے جیسی کہ ہم اوپر لکھ کر تباہ آئے ہیں جس سے تفصیل حالات دو واقعات اور ان کی تعیین اوقات و دونوں صحیح طور سے معلوم ہو جاتی لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس ترکیب سے ہمارے سلسلہ بیان میں ہوا ایک جدت یا نوعیت کے کوئی لطف خاص نہیں پیدا ہوتا۔ اور کچھ مجدد بننا منظور نہیں۔ اسلئے ہم نے سلف صالحین ہی کی تقلید کو اپنے لئے اور اپنی ترتیب کتاب کے لیے بہتر سمجھا۔ اور اسی کو اپنی کتاب میں قائم رکھا۔

## غزوہ بنی قنیقاع

اشوال سلسلہ ہجری

اشامہ بن ذراعہ کے پھر ہم اپنے سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں۔ ابن ہشام۔ غزوہ بنی سلیم یا غزوہ السوین کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔

انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس آئے۔ اور کوئی واقعہ پیش آیا  
درادین (ابن اشوال) ذی قعدہ دوسرے بار مدینہ ہی میں مقیم رہا اور  
مقیمین قریش کو فدیہ لیکر بافرمانیکے معاملات میں مصروف رہے

ثم رجع صلعم الى المدينة ولم يلق كيدا فقام  
بها باقية شوال وذی الحفدة واقدي فاقامة  
تلك حل الاسارى من قریش۔



مذکورہ بالا ایام قیام مدینہ میں یہودیوں نے بنی قینقاع کے مخالفانہ معاملات پیش ہوئے۔ اس جلد میں ہم اوپر یہودیوں کے حالات بیان کر چکے ہیں لیکن مناسبت مقام کی ضرورت پھر حکموانکے اعادہ کے لئے مجبور کرتی ہے۔

یہودیوں کے مخرب اخلاق یہودیوں کی غداری، بنا اعتباری اور سود خواری اور اسکے ذریعہ خاص سے عام مردم آزاری اسوقت

تمام قوموں کا مسلہ تھی لیکن انکا حد سے بڑھا ہوا متول ضرورت سے زائد خوشحالی ایسی تھی کہ

تمام قرب جو ارادہ گرد و نواح کے اقوام و قبائل ہمہ وقت انکے دست نگر تھے۔ اور اس بنا پر انکو

تمام باور پر پورا اختیار و اقتدار حاصل تھا۔ اور پھر اسی اقتدار کے ذریعہ سے انھوں نے بڑے بڑے تلے بنائے تھے۔ کثرت

سے سامان عرب و ضرب بھی جمع کر رکھے تھے۔ وہ شمار و تعداد کے لحاظ سے ہر مقام پر بجائے خود ایک۔ فوج کی فوج تھے۔ اور

اپنی ذمی انتہاری کے باعث اپنی قوم و قبائل کے علاوہ دیگر قبائل و قوم کے سیکڑوں لوگوں کو ایک اشارے میں

جمع کر لے سکتے تھے۔

مدینہ اور اسکا قرب و جوار اسوقت یہودیوں کی آبادی کا مرکز تھا۔ بنی قینقاع بنی نضیر خاص مدینہ کے مشاکیہ

قبائل یہود تھے۔ اور قبائل اسلام تو گویا مدینہ اور گرد و نواح تمام مقامات کے حاکم و مالک تھے۔ اوس و خزرج قبائل انصار

کوچ تو اپنے آپس کی جنگ و جدال اور زیادہ تر اپنی ناواہی کی وجہ سے بالکل ان کے زیر اثر آچکے تھے۔ اور گویا انکے مطیع و منقاد

بن چکے تھے۔

دنیاوی اقتدار کے ساتھ یہودیوں نے انصار پر اپنے دینی اثر بھی جمائے تھے۔ اس لئے کہ انصار بالکل جاہل قوم

تھے۔ اور عقائد میں بت پرست۔ یہودی پرہے لکھے تھے۔ اور اہل کتاب اسوجہ سے انصار اپنی جہالت کے باعث انکے

مروجہ عقائد کے بھی جلد زیر اثر آگئے۔ اور اپنی عقیدت و خلوص کو انکے ساتھ اس حد تک پہنچا دیا کہ ایک لادہ انصار

میت ماننے لگا کہ اگر اوسکے بچ پیدا ہو گا تو وہ یہود بنایا جائے گا۔

ایک واقعہ نگار کی حیثیت میں ہمارا فرض ہے کہ جب ہم یہودیوں کے اقتدار کی مہانتک حالت دکھلا چکے ہیں تو ان

ذمی اختیار اختیار لوگوں کے طور و اطوار طریق و مسالک کے جتنے جتنے حالات بھی بیان کر دیں۔ ہم اوپر انکی دینی اور دنیاوی

عظمت و ثروت دکھلا چکے۔ انکی اخلاقی صورت حال یہ ہے

اسلام اور اسکے پہلے تمام شریعتوں نے ضرورت سے زائد جمیع اہل اور اسکے ذریعے اقوال و افعال خصوصاً سود خواری

کے عالمگیر طریقہ مردم آزاری کو قطعاً ممنوع فرمادیا تھا۔ ایسے کہ اس سے اخلاق بگڑتے ہیں۔ اور دینی کی جگہ بیداری

رحم و مروت کے بدلے سنگینی اور شہوات پیدا ہوتی ہے۔ اور قومی و ملکی اصلاح و رفاه اور امن و امان کے قیام کے لئے یہ دولت

ثروت مفید کیا ہوگی۔ سخت مضر نقصان دہ اور تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ یہودیوں کی دولت مندی اسی نقطہ انتہائی

تک پہنچ چکی تھی۔

مدینہ کے یہود۔ لوگوں کی جائداد۔ اموال۔ گھر بار زیورات۔ متاع و اسباب غرض سب کچھ جب رہن رکھ چکے تو بال بچے اور عورت تک رہن کرانے پر آمادہ ہو گئے۔ اب یہ یمن وین اور کار و بار کا طریقہ نہیں رہا۔ بلکہ صاف صاف ملک و قوم کے تباہ و غارت کرنے کا ذریعہ بن گیا۔ جیسا کہ سبت جلد محمد بن مسلمہ۔ اور ابو عمار کے ساتھ کعب بن الاشرف یہودی کی گفتگو سے آگے ظاہر ہو جاوے گا۔ بچوں کو زیور پہنے ہوئے تنہائی میں اگر یہودی پالیتے تھے تو ان کے زیوروں کی قلیل رقم کی لالچ میں پڑ کر یہودی سے مار ڈالتے تھے اور زیور لے لیتے تھے۔

یہودیوں میں سود خواری سے زیادہ زنا کاری کا علم رواج تھا اور یہ بدکاری اور کاذب شعا رتھی اور یہ بد شکاری و بدکاری اور ان کی کثرت دولت کا نتیجہ تھی اور علی العموم دولت مند طبقہ کے لوگ اس فعل شنیع میں آلودہ ہوتے اور ان کی دولت و ثروت کی وجہ سے کسی فرد واحد کو ان کی سزا و تنبیہ پر جرات کیا ہوگی۔ ان پر نیکو اور ٹھکانے یا اعتراض کرنے کی تو مجال نہیں۔ ایک بار حضرت رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب آپ ان کی حرام کاریوں کی خبر سننے سنتے عاجز آ گئے تو ایک یہود سے پوچھا کہ کیا تو ریت میں زنا کی سزا صرف درہ لگانا ہے۔ یہودی نے کہا۔ نہیں حضور سنگاری زنا کی سزا لکھی ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ یہ فعل بد بہار سے شرفاء اور امرا قوم کی عادت عام ہو گئی ہے۔ اس لئے جب فی شریف یا امیر شخص مجرم ہو کر آیا چھوڑ دیا گیا۔ عام طبقہ کے مجرمین کو تحقیقاتاً تازیانے لگا کر چھڑ دیتے تھے۔ آخر کاری یہی تخفیف و ترسیم کی صورت حکم شریعت قرار پا گئی۔ اور شخص کے لئے خواہ وہ کسی طبقہ کا ہو اسی نصاب کے مطابق سزا دینے کا عام دستور ہو گیا۔ سیرۃ النبی ص ۲۹۰ بحوالہ اسباب نزول واحدی۔

قرآن مجید نے صاف صاف الفاظ میں ان کے اخلاقی معائب کو جدا جدا بیان کر دیا ہے۔ اور ہم ان کو کوشلی حساب کی سیرۃ النبی سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ سورہ مائدہ میں ہے۔

سَمْعُونَ لَكُذِبٌ وَ اَكْلُوْنَ لَشَعِثَ  
پھر سورہ مائدہ میں ارشاد کیا گیا ہے۔

وَقَرِي كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَسَارِعُونَ فِي الْاَلْسِنِ  
اور تم ان میں سے اکثر دن کو دیکھا ہو گا کہ گناہ اور تعدی کی طرف  
وَالْعُدْوَانِ  
بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں۔

سورہ نسا میں ارشاد ہوا ہے۔

وَ اَخَذِ هُمُ الرِّبَا وَقَدْ نَهَوْا عَنْهُ وَاَكْلَاهُمْ  
اور چونکہ یہ سود خواری کرتے ہیں حالانکہ ان کو سود خواری سے منع  
اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ۔  
کر دیا گیا تھا اور چونکہ یہ غیر دن کا مال خورد برد کر جاتے ہیں

سیرۃ النبی ج ۱ صفحہ ۲۹۱۔

قرآن مجید کی ان تصریحات جب ان کی بدکاریوں کی یوں کھلے کھلے الفاظ میں یہوری کردی تو یہودیوں کی مخالفت میں

سخت اشتعال پیدا ہو گئی۔ اسکے جواب میں انھوں نے انواع اقسام کی بدزبانوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص طور پر ایذا پہونچانے لگے۔ اور اہل اسلام کے قتل و غارت کی نئی نئی ترکیبیں سوچنے لگے اور ان کے ان جوروں کے مشاہدات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی صبر و سکوت سے کام لیا اور مسلمانوں کو بھی برابر خاموش رہنے کی ہدایت و رہائی جو عین مدد عاتے حکم الہی تھا۔

مشہور صحابہ حضرت عائشہ سے نقل فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے معمول کر لیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام علیکم کرتے تو بجائے اسلام علیکم کے اسلام علیک کہتے تھے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ تجھ کو موت آئے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ موجود تھیں۔ انھوں نے سنا تو انکو سخت غصہ آیا۔ اور بے اختیار ہو کر بول اٹھیں۔ لیکن چونکہ موت آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نرمی سے کام لو حضرت عائشہ نے کہا آپ نے سنا بھی کہ ان لوگوں نے کیا کہا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں لیکن یہ کافی ہے کہ میں نے علیک کہہ دیا سیرۃ النبی ص ۲۹۱ بحوالہ صحیح بخاری۔

قرآن مجید نے بھی انکی بدزبانوں کے عوض خاموشی اور سکوت اختیار فرمانے کی ایسے ہی ہدایت فرمائی ہے۔ اور وہ آل عمران رکوع ۱۹ کے مفصلہ ذیل آیت سے ظاہر ہے۔

وَلَسْمِعُوا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنْ الَّذِينَ أَنْزَلْنَا الذِّكْرَ إِذْ يَكْفُرُونَ بِهِمْ فَأَنْتُمْ أَكْثَرُ فَحْشًا  
اور اہل کتاب اور مشرکوں سے تم بہت سی ایذا کی باتیں سناؤ گے اور اگر صبر کرے رہو گے اور پرہیزگاری پر قائم رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

اسلام دنیا میں رحمت عام کا پیغام لیکر آیا تھا۔ باد و ستان رعایت باد و شمنان مدارا ہے۔ اس کا کام تھا اس نیا پر قرآن مجید نے اہل بدکاریوں کے اہلار سے قطع نظر کر کے مسلمانوں کو ان کے ساتھ مساویانہ اور مودافقانہ محاورے سلوک اختیار کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ ذیل کی آیت سے قرآنی سے اس پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

طَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ أَجَلَ لَكُمْ  
اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے

پہر ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ  
اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کا خیال کرو جو میں نے تم کو دین اور دنیا میں دیا ہے (کبھی تم کو تمام عالم پر فضیلت دیکھی تھی۔)

اسلام نے نہایت نرمی سے ان الفاظ میں تبلیغ کی آواز ان تک پہونچائی تھی۔ وہ الفاظ یہ ہیں

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا آيَةً بَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ

کہہ دو۔ اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ۔ جسکو ہم تم دونوں یکساں مانتے ہیں وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور انکی کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی کو اپنا

تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ  
 ہم تو مسلمان ہیں۔ سورہ آل عمران رکوع ۹۔

اسلام کی یہ رعایت۔ مسالک مساوات اور موافقانہ تعلقات قائم رکھے جانے کی غرض میں یہودیوں نے اسلام کے ساتھ کیا برتاؤ رکھے ہیں۔ قرآن مجید کے مفصلہ ذیل الفاظ میں انکی دین تصریح ہے۔

وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا أَهَؤُلَاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سُرُورًا  
 اور یہود کافروں کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ تو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبُّوا بِاللَّهِ  
 اور اہل کتاب میں ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو اتر رہا ہے اوپر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ۔ شاید کہ وہ لوگ (سمان) بھی پھر جائیں۔

یہ تو اسلام کے ساتھ تبلیغ اور دینی احکام و آئین کی تدوین کے متعلق یہودیوں کی مخالفت کی صورت حال تھی جو غرض لگی۔ اب بقلے اسلام اور مسلمانوں کی جان و مال کے قیام اور امن و آرام کی نسبت جو اس شریر الطبع قوم نے مفصلہ طریقے اختیار کئے انکی حقیقت حسب ذیل بیان کی جاتی ہے۔

اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ انصار مدینہ کا اسلام لانا اور جناب رسولی اعلیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں بلوانا۔ انکی ذمی قرار اور ذمی اثری کے لئے انکی سمجھ میں بہت ہی نقصان رسان ثابت ہوا۔ لیکن انھوں نے فوری مخالفت کو خلاف مصلحت سمجھ کر بالکل سکوت اختیار کر لیا۔ اور صرف سکوت ہی نہیں بلکہ اسلام کے ساتھ معاہدے میں شامل ہو کر اسکی رفاقت و حمایت کو بھی قبول کر لیا۔ اور جنگ بدر تک یہ زبانی رفاقت بنا ہی گئی۔ بدادین بھی انکی شرکت ویرانہ اور جان نثارانہ انداز سے نہیں تھی بلکہ محض تماشا سنانہ اور منافقانہ طریقہ سے۔ اور اس نمایشی مشارکت کے پردے میں وہ اندر ہی اندر استیصال اسلام اور مسلمانوں کے قتل عام کی ترکیبیں کر رہے تھے۔ اپنی اس ترکیب کی کامیابی کے لئے انھوں نے یہ تدبیر سوچنی کہ انصار کے وہ بڑے اور مشہور قبائل اوس و خزرج میں نا اہل قاتی پیدا کر نیکی کو ششیں شروع کر دیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے حامی اور مددگار یہی دو قبیلے ہیں اگر ان میں نا اہل قاتی ہو گئی۔ تو پھر اسلام میں مٹ کر ختم ہو جائیگا۔ عرب کی کینہ پرور طبیعت کا خاصہ تھا کہ وہ قدیم سرکے جنگ کے افسانوں کو سن کر سب بدمذہب پر جوش ہو جاتے تھے۔

یہودیوں کی مخالفت اسلام اس بنا پر یہ واقعہ ہوا کہ اوس و خزرج کے قبیلے کے بہت سے آدمی ایک جگہ جمع ہوئے آپس میں اور ہر اور کی باتیں کر رہے تھے۔ یہودی ایسے موقعوں کی تاک میں لگے رہتے تھے فوراً جا پہنچتے۔ اور انکی قدیم خانہ جنگوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ اور وہ کہیں خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا۔ پچھلے واقعات کا سننا تھا کہ فریقین میں قدیم جوش پھر تازہ ہو گئے۔



اور باتوں باتوں میں تکرار کرتے بڑھتے جا رہے تھے۔ ان کے گھینچ گھینچ گئیے۔ اب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فوراً موقع پر خیر پہنچ گئی آپ تشریف لائے اور ان کو ہندو مو غلط فرمائی۔ اور آتش فتنہ و فساد کو فرو کر دیا۔

قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا قَرِيقَاتِنَ الَّذِينَ  
أَوْثَرُوا الْكَيْبَ يُرَدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَا مِرْيَتٍ  
مسلمان اگر تم اہل کتاب کے بغض لوگوں کا کما مانوں گے۔ تو وہ تم کو ایمان لانے کے  
بعد پھر کافر بنا دیں گے۔ سیرۃ النبی ص ۹۳ بحوالہ اصحابہ

یہودیوں کی قریش کے ساتھ سازش کی حالت اور دکھلا چکی گئی ہے۔ عبداللہ بن ابی سلول کے ساتھ جمالت و مکالمت کی کیفیت بھی بیان ہو چکی ہے۔ ابھی ابھی ابوسفیان مقام کدر پر اپنا دستہ قوج چور اور راتوں رات چھپکا بدینہ بھونچا۔ اور سلام بن مشکم رئیس یہود کے ساتھ رات بھر صلاح و مشورت کو کے واپس جا چکا ہے اور مسکی حقیقت بھی اوپر ہم لکھ چکے ہیں۔

اس مشورت و صلاح سے پہلے۔ قریش کی یہ وہمی ان الفاظ میں یہودیوں کو پہنچ چکی تھی۔

انکم اهل الحلقه والحصون وانکم تقالئل صاجنا  
اولنفعن کذا ولا یحول بدینا و بدین خدم نساء  
تم لوگوں کے پاس اسلحات جنگ اور قلعہ جات میں۔ تم ہمارے حریف  
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑو۔ ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ۔ یہ کر نیکی  
اور کوئی چیز نہ ہو تمہاری عورتوں کے کپڑے تک پہنچنوں میں نہ روک سکی  
کمر شعی۔ سیرۃ النبی بحوالہ ابن داؤد۔

یہ تحریر صاف صاف بتلا رہی ہے کہ قریش سے خط و کتابت بلا بر جاری تھی اور ان کے اسلام کی غرض سے ریشہ و ایمان ہمیشہ قائم تھیں۔ اس آئینہ میں بدر کی عظیم الشان فتح نے یہودیوں کے تمام راز ہائے مخفی کا انکشاف کر دیا۔ اور اسلام کی مخالفت میں بالکل کھل پڑے۔ ان میں سب سے پہلے قبیلہ بنی قینقاع کے یہود۔ اسلام کے حریف بنکر سامنے آئے۔ جیسا کہ تمام محدثین و مورخین بالاتفاق لکھتے ہیں۔

ان بنی قینقاع کا تو اول یہود نفقوا ما بدینہما  
وبین رسول اللہ صاعدا و حادبا بین بدرا  
واحد۔  
بنو قینقاع پہلے یہودی تھے۔ جنہوں نے اوس معاہدے کو۔ جو  
اون میں اور آنحضرت صلعم کے درمیان تھا۔ توڑ ڈالا۔ اور بدر و  
احد کے درمیان میں مسلمانوں سے لڑ پڑے۔

بنی قینقاع کی خصوصیتیں ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ بدر میں یہودیوں کی شرکت منافقانہ اور ناشائیانہ تھی۔ چنانچہ ابن سعد بھی  
غزوہ بنی قینقاع کے ذکر میں میرے اس بیان کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

فلما کانت وقعہ بدر اظہر البغی والحسد و  
مبذ والعهد والمؤة  
واقعہ بدر ہی سے۔ یہودیوں نے شورش اور حرب کا اظہار کر دیا اور  
معاہدہ کو توڑا۔

رسالت کی حقیقت میں نگاہ نے اویس وقت سے انکار پہچان لیا تھا۔ اور معاودت بدر کے بعد سے ان کی خطر

بڑے حزم و احتیاط اور ہوشیاری اختیار کی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راتوں کو کہیں شہر میں آنے جانے سے پرہیز کر لیا تھا۔ رات کا آنا جانا بالکل موقوف کر دیا گیا تھا۔ اسلئے کہ یہودیوں کی طرف سے وقتاً بوقت اور جان کے خطرے کا خوف تھا۔ صحابہ پر بھی احتیاط کی تاکید تھی اور صحابہ ہی اس احتیاط کی وجہ سے واقف تھے۔ اور وہ بھی ہمیشہ احتیاط کیا کرتے تھے اور ہوشیار رہا کرتے تھے۔ چونکہ ہر صحابی کو رسول کی جان اپنی جان سے کہیں زیادہ عزیز تھی۔ اسلئے طلحہ بن یزید۔ انھیں ایام میں جب بیمار ہو کر قریب مرگ ہوئے تو انھوں نے اپنے اعزہ و احباب کو پاس بلا کر سب سے پہلے جو وصیت کی وہ نہ اہل و عیال کے متعلق تھی اور نہ اپنی جائیداد و اموال کی نسبت تھی۔ ان کے الفاظ یہ تھے: خیال رکھو! اگر مین رات کے وقت مرجاؤں تو تم لوگ ہرگز نہ گزراؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرے مرنے کی اطلاع نہ کرنا۔ اسلئے کہ اگر انکو اطلاع ہوئی اور آپ میری مشالعت جنازہ کی غرت بخشی کے قصد سے باہر نکلے تو مجھے یہودیوں کی طرف سے آپ پر وقوع ضرر کا خوف و اتانیش ہے۔ اس لئے مصلحت یہی ہے کہ انھیں اطلاع ہی نہ دی جائے اور تم سب مجھے ملکر دفن کر دو۔ سیرۃ النبی ص ۲۹۵ بحوالہ اصحابہ ابن حجر۔

بنی قینقاع کے بنی قینقاع یہودیوں کا بہت ہی خوشحال قبیلہ تھا۔ یہ لوگ زیورات کے بہت بڑے کاریگر تھے اور چاندی خاص بات سونے کے بہت بڑے دستکار اور اہل کار و بار تھے۔ ان کا بہت بڑا بازار مدینہ میں انھیں کئے نام سے مشہور تھا۔ اور سوق بنی قینقاع کہا جاتا تھا۔

بنی قینقاع نے مخالفت اسلام میں یون پیش رفت کی کہ انصار کے قبیلہ کی ایک عورت اپنی ضرورت سے سوق بنی قینقاع میں ایک یہودی کی دوکان پر گئی یہودی نے اس کے ساتھ جا ہانا مذاق کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ اسکی لاعلمی میں پیچھے آکر اس کے پیروں کا دامن اس طرح چاک کر دیا کہ جب وہ اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر واپس تو بالکل پریشان تھی۔ اگر دو ٹھٹھے ہی یہودیوں میں جتنے پڑ گئے اور سیکارڈن تالیان بج گئیں یہ غریب مفت مفت رسوا ہو گئی۔ اور گویا شرم سے مگر گئی بھرے مرو میں تنگی عورت۔ کیسی شرمناک بات ہے اتفاق سے ایک مسلمان بھی بازار میں وہیں سودا لے رہا تھا۔ اسکو یہودیوں کی اس حرکت ناگوار نہ آئی۔ یہ سخت طیش آگیا۔ اور اس نے اس شریر یہودی کو قتل کر ڈالا جس نے یہ حرکت کی تھی۔ یہودی کہیں دور تو تھے ہی نہیں فوراً جمع ہو گئے۔ اور اس کا قہقہہ قہقہہ کر ڈالا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ صدمہ و غم سے چناڑے صاحب کے ساتھ صرف نماز کی غرض سے خاص سے موقع پر تشریف لے گئے۔ اور یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ خدا سے ڈرو۔ ایسا ہو کہ تم لوگوں کو بھی بدر و الون کی طرح مصیبتیں پیش آئیں۔

اتنا سننا تھا کہ تمام یہودی چراغ پا ہو گئے۔ اور آتش غیظ و غضب میں جل کر نہایت دریدہ دہنی سے

ان الفاظ میں جواب دیے۔

يَا مُعْتَدِمُ اَنْتَ تَرَى اَنَا قَوْمَكَ لَا يَغْنَمُكَ اِنَّكَ لَقَبِيحٌ  
قَوْمًا اَلْعِلْمُ لَهَا بِالْحَرْبِ غَاصِبَةٌ مِنْهُمْ فِرْعَوْنُ  
اَنَا وَفُلَانٌ لَنْ حَارِبِنَا لَتَتَلَمَّنْ اَنَا نَحْنُ النَّاسُ  
ابن ہشام جلد دوم ص ۵۰

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم نے ہمکو بھی اپنی قوم کے لوگ سمجھا ہے اور اس  
مہر پریم مغرورہ بھوکہ تم کو ایک ایسی قوم سی سامنا ہوا تھا جو جنگ  
سے بالکل نلوا قف تھے۔ خدا کی قسم تمکو ہم سے پا لڑیگا تو معلوم  
ہو جائیگا کہ مردہم لوگ ہیں۔

یہودیوں کا صرف گستاخانہ جواب ہی نہ تھا بلکہ اسلام کے مقابلہ میں صاف صاف اعلان جنگ تھا۔  
چنانچہ ان مغرور شیوخ چشموں نے وہ عہد نامہ جو مسلمانوں کے ساتھ لکھا تھا۔ واپس کر دیا۔  
رحمت العلیین نے۔ وَاعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ جاہلون سے نہ اوجھو۔ کے حکم حکم پر نظر رکھا کھلی سکوت اختیار فرمایا  
اور بالکل خاموشی کے ساتھ موقع سے واپس آئے۔ مراجعت کے بعد فوراً فوج اسلامی سے قبیلہ بنی قینقاع کا محاصرہ  
کر لیا۔ اس لئے کہ اون کے روبرو روز بانی اعلانی جنگ کرنے اور پھر معاہدہ باخود ہا کے واپس دینے سے اصلاح و  
یکسوئی معاملات کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔

محاصرہ کو پورے پندرہ دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ یہودیوں کی تمام گرجوں میں ٹھنڈی ٹپڑ گیس گوانے کے قلعے  
ابھی تک بند تھے۔ لیکن اونکی بہت وجہات کے بند بند کھل گئے تھے۔ آخر کار تصفیہ پر راضی ہوئے۔ اور کھل بھیجا  
کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فیصلہ فرمائیں گے وہ ہمکو منظور ہوگا۔ آپ نے اونکے معاملہ میں خود فیصلہ  
فرمانے سے احتیاط کی اور عبداللہ بن ابی سلموں کو جو اونکا قدیم حلیف تھا اور آغاز محاصرہ سے اونکے معاملات کو  
تصفیہ سے طے کر دیے جانے کے لئے آنحضرت علیہ السلام کی خدمت میں برابر آرزو و منت کیا کرتا تھا حکم مقرر کر دیا۔ عبداللہ  
بن ابی نے اونکے جلاء وطن کر دیے جانے کا حکم سنایا۔ بنی قینقاع نے فیصلہ کا حکم منظور تو کر دیا۔ مگر عبادہ بن الصامت  
کو بھیج کر تین دن کی مہلت مانگی جو منظور کر لیں گی۔ تین دن کے بعد۔ یہ قبیلہ کا قبیلہ۔ جو شمار میں سات سو آدمی تھے۔ اور  
جن میں صرف تین سو جوانان زرہ پوش تھے۔ مدینہ کو خالی کر کے موضع درعات میں جو علاقہ شام میں داخل ہے چلے گئے  
جب قدر مال و اسباب وہ لیجا سکے ہمراہ لے گئے۔ جو چھوڑ گئے وہ مسلمانوں کو غنیمت میں حاصل ہوا۔ اموال  
غنیمت میں سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رقم خمس جدا کر لی۔ اور یہ پہلی رقم خمس تھی جو مال غنیمت  
سے علیحدہ کی گئی۔ اسکے بعد مال غنیمت تمام مسلمانوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ روضۃ الاحباب ص ۲۴۵

## سلسلہ ہجری

دقت کعب بن الاشرف یہودی۔ ربیع الآخر سنہ ہجری

کعب ابن اشرف یہودیوں میں یہ عجیب پایہ فساد تھا۔ بغارت کا پٹلا۔ اسلام کی مخالفت کا پورا مجسمہ۔ اس شریر انفس کا

عضو عضو فقہ انگیزی اور مفسدہ خیزی سے پڑتا تھا۔ سبباً عرب تھا اور سبباً یہودی۔ حقیقت یہی اسکی ہون ہے کہ ایک عرب اشرف نامی جو قبیلہ طے سے تھا۔ اتفاقاً یہودان بنی نضیر کا حلیف بن گیا۔ اور اس تعلق سے مدینہ میں اسکی آمد و رفت شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہودیوں میں اس کا اتنا اعزاز و اتنی اڑ بڑہ گیا کہ انہوں نے اسکو مستقل طور سے مدینہ میں بسا لیا۔ طرہ یہ ہوا کہ ابورافع بن ابی قحیف جو یہودیوں کا مذہبی مشیر اور تاجر الحجاز کی لقب اہمائی سے مشہور تھا۔ اپنی لڑکی بیابہ کی اب تو اشرف تمام اشرف یہود کا گویا تاجدار بن گیا۔ کعب اسی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا۔

کعب سن تین پر پہنچ کر اپنے باپ سے بھی۔ حرفت۔ فقہ انگیزی اور مفسدہ خیزی میں نمبر لے گیا۔ اور فن شاعری میں تو کامل نکلا۔ بہت بڑا سخن بیان اور فصیح اللسان مشہور ہوا۔ کعب نے اپنی شہرت کی موجودہ ذریعوں سے سب سے بڑی بات اپنے مقاصد کی کامیابی میں یہ پیدا کر لی کہ اس نے یہودیوں کے ساتھ اپنے تعلقات وسیع اور پراثر بناتے بناتے قریش کو بھی اپنے مراسم دار تھا طے سے اپنا مطیع و متعا و بنا لیا۔ ان تمام باتوں کے ساتھ اسلام کی مخالفت اور کلموں کے استعمال کے خیال بھی اسکے رگ و پے میں کوٹ کوٹ کر بھیرے تھے۔

کعب کی مخالفت اسلام کعب یہودیوں کا مذہبی پیشوا تو تھا ہی۔ اس نے مذہب یہود کی پوری تنظیم کی۔ مدینہ اور اس کے بیرونی مقامات میں علمائے یہود کے ماہانہ وظیفے مقرر کئے۔ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور اسلام کا چارون طرف چرچا ہوا تو ایک دفعہ علمائے یہود بیرونجات سے اس کے پاس مقررہ وظیفہ لینے آئے کعب نے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت دریافت کیا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ وہی نبی منظر ہے۔ جسکی آمد کی خبر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ اتنا سنا تھا کہ کعب جل اوٹھا۔ اور ان لوگوں سے کہہ دیا کہ تمہارے وظیفے بند۔ تم لوگ گھروٹ جاؤ۔ یہ علمائے یہود خالی اپنے گھر واپس آئے۔ پیٹ تو بڑی بڑی شے ہوتی ہے۔ آخر کار ناداری اور عسرت نے ایمان فروشی پر تیار کر دیا۔ اور بغیر گزارے یا وظیفہ کے گزارا نہیں دیکھا۔ تو پہلوٹ کر کعب کے پاس آئے اور اسکے آگے ان ایمان فروشوں نے ان الفاظ کے ساتھ دست سوال بڑھائے۔ زرقانی لکھتے ہیں۔

قالوا لہ انا اعجلنا فیما اخبناک بہ اوکلا ولما استبنا علمنا اننا اغلطنا و لیس هو المنتظر فوضی عنہم و صلہم کما قال ابن سعد۔ زرقانی اوکلو ویدے جیہ کہ ابن سعد نے بیان کیا ہے۔

اس نے مخالفت اسلام میں اسی پر کفایت میں کی۔ بلکہ جب قریش کے پاس کشتگان بد رکی تعزیت کی غرض سے مکہ پہنچا ہوا ہوشیاریان وغیرہ نے اس سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ ہمارا دین اچھا ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین اور ان دونوں میں تمہارے نزدیک کون سا دین بہتر ہے۔ اور ان میں سے کون سا دین حقیقت اور ہدایت سے قریب تر ہے۔



کعب نے کہا تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے اور زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ یہی واقعہ آیت **الْحَرُّ كَيْفَ الْوَكْرِ** کے نزول کا باعث ہوا۔ جیسا کہ عنقریب سلسلہ بیان سے ظاہر ہوگا۔ زرقانی ص ۱۲ ج ۲

یوں تو تمام یہودیوں میں بدر کی فتح نے عموماً آتشِ حسد بھڑکادی تھی لیکن وہ ان کے دلوں کے اندر ہی اندر سلگ رہی تھی لیکن خاص کر کعب کے جلنے انگارے ایسے بڑکے کہ آخر اسے باہر پھینچ لائے۔ کسی طرح گھر میں چھپ نہ لینے دیا۔ اور مدینہ سے مکہ میں پہنچا دیا۔ اور کشتگان بدر کا فوجہ خوان بنا کر صفِ ماتم میں بٹھلا دیا۔ شاعری میں کعب کی مضمون آفرینی تو مشہور تھی۔ اس نے کشتگان بدر کے خوب خوب مرثیے کہے اور ادب میں مخالفتِ اسلام کے خوب اشتعال انگیز پہلو نکالے۔ ابنِ ہشام نے اس موقع پر اس کی مختلف نظمیں لکھیں ہیں لیکن ہم ادب میں سے اس کی ایک نظم کے صرف دو چار اشعار نمونہ کے طور پر ذیل میں نقل کئے دیتے ہیں۔

|                                |  |
|--------------------------------|--|
| طحننت ریحی بدرا لمہلات اہلہ    | جنگ بدر کی چکی نے اہل بدر کو پیس بڑالا           |
| ولمشل بدرا تستهل وتدفع         | بدر جیسے ناوقات کے لئے رونا پٹنا چاہیے۔          |
| کو قد اصیب بلاء من ابیض ماجدا  | کتنے سفید شریف اور بارونق چہرے                   |
| ذی ہجۃ ناوی الیہ الضیع         | جنگِ یہاں بہت سے اہل حاجت پناہ لیتے تھے مارے گئے |
| لیزور یثرب بالجموع وانما       | اپنی فوج کے ساتھ مدینہ چلے چلو                   |
| عجمی علی الحساب الکریم الا ورع | اور عالیٰ خاندان صاحب ورع کی شان سے              |

(اپنے فرودوں کی) حمایت کرو۔ تاریخ ابن ہشام جلد دوم ص ۴۲

کعب کے یہ نوحوے ایسے پُروردہ نکلے۔ اور تمام قریش کو اتنے دلپسند ہوئے کہ گھر گھر میں اسے بلایا کر نظمیں پڑھوائی گئیں۔ ایسے ہی تمام قریش کے مجموعہ میں کعب جاتا رہا اور قروگان بدر پر آپ بھی رونا رہا۔ اور تمام مجمع کو رولاتا رہا۔

تاریخ الخمیس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نینہا مکہ میں نہیں گیا تھا بلکہ اپنے چالیس رفقا کا پورا دستہ ماتم بنا کر ہمراہ لے گیا تھا۔ ابوسفیان کا ہمان ہوا۔ اور اس کو ساتھ لے کر حرم میں آیا۔ اور سب نے حرم کا پردہ تمام کر قسم کھائی کہ کشتگان بدر کا مسلمانوں سے ضرور قصاص لینے کی غیبتی صاحبِ سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں۔

کعب نے انھیں شرارتوں پر کثافتا نہیں کی بلکہ قصہ کیا کہ جبکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرادے۔ علامہ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں بنو نضیر کے واقعہ میں لکھتے ہیں۔

|   |   |
|---|---|
| کعب بن الاشرف الیہودی الذی اراد ان یمکر | کعب بن الاشرف یہودی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو |
| میرسول اللہ صلعم                        | دھوکے سے قتل کروینا چاہا تھا۔                               |

اس روایت کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ابن حجر نے (ذکر کعب بن اشرف میں) عکرمہ کی سند سے نقل کی ہے کہ کعب نے آنحضرت (صلیہ وسلم) کو دعوت میں بلایا اور لوگوں کو معین کر دیا کہ جب آپ تشریف لائیں تو وہ ہو کے آپ کو ہلاک کر دیں۔ حافظ ابن حجر نے نو لکھا ہے کہ اس روایت کی سند میں ضعف ہے۔ لیکن جیب قرآن اور دیگر شواہد موجود ہیں تو یہ ضعف رفع ہو جاتا ہے۔ ص ۲۹۸

مکہ میں جو اسٹیشن اشتعال انگیزی کی اسکی تفصیل حالت ہم اور پر لکھ کر کھلا چکے ہیں کعب مکہ سے مدینہ میں آیا۔ تو پھر اسلام کی آہ میں اشعار لکھنے کی مشق شروع کر دی اور ابلی بارہت طبع کا یہ نمونہ دکھلایا کہ مسلمان عورتوں کی شان میں مختلف گیتیں تیار کیں۔ اور انہیں حج بھر بھر کے اذکی پر وہ درزی اور عیب جوئی سے کام لیا۔ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

نشر جمع الی کعب المدینۃ فسیب بفساد المسلمین حتی اذا هم  
کعب مدینہ میں آیا اور مسلمان عورتوں کی گیتیں تیار کیں اور  
لیان تک کہ انکو ایذا پہنچائی۔ ص ۳۰۰ جلد دوم  
مکہ ہی سے اسکی زبان خواتین اسلام کی طرف تیز ہو گئی تھی۔ چنانچہ شکست بدر کی نظموں میں اس نے ام الفضل  
حضرت عباس کی زوجہ محترمہ کی طرف خطاب کر کے یہ شعر کہا تھا۔

اد احل انت لہ مرحل بمنقہ  
وتارکات ام الفضل بالمحرم  
۱۔ موت تو بدر کا میدان (منقہ) میں کیوں بیٹھ رہی  
اور تو نے ام الفضل کو حرم میں کیوں (زندہ) چھوڑ دیا  
زرقانی ص ۱۰ جلد دوم باسناد و روش الاف سیلی۔

حقیقت میں کعب کے جو ایم اب اس حد تک بڑے گہرے تھے کہ کوئی قانون خواہ اخلاقی ہوں یا قومی۔ تحمل برداشت  
کی زیادہ اجازت نہیں دیتا بلکہ نئے نئے قورسی کا حکم لگاتا۔ اس لئے کہ اب اسکی ناپاک ہستی سے دوسرے پاک نفوس کے  
امن وامان میں سخت نقصان پہنچنے کا پورا یقین ہو چکا تھا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس شرارت۔ فتنہ انگیزی  
اور اشتعال طبعی کی حرکتوں کو دیکھ کر عاجز آ گئے۔ اور خدا سے سبجائے تعالیٰ کی جناب میں یوں دعا فرماتے لگے۔

اللّٰهُمَّ اَكْفِنِي رِيَاةَ شَرِّ بَنِي سَيْفٍ فِي  
الْعِلَالَةِ الْمَشْرِ  
پروردگار اب تو ابن اشرف کے انکارِ شر و فساد سے مجھے  
بچالے۔

یہ مسلم ہے کہ جب انسان کی تمام امکانات قویٰ میں کسی امر میں عاجز رہ جاتی ہیں تب وہ اس امر کو خدا کی طرف رجوع  
کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہی ضرورت پیش آئی مجیب الدعوات نے اسی وقت رسول اللہ  
صلیہ وسلم کی اس دعا پر لبیک کہی۔ اور ابن اشرف کے متعلق ان الفاظ قرآن میں نزلے عافی کی طرف اشارت فرمائی۔ امام  
تسلائی موابہ لدنیہ تحریر فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا صَاحِبَهُ وَقَدْ أَخْبَرَنِي اللَّهُ  
بَذَلِكَ قَدْ قَرَأَ عَلَى رُؤُسِ الْمُسْلِمِينَ - أَكْثَرًا  
إِلَى الَّذِينَ أَوْفَوْا نَصِيحَاتٍ مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْحَيَاتِ  
وَالطَّاعُونَ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ لَا يَهْدِي  
إِلَهُهُ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا أُولَئِكَ الَّذِينَ  
أَقْنَمَهُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَعَلَّ اللَّهُ لَهُ لَنِيْلًا

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً صحابہ کرام کو مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم لو اس معاملہ (سواء کعب) کو موقوف  
خدا کا حکم مل گیا اور اسی وقت آپ نے یہ آیت پوری تمام مسلمانوں  
کو پڑھ کر سنائی کہ تم انہیں دیکھتے ہو اور ان لوگوں کو جو کہ کتاب خدا کا  
کچھ حصہ ملا ہے کہ وہ حبیب و طاعت پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں  
سے کہتے ہیں کہ تم ان لوگوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو جو لوگ خدا اور

اس کی راہ میں ایمان لائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے نعمت فرمائی اور جن پر خدا لعنت فرماتا ہے۔ انکو لئے کوئی معین نہ ہوگا۔ انہیں  
نزدول حکم کو وقت۔ محمد بن مسلمہ۔ ایک خوش عقیدت صحابی حاضر خدمت تھے۔ عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ  
کیا آپ چاہتے ہیں وہ مغفرت ختم کر دیا جائے۔ تو میں اس خدمت کی انجام دہی کو حاضر ہوں اور اس بلا سے بے دربان  
کو سلام اور اہل اسلام کے سر سے نالہ دیش پر طیار ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے منظور ہے۔ لیکن اس امر میں عجلت نہ کرو۔ سعد  
بن معاذ سے مشورہ کر لو۔ چنانچہ سعدؓ کی رائے سن کر اس کے پاس غلہ وغیرہ قرض لینے کے حیلہ سے جاؤ۔ وہ قرض کا  
نام سنتے ہی اپنے قلم سے باہر آ جاؤ گا۔ تم اپنا کام کر لینا۔

محمد بن مسلمہ نے اپنے اس مشیر سے ابن ابونائلہ۔ عباد بن شبر۔ حارث بن اسد بن معاذ۔ اور ابو جحیس بن  
عبید بن جراح ان انصار کو شریک کر لیا تھا اور اس مہم کی انجام دہی میں انکو اپنا رفیق بنالیا تھا۔ مورخین و  
محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ پانچوں انصار تھے اور قبیلہ اس کی یادگار۔ ان میں سے کوئی بھی کسی دوسری قوم  
قبیلہ کا آدمی نہیں تھا۔

محمد بن مسلمہ نے اس مہم کو کیوں اپنے ذمہ لیا تھا۔ اسوجہ سے کہ واقف ہی کی روایت و مطابق محمد کعب کا رضاعی  
بھائی تھا۔ لیکن آندری کے خلاف تمام مورخین و اہل سیرت اور نیز علمائے محدثین نے ابونائلہ کو کعب کا رضاعی بھائی قرار  
دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابونائلہ اسلام لانے سے پہلے کعب کا ندیم خاص تھا۔ اسلام کے بعد آپس میں جدائی ہو گئی۔  
محمد بن مسلمہ نے پہلے۔ دن کے وقت ابونائلہ کو کعب کے پاس اسکی دلجوئی کرنے اور استمراج لینے کے عرض  
کئے۔ ابونائلہ پہنچا۔ کعب نے بڑے خلوص سے اسکی خاطر و مدارات کی۔ اور دیر تک آپس میں شعر خوانی ہوتی رہی  
پھر ابونائلہ نے اپنے درعائے بیان کو اس عنوان سے شروع کیا۔

بھائی کیا کہیں اس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آتا تو ہم لوگوں کیلئے بلائے جان ہو گیا۔ تمام عرب ہمارے دشمن ہو کر  
ہم سے جنگ و قتال پر آمادہ اور مستعد ہو گئے۔ اور ایک کمان سے ہم پر تیر چلانے لگے۔ ہماری تجارت اور کاروبار کی تمام  
راہیں بند کر دیں۔ اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ حال ہو کہ ہمارے پاس تو خود کمانے کو نہیں ہے۔ ہمسہم انکو دین تو

کمان سے۔ یہ ہیں کہ ہم سے ہمیشہ وصولی ہی کی فکر میں ہیں یہ سن کر کعب بولا۔ ابھی کیا ہوا ہے۔ اس سے بڑھ کر ہلاک و مصیبت میں پرو گئے۔ مگر بھائی یہ بتلاؤ کہ ان مشاہدات مخالف کے بعد بھی مدینہ والوں کے خیال محمد صلعم کی طرف سے کیسے ہیں؟ ابونا نلکہ نے کہا کہ ظن غالب یہ ہے کہ اونکی حمایت سے لوگ دست بردار ہو جائیں اور ان سے دوری اختیار کریں گے۔ لیکن بات یہ ہے کہ ابھی ابھی ان سے عہد و پیمان کر چکے ہیں۔ اسوجہ سے عجلت کرنا نہیں چاہتے۔ یہ سن کر کعب بہت ہی مہم زور ہوا۔ ابونا نلکہ نے کہا محمد صلعم کی نسبت تمہیں میرے ذاتی خیانات تو معلوم ہو چکے اب تمکو یہ بھی بتا دیتے ہیں اور اہل حقین ہے کہ تم اسے سن کر بہت خوش ہو گے کہ میں نے اپنے اس خیالی میں اکثر لوگوں کو شریک کر لیا ہے۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ۔ عباؤ بن بشر۔ عائشہ ابن اوس بن معاذ۔ اور ابو عیس۔ یہ تمام لوگ میرے ہم خیال اور ہم راے ہو چکے ہیں اور ہمارے ان تمام دوستوں کو اپنی عسرت و ناداری کی موجودہ حالت میں تمہاری استعانت و مددگاری کی ضرورت پیش آگئی ہے۔ اور ہم اسوقت اسی ضرورت کی وجہ سے تمہارے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ کعب نے کہا تمکو کیا ضرورت ہے اگر قرض لینا چاہتے ہو تو اپنی بی بیوں کو رہن رکھ دو۔ ابونا نلکہ نے کہا ہمیں بی بیوں کے رہن میں صرف یہ تامل ہے کہ تم ماشار اللہ جیسے صاحب حسن و جمال ہو وہ روشن ہے۔ ہماری پیچیدان تمہارے حسن و جمال کے مقابلہ میں اپنی عصمت و وفا پر قائم نہ رہ سکیں گی۔ کعب بولا۔ اچھا اگر کوں کو گروی رکھ دو۔ ابونا نلکہ بولا کہ میں بھی شہادت دنیا کی وجہ سے تامل ہے۔ دنیا کیسکی کہ جن بچوں کے واسطے قرض لینے گئے۔ انھیں کو گرو رکھ آئے۔ پھر قرض لیا بھی تو کس کے لئے۔ ہاں ان دنوں چیزوں کی جگہ اگر تم ہمارے اسلحات کو رہن کر کے قرضہ دینے کا وعدہ کرو تو ہلوگ رات کو اپنے اسلحات لیکر تمہارے پاس آئیں یہ بھی تمکو معلوم ہے کہ آجکل چاروں طرف جنگ و قتال کی خبریں باگرم شہر پہنچنے سے انسانکو عموماً اسلحات کی کتنی ضرورت ہوتی ہے یہ سن کر کعب نے کہا اچھا اپنے اپنے اسلحات لے کر تم لوگ رات کو آنا۔

ابونا نلکہ یہ قول و قرار لے کر کعب سے رخصت ہوا۔ اپنے رفقا سے ملا۔ اور ساری سرگزشت شادی پر یہ لوگ ملکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور رو کیا و عرض کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

انطلقوا بسم اللہ اللہ اعینکم | خدا کا نام لیکر جاؤ۔ خدا تمہاری اعانت فرمے گا

رات ہوئی تو یہ لوگ حصار کعب کی طرف روانہ ہوئے۔ حسن اتفاق سے مدینہ کی جو وہوین تاریخ تھی اور رات بھر کی چاندنی۔ یہ لوگ چلے تو چاروں طرف میدان میں چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ رات کا ہیکو اچھا خاصہ دن تھا یہ پانچون جوان انصار کعب کے دروازے پر پہنچے۔ آواز دی۔ کعب اسوقت عیش و عشرت کے عالم خاص میں غرق تھا اور دولہ بنا ہوا تھا۔ حین ترین عرب کی ایک دو شیرازہ لڑکی سے اسی دن نکاح کیا تھا۔ وہ حینہ تو عطریات اور دیگر خوشبوئیات میں ڈوبی ہوئی پوری ہوس نو بہار بنی تھی اسی کے ساتھ یہ بھی کپڑوں اور بالوں میں عطریات و خوشبوئیات لگائے اور اس کے پھلوں میں لڑا گلہ بے بیٹھے تھے۔ آواز سن کر فوراً چلنے لگے۔ بی بی نے منع کیا اور ہونے لگا جانے دو۔ ہمارے بھائی اور احباب



بلاتے ہیں وہ بولی۔ کہتی ہوں۔ بجاؤ۔ مجھ کو انکی آواز سے بولے شراست آتی ہے۔ کعب نے کہا، نہیں۔ کوئی غیر ہمیں سب اپنے ہیں۔ ان میں میرا رضاعی بھائی ابونا مکہ بھی موجود ہے اور وہ اس قدر میرے آرام کا خواہاں ہے کہ اگر سخت ضرورت کے وقت بھی مجھے سوتا ہوا پائے تو کبھی نہ جگاے۔ تو پھر ایسے لوگوں سے اندیشہ کیسا؟ بی بی بولی۔ یہ سب صحیح ہے۔ مگر میں کہتی ہوں تم نہ جاؤ۔ ضرر خطرہ ہے۔ کعب نے کہا۔ تم کیسا بے معنی اصرار کرتی ہو۔ تم نہیں جانتی ہو ہم ان لوگوں سے وعدہ کر چکے ہیں۔ اور شرفا کے لئے ایفائے وعدہ فرض اولین ہے۔ یہ کہا اندر بی بی سے دامن چڑا کر فائدہ کے نیچے اتر آیا۔ اس اثنائیں محمد بن مسلمہ نے اپنے ہمراہیوں سے یہ کرب کعب کی ٹھہرالی کہ میں اس کے لمبے بال پکڑ لوں گا اور اشارہ کر دوں گا تم تم لو اس لیکر ٹوٹ پڑنا۔

کعب نیچے آتے ہی ان لوگوں سے بلا تکلف ملا تھوڑی دیر تک باہمانہ مراسم تعظیم و تکریم ہوتے رہے اس اثنائیں ابونا مکہ نے کہا۔ کعب کیا اچھی چاندنی ہے۔ کیا تم شب ماہ کی لطف انگیز یون کی سیر کرنا نہیں چاہتے؟ آؤ بیٹے ہو بیڑہ چھوڑا ایک قریب کے کوئین کا نام ہے۔ تاک چلین۔ چاندنی کا لطف اٹھائیں اور باہم گفتگو کا خطا حاصل کریں۔ کعب نے کہا۔ ہاں ہاں چلو۔ غرض سب ملکر خرامان خرامان چلے۔

اس اثنائیں محمد بن مسلمہ نے کہا۔ کعب۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تم سر پا عطر ہو رہے ہو۔ اور ایسی خوشبو تم سے فوت آرہی ہے کہ میں نے تو آج تک ایسی خوشبو نہیں سونگھی تھی۔ لاؤ ذرا اپنے بال تو مجھے سونگھنے دو۔ کعب نے بڑا دلے۔ محمد نے خود بھی سونگھے اور ہمراہیوں کو بھی سونگھائے۔ پھر چھوڑ دیئے۔ اور پھر باتون کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر محمد نے بال سونگھنے کی خواہش کی کعب نے پھر کاکل بڑا دیئے۔ ابکی بار محمد نے اس کے بالوں کو مضبوطی سے اپنی کلائی پر پکڑ لیا۔ اور رفقا کو اشارہ کیا۔ وہ تلواریں لے کر ٹوٹ پڑے۔ لیکن اتفاق سے کوئی تلوار کام نہیں کرتی تھی۔ محمد نے دیکھا دیر ہو رہی ہے فوراً قزولنی نکالی اور اس کے پیٹ پر رکھ کر پوری نیچے اتار دی کعب نے ایک ایسی چیخ ماری کہ اس پاس کے تمام یہودیوں کے قلعوں میں اسکی آواز پہنچ گئی۔

اسکی بی بی نے کھڑے ہو کر یا آل نصیر۔ یا بنی قریظہ کے نعرے مار کر حمایت طلب کی۔ اور انصار کعب کا سر کاٹ کر چلتے ہوئے جلدی میں حارث کو اپنی تلوار سے خود خفیف سا زخم لگ گیا تھا۔

یہودیوں نے انصار کا فوراً تعاقب کیا۔ مگر یہ لوگ راہ کاٹ کر دوسری راہ سے اپنے مقام پر پہنچ گئے اور فوراً خدمت رسول صلعم میں حاضر ہو کر کعب کا ناپاک سراپے مٹھ پڑا دیا۔ آپ نے تبسم فرما کر انصار کے چہروں کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا افلحت الوجہ کیسے خوشحال اور لباش چہرے ہیں۔ عقیدت مندین نے فوراً عرض کی وجہلت یا رسول اللہ حضور کا چہرہ مبارک بھی یا رسول اللہ اسکے بعد آپ نے فوراً سجدہ شکر ادا فرمایا اور حارث کے موضع زخم پر لعاب دہن لگا دیا وہ فوراً اچھا ہو گیا۔

صبح کو کعب کے قبیلے والے دربار رسالت میں مستغیث بنکر حاضر ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: 'وہ مستوجب القتل تھا دین خدا کی اہانت کرتا تھا۔ مسلمان مرد و عورتوں کی ہجو کرتا تھا اور مسلمانوں کے قتل پر دوسری قوموں کو براہ کھینچتا کرتا تھا۔ اس کا قتل مسلمانوں پر واجب تھا۔ اگر اس کے بعد اب تم لوگ کسی مفید کام کا قصد کرو گے تو تم بھی سزا پاؤ گے۔ یہودی کو بنی قینقاع کا نتیجہ پیش نظر آگیا۔ ان کے ہوش و حواس اڑ گئے اور اسلام کے ساتھ معاہدہ صلح لکھنے پر آمادہ ہو گئے۔ آپ نے حضرت علی سے یہ صلح نامہ لکھوا کر انھیں کے پاس رکھا دیا۔ مزدقانی جلد دوم ص ۱۲ بحوالہ ابن سعد۔

شبلی صاحب غوثانہ اختصار شبلی صاحب نے اس واقعہ کو ضرورتاً اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ اور اختصار بھی ایسا جو بالکل واقعہ کی تلخیص ہے اور وہ بھی اس انداز سے تحریر فرمائی گئی ہے کہ گویا کعب کا قتل محمد بن مسلمہ وغیرہم کی اپنی رائے و تجویز کا مقتضا تھا۔ خدا یا رسول کا منشاء نہیں تھا اسی وجہ سے آپ نے اس واقعہ کے متعلق اس آیت قرآنی کو نہیں لکھا جس سے قتل کعب کا حکم مستنبط ہے اور جنکو ہم مفسرین و محدثین کے اسناد و متفقہ سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ سادہ نزول حکم کے وقت جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام مسلمانوں کو اس سے آگاہ و مطلع فرما دینا بھی عقل کر کے ہیں اس شریر النفس یہودی کے جتنے جرائم تھے انکو شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے اور ان سے زیادہ میں نے لکھ کر بتلادیا، پھر ان تصریحات کے بعد۔ آپ کا اس واقعہ کو اختصار و تلخیص کے ساتھ اس انداز سے لکھنا کہ رسول ص اس کے حکم و عمل سے بال بال الگ دکھائی دین۔ کس سبب سے ہے؟

سبب خاص تو وہی معلوم ہوتا ہے کہ معتز ضنین اور خصوصاً عیسائی مؤلفین کے اعتراف کا قدیم خوف پھر عائد حال ہو گیا کہ وہ کہیں گے کہ مسلمانوں نے حکم رسول سے کعب کو ظلم و جبر اور جلیہ و عذرت سے قتل کر ڈالا۔ اسی خوف کے خاموش اثر سے جسکو آپ ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ نے اپنی کتاب میں تلمیحی عبارت لکھ دی ہے جسکو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ارباب روایت نے لکھا ہے کہ محمد بن مسلمہ نے آپ کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ ہجو کچھ کہنے کی اجازت دیجائے۔ ارباب سیر نے اس کے یہی لگائے ہیں کہ اونھوں نے جھوٹ بات کہنے کی اجازت مانگی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دیدی۔ اَلْحَرَبُ بِخَدَائِهِ یعنی لڑائی میں دھوکا دینا جائز ہے۔ لیکن بخاری کی روایت میں یہ لفظ اَذِنَ لَنَا فَلْنَقُلْ یعنی ہجو اجازت دی کہ ہم گفتگو کریں۔ اس سے غلط گوئی کمان نکلتی ہے۔ سیرۃ النبوی ص ۲۹

ح۔ نشانہ ہونگے ہمیں تیر جس کمان سے چلے۔ شبلی صاحب کے نزدیک تمام باتوں کے بگاڑنے والے اہل سیرت ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن میری تحقیق میں علی الاثر حضرات محدثین ہی ان غلط فہمیوں کے پھیلانے کے باعث قرار پاؤ ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جتنی کثیر العدد و کتاہن حدیثوں میں لکھی گئی ہیں اتنی سیرت میں نہیں۔ چنانچہ اس واقعہ میں شرح مزدقانی صفحہ ۱۲۱ پر دیکھ لیں جہاں کہ اَلْحَرَبُ بِخَدَائِهِ کے مسلک کے تسلیم کرنے والے کتنے محدثین کرام ثابت ہوتے ہیں پھر

تمہا اہل سیرت کو لازم بنانا کیسا؟ اور انہیں خُذْعۃ کے مسئلہ صحیحہ سے آپ کو انکار کیوں ہے؟

یہ مسئلہ متفقہ صرف حکم شریعت ہی کے مطابق نہیں ہے۔ بلکہ قانون فطرت کے بالکل موافق۔ ہر قوم و ملت کے آگے ثابت ہو چکا ہے اور ابتداء عالم سے لے کر اس دم تک ہر قوم و ملک اور ملت و مذہب میں اس پر عمل درآمد جاری رہا اگر آپ اس مسئلہ سے انکار کریں گے تو پھر آپ کو واقعہ ہجرت میں فرشتہ خواب پر حضرت علیؑ کو سلام دینے اور رسول اللہؐ کے یوں مخفی طور سے چل جانے۔ اور اس موقعہ پر خدا کے اس عملی حکم فرمانے۔

وَرَأَيْتُكَ يَا مُحَمَّدُ الْكَافِرُ وَالْكَافِرُ الْكَافِرُ وَالْكَافِرُ الْكَافِرُ  
يَقْتُلُونَ أَوْ يَحْجُونَ جَوْلَ وَيَكْفُرُونَ وَيَكْفُرُونَ  
اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَا كَرِينِ

جس وقت کافر لوگ تم سے لڑ کر رہے تھے کہ تم کو قتل کریں یا قتل کر دیں  
یا خارج البلد کر دیں۔ اور وہ لڑ کر رہے تھے۔ اور خداؤں کے لڑ کر  
جواب دیتا تھا اور وہ بہتر جواب دینے والا ہے مگر کرنا بولوں کا۔

کے جواب معقول پیش کر نیکی لئے بھی تیار ہو جانا چاہیے

یہ سب توہمات ہیں۔ جو شبہات و قیاسات سے بھی تخیلات انسانی کے دائرے میں فروتر ہیں ہم نے اس واقعہ کے ذکر و نقل میں پہلے ہی آپ کے اس اختصار و تلخیص کے سبب اصلی کو پالیا ہے اور اسی وجہ خاص سے قتل کعب کے واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ بالکل خدا و رسولؐ کے مطابق ہونا۔ تمام اسناد و صحیحہ و شہود و قویہ سے ثابت کر دیا ہے اور پوری توجہ و تصریح کے ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ کعب کی مخالفت اسلام۔ اندلے رسول انام اشتعال قریش۔ تہک ناموس مسلمانان۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ناقابل عفو جرائم تھے جنکی نذر سوائے قتل کے دوسری نہیں ہو سکتی تھی اور وہی منشاء قدرت بھی تھی۔ اور اسی کے مطابق تفصیل سمجھی لگنی۔

باقی رہی تفصیل کی صورت۔ جسہ شہنشاہ صاحب کی نظر پڑی ہے۔ اور دوسروں کی نظر پڑنے کا بھی خوف ہے اسکی حقیقت یہ ہے کہ کعب کے ساتھ شکر تو تھا ہی نہیں۔ جسکے لئے ہمراہی شکر مقابلہ کی ضرورت ہوتی اور اسلامان حرب و ضرر درست کرنے ہوتے۔ صرف اس کی ایک ناپاک ہستی کو ختم کر دینا تھا کہ مفسدون کے دروازے بند ہو جائیں۔ اس بنا پر اس کو صرف قتل کر دینا تھا اور جب اسکا اصل قتل حکم خدا و رسولؐ سے مستحکم ہو چکا تھا تو اس کی صورت ظاہری اور اسکے اقسام و اطراف کی جزئیات سے بحث کرنا محض بیکار ہے۔

قتل ابورافع | کعب کی طرح ابورافع۔ سلام بن ابی بختین۔ یہودی۔ بھی سخت ترین دشمن اسلام تھا۔ جرم و مجرم کی حقیقت سلام بن ابی بختین و مقدار جب یکساں تھی تو اصول مساوات کی بنا پر صورت سزا بھی مساوی ہونی چاہئے۔ لہذا ابورافع نے یہودی بھی جیسا نام سلام بن ابی بختین یہودی تھا۔ اپنے مظالم کے آخر نتیجے ویسے ہی دیکھے جیسے کعب بن اشہب نے تفصیل آگے آتی ہے۔

قتل ابورافع کے تعیین وقت کی نسبت۔ تمہا اہل تاریخ و سیرت ہی میں اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ محدثین میں بھی

زرقانی جلد دوم ص ۱۹۰ میں یہ تمام اقوال جمع کر دیئے ہیں۔ اور انکی تمجید سے جس زمانہ خاص کو مختار قرار دیا ہے وہ حافظ ابن حجر صاحب کے مختار کے موافق جاوی الاولیٰ (قتل کعب سے دو مہینہ بعد) مسلمہ ہجری ہونا ہے۔ اور اسی کو امام المورخین ابن جریر طبری اور رئیس المحدثین حافظ جمال الدین محدث شیرازی نے بھی اپنا قول مختار قرار دیا ہے۔ یہم اسکی تفصیل کو کتب صحاح اور طبری کے ماخذ متفقہ سے ترجمہ کر کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

کعب کے واقعہ میں ابورہمان ہو چکا ہے کہ اسکے قتل میں صرف قبیلہ کے اوس کے جوانان انصار شریک تھے اور کوئی دوسری قوم قبیلے کے لوگ نہیں تھے۔ یہاں تک کہ انکے ہمسر و ہمچشم قبیلہ خزرج کا ایک فرد واحد بھی شامل نہیں تھا۔ قبیلہ اوس کے اس مخصوص حسن خدمت کے مشاہدے سے قبیلہ خزرج کے انصار کو ایک گونہ مخلصانہ اور عقیدہ مندانہ رشک پیدا ہوا اور وہ سمجھے کہ خدمت اسلام کے متعلق قبیلہ والے ہم سے بقت لے گئے اس بنا پر ابورافع کی مہم کو حاصل کرنے کی خصوصیت کے مستحق ہوئے۔

تاریخ و حدیث و دونوں کے شواہد بتلا رہے ہیں کہ کعب اور سلام یہ دونوں سرداران یہود اسلام کے زبردست اور طاقتور دشمن تھے۔ صرف دشمن ہی نہیں بلکہ اپنی نسا و انگیزوں سے دوسری قوم و قبیلے کے لوگوں کو دشمن بنانے والے مخالفت اسلام اور ایذا سے رسول انام علیہ السلام میں دونوں کے حرکات برابر تھے۔ کعب اگر تقریر سے دیگر اقوام و قبائل کو اسلام کا دشمن بناتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچاتا تھا۔ تو ابورافع اپنی دولت کثیر سے مخالفت اسلام اور ایذا سے رسول کے مفاد و مظالم بپا کرتا تھا۔ کعب کا تو خاتمہ ہو گیا تھا۔ لیکن اسکی موجودگی سے ابھی دسی ہی اندیشے لگے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں یمنیان خزرج نے اس حسن خدمات کی انجام دہی کے لئے عرض خدمت کی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دیدی۔

اجازت لیکر پانچ ولیز اور پڑھت جوان۔ عبد اللہ بن عتیک اور عبد اللہ بن انیس۔ عبد اللہ بن عقبہ ابو قتادہ اور ایک شخص جو خزرج کا حلیف تھا۔ اس مہم کی انجام دہی پر روانہ ہوئے۔ جس طرح محمد بن مسلمہ کعب کے واقعہ میں اپنے ہمراہیوں کا انسہ تھا۔ اوس طرح عبد اللہ بن عتیک اپنے ہمراہیوں کا موجودہ مہم میں حاکم مقرر ہوا۔ چنانچہ اہل تاریخ و سیرت نے کعب کے واقعہ کو سر یہ محمد بن مسلمہ کے نام سے اور ابورافع کے موجودہ واقعہ کو سر یہ عبد اللہ بن عتیک کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ان دونوں واقعات میں ہر قرینہ سے پوری مماثلت ثابت ہوتی ہے لیکن موقع ظن البتہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ کعب کا حصار مدینہ سے بالکل قریب تھا۔ اور ابورافع جو کناہ بن ابی الحقیق (شوہر اول حضرت صفیہ) کا اپنا بھائی تھا۔ خیبر کے قریب جا بسا تھا۔ اور عین قریش کی راستہ پر اسکا حصار واقع تھا۔ اور وہیں اسکی تجارت کے مال خانے بھی تھے۔ یہ دونوں بھائی۔ کناہ اور ابورافع بڑے کثیر المایہ تجارت تھے۔ اور چونکہ تمام علاقہ حجاز کی تجارت اسکے ہاتھ میں تھی۔ اسلئے دونوں تجارت



حجاز کے لقب خاص سے مشہور تھے۔ اس بنا پر جو لوگ کعب کے واقعہ میں شریک تھے انکو مدینہ سے آگے جانے کی اجازت نہیں ہوئی۔ بخلاف انکے ابورافع کی مہم والوں کو بہت دور جانے کی تکلیف اٹھانی ہوئی۔

لیکن یہ پیمت۔ بہت مردانہ و خدا۔ منزل مقصود تک پہنچ ہی گئے۔ عبداللہ بن غنیک خود بیان کرتے ہیں کہ ہلوگ غروب آفتاب کے وقت حصار ابورافع کے نزدیک پہنچ گئے۔ ہم نے اپنے ہمارے بیوں کو قلعہ کے قریب ایک علیحدہ گوشہ میں بٹھلا دیا اور ان سے کہا کہ میں قلعہ میں جانے کی فکر میں جاتا ہوں۔ تم ہمیں بیٹھے رہنا ضرورت کے وقت ہم تمہیں آواز دین تو تم چلے آنا۔ یہ لکڑیوں دروازہ قلعہ کے پاس آیا۔ تو دیکھا دربان قلعہ کا دروازہ بند کرنے کو بالکل تیار ہے میں دروازے کے قریب قضاے حاجت کے جلد سے بیٹھ گیا۔ اوس نے مجھے دیکھ کر کہا اے بنو خدا اگر تجھے قلعہ میں آنے کی ضرورت ہو تو جلد آ۔ ورنہ میں دروازے بند کر دوں گا۔ تو پھر رات بھر آنا ممکن نہ ہو گا۔ یہ سن کر میں دروازے کے اندر چلا آیا۔ اور ایک گوشہ میں چھپ رہا۔ وہاں کواڑ بند کر دیے اور کائنات قلعہ کی گنجائش میں دیوار میں لٹکا دیں۔ میں اپنے مقام پر بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں جب وہ لیٹ کر غافل ہو گیا۔ تو میں چپکے سے اٹھا اور کنجیوں کا گچھا لیکر چلتا ہوا۔ قلعہ کے دروازے کے نیچے آیا کان لگائے تو مجھے ابورافع کی آواز قلعہ کے بالائی حصہ پر معلوم ہوئی۔ اور ایسا معلوم ہوا جیسا کہ امراء عرب کا دستور قدیم تھا کہ رات کو کھانے کے بعد ایک داستان گو سے داستانیں سنا کرتے تھے اور سنتے سنتے سو جاتے تھے۔ ابورافع بھی اسی وقت اسی شغل میں تھا۔ وہ اپنے بستر خواب پر جا چکا تھا۔ اور ایک داستان گو اسے قصہ سنا کر گویا اسے سلا رہا تھا۔ میں وہیں منتظر کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ داستان گو کی آواز موقوف ہو گئی۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ ابورافع سو گیا۔ اور داستان ختم ہو گئی میں نے مزید احتیاط کے خیال سے قصداً غھوڑا اور عرصہ لگایا۔ اور جب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ اب قلعہ میں کوئی متنفس جاگنا نہیں ہے۔ تو میں نے کنجیوں سے دروازے کھولنے شروع کر دیے۔ اور اسی طرح ایک کمرے کے بعد دوسرا کمرہ کھولتا ہوا اس خاص کمرہ میں پہنچا جہاں ابورافع سو رہا تھا میں دروازے پر کھڑا ہوا۔ روشتندافون سے چاندنی کمرے میں تمام پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ تنہا نہیں سو رہا ہے۔ اس کے تمام بال بچے ارد گرد سو رہے ہیں۔ میں نے اس ننگ و عمار کے خیال سے کہ سونے میں مارنے کی وجہ سے عرب میں میری بڑی بدنامی ہو گئی اس لئے میں نے بڑی دیر سے ابورافع کو آواز دی۔ اور کہا۔ ابورافع سنو۔ ابورافع فوراً جگ پڑا لیکن اس کے سب بال بچے پڑے سوئے رہے۔ ادن میں سے ایک بھی بیدار نہ ہوا۔

ابورافع جیون میرے پاس آیا۔ میں نے اسکو تلوار سے مارا گرایا۔ لیکن چونکہ قبل ہی سے میں خود خوف زدہ ہو رہا تھا اس لئے ضرب کاری نہ پڑی۔ اور میں وہاں سے لوٹ پڑا۔ اس نشان میں مجھے خود محسوس ہوا کہ اسکو پوری ضرب نہیں لگی۔ زخم اچھا ہے۔ یہ تو میں نے کچھ نہ کیا۔ نہ اسی کا کام تمام ہوا اور نہ میلہ سوچکر میں پہلٹا تو میں نے اسکو وہیں زمین پر پڑا پایا۔ لیکن اسکی بی بی جگ اٹھی تھی۔ اور وہ اسے بلارہا تھا۔ وہ کسی تھی کہ میں نے بلائے والے کی آواز سن کر ہچکچان لی ہے

عبداللہ بن عتیک کی آواز تھی۔ ابورافع کہہ رہا تھا۔ ادویقوت عبداللہ بن عتیک اتنی دور سے رات کے وقت خصوصاً ایسی حالت میں جب قلعہ کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں یہاں کیسے چلا آسکتا ہے۔ یہ گفتگو سہری تھی اور ادس کی بی بی اوس کے پاس آنا ہی چاہتی تھی کہ میں پہنچ گیا۔ اور پہنچنے کے ساتھ ہی اوس کے پیٹ پر چھری رکھ کر نیچے تک اوتا روی اور ادس کو خون میں لوثا ہوا چھوڑ کر فوراً لوٹا۔ اور طبری تیزی سے بالائی حصہ سے اتر کر نیچے کے حصہ میں آیا۔ جلدی میں اوپر سے نیچے اترنے میں پاؤں چھوٹا پڑا اور میں گڑبڑا پاؤں کی پھلی میں سخت چوٹ آگئی۔ نیچے آکر میں نے جلدی سے اپنا علمہ اوار کر ساق پا کو باندھا۔ اور اپنی ایک ہانگ سے افغان و خیزران دروازہ قلعہ پر پہنچا۔ چپ کے سے کواڑ کھولے اور اپنے رفقا سے مل گیا۔ اور پھر ہم سب مل کر مدینہ کی طرف غیر متعارف راستہ سے روانہ ہو گئے۔

مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ روئے عارض کروئی۔ آپ نے اپنا دست مبارک میرے موضع ضرب پرس کر دیا اور میرا درد ننگ جاتا رہا۔  
محبت شیرازی اس تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو تحریر فرما کر آخر میں یہ عبارت لکھتے ہیں۔

|  |   |
|--|---|
| <p>ابورافع کے قتل کی یہی روایت صحیح بخاری میں لکھی ہے<br/>اکثر کتب سیرت میں دوسرے طریقوں سے بھی مروی ہیں<br/>لیکن جو طریقہ کہ صحاح میں ہے اوس کا استنباط کرنا<br/>مناسب تر ہے۔</p> | <p>ابن روایت در قتل ابورافع در صحیح بخاری مسطور است<br/>و در اکثر کتب سیرت قتل وے بطریق دیگر مروی<br/>گشتہ و آنچه در صحاح است اولی تر است بایراد<br/>روضۃ الاحباب ص ۲۵۱</p> |
|--|---|

قتل ابورافع کا قریب قریب ایسے ہی واقعہ تاریخ طبری اور تاریخ ابن ہشام میں بھی لکھا ہے طبری ص ۱۳۰  
ابن ہشام ص ۱۹۰ ج ۲۔

## غزوہ احد

(۱۰ شوال ۳۱ھ ہجری)

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنَّيِّبِ

نہ افسردہ خاطر ہو۔ نہ ہلکا ہو۔ تم اپنے ہو کر رہو گے۔ اگر تم لوگ ایمان والے ہو۔ (آل عمران)

شکست بدر سے۔ غم و الم اور مصیبت و ماتم۔ کفار قریش میں۔ جس شدت کے ساتھ ہر پاتھا اوس کے تفصیلی حالات ہم اوپر لکھ چکے ہیں یہ قریش کے تمام قبائل اور ان کے ساتھ بیرونجات کی قوموں کے وہ تمام لوگ جنکے اعزہ و اقارب واقعہ

بدھیں شریک ہو کر مقتول ہوئے تھے تنہا گریہ کنان اور فوج خوان ہی نہیں تھے بلکہ شغل گریہ و ابی کے ساتھ وہ ہمدوم مسلمانوں  
سے سونے و تھامس کے لیے کی تبیرون میں اپنا آپ لہو پی رہے تھے۔ دنیا جانتی ہے۔ عرب کو ایسا ملک۔ جہاں  
ایک تن واحد کے قتل کر دینے کیلئے حریف سے جنگ برپا ہو کر نسل بعد نسل اور طبقات بعد طبقات سلسلہ محاربت قائم رکھا جاوے  
وہاں بیکبار ستر آدمی کے قتل کئے جانے میں عوض و قصاص مقتولین کی طرف سے خاموشی اختیار کر لی جائے کیسے  
ممکن ہے۔ پھر مقتولین بھی کیسے جو مسازین قوم تھے۔ اور سرزمین قبائل۔

قریش میں نوحہ خوانی کے ساتھ قصاص کی سلسلہ عینیاتی بھی جاری تھی۔ غزوۃ السویق کے ذکر میں ابوسفیان  
قریشیوں کو جدید میر سامان کی سیودیون کے ساتھ مخالفت اسلام کی تدبیرون میں ریشہ دوانی اور پر بیان ہو چکی ہے اس  
ہذا پر یقین کر لینا چاہیے کہ قریش ایک دم کے لئے بھی اپنے اس خیال و تدبیر سے غافل نہیں تھے لیکن ابوسفیان جو اس وقت  
تمام کفار عرب اور مشرکین قریش کا سردار تھا۔ جن سامانوں سے آئندہ مقابلہ اسلام (احد) میں آیا ہے انھیں سو اندازہ کر لیا  
جاسکتا ہے کہ اس کر دہ سر اس سازد سامان اور اس خدم جشم کی ترتیب و تزیین میں کتنا وقت اور کتنا سرمایہ صرف ہوا ہوگا۔  
غزوۃ السویق سے لوٹ آنے کے بعد۔ ماتم نشینان قریش میں سے چند منتخب نموداران قریش اسبر کردگی عکرمہ بن  
ابی جہل۔ ابوسفیان کے پاس آئے اور قصاص بدر کے معاملہ میں عجلت کو ساتھ عمل پیرا ہونیکے لئے ایک طول و طویل زبانی  
درخواست کرنیکے بعد۔ کہنے لگے کہ ہماری سب کی متفقاً یہ رائے قرار پائی ہے کہ قوم کے منافع کی رقم خاص جواب کی تحویل میں  
موجود ہے وہ کل کی کل اس فرض کی اداکاری میں صرف کر دیجائے۔ اسکے علاوہ وہ سرمایہ بھی جو تمام قوم و قبائل سے  
اس ضرورت خاص کے لئے طلب کیا جائے گا۔ اسی مہم میں اونٹن یا جائیر گا۔ اور اسکی فراہمی کیلئے ہلوگ خاص طور پر  
نومدار ہوتے ہیں۔

ابوسفیان نے اونکی اس درخواست کو قبول کر لیا لیکن ابوسفیان اور اسکے تمام بھتیجاں اور مہربان جانتے تھے۔ صرف  
جاننا ہی نہیں بلکہ کامل طور سے اندازہ کر چکے تھے کہ اب اہل اسلام اپنی قوت اور جمعیت کے لحاظ سے وہ نادار ناپرساں بڑے  
مددگار قوم نہیں رہتے۔ بلکہ ایسے تھے اور اتنے نہ ہو چکے تھے کہ اونکی مخالفت اور مقابلت کے لئے اب ایسے اور اتنے  
سامانوں کی ضرورت تھی جو بدر کے سامان گذشتہ سے کہیں زیادہ ہو۔

ابوسفیان نے کیا۔ تمام قریش نے اس ضرورت کو ابتداء ہی سے مد نظر رکھا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے بیرونی امداد کے لئے یہ  
انتظام کیا کہ مقتولین بدر کے اغزہ اور مشرکین بدر کے عائد و روساکا ایک حلقہ ماتم مرتب کر کے جن میں عرب کے و فصیح اللسان اور  
سحرالبیان شاعر عمر بن جمحی اور مسافع بنہ شامل تھے گروہ فواج کے ایک ایک قوم و قبیلہ کے پاس حاضر ہوا۔ اور قصاص  
بدر کے ضروری اور واجب استعین مسئلہ کی نسبت اونکو براہ گنجہ کیا۔ اور امداد طلب کی اغزائے مقتولین کی نوحہ خوانی یا اطراء  
قریش کی حاضری یا موجودگی نے لوگوں کے قلوب پر اتنا اثر نہیں کیا۔ جتنا اندرون شاعرین کی جادو زبانی نے تمام قوم قبائل

میں مخالفت اسلام کی آگ بھڑکادی۔ ان دونوں شاعروں میں عمرو بن لُحی وہی احسان فرما پیش شخص تھا جو جنگ بدر میں گرفتار ہو چکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جسکے واپس کو روادینے چاہے تھے لیکن رحمت عالم علیہ السلام نے اپنے خاص اہل خانہ و اشتیاق کے تقاضے سے رہا فرما دیا تھا۔ اس احسان کی چہرہ گذاری تھی اور اس عنایت و رعایت کی یہ سادہ صفت عکس کر رہی تھی۔ بہر حال نئی موجودہ تحریک تبیر میں پوری کامیابی ہوئی اور لوگوں نے بڑے شغاف و شوق کے ساتھ جہنم میں اس مہم میں امداد کی۔

ابوسفیان کا بیڑہ | ابوسفیان نے ابوجہل سے کہیں زیادہ عقیم و ترتیب فوج میں بڑی کشادہ دلی سے کام لیا پچاس ہزار اشغال ہونا چاہیے۔

جنگ۔ | مسافہ تجارت کا انکی تحویل میں تھا۔ انھیں سامانوں میں صرف کروا ابوسفیان کو اسی بیڑہ کا اٹارہ قرآن مجید کے اس آیت میں کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصْنَعُوْا وُحُوْشًا  
سَبَّحَ لِلّٰهِ فَمَنْ یَنْفِقُوْنَ بِهَا شَیْئًا تَكُوْنَ عَلَیْهِمْ حَسْرَةٌ  
شَئْمًا یَعْلَبُوْنَ

وہ لوگ جو کافروں نے اپنے مال کو دین خدا کے دکنے میں خرچ کرنے ہیں۔  
انھیں لوگوں پر عاقبت میں حسرت آئے والی ہے اور یہی لوگ  
مغلوب ہونے والے ہیں۔ - زرقانی جلد دوم ص ۲۴

اتنی بڑی رقم کثیر کے صرفے میں ہزارا ہن پوش جواہروں کا لشکر اسلام کا نام مٹانے اور مسلمانوں کا خون بہانے کے لئے طیار ہو گیا۔ راحلہ کا اتنا دانا اور انتظام کیا گیا کہ لشکر ابوجہل کی سی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرے۔ بعد پانچ سو اونٹ اور دو سو گھوڑے کو تل رکھے گئے۔ اسلئے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

کافروں | ابوسفیان کے انتظاموں میں سوائے افراط و تہمت اور کوئی نوعیت ایسی نہیں تھی جو بیان و قابل ہو لیکن ہاں ایک بیڑہ | نوعیت جو انکی جدت طبع کا خاص نمونہ تھی وہ البتہ قابل ذکر ہے اور اسی لئے تمام مؤرخین و محدثین نے اسکو خصوصیات کی بنا بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ شکر کی تمام ترین و آرائش کے سامانوں کے ساتھ ابوسفیان نے ممتاز قریش کی بہت سی عورتیں بھی ہمراہ تھیں اسلئے کہ وہ اپنے جمال جہان آرا اور نعمائے دلاور و دلربا سے جو انان قریش کو پر جوش و مازہ دم بنایا کریں۔

بہر حال جو ضرورت ہو اس سے بحث نہیں لیکن جیسا کہ آئندہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے۔ لشکر میں اس صنف نازک کا ثمل۔ ابوسفیان کی کامیابیوں کے حصول کا ذریعہ ضرور ظاہر ہوا خصوصاً ہند۔ زوجہ ابوسفیان کی مخفی کارروائیوں نے اسلام کو بظاہر بڑا نقصان پہنچایا تفصیل یہ ہے کہ ہندہ زوجہ ابوسفیان کے باپ عتبہ بن ربیعہ کو حضرت حمزہؓ نے بدر میں قتل کیا تھا اور حبیب بن مہکم کے چچا کو بھی آپ ہی نے قتل فرمایا تھا اس بنا پر حضرت حمزہؓ کا قتل ہندہ کو ہمیشہ بد نظر تھا۔ رواگی سے پہلے ہندہ نے حبیب بن مہکم کے غلام وحشی کو جو کہ مشہور جنگجو تھا اور جس سے انکو ربط خاص تھا حضرت حمزہؓ کے قتل پر کراہ کر لیا تھا پانچ وحشی نے اپنا وعدہ پورا کیا جیسا کہ عتقریباً سلسلہ بیان سے ظاہر ہوگا۔ شبلی صاحب نے ان عورتوں کے یہ نام بتلائے ہیں۔

(۵) ربطہ - عمر عاص کی زوجہ  
(۶) حناس - حضرت مسعلی بن عمیر کی ماں

سیرۃ النبیؐ اول ص ۲۷۱

(۱) ہندہ - عتبہ کی بیٹی امیر معاویہ کی ماں  
(۲) ام حکیم - عکرمہ (فرزند ابوجہل) کی بیوی  
(۳) قاطمہ - حضرت خالد (ابن ولید) کی بہن  
(۴) برزہ - سہو و فقی رئیس طائف کی بیٹی



مدینہ میں قریش کی خبر [جب لشکر قریش کی طیاری ہو چکی اور وہ مکہ سے مدینہ چلنے لگے۔ تو حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جو قبول اسلام کے بعد مدینہ سے مکہ واپس چلے آئے تھے۔ ایک قاصد تیز رفتار کے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس عظیم فوج کشی کی خبر پہنچا دی اور قاصد کو تاکید کر دی کہ تین دن کے اندر آنحضرت صلعم کے پاس مدینہ میں پہنچ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پانچویں سوال کو آنحضرت صلعم کو یہ خبر ملی۔ آپ نے لشکر ارشاد فرمایا۔

حبیب اللہ نعم الوکیل اللہم ربک احوّل و ہمارے لئے خدا کافی ہے۔ پروردگار تجھی سے مجھ میں قوت بٹ اصول۔ ہے اور تجھی سے ابتدا ہے

اسکے بعد آپ نے دو مخبروں کو جو قبیلہ انصار سے تھے۔ جنکے نام انیس دمنس تھے مکہ کی راہ۔ تفحص احوال کی غرض سے بھیج دیا۔ دونوں مخبروں نے فوج غنیم کے مشاہدے کے بعد خدمت رسول میں عرض کی کہ مشرکین کا لشکر مقام عریض میں مقیم ہے اور قبائل انصار کو بالکل تباہ و برباد کر چکا ہے۔ آپ نے خطاب بن منذر کو دوبارہ تصدیق حالات کیلئے بھیجا۔ اور انھوں نے فوج غنیم کے تمام جزوی اور کلی حالات سے پورے طور پر مطلع کیا۔ چونکہ قریش سے مدینہ پر فوری تاخت کا فوری اندیشہ تھا اس بنا پر آنحضرت نے شہر کے چاروں طرف پہرے بٹھلا دئے اور حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ۔ یہ دونوں سرداران انصار دن رات ہتھیار باندھے مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے پہرہ دیتے تھے

مقابلہ کی تجویز [شہر کی حفاظت کا کامل انتظام فرما کر آنحضرت صلعم نے مقابلہ و مقاتلہ کی طرف توجہ فرمائی آپ کی تجویز یہ تھی کہ مدینہ صحابہ سے شہرت کے اندر رہ کر غنیم کی مدافعت کی جائے۔ اس امر خاص میں صحابہ کا استمراج لیا۔ ریس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول۔ جو بظاہر اس وقت تک اسلام کا شریک و رفیق تھا اور اس موقع پر بھی حاضر تھا۔ کہنے لگائیں تو آپ سے یہ کہوں گا کہ آپ مدینہ میں بیٹھے بیٹھے قریش سے مقابلہ کریں۔ کیونکہ سالہا سال کے تجربہ سے مجھے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جب ہم لوگوں نے مدینہ میں رکھ دشنوں سے مقابلہ کیا ہے ضرور فتحیاب و فیروز مند ہوئے ہیں اور اگر باہر جا کر ان سے مقابلہ کیا ہے ضرور ناکامیاب ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔

وہ انصار جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے ایک بار بول اٹھے کہ ہم کو اس رائے سے اختلاف ہے ہم کو بدر نے تجربہ نے بتلا دیا ہے کہ ہم مدینہ سے باہر جا کر غنیم پر فتحیاب ہوتے ہیں۔ اس بنا پر ہم کو قریش سے اس معرکہ میں بھی باہر ہی نکل کر مقابل ہونا چاہئے۔ اتفاق سے اکابر صحابہ جن میں حضرت حمزہ۔ سعد بن عبادہ۔ نعمان بن مالک وغیرہم کے نام خصوصیت سے بتلائے گئے ہیں۔ اس تجویز و صلاح کے موافق تھے۔ اور عرض کرنے لگے کہ مدینہ میں بیٹھ کر مقابلہ کرنے سے کفار کی ہمت و جرأت بڑھ جائے گی۔ اور وہ سمجھنے لگیں گے کہ مسلمان ہماری کثرت اور سامان سے خائف

ہو کر باہر نکلنے کی جرات نہ کر سکے اور گھر میں بیٹھے بیٹھے ہمارے مقابلہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پس اسوجہ سے یہ تجویز اسلام کی عزت اور شجاعان اسلام کی جرات و ہمت کے مخالف ہے۔

ان لوگوں نے اپنی موجودہ رائے و مختار پر اس قدر اصرار کیا کہ آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کی رائے و تجویز کو اختیار کیا اور پھر آپ گھر میں تشریف لے گئے۔ اور سلاح جنگ سے آراستہ ہو کر باہر تشریف لائے۔ اس اثنا میں پھر انصار میں مسئلہ زیر بحث پر گفتگو ہوئی سعد بن معاذ اور اسید بن حصیر نے انصار سے مخاطب کر کے کہا کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ کی تجویز سے مخالفت کی ہے۔ یہ اچھا نہیں کیا ہے۔ گو کہ غلبہ رائے ہماری ہی طرف ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے اس غلبہ کے خلاف تھی۔ ہم کو اس کا خیال کرنا چاہتا تھا۔ سب نے کہا اگر تمہاری رائے میں ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو تو ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں۔

اس اثنا میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصمت سرانے رسالت سے باہر تشریف لائے۔ سر پر دستار بندھی تھی جسم مبارک پر زہ آراستہ تھی۔ اوہم ہنسی کا کمزور بند تھا۔ اس میں ترکش لگا تھا۔ پشت مبارک پر سپر پوش ہاتھس پر کمان لگوائے اظہر میں شمشیر حاکل اور دست مطہر میں نیزہ نایاشکن تھا۔ اس مجاہد فی سبیل اللہ کی حقیقی شان و شوکت کو دیکھ کر اخلاص مندان اسلام کی جوش عقیدت میں ایک غیر تحمل تحریک پیدا ہو گئی۔ اور سب کے سب موجودہ سلطوت و مملکت رسالت کو دیکھ کر فوراً گھڑے ہو گئے۔ اور سب نے دست بستہ عرض کی کہ ہم نے حضور کو باہر نکل کر مقابلہ کرنیکی بیکار زحمت دی ہے، ہم اپنے اوس معروضات کو واپس لیتے ہیں۔ جو تجویز ہو چکا ہے اسی پر عمل فرمایا جائے۔ ارشاد ہوا کہ پیغمبروں کی خصوصیات میں داخل ہے کہ سلاح جنگ باندھ کر پھر قبل از نتیجہ جنگ کمر نہیں کھرتے۔ واللہ فاعیل بایشاد و ہو علی کل شیء قدیر۔

جمعہ کا دن تھا اور نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ اسلئے جمعہ کی نماز پڑھا کر آپ نے ایک طولانی خطبہ میں مجاہد فی سبیل اللہ پر تعزیر فرمائی۔ اور موجودہ مقابلہ کفر و اسلام کے متعلق آپ نے کھلے کھلے اوصاف و صفات الفاظ میں تمام اہل اسلام کو بتلادیا۔

ان لھم النصو ما صبروا و اسھم بالتھبوع لعدوھم اس شرط پر تمہاری فتح ضرور ہے کہ تم صبر و تحمل سے کام لو اور بلا شرکت

نفس انو دشمن سے مقابلہ کرو۔

شکر اسلامی جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر موکب رسالت بیرون شہر خمیہ زن ہوا۔ لشکر ہمراہی کا جائزہ لیا گیا۔ عبداللہ بن ابی اسکا جائزہ سول کے تین سو ہمراہیوں کو لیکر مجموعاً ایک ہزار جان نثار رکاب میں حاضر پائے گئے جنہیں کل سو جوان زہرہ پوش تھے۔ بدر کی طرح اس موقع پر بھی غیر مکلف مہاجر و انصار کے کمن لٹکے فرط اخلاص و عقیدت سے مجاہد اسلام بننے کے شوق میں لشکر کے ہمراہ ہو گئے تھے۔ موزین و محدثین عبداللہ بن عمر۔ زید بن ثابت۔ اسامہ بن زید۔ زید بن ارقم۔ برادر بن غارب۔ اسید بن ظہیر۔ عتاب بن اوس۔ ابوسعید خدری۔ سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج کے نام لکھتے ہیں۔

جائزہ کے وقت ان تمام پر جوش اور خوش عقیدہ لڑکوں کو غیر مکلف ہونے کی بنا پر سابق کی طرح مدینہ لوٹ جانیکا

حکم صادر ہوا۔ ان میں آخر صاحب۔ رافع بن خدیج نے بڑی ذہانت سے کام لیا۔ جائزہ کے وقت اپنی بلند قامتی کے اظہار کی ضرورت سے یہ اپنے پاؤں کے انگوٹھے پر کھڑے ہو گئے۔ اسلئے انتخاب میں آ گئے۔ اور اسید بن حصیر نے ان کی منافقت کی اور عرض کی کہ تیر اندازی میں یہ مشاق ہو چکا ہے۔ ان تمام پر جوش اور خوش عقیدہ لڑکوں کو تو نہیں بلکہ سمرہ بن جندب کو بڑا رشک ہوا۔ اس نے خدمت رسول میں عرض کی کہ رافع اگر منتخب ہوا تو اس سے قوت و طاقت میں میں کہیں زیادہ ہوں۔ میں بھی منتخب کر لیا جاؤں۔ اور شاہد کے طور پر میرے اور رافع کا مقابلہ کر لیا جاوے جب میں انہیں گرا دوں تب میرا انتخاب کیا جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم دریاں فرما کر سمرہ کی درخواست قبول فرمائی۔ دونوں میں کشتی ہوئی۔ اور سمرہ نے حسب الوعدہ رافع کو زمین پر گرا دیا۔ آنحضرت صلعم نے رافع کے ساتھ ان کو بھی منتخب کر لیا۔

ترتیب ذہ | جائزہ کے بعد شکر کی ترتیب کی گئی۔ بدر کی طرح تین علم فوج آراستہ ہوئے۔ قبیلہ ادس کا علم اسید بن حصیر کو حفاظت رکھ کر عنایت کیا گیا۔ خدیج کا۔ خیاب بن منذر کو اور بعض روایت کے مطابق سعد بن عبادہ کو۔ مہاجرین کے فوج کا علم خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور بروایت مصعب ابن عمیر کو عنایت ہوا۔ اور عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ کا مکران بکار بنا کر شہر میں بھیجا گیا اور لشکر اسلام اور کی طرف روانہ ہو گیا۔ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ ننگی تلواریں کھینچ کر رسالت کے آگے آگے جاتے تھے۔ اس دن قبیلہ بنی النجار تک پہنچ کر شام ہو گئی۔ اور لشکر اسلام وہیں مقیم ہو گیا۔ لشکر میں نہایت بدتمیزانہ شور و شغب کی آواز آئی۔ جو ناگوار طبع ہوئی۔ استفسار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ عبداللہ ابن ابی سلول کے ہمراہی شورو دنگ مہم کر رہے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ لا تستصروا یا اہل الشرائع علی اہل الشرک اہل شرک کو مدبوہ بچانی چاہئے اور دن سے مدیونی چاہئے۔ محمد بن مسلمہ کو سپاس جان نثاروں کے ساتھ رات کے وقت لشکر کی پہرہ داری کا حکم ہوا۔ یہاں سے لشکر قریش بالکل قریب تھا۔ اور اتنا کہ ایک دوسرے کی جماعت کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ ابوسفیان نے حکم دیا کہ ابی جہل کو فوج کی پہرہ داری پر تعینات کیا۔

خیمہ خاص کی حفاظت کے لئے آپ نے فرمایا: میری حفاظت کون کرتا ہے۔ ایک طرف سے آواز آئی: میں " ارشاد ہوا تم کون ہو۔ جواب آیا: ذکوان۔ آپ نے فرمایا بیٹھے ہو۔ پھر آپ نے فرمایا: میری حفاظت کون کرتا ہے پھر آواز آئی: میں۔ استفسار ہوا کون۔ جواب ملا: ابن عبد قیس۔ ارشاد ہوا اچھا تم بھی حاضر ہو۔ تیسری مرتبہ پھر وہی سوال کیا گیا۔ جواب ملا میں۔ پوچھا گیا کون ہے۔ جواب آیا: ابورافع۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے حکم دیا میرے تینوں محافظ کھڑے ہو جائیں۔ اب کھڑے ہونے والوں میں تنہا ذکوان کھڑا ہو گیا۔ آپ نے تعجب میں آکر ذکوان سے پوچھا کہ وہ تمہارے دونوں ہمراہی کہاں گئے۔ اس نے عرض کی کہ تینوں ہمارے ہی نے حکم پر لبیک کہی تھی۔ پہلے بار میں نے اپنا نام بتلایا دوسرے بار اپنی اہلیت اور تیسرے بار اپنی کنیت۔ میرا پورا نام۔ ذکوان۔ ابورافع ابن عبد قیس ہوا آپ اس کی عقیدہ مند رہا اور مخلصانہ ذہانت اور مطابقت سے سجدہ سرور ہو کے اصرار فرمایا۔ خطک اللہ تعالیٰ۔ اچھا اب اٹھو اور

اپنا کام کرو خدا تمہیں محفوظ رکھے۔ حکم پاتے ہی ذکوان اٹھا۔ زرہ پہنی۔ سپردوش سے لگائی اور رات بھر خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لشکر اسلام کی پہرہ داری کی۔  
 زرقانی ص ۲۸۔ روضۃ الاحباب ص ۲۵۶ لکھتے۔

چھٹی شوال کو نماز صبح جماعت سے پڑھ کر لشکر اسلام نے کوچ کیا۔ ابو حشیم حارثی دلیل شکر تھے۔ اور لشکر کو نشیب و فراز راہ سے آگاہ کرتے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر میں لشکر اسلام فوج غنیم کے مقابل میں پہنچ گیا۔ کوہ احد مدینہ منورہ سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ امام قسطلانی کی تحقیق میں عبد اللہ بن ابی سلول اسی منزل سے اپنے ہمراہیوں کو لیکر واپس گیا۔ اسی کے ساتھ عبد اللہ بن عمر بن خرم بھی چلتا ہوا۔ ہر چند اس کے ہمعوم و قبیلہ لوگوں نے سمجھا یا کہ عین وقت پر دعا دینی شرافت کے خلاف ہے۔ لیکن اس منافق نے ایک نہ سنی۔  
 عبد اللہ بن ابی سلول  
 عبد اللہ بن ابی سلول نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میری صلاح سے کام نہ لیا۔ اور جو انوں اور محض نا تجربہ

کاروں کی مشورت پر عمل پیرا ہوئے۔ اسلئے ہم کو ان کی شرکت و رفاقت منظور نہیں۔ یہ کہا اور چلتا ہوا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی دغا کی جب اطلاع ہوئی تو آپ نے کچھ بھی تعرض نہ فرمایا۔ لایلتفت الیہ (زرقانی ص ۳۱) اس کی حرکات پر کوئی التفات نہ فرمائی۔

فوج سے خلافت امید عین وقت پر تین سو جمعیت کے بیک بار نکل جانے سے فوج اسلامی میں ایک ہر اس پیدا ہو گیا بعض خانہ صلیب الایمانوں نے اسی وقت ان دغا بازوں کو ترغیب کر دیا چاہا۔ اور بعضوں نے کچھ تعرض کرنا نہ چاہا۔ زرقانی صحیح بخاری کی اسناد سے اس واقعہ کو اس صورت میں لکھتے ہیں۔

من عبد اللہ بن زید لما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی غزوہ احد رجع ماس من خرج منہ وکان اصحابہ صلعم فوقتین فرقة نقول تقالہم و فرقة نقول لا تقالہم فنزل فمالکم فی المناقبتین نشین واللہ اراکسہم بما کسبوا وقال انہما طیبة تنفی الذنوب کما تنفی النار خبث الحدید و هذا هو الاصح فی سبب نزولہا۔  
 عبد اللہ بن زید سے مروی ہے کہ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ احد کیلئے چلے تو کچھ لوگ عبد اللہ بن ابی وغیرہم جو آپ کے ساتھ تھے واپس گئے۔ اسوجہ سے طبقہ صحابہ میں دو قسم کے لوگ ہو گئے ایک کہتے تھے کہ ان ماہرین جانیوالوں کو قتل کر دینا چاہئے۔ دوسرے کہتے تھے ان کو جانے دینا چاہئے۔ اور تعرض نہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ یہ آیت وحی ہدیہ نازل فرمائی گئی کہ منافقین کے بارے میں دو فرقے ہو سکیں گے لیکن ان کی ہر دو قسمیں نہیں اسلئے کہ خالص سبب نزول نے ان کے عمل کی سزا میں بھی ان کو

ان کی اصل حالت (کفر) کی طرف لوٹا دینا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت سن کر مسلمانوں سے ارشاد فرمایا کہ اب تم اس طرح سے پاک و صاف کر دے گئے جس طرح آگ کو بھلا کر میل سے پاک و صاف کر دیتی ہے۔ زرقانی لکھتے ہیں کہ اس آیت کے اسباب نزول میں سب سے زیادہ صحیح یہی واقعہ ہے۔

ترتیب لشکر اسلامی | اس قضیہ نامرضیہ کے تصفیہ سے فارغ ہو کر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ترتیب



شکر کی طرف توجہ فرمائی تقسیم علم کے بعد آپ نے لشکر کی ترتیب و تقسیم فرمائی۔ میمنہ لشکر پر عکاشہ بن محسن الاسدی مخزومی کو مقرر فرمایا۔ مقدمہ لشکر پر ابو عبیدہ بن الجراح اور سعد بن ابی وقاص کی تعاقب ہوئی۔ ساقہ لشکر پر مقداد بن عمر مقرر ہوئے۔ ان تمام انتظاموں سے زیادہ ضروری کوہ احد کے اس درہ کی محافظت کا انتظام تھا۔ جسے عینین کہتے تھے۔ یہ مقام غنیم کی خاص کمیں گاہ تھا۔ اور خالد بن ولید اپنے جوار دستہ فوج کے ساتھ پہلے سے یہیں آکر چھپا بیٹھا تھا۔ اس کی محافظت کا یہ انتظام کیا گیا کہ عبداللہ بن جعبہ کو سچاس تیر اندازوں کے ہمراہ اسکے دروازے پر مقرر فرما دیا گیا اور یہ تاکید شدید کر دی گئی کہ نیچے جنگ جو کچھ ہو خواہ جانیں کیسی بھی فتح و شکست ہو۔ تم از آغاز تا انجام جنگ اپنے مقام سے نہ ہٹنا نہ محاربت کے وقت ہماری امداد کرنا اور نہ شکست کے وقت ہونچکر ہمارے سردوں سے غنیم کے حملات کی مدافعت کرنا۔ ہماری فتح ہو جانے کی حالت میں بھی مسلمانوں کو غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھکر بھی تم شرکت کی طرح نہ کرنا بلکہ اپنے مقام پر مستقل رہنا۔ تمہارے حقوق ہمارے ساتھ ہیں۔ ترتیب و تقسیم لشکر کے بعد جناب رسول خدا صلعم قریش کی طرف سے پیش دستی کا انتظار فرمانے لگے۔

کفار قریش معرکہ بدر میں اپنی فوج کی بدترتیبی کے نتیجے اٹھا چکے تھے۔ اور اس مرتبہ وہ پہلے ہی ہوشیار تھے اور سفیان نے اس لئے میدان میں نکل کر سب سے پہلے جو کام کیا وہ اپنے تین ہزار فوج کی ترتیب تھی خالد بن ولید کو میمنہ کا سردار اور عکرمہ بن ابی جہل کو میسرہ کا افسر مقرر کیا۔ سواروں کے رسالہ کی کمان صفوان بن امیہ اور عمر عاص کو ملی۔ اور سو تیر اندازوں کے دستہ کا افسر عبداللہ بن ربیعہ کو مقرر کیا۔ خالد موقع پا کر انھیں تیر اندازوں کو ہمراہ لیکر اور ابن ربیعہ کو اپنی جگہ فوج میں چھوڑ کر اس درہ کوہ میں پہلے سے آچھپا تھا۔ طلحہ بن ابی طلحہ کو جو قریش کے قدیم خاندان بنی عبدالدار سے علمدار لشکر بنایا۔

جانبین سے مقابلہ کا آغاز ہوا کہ پہلے لشکر قریش سے ابو عامر سچاس تیر اندازوں کے تیار دستہ کے ساتھ نکلا اور مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کا میچہ برسانے لگا۔ مسلمانوں نے بھی بڑی دلیری سے جواب دیا اور اس تیز دستی سے ان پر تیر اور پتھر برسائے کہ ابو عامر کو آخر کار میدان سے بھاگنا ہی پڑا۔ ان کی گریز پائی دیکھکر مشرکین کی عورتوں کے بینہ نے دف بجاجا کر ان کو تازہ دم کرنا چاہا۔ اور مبارز آں قریش کے دلوں میں اپنی دلکش آواز سے مذکورہ ذیل گیت گا کر سجد پر جوشی پیدا کر دی۔

نحن بنات طارق نمشی علی النارق ان نعلنا نعالق وند بطا نمارق فراق غیر دامن  
ہم تابدوں کی بیٹیاں ہیں قالینوں پر چھند لیاں دلائی میں بڑھو گونگو لگا لنگے بچھا دکھاؤ گے تہ جہاں جھنگے ایسا کہ کچھ بھی نہ لایا یون نہائیگے  
ابو عامر کی گریز کے بعد بھی لشکر اسلام نے اپنی تیر اندازی موقوف نہیں کی۔ اب ان لوگوں نے اپنی کمانیں سولہ ان قریش کی طرف سیدھی کر لیں اور ان پر اتنے تیر برسائے کہ ان میں سے قبیلہ ہوازن کے سواروں نے عاجز کر راہ

گرنے لگی اور سواروں کے دستے سے علیؑ ہوا کر میدان میں منتشر ہو گئے۔

مبارزان اسلام کی شجاعت | یہ حالت دیکھ کر طلحہ بن ابی طلحہ علمدار کفار کو بڑی غیرت آئی۔ اور جوش غیرت میں صف  
علمداران قریش کا خاتمہ | شکاریہ علیؑ ہوا کر لشکر اسلام سے مبارز طلبی کرنے لگا۔ مورخین و محدثین نے اس کی  
مبارز طلبی کے الفاظ طعن آمیز لکھے ہیں۔

یا معشر اصحاب محمد ان کفر بوعمر بن ابی العاص یجلبنا  
بیوفکم الی النار و یجلبکم بسیفنا الی الجحمة  
فهل منکم احد یجلبه بسیفی الی الجنة و یجلبنی  
بسیفه الی النار

یہ لشکر جناب عسے مرتضیٰ نے فوراً جواب دیا۔

فقام علی بن ابی طالب ۛ فقال والذی نفسی بیداه  
لا افرأقک حتی اجماک بسیفی الی النار و یجلبنی  
بسیفک الی الجنة

ۛ اصحاب محمد مسلم تمہارا یقین ہے کہ تم ہیں قتل کرو گے تو خدا ہیں  
دوزخ میں پہنچائے گا اور اگر تم تمہیں مار لیو گے تو خدا تمہیں جنت  
میں لیجا دے گا۔ تو مجھ تم میں سے کوئی جلد نکل آنا کہ ہم اس کو مار  
کر جلد بہشت میں پہنچا دیں یا وہ ہیں مار کر دوزخ میں جلد پہنچائے

حضرت علیؑ نے اس کے مقابلہ میں آکر فوراً جواب دیا کہ اس کی قسم  
جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تیرے مقابل ہونے  
پر آمادہ ہوں۔ اور پھر اس وقت سے تیرے سامنے سے ہرگز جدا نہ

ہو نہجا جب تک تجھے اپنی تلوار سے دوزخ میں نہ پہنچاؤں۔ یا تو مجھے اپنی تلوار سے جنت میں نہ پہنچا دے۔ طبری ص ۱۳۹۶ ابن شام ص ۸۰  
جانبین کے لشکر ان دونوں زانبر را زبا کی سیر و جنگ کی غرض سے غموش ہو گئے۔ اور دونوں کے کمالات حرب ضرب  
دیکھنے لگے۔ حضرت علیؑ نے طلحہ کے سر پر ہونے ہی اپنی شمشیر ابدار کی ایسی ضرب شدید لگائی کہ مغز سے تک آرائی  
اور ایک کھنکھول کے مطابق آپ کی یہ ضرب اس کے پاؤں پر لگی۔ لیکن ایسی کاری تھی کہ کمر سے اس کا پاؤں جدا  
ہو گیا۔ اور وہ فوراً زمین پر گر کر لوٹنے لگا۔ حضرت عسے مرتضیٰ اس کے سر کاٹ لینے کی غرض سے اس کے  
پاس پہنچے۔ دیکھا کہ وہ بالکل قریب مرگ ہے۔ اس نے خود آنکھیں کھول کر آپ کو دیکھا اور آپ کے قصد و  
ارادہ کو بخوبی سمجھ گیا۔ بڑی منت و ساجت سے جان بخشی کی درخواست کی۔ آپ فوراً وہاں سے واپس آئے  
مبارزان اسلام ان کیفیتوں کو دیکھ رہے تھے۔ پوچھنے لگے کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ گئے تھے تو سر کیوں نہ کاٹا  
ارشاد فرمایا کہ میں جب اس کے قریب پہنچا تو اس کو ایسی حالتوں میں پایا کہ وہ یقیناً زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔  
پھر اس نے مجھ سے خود چھوڑ دئے جانے کی درخواست کی۔ اول تو یہ باعث تھا۔ پھر یہ سب ہوا کہ میں اس کے  
قریب پہنچا تو اس کو بالکل برہنہ پایا میری غیرت و حمیت نے کسی طرح تقاضہ نہیں کیا کہ میں اس کی ایسی بیت  
دیہائی کی حالت اور اس بے خودی کے عالم میں اس کا سر کاٹ کر اپنی شجاعت و دلیری کو شقاوت کے ساتھ  
بدنام کروں۔ نزد قانی صفحہ ۳۰۱ ابن ہشام صفحہ ۱۰۷ جلد دوم۔

طبری لکھتے ہیں کہ طلحہ۔ اول عملا قریش کے قتل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کی آواز بلند فرمائی  
 فقہر رسول اللہ صمدائے مبارک کے ساتھ ہی مسلمانوں کے نعرائے تکبیر سے احد کا میدان گونج اٹھا۔  
 طلحہ کے بعد ابوسعید بن ابی طلحہ علم لیکر آیا۔ اس کو بھی حضرت علی مرتضیٰ نے اور یقیناً سعد بن ابوقحاص نے قتل  
 کیا اس کے بعد مسافع بن طلحہ علمدار بنکر آیا۔ اس کو ماسم نے دور ہی سے تیر لگا کر مار گرایا۔ پھر حرث بن طلحہ آیا ماسم  
 نے اس خطاکار کو بھی ایک ہی تیر میں ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے بعد عباس بن طلحہ نکلا۔ اس کو طلحہ بن عبید اللہ نے قتل کیا  
 اب علم لیکر ارطاة بن شرحبیل آیا حضرت علی اس سے مقابل ہوئے اور قتل فرمایا۔ بعضے کہتے ہیں کہ سعد بن ابوقحاص  
 نے قتل کیا۔ ارطاة کے بعد شرحبیل بن قارنا کو علمداری ملی۔ یہ بھی آنے تو اسے گئے مورخین ان کے قاتل کا نام  
 نہیں لکھتے۔

اب قریش کے خاندان علمدار میں کوئی نہ بچا۔ ایک ایک کر کے سب مار گئے۔ تو بالآخر اس خاندان کے ایک  
 غلام حبشی صواب نے اس منصب کا اعزاز پایا۔ لیکن منصب کی عزت کے ساتھ اس منصب کی نحوست بھی ساتھ  
 لایا۔ میدان میں آتے ہی حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا۔  
 صواب کی وفاداری اور جگر داری ضرور ذکر کے قابل ہے اس پر تلوار کی ایسی ضرب شدید پڑی تھی کہ اس کے  
 دونوں ہاتھ بکبار کٹ کر گر پڑے تھے۔ ہاتھوں کے ساتھ علم بھی زمین پر گر پڑا لیکن صواب کو قومی علم کے گرنے کی اتنی  
 غیرت آئی کہ علم کے گرتے ہی یہ بھی علم کے اوپر گر پڑا۔ اسلئے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ جانے پاوے۔ جو اسکے  
 لئے ابدی بدنامی کا داغ لگا دے اور اسی حالت میں یہ کتا ہوا مارا گیا کہ میں نے اپنا فرض خدمت ادا کر دیا۔ دیر تک اسکی  
 مردے کے نیچے قریش کا قومی علم دبائے رہا۔

خاندان علمدار کی ایک دلیر خاتون جس کا نام حلقہ تھا۔ اس کیفیت کو دیکھ رہی تھی۔ بوش غیرت سے بیتاب  
 ہو کر نکل پڑی۔ اور علم کو صواب کی لاش کے نیچے سے کھینچ کر فوراً بلند کیا۔ علم فوج کو بلند دیکھ کر قریش جو ادھر ادھر منتشر  
 ہو گئے تھے پھر اکٹھا ہو گئے۔

علمداران شکر کا مارا جانا دیکھ کر جیسا کہ طبری کا بیان ہے۔ اہوسفیان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اُسے بنی  
 عبد الدار کے قبیلے والوں کو جمع کر کے ایک طولانی تقریر کی اور ان کو تازہ دم کرنا چاہا۔ اس کی زور جہند بنت  
 عتبہ نے دت بجا بجا کر یہ گیت گائے۔

ولہایا بنی عبد الدار دجاحات الا دبارا ضرب فکل تیار  
 ہاں اسے بنی عبد الدار ہاں سے گلاشیٹلوں کے حامی دیکھا شدید اور قلعہ کرنے والی ضربیں کا کام دیا  
 علمداران قریں کا خاتمہ کر کے مبارزان اسلام کی بہتیں بڑھ گئیں۔ وہ افواج غنیم پر ٹوٹ پڑے اور شدت سے

بازار گیر وودار گرم ہوا اسکی اجمالی کیفیت حسب یہی یوں لکھتے ہیں

وقتل بود جہاد حتی امعن فی الناس وحمزہ بن عبد المطلب وعلی ابن ابی طالب فی رجاہ المسلمین فانزل اللہ عز وجل نصرہ وصدقہم وعدہ ففسوہم بالشیوف حتی کشفوہم وکانت الہرمیہ کاشفۃ یہما۔ طبری ص ۱۳۰

ابو جہاد فوج میں دہس پڑے اور اسی ہی حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور حضرت علی بن ابی طالب مع اپنے ہمراہی مسلمانوں کے غنیم کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور خدا نے ان کی نصرت کی فتح کی شکل نمودار کر دی ان لوگوں نے غنیم کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالا ان کی صفیں توڑ کر میدان صاف کر دیا اور اس میں کوئی شک نہیں

بھی کفار کی نمایاں شکست تھی۔

شبلی صاحب میدان جنگ کی موجودہ کیفیت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :-

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ لیکن اس کے (بدنام ترکیب اردو) صاحبزادے حضرت خطلہ اسلام لایچکے تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باپ کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی لیکن رحمت عالم نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے۔ خطلہ نے کفار کے سپہ سالار ابو سفیان پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ ان کی تلوار ابو سفیان کا فیصلہ کر دے۔ دفعتاً پہلو سے شداو بن الاسود نے جھپٹ کر دار کو روکا اور ان کو (خطلہ کو) قتل کر دیا۔ تاہم لڑائی کا پلہ مسلمانوں ہی کی طرف بھاری تھا۔ علمداروں کے قتل اور حضرت علیؑ اور حضرت ابو جہاد کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اور کھڑکے بہاد نازنیں جو جبر سے دلوں کو ابھار رہی تھیں بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر تیر انداز جو سپشت مقرر کئے گئے تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھک پڑے۔ (سیرۃ النبی صفحہ ۲۰)

تیر اندازان اسلام جنگ دوسروارو۔ غالباً اس مسئلہ کی ابتدا جنگ احد ہی کے مشاہدات سے ہوئی ہے افسوس ہے کہ رسول غلطی کہ معرکہ بدر میں اسی حصول غنیمت کی محبت کے متعلق خدائے سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو چشم نمائی کی ہدایتیں آپ کی تھیں اور وہ اپنے کانوں سے محض صادق علیہ السلام کی زبانی اکیا نہیں کسی بار لفظ بلفظ اور حرف بحرف ان کو سن بھی چکے تھے۔ علاوہ ہر اس۔ اس موقع پر بھی سرور عالم صلعم نے محض یاد دہانی کی غرض سے فرمادیا تھا کہ اگر تم صبر و تحمل سے کام لو گے تو خداوند عالم تمہیں ضرور فتح و فیروز عطا فرمائے گا لیکن افسوس مسلمانوں نے کچھ بھی یاد نہ رکھا۔

ہزار ہا برس کی بگڑی ہوئی عادت سال دو سال کے عرصہ میں کیسے بدل جاتی۔ پھر ایسی طبیعت والے مسلمان بد کی طرح ہلکے اس سے بھی زیادہ بری طرح حصول غنیمت کے پیچھے پڑ گئے۔ نہ خدا کی تائید کا خیال کیا۔ نہ رسول کی تہدید کا خوف۔



شبلی صاحب کی تحریر سے نقل ہو چکا کہ مسلمانوں نے یوٹ شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن جبیر کا ماتحتی تیر اندازوں کا دستہ فوج جو خاص انخاص ذرہ کوہ احد کی محافطت پر مبعوث تھا اور جنگ کے آغاز جنگ کے وقت ہی تاکید پر تاکید کر دی گئی تھی کہ خواہ ہماری فتح ہو یا شکست ہم لوٹتے ہوں یا لٹتے ہوں تم اپنے مقام سے نہ ہٹنا۔ نہ ہٹنا جب تک کہ میدان جنگ غنیم کی جمعیت سے بالکل خالی نہ ہوئے۔ دنیا بڑی بڑی شے ہے اور لالچ بڑی بڑی بلا۔ انھوں نے اپنے بھائیوں کو لوٹ میں مصروف اور غنیم کی فوج کو گریزاں اور ان کی مغنیہ عورتوں کو دت اور دیگر آلات سرود و غنا وغیرہ پھینک کر۔ اور چادر میں کو پیٹتے تمیصوں کو گھٹنوں تک اتنا اٹھائے کہ پیروں کی خلیا لیں نمایاں تھیں ہاڑیوں پر بدحواسی میں بھاگتے دیکھا دطبری ۱۴۱ بن ہشام ۳۲۔ روضہ الاحباب ۲۶۰ تو اب ان سے بھی تحمل نہ ہو سکا دل میں سوچنے لگے ہم غنیمت سے کیوں محروم رہیں۔ نہ معلوم پیچھے کچھ ملے یا نہ ملے یہ سوچ کر وہ کوہ کو چھوڑا اور غنیمت پر جھک پڑے۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے امیر دستہ عبداللہ بن جبیر نے بہت روکا۔ لیکن وہ نہ رکے۔ نتیجہ جو ہوا اسکا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس وقت تک جو کچھ کامیابی حضرت حمزہ۔ حضرت علی اور حضرت ابو جہانہ انصاری رضی اللہ عنہم کی جانبازیوں کی بدولت حاصل ہوئی تھی۔ وہ اکیبار ضائع ہو گئی۔ ان سرفروشان اسلام کو اپنی حاصل کردہ کامیابیوں کے ضائع جانیکا اتنا ملال نہیں ہوا۔ لیکن اس کا نتیجہ آخر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی تکلیف و جراحت کی صورت میں نمایاں ہوا وہ ان کے دلوں کیلئے ایسا زخم کاری تھا جس کا اندمال ناممکن تھا جیسا کہ بہت جلد سلسلہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تو ان کے حرص دنیا میں مبتلا ہو جانے کے نتیجوں کا خلاصہ تھا مفصل اور مسلسل کیفیت شبلی صاحب نعمانی کی زبانی یہ ہے۔

تیر اندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر خالد بن ولید کو حضرت کے لقب سے یاد نہیں کیا۔ کیوں؟ ہمارے عقب سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر چند جاں نثاروں کے ساتھ جگر لڑے۔ لیکن سب کے سب شہید ہوئے۔ اب رات صاف تھا۔ خالد نے سواروں کے دستہ کے ساتھ نہایت بے جگری سے حملہ کیا۔ لوگ مسلمان لوٹ میں مصروف تھے دیکھا تو تلواریں برس رہی ہیں۔ سیرۃ النبی ص ۲۶۶

حضرت حمزہؓ اور پر بیان ہو چکا ہے کہ قتل علمداران کے بعد ہی۔ حضرت حمزہؓ۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابو جہانہؓ غنیم کی شہادت کی صفوں میں دھنس گئے تھے۔ اور تلواروں سے ان کی گھنی صفوں کی صفائی کر رہے تھے۔ حضرت حمزہؓ اپنی شجاعت و دلیری کی پر جوشی میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ اور شبلی صاحب کے بیان کے مطابق فوج کفار میں دونوں طرف دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے۔ اور جسطرت بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صاف ہو جاتی تھیں اسی حالت میں سبارغ غبشانی سامنے آگیا۔ پکارے کہ اؤ خنانہ النساء کے پیچے کہاں جاتا ہے۔ یہ کہہ کر تلوار مارا وہ خاک پر ڈھیر تھا۔ وحشی یہ جو ایک غلام حبشی تھا اور جبیر بن مطعم۔ اس کے آقا نے وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر وہ حمزہؓ کو

قتل کر دے گا تو آنا کر دیا جائے گا۔ وہ حضرت حمزہ کی تاک میں تھا۔ حضرت حمزہ برابر آئے تو اس نے چھوٹا سا نیزہ جسکو حربہ کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے پھینک کر مارا۔ جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ نے اس پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پر واز کر گئی۔ سیرۃ النبی ص ۴۰۲، اسناد صحیح بخاری، مقتل حمزہ ص ۴۰۲ ہندوگر خوارہ [شبلی صاحب نے وحشی کی اشتعال اور آمادگی میں صرف اس کے مالک جبر بن مطلق کا ذکر کیا ہے اور ہندوگر خوارہ [شبلی صاحب نے ربیعہ ماہ حضرت امیر معاویہ کے ذکر کو جو اس معاملہ میں شریک غالب تھیں۔ اور جب کا ذکر ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ بالکل مرفوع القلم فرمادیا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل خاص وحشی کی زبانی میرے پیش نظر ہے۔ اور محدث شیرازی نے اس کو بالتمام نقل فرمایا ہے ہم ہندو کی شرکت اور اس کی تحریص و ترغیب کے حالات کو اس سے خلاصہ کر کے قیل میں نقل کرتے ہیں۔

وحشی کا بیان ہے کہ علاوہ اس کے کہ میں ہندو اور میرے درمیان قتل حمزہ کی نسبت وعدہ و وعید ہو چکے تھے مدت بعد کی طرف آتے وقت راستہ بھر جہان جہاں مجھے ہندو سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا وہ مجھ کو اس امر کا خیال دلاتی جاتی تھی اور تاکید کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ روز احد جب میں حمزہ کا کام تمام کر چکا تو ان کی لاش سے کچھ دور شکر کھڑا ہو گیا اور انتظار کرنے لگا کہ یہ بالکل ٹھنڈے ہو جائیں تو میں یہاں سے ہٹوں۔ اتنے میں کچھ مسلمان ان کی لاش کے پاس آ گئے اور انھوں نے ان کی کنیت سے ابو عمارہ کہہ کر بکارا۔ لیکن وہ ختم ہو چکے تھے کچھ نہ بولے۔ میں دور سے دیکھ رہا تھا۔ میں پکارنے پر بھی ان کے نہ بولنے سے سمجھ گیا کہ اب یہ بالکل ٹھنڈے ہو گئے۔ اس اثنا میں لوگ ان کی لاش کے پاس سے چلے گئے۔ تو میں پھر پہونچا۔ اور میں نے اپنا حربہ ان کی ناف چیر کر نکالا۔ اور اس سے ان کے سینہ کو چاک کیا۔ جگر کو نکالا۔ اور وہ جگر خونچکاں لٹے ہوئے سیدھا بند کے پاس چلا آیا۔ اور کہنے لگا۔ اے یہ تیرے باپ کے قاتل کا جگر خون آلود ہے۔ ہند کی خوشیوں کی خد تھی۔ اس نے بڑے شوق سے اس جگر کو لیا اور اس کے ٹکے ٹکڑے کر کے کھا گئی۔ لیکن کھاروں کی کالی مانی سے یہ خون ناحق مضمر نہ ہو سکا فوراً استفراغ ہوا اور وہ جگر کے ٹکڑے منہ سے باہر نکل آئے۔ اس شریر النفس نے ان کو اٹھا کر دھویا اور بار بار گالے میں پین لیا وحشی کا بیان ہے کہ ان وحشیانہ حرکت کے بعد ہند نے بڑی کشادہ دلی سے اپنا وعدہ پورا کیا اور اس خدمت کے صلہ میں ایک جوڑا کپڑا اور اپنے زیور مجھے دے دیے اور مزید وعدہ کیا کہ مکہ پہونچ کر دس ہزار دینار سرح مجھے اور دونگی لیکن اب میری غایت تمنا یہ ہے کہ تو مجھے حمزہ کی لاش پر لیچل تو جو کچھ آرزو دل میں باقی ہے وہ بھی نکال لوں۔ الغرض میں اسکی حضرت حمزہ کی لاش پر لے آیا۔ اس بے رحم نے آپ کے مردے کی ناک کالی اور پھر دو ذریعہ ناک کاٹ لئے اور نہایت احتیاط سے ان کو اپنے ہمراہ لے گئی۔ روضۃ الاحباب ص ۴۰۰

شبلی صاحب نے ہندو کی ان خونخواریوں کا خود بھی ذکر کیا ہے لیکن اصل موقع سے ہٹ کر۔ اتنی امارت معاویہ کی

رعایت ہے لیکن ہم آپ کی اتنی ہی حقیقت نگاری کو بڑی منت گذاری کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں  
خاندان قریش نے مقام خون کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ انکی ناک، کان کاٹے دہنا میر محلویہ  
کی مان، نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت امیر حمزہ علی لاش پر گئی۔ اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ  
نکالا اور چبا گئی۔ لیکن گلے سے نادر سکا۔ اوگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہند کا لقب جگر خوارہ جو لکھا جاتا ہے۔ اسی بنا پر لکھا  
جاتا ہے۔ ہند فتح مکہ میں ایمان لائی لیکن جس طرح وہ ایمان لائی عبرت خیز ہے۔ سیرۃ النبی ص ۲۰۰  
مسلمانوں کے کردہ خویش آمدہ پیش کے مسئلہ نے معرکہ جنگ میں جو مشاہدات کے مناظر پیش کئے، اسکی ابتدائی  
کیفیت کی قدر پر بیان ہو چکی ہے۔ اسکی باقی تفصیلی کیفیت شبلی صاحب کی زبانی یہ ہے۔

فوج اسلام کی گزر پائی | بدحواسی میں دونوں فوجیں (فوج مشرکین و مسلمین) اس طرح مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے  
ہاتھ سے مارے گئے۔ مصعب بن عمیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صورت میں مشابہ  
اور عذر داشت کرتے تھے۔ ابن قتیہ نے انکو شہید کر دیا اور غل چکیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
شہادت پائی۔ اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی ٹیڑھے دلیروں کے پاؤں اوکھڑ گئے  
بدحواسی میں انکی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی حضرت حذیفہ کو والد ریان اس کشمکش میں گئے  
اور اوپر تلواریں برس پڑیں۔ حضرت حذیفہ چلاتے رہے کہ یہ میرے باپ ہیں۔ لیکن کون تنہا ہے غرض وہ شہید ہو گئے۔ اور  
حضرت حذیفہ نے اشارے کے بعد میں کہا۔ مسلمانوں! خدا تمہیں بخش دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکرر دیکھا تو صرف گیارہ جان نثار پہلو میں ہیں۔ جن میں حضرت علی  
حضرت ابو بکرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ زبیر ابن العوامؓ ابود جانہ اور طلحہ کا نام بالتحقیص معلوم ہے۔ صحیح بخاری میں  
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ طلحہ اور سعد بن ابی وقاص رہے گئے تھے۔ سیرۃ النبی ص ۲۷۷

شبلی صاحب خواہ مخواہ واقعات کے سلسلہ ترتیب کو اولت پلٹ کر دیتے ہیں اور اپنے قدیم دستور کے مطابق  
مبہم اور بالکل غیر مفصل طریق پر کچھ کہیں کچھ کہتے ہیں۔ یہاں تک آپ کا لکنا قریب صحت ہے۔ ممکن ہے کہ موجود  
حالات اضطراب تک مرقومہ بالا حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ موجود ہوں۔ لیکن جیسا کہ آپ خود صفحہ ۲۷۷ میں اسکی  
بعد ہی لکھتے ہیں کہ اس بلبل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل سمبٹ ہار دی۔ لیکن جانبازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا  
جو جہان تھا اذہ دہین گھر گرہ گیا۔ آپ کے بتلائے ہوئے گھر کر رہ جانے والے جانبازوں میں وہی حضرت علی مرتضیٰؓ  
تھے جو جہانہ انصاری رضوان اللہ علیہم تھے۔ جو ابتدائے جنگ سے اسوقت تک شط و فاداری اور مدد جان نثاری پر قائم  
رہ کر جہاد فی سبیل اللہ کے حقوق خدات ادا کر رہے تھے۔ باقی رہے آپ کے گیارہ میں اور حضرات۔ تو وہ لوگ۔ جب ابن قتیہ  
اور عقبہ بن ابی وقاص کے حملات خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیکر انوار پر ہوئے۔ ایک ایک کر کے سب کے سب رخصت ہو گئے

اور یہ لوگ بھی اوس ہنگامہ میں اوہا و ہرکل گئے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

وَانْكَشَفَ الْمُسْلِمُونَ فَاَصَابَ فِيْهِمُ الْعَدُوُّ وَوَكَا  
يَوْمَ بِلَاءٍ وَفَحِصَ اَكْرَمُ اللّٰهِ فِيْهِ مِنْ اَكْرَمٍ مِنْ  
الْمُسْلِمِينَ بِالشَّهَادَةِ حَتَّى خَلَصَ الْعَدُوُّ اِلَى رَسُوْلِ  
اللّٰهِ صَلَوَاتُ بِالْحَجَارَةِ حَتَّى وَقَعَ لَشَفْتَهُ  
فَاَصِيبَتْ رِبَاعِيَّتُهُ وَشَبَّحَ فِي وَجْهِهِ وَكَلِمَتِ  
شَفْتَهُ وَكَانَ الَّذِيْ اَصَابَهُ عَتَبَةُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ  
قَالَ ابْنُ اسْمٰحٍ حَدَّثَنِيْ حَمِيْدُ الطَّوِيلُ عَنْ  
النَّسَبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَسَرَتْ رِبَاعِيَّةُ النَّبِيِّ صَلَوَاتُ  
يَوْمَ اَحَدٍ وَشَبَّحَ فِي وَجْهِهِ فَجَعَلَ الدَّمُ يَسِيلُ عَلَى  
وَجْهِهِ وَجَعَلَ يَسْمَعُ الدَّمَ وَهُوَ يَقُولُ كَيْفَ يَفْلَحُ  
قَوْمٌ خَصِبُوا وَجْهَهُ نَلِيْمُهُمْ وَهُوَ يَدْعُوْهُمُ اِلَى  
رِبْعِهِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عِزَّوَجَلَّ فِيْ ذٰلِكَ لَنَسْ لَكَ مِنَ  
الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاَنْتَهُمْ  
فَلْيَمُوتُوْنَ وَذَكَرَ رِيْعُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ  
الْخَدْرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخَدْرِيِّ اَنْ عَتَبَةَ  
بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ رَمَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَآلِهِ  
وَسَلَّمَ بِرُمْدٍ فَكَسَرَ رِبَاعِيَّةَ الْيَمَنِ السُّفْلَى وَجَرَحَ شَفْتَهُ  
السُّفْلَى وَاِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشَّهَابِ الزُّهْرِيُّ شَجَّهَ  
فِيْ جِهَتِهِ وَاَنَّ ابْنَ قَيْمِيَّةَ جَرَحَ وَجْهَهُ فَدَخَلَتْ  
حَلَقَتَانِ مِنْ خَلْقِ الْمُفْقَرِ فِيْ وَجْهِهِ وَوَقَعَ رَسُوْلُ  
اللّٰهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُفَّةٍ مِنَ الْحُفَّةِ  
الَّتِيْ عَمِلَ اَبُوْ عَامِرٍ لَيَقِعَ فِيْهَا الْمُسْلِمُونَ وَهُمْ لَا  
يَعْلَمُونَ فَاَخَذَ عَلِيٌّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ  
صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَرَفَعَهُ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدٍ

ابن اسحاق حمید طویل سے اور وہ انس بن مالک کی زبانی نقل کرتے  
ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک ہر ذرا  
شہید ہوئے تھے اور آپ کا چہرہ اقدس بھی مجروح کیا گیا تھا اور زخم  
خون بہہ رہا، منورہ پر جاری تھا آپ اوسے پونچھتے جاتے تھے اور  
فرماتے جاتے تھے کہ وہ نوم کیسے فلاح پائیگی جو اپنی نبی کے چہرہ کو خون  
سے رنگین کرتی ہے اور سکا جرم بہہ رہا ہے جس نے خدا کی طرف بلاناہی خداوند  
نے فوراً یہ آیت نازل فرمائی کہ یا رسول اللہ تم کو ان امور و مقدرات میں کوئی  
دخل نہیں ہے نہ تم انکی توجہ قبول کر سکتے ہو اور نہ ان پر غلبہ نازل کر سکتی  
قدرت رکھتے ہو اور یہ لوگ تو تحقیق ظالم ثابت ہو چکے ہیں۔ ابن ہشام  
بیان کرتے ہیں کہ بن ریج عبد الرحمن ابن ابی سعید الخدزی سے اور وہ اپنے  
باپ ابی سعید خدزی سے روایت کرتے ہیں کہ عتبہ ابن ابی وقاص نے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درازہ مجروح کیا۔ آپ کے سیدہ جہنہ والی نیچے  
ووڑھا رہیں ٹوٹ گئیں اور نیچے کے مونہ پر بھی زخم آیا۔ اور عبد اللہ بن شہاب  
الزہری نے چہرہ اقدس کو زخمی کیا اور ابن قییم نے آپ کے آپ کے  
منقہ پر شیش لگا لی کہ مغفرا ہستی کے دو حلقے آپ کے روئے  
مبارک میں پیوست ہو گئے۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم اس صدمہ سے اوس ایک غار میں گر پڑے۔  
جنکو ابو عامر نے مسلمانوں کو لا علمی میں گرا دینے کے لئے پہلے  
سے کھود رکھے تھے۔ غار میں گرتے ہی جناب رسول خدا  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک حضرت علی مرتضیٰ نے  
اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور طلحہ بن عبید اللہ نے ہاتھ پکڑ کر  
اوپر کی طرف کھینچ لیا۔ یہاں تک کہ آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سطح زمین پر سیدھے گرے  
ہو گئے۔



اللہ حتی استوی قاتلہما

ابن ہشام جلد دوم ص ۸۷ مطبوعہ مصر

ابن ہشام کی یہ روایت لکھ کر ہم کو اوس وقت کا صرف ہولناک منظر دکھانا مقصود تھا۔ جسکو آپ نے واقعہ کی تفصیل سے پہلے ہی لکھ دیا ہے اور یہ سیاق تحریر سے بالکل خلاف ہے۔

بہر حال۔ یہی وہ قیامت خیز منظر جس کی لہلہ اور اضطراب میں بقول شبلی صاحب اکثر دن نے ہمت ہار دی مفرد بن امیہ صحیح بخاری کی تصریح آپ خود لکھ چکے ہیں کہ صرف دو شخص طلحہ اور سہد رسول اللہ کے ہمراہ گئے۔ طلحہ کی موجودگی تو یہ طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ اسلئے کہ انس بن نضر والی روایت جو حدیث کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور جو آگے لکھی جاتی ہے۔ صاف سمات طلحہ کا نام دلالت کے ساتھ مفرد بن کی جماعت میں مشاہدہ یعنی کے طریق سے بتلا رہی ہے۔ جس سے انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

باقی رہے سعد بن ابی وقاص۔ انکی نہ کت اور حاضری بھی مخالف عقل و قیاس پائی جاتی ہے بلکہ انکی موجودگی حاضری کی وجہ سے انکی جان تیزی و رفاقت کی جگہ انکی سہل انگاری اور غفلت کے ثبوت معلوم ہونگے اور وہ اس طرح کہ جب انکی حاضری تسلیم کر لیا جائیگی تو یہ بھی مان لینا پڑے گا کہ انکی موجودگی میں۔ انکی آنکھوں کے سامنے انکے خاص بھائی عقبہ ابن ابی وقاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے سخت آزار سہانی پہنچائے کہ دندان مبارک تک شہید ہو گئے اور یہ کھڑے موند دیکھا گئے۔ بھائی پر ہاتھ اٹھانا کیسا۔ اوسکو ڈانٹا بھی نہ گیا۔ اس بنا پر انکا آخر وقت تک خدمت رسول میں حاضر رہنا بالکل خلاف واقع ہے۔ اگر مطابق واقع سمجھا جائیگا تو چہر سعد بن ابی وقاص ایسے صحابی کبیر کے ثبات ایمان میں غرض پیدا ہو جائیکے شبہ قائم ہو جائینگے۔ جو ان کی شان کے خلاف ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اوس موقع پر موجود ہی نہیں تھے۔ یا تو میدان میں مصروف جنگ تھے۔ یا مصروف غنیمت۔ یا مفرد بن کے ساتھ نکل گئے تھے۔

قرینہ غالب مصروف غنیمت ہی کا ہے کیونکہ واقعہ بدر میں بھی۔ آپ بہت قبل سے حصول غنیمت میں مصروف ہو گئے تھے۔ اور متعدد زرہین رزمگاہ سے اٹھا اٹھا کر جمع کر چکے تھے۔ اسی اثنا میں امیہ بن خلف مل گیا اور آپ اپنے وعدے کے مطابق مسلمانوں سے اوسکو بچالینے کی غرض سے پہاڑ پر چڑھا لے گئے اور ہر چہ اوسکے بچانے کی کدوکاوش کی لیکن مسلمانوں نے اوسے دھونڈ کر قتل ہی کر ڈالا۔ اور انکی زرہیں بھی اٹھا لے گئے۔ آپ اس واقعہ کو یاد کر کے ہمیشہ کہا کرتے تھے خدا رحم کرے۔ بلال پرنا اوسنے مجھے امیہ بن خلف کو بھی لے لیا اور اوس کے ساتھ میری زرہیں بھی ہفت چلی گئیں۔

واقعات تو یہ بتلا رہے ہیں کہ ابن قیس کی ضرب کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں گر پڑے تو ابن قیس نے قتل محار کا شور کیا۔ اسکی آواز تمام شکر میں ادھر سے اودھر تک تمام پھیل گئی۔ اس آواز کے سنتے ہی اور نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے



عظام دنیاوی کہ بائیشیان راہ یافت شکست بشکر  
اسلام افتاد

کی وجہ سے جو اونکے دلوں میں سمائی تھی فوج اسلام کو شکست  
پہونچا دی۔

پھر کئی معجزوں کے بعد تشریف فرماتے ہیں۔  
چون مسلمانان رو بہ ہزیمت آورند حضرت رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات نہا گذشتہ حضرت در غضب  
آمد عرق از پیشانی بہانوش متقاطر گشت۔

جب مسلمانوں نے ہزیمت اختیار کی اور حضرت رسول اللہ کو  
تہنہ چھڑوایا حضرت کو غصہ آیا۔ اور آپ کی پیشانی مبارک سے  
پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگے۔

اب ان بیانات کے ساتھ حدیث و تاریخ کے متفقہ بیانات جو انس بن النضر کی زبانی منقول ہیں اور ہم اس کو  
طبری۔ ابن ہشام اور تاریخ الخمیس سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ ملاوئے جائیں تو حقیقت حال پورے طور سے ظاہر  
ہو جاتی ہے۔

انتم انس بن النضر عن انس بن مالك الى عمرو  
بن الخطاب وطلحة بن عبيد الله في رجال  
من المهاجرين قالوا انصار عقد القوا بايديهم  
فقال ما يجلسكم قالوا قتل رسول الله فقال  
فما تصنعون بالحياة بعده قوموا فموتوا  
على ما مات رسول الله ثم استقبل القوم نقلا  
حتى قتل

انس بن نضر انس بن مالك صحابی کے چچا بیان کرتے ہیں کہ ہم نے  
اوس عالم رستخیز میں عمر بن الخطاب وطلحہ بن عبید اللہ کو جماعت  
مہاجرین انصاریہ کے ساتھ اس حالت میں دیکھا ہوا دیکھا کہ سب نے  
اپنے اپنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے پوچھا کہ تم لوگ یہاں  
کیسے بیٹھے ہو۔ ان لوگوں نے کہا۔ کیا کریں۔ رسول اللہ تو مار گئے  
میں نے کہا تو پھر ان کے بعد تم جی کر کیا کرو گے۔ اوٹھو جس امر پر  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتے ہیں تم سب بھی مر جاؤ

یہ لکھ کر انس بن نضر فوج کفار پر چاڑھے اور لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ شب بھرے تاریخ طبری ص ۱۲۰۶۔ ابن ہشام ص ۸۵  
جلد دوم تاریخ الخمیس جلد اول صفحہ ۴۴ مصر

انس بن نضر کی ہدایت کی طرف ان حضرات نے ذرا بھی التفات نہ فرمائی اور افسوس۔ جہاں بیٹھے تھے وہاں سے  
کوئی صاحب ایک ہالست بھی آگے نہ بڑھ سکے تاریخ الخمیس کی ایک روایت سے ان حضرات کی جنبش نہ فرمان کی وجہ  
خاص یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرات وہاں بیٹھ کر ایک امر خاص میں مشورت فرما رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
اللہ وسلم کی شہادت کا پورا یقین کر کے اپنی عزیز جانوں کی صحت و سلامتی کا سامان کر رہے تھے۔ ملاحظہ ہو تاریخ  
الخمس کی مفصلہ ذیل عبارت

قال بعض المسلمين لبيت لنا رسول الله الى عبد الله  
بن ابي فاخته لنا امانا من ابي سفیان - جلد اول ص ۴۹

بعض مسلمان کہتے تھے کاش کہ ایک قاصد مجھ کو لے کر رسول اللہ  
بن ابی فاختہ کے پاس بھیجتے کہ وہ ہمارے لئے ابوسفیان سے





حالاتِ قطرِ ثبات نہیں۔ باقی رہے۔ عاصم۔ انکی حالت مشتبہ ہے۔ اس لئے کہ اب اسے جنگ میں انکے ثبات و جگر داری کے حالات علمدارانِ قریش کے مقابلہ میں بیان ہو چکے ہیں اسکے بعد پھر انکا ذکر کہیں پایا نہیں جاتا ممکن ہے کہ مصنف جنگ سے رسول اللہ کی زیارت کے لئے یہ بھی آگئے ہوں۔ اور اسلئے معاویہ بن میں شمار کر لئے گئے۔ یا حقیقتاً آگے چل کر انکے پائے ثبات بھی غرض میں آگئے ہوں یا وہ یہ بھی قرار کر کے واپس آئے ہوں۔

باقی رہے طلحہ بن عبید اللہ تو انکے نہ مفروین ہونے میں کلام ہو سکتا ہے اور نہ معاویہ بن میں کیونکہ کہ انس بن رضی والی روایت میں انکا نام بالتخصیص قید ولایت کے ساتھ مندرج ہے جس پر تمام مورخین کا اتفاق ہو چکا ہے۔

چونکہ خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان حضرات کی مفارقت و سعادوت میں تھوڑا ہی عرصہ گزرا اسلئے مورخین و محدثین نے اتنے عرصہ کو قابلِ لحاظ نہ سمجھا کہ ان حضرات کو براہِ یقین میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ تاریخ الخمیس تفسیر کبیر تفسیر سیب پوری۔ تفسیر و فتوہ سیوطی۔ حبیب الیر۔ معارج النبوة۔ اور مدارج النبوة کی مرقومہ بالا بیانات سے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ کر سب کا پہلا جانا ثابت ہو چکا ہے۔ پھر کسی صاحب کی حاضری یا موجودگی کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ اگر محدثین و مورخین کی ان روایات پر جن میں گیارہ حضرات کی حاضری بتلائی گئی ہے یا صحیح بخاری کو مطابق صرف دو شخصوں (سعدہ طلحہ) کی موجودگی کی روایت پر اعتبار کیا جائیگا۔ تو سعد کی تنہا حاضری سے ان گیارہ حضرات کی موجودگی اور زیادہ قابلِ الزام ثابت ہوگی۔ اسلئے کہ یہ گیارہ جانِ نثار عقبہ اور ابنِ قتیبہ صرف دو شخصوں کی ضرورت سانی سے یکدیگر رسالت کی حفاظت نہ کر سکے۔ عبرت خیز بھی ہے اور حیرت انگیز بھی۔ حقیقت یہی ہے کہ اس وقت یہ بزرگوار موجود ہی نہیں تھے۔ ورنہ انکی عقیدت و جان نثاری کا مقتضایہ ہی ہوتا چاہتا تھا کہ مارتے یا مارتے لیکن انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم نورانی پر خراش نہ آنے دیتے۔

فراہ حضرت عمر کی حقیقت پوشی کی طرف شبلی صاحب کی کوشش محض میکار ہے آپ اپنے ہی دستِ قلم سے اہل سیرت و تاریخ کے مختار اور پھر صحیح بخاری کی تصدیحات لکھ کر باقی ماندگانِ ہمارے ہی ان رسول کے تمام نام بتلا چکے ہیں۔ ارباب سیر و تاریخ گیارہ لوگوں کے نام بتلاتے ہیں اور امام بخاری و دو شخصوں کے نام لکھتے ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی میں حضرت عمر کا نام نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان حضرات سے پہلے ہی چلے گئے۔ اور پھر ان بزرگواروں کے واپس آنے سے بھی چھپے آئے۔ ان تصدیحات کو خود لکھ کر اور انس بن رضی کی مجلس مفروین والی روایت کو نقل کرنے کے بعد جس میں حضرت عمر کا نام مع ولایت جماعت مفروین میں موجود ہے۔ شبلی صاحب اہل کتاب کی عبارت میں تو نہیں لیکن حاشیہ میں چپکے سے یہ عبارت لکھتے ہیں۔

یہ عام روایت (انس بن رضی) والی ہے صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے لیکن حضرت عمر کا نام نہیں یعنی مجلس مفروین میں بخاری کے نزدیک گویا یہ نہیں تھے تو اس سے کیا۔ انھیں بخاری نے حاضرین میں بھی تو انکا نام نہیں دیا تو ب یہ

حاضرین میں نہیں ہیں۔ بقول آپ کے مفردین میں ہیں نہیں تو ہیں یہ کہاں۔ یہ بھی تو غور کر لیا جائے۔  
شبلی صاحب۔ ہم بار بار آپ کی خدمت میں عرض کرتے جاتے ہیں کہ حقیقت تہپ نہیں سکتی۔ حقیقتاً حضرت  
عمرؓ و میدان نہیں تھے۔ میری مجلس ضرورت تھی۔ صاحب شمشیر نہیں تھے۔ اہل راس و تدبیر ضرورت تھی۔ ہر کسی را  
بہر کار سے ساختہ کے اصول پر نظر رکھئے۔ ایسے عالم پرستیز میں ثبات و استقلال انکا کام نہیں تھا۔ دو دوسرے کو  
کھینچے تھے جن کا ذکر بہت جلد آپ کو معلوم ہو جائیگا۔

اس میرے بیان سے اگر شبلی صاحب اور ان کے ہنجیال حضرات کی تسکین ہو تو امام فخر الدین رازی کی تفسیر  
کبیرہ علامہ منشیان پوری کی تفسیر عجائب القرآن میں بذیل آیہ

إِنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا بِكُمْ يَوْمَ الْجُثَمَاءِ  
یہ عبارت ملاحظہ فرمائی جائے۔

ان میں المہزمین عمرو و منہم ایضا عثمان  
بھاگنے والوں میں حضرت عمرؓ بھی تھے اور انھیں میں حضرت عثمانؓ ہی تھے  
اگرچہ اس سے بھی تشفی ہو سکے۔ تو اپنی احسن التفسیر۔ تفسیر امام جریری طبری۔ اور تفسیر و منشور امام سیوطی میں فرماتے  
حضرت عمرؓ کا اقرار ذیل کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایا جاوے۔

عن عمر قال لما كان يوم احد هزمننا و فررت  
حتی صعدت الجبل  
حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ ہم احد جب ہلو گون نے گزرنی تو میں  
بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔

انفسوس ہے کہ شبلی صاحب کہ اوٹکے ہنجیال حضرات تمام توجہ و تہدروی حضرت عمرؓ وغیرہ صلیٰ علیہ وسلم کے ساتھ  
دکھلاتے ہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی طرف۔ جو صحابہ کے اسی طبقہ عالیہ میں داخل اور خلافت راشدہ میں شامل ہیں  
کچھ بھی توجہ نہیں کرتے۔ یہ بھی نہیں پوچھتے کہ ان غریب کا کیا حال ہوا۔ انکی طویل فرار کی نسبت نہ کسی کو غدر و منفرت  
کی فکر ہے اور نہ تو بحیثیت تنقیح کا خیال۔ انکے واقعات کی حب تحقیق کی جاتی ہے۔ تو بخاری نے باب غزوہ احد میں انکی نسبت  
ذیل کے مختصر پرکتفا کی ہے۔

اذا سئل من عبد الله بن عمر ان عثمان  
بن عفان فر يوم احد قال نعم  
عبد الله بن عمر سے جب استفسار کیا گیا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ  
بھی بروز احد بھاگے تھے۔ تو انھوں نے کہا ہاں۔

بخاری کی اس اختصار کی تفصیل طبری کے مفصلہ ذیل الفاظ میں ملاحظہ کی جائے۔

وقد كان الناس انهم موانع رسول الله صلعم  
حتی انتهی بعضهم الى المنقى دون الاعوص و  
ثم عثمان بن عفان وعقبه بن عثمان وسعد بن  
لوگ انحضرت صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے بھاگ کر مقام منقی تک  
جو غص کے قریب ہے چلے گئے اور حضرت عثمان بن عفانؓ و بعض انصار  
عقبہ و سعد بن عثمانؓ کے ساتھ بھاگے تو مقام بلعب میں جا کر قریب

مرجلان من الانصار حتى بلغوا الجعلب فباحثية  
المدینة من ابلی الا عوص فاقاموا به ثلثا شمر  
رجعوا الی رسول الله صلعم

مدینہ میں ہے پناہ گزین ہوئے۔ اور تین دن بعد رسول اللہ صلعم کی خدمت  
میں حاضر ہوئے۔

ایسے قیامت انگیز عالم رستخیز میں اون حضرات کے حالات کی تفصیل کی گئی ہے جو اپنے ولہائے پر اضطراب کو  
ٹھرا سکے۔ نہ پاہائے ثبات جماسکے اور نہ دشمن سے ثواب مقادمت و مقابلت لاسکے۔ اب ہم ان بزرگواروں کے خلاف ان  
اسلامی مجاہدین مخلصین اور مبارزین قائمین فی الجہاد کی دلیرانہ جان نثاریاں اور شجاعانہ ثبات اور جگہ واریاں ذیل کو حالات  
و واقعات میں بیان کرتے ہیں۔ جن سے جانبداروں کے اختلافات طبعی اور خیالات و جذبات باہمانہ کے فرق بالاعتبار  
پورے طور سے معلوم ہو جائیں گے۔

مبارزین اسلام اور دشمن اور پر بیان ہو چکا ہے کہ عبداللہ بن جبر کے دستہ فوج کی سرکشانہ نافرمانی سے پہلے میدان جنگ میں  
فی الجہاد کے من خدمات

جواب علی مرتضیٰ حضرت ابو جہانہ انصاری مصعب بن عمیر سہل بن حنیف الانصاری غنظہ سعد بن الربیع انصار  
اور عمارہ بن زیاد کی پیشگیر شجاعانہ حملات اور لاجواب و دلیرانہ سعی و کوشش کا نتیجہ تھا یہ حقیقی مجاہدان فی سبیل اللہ اور  
قدانیاں رسول اللہ صلعم اپنی ہمیشہ بہت دو فداواری اور استقامت و پاواری سے لشکر کفار کی گھنی صفوں میں  
گھس پڑے تھے اور اپنے حملات شمشیر سے لوٹ چکا رکھی تھی۔ ان ولادہ ان اسلامی میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب  
سب سے زیادہ تیز قدمی اور پیش قدمی سے کار فرما تھے اور تنہا بالنفس النفس کفار کے تڑی دل کو چیرتے پھاڑتے اُس  
انتہائے مقام تک پہنچ گئے تھے جو روز ازل سے آپ کی شہادت کا، "مقتل"، قرار پا چکا تھا۔

حضرت ابو جہانہ انصاری حضرت ابو جہانہ انصاری کی دلیرانہ پیش قدمیوں کی بھی یہی کیفیت تھی سرکار رسالت سے ابتداء جنگ ہی  
کے غاصن خدمات میں انکو ایک شمشیر عنایت ہوئی تھی اور یہاں وہی تلوار برق زہار سے لشکر کفار میں خون ہر سارہے تھے۔

زیریں العوام اس مجاہد کی شان کا تذکرہ بیان کرتے ہیں۔  
عن الزید بن جرح ابو جہانہ بعد ما اخذ السیف وابتعد  
فجعل لا یسر لشی الا افلاک وھتک وقلی بالمشکین  
وکان اذا کل شحذہ بالھجاء شھر یضرب بالعدو  
کانہ یحمل حتی اتی نسوة فی سفح الجبل ومعین ھندو  
ھی تعنی نحر من المشکین فحمل علیھا فذات بالضم  
فلو یحما احد فانصرف عنھا قلت کل سیدا را یتاہ

زیریں بیان کرتے ہیں کہ ابو جہانہ رضاکو دربار رسالت ہی سیف بران غایت ہوشیاری  
تھی جسے یہ لیکر مشغول جنگ ہوئے اور یہ نوبت پہنچائی کہ جس پر انکی تلوار پڑتی  
تھی اور سکو قطع کے بغیر اور صف مشرکین کو شگافتہ کے بغیر نہیں چھوڑتی تھی  
اور جبر پڑتی تھی بغیر زخمی ہوئے کوئی شخص نہیں بچتا تھا۔ یہاں تک نوبت  
پہنچتی کہ فوج کفار کی عورتیں بھاڑ پھانگنے لگیں۔ ان میں ہندو بھی تھی جو  
گاگا کر مشرکین کو جنگ پر برپا کر رہی تھی۔ ابو جہانہ ہندو تلوار سے حمل کیا

فاجبني غير انك لم تقتل الموا قال كرهت ان  
اضرب سيف رسول الله صلعم موا لا ناولها  
اور ہند نے ٹھہر کر با آں سخن کا نعرہ لگایا لیکن کوئی ہی مدد نہ آیا۔ ابو  
نے ایک بار اپنا ہاتھ روک لیا اور اسے پھیر کر چلے آئے۔ زیر کتے ہیں کہ میں نے  
ان سے پوچھا کہ تمہاری تیغ ابدار کی کارروائی تو دیکھ لیکن تعجب ہے کہ اس وقت تک تم ایک عورت کو نہ قتل کر سکے۔ ابو بکر نے اسے کہا خبر خود  
غیرت آئی کہ میں رسول اللہ کی غایت کردہ تلوار سے ایک عورت بے یار و مددگار کا کمر کاٹوں۔ زرتانی جلد دوم میں ۳۳۳ مجاہد صبح مسلم  
یہ بزرگ انصاری ابتداء جنگ سے انتہا تک شرط جان نثاری اور وفاداری پر کمال ثبات و پاداری قائم رہا  
فوج اسلامی کی ہر ہمت اور رسول اللہ کی خبر شہادت پاکر بھی۔ یہ انھیں بزرگواروں میں ہیں جنہوں نے لڑکر مر جانے اور خدا  
و رسول کے حکم پر مٹ جانے کو اپنا نصب العین قرار دے لیا تھا۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح و سلامت رہنے کا مفردہ شکر سیدان  
جنگ سے زیارت کے لئے ضرور حاضر ہوئے تھے۔ اور غالباً اسی وجہ سے محدث دہلوی نے انکو ہی مفردین میں  
سمجھ کر جلد پوٹ آنے والوں میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ صحیح اخلاف واقع ہے۔

محب ابن عمیر | یہ بزرگوار ہاشمی النسل تھے شیعاے اسلام میں داخل اور نقبائے رسول میں شامل تھے۔ اکثر مؤرخین  
کے محاسنات و محدثین کے مختار کے مطابق جنگ احد میں علمدار تھے۔ آغاز جنگ سے اتمام تک۔ مخالف کے مقابل ہو کر  
شجاعت و دلیری اور ہمت و جرات کی لاجواب مثالیں قائم کر رہے تھے۔ نصف کفار کو دور ہم و برہم کر کے قلب شکستہ میں دوڑ تک  
بڑھ گئے تھے۔ وقت برابر ہو چکا تھا ابن قنیمہ کی زور پر آگئے۔ زخم کھائے اور شہید ہو گئے۔ آنحضرت صلعم سے مشابہ تھے۔ ابن قنیمہ  
نے رسول اللہ سمجھ کر شہادت رسول اللہ کی خبر مشہور کر دی۔ جناب رسول خدا صلعم انکی خبر شہادت پاکر بھی دہلوی و مخزون  
ہوئے اور آدمی بھیج کر جناب علی مرتضیٰ کے پاس کہلا بھیجا کہ لشکر کا علم لیکر آگے بڑھیں۔ ابن ہشام ص ۱۸۱ جلد دوم مصر۔

حنظلہ بن ابو عامر | حنظلہ بن ابو عامر بھی انھیں وفاداران اور پاداران اسلام میں تھے۔ یہ بھی ساعی جہاد میں از ابتدا تا انتہا  
کے محاسنات و بے نظیر جگر داریاں دکھلاتے رہے۔ انکا باپ ابو عامر حبش میاں میں اکرم مبارک طلبی کرنے لگا۔ تو  
اوسکے مقابلہ میں سب سے پہلے انھیں نے خدمت رسول سے اجازت جنگ چلائی اور قصہ کر لیا کہ دنیا کو کفر و اسلام  
طلست و نور اور سعادت و شقاوت کا نمونہ دکھلادیا جائے۔ لیکن رحمت اللعالمین نے باپ بیٹے کے مقابلہ کو ناگوار سمجھ کر  
اجازت نہ دی۔

یہ دلیر مجاہد باپ کو چھوڑ کر دوسرے کافر سے مقابل ہوا۔ اور بڑی دیر تک شجاعت و دلیری کے جوہر دکھاتا رہا۔ مقابل کا  
خاتمہ کر کے کفار کی صفوں پر ٹوٹ پڑا اور انکو ضرب شمشیر سے اولٹ پلٹ کرتا رہا۔ پھر ہمت و جگر داری سے بڑھتا ہوا قلب  
شکر میں ابوسفیان۔ سردار لشکر کے سر پر جا پہنچا قریب تھا کہ ضرب شمشیر سے اوسکا کام تمام کر کے جدال و قتال کا ایک بار  
فیصلہ کر دے۔ کہ شداد بن الاسود جو پہلو میں چھپا کھڑا تھا۔ اونکے وار کو روکا اور اپنے وار سے اونکو شہید کر ڈالا۔



سعد بن الربیع النضاری  
کے محاسن خدمات

اس قیامت خیز جنگ میں کسی کو نہ انکی شہادت کی خبر ہوئی اور نہ یہ معلوم ہوا کہ انکا قاتل کون ہے۔ میدان جنگ سے قریش کے چلے جانے کے بعد جب شہدائے اعدا کے تلاش ہونے لگی تو ان کی بھی جستجو ہوئی۔ تو ایک مرد انصار کو یہ جاننا سلام و تمنا ملا۔ طبری۔ اور ابن ہشام اس خالص عقیدت مند اور وفادار کی آخری تقریر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں

وہ بزرگ انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے انھیں کشتوں میں پڑا پایا۔ رقی جان ان میں باقی تھی۔ میں نے پکار کر کہا اے سعد رسول خدا صلعم نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ تمہیں تلاش کروں کہ تم زندہ نہ ہو یا مردہ نہ ہو۔ سعد بولے میں تو مردوں میں ہوں لیکن مہربانی کر کے رسول خدا صلعم کی خدمت میں جا کر پیغام عرض کرنا اور کہنا کہ خدا تعالیٰ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی کو اسکی امت کی طرف سے ندی گئی ہو۔ اور قوم کے لوگوں کو بھی میری طرف سے سلام کہنا اور کہنا کہ سعد کہ گیا ہے کہ جب تک تم لوگوں میں ایک آنکھ بھی چمکنے والی باقی ہے اسوقت تک اگر دشمن نبی صلعم تک پہنچ گیا تو خدا کے حضور میں تم کوئی عذر پیش نہ کر سکو

فَنظَرُ فَوْجَهُ (سعد ابن الربیع) جَرِيحًا فِي الْقِتْلَةِ  
وَبِهِ رَمَقٌ تَالِ فَقُلْتُ لَهُ اَنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّوْهُ  
اَمُوْنِ اَنْ اَنْظُرَ فِي الْاَحْيَاءِ اَمْتًا فِي الْاَمَوَاتِ قَالِ  
اَنَا فِي الْاَمَوَاتِ فَاَبْلَغُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّوْهُ عَنِ السَّلَامِ  
رَقِلَ لَهُ اَنَّ سَعْدَ بْنَ الرَّبِيعِ يَقُوْلُ لَكَ خِرَالُ اللّٰهِ  
عَنَا خَيْرًا مَا جَرَى فَيُثَبِّتُ عَنْ اَمْتِهِ فَاَبْلَغُ قَوْمَكَ عَنِ  
السَّلَامِ وَعَلِ لَهْمَا اَنْ سَعْدَ بْنَ الرَّبِيعِ يَقُوْلُ لَكُمْ  
اِنَّهُ عَذْرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اِنْ اَخْلَصَ عَلَيَّ نَبِيْكُمْ  
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمُ مِنْكُمْ عَيْنٌ قَطْرَةٍ  
قَالَ ثُمَّ لَا اَبْرَحُ حَتَّى مَاتَ مِنْ وَجْدٍ دَوْمِ ابْنِ هِشَامٍ  
اس کے آگے ابن ہشام لکھتے ہیں۔

ابو بکر زبیری سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت ابو بکر کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک چھوٹی سی لڑکی اونکے سینہ پر بیٹھی ہے اور وہ آہ پیا کر رہے ہیں اور اس کا مونہ چوم رہے ہیں اس شخص نے پوچھا کہ یہ کس کی لڑکی ہے تو حضرت ابو بکر نے کہا یہ اس شخص کی لڑکی ہے جو مجھ سے بہتر تھا۔ جو بزرگ عقیبہ حبیب سے مشرف ہوا تھا اور آنحضرت صلعم کے نقباء میں تھا شمر کا مدبرین اہل اور شمر کا مدبرین اہل

حدیثی ابو بکر الزبیری ان رجلا دخل علی ابوبکر  
الصدیق و بنت السعد بن الربیع جاریة  
صغيرة علی صدره برشفها و یقبلها فقال له  
الرجل من هذه قال هذه بنت رجل خیر منی  
سعد بن الربیع کان من النقباء فی العقبہ و  
شہد بدرا و استشهد یوم احد ص ۹

عمارہ ابن زیاد  
کی جان نثاری

عمارہ ابن زیاد کے نام میں اختلاف ہے۔ صاحب رحمۃ اللہین نے عمارہ بن زیاد لکھا ہے اور شبلی صاحب۔ زیاد بن السکن لکھتے ہیں۔ دونوں صاحبوں نے طبری سے لکھا ہے۔ طبری نے خود تحقیق نام نہیں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں زیاد بن عمارہ بن زیاد بن السکن (زیاد یا عمارہ بن زیاد بن السکن) ص ۳۰۳

بہر حال۔ باپ بیٹوں میں سے جو صاحب ہون وہ آغاز جنگ سے حصول شہادت تک ضرور قائم بالجہاد رہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انکی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ نے شفقت خاص سے انکی لاش حضور میں اٹھوا منگوائی۔ جب مسلمان انکی لاش اٹھا لائے تو فرمایا قریب لاؤ۔ قریب لائے تو ارشاد فرمایا اور قریب لاؤ۔ فوسدہ قد مہ فمات و خدہ علی قدم رسول اللہ ﷺ | ایسا تک کہ انکی لاش پر قدم رکھی اور وہ اپنی رضا قدم رسول پر لکھ کر گیا۔

اس موقع پر شبلی صاحب نے مناسب حال کسی کا شعر لکھا ہے۔

بچہ ناز رفتہ باشد ز بہان نیازت  
کہ بوقت جان سپردن کبرش رسیدہ باشی

پیرۃ البنی ص ۱۰۱ تا ۱۰۲ واقعیت کا ایک شوشہ رو گیا ہے۔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مناسب مقام کج کر دو کی زبان قدیم کا یہ شعر لکھا ہے۔ زبان میں جو اندر ہو۔

لیکن واقعیت اور تمثیلیت میں کوئی کلام نہیں۔ وہ یہ ہے۔

سروقت ذبح اپنا اسکے زیر پائے ہے رحمہ ص ۱۰۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

سہل ابن حنیف انصاری کے | سہل ابن حنیف انصاری کے ولادہ نامے اسلام کی تصدیق اور ثبات فی الجہاد کی توثیق میں یہی کافی ہے۔ جیسا کہ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ جناب علی مرتضیٰ نے حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کو ذوالفقار اس غرض سے روزا حردی کہ وہ اسے کافرون کی خون سے پاک کر دیں تو ارشاد فرمایا۔

اغسلی عن هذا دمہ فواللہ لقد صدقنی الیوم | اس کا خون دھو ڈالو۔ بخدا میں نے آج اپنی خدمات کی تصدیق کرادی۔

جناب رسالت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب تھے۔ سنکر ارشاد کیا۔

یا علی لئن کنت صدقت القتال لقد صدق معک سہل بن حنیف الانصاری و ابود جہل | تمہا میں نے خدمات جنگ کی تصدیق نہیں کرائی بلکہ تمہارے ساتھ سہل بن حنیف انصاری اور ابود جہل۔

مخیر صاوق کے لفظ معیت میں اتنی کامل صداقت تھی کہ سہیل ابن حنیف الانصاری واقعات صفین تک حضرت علی مرتضیٰ کی معیت میں موجود رہے۔ امارت بصرہ کے وقت جو انکی ذلت و خواری کی گئی۔ اوسکا ذکر ناگفتہ بہ ہے اور بہت قبل از وقت۔

مجاہدین۔ قائمین بالجہاد کی فہرست میں شبلی صاحب۔ زبیر العوام۔ طلحہ اور سعد بن ابی وقاص کے نام بھی بتلاتے ہیں اور وہ کیا تاریخ و حدیث کی مرویات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ خصوصاً طلحہ کی تصدیق خدمات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی بھی جا بجا نقل فرمائی ہے لیکن چونکہ ہم انہیں تاریخ و حدیث سے ان بزرگوں کو منہزمین و مفورین میں اور ثبات کر آئے ہیں اس لئے یہ حضرات ادن بزرگواروں کے مقابلہ میں جبکا ذکر ابھی ہم لکھ چکے ہیں۔ معیار شجاعت و جگر داری اور مقیاس ثبات و پاداری میں مشکل سے کامل اور تیرتے ہیں ممکن ہے کہ انکے

جن خدمات کا ذکر کیا گیا ہے وہ اوائل جنگ میں یا قبل نبی و حیت رسول صلعم ان سے عمل میں آئی ہوں اور پھر ثرائی بگڑ جانے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخمی ہو جانے اور نظروں سے پوشیدہ ہو جانے کو بعد ان کے پائے ثبات میں بھی غرض اگئی ہو۔ یہی واقعیت ہے۔ اور واقعیت کا انکار حقیقت کا انکار ہے۔

جناب علی مرتضیٰ کے انھیں قائمین فی الجہاد میں جن کا ذکر خیر اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ان کے سر حلقہ اور مقتدا حضرت علی عیسیٰ خدایات مرتضیٰ ثابت ہوتے ہیں۔

جنگ اُحہ کے قیامت خیز معرکہ میں جو حضرات از ابد اتنا انتہا ثابت قدم رہے ان کے نام اور تفصیلی خدمات اوپر بیان ہو چکے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ان آٹھ وفاداروں اور جگر داروں میں پانچ بزرگوں اور حضرت عمرؓ، مصعب ابن عمیر خطمہ، سعید بن الربیع اور عمارہ بن زیاد شرافت و فدا کے ساتھ قرائے اسلام ہو گئے۔ رضوان اللہ علیہم تین وفادار حضرت علی مرتضیٰ، حضرت ابو جہانہ انصاری اور حضرت سہل بن حنیف انصاری انتہائی جنگ تک خدمات جان نثاری اور وفاداری پر ثابت قدم رہے اور ابن ہشام کے موافق مراجعت مدینہ تک ان کی خدمات کی زبان رسالت سے تصدیق فرمائی گئی۔

جناب علی مرتضیٰ کی اقامت فی الجہاد کی ابتدائی کیفیت اور علمداران قریش کو آپ کا قتل کرنا اور بیان ہو چکا ہے۔ اور ان کے مجموعہ علمداروں میں سے۔ رحمتہ العلمین کے قول کے مطابق آٹھ سرداران قریش کو بیکے بعد دیگرے تنہا آپ ہی نے قتل فرمایا تھا (ص ۱۰۸) علمداران قریش کے قتل کے بعد آپ کی عظیم المصالہ مبارزت کی تفصیل و تصریح طبری میں یوں مرقوم ہے۔

ما قتل علی ابن ابی طالب اصحاب الا لویہ ابصر رسول اللہ صلعم جماعۃ من مشرک قریش فقال لعلی احمل علیہم فحمل علیہم ففرق جماعہم وقتل عمر بن عبد اللہ الجمہر قال شعر البصر رسول اللہ صلعم جماعۃ من مشرک قریش فقال لعلی امل علیہم فحمل علیہم ففرق جماعہم وقتل شیبہ بن مالک احد بنی عامر بن لوی فقال جبریل یا رسول اللہ ان ہذا للمواساة فقال رسول اللہ انہ منی وانا منہ فقال جبریل وانا

ایورافع اپنے دوا سے روایت کرتے ہیں کہ جب علی مرتضیٰ علمداران قریش کو قتل کر چکے تو آنحضرت صلعم نے مشرکین کی ایک جماعت کو اپنی طرف آئے دیکھ کر حضرت علی سے فرمایا کہ ان پر حملہ کرو حضرت علی نے اس جماعت پر حملہ کیا اور اسکو متفرق کر دیا اور ان میں سے عبداللہ بن عمر جمہی کو قتل کر ڈالا اسکے بعد پھر جناب رسول خدا صلعم نے دوسری جماعت مشرکین کو اپنی طرف آئے دیکھا پھر فرمایا۔ ان پر حملہ کرو پھر حضرت علی نے ان پر حملہ کر دیا اور متفرق کر دیا اور ان میں شیبہ بن مالک جو بنی عامر کے قبیلہ کا ایک آدمی تھا قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر حضرت جبریلؑ نے خدمت رسول صلعم میں عرض کی کہ یہ تو تمہارے محبت و رفاقت ہے۔ جناب رسول خدا صلعم نے

منكما قال فسمعوا صوتا لاسيف اكد والحقا  
ولا فتى الا على ۱۲ طبری ص ۱۳۰۲ - جرین

ارشاد فرمایا اسلئے کہ یہ مجھے ہو اور میں اس سے ہوں۔ یہ سنکر حضرت جبریلؑ  
نے کہا کہ میں تم دونوں میں شامل ہوں اسلئے بیدار اور نائیوسی کہ کوئی گناہ ہے  
تلاوہ ذوالفقار کے ایسے نہیں اور کوئی جو انور علی کی ایسا نہیں ہے۔

ایسا نہیں ہوا کہ شمول کا مواسات میں حضرت جبریلؑ صرف وعدہ کر کے رہ گئے ہوں۔ نہیں ایسا نہیں ہوا  
تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ عملی صورت میں لایا گیا اور پورا فرمایا گیا۔ علامہ یوسف گنجی الشافعی اپنی کتاب کفایت  
الطالب میں اور شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی مدارج النبوة میں تحریر فرماتے ہیں۔

روى المحافظ محمد بن عبد العزيز الحنابلة في كتاب  
معالم العترة النبوية مرفوعا الى قايس بن سعد  
عن ابيه انه سمع عليا يقول اصابني يوم احد  
عشر ضربة سقطت الى الارض في اربع مهن  
فجاءني رجل احسن الوجه طيب الريح فاخذ  
بعضي فاقامني ثم قال اقبل عليه فانك في طاعة  
الله ورسوله وهما عنك راضيان قال علي فاميت  
النبى صلعم فاخبرته فقال يا علي اقر الله عينك  
وذاك جبريل ع - سوانح عمری حضرت علی ص ۲۱۶ لاہور  
عطا فرمائے۔ وہ جبریلؑ تھے۔

مافظ محمد بن عبد العزيز الحنابلة في كتاب معالم العترة النبوية بطريق مرفوع  
قايس بن سعد عن ابيه انه سمع عليا يقول اصابني يوم احد  
عشر ضربة سقطت الى الارض في اربع مهن  
فجاءني رجل احسن الوجه طيب الريح فاخذ  
بعضي فاقامني ثم قال اقبل عليه فانك في طاعة  
الله ورسوله وهما عنك راضيان قال علي فاميت  
النبى صلعم فاخبرته فقال يا علي اقر الله عينك  
وذاك جبريل ع - سوانح عمری حضرت علی ص ۲۱۶ لاہور  
عطا فرمائے۔ وہ جبریلؑ تھے۔

موقوفہ بالا مشاہدات غیب میرے بیان کے شاہد صادق ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی یہ مبارزت اس وقت  
کی ہے کہ حکم رسول اللہ صلعم سے آپ شکر کفار اوس جماعت میں جو بار بار رسول اللہ صلعم کی ذات خاص پر ایذا رسانی  
کی غرض سے چڑھ چڑھ آتے تھے۔ ہر بار آپ ادنیٰ حکم رسول سے حملہ آور ہوتے تھے اور ہر بار بڑی جگہ داری سے  
رُکراؤ کو پکڑ دیتے تھے۔

نبیل صاحب نے حضرت علی کی ایسی بے نظیر شجاعت و مبارزت کو اول تو آنحضرت صلعم کے مجروح ہونے کی  
بعد لکھا ہے۔ اور یوں اسکی واقعت اور اصلیت کو بدل دیا ہے۔ دوسری یہ کہ ان محاسن خدمات کو صرف اتنا لکھا کہ  
دول کا دل ہجوم کر کے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ باول بچٹ بچٹ کر رہ جاتا تھا ص ۲۷۷ - اسکی  
حقیقت کو تمام کر دیا ہے۔ ہم کو آپ کی اس کوشش کی کوئی شکایت نہیں۔ اس لئے کہ ہم کو آپ کی خدمت میں عادت  
شناس اور مزاجدان ہونیکا اعزاز حاصل ہو چکا ہے۔ ہم خوب واقف ہیں کہ بہ موقع خاص آپ کے اختصار و اقتصاد



ابو النخعیس و تبلیغ کے مقامات ہیں۔

شکر اسلام کی ہریت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سنکر جو کیفیت حضرت علی مرتضیٰ کے قلب پر ستوی ہوئی وہ خود زبان مبارک سے یوں ارشاد فرماتے ہیں۔ محدث شیرازی لکھتے ہیں۔

چون کفار بر مسلمانان غلبہ کردند حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام از نظر من غائب شد و در میان کشمکشان فرتم و احتیاط کردم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (پیغمبر) با خود گفتم وے ازان قبیل نیست کہ از ضعف جنگ کافران بگرنیزد و در میان قتلی نیست۔ گمان من اینست کہ حق تعالیٰ بواسطہ فعل ما بر ما غضب کردہ پیغمبر خویش با سان بدوہ و با خود گفتم هیچ بہتر ازان نیست کہ مقاتلہ نمایم تا کشتہ شوم شمشیر کشیدہ و بر جوق مشرکان حملہ بروم از ہم ہپاشتیدند۔

جب کفار نے مسلمانوں پر غلبہ کیا حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں آپ کو کشتوں میں ڈھونڈتے لگا۔ اور اوں میں آپ کو نہ پایا تو میں اپنے دل میں سوچا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ جنگ کفار سے گریز فرمادیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ یہ ہریت خلہ غضب ہے جو ہمارے افعال کی سزا میں ہم پر اوتا لگایا ہے اور خدا نے اپنے رسول کو محفوظ اور مدد مند رکھا آسمان پر ابٹھا لیا ہے۔ یہ سوچ کر میں نے اپنے دل سے کہا کہ اب میرے لئے اس سے بہتر کوئی صلاح عمل نہیں ہو سکتی کہ ہم بھی کفار سے لڑ کر مر جائیں۔ یہ قصد کر کے میں تلوار لے کر گروہ کفار پر ٹوٹ پڑا اور اتنی جگہ داری سے لڑا کہ انکو متفرق اور پشیمان کر دیا۔ روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۶۲

ان خدمات کے صلہ میں جناب احدیت کی بارگاہ سے حضرت علی مرتضیٰ کو کیا صلہ عطا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جماعت کفار کے متفرق کرنے کے بعد نظر مبارک اوٹھاتے ہیں تو جہاں رسالت سامنے ہے صلوا علیہ وآلہ۔ محدث شیرازی اسی سلسلہ بیان مرقومہ بالا میں جناب علی مرتضیٰ کے زبانی نقل فرماتے ہیں۔

جمال حضرت را دیدم بسلامت و انستم کہ حق تعالیٰ ویرا بملائکہ کرام خود محافظت نمودہ اور آپ صحیح و سلامت نظر آئے تو مجھے یقین آگیا کہ خدا نے ملائکہ کرام کے ذریعہ سے آپکی محافظت فرمائی۔ فوراً خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اب باہمی مکالمات کی حقیقت بھی محدث شیرازی و محدث دہلوی کی عبارت میں ملاحظہ ہو۔

اس اثنا میں میری نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک پر پڑی اور آپ صحیح و سلامت نظر آئے تو مجھے یقین آگیا کہ خدا نے ملائکہ کرام کے ذریعہ سے آپکی محافظت فرمائی۔ فوراً خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اب باہمی مکالمات کی حقیقت بھی محدث شیرازی و محدث دہلوی کی عبارت میں ملاحظہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اوٹھائی تو دیکھا علی ابن ابی طالب پہلو پر کھڑے ہیں اوں سے استفسار فرمایا کہ تم کیونکر انہی بھائیوں کے جاگیر نہ مل گئے حضرت علی نے عرض کی کیا میں ایمان لائیکے بعد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اوٹھائی تو دیکھا علی ابن ابی طالب پہلو پر کھڑے ہیں اوں سے استفسار فرمایا کہ تم کیونکر انہی بھائیوں کے جاگیر نہ مل گئے حضرت علی نے عرض کی کیا میں ایمان لائیکے بعد

الایمان انی بک اسوۃ ایا کافر شوم بعد از ایمان بدریکہ  
مرا با تو اقتداست یعنی مرا بشما کارست بایاران و ہود  
کدو پئے غنیمت افتادند و نہ ہر سیت نمودند چہ کار دارم  
کا فہو جاتا مجھ کو آپ ہی کی اقتدا کافی ہے یعنی مجھے آپ ہی  
صرف سروکار ہے مجھے اپنے اُن ہارون اور بھائیوں سے کیا کام  
جو مال غنیمت کے پالچ میں پڑ گئے۔ اور بھاگ نکلے۔

ذکران کی مسند ابنا ب علی مرتضیٰ ع کی عید المثال شجاعت خود غرض نہیں تھی۔ اسکا کوئی پہلو عالی ہمتی اور بہر دی اور دوسرے  
د اعانت کی مدد و اعانت سے خالی نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ صرف اپنی حفاظت کے لئے

اپنی قوت و شجاعت صرف کرتے ہوں اور دوسرے رفیقوں کی مدد و استعانت سے پہلو تھی فرمائے ہوں واقعات بتلا  
رہے ہیں کہ اسی احد کی لڑائی میں حضرت علی نے بنی عبدالدار کے علمداروں کا خاتمہ کر کے فوراً حضرت حمزہؓ اور حضرت  
ابو جہانہ کی حمایت فرمائی اور دیر تک انکے شریک رہ کر لشکر کفار سے لڑتے رہے۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت ابو جہانہؓ ہی کی حمایت و استمداد پر منحصر نہیں۔ شاید آپ نے اپنے عم محترم کی  
اعانت کو فرض سمجھ لیا ہو۔ تو ذکوان بن عبدالعبس کے قصہ سے آپ کی ہمت استعانت عام کے ثبوت خاص ملجاتی  
ہیں۔ ترجمہ مغازی الصاوقہ کامل واقعی مطبوعہ ذیل کشور لکنئوین اسواقہ کی نسبت لکھا ہے۔

جناب علی مرتضیٰ نے محاصرہ کفار سے نکل کر۔ ذکوان بن عبدالعبس کو جس کا ذکر ابتدا میں ہو چکا ہے۔ جو  
مجاہدین اسلامی میں داخل تھا۔ ابو الحکم ابن الاجنس ثقفی کے پنجہ میں گرفتار دیکھا۔ آپ کی بہر دی اور غیرت اسلامی  
اسکی مقتضی نہ ہوئی کہ اسکی اعانت دوست گیری سے نا توہی کی جائے۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ جناب رسولؐ اصلی  
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر شہادت سنا کر آپ مضور کی تلاش میں نہایت بیتاب تھے۔ اگر ایسے وقت نازک میں پہلوئی  
ہی کی جاتی تو قابل الزام نہیں تھی۔ لیکن جناب علی مرتضیٰ کی حمیت اسلامی اسکو گوارا نہ فرما سکی۔ آپ یہ دیکھ کر فوراً موق  
پر پہنچے۔ ابو الحکم کی تلوار اوٹھ چکی تھی۔ غریب ذکوان کی گردن اوسکے نیچے آچکی تھی۔ موت ذکوان کے سامنے  
آکڑی تھی۔ سب سے زیادہ دشواری ذکوان کے لئے یہ تھی کہ یہ پیدل تھے اور ابو الحکم گھوڑے پر سوار۔ لیکن شہسوار  
لافتی نے ذکوان کی ان تمام دشواریوں کو طرفۃ العین میں رفع کر دیا۔ ابو الحکم کا ہاتھ ذکوان پر پڑنے بھی نہ پایا تھا  
کہ حضرت علیؓ کی دو انگشتوں کا تلا ہوا ہاتھ ابو الحکم کے سر پر پیا کاسی پڑا کہ اوسکا سر کٹ کر ذکوان کے سامنے گر پڑا۔  
ذکوان کی جان بچی۔ غریب نے اپنی راہ لی۔ ص ۲۱

محدث شیرازی اور محدث دہلوی دونوں بزرگوں نے انھیں عید المثال مشاہدات شجاعت پر اعتبار کر کے  
تکثیر فرمایا ہے۔

وے رضی اللہ عنہ حق مبارزت و محاربت و جلالت و شجاعت بجا آورد کہ فوق آن تصور نہ توان کرد۔ یعنی آپ نے  
ہر طرح سے جہال و قتال۔ دلیری و شجاعت کے ایسے حقوق ادا فرمائے کہ اون سے زیادہ تصور نہیں ہو سکتا۔

شاہ عبدالحق صاحب توابنی حرامکان تک تعریف و توصیف ہی کر کے رہ گئے۔ لیکن امام للغازی ابن اسحق۔ امام المورخین ابن جریر طبری و ابن ہشام بالاتفاق یہ لکھ کر فیصلہ کر چکے ہیں۔

وکان الفتح یوم احد یصبر علی علی عنایتہ | اہل کے روز فتح حضرت علیؑ کے مصیبت پر صبر کرنے۔ نبات حواشیہ  
و تباوند و حمل بلائہ | رکھنے اور تکلیف برداشت کر چکی وجہ سے نمودار ہوئی تھی۔

یہی رائے امام المحدثین ابو یوسف اللکھی الشافعی کی بھی ہے۔ جبکہ ادھون نے اپنی کتاب کفایۃ الطالبین حضرت ابن عباس کی سند سے لکھا ہے۔

نضر بن النضر | اپنے اس سلسلہ بیان میں۔ ابھی پہلو خنجر فلانیان انصار کی دلیرانہ جان نثاریاں اور وفاداریاں کی جان نثاری | ذکر کر دینا بہت ہی ضروری ہے۔

انس بن مالک کے چچا۔ انس بن نضر کی دلیرانہ سرفروشی اور جانبازی تفصیل سے اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اور بتلا چکے ہیں کہ یہ گروہ ہنرمین اسلام کو جنگ کفار پر غیرت و لاکر فوج قریش کی گھنی صفوں میں شیرانہ شوکت و شان سے ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے فائز لیشہادت ہوئے۔ کفار نے انکو زخمیوں سے اتنا چور کر دیا تھا کہ لاشوں کے جائزے کے وقت کوئی انکی لاش کو نہ پہچان سکا بالآخر انکی مصیبت نصیب بہن نے ہاتھ کی انکو بھٹی سے پہچانا۔

عمارہ ابن زیاد اور زیاد بن السن کے حالات بھی اوپر لکھے جا چکے ہیں۔ زیاد اور عمارہ نے تنہا اپنی جان بیکار جان نثاری | کے ایثار نہیں کئے۔ بلکہ اپنے تین اور رفقاء غزیر کو بھی فدائے اسلام کر دیا۔ کیفیت یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت و سلامتی کا مژدہ پا کر یہ پانچوں جان نثار بیکار میدان جنگ سے حصول زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوئے اور کفار کی اوس جمعیت سے جو آنحضرت صلم کے قریب ایذا دہی کی غرض سے جمع تھی۔ اذن رسول پاک رحمہ آور ہوئے اور پانچوں کے پانچوں شہید ہو گئے۔ ایک بھی جانبر نہ ہو سکا۔ رضوان اللہ علیہم۔

ابو طلحہ الانصاری | جو انس بن مالک مشہور صحابی کے علاقی باپ تھے۔ قابل الذکر ہیں کی رفاقت | رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب یہ تیر برس تھے۔ تو یہ وفادار اور جگر دار جان نثار چہرہ مبارک پر اپنی سپرد رکھ لیتا تھا اور موزیوں کے تیر و نکو آپ کے چہرے پر آنے دیتا تھا اور اسی حالت میں تیر لڑائی کی خطا کاری کا جواب بھی دیتا جاتا تھا۔ ابو طلحہ نے اس موقع خاص پر اتنی تیر چلائی کہ وہ تین کمائیں ان کے ہاتھوں میں ٹوٹ گئیں تھیں سیرۃ النبی ص ۲۴ بحوالہ بخاری

خواتین اسلام کی | مردوں کی ایثار نفس اور جانبازی کو تفصیل سے دکھانا اور خواتین اسلامی کی مردانہ وار رفاقت و دنیا مردانہ ہمت و رفاقت | کا ذکر کرنا۔ واقعہ گاری کی نامردی ہے اور سوانح نویس کی بیدردی اسلئے ہم اپنے سلسلہ بیان کو ان محرمات کے محاسن خدمات سے خالی رکھنا نہیں چاہتے۔ ان میں سب سے پہلے ام عمارہ کا حال ذیل میں لکھتے ہیں

ام عمارہ صحابیہ | یہ عقیقہ محرمہ خود درخواست کر کے لشکر اسلامی کی خدمت کرنے کیلئے ہمراہ آئیں تھیں۔ اور فتنہ جراحی سے واقف محسن خدمات

تھیں۔ عین اوس موقع پر جب فوج کفار کے موذی تیر انداز آنحضرت صلعم پر تیروں کا ہنر برسا رہے تھے۔ تو یہ شیر دل خاتون انصاریہ آنحضرت کے آگے کھڑی ہو گئیں اور انکے سروں کو اپنے سینہ پر لگے لگی۔ اور جب وہ خونخوار جماعت نیزہ و تلوار لیکر آپ کا قصد کرتی تھی تو یہ خود تلوار پکڑ کر ان کے وار کو رد کرتی تھی اور انھیں برابر کا جواب دیتی تھی۔ جب ابن قیسہ تلوار پکڑ کر آنحضرت صلعم کے بالکل قریب آ گیا تو اُمّ عمارہ نے بڑھ کر بڑی دلیری کے ساتھ سوکا۔ اور اسی رد و کد میں ان کے کندھے پر زخم لگا اور عمارہ پر لگ گیا۔ مدھون رہا۔ اس سبب بہادر خاتون نے تلوار لگا کر ابن قیسہ کو اوس کی ضرب کا جواب بھی دیا۔ مگر وہ ظالم و دوزخ رہین ملے اوپر پستے ہوئے تھا۔ اس لیے ان کی تلوار کام نہ کر سکی۔

ابن ہشام جلد دوم ص ۸۴ سیرۃ النبی ص ۲۸۱

نہیں معلوم نہ سیرت والوں کے گیارہ اور صحیح بخاری کے وہ دو جان نثار اس وقت کمان تھے جو اُمّ عمارہ کی دلیری کو بھی دیکھ کر ابن قیسہ کے مقابلہ پر جرات نہ کر سکے۔ حقیقت و انصاف تو یہ بتا رہے ہیں کہ اس خاتون انصاریہ کے خدمات بڑے بڑے مجاہدین اسلام کی کارگزاریوں سے زیادہ قابل قدر و عزت ہیں۔

دوسری خاتون انصاریہ قبیلہ انصاریہ میں بنی دینار کی ایک عورت کے باپ بھائی۔ اور شوہر سب کے سب کفار سے لڑ کر کام چلے کی جگر داری تھے۔ لیکن وہ خاتون رسول اللہ صلعم کی خبر شہادت سن کر استغدیہ حسین اور اضطراب الحال ہو رہی تھی کہ

اوسکو اپنے تین زخمیائے کامل اور صدمات متصل کی کوئی فکر نہیں تھی وہ رسول کی تلاش میں ادھر ادھر غمناک تہذیب وار پھر رہی تھی۔ جو دیکھتا تھا وہ اوس سے اوسکے باپ بھائی اور شوہر کی خبر پوچھتا تھا۔ لیکن وہ بے خود ہو کر اون سے پوچھتی تھی یہ تو کہو۔ رسول اللہ تو صحیح سلامت ہیں۔ لوگ کہتے تھے۔ ہاں الحمد للہ آپ بخیریت ہیں۔ اسی حالت میں وہ افسانہ و خیران جناب رسول خدا ص کی خدمت میں پہنچی۔ نظر اٹھا کر جمال مبارک کی زیارت کی۔ اور عرض کی۔ کل مصیبت بعدل جلی یا رسول اللہ آپ موجود ہیں تو پھر تمام مصیبتیں ہیج ہیں۔ شبلی صاحب نے اس موقع کے مناسب حال یہ شعر لکھا ہے کیا تعجب کہ طبع اُدھوس

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی نہ رہا | اے شہدین ترے ہوتے ہوئے کیا چیز میں ہم سعد بن معاذ کی مان | رئیس الانصار سعد بن معاذ کی اپنے بھائی عمر بن معاذ ورجہ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔ سعد بن معاذ اور عقیدت کو اپنے آپ برابر کے بھائی کا کوئی غم اور کوئی رنج و الم رفاقت و اطاعت رسول صلعم کے مقابلہ میں نہیں تھا

یہ تو مرد تھے۔ ثبات و پاداری ان کا کام تھا۔ انکی مادر گرامی قدر کی جگر داری البتہ قابل ذکر ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب داخل مدینہ ہوئے تو آپ کے گھوڑے کی لگام سعد بن معاذ تھامے تھے۔ آمد رسول کی خبر سن کر انکی والدہ معظمہ جنکا نام کنیت بنت رافع تھا شوق رسول میں بنیاب ہو کر دوڑیں۔ بیٹے کی نظر ان پر پڑی تو چپکے سے خدمت رسول میں عرض



کی۔ نان شوق ریارت میں دوڑی آتی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مرجا۔ اتنے میں وہ محترم تھا ہی گئیں۔ جمال مبارک پر چشم عقیدت سے نظر کی۔ اور فرط مسرت سے شگفتہ ہو گئیں۔ اور خلوص سے عرض کی حضور کو زندہ و سلامت دیکھ کر تمام رنج و غم فراموش ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غایت اخلاق سے اونکو اونکے فرزند شہید کی تعزیت دی اور اون کے فرزند شہید اور دیگر شہداء انصار کے داخل جنت کئے جانے کی بشارت پہنچائی۔ روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۷۳

جرات رسول سے نیکر نامہ | جان بخاران اسلام میں اون تمام بزرگواروں کی خدمات جو حمایت اسلام اور رفاقت حضرت جنگ تک کے حالات | خیر الانام علیہ السلام کے متعلق جنگ احمد میں واقع ہوئے وہ حدیث و تفسیر اور سیرت و تاریخ کے معتبر ماخذوں سے ایک سلسلہ میں بیان کر دیے گئے۔ اس تفصیل کو تمام کر کے اب ہم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے اور منہزین اسلام کے واپس آنے کے حالات سے لے کر خاتمہ جنگ تک کے باقی واقعات کو موجودہ سلسلہ میں بیان کرتے ہیں۔

یہاں تک بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار سے برآمد ہوئے۔ سرور عالم کی خبر شہادت مدینہ تک پہنچ گئی تھی۔ جناب سیدہ اور دیگر خاتونان اسلامیہ جو شمار میں ۱۴ محترمت ہتھیں بتیاب ہو کر میدان جنگ تک چلی آئیں اور محدث شیرازی لکھتے ہیں کہ جوہن جناب سیدہ کی نظر اپنے پدر بزرگوار کے پھر خون لود پر پڑی بقیار ہو کر رونے لگیں آنحضرت نے اپنے پارہ جگر کو سینہ سے لگالیا اور دیتیک اشکبار رہے اس انیامین حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی پوچھ گئے اونہوں نے اپنی ڈال میں پانی لانا اور حضرت فاطمہ زہراء نے وہونا شروع کیا۔ لیکن خیم سے خون نہیں بند ہوتا تھا تو بالآخر جناب سیدہ نے پارہ چھریا اور بروایت بخاری پارہ حصیر جلا کر لگایا تب خون بند ہوا روضۃ الاحباب ص ۲۷۰۔ رسالت کی صبر و شکیبائی اور نبوت کی رعایت و عفو فرمائی یہ ہے کہ ایسی شدید تکلیف اور درد و محن کی حالت خاص میں بھی آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے رب اغفر قومی فانہم لا یعلمون پروردگار میری قوم کو بخش دے کہ وہ جانتے نہیں۔ عجیب عالم رستخیز اور منہ گامہ قیامت خیز تھا۔ وہ اضطراب طاری تھا کہ دوست دشمن کی تمیز باقی نہیں تھی۔ شبلی صاحب نے تو صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ اس لمحہ اور کشمکش میں مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے ماری گئے۔ اور بیان کی شہادت مثلاً آپشیں کی ہے تحقیق فرمیتے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی لاعلمی کی وجہ سے ایسا ہی واقعہ پیش ہونیا لاکھا۔ لیکن خبرت ہو گئی۔ طبری لکھتے ہیں۔

|                                      |  |   |
|--------------------------------------|--|---|
| مسلمانوں میں قیامت کی پھسل           | وانطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم | جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو پکارتے ہوئے آگے بڑھے یہاں تک کہ آپ پہاڑ پر جمع شدہ جماعت صحابہ و طبری کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جماعت وہی تھی۔ جس کا ذکر نصیر بن انس والی روایت میں ہو چکا ہے۔ کیونکہ بیان عبارت بھی اسی پشاد ہے |
| یہ عواناس حتی انتھی الی اصحاب الصخرۃ | فلما راوہ وضع دجلی سھما فی قوسہ فاراد ان |   |

ان یرمیه فقال انار رسول اللہ ۲ فخر حواہذلت  
حین وجدوا رسول اللہ صلعم حیا و فرج رسول  
اللہ صلعم حین ان فی اصحابہ من یمتنع بہ  
فلما اجتمعوا و فیہم رسول اللہ صلعم ذهب  
عنہم الحزن فاقبلوا یدکر و الفتح و ما فاتہم  
منہ و یدکر و اصحابہم الذین قتلوا فقال  
اللہ عزوجل الذین قالوا ان محمدا قد قتل فارجعوا  
الی قومکم و قاتلوا الا رسول قد خلت من  
قبلہ الرسل او ان مات او قتل انقلبتم علی  
اعقابکم و من ینقلب علی عقبیہ فلن یتجر  
اللہ شیئاً و سنجزی اللہ الشاکرین

اور طبری نے اس روایت کے بعد ہی یہ واقعہ لکھا ہے کہ پاس  
پہنچ گئے۔ جب ان لوگوں نے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو ایک  
شخص نے اپنی کمان میں تیر لکھا آپ کو تیر مارنا چاہا (لا طعی سے)  
یہ دیکھ کر آپ نے پکارا۔ میں ہوں رسول اللہ صلعم یہ سننا تھا کہ؟  
لوگ آپ کو زندہ پا کر مسرور و فرحناک ہوئے۔ اور غباب رسول خدا  
صلعم بھی اس تیرا فگن شخص کو اپنے اصحاب میں داخل سمجھ کر بچہ  
خوش ہوئے۔ پھر سب کے سب رسول اللہ صلعم کے پاس  
جمع ہو گئے اور ان لوگوں کے دلوں سے تمام حزن و ملال جاتی  
رہے۔ پھر آپ کے ساتھ فتح حاصل شدہ کے گزرے ہوئے رہا  
کا اور شہداء اہل احد کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے چلے جہاد  
سبحانہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے جو یہ کہتے تھے

تھے اے مسلمانوں اب دین اسلام سے پھر جاؤ اور اپنی قوم میں مل جاؤ۔ کیونکہ محمد تمہارے گئے یہ آیہ نازل فرمایا

محمد صلعم صرف ایک رسول ہیں۔ جسکے ایسے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں اگر وہ وفات پا جائیں تو کیا تم لوگ ان کے دین سے  
اٹھے پاؤں پھر جاؤ گے۔ تو جو لوگ اٹھے پاؤں پھر جائیں گے ان سے خداے تعالیٰ کو تو کوئی نقصان پہنچنے کا نہیں ہے  
خداے تعالیٰ تو ان کو بدلہ دے گا جو اس کے شکر گزار بندے ہیں۔ طبری مطبوعہ جرمن ص ۱۲۱

طبری نے اگرچہ اس آیت کی خطاب کو خاص ان کی طرف بتلایا ہے۔ جو شہادت رسول نے غلط خبر کے مشہور کر دیا  
تھے۔ یہ طبری صاحب کی اسلامی منہجین کی رعایت ہے۔ ورنہ عبارت و الفاظ قرآنی میں خاص انھیں حضرات و مخاطبات  
ابوسفیان میدان جنگ کے یہ نیزنگ دیکھ کر بید مسرور ہوا۔ خوشی سے اوچھلنے لگا۔ اور اعلیٰ اعلیٰ اقل اقل ہیل ہیل بڑا ہوا  
رہ۔ جبل ثور اور بخارہ کے نعرے مارنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے صحابہ حاضرین نے جواباً آواز دی اللہ  
عزوجل خدا سب سے اونچا اور بڑا ہے۔ ابوسفیان نے چڑھ کر لگائی لانا عزی و لا عزی لکم۔ ہمارے پاس غزنی تمہارے پاس نہیں  
صحابہ پکارے اللہ مولانا کو لا موتی لکم۔ خدا ہمارا آقا ہے۔ تمہارا کوئی آقا نہیں۔

ابوسفیان نے انھیں یاد دہائیوں کے ساتھ خوش بیان سنائیں۔ اور فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اس عجلت کی وجہ سے  
ہے اس نے دیکھ لیا کہ اہل اسلام اپنی غلطی پر تنہا ہو کر بچر کافی تعداد میں جمع ہو گئے۔ آپ کے مقابلہ کی نوبت آئی تو مشکوک جاننے لگا  
اس لئے جب قدر کامیابی اسلام کے مقابل ہو چکی ہے وہی غنیمت ہے۔ اس خیال سے وہ فوراً چل کھڑا ہوا اور مسلمانوں کو  
بارو بیکر مقابلہ کا موقع نہ دیا۔

سیدان جنگ سے آنحضرت صلعم نے دوسرے کفار میں شور و منہ گامہ برباد دیکر حضرت علی مرتضیٰ کو تحقیق حال کی غرض سے تشریف کی ناپی بھیجا۔ طبری لکھتے ہیں۔

بسم رسول الله صلعم على فقال اخرج في انا القوم فانظر ما اصابهم وماذا يريدون فان كانوا قد اجلبوا الخيل استطوا الابل فاهربوا من مكة وان دكروا الخيل ومسا قوا الابل فاهربوا من مكة واستبرأ اليهم فها شعلوا تاجرتهم قال علي رضي فخر جيت في اناهم انظر ماذا يصنعون فلما اجتنبوا الخيل واحتطوا الابل توجهوا الى مكة ص ۱۹

جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علی کو بلا کر حکم دیا کہ فرج کفار میں جا کر ان کی نقل و حرکت کی طرف دریافت کر دو کہ اب ان کا کیا ارادہ ہے اگر وہ اپنے اونٹوں پر سوار ہوتے ہوں اور غور میں کو پہل رکھوں تو سمجھ لیں کہ لڑنے کی طرف جاتے ہیں۔ اور اگر وہ اونٹوں پر سوار ہوتے ہوں تو سمجھ لیں کہ لڑنے کی طرف جاتے ہیں۔ اور اگر وہ اونٹوں کو خالی چھوڑتے ہوں تو سمجھ لیں کہ مدینہ کا قصد رکھتے ہیں تو پھر ہم لوگوں کو بھی فوراً کوچ کر کے اون سے مقابل ہونا ہوگا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہم ان کی شکر گاہ میں پہنچے اور دیکھا کہ وہ غور میں

چھوڑ کر اونٹ پر سوار ہوتے ہیں اور مکہ کی طرف جا رہے ہیں۔

کفار کے شکر نے بہت جلد میدان جنگ خالی کر دیا۔ رسول اللہ صلعم نے ان کے چلے جانے کے بعد اطمینان سے شہر اے احد کی تجہیز و تدفین کی طرف توجہ فرمائی۔

شہداء احد کی تدفین کفار کے چلے جانے کے بعد شہداء احد کی لاشوں کی تلاش ہونے لگی۔ سب سے پہلے حضرت حمزہ کی لاش کی تلاش کر لیا حکم ہوا ایک مرد انصار تجسس میں نکلا اور اسکے ڈھونڈنے میں دیر ہوئی تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی مرتضیٰ کو بھیجا۔ جب یہ حضرت حمزہ کی لاش پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ عقیدت مند مرد انصاری اس جسم صدفارہ اور پیکر شگافتہ پر کھڑا آٹو ہار رہا ہے۔ عم محترم کی لاش مٹھ کر یہ بھرتی دیکھ کر حضرت علی بھی دیر تک اشکبار رہے پھر خدمت رسول میں حاضر ہو کر رونما عرض کر دی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حزن و ملال کی کچھ انتہا نہیں تھی۔ فوراً اٹھے اور حضرت حمزہ کی لاش پر تشریف لائے۔ مظلوم حیا کی میت پر دیر تک اشکبار رہے فرماتے رہے۔ حضرت حمزہ کی چچا ہونیکے علاوہ رضاعی بھائی بھی تھے۔ اسلئے آنحضرت صلعم کو ان کے کمال انس تھا آپ نے چچا کی بھرتی دیکھ کر فرمایا ما وفقت موافقا عین لی من هذا

مصلح قدرت نے فوراً پسام بھیجا۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ

تم بھی اگر دہی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی تو برابری ہو جائیگی لیکن صبر کرو۔ تو صبر کر لینا صبر کرنا اون کے لئے بہر حال بہتر ہے۔

آپ نے حکم الہی سن کر فوراً استعاذ اٹھا عطا کیا اور صبر فرمایا۔ اور ششتر بار اپنے عم مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی حضرت عقیقہ کو بھائی کی خبر شہادت مل چکی تھی بھائی کے درد سے چین ہو کر دوڑی چلی آتی تھیں۔ آنحضرت صلعم کی

نظر نہ لگتی۔ زیر اونکے عمامہ سے پاس کھڑے تھے حکم یا کہ مان کو جا کے راہ میں روک لو بھائی کی لاش کو اس حالت خراب سے دیکھنے کی تاب نہ لاسکین گی۔ زیر ابن العوام دوڑے مان کو روکنا چاہا لیکن وہ نہ رک سکیں۔ بیٹے سے اتنا کہا کہ میں کچھ بھی نہ کرونگی۔ صرف بھائی کو آخری بار دیکھ کر چلی آؤنگی چنانچہ یہ عظیمہ بھائی کی لاش پر آئیں اور جو کما تھا وہی کیا بھائی کی لاش سے چاک کو نگاہ حسرت اودھے دیکھا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑ پڑ کر بیت آئیں ہٹتا تھا کہ غم دالم۔ صدمہ دلال کا دل پر هجوم ہوا کہ ڈار میں مار مار کر روئے لگیں اور اونکے ساتھ جناب سیدہ اور دیگر خواتین ہاشمیہ مگر فریاد و زاری کرنے لگیں۔ اب رسول خدا صلعم سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ اس فوجہ خوان گروہ کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت صفیہ سے خطاب کر کے صدمے غم اودھ کے ساتھ فرمانے لگے۔

با عمتی لن اصامک بمثلک ہذا ۱ | اب آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا مصیبت زدہ نہ ہوگا۔  
اسکے بعد آپ نے شان رسالت سے بار دیگر بیان فرمایا۔ اے صفیہ۔ اے خاتمہ تکوین بشارت ہو کہ جبریلؑ نے اگر مجھے یہ قرعہ دیا ہے کہ ملک مکہ ملا، اعلیٰ نے حمزہؑ کو اسد اللہ و اسد رسولہ کے القاب خاص سے مشہور و معروف کیا ہے کہ روئے الاحباب ص ۲۷۲۔

حضرت حمزہؑ کے دفن سے فراغت پا کر دوسرے شہداء کی تدفین میں مصروف ہوئے مصعب بن عمیرؓ ہاشمی طویل اقامت تھے۔ کفن کی چادر چھوٹی تھی سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے۔ پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ بالآخر سر سے چادر ڈال دی گئی۔ پاؤں کھلے رہ گئے۔ اونکو گھاس سے چھپا دیا۔

ستر مردوں کی علیحدہ علیحدہ قبریں کھودنا اور جداجدا دفن کرنا آسان کام نہیں تھا۔ خود مسلمانوں کی جو حالت ہو رہی تھی ظاہر تھی۔ اون میں شاید کوئی ایسا ہی ہو جو مجروح۔ حد سے زیادہ خستہ اور لول و پریشان حال نہ ہو۔ جب علیحدہ علیحدہ مدفون کرنا امکان سے باہر دیکھا گیا تو شہداء کی لاشوں کو بے غسل و کفن مجروح و خون آلود اسی حالت سے ایک قبر میں دودھ کر کے مدفون کر دیا۔ یہ فدیہ راہ حیات کا فوریست۔

مسلمانوں کو اس بے بسی اور بے کسی کا عالم ہمیشہ یاد رہا۔ جب کہیں یاد آ جاتا تھا رو دیتے تھے جناب سالماؓ اب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اسدن کو یاد کر کے محزون و ملول ہوا کرتے تھے۔ واقعہ احد سے آٹھ برس بعد۔ اور وفات سے دو برس پہلے آپ کا شہداء احد کے دفن کی طرف سے گزر ہوا۔ مقتل شہیدان دیکھ کر اونکی یاد تازہ ہو گئی صورتیں آنکھوں میں

۱۵ افسوس ہے مسلمان ۶۰ ہی برس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ بتلائے ہوئے آداب تعزیت اور مقتضیات اخلاق و ہمدردی بھول گئے۔ میدان کربلا میں۔ فوج قریش سے کہیں زیادہ مسلمانوں کی جمعیت کثیر موجود تھی۔ مگر اتنی کثیر تعداد میں کسی فرد کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ فریدہ مصطفیٰؐ جگر پارہ فاطمہ زہراؑ حضرت زینبؑ کو اپنے مجروح و مقتول بھائی کی لاش صدمہ پارہ پر آنے سے روک لیتا۔ فاعبروا یا اولی الابصار

مولف عفی عنہ۔



گھوم گئیں۔ بے اختیار ہو کر رو پڑے اور رونے میں وہ کلمات در آ میز جاری فرمائے کہ جیسے کوئی اپنے عزیز کے مرنے سے ابھی ابھی جدا ہوتا ہے رقت کم ہوئی۔ تو آپ نے اسی وقت صحابہ حاضرین کو مخاطب کر کے ایک طولانی خطبہ شروع کیا۔ اور اس کے آخر میں فرمایا کہ مسلمانو مجھے تم سے یہ خوف نہیں کہ تم پھر مشرک بن جاؤ گے بلکہ یہ ہے کہ دنیا میں یہ پھنس جاؤ۔ صدقت یا رسول اللہم سیرۃ النبیؐ بحوالہ بخاری

۱۰۰۰ بینین داخلہ | جملہ امور سے فراغت پا کر مدینہ میں تشریف لائے تو شہر بہرین گرام مچا تھا ہر گھر سے صدائے ماتم بلند تھی شہدا کا ماتم | لیکن حضرت حمزہؓ پر کوئی رونا والا نہیں معلوم ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مبارکین قیامت کا یہ پر حسرت خیساں آیا کہ تمام گھروں سے توشیروں کے عزیزوں کی صدائے ماتم آ رہی ہے۔ لیکن حمزہؓ کا کون رونا والا اس خیال کا اظہار زبان مبارک سے ان الفاظ میں کیا گیا۔

امّا حسنة فلا بواکی لہ | لیکن حمزہؓ پر کوئی رونے والا نہیں۔

انصار حاضرین نے یہ الفاظ سنے تو بیتاب ہو گئے۔ گھروں کی طرف دوڑے اور اپنی نوحہ خوان عورتوں کو دوسرے رسالت کی طرف بھیج دیا کہ رسول خدا کے غم محنت ہم کا ماتم کریں۔ خوش عقیدہ اور اخلاص مند خواتین انصار اپنے مردوں کی صف ماتم چھوڑ کر فوراً عصمت سراے نبوت میں حاضر ہوئیں اور اپنے عزیزوں سے زیادہ حضرت حمزہؓ پر نوحہ و گھوڑاری کرتے لگیں۔ انکی زاریاں سن کر بال نفس النفس آپ عصمت سرا کے دروازے پر آکھڑے ہوئے۔ خاتون انصار کو خدمت ماتماری کے لئے دعائے خیر سے یاد و شاد فرمایا اور اپنی طرف سے اہل اہل سنت کیا۔ پھر ارشاد کیا جبکہ مردوں پر زیادہ نوحہ و ماتم جائز نہیں: شبلی صاحب لکھتے ہیں: کہ عرب میں دستور تھا کہ سال کے خاص خاص ایام میں عورتیں اپنے مقتول عزیزوں کا ماتم کرتی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد سے مدتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستان حضرت حمزہؓ سے شروع کی جاتی یہ پابندی رسم نہ تھی بلکہ حضرت حمزہؓ کی حقیقی محبت تھی۔

سیرۃ النبی ص ۲۸۳ بحوالہ طبری ص ۲۵۴

جنگ اُحُد پر اے۔ | قرآن مجید کے جزو چہارم۔ سورہ آل عمران میں غزوہ اُحُد کے حالات کی اجمالی تفصیل موجود ہے مفسرین محدثین اور اونیٹین کی طرح ارباب سیرت اور اسلامی مورخین جنگ اُحُد کے بکر لکھ جانے کے مختلف اسباب لکھتے ہیں مگر سب کا مختار متفقہ یہی ہے کہ یہ مسلمانوں کی صاف صاف خود کردہ غلطی تھی جس کے لئے کوئی علاج نہیں تھا۔ اُد وہ لا علاج غلطی یہی تھی کہ طبع دنیا میں گر پڑے اور آگے پیچھے کی کوئی خبر نہیں رکھی۔ اگر مسلمان ذرا بھی عاقبت بین اور مال اندیش ہوتے۔ تو سمجھ لیتے کہ ہر چند جانا زبان اسلام نے غنیم کے اوس دستہ فوج کو سپا کر دیا تھا جو ان سے ۱۰۰۰ عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتماری تو حکم رسول سے اس خلوص کے ساتھ جاری اور قائم کی گئی لیکن سبط رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتماری بد اور ذکر شہادت و اعطاء خطیب پر حرام بتلادیا گیا۔ ناغہ و غافل

المؤلف عفی عنہ

اور ذکر شہادت و اعطاء خطیب پر حرام بتلادیا گیا۔ ناغہ و غافل

سامنے لڑ رہا تھا۔ لیکن اونکی پوری قوت نہیں ٹوٹی تھی اونکی جمعیت اتنی کثیر تھی کہ اونکا یہ حصہ شکر پسا ہو کر گریزان ہو چکا تھا تو ابھی اس سے دو چند اور سہ چند جنگی دستے اونکے پاس موجود تھے۔ ابھی اونکے چند مقتولین کا خاتمہ ہوا تھا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ وغیرہم کی دلیرانہ تیز دیتوں سے قریش کے تمام علمداران شکر کا اتنی عجلت کے ساتھ خاتمہ ہو جانے سید جنگ سے اونکے پاؤں اوکھاڑ دیے تھے اور وہ پہاڑوں پر اور ہر دو ہر منتشر ہونے لگے تھے۔ اور بالکل قریب النزیت ہو چکے تھے لیکن تاہم اونکی مغلوبیت شکست کامل کے مترادف نہیں ہو چکی تھی۔ اور اس قابل نہیں تھی کہ اونکے لوٹنے یا قیہ و گرفتار کرنیکی غرض خاص سے اونپر جارحانہ حملہ کیا جاتا اور مدافعت نہ تیرت سے بالکل غفلت شعاری یا دست برداری اختیار کی جاتی۔

نما عاقبت اندیش مسلمانوں سے دونوں غلطیاں بیک وقت عمل میں آئیں غنیم کی کمینگاہ کی راہ کو لدی جکی حفاظت کے لئے اونپر ایسی اور اتنی تاکید کردی گئی تھی۔ اس کے بعد حصول غنیمت کے لئے اون پر جارحانہ طور پر ٹوٹ پڑے۔ اور وہ کوہ کی کمینگاہ سے دشمن کل پڑے اور عقب سے آکر انکو دبا لیا غنیمت والوں کو ابھی کچھ مانجھی پایا تھا کہ غنیم نے پیچھے سے آکر تلواروں کے نیچے رکھ لیا۔ یہ کیفیت جو قریش کی گریزان فوج نے دیکھی تو وہ بھی سنبھل کر واپس ہوئی۔ اس ترکیب سے مسلمان بیچ بن آ گئے۔ اور دونوں جانب سے غنیم نے نگہ ریا اور ستر مسلمانوں کو شہید کر کے اپنی بگڑی لڑائی گونبالی۔ اور اسی اتنی کامیابی کو غنیمت جان کر میدان جنگ سے لوٹ گئے۔

غنیمت بن عجلت اور مدافعت و حفاظت سے غفلت۔ مسلمانوں کی صریح غلطیاں تھیں۔ بدر میں احکام غنیمت کی نسبت تو لا علمی کا عذر بھی ہو سکتا تھا اور اُحد میں تو اسکے لئے بھی گنجائش تھیں تھی۔ خیر ایک طبقہ خاص کی غلطی کی وجہ سے تمام اہل اسلام پر جو مصیبتیں پیش آئیں اونکی تفصیل اور پریزیاں ہو چکی ہیں۔

یہاں تک تو جنگ اُحد کے ناگوار نتائج تھے جو اہل اسلام کو پیش آئے لیکن تاہم غار کاٹ کر اہل اسلام کی شجاعت و جگر و اداری۔ استقامت و پاداری کی اثر پذیر یوں سے خالی نہیں گیا۔ اونکو اسلامی بیوزار باجنازوں کے حملات نے اونکے جنگی کمالات اور شجاعت و دلیری کے خدمات کا پورا ثبوت و یدیا تھا میدان جنگ سے یہ یقین کر کے واپس ہوئے تھے کہ اہل اسلام کا مقابلہ اہل عرب کے لئے سہل اور آسان امر نہیں ہے۔ جیسا او جتنا کہ وہ سمجھ رہے ہیں اگر وہ اسلام کی طرف سے ان محسوسات یقینی کے زیر اثر نہ آئے ہوتے تو وہ آئینہ اپنی کامیابی کے بے انتاج واپس نہ آتے۔ بلکہ اُحد سے لیکر مدینہ تک تاخت و تاراج کر کے اہل اسلام کا استیصال کامل کر دیتے جو ان کا اصل مدعا تھا کیونکہ اونکی تین ہزار کی جمعیت ابھی بالکل ویسی کی ویسی ہی تھی۔ ابھی کل پندرہ بیس آدمیوں کا نقصان ہوا تھا وہ دستہ فوج بھی۔ جو پہلے ہیدل اور مضحل ہو کر گریزان ہوا تھا۔ تازہ دم ہو کر مقابلہ و مقابلہ پرستقل ہو گیا تھا پھر تین ہزار آدمیوں کے آگے پانچ سو یا صد چھ سو آدمیوں کا ختم کر دینا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب وہ پسا اور نہریت خورد ہو چکے تھے

کچھ دشوار نہیں تھا۔ لیکن نہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ بازارین اسلامی میں قلت و کثرت افراد پر اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ اور میں روحانی استقلال اور پاداری ایمان اور شجاعت و جگر داری اتنی قوی ہے کہ ان کے آگے کثرت یا جمعیت کا رگڑ نہیں ہو سکتی اس بنا پر واقعات کے تحقیق کرنے والے صحافٹ طور سے کہہ سکتے ہیں کہ جنگ اُحد کے نتائج اگرچہ آخرین خوشگوار نہیں گذرے۔ لیکن وہ کفار قریش کے قلوب میں دلیران اسلام کی شجاعت و دلیری کے کامل اثر پہنچانے سے خالی ہی نہیں گئے۔ اور یہی سبب تھا کہ غنیمت کو دسترس پا جانے کے بعد بھی اپنے اصل مدعا کی تمیل و تکمیل پر جرات نہ ہو سکی۔ اور یہی اسلام کی وہ ملکویت ہے جس کی طرف اس قصہ کے متعلق قرآن مجید میں اشارت ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْآخِلُونَ | تم ہل دو محزون نہ ہو۔ تم ضرور بڑھکر رہو گے۔

یہی جنگ اُحد کے وہ خوشگوار نتائج ہیں جو مدعا کے اسلام کے مفید نمایان ہوئے جس کی تفصیل آئندہ آتی ہے۔

## غزوہ حِمْیَرِ الْأَسَدِ

ادھر بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو مخفی و ص طور پر لشکر کفار میں بھیج کر جب یہ دریافت فرمایا کہ وہ میدان جنگ سے سیدیت مکہ کی طرف نکلے ہیں۔ تب آپؐ شہداء اُحد وغیرہ کی تلاش اور ان کی آخری خدمات کی طرف توجہ فرمائی۔ لیکن تاہم آپؐ کفار کی مکارانہ فطرت کی طرف سے پورے مطمئن نہیں تھے جس عجلت سے شہداء اُحد مدفون کئے گئے اور ان کی کیفیت ادھر معلوم ہو چکی ہے۔ آپؐ کا یہ خیال اور کفار کی طرف سے یہ شبہ بالکل صحیح تھا۔

ابوسفیان نے اُحد سے نکل کر آٹھ میل پر قیام کیا۔ وہاں جا کر اوس نے سوچا کہ اُحد میں ہماری کامیابی تو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ صرف یہ ہوا کہ پہلے وہ غالب رہے اور چھپے ہم۔ اور اسی پر اُحد کے معاملات تمام ہو گئے۔ اس سے تو محاصرت و محالفت کے معاملات یکسو نہ ہوئے۔ اصل مدعا استیصال اسلام کا تھا وہ نہ بدتر پر حملہ آور ہوئے اور نہ محال ہو سکا۔ حالانکہ امین کامیابی کا پورا موقع تھا۔

یہ خیال مُشترک بعد از جنگ کی صورت میں پیچیدہ ہو کر ابوسفیان کے دماغ میں سلایا۔ اور وہ منزل رُوحا سے ہمارے خیمہ زن تھا۔ سیدینہ پر از سر فوج حملہ کرنے کی طیاری کرنے لگا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر لگی آپؐ نے پھر سلاح جنگ پہن لی اور فوراً لشکر اسلامی کو بھی طیاری کا حکم دیا۔ بازارین اسلام اوس وقت طیار ہو گئے۔

فوج اسلام کے روانگی سے پہلے قبیلہ خزاعہ کا رئیس مہقرامی اُحد کی خبر لکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور مصائب اسلام کے واقعات سن کر اظہارِ تا سلف و ملال کر کے رخصت ہو چکا تھا۔ قبیلہ خزاعہ اگرچہ اس وقت تک

اسلام نہ لایا تھا لیکن اسلام کا ہمدرد وہی خواہ ضرورتاً معینہ آنحضرت صلعم کی خدمت سے رخصت ہوا تو براہ راست ابوسفیان کے پاس پہنچا۔ ابوسفیان نے اس سے اپنا مدینہ پر قصد حملات بیان کیا۔ اس نے کہا کہ تم ابھی بیٹے ہوئے مدینہ کا قصد کر رہے ہو اور وہاں جناب رسول خدا صلعم مدینہ سے بڑے سامان کے ساتھ تمہارے پیرو کوئی دین ہو چکا ہے چاہتے ہیں میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چلا آ رہا ہوں کہ وہ اتنے بڑے سامان سے اور بڑھتے پتلے آ رہے ہیں کہ تمہارے موجودہ سامان اور جمعیت اُن کے مقابلہ کے لئے کسی طرح کافی نہ ہوگی جو کچھ بھی کامیابی اس وقت تک تم کو اُن کے مقابلہ میں حاصل ہو چکی ہے۔ دم کے دم میں ضائع ہو جائے گی۔

یہ سنتے ہی ابوسفیان کے ہوش اوڑ گئے۔ وہ صرف میسر سامان تھے۔ مرد میدان تو کھٹے ہی نہیں لیا کھیرایا کہ اسی وقت خیمہ گاہ اٹھا کر مکہ کی طرف چلتا ہوا۔ آنحضرت صلعم جب یہاں تشریف لائے تو کچھ بھیج تھا جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرید احتیاط کے لحاظ سے وہاں ایک ہفتہ قیام فرما کر مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔

دوران قیام میں بنی عبد القیس کے چند آدمی آپ کی خدمت میں ابوسفیان کا یہ پیام لائے کہ ہم لوگ پورا قصد کر چکے ہیں کہ ایک بار آپ سے مقابلہ کر کے اسلام کا استیصال کامل کر دیں گے۔ آپ کو خبر کروی۔ آپ طیار رہیں یہ سنکر آنحضرت صلعم نے وہی الفاظ پھر ارشاد فرمائے جو اس سے پہلے اُجھ کے پیغام آنے کے وقت فرمائے گئے تھے

حَسْبُنَا اللَّهُ نِعْمَ الْوَكِيلُ - ہمارا ہر وہ خدا پر ہے اور وہی بہتر مددگار ہے۔ خدا سے سبجانہ تعالیٰ نے یہ آیہ بشارت نازل فرمایا

قَالَ لَهُمُ النَّاسُ لَقَدْ جَعَلُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ زَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ نِعْمَ الْوَكِيلُ

وہ لوگ جو کثرت جمعیت سے ڈرانے جاتے ہیں۔ اس ڈراؤ جانے سے اُنکے ایمان اور زیادہ ہوتے ہیں اور وہ لوگ کہتے ہیں کچھ بھی ہمارے مدد کے لئے تو خدا ہی کافی ہے۔

ابو عذرہ شاعر ایام قیام میں حضرت عمار بن یاسر اور حارثہ ابن زید۔ ابو عذرہ شاعر اور معاویہ ابن مغیرہ کو گرفتار کر لیا کا قتل

ابو عذرہ سامنے لایا گیا تو آپ نے استفسار فرمایا کہ تم کو جنگ بدر میں بغیر کسی فدیہ کے صرف اسی چھوڑ دیا تھا کہ تو پھر آئندہ ایسی شہرت نہ کرنا لیکن تو اب تک باوجود اقرار کے اپنے مقصدوں سے باز نہ آیا۔ اس نے عرض کی کہ ابلی بار پھر جان بخشی فرما کر دیکھ لیا جائے۔ ارشاد ہوا۔ اب میں اس کو دن تو ابلی بار مکہ میں جا کر یہ شیخیان بگھارنے لگے گا کہ وہ بار محمد کو کیا جل دے آیا۔ اسلئے میں اب تجھے چھوڑ دینگا۔ یہ فرما کر بروایتیہ بن العوام اور بروایتیہ عاصم کو حکم دیا اور وہ ہمدردی قتل کر دیا گیا۔

معاویہ ابن مغیرہ معاویہ ابن مغیرہ کے قتل کا حکم ہوا تو حضرت عثمانؓ نے سفارش فرمائی۔ منظور ہوئی مگر اس شہر پر کہ معاویہ کا قتل

تین دن کے اندر نواح مدینہ چھوڑ دے تین دن کے بعد اگر حدود مدینہ کے اندر پایا جائے گا تو مستوجب القتل



مصریہ نے اقرار کیا۔ اور چھڑوایا گیا۔ لیکن مفیدہ انگیزہ فواح دینہ کیا۔ شہر دینہ سے بھی باہر نہ گیا۔ چھپا چھپا ہوتا رہا۔ ایک دن کسی مسلمان نے دیکھ لیا۔ اور خدمت رسول صلعم میں پھر پکر حاضر کر دیا۔ اور وہ مفیدہ عہدی کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔

ابن ہشام جلد دوم ص ۹۴ مصر طبعی ص ۱۴۰ ج ۱

شبلی صاحب۔ پانچ سطرون میں حمراء الاسد کے حالات بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں۔

یہی واقعہ ہے جسکو مورخین نے کثیر واقعات کے شوق میں ایک نیا غزوہ بنا لیا ہے اور حمراء الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کر لیا ہے۔ سیرت النبی ص ۲۸۳

ہم کو معلوم ہے آپ غزوہ کے نام سے کانپ جاتے ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ اسلامی واقعات کے سلسلہ میں اس کا بیان آجائے۔ اگر مجبوری ہو تو داستان کو طول نہ دیا جائے۔ کیونکہ یورپ اسکو شوق سے سنتا ہے۔ کہیں اوس فرس لیا تو قیامت کرو گیا۔ ہم آپ کی تشفی کے دیتے ہیں سنہ داستان طویل ہوگی نہ یورپ شوق سے سنے یا یگلا اور نہ افشا راہ کوئی واقعہ ذکر سے چھوٹ گیا۔ میری ذمہ داری ہے۔ آپ طینان رکھیں۔

ہم مولوی صاحب کو سمجھائے دیتے ہیں۔ یہ غزوہ نہیں ہے۔ آپ غزوہ کو عموماً جنگ سمجھتے ہیں۔ اور سو اتفاق سے آپ نے غزوہ کو غزائے ماخوذ سمجھ کر اسکو جنگ و قتل اور کشت و خون ہی کے تنہا معنیوں میں قرار دے لیا ہے۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ جن امور و معاملات کے تصفیہ کے لئے اہل اسلام کی جماعت کو بیرونی مقامات میں جانے اور سفر کرنے کی ضرورت پیش آئے اور اوس جماعت میں رسول اللہ صلعم بھی بذات خاص شریک ہوں۔ تو محدثین مورخین کی اصطلاح متفقہ میں اُسے غزوہ کہتے ہیں اور جس جماعت میں آپ موجود نہ ہوں اسے سر یہ کہتے ہیں۔ غزوہ یا سر یہ کے لئے وقوع جنگ کا ہونا شرط نہیں۔

حمراء الاسد میں اور اسی کے ایسے اور غزوات مثیل خود التیسرہ۔ ذی امر وغیرہ وغیرہ میں سے کسی ایک میں بھی تلوار نکالنے کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن وہ صرف رسول اللہ صلعم کی شرکت و موجودگی کی خصوصیت سے غزوہ کے نام سے مذکور ہوئے ہیں اور آپ نے بھی لکھے ہیں۔ لیکن یہاں خواہ مخواہ غزوہ کو خاص جنگ کے معنیوں میں قرار دے کر آپ نے مورخین پر کثیر غزوات کا اعتراض قائم کر دیا۔ اور پھر محدثین کو چھڑوایا۔ حالانکہ تمام حدیثوں کی کتابوں میں بھی یہ تمام واقعات غزوات ہی کے عنوان سے مرقوم ہیں۔ تنقید سے پہلے مولوی شبلی صاحب کو توجہ کی تلاش ضروری تھی۔

اس بنا پر مورخین و محدثین کا حمراء الاسد کو غزوہ کہنا بالکل صحیح ہے۔ اور شبلی صاحب کا اعتراض غلط۔

واقعات متفرقہ | اسی سال ۱۵۔ رمضان المبارک ہجری کو حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی ولادت واقع ہوئی۔

سہ ہجری | اسی سال جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت حفصہ بنت عمرؓ سے عقد فرمایا۔ انکے شوہر خبگ بدر میں مارے گئے تھے۔

## آغاز سریہ بحری

سریہ ابو سلمہ | یہ سیر ہے کہ تمام عرب اسلام کا دشمن تھا۔ اندر مسلم کا مخالف۔ اسلام کا قصوریت پرستی کی بیخ کنی تھی۔ اسلام کا  
محمّد بن حنفیہ | جرمِ خدا کے لئے کی پیشکش۔ توحیدِ خالص کی تعلیم و تبلیغ۔ عربِ قدیم سے بت پرست تھا۔ اور اپنی قدیم  
عقیدہٴ جمالت سے سر مو جنبش کر نیکی کے راضی نہیں تھا۔ اسلام کی تبلیغ ان کے جاہلانہ مراسم و آئین کی سدا رہ تھی  
اس بنا پر تمام عرب اسلام کے استیصال پر ہمیشہ آمادہ اور طیار تھا۔

ان مخالفوں کے اظہار میں سب سے پہلے محمد بن حنفیہ بن طلحہ اور خویلد کی مدینہ پر حملہ آور ہونے کی خبر پہنچی۔  
خبریں پہنچیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو پچاس صحابہ جہین و انصار کو بلا تھی ابو سلمہ ان کی مدافعت میں روانہ  
فرمایا۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے طلحہ اور خویلد کی جماعت مرعوب ہو کر اوہراؤد ہنر منتر ہو گئی۔ مسلمان پہنچے تو وہاں  
کوئی بھی نہ تھا۔ بلکہ آخر واپس مدینہ ہوئے۔

سریہ ابن انیس | چند ہی دنوں کے بعد سفیان بن خالد جو کہ ہستمانی قبائل غرہ کا رئیس تھا مدینہ پر حملہ کی طیاریاں کرنے  
اسکی خبر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ نے عبداللہ ابن انیس کو ایک دستہ قوت کے  
ساتھ انکی تنبیہ کی غرض خاص سے روانہ کیا۔ ابن انیس نے کمال ہنرمندی سے سفیان کو قتل کروایا اور اپنی ہمارہی جماعت  
کو ساتھ لے کر مدینہ چلا آیا۔ ابن انیس کی بڑی جستجو کی گئی لیکن نہ ملا۔ سرور کے قتل کے بعد جماعت آپ ہی منتشر ہو کر  
اوہراؤد ہر چلی گئی۔

واقعہ ذات الرجب | عقیقل اور قارۃ کے چند آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ہلوگوں نے اسلام  
قبول کیا ہے۔ چونکہ ہمارا قبیلہ بہت کثیر ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ وہاں چند مبلغین اسلام تھوڑے  
دنوں کے لئے اس غرض خاص سے بھیج دیئے جائیں کہ وہ ارکان اسلام اور احکام قرآن کی تعلیم دیں۔ اور اسلام کے  
طریقہ عمل بتلائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکی استدعا کو قبول فرمایا۔ اور دس صحابی کی ایک جماعت طیار  
کیے ان کے ہمراہ کر دی۔ وہ صحابہ یہ تھے۔

محدث بن ابی مرثد | عاصم بن ثابت بن خبیب ابن عدی۔ زید بن الدثیمہ۔ عبد اللہ بن الطارق۔ خالد بن المبکر۔ معطب بن عبید  
اور تین صحابہ اور تھے جن کے نام بصراحت کتابوں میں نہیں ہیں۔

اس جماعت تبلیغی پر مرثد بن ابی مرثد اور بروایتی عاصم بن ثابت امیر مقرر ہوئے۔ یہ قافلہ اپنی میزبان جماعت  
بنی عقیقل و قارۃ کے ہمراہ چلا۔ دن کو قیام کرتا تھا۔ رات کو چلتا تھا۔ صاف دل مسلمانوں نے اس نئے طریقہ سفر پر کوئی اعتراض  
نہیں کیا۔ جس طرح وہ لیچے۔ یہ چلا گئے۔ کیونکہ مسلمان اصول میرانی اور نہ سب و تعلی مہمانی کے اعتبار پر ان لوگوں سے

کسی قسم کے خوف و اندیشہ کا شہدہ نہیں کرتے تھے لیکن مسلمان ہمہ وقت مسلح رہتے تھے اسلئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی ہی تاکید کر دی تھی۔ جماعت منیر بانچہ جو قندادین سات آدمی تھے اسکے متعلق ان سے کہا کہ آپ حضرات ہمیشہ سلاح جنگ گیمون پہنے رہتے ہیں۔ اس احتیاط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو نہ ہمارے اسلام پر اعتبار ہے اور نہ قول و کلام پر آپ جس مقام پر جانے ہیں اور جن لوگوں کے ممان ہونے ہیں۔ وہ آپ کے اخلاص منہم نہ رہا۔ میں پھر اس احتیاط و استحضار کی کیا ضرورت ہے۔

مسلمانوں نے جواب دیا کہ سلاح جنگ کا پہننا بے اعتباری کے اصول پر نہیں ہے بلکہ حفاظت خود اختیار کی بنا پر۔ اور ہم اس طریق کو ترک نہیں کر سکتے۔ اسلئے کہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

جب یہ مخالفہ مقام رجب پر پہونچا جو مکہ اور عثمان کے درمیان واقع ہے اور انھیں لوگوں کے علاقہ حکومت میں داخل۔ تو اس ممان کش قوم نے بد عمدی کی۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ مقام رجب پر بلا ضرورت مقیم ہو گئے۔ اور قبیلہ بنی لحيان کے دو سو تیر اندازوں کو مسلمانوں کے قتل کر دینے کے لئے بلالیا۔ اور وہ شخص جو ایک منزل پہلے سے بھیجا گیا تھا واپس اُمران کا رہبر بنا۔ اور وہ ان لشکراں اہل کیطاف قاتلون کو لگا لایا۔ علی الصباح دشمن کا دستہ فوج نمودار ہوا خالد بن ابیکیر نے دور سے اس شخص کو دیکھ کر پہچان لیا اور عاصم سے کہا کہ دیکھو ہمارے میراٹون نے ہم سے ضرور دعا کی۔ عاصم بولے تم بالکل سچ کہتے ہو۔ لیکن دشمن سرچا گئے۔ اب باتون کا وقت نہیں ہے۔ مقابلتہ آمادہ ہو جاؤ۔ مرد گے ضرور لیکن تم نغمانہ اور ولیرانہ موت مرو۔ خدا و رسول کی اطاعت میں جانیں فدا کر دو۔ شکر کرو اور یقین رکھو کہ تمہارے لئے یہ موقع شہادت خدا کی عین عنایت ہے۔ یہ سنکر دس صحابیوں کی جماعت مقابلہ پر طیار ہو گئی۔ اتنے میں خطا کار دن کا دستہ بھی آگیا۔ عاصم سے خطا کار کہنے لگے کہ ہم سے مقابلہ کا قصد نہ کرو۔ مٹھی بھر آدمی اتنی کثیر جمعیت کا کیا کر سکتے ہیں جانیں مفت ضائع نہ کرو۔ ہم تم لوگوں کو اپنی طرف سے خود امان دیے دیتے ہیں۔ عاصم بولے ہمارے خدا کی راہ میں نہ جان کی پرواہ ہے اور نہ موت کا خوف۔ اور نہ ہم تمہاری امان لیکر اپنے خلوص ایمان پر مشرکین کے احسان اور عفو جان کا بدنامی لگا سکتے ہیں۔ جو ہم پر شہیدستی کر گیا۔ ہم بافوانہ طریقہ کے ساتھ اس سے ضرور لڑیں گے۔ ماریں گے اور مرین گے۔

عاصم کا یہ دلیرانہ جواب سنکر ممان کش جماعت بڑھی۔ دلیر مسلمانوں نے خطا کار دن کا تیرون سے جواب دیا ترکش خالی ہو گئے۔ تو تیرون سے لپے۔ نیزے ٹوٹ گئے تو تلواریں لیکر دھنس پڑے۔ یہاں تک کہ سب کے سب مارے گئے۔ صرف دو آدمی خبیب بن عدی اور زید بن الدثنه جو پھیلا پڑے چڑھ گئے تھے چلے گئے۔ اور ان لوگوں نے مشرکین کی شرط امان قبول کر لی۔ پہاڑ سے نیچے اترے تو کفار نے ان سے بھی نفقہ عہد کیا۔ اور ان کو گرفتار کر کے مکہ میں لے آئے۔

سلافہ کے انعام کی لالچ سے لوگوں نے عاصم کا سر کاٹنا چاہا۔ لیکن قدرت خدا سے اُنکی لاش پر شہر کی کمپو کا اتنا ہجوم ہو گیا کہ کسی کو انکے سر کاٹنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اسکے بعد۔ بروایت روضۃ الاجاب ایک پہاڑی چشمہ کی سیل

آجانے سے انکی لاش اوس مقام سے ہگئی اور پھر کہیں تہلی۔ اس طرح خدا کی قدرت نے انکی لاش کو دولت و خوار سی ہو چکا لیا۔  
خبیب وزید پر کیا گزری جب ذیل ملاحظہ ہو۔

اور بیان ہو چکا ہے کہ خبیب اور زید کو گرفتار کر کے کہہ میں لے گئے۔ اور وہاں پہونچ کر دونوں بزرگوں کو مڑے باز آ  
بیٹا الا خبیب کو حارث بن عامر کے ڈکون نے خرید لیا۔ اسلئے کہ خبیب نے جنگ احد میں اونکے باپ حارث بن عامر کو  
قتل کیا تھا۔ زید بن اہشہ کو صفوان بن امیہ نے قتل کی نیت خالص سے خرید لیا۔

ہم ان دونوں اہمیان اسلام میں سب سے پہلے خبیب بن عدی کی مصیبت کا سب گذشت ذیل میں بیان کرتے ہیں  
خبیب بن عدی کی حارث کے یمنون بیٹوں نے خبیب کے قتل کئے جانے کے بڑے انتظام کئے۔ اس لیے فراہمی سامان  
مصیبت کا گذشت اور درستی انتظام تک انکو اپنے گھر میں فید رکھا۔ انکو گھر کے قید خانہ میں چند روز گزرے تھے کہ ایک ن  
یہ عامر کی نواسی کو گود میں لئے گھر کے غلاموں کی طرح کھارا ہے تھے۔ اتفاق وقت سے اونکے ہاتھ میں اوس وقت ایک چھوٹی  
سی چھری تھی۔ لڑکی کی مان اتفاقاً اوپر سے آنکلی۔ انکی گود میں لڑکی ہاتھ میں چھری دیکھ کر خوف و اضطراب کے عالم میں  
زرد ہو گئی خبیب اوسکے چہرے سے اوسکے محسوسات قلبی کو پہچان گئے۔ فوراً کہنے لگے۔ تم ہر طرح خاطر جمع رکھو۔  
مسلمان ایسے بیدار نہیں ہیں کہ معصوم کو ہیکناہ قتل کر دینگے۔ یہ دینداران اسلام کا کام نہیں بلکہ خونخوار بھاکم کا۔ لڑکی کی  
مان کو قدرے اطمینان تو ہوا اوس نے لڑکی کو فوراً انکی گود سے لے لیا۔ پھر انکی باتوں کو حیلۃ الوقتی پر معمول کے اپنے بھائیوں  
سے سارا واقعہ کہلایا۔ وہ بھی باپ کے قاتل ہونکی وجہ سے ڈر گئے۔ اور خبیب کو کچھ گھر ہی سے نہیں۔ بلکہ و دھرم سے باہر  
لے جا کر مقام ستم میں جا کر قید کر دیا۔

دو چار روز کے بعد تمام عاقد اور اکابر قریش اور دیگر قبائل کے اثرات و سردار کو دعوت دی گئی اور یہ ابنوہ کثیر غریب  
خبیب کا صلیب پر تماشہ دیکھنے کے لئے بڑے شوق سے جمع ہوا۔ صغیر بلگرامی مرحوم سے

تبع وہ کچھ بچے ہوئے ہیں اپنے بیگانے ہیں جمع | آج مقتل میں ہمارا استحسان ہونے کو ہے  
خبیب کے لئے سولی پہلے ہی سے تیار ہو چکی تھی۔ جب یہ کشان کشان صلیب تک لائے گئے۔ تو انھوں نے  
استقلال و پاواری سے کہا کہ ہمیں صرف دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ اجازت ملی۔ انھوں نے نماز پڑھ لی۔ نماز پڑھ کر کہا  
جی تو چاہتا تھا کہ نماز آخر تجسیع خاطر کے ساتھ دیر تک پڑھوں لیکن بہن صرف یہ خیال آیا کہ تم لوگ سمجھو گے کہ موت کو فروخت  
ڈرتا ہے اس لئے نماز میں دیر لگاتا ہے۔ یہ کہہ کر بجا استقلال مرنے پر تیار ہو گئے۔ سولی پر چڑھ گئے۔ اور یہ اشعار  
زبان پر جاری کئے۔

علی ای شق کان اللہ مصرعے  
محبوب پروا نہیں کہ کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا

وما ان ابالی حین اقتل مسلماً  
جب میں اسلام کرتے قتل کیا جا رہا ہوں تو



وذلك في ذات الاله وان يشاء  
یہ جو کہ ہے خاص خدا کیلئے ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو جسم  
افسوس ہے شبلی صاحب نے اس کامل الایمان بزرگ کے صرف دو شعر لکھ کر اپنی اختصار پسندی کی دالین  
چاہی ہے۔ حالانکہ انکی یہ نظم طویل ہے۔ اور منظر شہادت ثبات ایمان و یاد اری۔ استقلال فی الاسلام اور وفاداری  
کی پوری تفصیل ہے۔ ہم اسکو رحمت العالمین سے بالتمامہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

لقد جمع الاخراب حولي والبواء  
انہ وہ در انہوہ لوگ میرے گرد جمع ہو گئے ہیں  
وكلهم مبدى العداوة جا هدا  
وکلہم مبدی العداوت کا اظہار کرنا ہوا ہے  
وقد جمعوا ابناهم ونساءهم  
قبیلوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی بلا لیا ہے  
وقد خيبرني الكفر والموت  
انہوں نے کہہ دیا ہے کہ کفر اختیار کر نیسے آزادی مل سکتی ہے  
فلست بميد للعدو وتحتشعا  
میں دشمن سے نہ غازی کروں گا اور نہ چلاؤں گا  
ومالي حذر الموت اني مليت  
موت سے مجھ کو ڈر نہ ہے نہ میں تو مر جاؤں گا  
فذوالعرش صديني على ما يرادني  
اوس عرش کے مالک نے کچھ خدمت مجھے اپنی چاہی ہے  
سے میل تمام گوشت کوٹ ڈالا ہے اور میری امید جاتی رہی ہے۔

الى الله اشكو اغربتي شمر كرتي  
میں اپنی بیکسی اور بی وطنی کی فریاد۔ اور دشمنوں کی  
فوالله ما ارجوا اذ امت مسلما  
خدا جب میں اسلام پر جان دیا ہوں۔ تو میں  
وذلك في ذات الاله وان يشاء  
یبارك على اوصال سئلوا صموع  
ان آرزوؤں کی فریاد جو میری جان لینے کے بعد میرے خدا کے آگے  
علی ای جنب کان فی اللہ مصرعی  
یہ پروا نہیں کرتا کہ میں کس پہلو پر گر کر جان دیتا ہوں  
یبارك على اوصال سئلوا صموع

خدا کی ذات سے امید لگی ہے۔ اگر وہ چاہے تو میری ہر پارہ گوشت کو برکت عطا فرمائے

ان اشعار کو پڑھ کر اس اہل وفا اور کامل اولاد نے بارگاہ خلا میں ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی۔

اللہم بلغنا رسالت رسولک فیئینہ ما تصنع بنا  
پروردگار ہم نے تیرے رسول کی رسالت ادا کر دی۔ تو اپنے رسول کو ہمارے  
سال سے آگاہ کر دے۔

و عا کے بعد۔ یہ فدائی اسلام سولی پر کھڑا رہا۔ چالیس جوان نیزہ دار نیزوں کی نوکوں سے اس کے بدن کو کوٹنے لگے  
اون کی ہر ضرب پر انکا جسم زار اوہر سے اوہر ہو جاتا تھا۔ لیکن یہ کامل الایمان ہر بار اپنا منہ کعبہ کی طرف پھیر کر  
فرماتا تھا۔

الحمد للہ الذی جعل وجہی نحو قبلۃ النبی رضی  
اور میں اپنی ذات سے ۱۰ اپنے نبی سے اور مومنین سے رضی ثابا ہر  
اس خدا کا شکر ہے جس نے میرے منہ کو قبلہ کی طرف پھیر دیا

اس اثنا میں ایک بیدار نے ایسا نیزہ مارا کہ پشت سے پار ہو گیا اور منظلوم خبیب اقرار تو حمید و رسالت  
کر کے شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ

محدثین کا اتفاق ہے کہ اس وقت سے یہ دستور ہو گیا کہ مقتول قاتل سے دو رکعت نماز کی اجازت لیکر نہ  
پڑھ لیتا ہے۔ تو قتل کیا جاتا ہے۔ اس امر پر بھی تمام محدثین و مریضین کا اتفاق ہے کہ خبیب بن عادی کے مرقومہ بالا  
اشعار و دعائے حاضرین مقتل کے قلوب پر ایسا برسمیت اثر پہنچا یا کہ وہ حواس باختہ ہو گئے اور شائیان قتل میں سے  
چند لوگوں کے حال رونقۃ الاجاب سے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

سویہ ابن ابوسفیان گوید میں دوران واقعہ حاضر ہوں  
پدہ من مرا بر زمین بخوابانیدہ از خوف و ہیبت دعا و  
و در میان عرب چنان شہرت و اشت کہ چون کسی عابد  
کنند اگر بدو علیہ بر زمین اضطباع کند دعا را در حق و  
اثرے نباشد۔  
امیر مہویہ کا بیان ہے کہ میں اس واقعہ میں موجود تھا اور میرے  
باپ ابوسفیان نے مجھے خبیب کی دعا کی ہیبت و خوف سے روکنا  
زمین پر لٹا دیا تھا کیونکہ عرب میں یہ مشہور تھا کہ اگر کوئی شخص کسی  
کے حق میں دعاے بد کرے تو جس پر دعاے بد کی جاتی ہے، شخص  
زمین پر اونڈھا لٹ جائے تو دعا کا اثر جاتا رہتا ہے۔

از خولیط بن عبد العزی منقول است کہ گفت  
من ہر وقت نگشت خود را در گوشہاے خود نہاد و مازانجا  
بگیرم از ترس و عورت او۔ روضۃ الاجاب ص  
حکیم بن خرام گفت من دپس درختے متوازی ختم  
از ہیبت دعاے او۔ روضۃ الاجاب۔

خولیط بن عبد العزی کہتے ہیں کہ خبیب کی ہیبت دعا  
میں نے اپنے کانوں میں اونکلیاں دے لیں اور وہاں سے مارے  
خوف کے بھاگ آیا۔  
حکیم بن خرام کہتے ہیں کہ میں اونکی دعا کی ہیبت سے بھاگ کر  
اک درخت کے پیچھے چھپ گیا

عمر بن الخطاب سعید بن عامر اور زمان خلافت نوش  
امیر حص گردانیدہ بود و را گاہ گاہ غشی حاصل می شد۔ عمر  
از بے پرسیدہ ترا گرسودانی در بودگی بہت گفت  
یا امیر المؤمنین مرا سودا و ربا دگی نیست۔ لیکن من در روز  
قتل حبیب حاضر بودم۔ و عادی را شنیدم۔ ہر گاہ کہ بخاطر  
خطوری کند ب خود می شوم۔

حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں سعید بن عامر امیر حص بنو نضیر  
کبھی کبھی بیہوشی ہو جاتا کرتی تھی۔ ایک بار حضرت عمر نے ان سے پوچھا  
کیا تمہیں جنون و بیہوشی کی بیماری ہے اور انہوں نے کہا یا امیر المؤمنین  
نہیں۔ جنون ہر بیہوشی کا مرض۔ بات یہ ہے کہ میں قتل حبیب  
کے موقع پر حاضر تھا جب میں اس خوفناک منظر اور انکی دعا کو  
یا کرتا ہوں سچو ہو جاتا کرتا ہوں۔ روزۃ الاسباب رحمۃ اللہ علیہ

زید بن الدثنه کا  
عبرت ناک قتل  
حاضرین میں ابوسفیان بھی تھے۔ جب یہ اجل نصیب تلوار کے نیچے بیٹھ چکے تو ابوسفیان تعزیتاً  
زید سے پوچھنے لگا۔ کہو زید اگر اس وقت تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے تو کیا تم اسکو اپنی بہت بڑی خوش قسمتی نہ مانتے؟  
یہ کامل اللہ فوراً بول اٹھا۔ رب کعبہ میں تو اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں  
کانٹا بھی چھپ جائے۔ ان غیب کے قتل میں بھی ذلت کا ایک خاص شعبہ لگا دیا گیا۔ وہ یہ ہے کہ کسی قریش نے  
انکی گردن نہیں ماری۔ بلکہ صفوان بن امیہ نے اپنے ندامت سٹاس کو حکم دیا اور اس بیدرد نے انکا سر تسلیم کر دیا۔  
اذا لله وانا اليه راجعون طبري ص ۱۲۳

ان شہیدان راہ خدا کے حالات کو خاتمہ تک پہنچی اگر ہم مہمان کش سفیان بن خالد کی محرومی قسمت کی  
کیفیت لکھتے ہیں۔

صاحب روضۃ الاحباب بیان کرتے ہیں کہ اندونون قدانیان اسلام کے قتل کے بعد سفیان سلاطین سبت سعد  
کے پاس سوا دنت کا موعودہ انتہام جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے لینے گیا۔ اس عورت نے جواب دیا کہ تم سے عاقبت کے سر لایا  
وعدہ تھا۔ جو ہمارے بچے کا قاتل تھا۔ تم تو اون لوگوں کے سر لائے ہو۔ جنہیں سے کوئی بھی میرے بچے کا قاتل نہیں ہے  
اس بنا پر میں تمہیں کچھ نہیں دوں گی سفیان اپنا سامنے لے کر واپس آیا ص ۲۸۴

واقعہ  
بہر موعودہ کا واقعہ صفر ۳۵ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ مشرکین جنصل وقارۃ کی مکارانہ مفرد انکیزوں کی طرح  
قبائل نجد عصبیہ۔ عل اور ذکوان بھی استیصال اسلام پر یکدل ہو گئے تفصیل یہ ہے۔

سہ ہجری  
ابو البراء کلانی جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر  
عرض کرنے لگا کہ میری تمام قوم اسلام لانے کے لئے طیار ہے۔ چند مبلغین اسلام ہمارے قبیلہ میں بھیج دیے جائیں کہ وہ انکو  
دین اسلام کے احکام و ارکان کی تعلیم دیں۔ قبیلہ کلاب اتنا بڑا تھا کہ علاقہ نجد تک پھیلا ہوا تھا۔ اور نجد کے قبائل  
عصبیہ رعل اور ذکوان سب کے زیر سایہ و زیر اثر تھے جناب سالما ب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکی درخواست کے جواب میں فرمایا۔

انی اخشی علیہم اهل النجد | | مجسوسانوں کی نسبت اہل نجد کی طرف سے خوف ہے۔  
آنحضرت صلعم کا یہ جواب بے سبب نہیں تھا۔ قبائل نجد کے امیر عامر بن الطفیل نے ایک بار آپ کی خدمت میں لکھیا تھا کہ اگر آپ میرے شرائط کو قبول کر لیں تو میں اس وقت سے اسلام کا رفیق بن جاتا ہوں پہلی شرط یہ ہے کہ عرب کے جتنے صحرا و بادیا ہیں ان کی ملکیت خاص الخاص آپ کے تعلق سے ہے۔ دوسری یہ کہ عرب میں بنتی بستیاں اور آبادیاں ہیں ان کا مالک و متصرف میں بنایا جاؤں۔ تیسری یہ کہ آپ اپنے بند مجھے اپنا قائم مقام مقرر کر جائیں۔ اگر شرائط منظور ہیں تو میں خدمت و رفاقت کو حاضر ہوں۔ ورنہ قبیلہ غطفان کو لے کر مدینہ کا محاصرہ کر دینا گا اس وقت آپ کو مشکل ہو جائیگی۔ آنحضرت صلعم نے اس کے مجوز مانے اور غزوہ بدر کے شرائط کو مسترد فرمادیا۔ اور قاصد کو واپس دیا۔ اس وقت نجدیوں سے بھی خوف تھا۔

ابوالبراء نے گزارش کی۔ آپ مطمئن رہیں میں جماعت مبلغین کی حفاظت جان کا ضامن ہوں۔ ابوالبراء کی ضمانت قبول کر لیں۔ اور شرائط انصار ساتھ کر دیے گئے۔ چونکہ ابوالبراء پر پورا اعتبار تھا۔ اور کسی مخالفت کا اندیشہ نہیں تھا۔ اور ضرورت بھی صرف تبلیغ و تعلیم دین کی تھی۔ اس لئے وجود جماعت مبلغین میں کوئی بزرگ ضرر و آزار اور جنگی خدمات کے قابل نہیں تھے۔ قریب قریب تمام بزرگوار صاحبان تقویٰ و عبادت تھے۔ اکثر صاحب صفہ تھے جو بالکل ورثہ زندگی بسر کرتے تھے۔

مبلغین دین کی یہ جماعت سیرت رسول پر پورا پیکر مقیم ہوئی۔ اور حرام بن علیان کو جناب رسول خدا صلعم کا کرامت نامہ دیکر قبائل کے پاس دعوت اسلام کی غرض سے بھیجا۔ عامر بن طفیل کو حرام نے جب نامہ رسول دیا۔ تو عامر نے خط لیکر حرام کو قتل کرادیا۔ اور قبائل غصیہ رعل اور ذکوان کو جمع کر کے مبلغین اسلام کی جماعت پر چڑھ آیا۔ صحابہ مبلغین حرام کی واپسی کے منتظر بیٹھے تھے۔ جب امید سے زائد دیر ہوئی تو یہ سب کے سب خود چلے راستہ ہی میں تھے کہ فوج مخالف سے مقابلہ ہو گیا۔ وہ جنگجو جماعت آتات حرب و ضرب سے طیار تھی اور ان فقرائے صلحا سے اسلام کے پاس سے مصلاو و عصا کے کچھ بھی نہ تھا نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب راہ خدا میں وہیں شہید کر دیے گئے۔ صرف عمر بن اُمیہ کو عامر نے یہ کھوکھڑا دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مان لی ہے اس لئے میں تجھے چھوڑے دیتا ہوں۔ یہ لکھانکے سر کے آگے والے بال کاٹ لئے اور نشان غلامی بنا کر چھڑو دیا۔ عمر بن اُمیہ بڑی مشکل سے دن کو چھپتے۔ راتوں کو چلتے چلتے مدینہ میں پہنچے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بلا و مصیبت کی روداد عرض کر دی۔ آنحضرت صلعم کو اس واقعہ کا ایسا صدمہ ہوا کہ ایسا غم و الم آپ کو کبھی نہ ہوا تھا۔ مہینہ بھر کامل صبح کی نماز میں ان قبائل پر بدعا فرماتے رہے۔

عمر بن اُمیہ انصیری نے رستمین دوا دیوں کو بنی عامر کے قبیلہ سے بھگ کر قتل کر ڈالا تھا۔ حالانکہ وہ عامر کے



قبیلہ کے آدمی نہیں تھے۔ انکا فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نالگوار ہوا۔ آپ نے دو تو مقتولین کی دیت اپنے پاس سے اونکے ورثا کے پاس بھیجی۔ زرقانی جلد دوم ص ۸۰ طبری ص ۱۳۴۱۔

## غزوہ بنی نصیر

(ربیع الاول کے سلسلہ ہجری)

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عمر بن ابیہ القمیری نے غلط فہمی سے دو آدمیوں کو جو بنی عامر کے قبیلہ سے نہیں تھے۔ لیکن انکے علاقہ کے تھے قتل کر ڈالا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مبادرت نالگوار ہوئی تھی اور آپ اونکی دیت ادا ہونے پر فوراً آمادہ ہو گئے۔ چونکہ یہ وہ ان بنی نصیر بظاہر سوقت تک اسلام کے ساتھ شریک معاہدہ تھے اس بنا پر دیت کا ایک حصہ اونکے ذمہ بھی واجب الادا تھا۔ اسی کی وصولی کے لئے آپ چند ممتازین صحابہ کو جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، زبیر بن العوام، سعد بن ابی وقاص، سعد بن معاویہ اور سعد بن عبادہ وغیرہم کے نام خصوصیت سے بتلائے جاتے ہیں۔ ہمراہ لے کر بنی نصیر کے محلہ میں جو بدیتہ سے کل دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ قشر لقیف لے گئے۔

یہ رکے بعد ہی سے یہودیوں کے خیال میں اسلام کی طرف سے جو انقلاب عظیم پیدا ہوا تھا وہ اوپر تمام بیان ہونا آیا ہے۔ ایک تو اسلام کی طرف سے انکا فطرتی بغض و عناد۔ دوسری قریش سے ساز باز اور اتحاد۔ انکے گروہوں میں اسلام کے استیصال کے لیے اشتعال دے رہا تھا۔ ان اسباب کے علاوہ۔ انکا انتہا درجہ کاتمول۔ کثرت سے مال و دولت۔ قریح یافتہ تجارت۔ عالمگیر کاروبار۔ بڑے بڑے مضبوط اور سنگین قلعہ ضرورت سے زائد اسلحات و آلات جنگ۔ ان سب کے ساتھ۔ فوج کی فوج۔ حشم خدم۔ نوکر۔ چاکر۔ ہر دم موجود اور انکے پیش نظر تھے اتنی ذمہ داری اور خود اختیاری کی حالت شباب میں پھر وہ کس کی سننے والے تھے۔ ان تمام اسباب نے اونکے دماغوں میں نخوت و غرور کی کیفیت پہنچائی رکھی تھی کہ وہ اپنے آگے بڑے بڑے ملوک و سرداران عرب کی کوئی ہستی نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن بائیںہ ساز و سامان۔ ان سے مقابلہ و مقابلہ کے معاملات بتلا رہے ہیں کہ یہ مومنہ کے گروے تھے۔ گرووں کے بڑے بوڑھے۔ جن دوش کے بھاری۔ لیکن طبیعت کے بالکل ہلکے جوڑ توڑ ساز باز اور کبر و دغا سے پر۔ مگر شجاعت و دلیری سے علی الاکثر خالی تھے۔

قتل رسول کی ہکارانہ چنانچہ اس موقع پر بھی۔ جرأت و بہت پر تو کلیہ نہ کر سکے۔ کرنے بھی چلے تو وہی سکاری۔ دغا بازی اور ترکیب غاری تفصیل یہ ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے محلہ میں آئے۔ تو ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ کر یہودیوں کا اداے دیت کے

متعلق گفتگو فرمائے گئے۔ یہودیوں کے تمام عمامہ و کاکر بر سر سلام ابن شکم سلام بن ابی الحقیق کسانہ بن ربیع اور جی بن اخطب وغیرہ سب موجود تھے۔ آپ کی تجویز کی نسبت یہ مکار اپنی رضامندی اور اتفاق کا اظہار بھی کر رہے تھے اور اوہ ہر عماری اور مکانہ کی چھٹی چھٹی جگہیں بھی چل رہی تھیں۔ اور مخفی طور پر اس باتفاق کر لیا گیا تھا کہ اب اس سے بہتر موقع ہاتھ نہ آئے گا ہم ابن سے ایک آدمی مکان کی چھت پر چب کر ایک ہرجا جاری پھر آپ کے سر پر چپکے سے گرا دیں۔ سب قصہ تمام ہے۔ ہلے اس تجویز میں کچھ اختلافات مگر لیکن پھر ذرا اتفاق بھی ہو گیا۔ اور عمر بن قحاش قبیل کے لئے پتھر لیکر مکان کی چھت پر چڑھ بھی گیا اور ہر حافظ حقیقی نے تذکرہ کر دیا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً قضائے حاجت کی ضرورت بیان فرما کر وہاں سے اٹھے اور زیادہ راست مدینہ چلے آئے۔ صحابہ کو وہیں پھیر دیا۔ ان جہنات کو سوائے اسکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاجت کی ضرورت سے گئے ہیں۔ فوراً چلے آئینگے اور کیا معلوم تھا۔ چنانچہ یہ حضرات دیر تک آپ کی داپسی کا انتظار کرتے رہے۔ جب انتظار امتیاز کی حد تک پہنچ گیا تو یہ لوگ بھی مدینہ کی طرف لوٹے۔ راستہ میں ایک آدمی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پوچھی اس نے بیان کیا کہ میں آپ کو ابھی ابھی مدینہ میں دیکھتا چلا آتا ہوں۔ یہ سن کر سب مطمئن ہو گئے۔ مدینہ پہنچے۔ اور خدمت رسول میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو حقیقت معلوم ہوئی۔ چنانچہ نفسیہ مجاہد وغیرہ سے آیہ بَارِئُهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَذْكُرُوا فَعَلَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَلْسَنُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ

یہ من اسی طرف اشارت فرمائی گئی ہے۔ یہودیوں کی یہ غداری اگر چل جاتی تو کیا قیامت ہوتی۔ اسی وقت اسلام کا خاتمہ تھا۔ یہی واقعہ بنو نضیر کی اہمیت جرم کے ثبوت میں کافی ہے۔

بنی نضیر کا خاصہ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بھی بخیر و عافیت واپس آتے ہوئے دیکھ لیا تو آپ بنی نضیر کی تنبیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک لحظہ کے لئے بھی توقف کو مصلحت نہ سمجھا۔ محمد بن سلمہ کی معرفت ان کے پاس بیک لفظ کھلا بھیجا کہ تم لوگ اپنے اس مکارانہ اور غدارانہ قصد و حرکات کی پاداش میں ایک بار جو مدینہ کو پورے دور دور چلے جاؤ۔

اور ہر پیام گیا۔ اور ہر رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی سلول نے۔ جو ہر وقت پہلو کا دشمن بنا اپنا آدمی بھیج کر بنو نضیر سے کھلا بھیجا کہ تم ہرگز جلاوطن ہونے پر راضی نہ ہونا۔ ہم دو ہزار آدمیوں کی جماعت سے تمہاری حمایت پر طیارہ بیٹھے ہیں۔ اور یہود بنی قریظہ بھی تمہاری استمداد و استعانت کو فوراً پہنچ جائیں گے۔ قرآن مجید میں اس منافق کی فتنہ انگیزی کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

لے سلام بن ابی الحقیق جب کی کیفیت اور اوضاع مٹی وہ سب سچے میں قتل ہو چکا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حوالہ سے اور بیان ہو چکا ہے۔ لیکن یہ کہ یہ سلام بھی بن ابی الحقیق کو قتل دہرا یہودی ہو۔ اگر یہ نہیں ثابت ہے تو پھر اس اختلاف کا باعث وہی علما کا اختلاف بیان ہے جو سلام بن ابی الحقیق کے واقعہ قتل کو واقعہ بنی نضیر کے بعد بتلاتے ہیں لیکن اس سے صحیح بخاری کی تکذیب ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو روضۃ الایمان ص ۱۳۳

الَّذِينَ لَا يَدْعُونَ إِلَى الْكُفْرِ وَلَاحِوَاحِيَهُمُ الَّذِينَ  
كَفَرُوا أَهْلَ الْكِتَابِ يَخْرُجُونَ مِنْكُمْ وَلَا تَقْطَعُ قِطْعُكُمْ  
أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ تَنْصُرْتُمْ بَعْضُكُمْ

تم نے دیکھا۔ منافق اپنے کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ تم نکلو گے تو  
ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمہارے باب میں کسی کا ہنا  
نہ مانیں گے۔ اگر کوئی تم سے لڑا تو ہم تمہاری مدد کو آئیں گے۔

عبداللہ بن ابی کی اس بھڑکی نے بنی نضیر کے غور و خجوت کی آگ کو اور بجڑ کا دیا۔ محمد بن مسلمہ وہ بن موجود تھے۔ جناب رسول خدا  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا بھی کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ یہودیوں میں ابھی تک کچھ پکڑی پک رہی تھی کیا جواب دیا جاساں شنہ  
بن عبداللہ بن ابی کا پیام سنگریہودی سب کے سب پھرتے گئے۔ حنی بن اخطب رئیس بنو نضیر نے محمد بن مسلمہ غیب اسلام  
سے کہہ دیا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہو۔ ہم اپنے مقام سے کہیں نہ ہٹیں گے۔ اسے ان کے جوجی میں آدے وہ کریں دیکھا جاتا تھا  
محمد بن مسلمہ نے واپس آکر یہودیوں کا یہ مغرورانہ جواب خدمت رسول صلعم میں عرض کر دیا۔ اور ان کے محاصرہ کا حکم فرمایا  
ان اسباب کے ساتھ شبلی صاحب نے سنن ابوداؤد کے حوالے سے ان واقعات کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔ آپ کی عبارت  
داخلی یہ ہے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ قریش نے بنی نضیر سے کہلا بھیجا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دو۔ ورنہ ہم خود آکر تمہارا بھی  
استیصال کر دینگے۔ بنو نضیر پہلے ہی سے اسلام کے دشمن تھے۔ قریش کے پیام نے ان کو اور زیادہ آمادہ کر دیا۔ بنو نضیر نے  
آنحضرت صلعم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ تیس آدمیوں کو لے کر آئیں ہم بھی اپنے اخبار لیکر آئیں گے اگر ہمارے اجارہ دار علمائے  
یہود آپ کی تصدیق کرینگے تو کچھ بھی کچھ غدر نہ ہوگا۔ چونکہ وہ بغاوت کی طیاری کر چکے تھے آپ نے کہلا بھیجا کہ جیتک ایک معاہدہ  
نہ لکھ دو میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آپ یہود ان بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے اور  
اون سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی۔ اونھوں نے تعمیل کی۔ بنو نضیر کے لئے یہ نظیر موجود تھی کہ ان کے برادران دینی نے  
معاہدہ لکھ دیا ہے لیکن وہ کیسے طرح معاہدہ لکھنے پر راضی نہ ہوئے بالآخر اونھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغام  
بھیجا کہ آپ تین آدمی لیکر آئیں ہم بھی تین آدمی لے کر آتے ہیں۔ یہ علماء اگر آپ پر ایمان لائینگے تو ہم بھی لائینگے۔ آپ نے منظور فرمایا  
لیکن ماہ میں آپ کو ایک صحیح ذریعہ سے یہ خبر معلوم ہوئی کہ یہود تلواریں باندھ کر آمادہ ہیں کہ جب آپ تشریف لائیں تو آپ کو قتل کر دیں  
سیرۃ النبی ص ۳۰۰

شبلی صاحب نے انھیں واقعات کو اصلی سبب قرار دیکر اپنا مختار بنایا ہے۔ چنانچہ فوٹ نوٹ میں یہ عبارت تحریر  
فرمائی ہے۔

تفصیل سنن ابوداؤد میں ہے تعجب ہے کہ ارباب سیرت ابوداؤد کی اس روایت کو بالکل غائب چھوڑ کر ۲ کی  
یہ عبارت فتح الباری۔ واقعہ غزوہ بنی نضیر جلد ۱ ص ۲۵۵ میں یہ روایت ابن مردودہ جو نقل کی ہے اور کہا کہ  
اسکی سند صحیح صحیح ہے معلوم ہوتا ہے کہ بنو نضیر نے آنحضرت صلعم کے ساتھ اس قسم کی عیاری کا ارادہ کیا تھا۔ بخاری میں

ترجمہ الباب یہ ہے۔ باب حدیث بنی النضیر وفتح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی دیتہ الرجلین

وما اراد وامن الغدر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حقیقت حال کی طرف جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صرف ارباب حدیث پر اعتبار کر کے اپنا یہ مختار قیام کیا ہے۔ اور جس روایت کو معاملات بنی نضیر کا اصلی سبب قرار دیا ہے وہ خود ارباب سیرت کیا اصحاب حدیث کو نزدیک بھی ثابت نہیں۔ افسوس ہے کہ فتح الباری کی عبارت پر غور کی نظر نہیں کی گئی اور نہ اسکی پوری عبارت لکھی گئی۔ اوسین تلاش نہیں کی گئی۔ ورنہ اسکی صحت و اعتبار کی حقیقت کا اوس وقت پر انکشاف ہو جاتا۔ تعجب تو یہ ہے کہ زرقانی جو ہر وقت پیش نظر ہے۔ اوسین بھی اسکی قرار واقعی تلاش نہیں کی گئی۔ ورنہ یہ غلط فہمی واقع نہ ہوتی۔

زرقانی جلد دوم ص ۹۲ میں اسباب واقعات بنی نضیر کے متعلق ابن حجر صاحب فتح الباری کا یہ قول مرقوم ہے

واذا ثبت ان سبب جلاء بنی النضیر ہما ہما  
بالفتك بک و ہما منہا وقع عند ما جاء الیہما  
یستعین فی دیتہ قتلی عمر

اس کے بعد آپ نے جس عبارت فتح الباری سے اسکی صحت ثابت کی ہے وہ یہ ہے ابن مرددیک کی روایت لکھ کر ابن حجر لکھتے ہیں

وفی ہذا رد علی زعم ابن التین انہ لیس فی ہذا  
القصة حدیث باسناد۔ فہذا اقوی مہا ذکر

ابن اسحاق ان سبب غزوہ بنی نضیر طنبہ صلی  
اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یعدتوہ فی دیتہ الرجلین

لکن واقفہ جل اهل المغازی۔ زرقانی ص ۹۴

ستازی کا اتفاق ہو چکا ہے۔

یہی حال ہے صحیح بخاری کی سند کا شبلی صاحب عبارت عنوان میں عذر کا لفظ دیکھا کہ اپنے دعوے کی تصدیق فرماتی ہیں

حالانکہ دیتہ رجلین کے صاف الفاظ موجود ہیں۔ جو بتلاتے ہیں کہ سبب اصلی وہی رجلین کا معاملہ ہے اور لفظ عذر سے بھی یہی

پتھر گرا کر مار ڈالنے والی غدری مقصود ہے۔ نہ آپ کے مرقومہ اسباب مناظرہ و کلام اور حملات بالسیف جبکہ آپ سنن ابوداؤد کے

حوالے سے لکھ کر ارباب سیرت و تاریخ کو چیلنج دی رہے ہیں۔ بخاری کا ایک لفظ بھی آپ کے دعویٰ کا موید نہیں ہے بلکہ صریح

مخالف ہے۔

بہر حال۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو شبلی صاحب کے غلط فہم اور محکمانہ اصرار سے ہمارے سلسلہ بیان میں خواہ مخواہ

حائل ہو گیا۔ ہم مجبور ہیں شبلی صاحب علی الاکثر اپنے فحارات اور جہادات سے دوسروں کو مرعوب بنالینا چاہتے ہیں۔ جو حقیقت



کے صریح مخالف ثابت ہوتا ہے۔ اس بنا پر اذن کا انکشاف ضروری ہو جاتا ہے۔ ورنہ حقیقت سے عدم فہمی رہ جائیگی۔ ہم اس بحث کو تمام کر کے اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں۔

بیان تک بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاصرہ بنی نضیر کا اعلان فرما دیا۔ فلا نیان اسلام لبتیک گویا ن طیار ہو گئے۔ مسلمانین ہنسنے لگے کہ اگر خدمت رسول صلعم میں حاضر ہو گئے۔ آنحضرت صلعم نے جائزہ فوج لئے کر۔ علم فوج حضرت علی مرتضیٰ کو عنایت فرمایا اور محمد بنی نضیر کی طرف جمعیت اسلامی کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔

اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ بنی نضیر کی آبادی مدینہ تک دوسیل کے فاصلہ پر تھی۔ دم کے دم میں فوج اسلامی نے پہنچ کر ان کے تمام محلہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہودیوں کے اتنے کلبے کہ ان تھے کہ میدان پکڑ کر فوج اسلام و نہا بن و ن کی سب قلعہ بند ہو کر عبداللہ بن ابی کی دو ہزار والی جمعیت موعودہ کا انتظار کرنے لگے۔ اور اسی کے ساتھ بنی قریظہ کی کمک کی بھی امید لگائے رہے۔ پندرہ روز اسی انتظار میں گزر گئے۔ اور کوئی کمین سے نہ آیا۔ اور پلنگہ چکا گیا ہے کہ عبداللہ بن ابی مسلمانوں کے سامنے نہ آسکا۔ اسلئے کہ اگر وہ آجاتا تو پھر خود اس کے نفاق کا لازماً سبب بن جاتا اور اس کے اہل کفر کے چشم و بد واقعہ کو دیکھ کر مسلمان کیا۔ خود اس کے قبیلہ زالے دیندارانہ انصار۔ اس کو قتل کر ڈالتے لیکن اس کا کام تھا۔ زبانی طمطراق۔ ساز باز اور فساد و نفاق۔ وہ اس لئے کر دکھلایا۔

باقی رہے بنو قریظہ۔ ان کی یہ حالت تھی کہ وہ بنی نضیر کے ہتھیاروں و ہم مذہب تو ضرور تھے لیکن دور دراز پر مشتمل اسلام معاہدہ صلح کی تجدید کر چکے تھے۔ اس سے خلاف ورزی کیسے کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ بھی مجبور تھے۔ اب یہودیوں کی محرومی کی حد نہ تھی۔

بنو نضیر اور یہ طرف سے مایوس ہو کر اب بنو نضیر کے پاس سوائے مکاری اور غدار کی کچھ اور نہ تھا۔ اور اس میں شجوخ کا ارادہ یہ مدت سے مشاق تھے۔ محدث دہلوی اور صاحب ردۃ الصفا لکھتے ہیں کہ حمی ابن اخطب سردار یہود نے اپنے فطرتی بردلی تقاضہ سے لشکر اسلامی پر شجوخ کی تدبیر نکالی اور خود تو جرات نہ کر سکا۔ عذہ بن امیس ایک شرابہ نفس یہود کو اس مہم پر تعینات کر دیا۔ دریافت احوال کی غرض سے خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر پھینکے یہ مسلمانوں نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہ گئے۔ انکی خاموشی انکی غفلت کی علامت سمجھی گئی۔ دوسرے دن یہودی قوی دل ہو کر شجوخ پر بالکل آمادہ ہو گئے۔

شام ہوئی تو حسب معمول صحابہ نماز مغرب پڑھ کر خدمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچ گئے۔ خلاف معمول حضرت علی کو نہ پایا کچھ دیر تک انتظار کیا۔ وہ نائے۔ تو چونکہ دشمن کی طرف سے ہر وقت اندیشہ تھا۔ اسلئے صحابہ کو انکی طرف سے تشویش ہوئی۔ بالآخر آنحضرت صلعم سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ان کے لئے ترہ نہ کرو۔ انکی غیر حاضری مصلحت و

خالی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہودیوں کے ان مکارانہ قصد و ارادہ کی خبر لگ گئی تھی۔ اور آپ حضرت علی مرتضیٰ کو اسکے تدارک کے لئے مقرر فرما چکے تھے۔ اس بنا پر حضرت علی شام ہوتے ہی دشمن کی غاریوں کے سراغ میں مصروف تھے۔ اور ان کے آنے والے راستہ میں جا بیٹھے تھے۔ ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے یہاں تک کہ تین ثلاث رات گزر گئی۔ کچھ رات رہے غزوہ بنی انیس اپنے چند رفقاء کے ساتھ آتا ہوا معلوم ہوا۔ حضرت علی نے اپنے مقام سے جھپٹ کر اس پر حملہ کیا اور اسکو وہیں قتل کر دیا۔ اسکے رفقاء اسکی اعانت کو پہونچے مگر اب کیا کر سکتے تھے۔ حضرت علی شیرانہ حملوں سے اس کے موہم بھی بھر گئے۔ اس آسامین شور و غل سنکر حضرت ابو دجانہ انصاری اور سہل ابن حنیف بھی پہونچ گئے۔ یہودی مجبور ہو کر بھاگ گئے۔ یہودیہ بود بلانے والے نجیبہ گزشت۔

جناب علی مرتضیٰ غزوہ کا سر لیکر خدمت رسول صلعم میں حاضر ہوئے۔ نماز جمعہ کے بعد آپ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ رسول اللہ صلعم نے نظر مبارک اٹھائی۔ تو سامنے علی مرتضیٰ کھڑے تھے۔ اور پائے مبارک کو قریب آدھوا بن انیس کا سر گنا پڑا تھا۔ صحابہ سے ارشاد ہوا کہ شام سے علی اس کام میں تھے۔ ترجمہ مدارج النبوة جلد دوم مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ص ۳۱۴۔ روضۃ الصفا جلد دوم تاریخ اللہیا جلد دوم مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۱۵

محاصرے کو جتنا طویل ہوتا جاتا تھا۔ بنو نضیر کی بالوسی بڑھتی جاتی تھی۔ شجخون کی کامیابیوں نے انکی امیدوں کا اور بھی خون کر دیا۔ یہودیوں بنی قنیقاع کے نتیجے پیش نظر سے وہ اور دل ہلائے دیتے تھے۔ اصول جنگ و محاصرہ کے مطابق۔ جتنا عرصہ ہوتا تھا محصورین کی طرف سے وقوع جنگ کے قرائن قوی ہوتے جاتے تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلعم نے مقابلہ کے احتمال سے قلعہ بنی نضیر کے سامنے والے غلستان صاف کرادیے۔ تاکہ میدان صاف ہو جائے اور غنیمت آخر کمین گاہ کا فائدہ نہ اٹھائیں۔ خاصکر وہی درخت کوٹاے گئے تھے جو محض معمولی اور جنگلی پھل لاتے تھے۔ اور جو عرصہ درخت تھے وہ چھوڑ دئے گئے تھے۔ قرآن مجید میں بھی اسکا ذکر موجود ہے۔

مَا قَطَعْنَا مِنَ الْبَنِي نَضِيرٍ شَجَرًا وَلَا وَجَدْنَا فِيهَا شَايَءًا يَنْفَعُ الْبَنِي نَضِيرَ وَلَا نَجِدْنَا فِيهَا شَايَءًا يَنْفَعُ الْبَنِي نَضِيرَ  
 اَصُوْبَعًا فَبَاذَنَ اللّٰهُ وَنَجَّيْنَا الْفَارِسِيَّةَ  
 تم نے بنو نضیر کے جو درخت کوٹاے اور حقدور درخت قائم رہنے دیے  
 سب خدا کے حکم سے ہے تاکہ خدا فاسقوں کو رسوا اور خوار کرے

لہذا جنگی کچورون کو کہتے ہیں جو اہل عرب کی خوش میں نہیں ہے

بالآخر بنی نضیر کے لئے اب کوئی چارہ نہیں رہا تو انھوں نے صلح کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان شرط پر صلح منظور کر لی کہ بنو نضیر مال و اسباب نوعمون پر قبضہ لیا سکیں لیجائیں۔ اور مدینہ سے باہر نکل جائیں یہودیہ کو جانوں کی پڑی تھی۔ فوراً راضی ہو گئے۔ صلح نامہ لکھا گیا۔ اور سب نے دستخط کر دیے۔

یہودی سیرت شامدار جلد اولیٰ | روایت بنی نضیر | سلام بن ابی الحقیق | کسانہ بن الربیع اور حمی بن اخطب وغیرہ مدینہ سے

انکل کر خبیہ چلے گئے۔ وہاں انکا اتنا غرور و اکرام کیا گیا کہ رئیس خبیہ تسلیم کر گئے انکی جلاوطنی اور خبیہ البلدی بڑی شاندار لکھی گئی ہے۔ چنانچہ شبلی صاحب طبری کی عبارت سے ترجمہ فرما کر لکھتے ہیں۔

بنو نضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے تھے لیکن اس شان سے نکلے تھے کہ جشن (زدان) کا دھوکا ہوتا تھا۔ اونٹوں پر سوار تھے۔ ساتھ ساتھ باجا بجا جاتا تھا۔ عطر و عورتیں دف بجاتی اور گاتی جاتی تھیں۔ عروہ بن الروعسی مشہور شاعر کی ہوی کو ہوی نے خرید کر لیا تھا اور وہ بھی ساتھ ساتھ تھی۔ اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سرد سامان کی سواری کسی انکی نظر سے نہیں گذری تھی۔ یہ وہ بنی جلد اول ص ۳۰۲

بنو نضیر جو لیجا سکے لیکے۔ جو بچے یا وہ خدا و رسول صلعم کا عین المال قرار پایا۔ غیمہ منقولاً تین مکانات اور قلعہ جات تھے۔ جن میں اکثر کورہ اپنے ہاتھوں سے سمار کر گئے تھے۔ اور نخلستان اور قطعات آراضی تھے منقولاً تین پچاس زرہین۔ پچاس خود اور تین سو پچاس تلواریں تھیں۔

وہ خدا ہی تو تھا جس نے کفار اہل کتاب کو اونکے گھروں سے نکال باہر کیا اور یہ اونکی تقدیر کا پہلا شر تھا جسکے لئے نکالے گئے۔ یہ مسلمان تو کو دوسم و گمان بھی نہ تھا کہ وہ اپنے گھروں سے نکلیں گے اور وہ اس خیال میں مرت تھے کہ اونکے تلوہ اوکو خدا کی بکڑے بچا کر توجہ ہر سے اونکو گمان بھی نہ تھا خدا کے شکر نے اونکو آلیا اور اونکے دونوں میں مسلمانوں کی دہاک ڈال دی کہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کو ہاتھوں او جاڑنے لگے۔ اونکے یہ واقعہ صاحبان ہجرت

قرآن مجید میں اسکا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے  
هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ مِنْ  
دِيَارِهِمْ لَا دَوْلَةَ لَهُمْ لِمَا ظَنَنْتُمْ أَنَّ يَخْرُجُوا  
فَكَفَرُوا فَاتَّخَذْتُمْ لِحُكْمِهِمْ حُكْمًا وَمِنْ ذَلِكَ يَأْتِيهِمُ  
الْوَعْدُ لِيُؤْتُوا لِيَوْمِهِمْ يَأْتِيهِمْ وَقَدْ نَافَتْ فِي كُلِّ مَوْجٍ  
فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ  
کسیے باعث عبرت ہے۔

انصار کا مہاجرین کے ساتھ تعجب ہے کہ شبلی صاحب نے مدینہ میں آمد مہاجرین کے ذکر میں تو انصار کے محاسن سلوک بے مثال ایشار رعایات۔ مدارات۔ غرض تمام احسانات کا بالا اختصار ذکر فرمایا ہے اور اسی کے ساتھ انصار کے اس عظیم الشان ایثار کا بھی وہیں اشارہ کر دیا ہے۔ غیر وہ تو عنوان تھا اور تمہیدی بیان۔ اس میں اسکی تفصیل قبل از وقت کا نقص ہے اگر دیتی لیکن یہ مقام تو اس ایثار کا خاص تھا یہاں کیون نہ بیان کیا گیا۔ وجہ یہی ہے کہ انصار کی تفصیل خدات کی طرف ابتدا ہی سے نظر توجہ بہت کم رہتی ہے۔ تمہیداً اشعار عرض کر کے ہم اسکی تفصیل کو ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

اوپر گذر چکا ہے کہ جب قدر جائداد و منقولہ وغیرہ منقولہ بنی نضیر جمع کر گئے تھے۔ وہ سب خدا و رسول کا عین المال تھا۔ قرآن مجید میں اسکا حکم عریح یوں ہے۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ  
(جو ماں) اللہ اپنے رسول کو ان سب سے لے گا جو ان کے لوگوں سے مفت میں دلوادینے

وَالرَّسُولُ وَالَّذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَ  
ابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ  
مِنْكُمْ وَمَا تَأْكُمُ الرُّسُولُ فَخُذْهُ وَمَا ظَلَمَكُمْ عَنْهُ  
وَأَنْتُمْ كُفَرَاءُ أَتَقْوُونَ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

تو وہ (اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور رسول کے ہر اقتداروں کا۔  
اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور بے توشہ مسافروں کا اور حکم اس کے  
روایا گیا) جو لوگ تم میں مالدار ہیں۔ یہ (مال) ان ہی میں دائرہ رہے  
مسلمان جو چیز بغیر ترکہ و مریہ تو لیا کر اور جس کے لینے سے تم کو منع کرے

اوس سے دست کش رہو اور خدا سے ڈرنے رہو۔ کیونکہ خدا کی ماری سخت ہے (ترجمہ شمس العلماء قاضی احمد صاحب ص ۸۷)

پھر وجہ اختصاص حقوق خدا و رسول زمین ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا آفَاكُمُ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أُوجِفْتُمْ  
عَلَيْهِ مِنْ حَبْلِ كَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ  
عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ

جو مال خدا نے اپنے رسول کو (بے ٹیسے) منت و لوہا تو مسلمانوں  
تم نے اس کے لئے کچھ (دوڑ و دوپ تو کی نہیں) اور نہ ہونٹوں سے

مگر اللہ نے پیغمبروں کو جس پر چاہے مسلط کر دے۔

اب فئے اور غنیمت میں یہ فرق ہے۔ تاریخ ابن ہشام میں ہے۔

مَا يُوجِفُ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ بِالْحَبْلِ وَالْكَابِ  
وَقَتِحَ بِالْحَرْبِ.. وَإِنَّمَا يَحْصِلُ بِالْحَرْبِ الْقَتْلُ  
وَهُوَ غَنِيمَةٌ

جو مال مسلمانوں نے بغیر کوشش کے اور جنگ و جدال بغیر لڑکر  
فتح کے بغیر حاصل کیا۔ وہ فئے ہے۔ اور جو لڑائی سے ملا وہ غنیمت ہے

بہر حال۔ اور پر بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوائے مہاجرین کے انصار کو کچھ نہیں دیا۔  
حقیقت یہ ہے کہ آپ کے عطا فرمانے پر بھی انصار نے کچھ نہ لیا۔ اور اپنے عظیم الشان ایشیا کی یواہر آباد ملک قائم  
رہیگی ہم اسکی پوری کیفیت مفصلہ ذیل عبارت میں شرح زر قافی سے نقل کرتے ہیں۔

لما هاجروا (المهاجرين) واما نحن بلينهم صلعم  
فذهب كل انصاري بالمهاجري الذي واخى بلينه  
وبنييه صلعم الى منزله وكفاه المونة فمرتا  
فسواحتى ال امرهم الى فرقة فای انصاري  
نخرج الفرقة باسمه يذهب بالمهاجري فبلغت  
مواسا ثم الغاية القصوى - فلم غنم صلى الله عليه  
والله وسلم بنى النضير وعان ثابت بن قيس بن شماس  
فقال ادع القوم قال ثابت الخبز فقال صلى الله عليه

جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ میں آئے۔ انہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین  
انصار میں اخوت قائم کر دی تو سر مرد انصاری اوس مہاجر کو جو اوس کا  
بھائی تھا اپنے گھر لگایا اور ہر طریقہ سے اوسکی کفالت کرتا ہا بھرا انصار نے  
آپس میں قرعہ والا (غالباً اون فقرائے مہاجرین کے لئے جو کچھ بھائی نہ  
بنے تھے یا جو واقف اخوت سے پیچھے آئے تھے) اور جس کے نام قرعہ نکلتا وہ  
اوسکو اپنے گھر لیا اور کچھ کفالت کرتا اور یہ اوسکی مفاد درجہ کی محبت و شفقت  
نہی بیاں تک کہ اسوال بنی نضیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آئے۔ تو آپ نے ثابت



والله وسلم الانصار كلهم فدا له الا دس وانخرج  
محمد عليه رايته عليه بما هو اهل له ثم ذكر  
الانصار وما صنعوا بالمهاجرين وانزالهم ما هم  
في منازلهم واموالهم ثم هم على انفسهم فقال  
ان اجبتهم اعطيتهم وخرجوا من دورهم فقال  
سعد بن حباد: وسعد بن معاذ يا رسول الله صلعم  
بل تقسم بين المهاجرين ويكوفون في دورنا كما كانوا  
وقامت الانصار وقسم ما افاد الله واطعوا المهاجرين  
ولم يعط احد من الانصار وفي ذلك الملاءمة ان الله  
صلى الله عليه وآله وسلم قال لا انصار دليست  
الاخوانكم من المهاجرين اموال فان شئتم قسمت  
هذه واما لكم دينكم وبنيتهم جميعا وان شئتم  
امسكتهم اموالكم وقسمت هذه خاصة  
قالوا بل افسر هذه فيهم واقسم لهم من اموالنا  
ما شئتم فنزلت ويؤثرون على انفسهم ولو  
كان بهم خصاصة

بن قیس کو ہمارا کیا انصار کو ہلا لاؤ۔ ثابت ہوئے کیا قبیلہ خزرج  
کے انصار کو حاضر کروں ارشاد ہوا۔ نہیں تمام انصار کو ہلا لاؤ  
قیس نے اوس و خزرج و دونوں قبیلوں کو اکٹھا کر دیا۔ آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف کے لئے اور خطبہ میں حمد و ثناء  
اُتی کہا حقہ ادا کر کے قبیلہ انصار کے اوں تمام احسانات و عنایات  
کو جو انھوں نے مجاہدین کے ساتھ اونکی مہمان نوازی اور امانت  
نصرت حمایت کے متعلق کی تھی مفصل طور پر بیان فرمائی پھر انصار کی  
طرف مخاطب ہو کر استفسار فرمایا کہ اگر تم لوگ قبول کرو تو یہ تمام مال  
ہم تمہارے اور مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیں اور غریب  
مجاہدین جس طرح تمہارے اموال پر سہ کرتے ہیں ویسے ہی گزران  
کرین اور اگر تم پسند کرو تو یہ سب مال اور زمین کو دیدار جاوے اور  
آج سے تم اونکی کفالت سے سبکدوش ہو جاؤ۔ یہ سنکر سعد بن حباد  
اور سعد بن معاذ و دونوں قبائل انصار کے سردار اونٹن کمرے ہوئے  
اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ صلعم تمام مال انھیں کو دیدار  
جاوے اور یہ لوگ جس طرح سے ہمارے گھروں میں ہماری ساتھ  
رہتے ہیں رہتے دیے جائیں اپنے اپنے سردار قبیلہ کا حکم سنکر

تو ہم انصار کہنے لگے۔ یا رسول اللہ ہم راضی ہیں اور ہم سب کو قبول و منظور ہے اونکی آوازوں سے تمام سجد گونج اٹھی جبکہ  
رسالتا ب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونکے اس عظیم الشان اشارہ کو سنکر کہنے لگے پروردگار تو قبائل انصار پر رحمت نازل کر اسکے بعد  
مال نے صرف مجاہدین پر تقسیم فرما دیا تفصیل آگے آتی ہے اور انصار میں (سوائے ابو جہانہ اور سہل بن حنیف کو کسی کو کچھ نہ دیا  
علامہ بلاذری اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے انصار سے یوں ارشاد کیا کہ تمہاری مجاہدین کو پاس کچھ  
مال نہیں ہے۔ اگر تم قبول کرو تو میں تمہارے اور اونکے دونوں حصوں کا مال اور زمین کو دیدار کروں۔ اگر تم جاہلو اپنے حصہ کا مال لو  
لو میں اونکا اونکو دیدار کروں۔ انصار نے عرض کی ان کا حصہ تو انھیں دیدار کچھ بلکہ ہمارے حصہ بھی اور زمین میں تقسیم فرما دیجئے۔ اسی واقعہ  
اشارہ انصار کے متعلق یہ آیتہ نازل ہوئی وہ لوگ ہیں جو اپنے نفسوں پر ترجیح دیکر اپنے آپ کو بھائیوں پر۔ ان چیزوں  
کا جو اونکی خاص ہوتی ہیں اشارہ کرتے ہیں نذر قانی جلد دوم ص ۹۹ مصر

تفصیل تقسیم | یہ تقسیم اس طرح فرمائی گئی کہ جو زمین حراج پر پہلے سے بندوبست تھیں وہ

وہی ہی قلم رکھی گئیں۔ اور نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص نہ تھا۔ اور آپ اور کو حکم خدا کے موافق اپنے اہل و عیال اپنے ذوالقربیٰ کے مصارف کے بعد۔ فقر اور محتاجین مساکین یتیمی اور مسافریں کے مصارف میں صرف فرماتے تھے۔ اور جو بچتا تھا وہ ہتھیلی پر شکر اور فریسی اسلحات وغیرہ میں صرف ہوتا تھا

نخلستان یہود اور مکانات مع اوکے اسباب تعمیر وغیرہ۔ مہاجرین کو کلمہ دیدہ سے گئے نخلستان کے متعلق اونکی ملکیت و مضافت پہلون اور لکڑیوں تک محدود تھی اراضی سے اونکو کوئی واسطہ نہیں تھا جیسا اوپر لکھا گیا ہے حضرت ابو براء اور حضرت سہیل بن منیف انصاری کو اس میں سے کچھ عطا فرمایا گیا اس لئے کہ یہ دونوں بزرگوار از حدنگہ ستادار تھے

تین سو چالیس تلواروں میں سے ایک تلوار جو ابن ابی احقق رئیس بنی نضیر کی خاص تھی اور بہت مشہور تھی۔ خاص طور پر سعد بن معاذ کو عنایت ہوئی۔

علمائے سواد اعظم میں اختلاف ہے کہ اسوال بنی نضیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رقم خمس نکالی تھی یا نہیں امام عظیم ابوحنیفہ کوئی یقینی حکم کرتے ہیں اور ثنی میں خمس کو جائز نہیں جانتے۔ لیکن امام شافعی ان سے پورا اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انوال بنی نضیر رقم خمس نکالی گئی اور ثنی میں خمس کی اداکاری جائز ہے۔ زرقانی جلد دوم ص ۹۵ روضۃ الاحباب ص ۲۹۳ ہوتی واقعات متفرقہ

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ سے عقد فرمایا۔

اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ گرامی فاطمہ بنت اسد نے رحلت فرمائی۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ

میں ہے

حضرت فاطمہ بنت اسد  
کی رحلت

اسد بن ہاشم امر علی فدخل علیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجلس عندہا و قال ھک اللہ یا اھی کنت اھی بعد اھی فجمعین و تشبعتی فترین و تنبتنی ففدت طیب الطعام و لطمعی و تریدین بذلک وجہ اللہ والذاد الاخری و قال انش فیسلھا فلما بلغ الماء الذی فیہ الکافور اسکبه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدہ و

انس بن مالک سے روایت ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم جناب علی کی اور سرہان سے انتقال فرمایا تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم انکی میت کے پاس گئے۔ سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا اے میری ملن خدا تمہیں رحم کرے تو میری ملن تھی میری ان کے بعد۔ تو آپ بھوکے رہتی تھی اور مجھ کو کھانا کرتی تھی تو آپ بٹکی رہتی تھی اور مجھے پینا کرتی تھی۔ تو اپنی جان کو بچھ کھانے سے باز رکھتی تھی اور مجھے کھلاتی تھی تو خاص خدا کے لئے اور آخرت کیلئے جس سلوک مجھے کرتی تھی انس کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے غسل کا حکم دیا جب اس پانی سے غسل دیئے کی نوبت پہنچی جس میں کافور ملا ہوا تھا تو آپ اپنے دست مبارک سے ان پر پانی ڈالا۔ اور حضرت عمر اسامہ بن زید

البسھا قمیصہ وامر عمر او اسامۃ بن زید  
وابو ایوب الانصاری یحفر قبرہا فلما حفر  
وبلغوا لحد احضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
بیدم واخرج ترابہ ثم اضجعہ فیہ وادخل  
فیہ ہودا ابوبکر والعباس ثم دعا بمجذہ الداعی  
اللہم اغفر لہا فی فاطمۃ بنت اسد والقنہا  
حجبتہا ودسع علیہا مداخلہا بحق نبیک محمد  
والانبیاء من قبیلۃ انت ارحم الراحمین و  
سرودی عن ابن عباس یحذذک ویراد بقالوا  
ما سرأیتک صنعت بالحد ما صنعت بهذا  
قال ائله لم یکن بعد ابی طالب ابر منہا  
البسھا قمیصی لتکسئی من حلل الجنتہ و  
اضطجعت فی قبرہا لیہون علیہا عذاب  
القبر و سرودی ایضا عن علی باختلاف الیسیر

منقول از اربع المطالب مطبوعہ لاہور جلد اول ص ۲۴۹

اور ابو ایوب انصاری نے ملکہ قبر کو دی۔ جب قبر کھد کر تک پہنچی تو  
آپ نے اپنی دست منظر سے قبر کو دنی شروع کر دی اور اسکی سنی نکالی  
پھر فدا سین لیٹ گئی۔ پھر انکو خود آپ نے اور حضرت ابوبکر اور حضرت  
عباس نے قبر میں اتارا۔ پھر آپ نے اونکے لئے یہ دعا کی۔ ہودا ہودا  
میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور اسکی دلیل اسکو تلقین فرما  
اور اسپر اس کی قبر کو کشادہ فرما بغفل اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
اور دوسرے انبیاء عظیم اسلام کے جو مجھے قبل گذرے ہیں۔ حضرت  
ابن عباس سے بھی ایسے ہی مروی ہے اونہوں نے اتنا اضافہ اپنی  
روایت میں کیا ہے کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ان کے  
ساتھ جو دعا کہتے وہ آج تک کسی کے ساتھ بھی نہیں کہتے تھے آپ نے  
ارشاد کیا بعد حضرت ابیطالب کے میرے ساتھ ٹکی کہنے والا ان سے  
بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔ میں نے اس لئے اپنا پرہیز انکو دیا کہ وہ جنت  
کی پوشاک میں ہنسن اور ان کی قبر میں اس لئے لیٹ گیا کہ ان پر عذاب  
قبر آسان ہو جاوے۔ جناب امیر نے بھی اس روایت کو تھوڑے سے  
اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔

## شہدہ بھری (ذات الرقاع)

اور پر بیان ہو چکا ہے کہ قریش کی کاوش اور یہود کی سازش نے مخالفت اسلام کو مکہ سے لیکر مدینہ تک عرب کے تمام  
اقوام و قبائل کو اسلام کے استیصال پر آمادہ کر دیا تھا۔ آئے گئے دن چھوٹے بڑے قبیلہ خود یا دوتین با خود یا ملکر  
مدینہ پر فوج کشی کرنے پر مستعد ہو جایا کرتے تھے۔ ذات الرقیع۔ بزمعونہ وغیرہ وغیرہ سب اسی سلسلہ کی جزئیات  
ہیں۔ جو اپنے اپنے مقام پر اوپر بیان ہو چکے۔ محرم شہدہ بھری بن قبائل انمار و ثعلب نے مدینہ پر فوج کشی کا ارادہ  
کیا۔ فوجیں جمع کرتے گئے۔ مقابلہ کے سامان درست ہونے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو  
آپ چار سو صحابہ کے ساتھ موقع پر پہنچ گئے۔ تشریف آوری کی خبر پاتے ہی غنیم دلاوری بھول گئے۔ اور بڑے دل  
بکر پیاروں پر بھاگ کر ٹھپ گئے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع اخیر ایک ہفتہ کے بعد مدینہ میں واپس

آئے

غزوہ دومتہ الجندل ایک مہینہ کے بعد۔ ربیع الاول کے مہینہ میں دومتہ الجندل سے پھر ایک جمعیت کثیر کے

ربیع الاول شہ ہجری

جمع ہونے کی خبر آئی۔ انکا مقصد بھی وہی تھا۔ مدینہ پر چڑھائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم سات سو مہاجرین و انصار کے ساتھ دومتہ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن لشکر اسلام کی آمد سے پہلے ہی مخالفین خائف ہو کر منتشر ہو چکے تھے۔ وہاں پہونچ کر کسی کو بھی نہ پایا۔ اس لئے لشکر اسلام واپس آیا۔

غزوہ بنی المصطلق

خزاعہ۔ عرب کا مشہور۔ زور آور اور نامور قبیلہ تھا۔ زور آور اس لئے کہ اذکی تعداد

بہت کثیر تھی۔ نامور اس لئے کہ وہ قریش کی اصل شاخ تھے۔ جو عرب میں احس

کے لقب سے مشہور تھے۔ احس کیا ہے؟ قریش نے اپنی قدامت۔ تولیت کعبہ

اور امارت کے اعزاز کے اعتبار پر اقوام عرب میں اپنا فرق امتیازی قائم کرنے کے

غزوہ بنی مرہج

۱۲ شعبان شہ ہجری

لئے کچھ خصوصیات اختیار کر لیں تھیں۔ اس لئے ایام حج میں عام عرب کی طرح عرفات میں قیام کرنے کی جگہ قریش نے

مزدلفہ میں جو حدود حرم کے اندر داخل تھا۔ اپنے لئے قیام کرنا اختیار کر لیا ایسے ہی خود اختیارانہ طریقہ سے اور بھی

امتیازی خصوصیات قائم کر لیں تھیں۔ انہیں خصوصیات کی بنا پر اپنا لقب خاص بھی احس قرار دے لیا تھا۔ لیکن پھر

انکا یہ اعزاز چند دنوں کے بعد مرتبہ تخصیص سے ادا کر دیا گیا۔ رفته رفته یہاں تک فہم ہو چکی کہ

عام عرب میں جو ان خصوصیات کو اختیار کرنے لگے وہ بھی احس کہلانے لگے اور قریش نے جس قبیلہ عرب کے قرابتداری

اور رشتہ مندی قائم کی۔ وہ بھی احس کہلانے لگا۔ قبیلہ خزاعہ بھی اسی جہت سے احس مشہور تھا۔ خزاعہ ہی کی ایک

شاخ بنو المصطلق کہلاتی تھی۔ مدینہ سے ۹ میل پر مقام مرہج پر آباد تھی۔ اس قبیلہ کا رئیس عارض بن ابی ضرار تھا۔

اوس نے کچھ اپنی شریر الطبعی اور کچھ قریش۔ اپنے قرابتداروں کی تحریک سے مدینہ رسول پر فوج کشی کی طیاری کر دی۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سامانوں کی خبر لگی۔ تو آپ نے انکی تنبیہ سے پہلے اس خبر کی

تفتیش و تحقیق کی جو یز فرمائی۔ یزید بن خبیص انصاری کو پہلے دریافت حقیقت کی غرض سے بھیجا۔ اونہوں نے واپس آکر

تصدیق کی دومتہ الجندل سے ربیع الاول کے آخر ماہ میں واپس آکر چار مہینوں سے آپ مدینہ میں تشریف فرما تھے۔ رجب کے

مہینے بنی المصطلق کی مخالفت کی خبریں پہونچنے لگی تھیں۔ اس لئے ۲ شعبان کو آپ نے لشکر اسلام کے ساتھ مرہج کی

طرف کوچ فرمایا۔ لیکن بیان پہونچ کر بھی غنیم کی وہی صورت نمایاں ہوئی۔ جو اس سے پہلے دو مقاموں میں ظاہر ہو چکی تھی۔

عارض بن ابی ضرار اور دیگر اکابر و عمائد قبائل۔ فوج اسلامی کی آمد سننے ہی پہاڑوں پر جا کر روپوش ہو گئے اور

ضعفائے قوم کو بے پشت و پناہ چھوڑ گئے۔ سرداروں سے اچھی جرأت و بہمت تو بے سر کے فوج دانوں نے دکھائی اور

لشکر اسلام سے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔



انکی جرأت بجا کو دیکھ کر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو ان لوگوں کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ تم لوگ کلہ طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرو۔ تم سب کو امن ہے۔ لیکن وہ جاہل نہ مانے اور اس فرمانِ رحمت کے تقابذ میں مقابلت پر آمادہ ہوئے۔ فوج اسلام پر تیر بارانی شہر عکرو دی۔ لیکن اسلام کے مبارک زمین نے جب جو بدینا شروع کیا تو یہ فوراً امید ان سے بھاگ گئے۔ ان کے دش آدمی مقتول ہوئے۔ چھ سو آدمی مقید ہوئے۔ غنیمت بن دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار گریبان دستیاب ہوئیں۔ ابن سعد جلد مغازی ص ۵۴

شبلی صاحب سے  
خاص غرض

یہ تو عام اہل سیرت و تاریخ کی اور خاصہ ابن سعد کی روایت ہے۔ لیکن صحیح بخاری و مسلم کی مرویات نے اس غزوہ کو ایسے قابل اعتراض طریقہ بیان سے نقل کیا ہے کہ بالآخر

شبلی صاحب کو بھی مرویات صحیحین کی تنقید اور (خدا کی شان) صحیحین کی مرویات پر سیرت و تاریخ کی مرویات کو ترجیح دینے کی مجبوری ہوئی۔ چنانچہ سیرت النبی میں تحریر ہے۔

یہ ابن سعد کی روایت ہو۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو المصطلق پر اس وقت حملہ کیا کہ وہ بالکل بیخبر اور غافل تھے۔ اور اپنی پوشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ ابن سعد نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ لیکن لکھ دیا ہے کہ یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتوں کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیحین کی یہ روایت بھی اصول کی زد سے قابلِ ثبوت نہیں کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اور جنگ میں شریک ہونا ایک طرف نافع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی نہ تھا۔ اس لئے یہ روایت اصطلاح محدثین میں منقطع ہے۔ ص ۳۰۴

کیا شبلی صاحب اپنی اس عبارت تنقیدی کی تحریر کے بعد بھی اس غلط دعویٰ کے لکھنے پر جرأت کریں گے جسکو وہ یوں دیباچہ میں لکھ چکے ہیں۔

حدیث میں ایسی متعدد کتابیں موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی نہیں جیسے بخاری و مسلم۔ دیباچہ حاشیہ ص ۵

ابن حجر نے تو حکمانہ طریقہ پر صحیحین کی مرویات کو بقابلہ سیرت و تاریخ کے ترجیح دینی چاہی تھی اور تقلید اسلاف کے اصول کی تبعیت کرنی چاہی تھی اور آپ نے بھی دیباچہ میں اسی اصول موضوعہ کو اپنا معیار اختیار کیا اور فرمایا تھا۔ لیکن یہاں پہنچ کر آپ کو ان اصول کی خود تنقید کرنی پڑی۔

آخر۔ یہ کیوں؟ وہی معترضین یورپ کا خوف۔ وہ غفلت کی حالت میں بنی المصطلق پر حملہ کئے جانیکا ذکر مرویات صحیحین میں دیکھ کر آپ پر اسٹ پڑیں گے۔ چونکہ یہ روایتیں سوائے اتفاق سے صحیحین کے دونوں دفتر دن میں موجود ہیں اس لئے کوئی تاویل ممکن ہی نہیں تھی۔ سوائے اس حکمانہ اصول کے جسکو ابن حجر نے اپنا معیار بنا کر لکھا تھا۔ آپ کو بھی یہی لکھ کر صحیحین کی فرو گذاشت سے کف لسان کر لینا چاہتا تھا۔ مگر آپ نے ان مرویات کے مقطوع الاسناد ہونے کی بحث نہ کال دی

اور نافع کی عدم شرکت کی بنا پر اس کے غیر صحیح ہونے کا اعلان کر دیا۔ اگر آپ اب بھی اس اصول پر قائم رہیں تو کسی ایسی کتنی مرویات صحیحین کی تردید اور ان کے روات غیر حاضرین موقع کی تکذت کرنی پڑیگی۔ جنہیں سے صرف چند مرویات کا ذکر ہم اپنی دیباچہ میں بھی کر آئے ہیں کیا اسکے بعد بھی ہمارے شبلی صاحب کو مصلح کے ذخائر یا معرفت صحیحین کے دفاتر میں مقطوع الاسناد اور ناقابل اعتماد مرویات کے نقل و اندراج سے انکار ہو سکتا ہے؟ اگر ہو تو بدریات سے انکار ہوگا۔

ہم شبلی صاحب کی شان بیان سے مجبور ہیں۔ جسکی وجہ خاص سے ہمارے سلسلہ بیان میں یہ جملات معترضہ حائل ہو جاتے ہیں اور ہلکواوکی حقیقت کا انکشاف ضروری ہو جاتا ہے اتنا کہ ہم بھر اپنے سلسلہ بیان پر آجائے ہیں۔

عبداللہ بن ابی کی فتنہ انگیزی غزوہ مریضہ۔ باعتبار جنگ کے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن اس کے گرد و پیش تاریخوں میں اتنے قابل الذکر واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ جو اسکی شہرت کے خاص باعث ہو

ہیں۔

اس غزوہ میں حصول غنیمت کی خاص لالچ سے بہت سے منافقین بھی لشکر اسلامی کے ساتھ ہو گئے تھے اور بے غیرت عبداللہ بن ابی بھی ان کے ساتھ تھا جو غزوہ احد میں عین موقع سے اپنی جمعیت کے ساتھ واپس گیا تھا۔ اسکو اعانت تو منظور نہیں تھی شرارت اور فتنہ انگیزی ضرور مقصود تھی چنانچہ محاصرہ مریضہ کے زمانہ میں ایک دن پانی لینے کی نسبت قبائل مہاجر و انصار میں محبت ہو گئی۔ بات بڑ گئی۔ انصار نے باللائعصار کی صدا بلند کی۔ تمام انصار جمع ہو گئے۔ مہاجرین نے بھی ایسا ہی کیا فوراً سب مہاجر وہیں تھے۔ اب فیما بین نزاع لفظی اتنی بڑھی کہ دست بقبضہ ہونے لگی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تو ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتا تھا مجمع میں کھڑا ہو گیا اور قوم انصار کو غیرت دلانے والے لہجہ میں پکار کر کہا۔ یہ بلا تو تم نے خود اپنے سر لی ہے تمہیں نے ان وطن آواروں کو بلا کر اور گھر میں بٹھلا کر آج اس قابل کر دیا کہ اب وہی تم سے مساوات کر دے کر رہے ہیں اب بھی آنکھیں کھولو۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ وقت باتھ سے ابھی تک نہیں گیا ہے۔ تم نے انکی کفالت سے ہاتھ اٹھائے اور انہوں نے پیٹھ پھیری۔

اس تقریر نے اور آگ بھڑکادی۔ خیریت ہو گئی کہ اس فتنہ میں جانبین کے کچھ فہیدہ اور سخیہ حضرات موقع پر پہنچ گئے اور آتش فتنہ و فساد کو فوراً فرو کر دیا۔ اور تمام لوگ اپنے اپنے مقام پر واپس گئے۔

دربار رسالت میں جب اس واقعہ کا ذکر آیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکے سننے سے رنج و ملال تو ضرور ہوا لیکن آپ نے بالکل سکوت و خاموشی اختیار فرمائی حضرت عمر کمان چپ رہ جانے والے آدمی۔ فوراً غصہ سے بیتاب ہو گئے یہی موقع آپ کے کتاب کے خاص ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ کسی سے کہہ دیا جاوے کہ اس منافق کی گردن قلم کر دے۔ ارشاد ہوا۔ اے عمر۔ تم یہ مشہور کرنا چاہتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ہمراہیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ صحیح بخاری باب غزوہ مریضہ ص ۷۸۔

حضرت عمر کی اس مشورت پر  
عبداللہ بن ابی کو بیٹے کی ناراضی

انہوں کے اچھے تو ہوتے ہی ہیں۔ مگر کبھی برون کے بھی اچھے نکل آتے ہیں۔ عبداللہ بن ابی  
جیسا دشمن اسلام تھا ظاہر ہے۔ لیکن اوسکا بیٹا جس کا نام بھی عبداللہ ہی تھا۔ اسلام

کا بڑا جان نثار تھا اور کامل دیندار۔ حضرت عمر کی مشورے کی بنا پر منافقین نے یہ افواہ اور ڈرائی کہ دربار رسالت میں عبداللہ بن  
ابی سلول کے قتل کا حکم صادر ہو گیا ہے۔ یہ سنکر عبداللہ (ابن عبداللہ بن ابی) غدر بول میں حاضر ہوا۔ اور نہایت غلصانہ اور  
عقیدہ مندانہ طریقہ سے عرض خدمت کرنے لگا کہ علی العموم ہر شخص جانتا ہے کہ میں اسلام کا صدق دل سے پیغمبر ہوں۔ فرمانبردار ہوں اور  
جہان نثار لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ تمام لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ باوجود کفر و ضلالت کے میں اس وقت تک اپنا باپ کا تابعدار ہوں اور  
خدمت گزار۔ حالانکہ میں اوسکے طریق و ملت سے بالکل بیزار ہوں۔ اگر حضور کی یہ مرضی ہے جیسا کہ سنا جاتا ہے تو باپ کے قتل کی  
خدمت مجھی کو دی جائے۔ میں حکم خدا و رسول کی متابعت میں بڑی خوشی سے خود قتل کر ڈالوں گا۔ اور اوسکی موت کی عزت کو بچاؤں گا  
اور اگر وہ کسی غیر سے قتل کرایا گیا تو شاید میری غیرت میں اشتعال پیدا ہو جائے اور میں باپ کے قاتل کو قتل کر دوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عبداللہ کسی بات میں کرتے ہو۔ تم سے کس نے اوسکے قتل کی خبر کہی ہے۔  
کیسا قتل؟ میں تو قتل کی جگہ اوس پر خاص شفقت کرنے والا ہوں عبداللہ کو اطمینان ہو گیا۔ خدمت بابرکت سے واپس آئے۔  
رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وعدہ کو یوں پورا کیا کہ عبداللہ بن ابی کے کفن کیلئے اپنی خاص قمیص مبارک کا خلعت  
پہنایا۔ جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حضرت عمر کو پھر اس موقع پر حرارت آئی۔ اور نہ رہا گیا۔ بقول شبلی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کا دامن بکڑیا۔ اور عرض کی یہ کیا کیا جاتا ہے۔ منافق کے مردے پر نماز پڑھائی جاتی ہے، لیکن شبلی صاحب لکھتے ہیں ”دریا کو کرم  
کے ہاؤ کو کون روک سکتا ہے۔“ لیکن ہمارا یہ قول ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ مِنْ سَائِلَتِهِ خَلِائِقَ دُولِ رِسَالَتِ كَيْفَ تَمَّ كَمَا سَبَّحَ بِهِنَّ جَانِئُهُ وَاللّٰهُ

حضرت عمر اسرار رسالت کی حقیقت سمجھنے سے ابھی بہت دور تھے

حضرت جویریہ  
کا قصہ

حضرت جویریہ۔ بنی المصطلق کے سردار قوم۔ حارث بن ابی ہزار کی لڑکی تھیں۔ حسن و جمال میں  
مشہور تھیں۔ قید ہو کر آئیں۔ ثابت بن قیس صحابی کے حصہ میں پڑی۔ جویریہ کو یہ مناسب

نہایت ناموزون معلوم ہوا اور دستور عرب کے موافق انہوں نے مکاتبت کے قاعدے سے روپیہ دیکر ثابت سے اپنی فارغ خطی کرائی  
چاہی۔ ثابت جب مکاتبت پر راضی ہو گئے تو جویریہ کو روپیہ کی فکر ہوئی۔ پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ بیرونی امداد کی ضرورت ہوئی۔  
حفظ مراتب کی ضرورت اس قدر شدید تھی کہ اوس نے اس دست نگری کے اقدام پر جرات دلائی۔ یہ بلا قید قوم و قبیلہ ہر شخص سے  
طالب اوراد ہوئیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر خواہان امداد ہوئیں۔ حضرت  
عائشہ موجود تھیں۔ بیان کرتی ہیں کہ انکی صورت کی پاکیزگی دیکھ کر میرے دل میں گراہیت سی ہوئی کہ یہ کیوں آئیں۔ میں یہ  
سمجھی کہ ان کے حسن و جمال کا اثر قلب مبارک رسول پر بھی ویسا ہی موثر ہو جیسا مجھ پر ہوا ہے۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ یقیناً یہ ابن اسحق کی ذاتی رائے ہے۔ لیکن ابن ہشام میں ابن اسحق کا یہ قول ہم نے دیکھ لیا ہے سیاق عبارت سے ابن اسحق کا خاص قول یا ادنیٰ ذاتی رائے ذرا بھی معلوم نہیں ہوتی۔ ص ۱۷۰  
یہ فطرت نسوانی کا مقتضی ہے۔ اور اس سے اس منصف نازک کی برارت دشوار ہے۔

بہر حال جویریہ کی درخواست پر ارشاد ہوا کہ اس سے بھی اپنی تجویز نہیں بتلاؤں اگر تم قبول کرو۔ جویریہ نے عرض کی بتلائی جائے۔ کیونکہ نہیں قبول کر دنگی۔ ارشاد ہوا میں تمہاری مکاتبت کا کل روپیہ ادا کر دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم مجھ سے عقد کر لو۔ جویریہ راضی ہو گئیں۔ روپیہ ادا کر دیا گیا اور ان سے عقد کر لیا گیا۔

یہ روایت ابن اسحق کی ہے مورخین میں ابن ہشام نے اور محدثین میں ابو داؤد صاحب سنن نے اسی کو لکھا ہے لیکن شبلی صاحب امام سندہ کے اسناد سے ایک روایت لکھتے ہیں جو اس سے زیادہ واقعیت اور حقیقت پر مبنی ہے۔ امام سندہ کی یہ روایت وہ حافظ ابن حجر کی فتح الباری سے نقل کرتے ہیں جو صحت و اعتبار کے لحاظ سے بھی کامل العیار اور زیادہ قابل اعتبار ہے۔ وہ یہ ہے۔

اصلی واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہ کا باپ حارث (پھر وہی اردو کی غلط ترکیب) رئیس عرب تھا۔ حضرت جویریہ جب گرفتار ہو کر آئیں تو حارث انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی۔ میری شان اس سے بالاتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بہتر نہوگا کیا نو جویریہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ حارث نے جا کر جویریہ سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری مرضی پر رکھا۔ دیکھنا مجھے رسوا نہ کرنا۔ انھوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔ چنانچہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی۔ یہ وہ حدیث ہے جو حافظ ابن حجر نے ابن سندہ سے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اسکی سند صحیح ہے۔ ابن سعد میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت بھی لکھی ہے کہ حضرت جویریہ کے والد نے انکا زرخیزہ ادا کر دیا اور جب یہ آزاد ہو گئیں تو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ یہ قرآن میں حضرت جویریہ سے نکاح فرم لینے کی یہ برکت ہوئی کہ تمام مسلمانوں نے اسیران بنی المصطلق کو یہ کمکر آزاد کر دیا کہ جس قبیلہ سے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربت قائم کی ہم انکو اپنا خادم و مملوک بنانا ترک ادب سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ شاندار ایثار انکی عقیدت کا آج تک یادگار ہے۔

|                          |   |
|--------------------------|---|
| حضرت عائشہ پر غلط اہتمام | حضرت عائشہ کے انک کا بھی یہی موقع ہے جسکی طوالت کو اس موقع بیان سے مناسبت نہیں۔ وہ حضرت عائشہ کے خاص حالات میں بیان ہوگا۔ لیکن اتنا لکھ دینا ضروری ہے کہ ان پر جو الزام لگایا گیا تھا وہ بالکل غلط اور بے اصل نکلا۔ |
| قصہ انک                  |   |



# غزوہ خندق یا جنگ احزاب

(۲۳ ذی قعدہ ۶ شہ ہجری)

واقعہ بدر ہی کے بعد سے مخالفت اسلام اور استیصال اہل اسلام کی تمام قبائل عرب میں جیسی جیسی سازشیں ہو رہی تھیں اور واقعہ احد سے مدینہ پر حملہ آوریوں کی مختلف اقوام و قبائل میں جو جو طیتاریاں زیر توجہ ہو رہی تھیں وہ انفرادی قالب بدل کر مجموعی پیکر میں جلوہ گر ہو گئیں اور مختلف مقامات میں جلوہ آرا ہونے کی جگہ خاص مدینہ کی زمین پر ایک عظیم الشان اور طول طویل محاصرہ کی صورت میں واقع ہوئیں۔ جو اسلامی اور غیر اسلامی کتابوں میں آجنگ غزوہ خندق یا جنگ احزاب کے نام سے مشہور ہے۔

جنگ احزاب اس لئے کہتے ہیں کہ عرب کے تمام غیر مسلم قومیں اسلام کے استیصال کیلئے آمادہ ہو کر آئیں تھیں۔ غزوہ خندق اسوجہ سے مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد و خندق کھود کر کفار سے مدافعت بلکہ فرمایا تھا جیسا کہ سلسلہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

کفار عرب کی استیصال اسلام کیلئے یہ عظیم الشان سازش تھی۔ اور مشرکین قریش مکہ کی مقابلہ اسلام میں آخری کوشش اس عظیم الشان سازش میں قریش و یہود کے عناصر غالب تھے۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس مہتمم بالشان سازش کے اصل مہتمم ہی تھے جنہوں نے صرف اسلام کی عام مخالفت اور استیصال پر عرب کے تمام قبائل و اقوام کی چوبیس ہزار جمعیت ایک مقام پر جمع کر دی تھی۔ اس عظیم الشان سازش کی تفصیل یہ ہے۔

بنی نضیر کی جلا وطنی نے انکی قدیم ہستی کو یثرب کے علاقہ میں گویا فاکر دیا تھا۔ اس کا انھیں جتنا قلق ہو گا وہ بیان کا محتاج نہیں۔ ان غیر متحمل صدمات سے بیدار ہو کر رؤسا بنی نضیر سلام بن ابی الحقیق۔ حی ابن اخطب اور کنانہ بن الربیع وغیرہ اکٹھا ہو کر مکہ میں ابوسفیان کے پاس آئے اور درخواست کی کہ اگر قریش استیصال اسلام میں ہمارے ہمدوش ہو جائیں تو ابھی ہم اسلام کو مٹا دیں۔

ابوسفیان کے لئے اس سے بڑھ کر مرثوہ جانفزا اور کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے فوراً قبول کر لیا۔ تمام عمائد قریش رفتہ رفتہ جمع ہو گئے۔ اور خانہ کعبہ میں بیٹھ کر عہد و قسم اور حلف و پیمان کیساتھ فیما بین معاہدہ ہو گیا۔ مکہ سے اٹھ کر یثرب پہنچے۔ وہ بھی گویا طیارے بیٹھے تھے۔ اس پر ادوں لوگوں (یہودان بنی نضیر) کے اس وعدہ نے کہ اگر وہ انکے شریک ہو جائیں گے تو علاقہ خیبر کا نصف خرچ اد کو برابر ملتا رہے گا۔ اور بھی بنی غطفان کو مستعد کر دیا۔ غطفان جب اس سازش میں خود شریک ہو گئے۔ تو انھوں نے اپنی حلیف قبیلہ بنی اسد کو بھی اپنی طرف خود سمیت لیا۔ اور وہ اپنی امدادی جمعیت کے ساتھ آکر ان سے مل گئے۔

بنو سعد کا کثیر التعداد قبیلہ یہودیوں کا خاص حلیف تھا۔ یہودیوں نے اونکو بھی بلا کر اپنے ساتھ لے لیا۔ یہودی کی طرح قریش نے بھی اپنے متفرق اجزاء کی شیرازہ بندی کر لی۔ قبیلہ بنو سلیم کے تمام لوگوں کو دعوت دیکر بلایا اور اپنی جمعیت میں لایا۔ اور اسی طرح مخالفیت اسلام کا یہ مجموعہ تیار کیا گیا جسکی تعداد چوبیس ہزار سے بھی بڑھ گئی۔

بنی قریظہ نے کثیر سامان پر بھی اطمینان نہوا تو بنی قریظہ سے ریشہ دو انبان شروع کیں۔ بنی قریظہ اس وقت تک غیر جانبدار تھے اور ابھی چند دن پیشتر وہ اسلام کے ساتھ معاہدہ صلح میں داخل ہو چکے تھے۔

اس بنا پر وہ خلاف درزی نہیں کر سکتے تھے اس دشواری کے دفع کرنے کے لئے حمی بن اخطب خود کعب بن اسد کے پاس گیا جو قریظہ کا رئیس تھا۔ کعب نے پہلے تو اتنی احتیاط برتی کہ حمی بن اخطب کے ملنے سے بھی انکار کر دیا اور جب طوعاً و کرہاً ملا بھی تو کہہ دیا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک کوئی خلاف عدلگی یا نقض پیمانہ نہیں مشاہدہ کیا۔ ایسی حالت میں اپنی طرف سے بد عہدی نامردی ہے۔ یہ آدمی کا شیطان آدمی ہوتا ہے۔ پھر حمی بن اخطب کی سحر بانی سے یہودیوں کی طرف سے موم اور مسلمانوں کی طرف سے شہر ہو گیا۔ اور مخالفیت اسلام پر طیار ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی قریظہ کی بد عہدی کی خبر ملی۔ تو اپنے تحقیق احوال کی غرض سے سرداران انصار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو اپنے پاس بھیجا اور تاکید فرمادی کہ انکے نقض عہد کی خبر لیکر بھی جب ہمارے پاس آنا تو اس خبر کو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کرنا کہ کوئی سمجھے اور کوئی نہ سمجھے اس لئے کہ قریظہ کی علیحدگی کی خبر یا کرفوج اسلامی میں انتشار نہ بڑھے اور بیدلی نہ پیدا ہو۔

سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ۔ جب کعب بن اسد کے پاس پہنچے تو اوسکے تیور بدلے ہوئے تھے۔ اسلام کی طرف سے گویا بہرا بیٹھا ہوا تھا۔ اور مخالفیت کے جنون میں دارفتہ ہو رہا تھا۔ ان لوگوں کے ذرا سے استفسار پر فوراً برس پڑا اور کھلے کھلے الفاظ میں کہنے لگا۔ ہم نہیں جانتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکون ہیں۔ اور ان کا معاہدہ کیا چیز ہے۔

دربار رسالت کے دونوں ایلچی اوس کا جواب صاف سن کر واپس آئے۔ اور بڑے حزم و احتیاط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقت حال عرض کر دی۔

بنی قریظہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اپنی کثیر التعداد جمعیت سے مل گئے۔ تو اب گویا تمام عرب کی ۲۴ ہزار سے زیادہ جمعیت کا متحدہ لشکر سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا مدینہ کی طرف بڑھا۔ اور عالمگیر سیلاب کی طرح چشم زدن میں مدینہ طیبہ کے چاروں طرف دور دور تک پھیل گیا۔ اسکی آمد سے سارا شہر دہل گیا۔ قرآن مجید میں اس کا یوں ذکر آیا ہے۔

جب کہ دشمن اپری کی طرف سے اور شب کی طرف سے آئے اور جب آنکھیں دھمکنے لگیں اور کلیجے سوتے مل گئے۔ اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت

اِذَا جَاءَ مَكَّةَ مِنْ قَوْمِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلِ مَكَّةَ وَ اِذَا عَتَا اَلْاَنْبَاءُ مِنْكُمْ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَلْجَ وَ تَلَقَّوْنَ بِاللّٰهِ الْكَلْبَ وَ هَٰذَا بَشَلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

وَذَلِزْنُوْا زُلْزَالًا شَدِيْدًا (سورہ احزاب)

آگیا۔ اذروہ سب کے سب زور زور سے لرزنے لگے۔

لرزنے کی بات ہی تھی۔ مسلمانوں میں سب ہی تو خیر دل اور قوی ہمت نہیں تھے۔ وقت ہی ایسا تھا۔ موجودہ حالات بھی ایسے ہی تھے۔ جو اضطراب قلبی کو بڑھا رہے تھے۔ مٹھی بہر مسلمانوں پر سارا عرب ٹوٹ پڑا تھا۔ تمام معین مددگار حمایت و استعانت سے دست بردار ہو چکے تھے۔ اور چوہیں ہزار سے زائد جمعیت والی فوج گران کا مقابلہ تھا۔ اگر پہلی ہزار یون میں نہیں تو ابکی بار خود مسلمانوں کی نگاہوں میں استیصال کے خطرے دکھلائی دے رہے تھے۔ لیکن ہر شخص۔  
وَاللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ  
الہو چاہے گا کہ وہی سب چیزوں پر قادر ہے۔  
پر تکیہ کر کے غموش تھا۔

قریش کا لشکر عظیم تین حصوں پر منقسم تھا۔ قبیلہ غطفان۔ عینہ بن حصین فرازی کے ماتحت رکھا گیا۔ جو قبیلہ غطفان میں بنو اسد وغیرہ کا رئیس تھا۔ قریش اور ادنکے تمام قبائل و عشائر اور ہم معاہدہ قوموں کا سردار عثمان ابن طلحہ بن ابی طلحہ تھا اور ابوسفیان ان سب کا سپہ سالار کل یکما تذران چیٹ تھا۔

خندق کھودنے کی تجویز حضرت سلمان کے ممان خدا  
جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس لشکر عظیم کی خبر مدینہ میں ملی تو آپ نے ایک مجلس خاص میں صحابہ سے مشورت فرمائی۔ حضرت سلمان الفارسی ایرانی نژاد تھے۔ اپنے ملک و قوم کی بڑی بڑی لڑائیاں طرز جنگ اور طریق مقابلہ دیکھے ہوئے اور خندق کھود کر غنیمت سے لڑنے کی ترکیبوں سے خوب واقف تھے۔ اس لئے انھوں نے اپنے ملک کے دستور کے موافق غرض کی کہ اپنی قلت اور غنیمت کی کثرت کے موقع پر بلوک ایران خندق کھود کر مقابلہ کرنے ہیں اور اس ترکیب و تدبیر سے اپنے کثیر التعداد غنیم کے مقابلہ میں اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔

صلاح نیک تھی اور تجویز مناسب۔ بلا اختلاف منظور کر لی گئی۔ مسلمانوں کی تمام و کمال جمعیت تین ہزار سے زائد نہیں تھی۔ سب کے سب ایک جگہ جمع ہوئے اور بلا امتیاز و اختصاص ہر شخص مزدور بن گیا پھاڑا ڈالیکر خندق کھودنے لگا اور مٹی پھینکنے لگا۔ سرور کائنات بھی انھیں مزدوروں میں تھے چونکہ شہر کے تین مکنات اور نخلستان ایسے کثیر اور عظیم الشان تھے۔ جو شہر بنابہ کی ضرورت کا کام دیتے تھے۔ شہر کا اکیلا شامی رخ بالکل کھلا ہوا تھا۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرف خندق کھودی جانے کا حکم دیا۔ اور کام شروع ہو گیا۔

خندق کھودنے کا انتظام یوں کیا گیا کہ دس دس آدمیوں پر دس دس ہاتھ لمبی اور پانچ پانچ گز عمیق خندق طیار کرنے کے لئے زمین تقسیم کر دی گئی۔ یہ تمام جماعتیں بڑی مستعدی اور کامل تندہی سے کام کرنے لگیں۔ انھیں جماعتوں میں ایک فرد رسول اللہ کی خاص ذات اقدس بھی تھی۔ آپ بھی عام مزدوروں کی طرح مٹی کھودتے تھے اور برابر پھینکتے تھے۔ اتفاقاً کسی حصہ زمین میں ایک پتھر کی چٹان نکل آئی۔ سارے مسلمانوں نے ہزار زور لگایا۔ لیکن وہ پتھر نہ ٹوٹا۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ آپ اپنا کام چھوڑ کر پھاڑا ڈالنے آئے اور ایک ضرب اُس پتھر پر لگائی کہ وہ چور چور تھا۔ شبلی صاحب

کہتے ہیں یہ زور رسالت تھا۔ ہم اد نکو یاد دلانے ہیں۔ جسمانییت سے کیا واسطہ۔ یہ روحانیت کی قوت تھی۔ جسکے ذکر مخصوصہ کو آپ برابر قلم انداز کرتے آتے ہیں۔

رسالت کی مزدوریہ شان کج نہی نہیں تھی۔ اس سے قبل مسجد نبوی کی تیاری کے وقت بھی پیکر رسالت اسی شان خاص میں جلوہ نما ہو چکا ہے۔ تمام صحابہ مہاجر و انصار بلا خیال مراتب مٹی کھودتے جاتے تھے اور اپنے فرائض کی ادا کاریوں کی خوشی میں ہم آواز ہو کر کہتے جاتے تھے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ بَالِغُوْا حَمْدِ

عَلٰى اَلَا سَلٰهٖ مَرَّمَا يَّقِيْنًا اَبَدًا

ہم لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر

بیعت اسلام کی ہے اور ہم ہمیشہ اس پر قائم رہیں گے۔

ان خوش آئند نغمائے عقیدت کو سن کر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی سہیئت و شان سے کہ گرد و غبار سے عباۓ رسالت آلودہ تھی۔ بون رجز خوان تھے۔

وَاللّٰهُ لَوْ لَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا

وَلَا تَقَدَّرْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَاَنْزَلَنَا سَكِيْنَةً عَلَيْنَا

وَتَبَّتْ اَلَا قَدَامَرَان لَا قِيْنَا

اِنْ اَلَاوٰى قَدْ بَقِوْا عَلَيْنَا

اِذَا ارَادُوْا فِئَةً اَبِيْنَا

اگر خدا نے ہمیں ہدایت خاص نہ عطا فرمائی ہوتی

تو نہ ہمیں صدقہ دیئے کی اور نہ نماز پڑھنے کی توفیق ہوتی

خدا نے ہم لوگوں پر سکینہ اتھی نازل فرمادیا

اور اس نے ہم کو ثابت قدمی عطا فرمائی

کہ ہم ادھکے لگائے قدرت سے مشرق ہوں

دہی ہمارا سب سے بہتر مددگار ہے اور کئی مخالفت کو موقوف

پر۔ جنہوں نے ہم سے بغاوت کی۔ ہم پر حملہ کا قصد کیا اور ہمارے دین سے انکار کیا۔

تمام موزین و محدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ لفظ ابینا پر پوچھ کر آپ آواز کو بلند فرمادیتے تھے۔ اور اسی لفظ کو تکرار

کہتے تھے سیرۃ النبیؐ بحوالہ بخاری

اسی رجز کے ساتھ مہاجر و انصار کے لئے دعائے خیر بھی فرماتے جاتے تھے۔

پروردگار کوئی خیر عاقبت کی خبر سے بہتر نہیں ہے

تو انصار اور مہاجرین کے اور میں برکت عطا فرما۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرٌ اِلَّا خَيْرٌ

فَبَارِكْ فِیْ الْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرِ

باد ہو گا کہ مسجد نبوی کی تعمیر میں سب سے زیادہ حضرت عمار بن یاسر کے کام کرنے کی خصوصیت لکھ چکی گئی ہے۔ اسی

طرح حضرت خندق بن حضرت سلمان الفارسی کی محنت شاقہ خصوصیت سے لکھی گئی ہے جناب سلمان روزانہ پانچ گز بھی

اور پانچ گز گہری خندق کھود کر طیار کرتے تھے۔ اور ہر شخص انکی اس محنت اور اس عجلت سے کام تمام کرنے پر تعجب کرتا تھا

چونکہ اس فن خاص میں یہ مہارت کامل رکھتے تھے اس لئے ہر شخص انھیں کی ہدایت خاص سے کام کرتا تھا۔ یہاں تک کہ



ہاجرین نے کہنا شروع کیا اَلْسَلَامُ مِثًا سَلَامٌ تو ہم لوگوں میں ہیں۔ انصار نے سنا تو کہا اَلْسَلَامُ مِثًا سَلَامٌ تو ہم لوگوں میں ہیں۔ سَلَامٌ سُنْ سُنْ کر خوش تھے۔ لیکن حقیقتاً جسکے تھے۔ جب اوس نے سنا تو ارشاد فرمایا اَلْسَلَامُ مِثًا اَهْلَ الْبَيْتِ۔ سَلَامٌ تو ہمارے اہلبیت کے ایک فرد خاص میں ہیں۔ طبری ص ۱۴۸۲ روضۃ الاحباب ص ۳۱۰ مدبران قدرت ایک طرف تو اہل ایمان کی حمایت و نصرت کا سامان کرتے تھے۔ دوسری طرف ابتلا و مصیبت میں اونکی جگر داری و یاد دہی کا امتحان بھی لیتے جاتے تھے تفصیل یہ ہے۔

سابقین کی  
ملحدگی  
مدینہ میں مہینوں پہلے سے قحط تھا۔ خرمے کی پوری فصل ماری گئی تھی۔ اس لئے خوراک کی کمی تھی۔ عرب کی فوج کی پہل کی وجہ سے بیرونی رسد کا سلسلہ بھی بالکل منقطع تھا۔ تمام عسرت تنگی اور فقر و فاقہ تھا۔ اوس پر مزید۔ دن رات کی تند و تیز ہوا۔ اور ابر و باران۔ کئی کئی دن کا فاقہ۔ دن دن بھر پتھر ملی زمین کا کھودنا۔ ایسا سخت اور دشوار گزار کام تھا کہ بڑے بڑے دلیر دن کے کھجے بٹے جاتے تھے۔ جی جھوٹے جاتے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ ابھی تک فوج منافقین بھی شمار میں داخل تھی۔ سب سے پہلے وہ ان تکلیفوں سے عاجز آ کر پہلو جھانکنے لگے اور کھلے کھلے نفلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگے کہ ہم تو شرمین واپس جا لیں گے ہمارے گھر اور بال بچے محفوظ نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں انکے جیلوں کا یہ ذکر ہے۔

يَقُولُونَ لَوْ اَنَّ بَيْتَنَا عَوَسَ وَ اَوْ زَمْزَامًا يَصْوَتْ لَوْ سَرَّ  
اِنَّ يَتْلُوْهُ يُدْ وَنَ اِلَّا فِئْوَا سَرًّا (احزاب)

کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کے گھر کے گھر ہیں۔ وہ کہتے تو نہیں ہیں  
بلکہ ان کو خود بھاگ جانا مقصود ہے۔

رحمت عالم کے پاس انکی مکارانہ درخواست پر۔ سوائے ایجاب و منظوری اور کیا تھا۔ شہر میں لوٹ جانے کی اجازت مل گئی اور وہ سب کے سب ایک بار چلے گئے۔ لشکر اسلام کے موجودہ مجبوعہ میں اور کمی آگئی۔ پھر کیسے نازک موقع پر کہ دشمن کے لشکر گران کی آمد کا یہ عالم تھا کہ اب آیا اور اب آیا۔

انکا چلا جانا کوئی نئی بات تو تھی ہی نہیں۔ غزوہ احد میں بھی ان لوگوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ انکے چلے جانے نے بظاہر تو مسلمانوں کا کچھ بگاڑ نہیں لیکن اکثر اہل اسلام ان کی تفریق کے اثر سے خالی بھی نہیں رہے۔ اکثر نرم دل مسلمان کچھ تو بالطبع خائف ہو کر اور کچھ جھوک۔ پیاس شدت کی سردی اور رات دن کی ہوائے تند سے عاجز آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور جھوک کی شدت رسد کی کمی کی شکایت کرنے لگے۔ تعذیب

جھوک کی شدت  
رسول اللہ کا تحمل  
بیانات کے لئے اپنے اپنے پیٹ کھول کر دکھلا دئے۔ جو پیٹھ سے لگ کر تختہ ہو رہے تھے۔ اور جھوک کی شدت روکنے کے لئے غریبوں کے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھے ہوئے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ جھوک کی شدت روکنے اور مستقیم القامت رہنے کی غرض سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی دستور و عادت کے موافق اسوقت یہی کیا تھا۔

جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکی یہ حالت زار دیکھ کر بیدار ہوئے۔ لیکن آپ نے جب اونکو سامنے اپنی متعین کا دامن اٹھا کر اپنا شکم مبارک دکھلایا تو اونکے دیدہ ہائے حقیقت کھل گئے۔ دیکھا کہ رسول کے پیٹ پر ایک کی جگہ دودو پتھر بندھے ہیں۔ اس حالت کے دیکھنے کی کسے تاب تھی۔ تمام دیکھنے والوں کی آنکھوں سے میا خور آنسو جاری ہو گئے۔ سب کے سب نادم ہو کر عرض خدمت کرنے لگے۔ کہ ہمیں معلوم ہوتا کہ حضور ہم سے زیادہ بھوکے ہیں تو ہم کبھی دعا کے اظہار کی جرأت نہ کرتے۔ ارشاد ہوا کہ ہر حالت میں بھوک اور تمکو خدا کے حکم پر قائم اور اس کی عنایت و کرم پر متوکل رہنا چاہئے۔

|   |   |
|---|---|
| جناب فاطمہؓ   | حقیقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیسرا فاقہ تھا۔ اس لئے کہ تین دن سے اسقدر مشغولیت بڑھی ہوئی تھی کہ دولت سرانگ جان کی فرصت ہی نہیں ملی۔ اور عسرت و تنگی کی وجہ سے ازواج مطہرات بھی کوئی سامان نہ کر سکیں۔ اسکی خبر جناب فاطمہ الزہراءؓ کو ملی تو بیتاب ہو کر ایک پارہ نان جو گھر میں موجود تھا۔ لیکر حاضر خدمت ہوئیں۔ امام البحرین علامہ طبری الشافعی ذخائر العقبین میں لکھتے ہیں |
| رسول کی خدمت  | عن علی قال کثما مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی حفر الخندق اذ جاعوا فاطمة فکسرت من خبز ذقالت احدی ذقالت لابنی جنتی منه هذه الکسرة فقال بلیغۃ انها لا ذل الکعام دخل فی فتم ابیک منذ ثلاثة ايام   |
| حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف تھا کہ فاطمہؓ آئیں اور ان کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا خدمت رسول میں عرض کرنے لگیں کہ میں نے اپنے دو ہن چھون کیلئے روٹی بچائی تھی اس میں کا یہ ٹکڑا آپ کیلئے لائی ہوں۔ تناول فرمایا جاوے۔ آپ نے وہ پارہ نان لیکر ارشاد فرمایا بیٹی |   |

|             |   |
|-------------|---|
| مقابلہ قریش | یقین جان کر تین دن کے فاقہ کے بعد پہلی خوراک بے ہوشی سے باپ کے منہ میں پڑتی ہے۔ بحوالہ بیاض الورود امام سلیمان القندوزی مطبوعہ بیروت ص ۱۲۰  |
| انتقام      | الغرض خندق کھد کر تیار ہو گئی۔ قریش کا ہڈی دل لشکر بھی آگیا۔ اور اونھوں نے مدینہ کو نگینہ کی طرح بیچ میں لیلیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفظاً و تقدم کے خیال سے اپنے اور صحابہ کے عیال کو قلعہ میں بھیج دیا اور حسان بن ثابتؓ کو انکی حفاظت پر تعینات کیا۔ تمام لشکر خندق کے پاس پار جمع ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل سلج کو جو بالکل متصل تھا۔ پشت پر لیکر صف آرائی کی لشکر اسلامی تین حصوں پر تقسیم کیا گیا۔ اور خندق کے تین مختلف حصوں پر مقرر کیا گیا۔ |

|                          |  |
|--------------------------|--|
| قیام حاضرہ میں رسول اللہ | محاصرہ کی مدت کے ساتھ شدت بھی بڑھتی جاتی تھی۔ دن کی ہوائے تند کے بعد رات کی سردی۔  |
| کی ذاتی تکلیفیں          | قیامت برپا کر دیتی تھی۔ اس پر پانی پڑنے لگتا تھا تو تکلیف و مصائب میں اور اضافہ ہو جاتا تھا۔ ایک بار رات کو ایسے ہی پانی برستا تھا اور زور و زور سے ہوا چلتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاضین کی طرف سے حملہ کا اندیشہ ہوا تو آپ نے تحقیق کرنی چاہی۔ خیرہ کے اندر ہی سے آواز دی۔ سب اپنے اپنے خیموں میں سر دی کیوجہ سے |

پہلے بڑے تھے۔ کوئی نہ بولا۔ زیر بن العوام جگ رہے تھے۔ لبیک کہتے ہوئے دوڑے۔ آپ نے او کو تحقیق حال کے لئے حکم دیا۔ یہ گئے اور واپس ہو کر عرض کی کہ غنیم کی جمعیت میں چاروں طرف بالکل سناٹا ہے۔ کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔ امام بخاری لکھتے ہیں کہ اس خدمت کے جلد میں آپ نے زیر بن العوام کو جواری کے لفظ سے مخاطب فرمایا۔ محاصرہ کو تین ہفتے گزر چکے تھے۔ کفار کی بیشمار دوج چاروں طرف سے شہر کو گھیرے تھے۔ مدینہ بتیس ۳۰ راتوں میں ایک زبان کی طرح گرفتار تھا۔ تمام شہر طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا تھے۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات رات بھر عمارا اضطراب میں بیدار رہتے تھے۔ نظر اقدس ہمیشہ غنیم کی نقل و حرکت پر رہتی تھی۔ جہاں سے اندیشہ ہوا وہیں فوری حفاظت و مدافعت کا انتظام کر دیا گیا۔

جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں اکثر غزوات کجسج، خندق، خیبر، حذیبہ، فتح مکہ اور حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی۔ لیکن کسی غزوہ میں آپ کو ایسی تکلیف اور اتنا اضطراب نہیں ہوا تھا جتنا خندق میں۔ رات رات بھر جاگتے کٹ جاتی تھی۔ ہمیشہ باہر نکل نکل کر ہر مورچے پر خود تشریف لیجاتے تھے اور نگہبانوں اور پاسبانوں کو خود دیکھ آتے اور ہشیار فرماتے تھے۔

عباد بن بشر | کفار دن سے زیادہ رات کو ساتے تھے۔ خندق کے کنارے پر تاریکی میں پتھر اور تیراں زور سے برساتے تھے کہ آدمی کو راہ چلنا دشوار تھا۔ ان کے پتھر خمبہ اقدس تک آ کر گرے تھے۔ ایک رات کو صبح کے

قریب خندق پر زور سے شور و غوغا ہونے لگا۔ اوس دن رات کو خمبہ اقدس کی پاسبانی عباد بن بشر کے متعلق تھی۔ اور وہ اپنی ماتحتی دست فوج کے ساتھ پہرہ پر تھے۔ شور و غوغا سن کر آپ نے عباد کو آواز دی۔ وہ حاضر ہوئے۔ حکم ہوا خبر لاؤ۔ وہ اپنے رفقاء کے ساتھ گئے اور آپ مضطرب ہو کر خمبہ کے دروازے پر عباد کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ عباد آئے اور بیان کرنے لگے کہ ابوسفیان اپنے چند رفقاء کو ساتھ لیکر شیخون کے ارادہ سے خندق کے پار ہونا چاہتا تھا۔ لیکن مسلمانوں نے دیکھ لیا اور وہیں روک دیا۔ اس اثنا میں خادم بھی اپنی جمعیت کیساتھ پہنچ گیا اور ابوسفیان کی جماعت کو اپنی تیروں کے نیچے رکھ لیا۔ اور اس قدر تیر برساتے کہ آخو اوس موزی کو مجبور ہو کر واپس جانا پڑا اور وہ ناکامیاب رہ کر لوٹ گیا اور آپ کوئی اندیشہ نہ رہا۔ حضور اطمینان سے آرام فرمائیں۔ یہ روئداد شکر آپ نے ارشاد فرمایا اللہم ارحم عباد بن بشر۔ خدایا عباد بن بشر پر رحمت نازل فرما۔ حضرت ام سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ اسی کے بعد آپ خودی دیر کیلئے آرام فرما گئے۔ پھر پلال نے اذان دی تو

آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور خمبہ سے باہر نکل کر جماعت کے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی۔ صلوات اللہ علیہ وآلہ۔ روضۃ الاجاب ص ۲۴۲

انصار کا کمال | محاصرے کے طول سے تمام مسلمان گھبرا گئے تھے۔ رسد کی قلت۔ بھوک کی شدت۔ ہوا۔ پانی اور سردی کی تیزی اور سختی نے ان کے ہوش و حواس پریشان کر رکھے تھے۔ بڑے بڑے جگر داروں کے کبجے

پانی ہوئے جاتے تھے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کی حالت بہتر دیکھ کر سخت مترو و مترو قبیلہ غلفان سے

لیکن یہودی خیر کے نصف حاصل کی شرط پر اپنے ہمراہ لائے تھے اس شرط پر مصاحمت کی سلسلہ جنیبائی کی گئی کہ وہ خیر کی جگہ  
دینہ کی نصف پیداوار لیں اور قریش کا ساتھ چھوڑ دیں۔ وہ راضی ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤسائے انصار  
سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ سے اس امر خاص میں مشورت فرمائی۔ دونوں نے مقتضائے اخلاص مندی اور ہمتاؤ غیرت  
سے عرض کی کہ یہ کیا ارشاد ہوتا ہے۔ ہم نے ایام جہالت میں تو اس ذلیل قبیلہ کو ایک کوڑی خراج میں دی نہیں۔ اب ایسی  
حالت میں کہ خدا کے فضل و کرم اور اسلام کے فیض قدم کی بدولت ہم ہر طرح خوشحال ہیں۔ طاقتور ہیں۔ صاحب اقتدار و اختیار  
ہیں۔ تو اب ان کو خراج دیکر کیونکر اس بے عزتی کا داغ لگا سکتے ہیں۔ اگر یہ مصاحمت خدا کے حکم سے کی جاتی ہے تو ہمیں کوئی  
خذر نہیں۔ اور اگر کسی کی تحریک سے یہ تجویز ہے تو ہمیں منظور نہیں۔ ارشاد ہوا کہ تم نے تو تمہاری پریشانیوں اور غیر اطمینانوں  
کو جلد رفع کر دیے کے خیال سے یہ تدبیر نکالی تھی۔ تم جب خود مطمئن ہو تو اب تم سے زیادہ مجھے اطمینان ہے۔ اس کے بعد معاہدہ  
کا کاغذ سعد نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اس کی لکھی ہوئی عبارت مٹا دی۔ طبری ص ۱۴۴

حضرت صفیہ کی مردانہ وار  
جرات و دلیری

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ایک قلعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عیال اور صحابہ کے عیال کو  
رکھ کر حسان ابن ثابت کو اونکی حفاظت و نگرانی پر مقرر فرما دیا تھا محاصرہ و مقابلے والے دن  
بنی قریظہ نے مستورات کے قلعہ پر جہاد کی جائے سکونت سے متصل تھا۔ نامردانہ وار حملہ کرنا چاہا۔ چنانچہ ایک یہودی قرظی اس غرض  
سے چکر قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ اور قلعہ میں اندر جانے اور حملہ کرنے کے موقع ڈھونڈنے لگا۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب  
ایک یہودی نے دیکھ لیا۔ مستورات کی حفاظت پر حسان بن ثابت تعینات تھے۔ ان سے کہا کہ اوتر کر اس کو قتل کر دو۔ وہ نہ جا کر  
دشمنوں کو پتہ دیے گا۔ حسان شاعر و بالطبع میدان خیال کے مرد تھے۔ نہ میدان قتال کے۔ اس کے علاوہ۔ بقول شعلی صاحب  
انکو ایک ماضیہ ہو گیا تھا۔ جس نے اونہیں استعدائیں پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس  
بنا پر انہوں نے حضرت صفیہ سے اپنی مجبوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اسی کام کا ہوتا تو بیان کیوں ہوتا۔ یہ سن کر حضرت صفیہ نے  
خیرہ کی ایک چوب اوکھاڑ لی اور قلعہ سے اوتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ حضرت صفیہ قلعہ پر  
چلی آئیں اور حسان سے کہنے لگیں کہ اس کے ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔ حسان بولے جاؤ یہ بچے۔ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں۔  
حضرت صفیہ نے کہا اچھا اس کا سر کاٹ لاؤ۔ اور قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہو جائیں۔ لیکن یہ خدمت بھی حضرت  
صفیہ ہی کو انجام دینی ہوئی۔ یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ قلعہ میں بھی کچھ قوت ہے۔ اس خیال سے پھر کسی نے حملہ کی جرات نہ  
کی۔ سیرۃ النبی ص ۳۱۵ بحوالہ ذیبا سنا و طبرانی داویل بسند صحیح جلد دوم ص ۱۲۶۔

حاضرے میں کفار بڑی خدمت کرنے لگے اور مسلمانوں کو ستانے اور مرغوب بنانے کی غرض  
فاس سے انواع اقسام کی تکفینیں پہنچاتے تھے۔ خندق ایسی فائل تھی کہ اس پار آنے سے تو مجبور تھے  
لیکن تاہم اس پار خندق کے کنارے مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کا مینہ برساتے تھے۔ بعض دریدہ وہیں بزدل



سخت کھایوں اور بد زبانوں سے اپنے دل کے بیمار کھالتے تھے۔ لیکن مسلمان بھی باوجود اتنے مصائب کے بھی اونکو ہمیشہ کھانا  
جواب دیتے تھے۔ قرآن مجید میں اسکی طرف ان الفاظ کے ساتھ اشارت فرمائی گئی ہے۔

|  |   |
|--|---|
| وَمَا تَأْكُلُ الْمُؤْمِنُونَ الْأَخْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا<br>وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَوَفَّى لَهُ<br>وَمَا رَادُّهُمْ إِلَّا إِلَيْنَا وَتَسْلِيمًا (احزاب) | جب مسلمانین نے قبائل کی ذبحین کیجھیں تو بول اٹھے کہ یہ تو وہی ہے جس کا<br>وعدہ خدا نے اہل اسلام کے رسول نے کیا تھا اور خدا اور اسکی رسول دونوں نے<br>اداسی اٹھائے یقین و اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔ |
|--|---|

محاصرے کی سختی اور طول سے کیسے محصورین اسلام ہی نہیں گھبرا گئے تھے۔ شکرین عرب بھی  
تکلیف سفر۔ دیار غیر۔ اور روزانہ ناکامیابیوں سے خستہ اور بیدل ہو رہے تھے۔ ایک مخالفت  
اسلام کی دل سے ایسی لگی تھی جو رہ رہ کے اونکو تازہ دم کر دیتی تھی۔ آخر کار کفار نے باہمانہ مشورے سے  
روز بروز کی کشمکش کو یکسو کر دینے کی یہ ترکیب نکالی کہ تینیس ۲۳ محرم شدہ ہجری کو عمر بن عبدود کو۔ جو  
عرب کا مشہور رستم و ستان تھا۔ ایک دستہ فوج کے ساتھ۔ فوج اسلامی سے خاترہ کن جنگ کرنے کے  
لئے صبح ہی سے بھیج دیا۔ یہ دستہ فوج عرب کے انتخابی بزرگزامیون کا لشکر تھا جس میں عکرمہ بن ابی جہل۔ ہبیرہ بن ابی وہب اور  
مرداس الحارثی وغیرہم شامل تھے اور پہلوانوں کا یہ دستہ دو مشہور شجائی مان عرب ضرار بن الخطاب (حضرت عمر کے بھائی) اور  
نوفل بن عبد اللہ کے زیرِ کمان تھے۔

کفار کا یہ جرار دستہ بڑی دلیری کے ساتھ بڑھتا ہوا لشکر اسلامی کے سامنے اس مقام پر آگہڑا ہوا جہاں خندق کا عرض  
نہایت کم تھا اور اپنے گوش ہشت بین خندق کے اس پار ہو جاتے کا پورا ارادہ کر لیا۔ سو اتفاق سے لشکر اسلام عمر بن عبدود کی  
صورت دیکھتے ہی اپنی طرف سے ایسی مروجیت۔ خوف اور بیداری کا اظہار کیا کہ کوئی بھی اس بڑھتی ہوئی سیل کو نہ روک سکا۔  
عمر بن عبدود مع کھائے جنگ کا تجربہ کا رہا تھا۔ سمجھ گیا کہ مقابل پر ہماری سطوت کے سکے جم گئے۔ پھر کیا تھا۔ گھوڑے کو اڑ لگائی  
اور وہ خندق کے اس پار تھا۔

خندق کے اس پار آکر۔ جسکے لئے تینیس ۲۳ دنوں سے روزانہ کوششیں کی جاتی تھیں۔ عمر بن عبدود نے یقین کر لیا کہ  
اب کیا ہے۔ جنگ کا میدان لے لیا۔ اور اس کامیابی کی پریشانی میں آواز بلند سے مبارزہ طلبی کرتے لگا۔ پہلے ہم عمر بن عبدود کے  
مختصر حالات شبلی صاحب کی زبانی نقل کرتے ہیں۔ اوسکے بعد اوسکے رعب و خوف سے لشکر اسلام میں جو عالم اضطراب طاری ہوا  
تھا بیان کریں گے شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمر بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا جنگ بد میں زخمی ہو کر  
واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا۔ بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ اس وقت اوسکی عمر نوے برس کی  
تھی۔ سیرۃ النبی ص ۳۱۳

میں  
رہے

عمر بن عبدود کی سطوت آج ہی سے نہیں بلکہ سالہا سال سے اہل عرب کے دلوں پر چنے کے جامے تھی۔ یہ تو اذکار آتھائی مسئلہ تھا کہ وہ تنہا ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ پھر ہزار کے مقابلہ میں لشکر اسلامی میں۔ کون تین واحد ایسا کلیجہ والا تھا۔ جو اس کے مقابلہ کو اکیلا نکلتا۔ سب کے دلوں میں پنکھ لگے تھے۔ دلوں میں کیسی بڑی تھی۔ فوج کے اس طرف سے اور طرف تک خوشی کا ایک عالم تھا۔ ہر شخص سر پر انوف جان بن مبتلا تھا۔ محدث شیرازی اُن کے عالم اضطراب کو ان جذبات میں لکھ کر دکھاتے ہیں۔

تمام اصحاب رسول کھڑے تھے۔ اور کچھ زبوتے تھے جیسے ادن کے  
سردن پر جاؤر بیٹھا ہو۔ کیونکہ وہ عمر بن عبدود کی دلاوری و شجاعت  
کو جانتے تھے

یاران رسول ہمہ ایستادہ بودند و هیچ نمی گفتند  
کافئہ علی روسہم الطیر چہ دلاوری و شجاعت  
عمر بن عبدود رومی دانستند

معارج النبوۃ اور حبیب السیر وغیرہ کی مرویات سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسکی آواز کو پہچان کر کہا۔ یہ تو عمر بن عبدود ہے مجھ اس دیو عرب کی بنیظیر شجاعت و دلیری کا خود تجربہ ہو چکا ہے۔ اور وہ یوں ہے کہ ایسا سفر میں میرا اسکا ساتھ ہو گیا اثنائے راہ میں ڈاکو ہمارے قافلہ پر ٹوٹ پڑے۔ تنہا اسی شخص نے قزاقوں کی جماعت کثیر سے مقابلہ کیا۔ اثنائے مقابلہ میں اسکی سپر ٹوٹ گئی۔ تو فوراً ایک اونٹ کے بچے کی ٹانگ تھا کر اسکو اپنی سپر بنالیا اور قزاقوں کے وار روکتا رہا۔ یہاں تک کہ تمام قزاقوں کو اسی ایک نے مار بگایا۔ میں اسکی عظیم طاقت و شجاعت دیکھ کر حیران ہو گیا۔ ایک تو تمام فوج اسلام پر یوں خوف طاری تھا۔ اس چشم دید واقعہ کی نقل نے اور اس باختہ کر دے۔

حضرت علیؓ کی بنیظیر مبادرت | تمام محدثین اور مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ لشکر اسلامی نے خوف بیم اضطراب و التہاب و خموشی و پست ہمتی کے خلاف  
عمر بن عبدود سے مبارزت | حضرت علیؓ مرتضیٰ نے عمر بن عبدود کی آواز سننے ہی خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی انا یا اذہ

میں اس سے مقابلہ کر دوں گا۔ بروایت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن شبلی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔  
عمر بن عبدود کے سوال کے جواب میں حضرت علیؓ نے اوتھکر کہا کہ میں ہوں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
روکا۔ اور کہا کہ یہ عمر بن عبدود ہے۔ یعنی یہ ایک سردار و ماجر کا مرد میدان ہے اور تم خوشن و لیسر برابر کاوڑ نہیں۔

تھوڑی دیر اور مقابل کا انتظار کر کے عمر بن عبدود نے پھر بڑے زور وں سے مبارز طلبی کی۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ نے خدمت  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پھر اجازت جنگ چاہی۔ جناب سرور کائنات کا پھر وہی جواب تھا۔

عمر بن عبدود نے پھر کچھ انتظار کر کے تیسری بار ایک غیرت و دشان میں پکارا۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ نے پھر ویسے ہی خدمت  
رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اجازت حرب کی درخواست کی پھر ارشاد ہوا کہ یہ عمر بن عبدود ہے شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں  
کہ حضرت علیؓ نے جواب میں عرض کی کہ ہاں میں جانتا ہوں یہ عمر بن عبدود ہے۔ غرض آپ نے اجازت دیدی۔ خود  
دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا ص ۳۱۳۔

شبلی صاحب کی اختصار پسندی کے یہ خاص مقامات ہیں۔ آپ کی کتبہ رقمی اس سے زیادہ تفصیل کی مجوز نہیں

تھی۔ اس لئے انہی ہی پر کتب انگیزی لیکن امام ابن طلحہ الشافعی اپنی کتاب مطالب الرسول بن۔ امام محمد بن علامہ طبری الشافعی کتاب ذخائر العقبیٰ میں محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں اور محدث دہلوی مدارج النبوة میں تحریر فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدود نے قیسری بارہل میں مبارزہ کاغزوہ مار کر یہ غیرت وہ اشعار رجز پڑھے۔

|                     |                       |
|---------------------|-----------------------|
| ولقد لحجت من النداء | لجمعكم هل من مبارز    |
| ووقفت اذ جبن اشجاع  | بموقف البطل المناجز   |
| وكذلك اتى لعاذل     | متستر عا نحو الهزاهز  |
| ان اشباعا في الفس   | والجود من خير القرائز |

ترجمہ۔ تحقیق کہ میری آواز نہ لوگوں کو ہل میں مبارزہ پکارتے پکارتے تھک گئی جب بہادر نامہ دی کہتے تھے میں دلیروں کی صف میں کھڑا تھا۔ میں اسی طرح لوگوں کی طرف دوڑتا تھا کیونکہ جو افراد کے لئے سموات اور شہادت بہت اچھی صفت ہے۔ مدارج الطالب لاہور جلد اول ص ۲۱۸

حضرت رسول سے | حاتم جمال الدین فضل اللہ محدث شیرازی۔ خدمت رسول سے حضرت علی کی رخصت ہونے کی کیفیت ان الفاظ حضرت علی کی رخصت میں بیان فرماتے ہیں۔

|   |   |
|---|---|
| پس حضرت شمشیر خود ذوالفقار را بوسے داد و زرہ خود را<br>دو دوسے پوشانید و دستار خود را بر سر دوسے نهاد و روایت<br>آنگہ عامر از برائے دوسے بست و گفت اللهم اعنه<br>عليه۔ بار خدا یا علی را یاری ده بر عمر بن عبدود و روایت<br>آنگہ دستهای خود را بر داشت بپوشے آسمان و گفت الہی<br>عبیدہ را در روز بدر از من گرفتی و حمزہ را در روز احد از من جدا<br>ساختی و این علی است برادر من و پسر عم من فلا تذا ذنی<br>فکذا دانت خیر الوارثین | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار غاص ذوالفقار حضرت علی کو ہانپت کی<br>اپنی زرہ اپنے ہاتھوں سے پہنائی۔ اپنی دستار مبارک اوسکے سر پر رکھی۔ اور<br>ایک روایت کے موافق اُنکے سر پر اپنے دست مبارک سے علامہ باندھا اور کہا باغضای<br>تو عمر کے مقابلہ میں علی کی مدد کر اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ آسمان<br>کے طرف بلند کئے اور کہا کہ الہی تو نے عبیدہ کو بد کے دن مجھے لیا اور حمزہ کو احد کے<br>دن مجھ سے جدا کر لیا یہ علی میرا بھائی اور ابن عم ہے تو مجھے<br>تنہا نہ نہ مالا نکہ تو سب سے بہتر وارث<br>ہے۔ |
|---|---|

امام ابن طلحہ الشافعی۔ مطالب الرسول میں لکھتے ہیں کہ یہ مجاہد فی سبیل اللہ اس شان سے رخصت ہو کر عمر بن عبدود کے مقابلہ میں اوسکی رجز کے جواب میں اپنے یہ اشعار پڑھتا ہوا چلا۔

|                      |                      |
|----------------------|----------------------|
| یا عمر و یحک قد اتاک | محبب موتک غیر عاجز   |
| ذو نية وعبیوة        | والحق منجی کل فاسد   |
| اتی لا رجوان اقیم    | علیک الثامحة العجاثر |
| من ضربة تفنی و یسقی  | نحرها عند الهزاهز    |

ترجمہ۔ اسے عمر۔ تجھ پر غصہ ہے۔ میرے پاس وہ آ رہا ہے جو میرے آواز کے بواب دینے میں عاجز نہیں ہے اور صاحب ارلہ و بصیرت ہے۔ اور یہ ہے کہ ایک نیروزہ مذکور نجات دینے والا ہے۔ میں بیشک امید رکھتا ہوں کہ میں بوڑھی عورتوں کے میں تجھ پر جاری کر دوں گا۔ ایک ایسی ضرب سے کہ تو فنا ہو جائیگا اور معرکوں میں میری ضرب کا ذکر باقی رہ جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ | شبلی صاحب نے بلا رسم معرفت جانبین کی وقت مقابلت مکالت شروع کر دی ہے۔ حالانکہ یہ عابد کے وقت مکالمہ | عرب کے دستور جنگ کے بالکل خلاف ہے۔ جسے آپ جنگ بدر میں۔ کفار قریش اور انصار مدینہ کے متعلق خود تفصیل سے اوپر لکھ کر مستلحہ چکے ہیں۔ چنانچہ امام ابن طلحہ الشافعی۔ مطالب الرسول میں مکالت کی ابتدا معرفت سے یوں کرتے ہیں۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ عمر بن عبدود کے پاس پہنچے تو اس نے آداب جنگ کے مطابق آپ سے اچھا حسب و نسب دریافت کیا تو حضرت علی نے کہا انا علی بن ابی طالب ابن عبد رسول اللہ و صہبہ۔ میں علی بن ابی طالب ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی اور داماد۔ عمر تعجب ہو کر کہنے لگا تم ابی طالب کے بیٹے ہو۔ ابی طالب تو میرے بڑے دوستوں میں سے تھے۔ تم لوٹ جاؤ مجھے یہ گوارا نہیں ہو سکتا کہ میرا نیروزہ تم کو زخمی کرے۔

حضرت علی نے فرمایا۔ اے عمر۔ یہ باتیں چھوڑ دے۔ جو میں کہتا ہوں سن۔ اگر تیرا جی چاہے تو تو میری بات کو مان لے۔ ورنہ نہیں۔ عمر بولا۔ کہو۔ کیا کہتے ہو۔ آپ نے کہا۔ تمام عرب میں مشہور ہے کہ تو اپنے مقابل کی تین باتوں میں سے ایک بات کو ضرور اس کی درخواست کرنے کی وقت قبول کر لیتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میری بھی تجھ سے تین درخواستیں ہیں۔ اول میں جو تجھے پسند ہو اس کے مطابق عمل کر۔ عمر بن عبدود بولا۔ کو۔ پھر جانبین سے یوں مکالت شروع ہوئی۔

حضرت علی۔ میری پہلی درخواست یہ ہے کہ تو دین اسلام کو قبول کر لے اور مرنے کے وقت یہ ہدیہ خدا کے دربار میں اپنے ہمراہ لیتا جا۔

عمر بن عبدود۔ یہ مجھے کسی طرح قبول نہیں ہے  
حضرت علی۔ تو اچھا۔ جنگ میں قریش کا ساتھ نہ دے اور گھر لوٹ جا۔  
عمر بن عبدود۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ مرد ہو کر مکہ کی عورتوں کا طعنہ کون سنیگا۔  
حضرت علی۔ پھر مقابلہ کر لے اور لڑے۔

غزوہ کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ اپنی بنیظیر شجاعت و طاقت کے غرور میں چور ہو کر جہالت کا سب سے پہلا کام جو عمر بن عبدود نے کیا وہ یہ تھا کہ گھوڑے سے اتر پڑا اور اپنے ہاتھوں کی صفائی دکھلانے کی غرض سے تلوار کا ایک ہاتھ بے زبان اور بیگناہ جانور پر ایسا لگایا کہ اسکی کوچین کٹ گئیں اور وہ فوراً گر کر مر گیا۔



اس وحشیانہ حرکت سے عمر کی خاص غرض یہ تھی کہ حضرت علی خصوصاً اور تمام فوج اسلامی اسکی تیروستی دیکھ کر  
مہروب ہو جائے۔ یہ طرانی کے وہ چٹکے ہیں جو عمر بن عبدود کے ایسے مشاق اور تجربہ کار زبرد آزما۔ اپنے نقابین و ہاک جمانکی غرض سے  
ضرورت کیوقت عمل میں لاتے ہیں اور انہیں چٹکوں سے چٹکیوں میں اپنا کام کمال لیتے ہیں۔ لیکن عمر کا یہ جادو کارگر نہوا۔  
بخلاف اسکے کہ شمرہ قدرت نے اسکا بر فکس نتیجہ یوں دکھلایا کہ حضرت علی مرتضیٰ کو اس کے مقابلہ میں پہلے سو زیادہ  
سہولیت اور آسانی ہو گئی۔ کیونکہ عمر پہلے گھوڑے پر سوار تھا اور اب پیدل ہو گیا۔ وہ طویل القامت بھی تھا۔ اور حضرت علی  
ابتدا ہی سے پیدل تھے اور اس سے قصیر القامت۔ ممکن تھا کہ اوسکے سوار رہنے کی حالت میں بلندی کی وجہ سے ذوالفقار  
کارگر نہوتی۔ لیکن گھوڑے سے اتر آئے پر اب یہ تمام دشواریاں جاتی رہیں اور مقابلہ برابر کا ہو گیا۔

عدو شود سبب خیر گر خدا نواہد

عمر بن عبدود اس مفروانہ خیالوں میں سرشار تھا کہ مقابل محض ایک کسں جان ہے عرب کا کوئی اتنا مشہور اور کوشش  
قتل جنگ آزما بھی نہیں۔ برابر کا جوڑ نہیں۔ اسکا مار لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ تعجب نہیں کہ اسکے مار لینے سے نیکنامی تو  
نہو۔ بدنامی ہو ان توہمات کی بنا پر عمر نے آپکا جلد فاتحہ کر دینا چاہا۔ نہایت پھرتی کے ساتھ اپنی تلوار کا وار حضرت علی کے  
سر پر اس شدت سے لگایا کہ گو آپ نے سپر پر رکا۔ لیکن تاہم اوسکی تلوار سپر کو کاٹتی ہوئی آپ کے جبین اقدس پر زخم لگا گئی۔  
اور یہ نشان شہر شجاعت بنکر ہمیشہ کیلئے پیشانی نورانی بر قائم رہا۔

ذوالقرنین حضرت علی کے کثیر التعداد القاب میں ایک لقب ذوالقرنین بھی ہے۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی قاموس میں لکھتے  
ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کو ذوالقرنین اسوجہ سے کہتے ہیں کہ آپکی پیشانی پر دو تلواروں کی ضربتوں کے نشان تھے۔  
پہلا نشان تو یہی تھا۔ دوسرا ابن لخم کی تلوار کا۔

عمر بن عبدود نے جوہیں اپنی تلوار اٹھائی۔ ویسے ہی حضرت علی مرتضیٰ نے وہ تلا ہوا ہاتھ لگایا کہ ذوالفقار ابدار  
شانہ کاٹتی ہوئی پہلو تک اتر آئی اور عمر بن عبدود لڑکھڑاکر زمین پر گر پڑا۔  
زرقاتی حضرت علی کی ضربت کی یوں تفصیل کرتے ہیں۔

حضرت علی نے اوسکو نیزہ لگایا اور وہ اسکا رمی تھا کہ گردن میں پیوست  
ہو کر پیٹ سے نکل آیا۔ اور عمر گر پڑا اور آپ اوسی طرح جثبات  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لا الہ الا اللہ کی صدا  
بلند فرماتے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کا کہ آپ نے اسکی  
زرہ کیوں نہ اٹھالی اسکی زردہ سے اچھی طرح بن کوئی نہ دھین ہے حضرت  
علی نے کہا جب میں اسکے قریب گیا تو یہ برہنہ تھا۔ مجھ کو حیا آ گئی۔

وطعنه فی رقبتہ حتی اخرجہا من مرقاہ  
فسقط ثما قبل نحوہ صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم۔ وهو متہلل فقال عمر بن الخطاب  
ہلا سلبتہ درعہ فانه لیس فی العرب دسرع  
خیر منها فقال انه حین ضربتہ استقبلنی  
لبوائہ فاستعیت

عمر بن عبدود کے گرتے ہی حضرت علیؑ نے تکبیر کا پرزور غرہ بلند فرمایا۔ غرہ تکبیر نہ تھا بلکہ شادیانہ فتح تھا۔ تکبیر کی آواز سنتے ہی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علیؑ نے عمر بن عبدود کو مار گرایا۔

حضرت عمرؓ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو ہمراہیوں۔ مزار بن الخطابؓ اور حبیرہؓ نے حضرت علیؑ پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن حضرت بھائی سرقابلہؓ علی مرتضیٰؑ نے اپنے متواتر حملات سے دونوں کو مار بیٹھا۔ حضرت عمرؓ اپنی اہلہ و شجاعت کے موقعوں کو خوب پہچانتے تھے۔ اپنے بھائی مزار کو بھاگتے دیکھا کہ لپکے۔ اس نے پیچھے پھر کر دیکھا تو بھائی چلے آ رہے تھے۔ وہیں سے نیزہ سیدھا کیا اور

برسی سختی سے وار کیا۔ لیکن پھر ہاتھ۔ وک لیا۔ اور یہ کہہ کر چلتا ہوا۔ عمرؓ اس حسان کو یاد رکھنا۔ سیرۃ النبی ص ۳۱۲۔

نوفلؓ نوفل بھی کیننگاہ میں چھپا کھڑا تھا۔ وہ بھی انہیں کے ساتھ بھاگا لیکن اتنا گھبرا ہوا تھا کہ خندق میں گر پڑا۔ مسلمانوں نے موقع پا کر اوپر سے اوپر نیزہ برسائے شروع کر دیے۔ وہ چھلایا۔ میں حقیرانہ موت مرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ مردانہ طریقہ سے مرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علیؑ سن رہے تھے۔ فوراً خندق میں کود پڑے اور کہا۔ اے تجھے میں شرفانہ طریقہ سے ختم کئے دیتا ہوں۔ یہ کہا اور نوفلؓ کا سر ذوالفقار سے کاٹ لیا۔ اور مسلمانوں کی جمعیت میں پھینک دیا۔

نوفل قریش کو اتنا عزیز تھا کہ سہل انون کو اس کی لاش کی قیمت میں دس ہزار دینار دیتے تھے۔ اور مسلمان راضی نہ ہوتے تھے۔ آخر یہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا آپؐ نے فرمایا۔ ایش دید وادہ کہہ دو ہمیں تمہارے روپیہ کی ضرورت نہیں۔

عمر بن عبدود کی ہن نے اور بیان ہو چکا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؑ نے عمر بن عبدود کا صرف سر کاٹ لیا تھا اور اس کے ہتھیار اور کپڑے وغیرہ سب ویسے ہی کے دیسے چھوڑ دئے تھے آپؐ کے اس مردانہ استغناء و عروت کے متعلق امام ابن مطلق الشافعیؒ لکھتے ہیں

ابو الحسن بدائی روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مارا تو اس کی ہن کو سکی لاش پر روئے کو آئی۔ اس کی لاش کو کھنڈا و سلم دیکھ کر لوگوں سے پوچھنے لگی کہ اس پر کس کا تالو مل گیا لوگوں نے کہا علیؑ بن ابی طالب کا وہ غنیمت لگی اس کی موت جس کے بزرگ بھائی بنو کے باتو سے ہوئی ہے۔ اے بنی عامر اس سے بڑھ کر کے لئے (عمر کیلئے) خزی اور کونسی بات ہو سکتی ہے۔ چڑاؤں نے یہ اشعار پڑھے اگر عمر کا قاتل اس قاتل کے سوا کوئی اور ہوتا تو میں ہمیشہ اس پر رویا کرتی۔ لیکن اس کا قاتل ایسا ہی ہے جس میں کوئی عیب نہیں ہے اور

عن ابی الحسن مدائنی قال لما قتل علی عمر بن عبدود دفن فی الیہ اختہ فقالت من ذا الذی اجترأ علیہ فقالوا علی بن ابی طالب فقالت کانت منیۃ علی بذلکھو کوریم ما سمعت بانحس من ہذا یا بنی عامر فانشات  
لو کان قاتل عمر غیر قاتلہ لکننت اہل علیہ خراکابد  
لکن قاتلہ لا یعاب بہ من کان مدعی قتلہ یا بیفۃ البلد

وہ ہمیشہ سے شہر کا سردار بھارا جاتا ہے۔ ارجح الخطاب جلد اول ص ۲۱۹

زبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس عالم اضطراب میں حضرت علی مرتضیٰؑ کو رخصت فرمایا تھا اور عمر مبارزت علیؑ کی اہمیت کی ضرب سے محفوظ رہنے کے خیال سے اسلحات و آلات جنگ سے اپنا مکان کے مطابق اون کی حفاظت کے

پورے سامان کر دئے تھے۔ وہ سب بیان ہو چکا ہے۔ لیکن تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان نہ تھا۔ درخیمہ پر استاء تھے۔  
جانبین کا مقابلہ پیش نظر تھا۔ ارشاد فرماتے تھے۔

برنہ الا یصلان الکفر کلہ | آج پورے ایمان کے ساتھ پورے کفر کا مقابلہ ہے۔

اس اشارہ میں حضرت علی نے عمر بن عبدود کو ہار گرایا۔ سر لیکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسے اقدس پر عمر کا سر ڈال دیا۔  
جناب رسول نام علیہ السلام اہل اسلام کی سترت کی کوئی حد نہ تھی۔ امام حاکم مسندک میں۔ امام دہلی فردوس الاخبار میں۔ محدث  
شیخ ابی روفیۃ الاحباب میں اور محدث دہلوی ملوچ النبوة میں حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی  
علیہ وآلہ وسلم نے عمر بن عبدود کا سر دیکھ کر ارشاد فرمایا۔

المبارزة علی عمر بن عبدود فی الیوم انخذل فی افضل | خندق کے مذبذب عمر بن عبدود کے ساتھ علی کی لڑائی میری امت کے تمام اعمال  
من اعمال امتی الی یوم القیۃ | سے جو وہ قیامت تک بجا لائیں گے بہتر ہے روضۃ الاحباب ص ۳۲۰

ابن طلحہ الشافعی مطالب السؤل میں لکھتے ہیں۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال کان یسوء و | عبد اللہ بن مسعود اس طرح بڑا کرتے تھے کہ لڑائی میں مومن کی شہادت کے سبب  
کفی باللہ المؤمنین القتال یقول و کان اللہ قویاً عزیزاً | سے مدد کی۔ اور اللہ غالب ہے اور مہربان ہے۔ ارجح المطالب ص ۲۱۹۔ مطبوعہ لاہور۔

ابن مردویہ۔ ابن ابی حاتم۔ ابن عساکر اور امام سیوطی نے بھی آیہ کفی اللہ المؤمنین الخ کے اسباب نزول میں ہی لکھا ہے۔

پھر اسی مطالب السؤل میں مرقوم ہے۔ اور زرقانی بھی علامہ عطاردی اور یحییٰ ابن آدم کے قول سے اسکی تائید کرتے ہیں ص ۳۳۲ ج ۲

عن جابر بن عبد اللہ قال فما اشتھت قتل علی عمر | جابر بن عبد اللہ انصاری لکھتے ہیں کہ حضرت علی کا عمر کو قتل کرنا بالکل حضرت داؤد  
الابہا فض اللہ تعالیٰ من قصۃ داؤد علیہ السلام | علیہ السلام اور جالوت کے قصہ سے مشابہ ہے جس کا ذکر خدا نے اس طرح فرمایا ہے  
وجالوت حیث قال عز وجل فھی یھم باذن اللہ | کہ وہ خدا کے حکم سے بھاگ گئے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت  
وقتل داؤد جالوت | کو قتل کر ڈالا۔ ارجح المطالب ص ۲۱۹

امام سلیمان القندوری البیہقی بنامہ المؤمنین کے یہ کفی اللہ المؤمنین کے اسباب نزول میں ہی واقعہ لکھ کر جو اوپر لکھا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں  
قال الشیخ العطاردی کتابہ مظهر الصفات کنت عند شیخی و | شیخ فرید الدین عطاردی اپنی کتاب مظهر الصفات میں نقل ہیں کہ یہ کفی اللہ المؤمنین  
سندی الشیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ فحدثنی ہذا | پروردگار نے شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں حدیث خندق کو سنایا شیخ پرست ہی علامہ  
الحديث فغلب علیہ الحال القوی فبکیت معہ فحقرت | اور قوی حال عطاردی ہوا۔ اور میں انکے ساتھ ملکر رونے لگا سیوقت سے ہم  
الدنیاء فی اعییننا وقلعنا حب الدنیاء من قلوبنا۔ بہی ص ۷۷ | دونوں نے دنیا کی محبت کو اپنے قلوب سے نکال پھینکا۔

میدان جنگ | ابوسفیان کا اتنا کچھ کہان کہ عمر بن عبدود کے ایسے رستم و ستان کے مارے جانے کے بعد وہ ایک غلط کیلئے بھی میدان کا اندازہ  
دلش کا قرار میں شہر کے۔ عمر بن عبدود۔ نوفل۔ جبیرہ۔ نزار کے نتیجہ کارنے اس کے واس کو اور باختہ کر دیا اور ابوسفیان پہلو بجا کر

جلد سے کوٹیا رہ گیا۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

قریش کی اسلام کے خلاف یہ آخری مقابلت و محاربت تھی جو بال شمار ختم ہو گئی اور ایسی کہ پھر قریش کب سے اسلام کی مخالفت پر قدم نہ بڑھا سکے۔ مفسوس ہے کہ شبلی صاحب نے توجہ خاص سے نہیں بلکہ ضرورت خاص سے بحث وقوع بدر میں ایک مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ بدر کا ہیرو تسلیم کیا ہے۔ بدر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نموداریوں میں تو حضرت حمزہ عقیلہ اور دیگر حضرات بھی شریک تھے جاسکتے ہیں لیکن خندق کے محاصرے میں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا ہمارے ہر ذہن و انصار کی تین ہزار موجودہ جمعیت میں کسی صاحب کو بھی قدم بڑھانے کی اور دشمن پر ہاتھ اٹھانے کی جرئت نہ تھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تنہا اتنی بڑی جنگ عظیم کا حسین ۱۲ ہزار شجاعانہ جہاز شریک کیے۔ خاتمہ کر دیا۔ بائیں شبلی صاحب نے اس معرکہ کی تفصیل میں کہیں بھی انکے ہیروزم و نیکادگی نہ فرمایا۔ نہ خموشی معنی دار کہہ کر گفتگو ہی آید۔ اور بیان ہو چکا ہے کہ عمر بن قیدود کے قتل ہوتے ہی جنگ خندق کا خاتمہ ہو گیا۔ قریش کے عظیم الشان اور کثیر القداد لشکر کے دل کے دل پر سے کے پر سے ٹوٹ ٹوٹ کر میدانوں اور پہاڑوں پر منتشر ہونے لگے۔ کوئی کدہ نہ رہا۔ کوئی کدہ نہ رہا۔ شب تک مدینہ کا مطلع صاف ہو گیا۔

سعد بن سادہ اسلام کو اس جنگ میں عظیم الشان کامیابی کیساتھ بہت بڑا نقصان بھی ہوا۔ وہ سعد بن معاذ کے ایسے جلیل القدر اور زہری ہوشیار و فادار صحابی کی شہادت تھی۔ اگرچہ وہ مدینہ معرکہ میں شہید ہوئے لیکن تیرے ایسے زخمی ہوئے کہ جانبر نہ ہو سکے۔ شبلی صاحب نے انکی شہادت کی یہ تفصیل فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ جس قلعہ میں پناہ گزین تھیں اسی میں سعد بن معاذ کی مان بھی تھیں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں قلعہ سے نکلی کر باہر پھر رہی تھی۔ عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ مڑ کر دیکھا تو سعد ہاتھ میں حربہ لئے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جاتے ہیں اور یہ شعر زبان پر ہے۔

کبت ذلیلہ تدرک الہیجا جمل

لا باس بالموت اذا الموت نزل

ذرا نہ جاننا رانی میں ایک اور شخص پوچھ جاتے

وقت جب آگیا تو موت سے کیا ڈر ہے

سعد کی مان نے سنا تو کہا بیٹا دوڑ کے جا۔ تو نے تو دیر لگا دی۔ سعد کی زبردستی چھوٹی تھی کہ انکے دونوں ہاتھ باہر تھے۔ حضرت عائشہ نے سعد کی مان سے کہا کاش سعد کی زبردستی ہوتی۔ اتفاق کہ ابن العرقم نے تاک کر کھلے ہاتھ پر تیرہ را جس سے انکے کھل کی رگ کھل گئی۔ رفیدہ ایک خاتون تھیں جو اپنے پاس دو انہیں رکھتی تھیں اور زخم کی سرہم پٹی کرتی تھیں۔ انکا خیمہ مسجد رسول میں خندق کے غزوہ کے بعد کھڑا کر دیا گیا اور یہ قانون سعد کا اعلان کرنے لگیں۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فود دست مبارک سے مشق سے لیکر داغ لیکر پھر دم آگیا۔ دوبارہ داغ لیکر پھر فائدہ نہوا کئی دن کے بعد یعنی بنی قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انھوں نے وفات پائی۔ قریش کے بعد فلاح بائیں شورشوری و بائیں بے نکلی۔ قریش کمان تو ایسے ساز سامان اور اتنی طیار یوں سے مدینہ میں مسلمانوں کا ہتھیار سال کرنے آئے تھے۔ کمان صرف دو یا تین آدمیوں کے قتل کے بعد ایسا ہر اسلان اور حواس باختہ ہو گئے۔ کہ او سو وقت مدینہ



سے محاصرہ اٹھا خیمے اٹھاڑ یہ چل وہ چل۔ آخر اس عجلت کی کوئی وجہ بھی ہے۔ اس اضطراب کے کچھ اسباب بھی ہیں؛ اصلی سبب تو یہی ہے جو اوپر ہو چکا ہے کہ عمر بن عبدود کے ایسے ہزار کے برابر والے پہلوان اور رستم و ستان کے ماریجانیے نے۔ جو قریش کی تمام امیدوں کے مرکز تھے انھوں نے کیا دن اوکھاڑ دئے۔ اور ان کے تمام ماروے پست کر دئے اس لئے وہ فوراً میدان جنگ خالی کر کے شکرگاہ واپس گئے۔ شکرگاہ میں پہنچے تو دو مصیبتوں کا پے در پے سامنا ہوا۔ ایک بنی قریظہ کی مفاہوت۔ دوسرے ہوائے تند کی آفت۔ پہلے ہم بنی قریظہ کی مفاہوت کے تفصیلی حالات لکھتے ہیں۔

بنی قریظہ نے ذی قعدہ ۱۱ھ میں اس کے متعلق شعلی صاحب رقمطراز ہیں۔

نعم بن مسعود ثقفی ایک غطفانی رئیس تھے۔ قریش اور یہود دونوں ان کو مانتے تھے۔ وہ اسلام لائے تھے لیکن کفار کو ابھی اس کا علم نہیں تھا۔ انھوں نے قریش اور یہود سے الگ الگ جا کر اس قسم کی باتیں کیں جس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ابن اسحق کی روایت ہے کہ نعم نے اس تفرقہ اندازی میں دونوں سے جھوٹ باتیں کیں اس بنا پر کہ تو بنی قریظہ کے خدائے علیہ السلام نے انھیں احوب خدعہ کی تعلیم کی تھی۔ لیکن ابن اسحق نے روایت کی سند نہیں نقل کی۔ اور اگر کرتے بھی تو ابن اسحاق کا یہ پابینین کہ اس کا واقعہ شخص اس کی سند سے قبول کر لیا جاوے اس کے علاوہ واقعات اس قسم کے جمع تھے کہ دونوں فرقوں کا اتحاد بغیر اسکے توڑ دیا جاسکتا تھا کہ کوئی غلط بات بیان کیجائے۔ ابن اسحاق کی روایت میں استقدرد کو رسب کہ نعم نے یہود سے کہا کہ قریش تو چار دن کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے۔ تمہارا اور مسلمانوں کا مہوٹنی کا ساتھ ہے۔ اس لئے تم کیون بیچ میں پڑ کر ہمیشہ کیلئے لڑائی مول لیتے ہو اور اگر اسی پر آمادہ ہو۔ تو قریش سے کہو کہ وہ کچھ معزز آدمی ضمانت کے طور پر تمہارے ہاں بھیج دو کہ اگر قریش اڑھائی کا فیصلہ کئے بغیر چلے جانا چاہیں تو تم ان لوگوں کو روک لینا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہود بنی قریظہ اول اول نقص عہد پر راضی نہ تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاملہ کیوں توڑیں لیکن حمی بن اخطب نے اس شرط پر انکو راضی کیا تھا کہ قریش چلے گئے تو میں خیر چھوڑ کر تمہارے پاس آجاؤں گا قریش اس قسم کی ضمانت نہیں منظور کر سکتے تھے جب انھوں نے انکار کیا ہوگا۔ تو خود ان میں پھوٹ پڑ گئی ہوگی۔ اس لئے ایک صحابی کو دردنگونی کے داغ اٹھانے کی کیا ضرورت ہے

۱۱ھ شعلی صاحب کی مہم گرم ہمیشہ صحابان سیرت ہی پر راہ کرتی ہے اور اس وقت بھی آپ کا سارا قصہ امام الغازی علامہ ابن اسحاق صاحب سیرت پر اور گیارہ سہ سر تسلیم خم ہے جو مزید یار میں آئے۔ مگر ہم بار بار گزارش کرتے آئے ہیں کہ سیرت و تاریخ کے ساتھ حدود میں کیا جاوے بلکہ یہ مورخین و مفسرین کی بیانات میں بھی دیکھ لے جایا کریں۔ در فیصلہ کی طرف ہو جائیگا مگر تمام عربی ماخذوں کے دیکھنے میں زحمت ہو۔ تو صرف زرقانی ہی میں جو ہر وقت پیش نظر ہے یہ بحث دیکھ لی جاتی ہوگی تو اس دردنگونی کی حقیقت معلوم ہو جاتی کہ اصحاب سیرت ہی پر منحصر نہیں بلکہ بڑے بڑے مفسرین و مؤرخین جو دنیاوی اسلام میں بہت بڑے صاحبان بصیرت گذرے ہیں۔ اس دردنگونی کو وہ سفید جھوٹ نہیں کہے جو غلط فہمی سے آپ تک ہیں۔ بلکہ اسے شعبہ تدبیر سے تعبیر کرتے ہیں۔ جسے موجودہ زمانے والے پوچھ لیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ یہ فیصلہ کن عبارت ہے۔

یہی اور محمد بن عبد الواحد کہتے ہیں کہ صل خدع اصل امر کا مخفی کرنا اور اہل خلاف ظاہر کرنے کو کہتے ہیں اور اس سے مقصود جیسا کہ کفار کا جواب دینا اور ان میں خوف و حیرت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ جلد کی اصلیت سے آگاہ نہ ہو۔ تو اس کے خلاف نتائج سے ہرگز غلط نہیں رہ سکتے۔ امام فہرست فرماتے ہیں مسئلہ خدع مخفی علیہ

حکمی مکتوب محمد بن عبد الواحد اصل الخدع ابطن امور و اظہار خدع و ذہ و فہم علی اخذ الخدع فی الحرب و الذب الی خداع الکفار و ان لم یثقف لذلک لہ یا بنان منعکس الامر علیہ قال النوی الفتوا علی جواب

شبلی صاحب کی اس دروغگوئی قائم کر کے حقیقت اسکی صحت اور جواز ہماد پر بھی لکھ آئے ہیں اور پھر اس موقع خاص کی دروغگوئی کی صحت و حقیقت بھی اکابر محدثین خصوصاً شارحین معجین کے اسناد سے حاشیہ میں لکھ دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اسکو اصل کتاب میں مندرج کرنا سلسلہ بیان میں فصل پیدا کر دیتا۔

فروغخانسی مدنی درجہ | لشکر کفار کے جلد نکلیا نیکی وجہ اول تو ہم بیان کر چکے۔ اب ہم دوسری وجہ بھی شبلی ہی صاحب کی زبانی لکھ کر دیتے ہیں۔ موسم کی سختی۔ محاصرہ کا استداد۔ آندہ ہی کا زور۔ رسد کی قلت۔ یہودی کی علیحدگی۔ یہ تمام اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ قریش کے پاسے ثبات لغزش میں آ گئے تھے۔ ابوسفیان نے فوج سے کہا رسد ہو چکی۔ موسم کا یہ حال ہے۔ یہودی نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اب محاصرہ بیکار ہے۔ یہ لکھ کر بل جیل بجز کا حکم دیا غطفان بھی اسکے ساتھ روانہ ہو گئے۔ بنو قریظہ بھی محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلا آئے اور مدینہ کا افق ۲۰-۳۰ دن تک غبار آلود رہا صاف ہو گیا۔ سیرۃ النبی ص ۳۱۷

حذیفہ بن یمان | شبلی صاحب نے اشاروں میں بات کر دی اور الگ ہو گئے۔ تفصیلی کیفیت یہ ہے۔ خدث شیرازی لکھتے ہیں۔ یاسر خدث | یہ مسلم ہے کہ مقابلہ والے دن بجگہ اسکی ایک رات پہلے ہی سے دن رات لگا تا رطوفانی ہوا چل رہی تھی اور سردی بھی برابر بڑی شدت کے ساتھ قائم تھی۔ کفار کی ہزیمت کے بعد شام ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ رات گزرتی ہی اور اصحاب کو یہ لکھ کر آ کر جو کوئی شخص اسوقت لشکر مخالف میں جا کر اونکے جانیکی خبر لائے وہ بہشت میں حضرت ابراہیم کا رفیق ہوگا۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آئی۔ دوسری بار اپنے یوں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی فوج کفار اونکے احوال دریافت کر آئے وہ بہشت میں میرا رفیق ہوگا۔ اس پر بھی کسی طرف سے آواز نہ آئی۔ اسکے بعد حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ اپنے میرا خاص نام لیکر پکارا۔ تو میں سردی سے کانپتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے میری آواز سنی تھی۔ میں نے عرض کی ہاں۔ سنی تھی۔ لیکن بھوک اور سردی کی شدت سے حاضر نہ ہو سکا۔ یہ سن کر آپ نے دست اقدس میرے سر پر فرمایا اور ارشاد کیا کہ براہ راست یہاں سے لشکر کا کفار میں چلے جاؤ اور دیکھاؤ وہ کیا کر رہے ہیں اور اب اونکا کیا ارادہ ہے لیکن اوپر ہاتھ نہ اٹھانا اور نہ کسی کو قتل کرنا۔ میں نے عرض کی کہ میں وہ مجھے قید نہ کر لیں۔ آپ نے فرمایا نہیں وہ تمہیں اسیر نہیں کر سکتے۔ یہ لکھ کر آپ نے میرے حق میں یہ دعا فرمائی۔

|   |   |
|---|---|
| <p>حاشیہ صفحہ گذشتہ الکفار فی الحرب کیف ما امکن الا ان یكون قیہ<br/>لفض عہد امان فلا یجوز قال ابن الخریزنی و یقع الخداع<br/>بالغریب والکین و یخوذ ذلک فی الاحادیث الاشارة الی<br/>استعمال الرماح فی الحرب بل الاحتیاج الیہ اکذ من الشیعة<br/>ولذا اتصرت علی ما یشیر الیہ ہذا الحدیث و هو کقولہ ان یج عتہ<br/>قال ابن المتیر معنی الحرب خدعة ان الحرب الجبیدة<br/>لصاحبها الکاملۃ فی مقصودھا انماھی المعادعة لا<br/>المواجهة وذلک لخطر المواجهة وحصول الخسران<br/>المخادعة بغیر خطر</p> <p>ترجمہ فارسی جلد دوم ص ۱۳۵</p> | <p>اور کنار کے ساتھ موقع جنگ میں جائز ہے ایسی حالت میں کہ جب کوئی صورت امکان<br/>باقی نہ رہے۔ اور یوں خدع سے نفس امارت یا خلاف عہد و پیمان ہونا ہو تو جائز نہیں ہے۔<br/>ابن علی کا قول ہے۔ خدعے مخالف کو جواب میں منع کیں اور ایسی دیگر ضروریات میں واقع<br/>ہوتے ہیں جو راسی کی نسبت حدیث میں اشارہ ہے اور وہ صرف حکم کے لئے نہیں ہے بلکہ<br/>اسکا پوری احتیاج و ضرورت انہما شجاعت و شجاعت و شجاعت و شجاعت لکھی ہے اسلئے مختصر<br/>طور پر اس قول میں اشارہ ہے کہ حق عز و جہ۔ ابن المتیر تحریر کرتے ہیں کہ جنگ خدعہ خدعہ<br/>ہے۔ اسلئے کسی یہ نہیں کہ جنگ بالمقابلہ صاحب جنگ کی کوشش کا بلکہ بالواجب ہے۔ نہ<br/>بالمعاد و نہ بالوجہ بلکہ بالمعاد و نہ بالوجہ۔ جو بلا مقابلہ اور بوجہ خدعہ کے حصول غزو<br/>نعمانی کا مذکور ثابت ہو۔ المؤلف الاحقر<br/>سید اولاد حیدر</p> |
|---|---|

اللّٰهُمَّ احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ وَعَنْ

يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَمِنْ فَوْقِهِ وَمِنْ تَحْتِهِ

پہرہ درگاہ کی ساتھی سے۔ پشت سے۔ ہاتھ سے۔ بائیں سے۔

اوپر سے اور نیچے سے اسکی حفاظت فرما۔ اور محفوظ رکھ۔

حذیفہ کا بیان ہے کہ اس عاکے بعد پھر مجھے سردی اور بھوک کی شدت محسوس ہوئی۔ اور نہ خوف و ہشت معلوم ہوئی۔ میں نے سلاح جنگ اپنی اور لشکر قریش میں جا پونچا۔ وہاں پہنچ کر ہوا کی تیزی بیان سے اور زیادہ معلوم ہوئی۔ اور ایسی کہ خیمہ لٹا بین اوکھاڑے پھینکے دیتی تھی اور چوہوں سے پتلی اور دیچھے وٹو دیتی تھی۔ ابوسفیان کا یہ عالم تھا کہ بابر خیمہ سے کانٹا ہوا ہاتھ آتا تھا اور آگ کے پاس بیٹھ کر ٹھڑی دیر تک گرم ہوتا تھا اور پھر خیمہ میں جا کر پڑھتا تھا۔ پھر نکلتا تھا اور ایسا ہی کرتا تھا۔ تاہم سردی سے تسکین ہوتی تھی۔ تمام فوج آگ کے پاس جمع تھی گویا تمام عرب بت پرست سے آتش پرست ہو گیا تھا لیکن ابانہ کسکی جان میں جان نہ تھی۔ ابوسفیان نے خیمہ سے نکل کر حکم دیا کہ ہر شخص اپنے رفیق کو باہم لپٹا کر آگ کے پاس بیٹھے کہ بدن کی آگ کی گرمی مل کر خوب گرم ہو جائے۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ میں بھی یہ حکم سن کر ایک جماعت میں ملکر بیٹھ رہا۔ اور جو شخص میرے پہلو میں تھا اسکو لپٹا لیا نام و نسب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں قبیلہ ہوازن سے ہوں۔ میں نے اپنے دل میں تصدیق کیا کہ ابوسفیان کو تیر لگا کر ٹھنڈا کر دوں لیکن مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم متناعی کا خیال آگیا اور میں اپنے قصد سے باز رہا۔ ابوسفیان کی یہ ترکیب بھی کارگر نہ ہوئی اور فوج کو سردی سے تسکین نہ ہوئی۔ بلکہ جیون جیون رات بڑھتی گئی سردی بھی بڑھتی گئی۔ اور سردی کیساتھ ہوا بھی تیز و تند ہوتی گئی۔ اب تو یہ نوبت پہنچی کہ سانس کا لینا اور نمنہ سے بولنا دشوار ہو گیا۔ بالآخر ابوسفیان نے دیگر سرداران لشکر سے باہم مشورت کر کے لشکر میں اعلان کر دیا کہ اب یہاں ٹھہرنا محض ہیکار ہے ٹھہرنے میں انسان اور جانور دونوں کی جانوں کا نقصان ہے۔ اگر تھوڑی دیر یہاں اور قیام رہے تو سب کے سب بین ڈھیر ہو کر رہ جائیں گے اس لئے فوراً بار کر کے کوچ کر دو۔ اب ٹھہر کے کیا کرو گے۔ یہودیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ بنی قریظہ اپنی گھر بیٹھ رہے۔ اس حکم کے سننے ہی لشکر میں کوچ کا شور برپا ہو گیا۔ اور نصف شب جاتے جاتے کفار کے لشکر نے میدان جنگ کو خالی کر دیا۔

حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے قصد سے واپس چلا راستہ میں مجھے کچھ لوگ سفید عمامے باندھے ملے۔ اور ان لوگوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اپنے سردار سے جا کر کہہ دو کہ خداوند عالم نے دشمنوں سے تمہاری مدد فرمائی۔ اور تم کو محفوظ رکھا۔ حذیفہ کہتے ہیں جسوقت خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ تو آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ فارغ ہوئے تو میں نے مزدہ سنا یا یہ مزدہ مسرت افزا سن کر آپ خندان ہوئے اور آٹا مکین نے آپ کے دستان مبارک کی زیارت کر لی۔ ارشاد ہوا کہ رستہ میں جن لوگوں نے تمہیں بشارت دی تھی وہ خدا کے فرشتے تھے جو نصرت اسلام کے لئے بھیجے گئے تھے۔ روضۃ الاحباب ص ۲۲۱

قرآن مجید میں یوں تفصیل سندرج ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُورُ الْغَمَةِ اللَّهُ عَلَيْكُمْ

إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودًا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَ

جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا (احزاب)

مسلمانوں خدا کے احسان کو یاد کرو جبکہ تم پر فوجیں آپڑیں تو ہم نے ان

پر آندھی بھیجی اور وہ فوجیں بھیجیں جو تم کو دکھائی نہیں دیتی

تھیں۔

## غزوہ بنی قریظہ

۲۴ ذی الحج ۶ ہجری

غزوہ بنی قریظہ | محدث شیرازی حضرت ابن عباس کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ سفر سے واپس آتے تھے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کے پاس تشریف لیجاتے تھے۔ ۲۳ ذی قعدہ کو خندق کی فتح ہوئی۔ ۲۴ کو آپ مع انخیر مدینہ میں واپس آکر حسب معمول حضرت فاطمہ کے دیکھنے کو تشریف لیگئے۔ سلاح جنگ اوتاری اور جناب سیدہ اپنے پدر عالیہ مقدار کے چہرے اور پوشاک سے گرد و غبار پاک کرنے لگیں۔

ابھی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ دھو کر فراغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ بنو قریظہ کی نبیہہ قادیب کا حکم نازل ہوا۔ حضرت جبریل نے عرض کی کہ اپنے سلاح جنگ اوتار دیں۔ حالانکہ مالک کی فوج ابھی ویسے ہی مسلح ہے (زندانی و بخاری) یہ حکم سنتے ہی اپنے پھر سلاح جنگ آراستہ کر لی اور ہتھیار لگا کر باہر تشریف لائے اور تمام اہل اسلام کو مکتبہ یا کتبہ یا خیل اللہ اسے لشکر خدا کے لوگو سوار ہو جاؤ۔ جناب علی رضی اللہ عنہ کی دیر تھی۔ مجاہدین اسلام بھر کر بن کسر طیار ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا کردہ سردار ہو کر اپنے لشکر بنا کر فوج اسلامی کے ساتھ آگے۔ روانہ کر دیا۔ اور بقیہ فوج اسلامی لیسکر آپ عقب سے روانہ ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بنی قریظہ کے قلعوں کے سامنے اکثر اسلام کا علم نصب کر دیا۔ یہ دیکھ کر یہود و قلعہ کی فصیلوں پر کل آئے اور فوج اسلامی کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں کلمات ناسزا کہنے لگے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان درازیوں کو سنتے تھے لیکن جہاد کا اون تو تھا ہی نہیں۔ بالکل خوش تھے۔ مگر جب تحمل کی طاقت نہ رہی تو آپ وہاں سے اون جاو لینے کیلئے واپس ہوئے راہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہو گئی۔ طبری میں ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اون کے قلعوں کے قریب پہنچے تو ان لوگوں نے کلمات قبیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سختی نہ ہو سکا تو آپ وہاں سے ٹوٹے۔ رستہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ صلیت وقت یہی ہے کہ آپ اس غیبت قوم کے پاس خود تشریف نہ لیا میں اپنے فرمایا کہ یوں کیا اون لوگوں نے میری نسبت کچھ کلمات بدہنہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے جی ہاں۔ ارشاد ہوا کہ جب میں اون کے سامنے

فسار علیا حتم اذا اذامن المحمرون سمع منها مقالة قبيحة لرسول الله صلى الله عليه وسلم منهم فرجع حتم لقيه بالطريق فقال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم لا عليك لا تذنا من هؤلاء الا خابث قال لما ظننت سمعت منهم لي اذى قال نعم يا رسول الله فقال لو اذوني لم يقولوا من ذلك شيئا ابن هشام مثا وطبري مثا جاکہراہون گا تو بچو وہ ایک کمرہ بھی اپنی زبان سے نہ نکال سکیں گے۔

انفرن لشکر اسلامی نے بڑی استحکامی سے صابری قریظہ کا محاصرہ کر لیا سورہ انکی فراہمی ضروریات کی تمام راہیں مسدود کر دیں ایک مہینہ کے قریب تک محاصرہ قائم رہا۔ اس درمیان میں بنی قریظہ نے بیرونی امداد کے حصول کیلئے بہت ہاتھ پاؤں مارے اور



حی بن اخطب جو اس وقت تک بنی قریظہ کے ہمارے تھا۔ وہ بھی اپنے کاغذی گھوڑے اور ہر دو برابر دوڑاتا رہا لیکن کچھ مفید کارنامہ اسلام کی مخالفت میں کسی قوم و قبیلہ کا طیار ہو جانا اب بہت دشوار تھا۔ ان خراب حالتوں پر بھی پہنچ کر بنی قریظہ اپنی فطرتی شہریتوں سے باز نہ آتے تھے۔ ایک دن انکی ایک شہریت عورت نے ایک مسلمان انصاری خداش نامی کے سر پر پاک کر بھاری پتھر گرا دیا کہ وہ غریب وہیں کھل کر رہ گیا۔ لیکن محنت عالم نے ان مظالم پر صبر فرمایا اور کسی فوری تنبیہ و تاویب کا قصد نہیں کیا۔

اسلام نے یہود ان بنی قریظہ کے ساتھ ابتدائی سے خاص رعایت ملحوظ رکھی تھی جس طرح بنی نضیر آل ہارون ہونیکے دعویدار تھے اسی طرح بنی قریظہ اپنا نسب نامہ حضرت شعیب سے ملائے تھے۔ اس لئے باعتبار قومیت کے وہ بنی نضیر سے زیادہ قدیم تھے لیکن باوجود دعویٰ شرافت کے ان لوگوں کے کوئی شرفانہ عمل نظر نہیں آئے۔ بلکہ بجائے اسکے وہ بد عہد بد خلق۔ بدکار اور محسن کش قوم ثابت ہوئے۔ اور بیان ہو چکا کہ مدینہ میں ظہور اسلام کے وقت ہی تمام یہودیوں نے ملکر اسلام کے ساتھ معاہدے لکھ لئے تھے کہ بلا خیال اختلاف مذہب مسلمان اور یہود ایک قوم واحد کی صورت میں ایک دوسرے کے شریک و مددگار رہا کریں گے۔ اس بنا پر اسلام نے انکے ساتھ آزاد قوم کے ایسے معاملات قائم رکھے اور انکو مکرسم مذہبی کی لواکاریوں میں پوری آزادی عطا فرمائی۔ لیکن بنی قریظہ نے بدیہی سے خلاف عہدی شروع کر دی اور سلح جنگ سے قریش کی مدد کی تھی اور یہ بات جنگ بد کے بعد فوراً کھل بھی گئی تھی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حسن اخلاق سے کبھی اسکا ذکر بھی نہ کیا۔ جنگ بد کے بعد ہی سے یہودیوں کے خیالات میں اسلام کی طرف سے اتفاق و اتحاد کی جگہ نفاق و فساد اور محبت و مساوات کے عوض رشک و حسد پیدا ہو گیا۔ پھر قریش نے ان لوگوں پر سازش کے جال پھیلانے اور یہ سب کے سب انکے دام قریب میں آگئے۔ اور استیصال اسلام پر طیار ہو گئے۔

بنی قینقاع کی سزا و تنبیہ کے بعد جب بنی نضیر کی سزا دی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے انھیں سے ابتدا کی سعد بن معاذ انکے معاملات میں خاص طور پر سامعی بنے۔ اسلئے کہ بنی قریظہ کے حلیف تھے۔ کچھ آج سے نہیں بلکہ زمانہ جہالت کے اس وقت کے جب انصار میں خانہ جنگیاں جاری تھیں۔ اس وقت سے بنی قریظہ انکا جانبدار تھا۔ عرب میں حلیف ہونیکا تعلق نسبی تعلقات سے کم اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اس بنا پر سعد بن معاذ نے انکے معاملات میں پیش پس ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انکے معاملات میں مصالحت پر رضامند کر لیا۔ اور ان سب کے بحال رضا و رغبت تجدید معاہدہ کر دی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں تحریر ہے۔

|   |  |
|---|--|
| فاجلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیر و<br>اقر قریظہ و من علیہم | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کو جلا وطن فرمایا اور بنی قریظہ کو رہنے دیا اور ان پر احسان خاص کیا۔ |
|---|--|

اس احسان کا یہ جواب تھا کہ حی بن اخطب کی ذرا سی بھڑکی میں اگر قریش کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور یہ نہ سوچا کہ صلح منہجیہ پر دستخط کئے ابھی کے دن ہوئے ہیں۔ غزوہ خندق سے شکست کھا کر لوٹے تو حی بن اخطب کو ایسے سخت ترین دشمن اسلام کو اپنا احسان بنا کر گھر لیتے آئے۔ اور اس کے ذریعہ سے چاروں طرف استیصال اسلام کیلئے ریشہ و انیان کرتے رہے۔ اتنے ناقابل عفو جرائم پر بھی اسلام نے صرف انکے محارم سے انکی تنبیہ کی ابتدا کی۔ مقصد یہ تھا کہ اگر وہ عروب ہو کر پھر معاہدہ سابقہ پر آجائیں گے۔ تو اسلام کو پھر ان سے کوئی شکایت

باقی نہیں رہی۔ اور جنگ خندق سے انکی ناکامی یقین بھی ایسا ہی دلاتی تھی۔ اور اگر اپنی شامت سے مقابلہ ہی پر آمادہ ہو گئے تو پھر مقابلہ بھی کیا جائے گا اور مقابلہ بھی لیکن آغاز محاصرہ ہی سے انکے رنگ بزرگ نظر آنے لگے۔ وہ شکست کھا کر ناصحت سے خالی کیا ہوں گے۔ عداوت و شقاق سے اور بھر گئے۔ اور فوج اسلامی کے اتے ہی زبان درازین سے کام لینے لگے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اس انتظار میں تاخیر فرماتے رہے اور محاصرہ میں طوالت ہو گئی کہ شاید یہ بد بخت اب بھی اسلام کے ساتھ یکسوئی کی راہ پر آجائیں۔ لیکن وہ راہ پر کیا آئیں گے اور گمراہ ہوتے چلے گئے۔ خدائش کے شہید کر دئے جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی طرف بالکل مایوسی ہو گئی۔ تو بالآخر آئین جنگ کے مطابق محاصرے میں سختی سے کام لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے مایوس و مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تصفیہ کے خواہاں ہوئے۔ آپ ان غداروں کی مفسد طبیعتوں سے خوب واقف ہو چکے تھے اور انکی فتنہ انگیز حرکتوں کا متواتر تجربہ اٹھوا چکے تھے۔ اس بنا پر خود تصفیہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ میں تصفیہ کرنے پر راضی تو ضرور ہوں۔ لیکن میں خود تصفیہ نہیں کروں گا۔ تمہیں اپنی طرف سے کسی کو حکم کر دو۔ جو وہ تصفیہ کر دے اس پر ہم تم دونوں پر راضی ہو جائیں۔ بنی قریظہ نے قبول کر لیا۔ اور اپنے قدیم تعلقات کی بنا پر سعد بن معاذ کو حکم مقرر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی سعد کی حکیم کو منظور فرمایا۔

سعد بن معاذ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سعد بن معاذ خندق کی لڑائی میں تیر سے سخت زخمی ہو گئے تھے۔ اسلئے اسوقت لشکر اسلام میں موجود نہ تھے۔ تب تک سعد بن معاذ اس کے چند آدمی خود انکے لانے کے لئے مدینہ گئے اور ایک گدھے پر سوار کر کے انکو اپنے ہمراہ لیتے آئے۔

بنی قریظہ کے ہوا خواہ مدینہ تک دوڑ گئے۔ اور خود بھی اور قبیلہ اس کے چند لوگوں کو اپنا ہجران بنا کر سعد سے روادا سابقہ کی بنا پر فیصلہ میں رعایت و نرمی کیلئے عرض و معروض کرنے لگے لیکن ان کے متواتر اصرار کے مقابلہ میں سعد کا ایک ہی جواب تھا۔ زر قانی لکھتے ہیں

فلما كثروا عليه قال لقد ان لسعد ان لا قوا هذه  
في الله لومة لا شئ من ۵۵۰ ج دوم

جب کثرت سے ان لوگوں نے انکو گھیر لیا تو سعد بڑے کسود کے لئے وہ دانت آنگاہے کہ وہ راد خدا میں کسی طعنہ زن کی طعن و تشنیع کی پروا نہ کرے۔

ایسے صاف اور بیلوث جواب سے سائلین کو مایوسی ہو گئی۔ پھر کسی کو آئندہ عرض و معروض کی جرأت نہ ہوئی۔ لشکر گاہ اسلامی کچھ دور نہ تھی۔ سعد آرام و اطمینان سے خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوتے۔ قریظہ کے نایندگان جو معاملات کے طے کرنے کے لئے حاضر دربار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو مخاطب کر کے کہا قوموا الی سید کہ اپنے سردار کی تعظیم کیلئے اٹھو۔ انحضرت سعد کو لوگ ہاتھ سواری سے اوتا کر آہستہ آہستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ اور آپ نے نایندگان بنی قریظہ کے سامنے صورت حال پیش کر دی۔ بنی قریظہ کے نایندے لفظاً آپ کی تقریر کو سنتے رہے عزیز احتیاط کے خیال سے پھر قریظہ کے لوگوں سے پوچھ لیا کہ تم لوگ سعد کو اپنا حکم مقرر کرتے ہو۔ انھوں نے عرض کی۔ ہاں۔ ہمیں انکا حکم قبول و منظور ہے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی اسلام کی طرف سے سعد کو حکم مقرر کرتا ہوں۔ اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ جب تک کسی امر میں قرآن مجید کا حکم خاص نازل نہیں ہوتا تھا۔ اس میں احکام تورات کے مطابق حکم نافذ ہوتا تھا۔ اس بنا پر سعد نے جو کچھ فیصلہ کیا وہ بالکل حکم قریت تھا۔ اور وہ یہ تھا

کہ سعد نے تھوڑے فور و خوض کے بعد طرفین کے مقابلہ میں یہ حکم سنایا کہ یہود ان قریظہ کے جنگجو مرد قتل کر دے جائیں۔ اون کے اہل و عیال اسیر ہوں۔ اور متاع و مال غنیمت میں لے لے جائیں۔ تو راء کتاب تثنیہ۔ اصحاح ۲۰۔ آیت ۱۰ میں ہے۔

جب تو کسی شہر میں حملہ کرنے کے لئے جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے۔ اگر وہ صلح تسلیم کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں۔ تو جتنے لوگ ان ۷۰ دہون وہ سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر۔ اور جب تیرا خدا تم کو ادا کرے تو قبضہ و لادے تو قبضہ مردہوں سب کو قتل کر۔ باقی بچے۔ عورتیں۔ جانور۔ اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گے۔

جانبین کو فیصلہ حکم کے احباب تعمیل میں غدر کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ تعمیل کی گئی۔ اور چار سو یہود ان قریظہ قتل کر دے گئے۔ یہ اونکی غذا رمی اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ تھے۔ جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور لب نہ ہلا سکتے تھے۔

یہودی ایک عورت | عورتیں فیصلہ کے مطابق قتل سے مستثنیٰ تھیں۔ لیکن وہ عورت جس نے خدشہ کو پتھر گرا کر قتل کر دیا تھا۔ مقتول کے قصاص میں واجب القتل تھی۔ یہ بڑی دلیر عورت تھی۔ اپنے حکم کو مقتضائے عدالت سمجھ کر اپنے قتل سے ذرا بھی ہراساں نہیں تھی۔ شعلی صاحب حضرت عائشہ کی زبانی اسکی داستان قتل یوں لکھتے ہیں۔

ایک عورت تھی وہ اس قصاص میں ماری گئی تھی کہ اس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خدشہ) کو قتل کر دیا تھا۔ اس عورت نے جس جرأت و دلیری سے جان دی۔ سنن ابوداؤد میں حسب ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے۔ اسکو معلوم ہو چکا تھا کہ مقتولین کی فہرست میں اس کا بھی نام ہے۔ قتل گاہ میں مجرم آتے اور عدم کوروانہ ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک کا نام پکارا جا رہا تھا اور یہ ہوش برباد بار بار اس کے قانون میں آتی تھی لیکن وہ بے تکلف حضرت عائشہ سے باتیں کرتی جاتی تھی اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی۔ دفعۃً قاتل نے اسکا نام پکارا۔ وہ بے تکلف اوٹھ کھڑی ہوئی۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کہاں؟ بولی میں نے ایک مجرم کیا تھا۔ اسکی سزا اونٹن مانے جاتی ہوں۔ خوشی خوشی قتل گاہ میں آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔ سبۃ النبی ص ۳۲۲

اس فیصلہ کے عادلانہ ہونے | تمام محدثین و مورخین کا اسکی نسبت اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد کی زبانی یہ فیصلہ سن کر نسبت یہودیوں کی تصدیق | اوسید وقت یہ فرما دیا تھا کہ یہ فیصلہ آسمانی حکم کے موافق ہے۔ اس ارشاد میں اوسی حکم بطرف اشارت ہے جو اوپر لکھ دیا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت بنی۔ خود یہودیوں نے بھی اسکا اعتراف کیا ہے جو کلمات اون کے منہ سے نکلے وہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ اس حکم کو حکم خدا کے مطابق سمجھتے تھے۔ چنانچہ حی بن اخطب جسکی فتنہ انگیزیوں نے قریظہ کو یہ بڑے دن دکھائے تھے قتل گاہ میں لایا گیا تو اس کی زبان پر فیہرے جاری تھے۔

ہاں خدا کی قسم تم کو اسکا افسوس نہیں کہ میں نے تیرے ساتھ کیوں عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے۔ خدا بھی اسکو چھوڑ دیتا ہے۔

اوما والاہ ما لمت نفسی فی عداوتک ولکنک من یغذل اللہ ینخذل

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

یو خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مفاد نہ ہیں۔ یہ لکھا ہوا تھا کہ ایک سزا تھی

ایھا الناس انہ لا یاس بامر اللہ کتاب و قد سرو

ملحمت کتبہا اللہ علی بنی اسرائیل

جو خدا نے بنی اسرائیل کے لئے پہلی لکھی تھی

علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ حی بن اخطب کو قانون فطرت کے مطابق موت کے وقت بنی قریظہ کے افعال ذمہ کے ساتھ اپنی کثرت بھی تو پیش نظر تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ واقعہ بنی نصیر میں خارج البلد ہونیکے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص طور پر معاہدہ کر چکا تھا کہ آج سے وہ اسلام کی مخالفت میں کسی قوم و قبیلہ کی حمایت نہیں کریگا اس اقرار پر وہ خدا کے منام سے چکا تھا لیکن اسکے خلاف اس وقت تک جو اس نے کیا تھا۔ جنگ خندق میں قریش سے جا ملا۔ بنی قریظہ سے اسلام کا معاہدہ صلح توڑ دانا۔ اور خود بذات شریک جنگ رہنا سب اس وقت اسکی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اور حقیقت حال اس کی زبان سے کھلوا رہا تھا۔ لیکن وہ اسے عیسائیوں کی تعصبانہ بے بصیرتی اور مغویانہ کوتاہ فہمی بقولیکہ مدعی مسیحیت گواہ چست یہودیوں کو تو اپنی سزا کی نسبت کوئی عذر و کلام نہوا۔ اور وہ اسکو عدالت خداوندی کا مقتضا سمجھے۔ لیکن عیسائی تعصب و نفسانیت کی بنا پر سزا کے بنی قریظہ کو اسلام کا سخت ظلم و جوہر قرار دیکر خواہ مخواہ جھج اٹھے۔ اور اپنے مغویانہ طریقہ بیان سے اس میں اعتراض کرنے سے پہلو نکالے عیسائیوں کے قدیم اعتراضات کا تو ہزاروں بار جواب ہو چکا ہے اور آج تک دیا جاتا ہے۔ لیکن زمانہ حال کے جدید عیسائی محقق مسٹر مارگیلوس کو اسکے متعلق اعتراض میں کوئی جدت کا پہلو نہ ملا تو کہنے لگے کہ سعد بن معاذ کو جنگ خندق میں ایک یہود قرظی نے تیر مار کر زخمی کیا تھا۔ ایسا سخت حکم ہو گا کی تصاص تھا باوجود اتنی دعویٰ عربی و انی اور کتب اسلامی کی درق گردانی کے ابھی تک مسٹر مارگیلوس کو اتنا نہ معلوم ہوتا کہ سعد کا قاتل قرظی تھا یا قرشی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تصریح نام کے ساتھ تصریح قومیت بھی درج ہے وہو ابن العرقۃ القرشی وہ ابن عرقہ قرشی تھا سعد کے قاتل کا نام ابن عرقہ قرشی تھا۔

بنی قریظہ عیسائی قرنین اگر حقیقتاً انصاف پسند ہوتے تو حکم سزا کو سخت قرار دینے سے پہلے مجرمین کی فرد جرم پڑھ لیتے۔ اور انکو جرائم کی اہمیت پر غور کر لیتے تب کچھ لکھنے کی جرأت کرتے۔ شبلی صاحب نے جرمان بنی قریظہ کی جو فرد جرم بنائی ہے وہ انکے تمام ناقابل عفو جرائم کی مکمل اور مفصل فہرست ہے۔ اور حقیقتاً اس سے اچھی فہرست مرتب ہونا دشوار ہے۔ ہم اوس کی نقل کو کافی سمجھ کر حسب ذیل درج کرتے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں آکر ان کے (قریظہ کے) ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا۔ جس میں انکو پوری مذہبی آزادی دی گئی۔ اور انکی جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا۔

(۲) بنو قریظہ رتبہ میں بنو نصیر سے کم تھے۔ یعنی بنو نصیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اسکو صرف آدھا خون بہا دینا ہوتا تھا۔ بخلاف اسکے بنو قریظہ پورا خون بہا دیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی قریظہ پر یہ احسان کیا کہ انکا درجہ بنو نصیر کے برابر کر دیا (بحوالہ ابوداؤد احکام دین)

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نصیر کی جلا وطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی۔

(۴) باوجود ان باتوں کی محمد گنی کی اور جنگ خندق میں شریک ہوئے۔



۵۱ ازواج مطہرات قلعہ میں حفاظت کے لئے بھیج دی گئیں تھیں۔ اون پر جا کر حملہ کرنا چاہا۔

۵۲ احمی بن اخطب جو بغاوت کے جرم میں جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ اور جس نے تمام عرب کو براہِ گنیمتہ کے جنگِ اعراب قائم کی تھی۔ اوسکو اپنے ساتھ لائے۔ جو آتشِ جنگ کی اشتعال کا دیا پہ تھا۔ ان حالات کے ساتھ بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جاسکتا تھا۔ سیرۃ النبی ص ۳۲۱

افسوس ہے کہ عیسائی متعصبین محکمِ سز کے ساتھ جرمِ کفر کا مطالعہ نہیں کر لیتے۔ کیا یورپ میں انصاف پسندی کے یہی اصول قائم کئے گئے ہیں کہ صرف حکم کے الفاظ سے بحث کی جائے اور توجہیات حکم پر نظر نہ ڈالی جائے۔ اگر ہم انکے اسی یکوچہانہ اور محض منویانہ قول کو بنو قریظہ کے معاملہ میں اسلام نے بڑی سختی سے کام لیا۔ تھوڑی دیر کیلئے بغرضِ محال اگر مان بھی لیں تو اس کے جواب میں ہم یہیں کہیں گے۔ کہ اسلام کا یہ فیصلہ حکمِ توریت کے بالکل مطابق تھا۔ وہ یہودی تھے۔ انکی الہامی کتاب توریت تھی۔ جن جرائم کے وہ مرتکب ہوئے تھے۔ انکی سزا توریت میں ہی تھی جو ان کو دی گئی۔ اور اسی لئے جرمین نے اس میں کوئی غدر و کلام نہیں کیا۔ جیسا کہ انکے اصل قول و اعتراف سے ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں۔

اگر اس سے بھی متعصبین یورپ کی تشفی نہ ہو تو ہم انکو یاد دلاتے ہیں کہ بنو قریظہ حضرت شعیب نبی اللہ کی اولاد تھے۔ جو حضرت موسیٰ کے خسر تھے۔ اربابِ سیر و تاریخ کے مشاہدات سے ثابت ہے کہ حضرت شعیب کی اولاد عرب کے علاقہ مدین میں آباد تھی۔ اور مدین کے نام سے توریت میں تمام مذکور ہے۔ یہ امور پہلے ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ تب دیکھنا چاہئے کہ حضرت موسیٰ نے باوجود اتنی قرابت کے انکے ساتھ کیا سلوک قائم کئے۔ توریت کتابِ لاعداو۔ باب ۳۱ از آیت ۶ تا ۲۵ میں ہے۔

بنی اسرائیل نے مدین کی عورتوں پر رعون کے بچوں کو اسیر کیا۔ ان کے مویشی۔ بھیر بکری اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ اور ان کے سارے خاندان کو جن میں دس رہتے تھے۔ اور انکے تمام قلعوں کو چھوٹک دیا۔ موسیٰ ان پر غصہ ہوا۔ کہ کیا تم نے ان کی سب عورتوں کو حیا رکھا۔ انکے تمام بچوں کو جو نادان ہیں قتل کر ڈالا۔ اسی طرح ایسی ہر ایک عورت کو جو مرد کی محبت سے واقف ہو چکی ہے۔ قتل کر ڈالا۔ لیکن وہ لڑکیاں جو مردوں کی محبت سے واقف نہیں ہوئیں انکو اپنے لئے زندہ رکھو۔

محققین یورپ توریت بکھول کر دیکھ لیں کہ حضرت موسیٰ خود اپنے وقت میں بنی قریظہ کے اسلاف کے ساتھ کیا کر چکے ہیں اور ان کو انکی غدا رسی اور کفرِ کرداری کی کیا سزا دی چکے ہیں۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے حکم کو حضرت محمد صلیب اللہ کے حکم سے مقابلہ کریں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت موسیٰ کے حکم کے مقابلہ میں رحمۃ للعالمین اور اشرف المرسلین کا حکم زیادہ نرم اور ملامت تھا۔ رحمۃ عالم کے حکم میں قتل و قصاص سے عورتیں اور بچے بالکل مستثنیٰ تھے۔ حضرت موسیٰ کے حکم میں تاکید تھی کہ بیاہی عورتیں اور نادان بچے ضرور قتل کر دئے جائیں۔ کیا ان احکامِ توریت کے معاینہ کے بعد بھی عیسائی متعصبین کو اپنی منویانہ عالم فریبوں پر اصرار رہیگا۔ اگر حقیقتاً ہے گا تو یہ انکی کور چشمی اور سیر قلمی کا روشن ثبوت ہوگا۔

انجیل میں حکویم بھی لکھا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر آکر کسی کے ساتھ  
کا حکم نہیں تھا اور سبط سعد کے فیصلہ حال نے بھی حکم نہیں کیا تھا۔ لیکن تاہم اس خلق مجسم اور  
رحمت مالم روحی فدائے اپنے خلق عظیم کے لیے یہودی کی معاد کے اہل و عیال کی جان بخشی کا حکم دیا۔ اور رفاعہ بن ثمویل  
کو اپنی مرحمت خاص سے رہا فرما دیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ

ریحانہ کو بعض مورخین بنی نضیر کی عورت بتاتے ہیں اور بعض قرنی تحقیق یہ ہے کہ یہ بنی نضیر کے قبیلہ یہود سے تھی  
غلام واقعہ اور بنی قریظہ میں ایک شخص یہود حکیم قرنی نامی سے یہاں تھی۔ اس کا شوہر قتل کر دیا گیا تھا۔ یہ اسیر ہو کر لشکر اسلام میں  
آئی۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے عقد کر لیا۔ زرقانی بن اسکی پوری کیفیت ان الفاظ میں درج

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریحانہ کے ساتھ اس کے اسلام لانے کے بعد نکاح  
کر لیا۔ اور بارہ اونہ (بھاندی) ہوس کے مہر میں وہاں درم مسمیٰ ہری بن شرف بن  
سے اس کے شرف فرمایا اور سلمیٰ بنت قیس نجاریہ انصاریہ کے گھر میں اس کو پروردہ کے  
ساتھ رکھا۔ ریحانہ کو پروردہ بن رہنے سے بڑی غیرت تھی۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی  
آواز دی اور یہ بھی اپنی ناگوار خاطر ہوئی آپ نے اس کو طلاق بھی دیدی۔ طلاق پھر ریحانہ  
نے رفاذ ہوا شروع کر دیا۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی گریہ و زاری پر رحم کر کے  
چلا سکنہ حیات میں لے لیا پھر اس وقت سے ریحانہ ہر آپ کی خدمت میں حاضر  
رہیں۔ یہاں تک کہ اس نے ہجری میں ہجرت الوداع سے جب آپ واپس آئے تو ریحانہ

فاتر و جہا بعد ان اسلمت اصدا تھا اثنتی عشرة  
او قیہ و اعرین جہا فی المحرم سنہ ست فی بیت  
سلمی بنت قیس التجاسریۃ وضرب علیہا الحجاب  
فما جرت علیہ خیرۃ شدیدۃ فطلقہا تطلیقۃ  
فشق علیہا و اکثرت البکا و فواجعہا و لم تنزل  
عندہ حجة ماتت راجعة من حجة الوداع  
سنہ عشر و دفنہا بالبقیع ذکرہ الواقدی  
وابن سعد و غیرہما جلد دوم ص ۱۵۰

نے انتقال کیا۔ اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔ اس واقعہ کو آقادی اور ابن سعد وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

نذر قانی نے مورخین و محدثین کی اس روایت کو بھی لکھا ہے۔ جس میں ریحانہ پر بقاعدہ سبایا انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متصرف  
نہا لکھا ہے اور عیسائی معترفین کا یہی آراء اعتراض ہے بشبلی صاحب اسکی نسبت ایک زبان دراز عیسائی کے حسب ذیل الفاظ  
اعتراض نقل کر کے یوں تنقید فرماتے ہیں۔

بانی اسلام جب سات سو قتلین کی لاشوں کے تپنے کا تماشا دیکھ چکا۔ تو گھر پر آکر تفریح طبع کے لئے..... لیکن حقیقت  
یہ ہے کہ سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہے۔ ریحانہ کی حرم میں داخل ہونے کی جگہ ردائین بن سبب واقادی اور ابن اسحاق سے ماخوذ ہیں  
لیکن واقادی نے تصریح بیان کیا ہے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا۔ ابن سعد نے واقادی سے جو روایت  
نقل کی ہے اس میں خود ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں

فا عتقنی و تمنی ج لی

عجب کو آکر دیکھ کر دیا اور پھر مجھ سے بیاہ کر لیا  
ما فظ ابن حجر نے اصحاب میں محمد بن الحسن کی تاریخ مدینہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

وكانت ریحانة القزلية زوج النبي صلى الله عليه وسلم تسكنه  
ریحانہ قزلیہ زوجہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں اس مکان میں تھیں

حافظ ابن مندہ۔ جنکی کتاب طبقات الصحابة تمام محدثین مابعد کا ماخذ ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔

واسنوی ریحانة من بنی قریظة ثم اعتقها  
فلحقها باهلها واحتجبت عن عداهلها  
ریحانہ کو گرفتار کیا۔ پھر آزاد کر دیا تو وہ اپنے خاندان میں چلی گئیں پھر  
وہیں پردہ نشین ہو کر رہیں۔

حافظ ابن حجر اس۔ روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

وهذه فائدة جلیلة اغفلها ابن الاثير  
یہ بڑی مفید تحقیق ہے جس سے ابن اثیر نے غفلت کی ہے۔

حافظ ابن مندہ کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو آزاد کر دیا تھا۔ اور وہ اپنے گھر میں  
جا کر بیویوں کی طرح ہر پردہ نشین ہو کر رہیں۔ ہمارے نزدیک محقق واقعہ یہی ہے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ حرم نبوی میں آئیں  
تب بھی قطعاً وہ منکوحات میں داخل تھیں کہ نہ تھیں۔ سیرۃ النبی ص ۲۲۲

ہم کو شبلی صاحب کی مرقومہ بالانتقید سے۔ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ پورا اتفاق ہے۔ ریحانہ کی زوجیت کے متعلق جو مختار قائم کیا  
گیا ہے وہی ہمارا بھی مختار ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ریحانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکوحات میں تھیں نہ منکوحات میں لیکن حافظ ابن  
مندہ کی روایت سے جس میں یہ تصریح ہے کہ ریحانہ گرفتار کر کے آزاد کر دی گئیں اور وہ اپنے خاندان میں آئیں جا کر پردہ نشین ہو کر بیٹھیں  
محبکوا اتفاق نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس سے زوجیت کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ بہم طریقیہ سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ غایت شفقت سے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کر دیا اور وہ گھر چلی گئیں۔ یہ روایت آپ کی پہلی روایتوں کے صحیح معارض بھی واقع ہوتی ہے جبکہ آپ  
طبقات ابن سعد اور ابن حجر کے اصحاب سے اسناد تاریخ مدینہ محمد بن الحسن لکھ کر ریحانہ کا زوجہ ہونا بیان کر چکے ہیں۔

مشکل یہ ہے کہ ابن حجر کی عبارت سے حافظ ابن مندہ کی صرف روایت نقل کر دی ہے اس کے رواد کی کوئی تفصیل نہیں  
آئی۔ جس سے معلوم ہوتا کہ اصول حدیث کے مطابق یہ روایت کیسی ہے۔ ریحانہ کا اسیر ہو کر آزاد کر دیا جانا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
کے محاسن اشفاق اور مکارم اخلاق سے مستبعد نہیں۔ لیکن ریحانہ کا گھر جا کر اللہ ہمیشہ پردہ میں بیٹھ کر اپنی عزائم کو بنا خلاف واقع معلوم  
ہوتا ہے اسلئے کہ رسم حجاب کا یہودی کی معاشرت میں داخل ہونا کہیں سے ثابت نہیں اس بنا پر جو روایت کہ زرقانی سے ادھر لکھی گئی  
ہے اس میں بکمال تصریح بیان ہے کہ پردہ میں نہ رہنے کی وجہ سے ایک بار ریحانہ کو طلاق رجمی دی گئی تھی۔ لیکن طلاق کے  
بعد انھوں نے بڑی آہ و فریاد کی تو پھر زوجیت میں لے لی گئیں اس بنا پر محض آزادی کے بعد خلاف فطرت و معاشرت انکا  
پردہ میں رہنا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ زوجیت سے واسطہ بھی نہیں ہوا۔ کس قدر بغور اور بے اصل ہے۔

اس لئے شبلی صاحب نے ریحانہ کے آزاد کر دئے جانے اور گھر جا کر پردہ میں بیٹھ رہنے کی جو روایتیں لکھی ہیں وہ  
اول تو بہم ہیں۔ اصل ماخذ کے مختصر اقتباسات ہیں۔ دوسرے یہ کہ باوجود استعارض ہیں۔ اسلئے قابل احتجاج نہیں۔ زرقانی

کی وہ روایت جس پر ہم نے اپنا مختار قائم کیا ہے۔ وہ بالکل واضح ہے اور مفصل۔ ربیعانہ سے بقاعدہ خریہ بعد مسلم ہونیکے عقد فرمایا گیا۔ مرد یا گیا۔ ازواج مطہرات کی طرح پردہ میں رہنے کی تاکید کی گئی۔ چونکہ حجاب انکی معاشرت کے خلاف تھا۔ انھیں پسند نہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی ناپسندیدگی ناگوار گزری۔ اس لئے طلاق رجعی دی گئی۔ پھر انھوں نے باسحاح تمام عقدیت کی۔ معاف کی گئیں اور زوجیت میں لے لی گئیں۔ اور اوس دن سے موت کے دن تک سائر ازواج مطہرات کی طرح خدمت میں حاضر رہیں حجۃ الوداع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے۔ تو ربیعانہ نے انتقال کیا اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔

زرقانی نے بھی تاریخوں کی غیر متقید روایتوں کا ذکر کر کے لکھ دیا ہے۔

|                                       |  |
|---------------------------------------|--|
| قال الواقدي بعد ان اخرج من عدة طرق    | واقدي نے اس روایت کو متعدد طریقوں سے بیان کر کے لکھا ہے کہ   |
| انه تزوجها وضرب عليها الحجاب هذا اثبت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ربیعانہ سے عقد کر لیا تھا۔ اور اوسکو پردہ میں دکھایا تھا۔ اور یہی روایت صاحبان علم کے نزدیک ثابت ترین روایت ہے |
| عند اهل العلم واقصر عليه ابن الاثير   | لیکن ابن اثیر نے اسے غلط سمجھا اور تفسیر کی۔   |
| مردم جلد دوم                          |  |

شعیل صاحب نے بھی اسکو تسلیم کیا ہے۔ مگر درجہ دوم میں رکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

اور اگر یہی مان لیا جائے کہ وہ حرم نبوی میں آئیں تب بھی وہ قطعاً منکوحات میں تھیں کسی نہ تھیں۔

حقیقت وہی تھی جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ ربیعانہ مشکوکے رسالت میں داخل ہوئیں اور علامہ زرقانی کے مطابق بائیں برس کے بعد شہر ہجری میں قضاے الہی کو لبیک کہہ کر انتقال نسرا گئیں اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

ایسے صاف اور واضح مشاہدات تاریخی سے بھی اگر عیسائی متعصبین کا اطمینان نہ ہو۔ تو بغرض محال ربیعانہ کی کنیزی کے غلط واقعہ کو تسلیم کر کے ہم دکھلائیں گے کہ حضرت موسیٰ نے باوجود وحوشے قرابت کے زنانہ خاندان حضرت شعیب سے جو سلوک کیا اس سے کہیں زیادہ غیر اسلام کے سلوک مترجمانہ اور عادلانہ تھے حضرت موسیٰ نے اپنے وقت میں غلبہ پاکر انکی شوہر وایوں کو بالکل قتل کواڑ ڈالا۔ اور کنواری لڑکیوں کو فوج کے معمولی سپاہیوں کی گرم آغوشیوں کے لئے وقف کر دیا۔ یہاں تک سے کیا کیا گیا، بلا اختیار شوہر وایوں غیر شوہر دانا کی تمام عورتیں قتل و خون سے محفوظ رکھی گئیں اور آئین جنگ کے موافق مقتیدہ کر لی گئیں۔ انہیں سے ایک عقیقہ کو جو بیوہ ہو گئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجیت کا شرف عنایت فرمایا۔ تو اب اس مقابل و توازن باہمانہ کو غور سے دیکھ کر عدالت پسند اور منصف مزاج حضرات کہہ دیں کہ دو نو طریقہ اسے سلوک میں کون سا طریقہ ہر سلوک کی۔ بیدردی پر مبنی ثابت ہوتا ہے۔ اور کونسا حسن سلوک اور ہمدردی کے ثبوت دیتا ہے نہیں معلوم عیسائی متعصبین کیسے فیرت واپس ہیں۔ جو اپنی کتب الہامیہ میں ایسے جاہلانہ طریقہ سلوک کو گود میں دبا کر اسلام کے ایسے ہمدردانہ محاسن سلوک سے آنکھیں ملاتے ہیں۔

حضرت زینبؓ اسلام اور عیسائیت کا یہی ایک بہت بڑا اور قدیم معرکہ الکرار مسند ہے۔ جس پر ایک دوسرے بشمار بار عیسائی



کی طرف سے اعتراض ہو چکا۔ اور ہر بار اسلام کی طرف سے وژان شکن اور سکوت جواب دیا جاتا رہا۔ لیکن معصین پر وہ پابجی وہی راگ گائے جارہے تھیں۔

یہ مسلم ہے کہ اسلام تمام شریعتوں کا متمم اور صحیح بنکر نازل ہوا تھا۔ اس لئے کہ آخر شریعت تھی اور اس کے بعد ابواب رسالت بند ہوئے۔ اس لئے یہ بھی مسلم ہے کہ ادیان گذشتہ کے ایسا۔ اسلام کی تعلیم دینیات اور اسکی تبلیغ اکیات ہی ایک محدود نہیں تھی۔ بلکہ وہ دین کا علم بھی تھا اور دنیا کا حاکم بھی۔ ملک کا معادن بھی تھا اور قوم کا مصلح و خشن بھی تھا۔ جہاں مہر اسم اور آئین کی تبلیغی اسکا فرض اولین تھا۔ طبقات قومی و ذاتی مغاشرت کو اوٹھا کر اصول مساوات کا قیام کرنا اسکے واجبات ضروریہ بن داخل تھا۔

عرب جہالت میں اسوقت ذاتی مغاشرت باہمانہ کا قدیم دستور بڑے زور و زور سے جاری تھا اور اس کثرت وقوت سے کہ ایک شخص دوسرے کو شکل سے اپنے برابر سمجھنے پر راضی ہو سکتا تھا۔ آپس کی مساویانہ ہم نشینی اور مین مین کے معاملات میں اسی مغاشرت کی بنا پر مختلف اقوام و قبائل میں مشابرت شروع ہو کر تسون کی تسلیں برادر دہتی نہیں۔ محمد مان ملک تو ان مشابرت میں مبتلا تھے۔ طبقہ خادمان و غلامان کی کیا حالت ہوگی۔ اسی سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسلام اس دین کی نعمت ہمارا دلا یا تھا۔ جسکے اقرار و اختیار کے بعد خادوم و محمد دم اور حاکم محکوم اور مالک مملوک سب برابر تھے۔ اور ایک صف و قطار میں بلا امتیاز و اختصا ص کھڑے ہوتے تھے۔ اور ایک دوسرے کے پیلو میں زانو توڑ کر بیٹھتے تھے۔ جب خلایک عبادت میں اسلام نے باہمانہ مساوت کی یہ سورت قائم کی ہو۔ تب قومی اور دیگر ضروریات میں وہ مساوات و یکجہتی کی ایسی ہی شان نہ کھلانے تو اس کے آئین انصاف اور اصول اخلاق دونوں کے خلاف ہوگا۔

جناب زینب کے ساتھ نکاح کا واقعہ پہلے تو اسی تعلیم و تبلیغ اسلامی کا آئینہ ہے۔ پھر اس کے موجودہ واقعہ نکاح سے ایک دوسرے دستور قومی کی بھی اصلاح مقصود تھی اور وہ یہ تھی کہ عرب میں اسوقت تک منبتی کی جاہلانہ رسم بڑی شدت سے جاری تھی۔ باپ کا پروردہ لڑکا۔ سلیبی لڑکے کا حکم رکھتا تھا۔ نسب۔ توریث۔ حقوق دینی اور معاملات دنیاوی میں شراکت۔ غرض کسی امر میں منبتی اور سلیبی نسرد زندین کوئی تفریق و تمیز باقی نہیں تھی۔ اور یہ قانون فطرت کے اعتبار سے سلیبی نسرد زند کی بڑی حق تلفی کا باعث تھی۔ اور قاعدہ وراثت کے لحاظ سے اگر سلیبی اولاد نہ ہو۔ تو دوسرے قریبی عزیز اقارب کے حقوق کی بھی صریح پامالی تھی۔ حضرت زینب کے اس ایک واقعہ سے ان دونوں جاہلانہ اور جاہلانہ دستور و مراسم کی تسخیر منظور تھی۔

یہ واقعہ اگر عقل سلیم نظر انصاف اور غرض منشی سے دیکھا جاوے تو ایک جاہل و قبیح و غراب رسموں کی اصلاح خاص پر مشتمل تھا۔ اس بنا پر اسکو موجودہ تہذیب و روشنی کے زمانہ میں لائق تعریف ہونا چاہتا تھا نہ قبیح و تشنیع و تحریف۔ لیکن اسکو کیا کیا جاوے گا کہ تعصب اور فضا فیت و اس کے دونوں آنکھیں دکھ کر بھی۔ ہر امر کو ایک ہی آنکھ سے

دیکھتے ہیں۔ چشم بد بین کا خاصہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہر امر کے سمت بد پر پڑتی ہے اور محاسن کی طرف منشا ہدے سے ہمیشہ خیرگی کرتی ہے گویا دیکھ ہی نہیں سکتی اگر اس واقعہ میں اس کے محاسن و افادات پر تھوڑی دیر کے لئے نگاہ کی جائے تو تحسین و آفرین کے سوا اعتراض کی آواز نہیں نکالی جاسکتی۔ لیکن چونکہ طبیعت کی بدی اسی کی عادی ہو گئی ہو اس لئے گور سواد سی اور سی قلبی سے برابر کام لیا جاتا ہے اور حقیقت کی روشنی کی طرف آنکھ اوٹھانی نہیں جاتی۔ اسلام نے عرب میں چشم رگت کھولی تو غلاموں کے ساتھ ظلم و جور کا خون منظر پیش نظر تھا۔ جو ہرگز نہ رعایا قدرت ربانی تھا اور نہ مقتضائے فطرت انسانی معلم اسلام علیہ السلام اپنے طریقہ عمل سے اسکی اصلاح ضروری تھی اور آپ کا فرض منصبی تھا کہ اپنے محاسن اخلاق اور کارم اشفاق سے ملک و قوم کو مالک و مملوک کے فیما بین اصول مساوات قائم رکھ کر اپنے اسوۂ حسنہ کی تعلیم دے۔

حضرت زید | زید ابن حارثہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں آئے آپ کی خدمت میں تربیت  
این حارثہ | پاکر جوان ہوئے ابتدا ہی سے انکے ساتھ ایسے مربیانہ اور مساویانہ محاسن اشفاق قائم کئے گئے  
کہ تمام قریش اپنے دستور جہالت کے موافق زید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹا سمجھنے لگے۔ اولاد و ذکر کے نہ باقی رہی کی وجہ  
سے اسکا یہ قیاس بطور ظاہر صحیح بھی معلوم ہونے لگا تھا۔ حالانکہ اس میں جتنی اہمیت اور حقیقت تھی اسکو خدا اور خدا کا  
رسول خوب جانتا تھا۔ اس عام خیال نے آئندہ اس سے بھی زیادہ اور قوت پکڑ لی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
نے زینب بنت ایمنہ بنت حضرت عبد المطلب۔ اپنی خاص بھوپھیری بن کا نکاح زید ابن حارثہ سے کر دیا۔  
حضرت زینب نے پہلے اسی نقص غلامی کے لحاظ سے انکار کیا۔

مکات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اراد ان تزوج جہا زید بن | آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکا نکاح اپنے غلام زید بن حارثہ  
حارثہ مولاہم فکر هت ذلک فتح الباری شرح صحیح | کے ساتھ کر دینا چاہا تو اونہوں نے ناپسند کیا فتح الباری شرح  
بخاری بسناؤ زید بن ارقم | صحیح بخاری۔

لیکن چونکہ زینب بنت ایمنہ بھی آپ ہی کی دامن تربیت میں پلی بھین اور شرف باسلام ہو چکی تھیں اسلئے  
جب آپ نے ان کو اسلام میں ملکیت کی شان اعزاز و اکرام بتلائی تو یہ راضی ہو گئیں اور زید سے نکاح ہو گیا  
لیکن غلامی کا داغ ایسا نہیں تھا جو اسلام کی فوری شست و شو سے دھل جاتا۔ اس بنا پر نکاح ہو جانے کے  
بعد بھی حضرت زینب کے دل میں اسکی خلش باقی رہی جس نے زن و شو کے باہمانہ تعلقات میں ناگوار صورت  
اختیار کی۔ تقریباً بیس سال بھر سے زیادہ اطلاق قائم نہ رہ سکا۔ زید برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں  
زینب کی تندرستی اور ترقی و ترقی کی شکایت کرتے تھے اور آپ برابر اونہیں سمجھا کر راضی کر دیتے تھے۔ لیکن زینب کے  
مرلج کی بڑی کبھی کم نہیں ہوتی تھی۔ ایک بار آپس میں ایسی بگڑی کہ زید اون کے طلاق دینی پر پورے طیار ہو کر آنحضرت

صلعم کی خدمت میں اطلاع: اجازت کی غرض خاص سے حاضر ہوئے۔ ساری روئداد عرض کی۔ اور کہا کہ اب مجھے صبر و تحمل کی طاقت نہیں۔ فتح الباری میں ہے۔

جاء زید بن حارثہ فقال یا رسول اللہ صلعم  
ان زینب اشتد علیّ لساھفا وانا ایدان  
اطلقھا

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی بارسہؓ اور انکو سمجھا بجا کر طلاق دینے سے باز رکھا۔ قرآن مجید ان الفاظ میں اسکی تصدیق کرتا ہے۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ أَمْسِكْ  
عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ (احزاب)

جانبین سے مایم صفائی قلوب نہ ہوئی۔ اور باخود ہاکی معاشرت روزانہ مشاجرت کی صورت پکڑتی گئی تو بالآخر زید بن حارثہ نے زینب بنت امیمہ کو طلاق دیدی اور وہ زید کے عقد نکاح سے ٹکڑا آزاد ہو گئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت نکاح میں زینب کو شوہر کی اطاعت کرنے اور راضی رکھنے کیلئے جیسی تاکید فرماتے تھے۔ ویسے ہی اب انکے آزاد ہو جانے پر ادنیٰ و بڑی تمکین اور تفقہ احوال کی طرف متوجہ ہوئے اور بالکل فی الواقع اور صحیح ہے کہ مدینہ میں۔ زینب کا اوس وقت خبر گیران اور تفقہ احوال کرنے والا سوائے ذات اقدس کے اور کون تھا۔ اس بنا پر آپ نے زینب کو اپنے جہالہ نکاح میں لے لینا چاہا لیکن زید کی تبیت کے خیال موہومہ کی وجہ سے جہال کی طعن و تشنیع کا اندیشہ تھا اور اسی وجہ سے آپ نے چندے تامل فرمایا۔

چونکہ تبیت ہی کی کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں تھی اور جہالت کی وجہ سے آمین جو کچھ اہمیت پیدا ہو گئی تھی اوسکا محو و مستاصل کر دینا منظور تھا۔ اس بنا پر فرمان ربانی ان الفاظ قرآنی میں نازل ہوا۔

وَنُفِخَ فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِي دِيكَ يَخْشَى النَّاسَ  
وَاللَّهُ أَكْبَرُ أَنْ يَخْشَاهُ

اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جو خدا ظاہر کر دینے والا ہے۔ اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے۔

افسوس ہے نبی صاحب کی اختصار پسندی اقتباسات قرآنی میں بھی ابہام پیدا کرتی ہے مکتوبہ نبی کے قدیم اصول مطابق اسکی نقل و استنباط میں بھی صرف مبتدائے تعلق رکھا گیا ہے اور خبر سے واسطہ نہیں جو اصلی مدعاے بحث تھا یعنی مسئلہ تبیت کی عدم اصلیت جو اسی آیہ کے آخری فقرات میں میری دانستہ میں آپ کے موجودہ مختصرات سے نہ معتقدین امت کا اطمینان ہو سکتا ہے نہ معتبرین عیسائیت کی تشفی۔ اس لئے ہم اس پر ردی آیہ الہیہ کو ذیل میں نقل کئے دیتے ہیں جسکے مطالب و مقاصد سے حقیقت حال کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے۔

مَا ذُو قَوْلٍ لِّذِي النُّعْمِ اَللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ  
 اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَخُفْيُ فِي  
 فَيْكِ مَا لَلّٰهُ مُبْدِيًا وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ  
 مَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا  
 لِيْ لَا يَكُوْنُ عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِیْ اَنْعَاجِ  
 اَدْعِيَائِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ  
 مَفْعُوْلًا مَا كَانَ عَلٰی النَّبِيِّ حَرَجٌ فِیْ مَا قَرَضَ اللّٰهُ  
 لَكَ شَيْئًا اَللّٰهُ فِی الدِّیْنِ خَلُوْا مِنْ قَبْلِ وَكَانَ  
 اَمْرُ اللّٰهِ قَدْ رَاسَخًا وَرَادِ الدِّیْنِ یُیْلَعُوْنَ رِیْسَلِ  
 اللّٰهِ وَتَخْشَوْنَہُ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ  
 وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ  
 رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ خَاتِمَ النَّبِیِّیْنَ وَكَانَ اللّٰهُ  
 یُکَلِّ شَیْءًا عَلَیْہَا

اور اسے پیغمبر اوس بات کو یاد کرو) جب تم اوس شخص کو سمجھاتے تھے (یعنی  
 زید بن حارثہ کو) جس پر اللہ نے (اپنا) احسان کیا کہ اوس کو اسلام کی  
 توفیق دی اور تم بھی اوس پر احسان کرتے رہے کہ اپنی بی بی (زینب کے  
 اپنی زوجیت میں رہتے رہے اور اللہ سے ڈرو۔ (اور اوس کو چھوڑ نہیں  
 اور تم اوس بات کو اپنے دل میں چھپاتے تھے (میکو آخر کار) اللہ ظاہر  
 کر دیا (لا تھا۔ اور تم اس (معاذین) لوگوں سے ڈرتے تھے۔ اور خدا اس  
 زیادہ حقدار ہے کہ تم اوس سے ڈرو اور پھر جب زید اوس عورت سے تعلق  
 کر چکا (یعنی طلاق دی اور مدت عدت تمام ہو چکی) تو ہم نے تمہارے ساتھ  
 اوس (عورت) کا نکاح کر دیا تاکہ (عام) مسلمانوں کے سے بالک جب  
 اپنی بی بیوں سے بے تعلق ہو جائیں تو مسلمانوں کے لئے ان عورتوں کے  
 نکاح کر لینے میں کسی طرح کی (تنگی نہ رہے اور خدا کا حکم تو ہمیں کر رہا  
 اٹھنے پر غبر کے لئے جو بات تمہاری ہو اوس (کے کرنے) میں بغیر کے  
 لئے کچھ مضائقہ کی بات نہیں جو بغیر پہلے ہو چکے ہیں۔ اوس میں بھی

عادت آئی جاری ہوتی رہی۔ ہے (کہ اوس پر خدا نے نکاح کے بارے میں تنگی نہیں کی) اور خدا کے جتنے کام ہیں (ہر ایک امر) تقدیری (سچ) اور  
 سے ٹھہرے ہوئے ہیں وہ اگلے پیغمبر (اس صفت کے تھے کہ) خدا کے پیغام (لوگوں کو) پہنچاتے تھے۔ اور خون خدا کرتے تھے۔ اور خدا کے سوا  
 کسی سے نہیں ڈرتے تھے (تو اے پیغمبر تم کیوں ڈرو) اور حساب (اعمال) کے لئے اللہ ہی بس ہے وہ سب سمجھ لے گا۔ لوگو! محمد تمہارے  
 مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (تو زید کے کیوں ہوں؟) وہ تو اللہ کے رسول ہیں (اور خطوں کی مگر کی طرح سب) پیغمبروں کے  
 آخرین اور اللہ تمام پیغمبروں کے (جال) سے واقف ہے۔ ترجمہ شمس العلماء حافظہ نذیر احمد ص ۶۷۶

اس آیت قرآنی میں اس واقعہ کی پوری تفصیل موجود ہے تبیت کی۔ بے حقیقتی۔ زینب زید کی سوسہ مراحہ زید  
 کی شکایت پر برابر آپ کی طرف سے اونکی تشفی وہ لچوئی۔ زید کے طلاق دینے اور زینب کے آزاد ہو جانے کے بعد خدا کے  
 حکم سے ان کے ساتھ آپ کا نکاح کر لینا۔ تبیث کا اسلام میں لاشہ ہونا۔ اور تبیث کی عورت کا آزاد ہو جانے کے بعد  
 تمام عورتوں کی طرح ہر مسلمان کے ساتھ جائز نکاح ہونا۔ واضح طور پر بیان فرما دیا گیا ہے  
 معترضین اگر دیدہ بینا رکھتے ہیں تو وہ اس آیت سے حقیقت حال پورے طور پر معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن تعصب  
 اور نفسانیت کی گھٹا لوپ میں حقیقت کی روشنی کا معلوم ہونا معلوم۔ ہر مذہب اپنے اصول کا پابند ہے۔ اور اسلام بھی  
 یہ تمام دنیا کا کلیہ مسلمہ ہے۔ اور اسلام کا بھی۔ اس بنا پر جو واقعات اسلامی کلام الہیہ و احادیث صحیحہ کے مطابق ہیں وہ اہل اسلام



کیسے قابل تسلیم ہیں اور لائق اعتبار اور جو نہیں ہیں وہ سامانوں کے مقابلہ میں نہ قابل احتجاج میں نہ لائق اعتبار۔ اس لئے وہ مرویات اسلامی جو معارض کلام الہی اور مخالف نشان و بیان رسالت پناہی میں وہ کسی طریق سے سامانوں کے لئے ثابت نہیں ہو سکتے۔

یہی حالت طبری کی اس روایت کی ہے جو عیسائی مفسرین کی سرمایہ تار ہے جسکی تنقید کے لئے شبلی صائب کی یہ عبارت کافی ہے۔

یاریخ طبری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید سے ملنے کے لئے اون کے گھر گئے۔ زید نہ تھے۔ زینب کبریٰؓ بہن یہی تھیں۔ اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونکو دیکھ لیا اور یہ الفاظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔

پاک ہے خداے برتر۔ پاک ہے وہ خدا جو دونوں کو پھیر دیتا ہے۔

سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ مصرف القلوب

زید کو یہ حالات معلوم ہوئے تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ اگر زینب آپ کو پسند آئی ہوں تو میں ان کو طلاق دیدیں۔

میں نے یہ یہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کر کے نقل کی ہے۔ نقل کفر کفر نباشد۔ یہی روایت ہے جو عیسائیوں کی مایہ استناد ہے لیکن ان غریبوں کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ اصول فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے مورخ طبری نے واقعہ سے نقل کی ہے۔ جو مشہور کذاب اور دروغ گو ہے اور جس کا مقصد اس قسم کی یہودہ روایتوں سے صرف یہ تھا کہ عیسائیوں کی عیش پرستی کے لئے سنہ ہاتھ آئے۔ طبری کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اس قسم کی یہودہ روایتیں نقل کی ہیں لیکن محدثین نے انکو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ ان سے تعرض کیا جائے۔ حافظ ابن حجر سخت روایت پرست ہیں تاہم فتح الباری سورۃ احزاب کی تفسیر میں ان اس واقعہ کی بحث کی ہے لکن وہیں دودت انار آخری اخوجہ ابن ابی حاتم و طبری ونقلوا اکثر من افسسہم لا یبغی لتشاغل منها حافظ ابن کثیر جو مشہور محدثین میں ہیں۔ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ذکر ابن حاتم و ابن جریر ہذا انار عن بعض السلف رضی اللہ عنہما جبنا ان نصر بن عہد صفی لعدم صحیحہا فلا نوردها وقد روی الامام احمد ہذا ایضا من روایت حماد بن زید عن ثابت عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیہ غیر اندہ توکنا مایاۃ ایضا ابن حاتم و ابن جریر نے بعض اسلاف سے روایتیں نقل کی ہیں جن کو ہم نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں کہ وہ خطا ہیں اور امام احمد نے جو روایت باسناد حماد بن زید ثابت کی زبانی انس سے منقول ہے۔ ایک روایت نقل کی ہے جو غریب ہے۔ ہم نے اسکا بھی ذکر چھوڑ دیا ہے کیونکہ وہ بھی غریب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک منافقوں کا بڑا زور تھا حضرت عائشہ کی اہمیت میں خود چند مسلمان بھی آلودہ ہو گئے تھے جنکو غلویت کے مطابق عزائم گذت دی گئی۔ یہی وہ روایتیں ہیں جو کچی گچی غیر محتاط کتابوں میں باقی رہ گئیں۔ لیکن وہ محدثین جیسا کہ تحقیق بلذہب اور علامت روایت کے مالکان مجاز ہیں مثلاً امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ ان کے ہاں ایسی روایتوں کا ذکر تک نہیں آتا۔ سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۳۲۷

اسلام کے ساتھ حبشیوں کی عیب جوئی اور غلط گوئی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مبلغین شریعت ہمیشہ ہدف ملامت بننے چلے آئے ہیں۔ مخالفین اپنی فطرتی کج فہمی سے ان کے محاسن کو بھی بدنام صورتوں میں دکھلاتے آئے ہیں۔ جناب زینب کا واقعہ بھی اسی کی مثال ہے۔ اس واقعہ میں منشا سے قدرت مدعا سے رسالت اور مقتضائے عدالت تو وہی تھا۔ جو بالتفصیل اوپر بیان ہو چکا ہے۔ معترضین کہ اس کے اصلی مدعا سے تو کوئی غرض ہی نہیں ہے۔ اور نہ اس کے محاسن سے کوئی واسطہ۔ ان جاہل مشرکین اور مقصد منافقین کے ہمزبان بنکر اس پر وہی اعتراض کرتے ہیں جو مشرکین مکہ اور منافقین مدینہ ان سے ہزار برس پہلے کرتے آئے ہیں۔ انکی ان تعریضات میں سوائے نفسانیت کے نہ کوئی اصلیت ہے اور نہ حقیقت جیسا کہ تفصیل سے اوپر لکھ دیا گیا ہے۔

واقعات متفرقہ (۱) عورتوں کو پردے میں رکھنے کا اسی سال حکم ہوا۔

(۲) عورتوں کو نقاب پوش ہو کر باہر نکلنے کی اجازت ملی۔

(۳) سہائت کی رسم تنہیت کی کامل تفسیح فرمائی گئی۔

(۴) متبنی لڑکے کی منکوحہ سے۔ اس کے آزاد ہو جانے اور مدت عدت پوری ہو جانیکے بعد۔ نکاح کرنے کی اجازت عام گئی۔

۱۷ اس میں کوئی کلام نہیں کہ طبری کی یہ روایت سراپا غلط ہے اور صریح معارض کلام احادیث اور حفاظ شان رسالت۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ متقدمین و متاخرین حبشی متعصبین کے تمام اعتراضات کا مرکز بھی یہی ہے لیکن شبلی صاحب نے اپنی تنقید کی مذکورہ بالا عبارت میں اپنی قدیم عادت کے مطابق طبری ہی کو ہدف اعتراض اور سبب فساد بتلایا ہے۔ حالانکہ آپ ہی کی آیندہ الفاظ و عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس غلط کاری کی ابتدا بھی محدثین و مفسرین ہی سے قائم ہوئی ہے اور تفسیر ابن ابی حاتم رازی سے لیکر امام احمد بن حنبل کے نزدیک کے ایسے معتبر و مستند مؤلفان موضوعات و مکذوبات سے بہرے چڑے ہیں۔ تب آپ کا یہ لکھنا کہ یہی روایتیں جو کچی گچی غیر محتاط کتابوں میں باقی رہ گئی ہیں۔ ”کیسے قابل تسلیم ہو سکتا ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل میں یہ روایات موجود ہیں تو آپ کے نزدیک مسند امام احمد بن حنبل بھی غیر محتاط کتابوں میں داخل ہو گئی۔ تو صحیح بخاری کی صحت کب قابل اعتبار رہ سکتی ہے جب اس کے شیخ الشیوخ امام احمد بن حنبل صاحب خود غیر محتاط ثابت ہوئے ہیں اس بنا پر ان سے سخرجات جو بخاری و مسلم۔ مالکان مجاز نے اپنی کتابوں میں داخل کئے ہیں۔ کب قابل استیلاج و اعتبار ہو سکتے ہیں۔

بہر حال نہ ہم کو امام احمد بن حنبل کی ناپید منظور ہے اور نہ بخاری و مسلم آپ کے مالکان مجاز کی تعقید و تردید۔ ہم کو تو صرف اس جانب لڑنے پر بیان کی شان حقیقت کا انکشاف کر کے یہ دکھلادینا مقصود تھا کہ یہ غلط روایت اکیسے طبری ہی نے نہیں لکھی ہے۔ بلکہ قریب قریب تمام محدثین و مفسرین کی تالیفات میں منقول ہے۔ اس لئے تنہا طبری کو اسکی نقل و استنباط کے لئے ملزم نہ کرنا مولفانہ دیانت اور محققانہ عدالت سے بعید ہے۔

المولف الاحقر

سید اولاد حیدر غفرلہ

(۵) پرانی عورت پر غلط تہمت لگانے کے لئے حد قذف کا حکم ہوا۔  
 (۶) زن و شو کے درمیان لعان کے طریقہ مفارقت کا بھی اسی سال حکم دیا گیا۔ لعان قسم صلی کو کہتے ہیں۔ جانبین کے بیان پر جب شاہد صادق موجود نہ ہوں تو جانبین اپنے اپنے دعوے کی صداقت کی نسبت قسم شرعی کھاتین اور اس کے بعد دونوں میں تفرقہ کر دیا جائے۔

(۷) دستور جہالت کے مطابق عرب میں ظہار بھی ایک قسم کی طلاق تھی۔ اسلام کی شان انصاف اور مقدار عدالت نے جانبین کی اس اتفاقی شکر رنجی اور نزاع لفظی کو طلاق شرعی کی اہمیت نہیں دی۔ اور صرف کفارہ (حقیقتاً غیظ و غضب کا بدلہ) کی اداکاری کی حد تک رکھا۔ اس کفارہ کے نزول حکم کا بھی یہی سال محقق ہوتا ہے۔

غرض کہ یہ تمام تر سال حقوق نسوان میں مساوات و سہولیات کے قائم ہونے کا مبارک عنوان ثابت ہوتا ہے۔  
 بُرا ہو اُن بد میں لگا ہوں کا جوان واقعات کو دیکھ کر بھی اسلام کو صنف نسوان کی نسبت غفلت و جبر کا ملزم ٹہراتے ہیں۔

چشم بد اندیش کہ برکت در باد غیب نہاید ہنر دیگران

(۸) اسی سال پانی نہ ملنے کی حالتوں میں تیمم کا بھی حکم نازل ہوا۔

(۹) نماز خوف کا بھی اسی سال حکم ہوا۔

## تَمَامُ السَّيَرَةِ النَّبَوِيَّةِ

تَمَامُ الْمَجْلَدِ الثَّانِي مِنَ السَّيَرَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ الْمَوْسُومِ

بِالْأَسْوَةِ الرَّسُولِ صَلَوَاتُ وَسَلَامُ عَلَيْهِ

وَالْهَمِّنْ رَبِّ الْقُلُوبِ الْعَقُولِ

المؤلف الاحقر

سید اولاد حیدر عفی عنہ

کتاب خانہ جامعہ اسلامیہ دہلی

کو اتھ ضلع آرہ

شریف عمارت

۹ شعبان ۱۳۴۴ھ

